

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

قل هذه سبيلي ادعوا الى الله على بصيرة انا ومن اتبعني سبحان الله  
وما انا من المشركين

میرا طریقہ توحید ہے کہ میں لوگوں کو خدا کی طرف بلاتا ہوں میں اور میرا پیرو دونوں  
مستبوط دلیل پر ہیں اور خدا ہر عیب و نقص سے پاک و پاکیزہ ہے اور میں مشرکین سے  
نہیں ہوں۔  
(ترجمہ فرمان)

## کتاب مستطاب

اصول الشریعہ

فی

عقائد الشیعہ

(از قلم محقق رفیع)

سرکار صدر المحققین سلطان المتکلمین حجة الاسلام والمسلمین

حضرت علامہ الشیخ محمد حسین مدظلہ العالی علی رؤس المومنین

ناشر مکتبہ السبطين 296/9 بی سیٹائٹ ٹاؤن سرگودھا

بِسْمِ اللَّهِ

قُلْ هَذِهِ سَبِيلُ اللَّهِ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعِيَ سَبْحَانَ اللَّهِ مَا أَنَا مِنَ الْمَشْكُوتِ

”میرا طریقہ تو یہ ہے کہ میں لوگوں کو خدا کی طرف بلاتا ہوں، میں اور میرا پیرو دونوں، مضبوط دلیل پر ہیں اور خدا ہر عیب و نقص سے پاک و پاکیزہ ہے اور میں مشرکین سے نہیں ہوں  
ترجمہ فرماؤ،

کتابِ مُسْتَطَاب

اصُولُ الشَّرْعِ

فِي  
حَقَائِدِ الشَّيْعَةِ

انرا قلم حقیقت ساقم

سرکارِ صدیقین سلطانِ متکلمین حجتہ الاسلام والمسلمین حضرت علامہ اشخ محمد حسین علی دوس المؤمنین

ناشر

مکتبۃ السبطین ۲۹۶ بی سیٹلاٹ ٹاؤن سرگودھا



## اظہار تشکر

موجب حدیث شریف لم یشکر الناس یشکر الله جو شخص انسانوں میں سے اپنے محسن کا شکریہ ادا نہ کرے اس نے گویا خدا کا بھی شکریہ ادا نہیں کیا۔

لہذا انتہائی ناشکر گزاری ہوگی۔ اگر کتاب ہدایت ماب اصول الشریعہ فی عقائد الشیعہ کی چوتھی طباعت کے سلسلہ میں عزیز گرامی جناب الحاج عالم شبیر صاحب صدر حسینی مشن نیو پورٹ (برطانیہ) متوطن ثوبہ ٹیک سنگھ کا صمیم قلب سے شکریہ ادا نہ کیا جائے جن کے مخلصانہ مالی تعاون کی وجہ سے یہ کتاب ہدایت انتساب حدت مومنین کریم کے مشتاق ہاتھوں تک بہترین شکل و صورت میں پہنچ رہی ہے۔ جزاک الله خیر الجزاء فی لدارین ۔

دعا ہے کہ خداوند عالم ان کی اس دینی سعی و کوشش کو شرف قبول سے نوازے اور ان کو اپنے دینی و دنیوی مقاصد میں کامیاب و کامران فرمائے اور ان کو انکے بزرگوں خور دوں کو حوادث لیل و نہار اور گردش روزگار سے محفوظ رکھے۔ حق النبی وآلہ

## دیباچہ طبع چہارم اصول الشریعہ فی عقائد الشیعہ

بفضلہ تعریف سعید ساعت آگئی ہے کہ ہم اپنی عظیم علمی و تحقیقی کتاب مستطاب اصول الشریعہ فی عقائد الشیعہ کا چوتھا ایڈیشن بڑی آب و تاب کے ساتھ شائقین کی خدمت میں پیش کرنے کی عظیم سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ دعا ہے کہ خدا سے قبول فرمائے اور طالبان حق کو اس سے استفادہ کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ حق النبی ﷺ

# اجمالی فہرست مضامین اصول الشریعہ

| نمبر شمار | عنوان  | صفحہ | نمبر شمار | عنوان   | صفحہ |
|-----------|--|------|-----------|---|------|
| ۱         | والدہ مرحومہ کے نام                              | ۲    | ۱۷        | نوعلم ابو ذر مافی قلب سلمان کے سینہ مفہوم کا بیان | ۲۶   |
| ۲         | پیش لفظ  | ۳    | ۱۸        | ہر ایک مومن کا مقام معلوم ہے                      | ۴۰   |
| ۳         | حق و باطل کی باہمی کشمکش                         | ۶    | ۱۹        | موجودہ دور کے درمیان علم و ایمان کی روش پر تبصرہ  | ۴۲   |
| ۴         | اہل حق پر اہل باطل کی افتراء پر مذاہب            | ۴    | ۲۰        | تقریباً و تقریر کا مفہوم کیا ہے                   | ۴۵   |
| ۵         | ہمیشہ اہل حق مظفر و منصور رہیں گے                | ۵    | ۲۱        | عام لوگ تہذیب توڑتے ہیں مگر غلو سے نہیں ڈرتے      | ۴۸   |
| ۶         | علماء رسول کا کردار                              | ۷    | ۲۲        | ہم نہ خالی ہیں نہ قالی ہیں                        | ۴۹   |
| ۷         | تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے۔                      | ۸    | ۲۳        | بطالت میں درایت کی اہمیت                          | ۵۰   |
| ۸         | دین میں اختلاف کرنے کی مذمت                      | ۱۰   | ۲۴        | خالیوں کی ویسہ کاریاں                             | ۵۱   |
| ۹         | اختلاف فی الدین کے علل و اسباب                   | ۱۱   | ۲۵        | حصر جدید کے جدید مؤلفین کی تلون مزاحیاں           | ۵۲   |
| ۱۰        | اصحاب آئمہ کا دینی امور میں اہتمام               | ۱۴   | ۲۶        | یہ کتاب کیوں لکھی گئی۔                            | ۵۴   |
| ۱۱        | نیت کبریٰ کے زمانے والے اہل ایمان کی شرعی تکلیف  | ۱۸   | ۲۷        | ہمدردی دوسری کتب بالعلوم اور احسن الفوائد         | ۵۷   |
| ۱۲        | اصول اعتقاد میں اخبار احاد پر اعتما د جائز نہیں  | ۲۰   | ۲۸        | اصول الشریعہ بالخصوص عظیم کتابیں ہیں              | ۵۵   |
| ۱۳        | غلو و تفویض کی مذمت ارشادات معصومین کی روشنی میں | ۲۳   | ۲۹        | مخالفیت کا طوفان                                  | ۵۶   |
| ۱۴        | صفات ربوبی کون سی ہیں                            | ۲۹   | ۳۰        | تشد و فتنة گیری علمی شکست خوردگی کی دلیل ہے       | ۵۸   |
| ۱۵        | کچھ کن صورتوں میں غلو لازم آتا ہے۔               | ۳۰   | ۳۱        | جوابی کتب کا غیر قناری سلسلہ                      | ۶۰   |
| ۱۶        | نزول نامن الربوبیت کا صحیح مفہوم                 | ۳۲   | ۳۲        | ان جوابی کتب میں کیا ہے                           | ۶۱   |
|           |  |      | ۳۳        | ایک مؤلف کا اپنی دو کتابوں میں تضاد               | ۶۳   |
|           |  |      | ۳۴        | ایک ہی مؤلف کا ایک ہی کتاب میں تضاد               | ۶۵   |



| نمبر شمار | عنوان  | صفحہ | نمبر شمار | عنوان  | صفحہ |
|-----------|--|------|-----------|--|------|
| ۳۴        | توجہ طلب نکتہ  | ۶۹   | ۵۲        | نیکوئی امور میں تفویض کا بطلان                           | ۱۷۰  |
| ۳۵        | اسلام الشریعہ فی عقائد الشیعہ                                | ۷۲   | ۵۳        | آئمہ اجماع کے مقام و کام کے متعلق صحیح شیعہ اقتصاد       | ۱۸۲  |
| ۳۶        | حدیث شریف مشتمل بر اکثر عقائد شیعہ                           | ۷۳   | ۵۴        | انکشاف حقیقت   | ۲۲۶  |
| ۳۷        | یہ باب   |      |           | چوتھا باب  |      |
| ۳۸        | انبیاء و آئمہ علیہم کی علیحدہ نوع ہونے کا بیان               | ۷۶   | ۵۵        | انبیاء و آئمہ علیہم السلام سے استدلال کے جواز و عدم جواز |      |
| ۳۹        | اس نظریہ کے ابطال اور انبیاء و آئمہ کے نوع انسانی کے         |      |           | کا بیان  | ۲۲۷  |
|           | اکمل افراد ہوئے اثبات پر قرآن و احادیث معصومین               |      | ۵۶        | امور کو فنیہ کی انجام دہی آئمہ اطہرین کے متعلق نہیں ہے   | ۲۳۰  |
|           | و اتفاق علماء کاملین اور عقل سلیم کی روشنی میں دلائل         | ۷۶   | ۵۷        | مسئلہ استدلال انبیاء و آئمہ قرآن مجید کی روشنی میں       | ۲۳۷  |
| ۴۰        | روح القدس کے فرشتہ ہونے پر دلائل                             | ۱۰۴  | ۵۸        | مقام الوہیت کی وضاحت                                     | ۲۴۳  |
| ۴۱        | روح ایمان کے فرشتہ ہونے کا بیان                              | ۱۰۶  | ۵۹        | ایک فیصلہ کن استفسار                                     | ۲۴۸  |
|           | دوسرا باب  |      | ۶۰        | مسئلہ استدلال تعلیمات معصومین کی روشنی میں               | ۲۴۹  |
| ۴۲        | انبیاء و آئمہ علیہم السلام کے نو یا بشر ہونے کا بیان         | ۱۱۸  | ۶۱        | متعلقہ مسئلہ میں آئمہ اطہار کے اصحاب انبیاء کا طریقہ     | ۲۵۶  |
| ۴۳        | انبیاء و آئمہ کی بشریت کا انکار قرآن کریم و حدیث             |      | ۶۲        | اقسام توحید  | ۲۵۸  |
|           | معصومین اور اجماع مسلمین کی مکتدب ہے                         | ۱۲۲  | ۶۳        | متعلقہ مسئلہ عقل سلیم کی روشنی میں                       | ۲۶۱  |
| ۴۴        | انبیاء و آئمہ کے دنیاوی جہاد و جلال سے محرومی کا راز         | ۱۳۱  | ۶۴        | ایک مضحکہ خیز استدلال کا ابطال                           | ۲۷۴  |
| ۴۵        | انبیاء و آئمہ میں آثار بشریت                                 | ۱۳۵  |           | پانچواں باب  |      |
| ۴۶        | انبیاء و آئمہ پر نور کا اطلاق                                | ۱۳۸  | ۶۵        | حقیقت معجزہ اور اس کے فعل خدا یا فعل انبیاء و            |      |
| ۴۷        | آیات و روایات نور کے متعلق چند تعارضات                       | ۱۳۹  |           | امام ہونے کا بیان  | ۲۸۴  |
| ۴۸        | آیات و روایات نور متشابہ ہیں                                 | ۱۴۱  | ۶۶        | معجزہ کی   |      |
|           | تیسرا باب  |      | ۶۷        | معجزہ کے شرائط   |      |
| ۴۹        | تفویض کے معانی و اقسام اور تفویض ممنوع کے                    |      | ۶۸        | معجزہ دلیل نبوت و امامت ہے                               | ۲۸۵  |
|           | بطلان کا بیان  | ۱۵۰  | ۶۹        | معجزہ اور سحر میں فرق                                    | ۲۸۶  |
| ۵۰        | تفویض کے اقسام سرکارِ عالمہ علیہ السلام کے کلام کی روشنی میں | ۱۵۱  | ۷۰        | معجزہ کا فعل خدا ہونا قرآن کی روشنی میں                  | ۲۸۸  |
| ۵۱        | تفویض کا بطلان قرآن مجید کی روشنی میں                        | ۱۵۸  | ۷۱        | معجزہ کا فعل خدا ہونا احادیث معصومین کی روشنی میں        | ۲۹۴  |



| نمبر شمار | عنوان   | صفحہ | نمبر شمار | عنوان  | صفحہ |
|-----------|---|------|-----------|--|------|
| ۷۲        | معجزہ کا فعل خدا ہونا علماء و متقدمین و متاخرین کی تحقیقات کی روشنی میں                           | ۳۰۱  | ۹۱        | ساتواں باب<br>انبیاء و آئمہ علیہم السلام کے عالم الغیب ہونے یا نہ ہونے کا بیان                         | ۳۶۳  |
| ۷۳        | معجزہ کا فعل خدا ہونا عقل سلیم کی روشنی میں   | ۳۱۹  | ۹۲        | علم غیب کی تعریف   | ۳۶۴  |
| ۷۴        | چٹا باب<br>سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کے ہر وقت ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے یا نہ ہونے کا بیان | ۳۲۰  | ۹۳        | علم غیب آیات قرآن کریم کی روشنی میں  | ۳۶۶  |
| ۷۵        | حاضر اور ناظر دو الگ موضوعات ہیں  | ۳۲۰  | ۹۴        | علم غیب ارشادات معصومین کی روشنی میں   | ۳۶۷  |
| ۷۶        | حاضر ہونے کی نفی قرآن کریم کی روشنی میں   | ۳۲۱  | ۹۵        | علم غیب تحقیقات علماء و اعلام کی روشنی میں   | ۳۶۸  |
| ۷۷        | حاضر ہونے کی نفی احادیث معصومین کی روشنی میں  | ۳۲۲  | ۹۶        | علم غیب عقل سلیم کی روشنی میں  | ۳۸۱  |
| ۷۸        | حاضر ہونے کی نفی علماء و اعلام کے بیان کی روشنی میں   | ۳۲۵  | ۹۷        | جمع بیانات و روایات اور اس موضوع پر قول فیصل   | ۳۸۲  |
| ۷۹        | حاضر ہونے کی نفی عقل سلیم کی روشنی میں  | ۳۲۷  | ۹۸        | بائیں ہر ان ذوات مقدسہ کو عالم الغیب نہیں کہا جاسکتا اور اس کے وجوہ                                    | ۳۸۳  |
| ۸۰        | ایک تحقیق جدید اور اس کا جواب   | ۳۲۹  | ۹۹        | بعض شکوک اور ادبام کا ازالہ  | ۳۸۵  |
| ۸۱        | لفظ شبید کے لغوی معانی کی تحقیق   | ۳۳۲  | ۱۰۰       | آٹھواں باب<br>پیغمبر اسلام کے سہرا معراج پر حضرت امیر علیہ السلام کے تشریف لیجانے یا نہ لیجانے کا بیان | ۳۹۵  |
| ۸۲        | کتب تفسیر و حدیث سے اس مطلب کی تائید مزید   | ۳۳۴  | ۱۰۱       | محل نزاع کے تئیں   | ۳۹۶  |
| ۸۳        | محل نزاع کی تعیین   | ۳۳۴  | ۱۰۲       | متعلقہ مسئلہ قرآن کریم کی روشنی میں  | ۳۹۷  |
| ۸۴        | ناظر ہونے کی نفی قرآن کریم کی روشنی میں   | ۳۳۷  | ۱۰۳       | متعلقہ مسئلہ احادیث معصومین کی روشنی میں   | ۳۹۸  |
| ۸۵        | ناظر ہونے کی نفی احادیث معصومین کی روشنی میں  | ۳۴۷  | ۱۰۴       | عالم بالا میں جناب امیر علیہ السلام کی مثال مبارک کا موجود ہونا  | ۴۰۱  |
| ۸۶        | ناظر ہونے کی نفی علماء و اعلام کے بیان کی روشنی میں   | ۳۵۲  | ۱۰۵       | متعلقہ مسئلہ اتفاق علماء و کلامین کی روشنی میں   | ۴۰۳  |
| ۸۷        | اس مسئلہ میں آخری فیصلہ کہ علم نبی و امام و ارادی ہے  | ۳۵۵  | ۱۰۶       | متعلقہ مسئلہ عقل سلیم کی روشنی میں   | ۴۰۸  |
| ۸۸        | افادہ جدیدہ متعلق یہ علم نبی و امام   | ۳۵۸  | ۱۰۷       | شب معراج عبد و معبود میں جو گفتگو ہوئی وہ حضرت امیر کے لہجہ میں تھی                                    | ۴۰۸  |
| ۸۹        | بعض شکوک و ادبام کا ازالہ   | ۳۶۱  |           |  |      |
| ۹۰        | احادیث عمود کے متعلق بعض اعلام کا تحقیقی بیان   |      |           |  |      |



| نمبر شمار | عنوان   | صفحہ | نمبر شمار | عنوان   | صفحہ |
|-----------|---|------|-----------|---|------|
|           | نواں باب  |      |           |   |      |
| ۱۰۷       | بعض علماء اعلام کثر ہم اللہ فی الاسلام سے اتہام | ۴۱۴  | ۱۲۲       | چودھواں فرق بسط الیہین                            | ۴۲۳  |
|           | وہابیت کے ازالہ کا بیان                         |      | ۴۳        | دسواں باب   |      |
| ۱۰۸       | معارقات الشیعہ والوہابیہ                        | ۴۱۶  |           | موجودہ دو کٹر شیعہ بیان تشیع کے مفوضہ اور         |      |
| ۱۰۹       | پہلا فرق عقیدہ توحید                            | ۴۱۷  |           | شیخی العقیدہ ہونے کا بیان                         | ۴۲۴  |
| ۱۱۰       | دوسرا فرق عقیدہ رسالت                           | ۴۱۸  | ۱۲۴       | فرقہ شیخیہ کے بعض عقائد فاسدہ کا بیان             | ۴۲۶  |
| ۱۱۱       | تیسرا فرق تعمیر مشاہد                           |      | ۱۲۵       | شیخیہ اور علیحدہ نوع والا عقیدہ                   |      |
| ۱۱۲       | چوتھا فرق زیارت قبور                            | ۴۱۹  | ۱۲۶       | شیخیہ اور توفیق والا عقیدہ                        |      |
| ۱۱۳       | پانچواں فرق وسیدہ و شفاعت                       |      | ۱۲۷       | شیخیہ اور مظاہر اسماء اللہ والا عقیدہ             | ۴۲۸  |
| ۱۱۴       | چھٹا فرق حیات انبیاء و آئمہ                     |      | ۱۲۸       | شیخیہ اور علم غیب والا عقیدہ                      | ۴۲۹  |
| ۱۱۵       | ساتواں فرق یا رسول اللہ اور یا علی کنا          | ۴۲۱  | ۱۲۹       | شیخیہ اور آئمہ اہل بیت کے ملل کا راجعہ ہونے       |      |
| ۱۱۶       | آٹھواں فرق عقیدہ امامت                          |      |           | کا عقیدہ  |      |
| ۱۱۷       | نواں فرق عقیدہ افضلیت                           | ۴۲۲  | ۱۳۰       | شیخیہ اور حاضر و ناظر والا عقیدہ                  |      |
| ۱۱۸       | دسواں فرق کلمہ ولایت                            |      | ۱۳۱       | شیخیہ اور علم حضور صی والا عقیدہ                  | ۴۳۰  |
| ۱۱۹       | گیارہواں فرق تقلید شخصی                         |      | ۱۳۲       | شیخیہ اور استمداد والا عقیدہ                      | ۴۳۱  |
| ۱۲۰       | بارہواں فرق بعض اسماء کا جواز                   | ۴۲۳  | ۱۳۳       | شیخیہ اور معجزہ کے فعل نبی و امام ہونے والا عقیدہ | ۴۳۱  |
| ۱۲۱       | تیرہواں فرق عزاداری سید الشہداء                 |      | ۱۳۴       | شیخیہ اور فرشتوں کے حرکت و سکون کے                |      |
|           |   |      |           | برست اہل بیت ہونے کا عقیدہ                        | ۴۳۳  |

## قطعہ تاریخ طبع اصول الشریعہ

تاریخ نتیجہ فکر شاعر البیت جناب سید وزیر حسین شیرازی ند علی اللہ مقامہ سرگودھا

بفضل جناب یہ بہتر عطیہ  
وزیر کمالی کاتف کی آواز کہہ دے  
رقم اس میں ہیں اعتقادات شیعہ  
کہ راہ ہدایت اصول الشریعہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## والدہ مرحومہ کے نام

اگر سیاہ دلم، داغ لالہ زار توام  
دگر کشادہ جبینم، گل بہار توام

چونکہ والدہ مرحومہ و مغفورہ کا سایہ عاطفت صغیر سنی میں سر سے اٹھ گیا تھا۔ لہذا میں بفضلہ تعالیٰ شیدائی سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام والدہ مرحومہ کے ہی حسن تربیت سے اس قابل ہوا کہ آج اپنی بساط و مبذلت کے مطابق کچھ خدمت دین میں کر رہا ہوں۔ اس لئے میں اپنی اس ناچیز کتاب کو ان کے نام کے ساتھ معنون کر کے اس حقیر دینی خدمت کا ثواب بے بغیر سرکار ولی عصر و امام زمان علیہ السلام فرجہ ان کی رُوح پر فوج کو پہنچا رہا ہوں۔

مگر قبولِ افتد زبے عود و شرف

آساں تیری لحد پر شعبنم افشانی کرے

سبزہ فرستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

آپ کا  
احقر محمد حسین عفی عنہ سرگردھا  
ستمبر ۱۹۶۶ء

|            |                           |
|------------|---------------------------|
| کتابت      | تیسرے تیسرے ابن دزیر شیری |
| طباعت      | شمالی پریس سرگردھا        |
| قیمت       | ۱۵۰ روپے                  |
| بار        | چہارم                     |
| اگست ۱۹۶۶ء |                           |



باسمہ سبحانہ  
مبسلًا و حاملًا و مُصلًّیًا و مُسلًّما

## پیش لفظ

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز  
چراغِ مصطفویٰ سے شرارِ برہمبہی

**حق و باطل کی باہمی کشش** | اقبال کے اس حقیقت افروز شعر میں حق و باطل کی کشمکش کی پوری تاریخ سمیٹی ہوئی ہے۔ اقوام و ادیانِ عالم کی تاریخ پر پھر یہی نگاہ رکھنے والے حضرات پر یہ حقیقت معنی و مستور نہیں ہے کہ ابتدائے آفرینش کا ثنات سے لے کر آج تک ہمیشہ یہ دیکھا گیا ہے کہ حق کے ساتھ باطل، خیر کے ساتھ شر اور صداقت کے ساتھ کذب برسرِ پیکار رہا ہے۔ تاریخِ عالم کے ادراک گواہ ہیں کہ جب بھی کسی نادہی برحق اور رہنمائے حقیقت نے ازراہِ خلوص و ہمدردی مفلوکِ خدا کو چاہِ خلافت سے نکلانے اور صراطِ مستقیم پر چلانے کے لئے درسِ رشد و ہدایت دینا شروع کیا اور پند و ارشاد کا سلسلہ جاری کیا تو تمام طاغوتی طاقتیں مجتمع ہو کر اس کی منافقت و مناصبت پر کمر بستہ ہو گئیں اور مختلف مکاریوں، وسیع کاریوں اور شیطانی معیاروں سے آوازِ حق کو دبانے دین و دیانت کو مٹانے، شیعِ رشد و ہدایت کو گھل کرنے اور اہل حق کو غافل و ہراساں کر لے کے لئے حرکت میں آ گئیں۔

حضرت خلیلؑ کے مقابلہ میں نمرود، جناب کلیمؑ کے مقابلہ میں فرعون، سرکار حبیبؑ کو دغا کار کے مقابلہ میں ابوجہل، حضرت امیر المومنینؑ کے مقابلہ میں امیرِ شام و دیگر بعض لٹام اور سرکارِ سید الشہداءؑ کے مقابلہ میں یزیدؓ کا فحش ٹھونک کر اپنی اپنی طغوت و شقاوت کا مظاہرہ کرنا اسی ناقابلِ انکار حقیقت کے بعض منظر ہیں۔  
موسیٰ و فرعون و شبثیہ و یزیدؓ ایں درقوت از حیات آمد پدید

چراغِ مصطفویٰ سے شرارِ برہمبہی کی ستیزہ کاری امروز پر ختم نہیں ہو جاتی بلکہ حقیقت یہ ہے کہ امروز سے فردا اور فردا سے تا ابد یہ سلسلہ جاری و ساری رہے گا۔ ولایٰ مزالون مختلفین۔ حق و باطل کی یہ جنگ ہمیشہ ہر دور میں رہی ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ خالقِ کائنات کو یہ استقامت مقصود ہے کہ کفر و شرک اور فسق و فجور کی تاریکیوں میں چراغِ رشد و ہدایت کو روشن کرنے کی کوشش کون کرتا ہے اور اسے گل کرنے کی سعی نافرجام کون کرتا ہے!



قرآن گواہ ہے کہ پیغمبر اہل باطل نے اہل حق کو غلام برہمن کرنے کی آواز  
**اہل حق پر اہل باطل کی افترا پر دلیلیاں** | حق کو غیر مؤثر بنانے اور رائے عامہ کو ان کے خلاف ابھارنے  
کے لئے کذب و افتراء اور الزام و انتہام کے طوفان اٹھائے۔ ان کی بدگوئی و عیب جوئی میں زمین و آسمان  
کے فلاں بے ملائے۔ مکر و فریب سے عوام الناس کو اپنی مصنوعی صداقت پر بہت یقین دلائے اور صحیح بات  
کو غلط اور غلط کو صحیح لباس پہنائے۔ کون نہیں جانتا کہ حضرت نوحؑ نے اپنی قوم کو وادی ضلالت سے نکالنے  
کے لئے کس قدر جدوجہد کی اور کس مشکلات و مصائب کا سامنا کیا۔ مگر قوم نے اس کے سامنے یہ کہا۔ قَالَ  
الْمَلَائِكَةُ مِنْ قَوْمٍ مَّيْمَةٍ اِنَّا لَنَرَاكَ فِي ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ہ ہم تو تم کو کھلی ہوئی گمراہی میں دیکھ رہے ہیں۔ جناب  
نوحؑ نے ان کے جواب میں صرف اس قدر فرمایا۔ قَالَ لَیْقَوْمٌ لَّیْسَ بِيْ ضَلٰلَةٍ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَبِّ  
الْعٰلَمِيْنَ ہ اے میری قوم! مجھ میں گمراہی کی کوئی بات نہیں ہے۔ بلکہ میں تو پروردگارِ عالم کی طرف سے بھیجا ہوا  
رسول ہوں۔ آں جناب کا جرم کیا تھا جس کی پاداش میں قوم نے ان کے ساتھ یہ سلوک روا رکھا؟ وہ قوم سے  
یہ کہتے تھے۔ فَقَالَ لَیْقَوْمٌ اَعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اللّٰهِ عَشِيْرًا ہ اے میری قوم! صرف خدا کی عبادت  
کرو۔ اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے (اعراف)، اسی طرح حضرت ہودؑ نے جب اپنی قوم کو حکمِ خدا  
حق کی تبلیغ کی کہ یَقَوْمُ اَعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اللّٰهِ عَشِيْرًا ہ اے بھائیو! اللہ ہی کی عبادت کرو اس کے  
سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے، تو قوم کے سرکشوں اور منکروں نے یہ جواب دیا۔ قَالَ الْمَلٰٓئِكَةُ لَیْسَ  
مِّنْ قَوْمٍ مَّيْمَةٍ اِنَّا لَنَرٰكَ فِيْ سَفَاہَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ہ ہم تمہیں حماقت میں مبتلا پاتے  
ہیں اور ہم تمہیں جھوٹا سمجھتے ہیں۔ جناب ہودؑ کا سیر و سنبھل دیکھئے۔ قوم کی اس بدسلوکی کے جواب میں صرف  
اس قدر فرماتے ہیں قَالَ لَیْقَوْمٌ لَّیْسَ بِيْ ضَلٰلَةٍ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ہ اے میری قوم! مجھ میں  
حماقت کی کوئی بات نہیں ہے بلکہ میں تو پروردگارِ عالم کا رسول ہوں، ان کا قصور بھی صرف یہی تھا کہ وہ قوم  
سے یہ کہتے تھے کہ فَقَالَ لَیْقَوْمٌ اَعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اللّٰهِ عَشِيْرًا ہ (اعراف) جب حضرت صالحؑ اپنی  
قوم ثمود کو ہدایت کرنے کے لئے مبعوث ہوئے تو قوم نے ازراہ تکبر کمزور و مغریب اہل ایمان سے کہا۔  
قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْۤا اِنَّا بِاٰتِیٰكََۤا مُشْتٰكٍ مَّيْمَةٍ كٰفِرُوْنَ ہ جس پر تم ایمان لائے ہو ہم تو اس کے منکر  
ہیں۔ آں جناب کا گناہ بھی فقط یہی تھا کہ وہ کہتے تھے فَقَالَ لَیْقَوْمٌ اَعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اللّٰهِ عَشِيْرًا ہ  
میرے قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ (اعراف) جب حضرت روطہؑ نے اپنی قوم  
کو وادی ضلالت و گمراہی سے نکالنے کا مقدس کام شروع کیا تو قوم کے مشکبروں نے ان سے کہا اور ان کے بتیین  
کے برخلاف یہ عیارانہ پروگرام مرتب کیا کہ اٰخِرُ جُؤْهُم مِّنْ قَرَبٰتِكُمْ اَنَّهُمْ اُنَاسٌ یَّتَطَهَّرُوْنَ ہ ان کو







ہو جاتے اور اہل باطل بدروک ٹوک اپنی من مانی کارروائیاں کرتے۔ مگر تاریخ عالم کے صفات شاہد ہیں کہ کبھی ایسا نہیں ہوا۔ بلکہ ہمیشہ قدرت کاملہ نے اپنے زبردست دست و دست قدرت سے ان کے مکر و فریب کے پردہ کو چاک کیا۔ ان کے باطل منصوبوں کو خاک میں ملایا، ان کی تمام وسیع کاریوں و عیاریوں کو ناکام بنایا اور ہمیشہ ان کو ان کے ناپاک عزائم و ارادوں میں غائب و خاسر و ناشاد و نامراد کیا۔

اُلٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ بھی نہ دوائے کام کیا

اہل ایمان افزا مناظر دیکھ کر ششدر و حیران ہو گئے اور جلی الخالق کا در در کرتے تھے۔ خالق کا وعدہ ہے وحقاً علینا نصر اللہ و موئین۔ ہمارے اوپر اہل ایمان کی نصرت و امداد کرنا لازم ہے۔ ایک اور مقام پر ارشاد فرماتا ہے۔ ان الله يدا فَع من الذین امنوا خداوند عالم اہل ایمان کی طرف سے خود دفاع کرتا رہتا ہے۔

۵ قدرت خود بخود کرتی ہے لالہ کی جفا بندی

نیز اس کا ارشاد ہے۔ انا لنصر و مسلنا و الذین امنوا فی الحیوة الدنیا و یومہ یقوم الا لشہاد ہم اپنے رسولوں اور اہل ایمان کی دنیا و آخرت میں مدد کرتے ہیں۔ ہم نے ابھی اور جن بعض انبیاء و انصار علیہم السلام اور ان کی قوموں کی تکذیب و بدسلوکی کا اجمال تذکرہ کیا ہے۔ قرآن کی زبان سے سنئے کہ ان جھٹلنے والوں اور افزا پر دازیاں کرنے والوں کا انجام کیا ہوا تھا؟ قوم فرج کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے۔ فاغشیہ و الذین معہ فی الضلک و اخرنا الذین کذبوا یا یلتنا ہم نے فرج اور اس کے ساتھیوں کو نہات دی اور جن لوگوں سے ہماری آیات کو جھٹلایا تھا۔ ان کو غرق کر دیا، حضرت ہود کی قوم کا بھڑ بھڑا اس کے متعلق قرآن خبر دیتا ہے۔ فاغشیہ و الذین معہ بروحمتہ منا و قطعنا دابر الذین کذبوا یا یلتنا و ما کافوا موئین ہم نے اپنی خاص رحمت سے جناب ہود اور اس کے ساتھیوں کو نہات دی اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تھا اور مومن نہ تھے ان کو نیست و نابود کر دیا اسی طرح قوم صالح کی بربادی کا قرآن یوں نقشہ کھینچتا ہے۔ فاخذ قہم الرجفة فاصبحوا فی دارہم جنتہم ان کو زلزلہ نے آگیا اور وہ اپنے اپنے گھروں میں اوندھے پڑے ہوئے رہ گئے۔ اسی طرح قوم لوط جس دردناک انجام سے دوچار ہوئی اس کے متعلق قرآن شاہد ہے۔ و امطرنا علیہم مطراً فانظر کیف کان عاقبتہ المجرمین، ہم نے ان پر پتھروں کی بارش برسائی۔ عذر کر دو کہ مجرموں کا کیا بُرا انجام ہوا۔ قوم ثیبت کا بھی وہی انجام ہوا جو قوم ہود کا ہوا تھا کہ اخذ قہم الرجفة فاصبحوا فی دارہم جنتہم ان کو زلزلہ نے آگیا اور وہ اپنے اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ اسی طرح فرعون اور اس کی قوم کو ان کی سرکشی، حق کشی اور باطل کوشی کی یہ سزا ملی کہ فانتقمنا منہم فاعز قہم فی الیم یا قہم کذبوا یا یلتنا و کافوا عنہا فغلین۔ ہم نے ان سے اس طرح انتقام لیا



کہ ان کو رو دینیل میں غرق کر دیا کیونکہ وہ ہماری آیات کو جھٹلانے والے تھے اور ان سے غفلت کرتے تھے۔ اسی طرح جناب رسولی خدا کے جھٹلانے اور اذیت پہنچانے والوں کا جو انجام ہوا اس کے لئے تمام اسلامی غزوات شاہد ہیں کہ دشمن کس طرح ذلیل و خوار ہوئے اور کس طرح ان کو پسائی حاصل ہوئی اور کس طرح ان کی پٹائی ہوئی۔ یہاں تک کہ بالآخر بالکل ہی مغلوب و مقہور ہو گئے۔ (حق ظہور امر اللہ وہم کارہون۔)

آنحضرت کی فتح و نصرت کے قصیدے فرشتوں نے جس طرح پڑھے وہ آج تک صفحات قرآن کی زینت ہیں اور ہمیشہ زینت رہیں گے۔ (انا فتحنا لک فتحاً مبیناً امام حسین اور یزید بنید کے تاریخی کاربہ حق و باطل کا نتیجہ یہ نکلا کہ ۵)

نام یزید داخل دشنام ہو گیا

اور حسین نے نہ صرف اسلام کو زندہ جاوید بنا کر بلکہ پورے عالم انسانیت کو ہلاکت ابدی سے بچا کر وہ بلند مقام حاصل کیا کہ اہل انصاف کو کہنا پڑا ۵

شاہ است حسین باد شاہ است حسین دین است حسین دین پناہ است حسین

سردار نہ داد دست در دست یزید حقا کہ بنائے لالا است حسین

بہر کیف یہ ایک زندہ و تابندہ حقیقت ہے کہ ۵

حقیقت ابدی ہے مقام شہیر می بدلتے رہتے ہیں انداز کوئی و شامی

حالات کا یہ جریان و قانون قدرت کا سر بیان یہ بتاتا ہے کہ قیام قیامت تک ہمیشہ اہل حق اسی طرف منتظر و منصور رہیں گے۔ انشاء اللہ۔

تاریخ اسلام کے اوراق گواہ ہیں کہ جہاں آئمہ دین کے مقابلہ میں بھرپور باطل طاقتیں

علماء سو کا کردار

برسر کار رہی ہیں وہاں علماء حق کے بالقابل ملا سو کا کردہ بھی ہمیشہ اپنے مخصوص مفادات کی خاطر

اور دین کے نام پر قائم کردہ دکھائیوں کے تحفظ کی خاطر باطل کی تقویت کا باعث بنا رہا ہے اور آئمہ و ملائے

حق سے ٹکراتا رہا ہے اور ان پر بے بنیاد الزامات لگا کر ان کی راہ میں کانٹے بکھانے میں کوشاں رہا ہے۔

تاریخ اسلام سے معمولی واقفیت رکھنے والے جانتے ہیں کہ اگر اعلیٰ کلمۃ الحق کی خاطر ایک طرف جناب

شہید اول ابتداء و آزمائش سے دو چار تھے تو عین اسی وقت کچھ عیار بدوش دین فردش اہل علم تلاش

بینوں کی صف میں کھڑے تھے۔ ایک طرف حضرت شہید ثانی حق کی سر بلندی اور باطل کی سرکوبی کی خاطر

ناقابل برداشت صعوبتیں برداشت کر رہے تھے تو دوسری طرف مولوی صاحبان کی ایک جماعت قاتل

کو اس کے اس کارنامے پر مبارکباد پیش کر رہی تھی۔ تاریخ کا ایک اور ورق ایسے تو آپ دیکھیں گے کہ



محمد و آل محمد علیہم السلام کے مقدس مذہب کی مقدس امانت کے بچانے اور آئندہ نسلوں تک پہنچانے کی خاطر ایک طرف حضرت شہید ثالثؒ، دربار شاہی میں جلاؤ کے کوڑوں کی شدید ضربات سے لہو لہان اور نیم جان ہو رہے تھے اور اپنے خون سے چراغ مصطفویٰ کو روشن کر رہے تھے تو عین اسی وقت فتویٰ فراروں اور لپک لپک کر دعوے و تبلیغ کرنے والوں کا ایک طبقہ شرابہ بولہبی کے تحفظ کی خاطر اپنی قوتیں صرف کر رہا تھا اور اقتدار کی چوکھٹ پر اپنے دین و ایمان کا نذرانہ پیش کر رہا تھا اور اس شہید راہِ خدا پر کفر کے فتوے لگا رہا تھا اور یہ رسم کہن آج تک برابر جاری و ساری ہے اور گفتار کے غازیوں کا ایک گروہ عوام کی معصوم عقیدتوں سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اپنی دکانداروں کے تحفظ کی خاطر کردار کے غازی علمائے اسلام کو برابر اپنے سب دشمن اور طعن و تشنیع اور افتراء و اتہام کا نشانہ بنا رہا ہے اور اتحادِ اسلامی کو اپنی ان ناپاک حرکتوں سے پارہ پارہ کر رہا ہے مگر وہ یقین رکھیں ۵

بھوکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

کیوں؟ اس لئے کہ ۵

نافوس بن کے جس کی حفاظت ہو کرے  
وہ شیعہ کیوں نبھے جسے روشن خدا کرے

یہ حقیقت زبانِ زوغلان ہے کہ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے |  
تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے | آج اس مقولہ کی صداقت ظاہر ہو رہی ہے۔ جیسا کہ مشاہدہ شاہد ہے۔ اگرچہ اسلام کے ہر دور میں یہ رزمِ حق و باطل برابر جاری رہا ہے مگر موجودہ قرنِ چہارم میں اس مارے نے جوش و خروش اختیار کر رکھی ہے شاید اسلام کے قرونِ وسطیٰ میں اس کی مثال نہ مل سکے بدقسمتی سے آج صورتِ حال یہ ہے کہ عوام ہی نہیں بلکہ ۵

مذہب کے علمبردار یہاں مصروف ہیں شرمیلے ہیں انصاف کے دعوے کر رہے ہیں جو کرتے ہیں ہی انصاف خوں

آج کل علمائے اسلام پر کیمچ اچھلنا۔ ان کے کلامِ حقیقت ترجمان میں کیڑے ٹھکانا۔ ان کی کلمہ گوئی اور عیب جوئی کرنا ایک دتیرہ اور محبوب مشغلہ بن گیا ہے۔ اور اس بات کا زیادہ انوس ناک پہلو یہ ہے کہ نسبت دوسرے مذاہب کے فرقہ بائے اسلام اور پھر ان میں سے بھی بالخصوص ہمارے مقدس مذہب شیعہ خیر الہیہ میں یہ بادل بدن جنگل کی آگ کی طرح بوجھتی ہی جا رہی ہے ۵

ہر طرح فتنے جگاتے ہیں جگانے والے  
آگ پانی میں لگاتے ہیں لگانے والے



لیکن ایسا کرنے والوں کو یہ حقیقت اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ اگر ان کا یہ خیال ہے کہ وہ اپنے ان ارچھے ہستیاردوں اور ہنگنڈوں کے ذریعہ سے اہل حق کو خاموش کر دیں گے یا ان کی آواز کو غیر مؤثر بنا سکیں گے تو وہ

اس خیال است و محال است و جزو

اہل حق نے مکمل غور و غوض کے بعد انبیاء کرام و ائمہ کرام علیہم السلام کے اسوۂ حسنہ کو اپنے لئے مشعلِ راہ بنانے کا قطعی فیصلہ کر لیا ہے و لکھنؤ رسول اللہ اسوۂ حسنۃ اور ان کی تقلید و تائید میں تہتہ کر لیا ہے کہ اعلیٰ کلمۃ الحق اور حقائق مذہب کی نشر و اشاعت کے سلسلہ میں جس قدر مشکلات و مصائب کے پہاڑ ان پر ڈھائے جائیں گے وہ خندہ پیشانی سے ان شہداء و آلہم کا استقبال کریں گے اور راہِ حق میں بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے میں دریغ نہیں کریں گے۔ مگر وہ نہ تو کلمۃ حق کہنے سے باز آئیں گے اور نہ ہی کبھی غلط بات کو صحیح کہیں گے۔

مشکل ہے کہ اک بندہ حق بن و حق اندیش غاشاک کے توڑے کو کہے کوہِ دماوند اگر ابھی ان حضرات کے ترکش میں افرادِ متہام اور بد زبانی و بد کلامی کا کوئی اور تیر باقی ہے تو وہ اسے بھی چلا لیں۔ پھر اپنی اجتماعی قوت سے جو چاہیں کارروائی کریں۔ دنیا دیکھ لے گی کہ بالآخر بعونہ تعالیٰ ع اٹھ جائیں گی تدبیریں بدل جائیں گی تقدیریں

اور بالآخر حق و حقیقت کا بول بالا اور پرچم سر بلند ہو کر رہے گا۔ انشاء اللہ۔

حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کا ارشاد ہے عندا ما حالنا ربنا نیا او متعلما علی سبیل الخباۃ او محبا لہما ولا تکن راجعا فتملک بنج البلاغہ، دنیا میں عالم ربانی یا حقیقی متعلم یا ان دو گروہوں کے دوست بن کر رہو۔ دیکھو چوتھی قسم نہ بننا ورنہ ہلاک و برباد ہو جاؤ گے؛ مگر افسوس آں جناب کے اکثر خوش عقیدہ شیعوں کو صرف آئینہ بننا ہی نام سے کام ہے انہیں ان کے کلام اور کام سے کوئی غرض نہیں آج ہمارے ملک میں عقائد و نظریات کا ایک بحران اُٹھ آیا ہے۔

خدا جانے لوگوں کو کس ہو گیا ہے جسے دیکھو وہ اپنی بڑا نکلتا ہے

آج مذہب کے بعض اجمارہ دار مذہب و اہل مذہب کو اختلاف و افتراق کے بحرِ بے کراں میں غرق کرنے پر تے ہوئے نظر آتے ہیں۔ بعض ذاتیات کی بناء پر بعض ذاتیات کی بحثوں کو ہوا دے کر سادہ لوح عوام کو گمراہ کر کے اپنا بیڑا غرق کر رہے ہیں اور بے عوام الناس اصلاح احوال کے علمبرداروں کی یہ روش و رفتار دیکھ کر زبانِ حال سے کہہ رہے ہیں۔



امریکیاں رو لہوئے صلح چوں آرم چوں  
رو لہوئے فتنہ و پیکار وارد سپر ما

اس زبوں عالی کا نتیجہ ہے کہ وہ منبرِ رسولؐ اور حسینیؑ ایٹج جو تفسیرِ قرآن، حقائق و معارفِ اسلام نیز  
بلقیٰ اسلام اور ان کے صحیح و ارشادِ علیہم السلام کی سیرت و کردار، اور اخلاق و اطوار اور ان کے صحیح فضائل و مصائب  
بیان کرنے کے لئے وقف تھا جس کے ذریعہ سے ان کے نام لیاؤں کو عقائد و اعمال صحیح کرنے اور اپنی سیرتوں  
کو سرکارِ محمد و آلِ محمد علیہم السلام کی سیرت و کردار کے آئینہ میں لکھیں دینے اور جلائے ایمانی حاصل کرنے کے  
اسباب مہیا کئے جاتے تھے۔

بدقسمتی سے وہی منبر آج اہل منبر کی ذاتی رقابتوں اور رنجشوں کی وجہ  
موجودہ طرزِ تبلیغ پر تنقید و تبصرہ سے ایک دوسرے پر الزام و انتہام لگانے، احکامِ شریعتِ مطہرہ  
کا مذاق اڑانے، ایک دوسرے کو بیٹا دکھانے اور اس طرح مذہب اور اہل مذہب کا مذاق اڑا کر نہ صرف انبیاء  
بلکہ جگ ہنسائی کے لئے اسبابِ تفریک جمع کرنے کے لئے وقف ہو کر رہ گیا ہے (الاما شاء اللہ) یا فوسنکار  
اور اندوہناک صورتِ حال کو دیکھتے ہوئے ایک ہمدردِ قوم و ملت مسلمان پیغمبرِ اسلام کی روحِ مقدس کو یوں  
خطاب کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے

شیرازہ ہوا ملتِ مرحوم کا اجتر  
اب تو ہی بتا تیرا مسلمان کدھر جائے؟

اس راز کو اب فاش کر لے روحِ محمدؐ  
آیاتِ الہی کا نگہبان کدھر جائے؟

آج آیاتِ قرآنِ کریم، احادیثِ سید المرسلینؐ، ارشاداتِ ائمہ معصومینؑ کو پس پشت ڈال کر یا زینتِ  
طاق و الماری بنا کر اپنے قیاسات کے مجموعہ جات کو مذہبیات اور ذاتی خیالات کو اعتقادات و آیات اور اپنی  
آراء فاسدہ کو شرعی نظریات کاٹ کر برعکس نہند نامِ زندگی کا ذرو نام دے کر ذاتی پسند اور ناپسند کو میزانِ حق و  
باطل قرار دیا جا رہا ہے۔

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں  
ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق

حضرت امیر المومنینؑ مذمتِ اختلاف کے سلسلہ میں فرماتے  
دین میں اختلاف کرنے کی مذمت ہیں۔ وَاللَّهُمَّ وَاحِدٌ وَنَبِيِّهُمْ وَاحِدٌ وَكِتَابُهُمْ  
وَاحِدٌ اِنَّا مَرَّهْمُ اللَّهُ تَعَالَى بِالْاِخْتِلَافِ نَأْطَاعُوهُ اَمَّ نَقَاهُمْ عَنْهُ فَعَصَوْهُ  
اَمَّ اَنْزَلَ اللَّهُ دِينًا نَا قِصًا نَا سْتَعَانُ بِهِمْ عَلٰى اِنْقَامِهِ - اَمَّ كَانُوا شُرَكَاءَ لَهُ فَلَهُمْ  
اَنْ يَقْتُلُوْا وَعَلَيْهِ اَنْ يِّزْضٰى اَمَّ اَنْزَلَ اللَّهُ سُبْحَانَهُ دِيْنًا تَامًا فَصَرَّ الرَّسُوْلُ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ عَنْ تَبْلِيْغِهِ وَاَدَّاهُمْ وَاللَّهُ سُبْحَانَهُ يَقُوْلُ رَمَّا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ



فِيهِ تَبَيَّنَتْ كُلُّ شَيْءٍ، وَذَكَرْنَا فِي الْكِتَابِ لِيَصِدَّقَ بَعْضُهُ وَبَعْضًا وَآخَهُ لَا اخْتِلَافَ فِيهِ  
 فَقَالَ مُبَعَاثُهُ وَلَوْ كَانَتْ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوْ جَدُّوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا، وَإِنَّ الْفُتَنَ  
 ظَاهِرًا وَأَيْنُ وَبَاطِنُهُ عَمِيقٌ لَا تَقْنِي عَجَابُهُ وَلَا تَنْقُصِي عَوَاثِبُهُ وَلَا تُكْشِفُ  
 الْغُلُظَاتُ إِلَّا بِهٖ (ترجمہ) حالانکہ ان کا اللہ ایک، نبی ایک اور کتاب ایک ہے۔ انہیں غور کرنا چاہیے  
 کیا اللہ نے انہیں اختلاف کا حکم دیا تھا اور یہ اختلاف کر کے اس کا حکم بجالاتے ہیں۔ یا اس نے حقیقت  
 اختلاف سے منع کیا ہے اور یہ اختلاف کر کے عمداً اس کی نافرمانی کرنا چاہتے ہیں یا یہ کہ اللہ نے دین کو  
 ادھور چھوڑ دیا تھا اور ان سے تکمیل کے لئے ہمت بٹانے کا خواہش مند ہوا تھا یا یہ اللہ کے شریک تھے کہ  
 انہیں اس کے احکام میں دخل دینے کا حق ہو اور اس پر لازم ہو کہ وہ اس پر رونا مند رہے یا یہ کہ اللہ نے  
 تو دین کو مکمل اتارا تھا مگر اس کے رسول نے اس کے پہنچانے اور ادا کرنے میں کوتاہی کی تھی اللہ نے قرآن میں تو  
 یہ فرمایا ہے کہ ہم نے کتاب میں کسی چیز کے بیان کرنے میں کوتاہی نہیں کی اور اس میں ہر چیز کا واضح بیان ہے  
 اور یہ بھی کہا ہے کہ قرآن کے بعض حصے بعض حصوں کی تصدیق کرتے ہیں اور اس میں کوئی اختلاف نہیں۔  
 چنانچہ اللہ کا ارشاد ہے کہ اگر یہ قرآن اللہ کے علاوہ کسی اور کا بھیجا ہوا ہوتا تو تم اس میں کافی اختلاف پاتے  
 اور یہ کہ اس کا ظاہر خوش نما اور باطن گہرا ہے۔ نہ اس کے عجائبات مٹنے والے اور نہ اس کے لطائف ختم ہونے  
 والے ہیں۔ غلظت (جہالت) کا پردہ اسی سے چاک کیا جاتا ہے۔ (پنج اہللافہ مترجم مفتی جعفر حسین صاحب)

جب خدا بھی ایک، رسول بھی ایک، کتاب بھی ایک اور آئمہ طاہرین اگرچہ تعداد میں بارہ ہیں مگر ان  
 کے قول و فعل میں اس قدر اتحاد و یکسانیت ہے کہ مخالفین بھی یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہو گئے کہ مذہب  
 بعضہم مذہب اہل دراست البیہ ۳۲ طبع لاہور واقعہ الاولاد شعرائی، یعنی آئمہ اہلبیت میں سے جو  
 ایک کا نظریہ ہوتا ہے وہی ان سب کا ہوتا ہے نہ دین ناقص ہے نہ رسول نے اس کی ادائیگی میں کوتاہی  
 فرمائی ہے اور نہ ہی ہادیان حق نے اس کی حفاظت و تراست اور قوی و فعلی تبلیغ میں کوئی کمی کی ہے تو پھر یہ  
 اختلاف و افتراق کہاں سے پیدا ہو گیا ہے؟ عقائد و نظریات کے اس بھرانے کہاں سے جنم لیا؟ اور  
 موجودہ طوفان بدتمیزی و فتنہ انگیزی کس سرچشمہ سے نکلا؟

آئیے ان سوالات کا جواب باصواب بھی سید المریدین حضرت  
**اختلاف فی الدین کے علل و اسباب** | امیر المؤمنین علیہ السلام سے حاصل کریں۔ آپ اس سلسلہ میں ارشاد

فرماتے ہیں إِنَّ أَفْضَلَ لَنِي إِلَى اللَّهِ رَجُلَانِ رَجُلٌ ذَكَرَهُ اللَّهُ إِلَى نَفْسِهِ فَهُوَ جَانِبٌ  
 عَنْ قَضِي السَّبِيلِ مَشْغُوفٌ بِكَلامِ رَبِّ عَتَبٍ وَدُعَاءِ صِلَالَةٍ فَهُوَ فِتْنَةٌ وَلَمَّا افْتَتَنَ



مَثَلٌ عَنْ هَذِي مَنْ لَانَ قَبْلَهُ مُصْنَعٌ لِمَنْ اِشْتَدَى بِهِ فِي حَيَاتِهِ وَ بَعْدَ وَفَاتِهِ مَثَلًا  
 خَطَايَا مَلِيحَةً رَهْنُ عَطِيَّتِهِ وَ رَجُلٌ قَمَشَ جَهْلًا مُوَسَّخًا فِي جَهَنَّمَ الْاُمَّةَ عَادِي فِي اَخْبَارِ  
 الْفِتْنَةِ عَمَّ بِمَا فِي عَقْدِ الْهَدْيَةِ قَدْ سَمَاهُ اَشْيَاءُ النَّاسِ عَالِمًا وَلَسِيَّ بِهِ تَكْوَرُ فَاسْتَلْهُ  
 مِنْ جَمِيعِ مَا قَدْ مِنْهُ حَيْرٌ مِمَّا كَثُرَ حَقٌّ اِذَا اَرْتَوَى مِنْ آجِنٍ وَ اَكْتَنَزَ مِنْ غَيْرِ طَائِلٍ جَلَسَ  
 بَيْنَ النَّاسِ قَانِيًا صَانِعًا لِيَتَخَلَّصَ مَا اَلْتَبَسَ عَلَيْهِ غَيْرُهُ فَإِنْ نَزَلَتْ بِهِ اَحَدَى الْمُنْهَمَاتِ  
 هَيَّا لَهَا حَشَوَاتُهَا مِنْ رَأْيِهِ ثُمَّ قَطَعَ بِهِ فَهُوَ مِنْ لَبْسِ الشُّبُهَاتِ فِي مِثْلِ تَسْمِ الْكُتُبِ  
 لَا يُدْرِي اَصَابَ امْرَاً اَخْطَا قَاتٍ اَصَابَ خَافَ اَنْ يَكُونَ قَدْ اَخْطَا وَ اَنْ اَخْطَا اَنْ يَكُونَ قَدْ  
 اَصَابَ بِمَا هَلْ خَبَا طُجَهَلَاتٍ عَاشَ رَكَابُ عَشَوَاتٍ كَمْ كَيْصٌ عَلَى اَفْعَلٍ بِضَرٍّ مِنْ قَاطِعِ  
 يُدْرِي الرِّوَايَاتِ اَدْرَاءُ التَّرِيمِ اَلْمُشِيرِ لَوْ مَلِيٍّ وَاللَّهِ بِارْصَادِهِ مَا دَرَدَ عَلَيْهِ وَلَا هُوَ  
 اَهْلٌ لِمَا فَوْضَ اِلَيْهِ لَا يَحْسَبُ اَفْعَلٌ فِي شَيْءٍ مِمَّا اَنْكَرَكَ وَلَا يَرَى اَنْ مِنْ دَرَاءٍ مَا  
 يَكُنْ مَذْهَبًا لَعَنِيهِ وَ اِنْ اَظْلَمَ اَمْرٌ اَكْتَنَزَ بِهِ لِمَا يَعْلَمُ مِنْ جَهْلٍ لِنَفْسِهِ تَصَرُّ  
 مِنْ جَوْرِ قَضَائِهِ اَلِدِّ مَاءٌ وَ تَعَجَّ مِنْهُ اَلْمَوَارِيثُ اِلَى اللَّهِ اَشْكُو مِنْ مَعْشَرٍ يَغِيثُونَ  
 جَهْلًا وَ يَمُوتُونَ ضَلَالًا لَو لَسِيَّ فِيهِمْ سِلْعَةٌ اَبْدُرُ مِنَ الْكِتَابِ اِذَا تَلَّى حَقٌّ تَلَاوَدَ  
 وَلَا سِلْعَةٌ اَنْفَقُ بَيْعًا وَلَا اَغْلَى ثَمَنًا مِنَ الْكِتَابِ اِذَا حُرَّتْ عَنْ مَوَاصِرٍ وَلَا عِيْدًا  
 هُمْ اَنْكَرُ مِنَ الْمَعْرُوفِ وَلَا اَعْرَفُ مِنَ الْمُنْكَرِ.

” کلام لوگوں میں سب سے زیادہ خدا کے نزدیک مبغوض دو شخص ہیں ایک وہ جسے اللہ نے اس  
 کے نفس کے حوالے کر دیا ہو دینی اس کی بد اعمالیوں کی وجہ سے اپنی توفیق سلب کر لی، جس کے بعد  
 وہ سیدھی راہ سے ہٹا ہو وہ بدعت کی باتوں پر فریفتہ اور گمراہی کی تبلیغ پر ڈٹا ہو ہے۔ وہ اپنے ہوا  
 خواہوں کے لئے فتنہ اور سابقہ لوگوں کی ہدایت سے برگشتہ ہے وہ تمام لک لوگوں کے لئے جو اس کی  
 زندگی میں یا اس کی موت کے بعد اس کی پیروی کریں گمراہ کرنے والا ہے۔ وہ دوسروں کے گناہوں کا بوجھ  
 اٹھائے ہوئے اور خود اپنی خطاؤں میں جکڑا ہوا ہے اور دوسرا شخص وہ ہے جس نے جہالت کی باتوں  
 کو ادھر ادھر سے، بٹور لیا ہے وہ اُمت کے جاہل افراد میں دوڑ دھوپ کیا کرتا ہے اور فتنوں کی تائید  
 میں غافل و مدہوش پڑا رہتا ہے اور امن و آشتی کے فائدوں سے آنکھ بند کر لیتا ہے۔ چند انسانی  
 شکل و صورت سے ملتے جلتے ہوئے لوگوں نے اسے عالم کا لقب دے رکھا ہے۔ حالانکہ وہ عالم نہیں،  
 وہ ایسی بے سود باتوں کے سیٹھنے کے لئے منہ اندھیرے نکل پڑتا ہے جن کا نہ ہونا ہونے سے بہتر ہے یہاں



نیک کہ جب وہ اس گندے پانی سے سیراب ہوتا ہے اور لایعنی باتوں کو جمع کر لیتا ہے تو لوگوں میں تانہ بن کر بیٹھ جاتا ہے اور دوسروں پر مشتبہ رہنے والے مسائل کے حل کرنے کا ذمہ لے لیتا ہے۔ اگر کوئی الجھا ہوا مسئلہ اس کے سامنے پیش ہوتا ہے تو اپنی رائے سے اس کے لئے بھرتی کی فرسودہ دلیلیں مہیا کر لیتا ہے اور پھر اس پر یقین بھی کر لیتا ہے اس طرح وہ شبہات کے الجھاؤ میں پھنسا ہوا ہے جس طرح مکڑی خود اپنے ہی جالے کے اندر۔ وہ خود یہ نہیں جانتا کہ اس نے اسے صیح حکم دیا ہے یا غلط۔ اگر صیح بات بھی کہی ہو تو اسے یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں غلط نہ ہو اور غلط جواب ہو تو اسے یہ توقع رہتی ہے کہ شاید یہی صیح ہو۔ وہ جہالتوں میں بھٹکنے والا جاہل اور اپنی نظر کے دھندلا پن کے ساتھ تاریکیوں میں بھٹکنے والی سواریوں پر سوار ہے۔ نہ اس نے حقیقت علم کو پرکھا نہ اس کی تہ نیک پہنچا۔ وہ روایات کو اسی طرح دہم برہم کرتا ہے جس طرح ہوا سوکھے ہوئے تنکوں کو خدا کی قسم! وہ ان مسائل کے حل کرنے کا اہل نہیں جو اس سے پوچھے جاتے ہیں اور نہ اس منصب کے قابل ہے جو اسے سپرد کیا گیا ہے جس چیز کو وہ نہیں جانتا اس چیز کو وہ کوئی قابل عتد علم ہی نہیں قرار دیتا اور جہاں تک وہ پہنچ سکتا ہے اس کے آگے یہ سمجھتا ہی نہیں کہ کوئی دوسرا پہنچ سکتا ہے اور جو بات اس کی سمجھ میں نہیں آتی اسے پل جاتا ہے کیونکہ وہ اپنی جہالت کو خود جانتا ہے (ناحق پہلے ہو) خون اس کے نار و فیصلوں کی وجہ سے چن رہے ہیں اور غیر مستحق افراد کو پہنچی ہوئی میراثیں چلا رہی ہیں۔ اللہ ہی سے شکوہ ہے ان لوگوں کا جو جہالت میں جیتے ہیں اور گمراہی میں مرجاتے ہیں۔ ان میں قرآن سے زیادہ کوئی بے قیمت چیز نہیں جب کہ اسے اس طرح پیش کیا جائے جیسا پیش کرنے کا حق ہے اور اس قرآن سے زیادہ ان میں کوئی مقبول اور قیمتی چیز نہیں اس وقت جب کہ اس کی آیتوں کا بے عمل استعمال کیا جائے ان کے نزدیک نیک سے زیادہ کوئی برائی اور برائی سے زیادہ کوئی نیک نہیں۔ (دعویٰ البلاغۃ مترجم مفتی صاحب مدظلہ)

صع مصرع ۱ ص ۵۹

حکیم اسلام امام عالی مقام کے اس کلام حقیقت تر جہان سے یہ حقیقت واضح و عیاں ہو جاتی ہے کہ ان تمام اختلاعات و افتراعات کے ذمہ دار وہ گندم نما جو فروشن نام نہاد اہل علم ہیں جو جہل مرکب کا شکار ہیں اور خود فریبی یا ابلہ فریبی کا یہ عالم ہے کہ کچھ نہ جاننے کے باوجود وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ سب کچھ جانتے ہیں۔

ہر کس کہ نداند و نداند کہ نداند  
ان کنت لا تدری فقلک مصیبتہ

در جہل مرکب ابد الدھر بماند  
وان کنت تدری فال مصیبتہ اعظم

آج اکثر و بیشتر ایسے ہی لوگوں پر دینی امور کا دار و مدار ہے اور عقائد و اعمال میں انہی کے بیان پر انحصار یہی لوگ منبر کے اجارہ دار اور یہی کشمی مذہب و ملت کے ناخدا سمجھے جاتے ہیں جسے وہ اپنی روایتی نا اہلی



کی بناد پر ہلاکت کے ظلام خیز بھنور میں ڈال رہے ہیں مگر عوام کی حالت اس قدر ناگفتہ بہ ہے کہ وہ عالم و جاہل مادل و فاسق، مخلص و خود غرض اور لادبی و مضلل میں کوئی فرق ہی نہیں کرتے۔ ان کی نظر میں کامیابی و مقبولیت کا صرف ایک ہی معیار ہے کہ ایٹھ پر آنے والا اگر ذکر ہے تو اس کی آواز اچھی ہو اور اگر مولوی ہے تو اچھے نکتے بیان کر کے جمع کو خوب اچھا لگے۔ اگرچہ وہ نکات بالکل خلاف عقل و شرع ہی کیوں نہ ہوں بس وہ نعرہ ہائے تحسین و آفرین بلند کر کے اس کے بیان پر مہر تصدیق ثبت کر دیتے ہیں۔ وہ سوچنے اور سمجھنے اور اگر مجلس خواں و خواہ کتا ہی گیا گذرا ہو کیوں نہ ہو، اپنے ہی مذہب کے علمائے اعلام کے خلاف ذاتی حسد و عناد کی بناد پر کوئی بے اصل و بے بنیاد خلاف عقل و نقل بات کہہ دے تو یہ اس کی تحقیق کرنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے اگرچہ جانتے سب ہیں کہ حق و باطل میں صرف چار انگشت کا فاصلہ ہے۔

آہ محکومی و تقسید و زوال تحقیق

اور اہل منبر ان لوگوں کی سادگی اور ان کی اس معصوم عقیدت سے جو ان کو مجلس حسین پڑھنے والوں سے ہے پورا پورا ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ ہمارے پنجابی بھائی اس صفت میں سب لوگوں سے پیش پیش نظر آتے ہیں۔ شاعر مشرق نے پنجابیوں کی اس حالت کا برے لطیف انداز میں یوں کھینچا ہے۔

مذہب میں بہت تازہ پنہ اس کی طبیعت  
تحقیق کی بازی ہو تو شریکت نہیں کرتا  
کرے کہیں منزلی تو گذرتا ہے بہت جلد  
ہر کھیل مرید ہی کا تو ہوتا ہے بہت جلد  
یہ شاخ نشین سے اترتا ہے بہت جلد  
تاویل کا پسند کوئی صیاد لگا دے

(ضرب کلیم)

چونکہ دین اور بالخصوص اصول دین کا معاملہ بڑا ہی نازک ہے۔

**اصحابِ ائمہ کا دینی امور میں ہتمام**

اور آتشِ جہنم کا ایندھن بنا کر رکھ دیتی ہے۔ اس لئے ائمہ طاہرین کے تربیت یافتہ مومنین ہائیکین اس امر کی نزاکت سے کماحقہ واقف و آگاہ تھے۔ اس لئے وہ اس سلسلہ میں بہت احتیاط سے کام لیتے تھے۔ وہ دین کے ہر معاملہ میں ذاتی رائے و قیاس پر عمل کرنے کی بجائے اپنے ائمہ اطہار سے استصواب کرتے اور اصلاح لیتے تھے اور کسی کتاب پر عمل کرنا ہوتا تو اگرچہ اس کا مؤلف جلیل القدر بھی ہوتا تاہم وہ اس پر عمل کرنے سے پہلے اسے ان کی خدمت میں پیش کر کے اس کی توثیق کراتے۔ چنانچہ ابو جعفر جعفری بیان کرتے ہیں کہ ادخلت کتاب الیوم والیلۃ القذی الفدیونس بن عبد الرحمن علی ابی الحسن العسکری فنظر فیہ ونصق کلمہ ثم قال هذا دینی و دین آبائی و ہوا الحق کلام (رجال کشی ص ۱۱۱)



میں نے کتاب عمل الیوم ولایۃ مؤقّتہ جناب یونس بن عبدالرحمن حضرت عسکری کی خدمت میں (بفرض توفیق) پیش کی۔ آپ نے اس پر نگاہ ڈالی اور تمام کتاب کو صغہ بے صغہ ملاحظہ فرما کر فرمایا یہی میرا دین اور میرے آباء و اجداد کا دین ہے۔ یہ تمام حق و صدق ہے۔ حالانکہ جناب یونس کی عظمت کا یہ عالم ہے کہ حضرت امام رضاؑ فرماتے ہیں یونس فی زمانہ کسلان فی زمانہ (رجال کشی ص ۳۳) بلع بیتی، لیکن پھر بھی جناب ابو جعفر جعفریؑ نے مقام عمل میں اس پر اکتفا نہیں کی جب تک امام عالی مقام سے اس کتاب کی توفیق نہیں کرائی۔ اسی طرح بزرگ ہراتی کے متعلق مروی ہے کہ اس نے سامرا میں امام حسن عسکریؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر جناب فضل بن شاذان کی کتاب "یوم ولایۃ" پیش کی اس پر نظر فرمانے اور توفیق کرنے کی استدعا کی۔ چنانچہ امامؑ نے اسے ملاحظہ کرنے کے بعد فرمایا ہذا صحیح ینبغی ان تعمل بہ " یہ بالکل صحیح ہے چاہیے کہ اس پر عمل کرو۔ (مفاتیح الجنان ص ۴۴)

اسی طرح اگر ان کو کسی عالم دین سے دینی مسائل دریافت کرنا مطلوب ہوتے تو جب تک ائمہ ابرار سے اس عالم کے دین و دیانت اور علم و فضل کی تصدیق نہ کرا لیتے اس وقت تک دینی امور میں اس پر اعتماد نہ کرتے۔ اس واسطے بارگاہ معصومینؑ میں حاضر ہو کر استفسار کرتے کہ ہم ہر وقت آپ کی خدمت میں حاضر نہیں ہو سکتے۔ لہذا ہر وقت ضرورت اپنی دینی ضروریات کے بارے میں کس سے سوال کریں؟ حضرت معصومینؑ ان کی رہبری فرماتے ہیں کہ فلاں شخص سے دینی معاملات و مسائل حاصل کرو، چنانچہ جناب حسن بن علی بن یقین بیان کرتے ہیں قلت لا بی المحسن الرضا جعلت خدا لک اتی لا اکاداصل الیث مسئلت عن کل ما احتاج الیہ من معالم دینی فیونس بن عبدالرحمن ثقتہ آخذ عنہ ما احتاج الیہ من معالم دینی قال نعم! میں نے حضرت امام رضاؑ علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ میں ہر وقت حاضر خدمت ہو کر آپ سے اپنے تمام دینی ضروریات دریافت نہیں کر سکتا کیا یونس بن عبدالرحمن قابل و ثوق آدمی ہے اس سے اپنے دینی معلومات حاصل کر سکتا ہوں؟ امام علیہ السلام نے فرمایا۔ ہاں (رجال کشی ص ۳۳) اسی طرح علی بن سیدب بیان کرتے ہیں کہ قلت للرّضا شفتی بعیلاۃ ولست اصل الیث فی کل وقت فعن آخذ معالم دینی؟ فقال من ذکر یا بن آدم الحقّی المامون علی الدین والدنیا۔ میں نے حضرت امام رضاؑ کی خدمت عرض کیا کہ میرا گھر بہت دور ہے اس لئے ہر وقت جناب کی خدمت میں حاضر نہیں ہو سکتا لہذا اپنے معالم دین کس سے حاصل کروں؟ آں جناب نے فرمایا ذکر یا بن آدم کسی سے حاصل کرو کیونکہ وہ دین و دنیا کے معاملات میں امین ہے۔ (رجال کشی ص ۳۶)







میرے امام ہیں۔ اسی طرح ان کے بعد کیے بعد دیگرے امام حسین، امام حسین، حضرت علی بن الحسین اور حضرت محمد بن علی  
میرے امام ہیں اور ان کے بعد آپ اپنے ابا و ابا برحق کے طریقہ پر میرے امام ہیں۔ راز کی کتاب میں ہے کہ حضرت علی بن الحسین  
نے کئی بار مجھے فرمایا رکعت اللہ (خدا تم پر رحم کرے) پھر فرمایا بخدا میں خدا اور اس کے ملائکہ اور میرا میرے ابا و اجداد کا وہ  
دین ہے کہ جس کے علاوہ اور کوئی دین خدا قبول نہیں کرتا۔ (رجالی کشتی ص ۲۷) نو محمد بن ابراہیم محمد بن علی بن علی کہ اللہ میں  
کہ میں بناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں اس طرح اپنا عقیدہ پیش کیا۔ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ  
لَا شَرِيكَ لَهُ وَ اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ رَانَ عَلِيًّا اِمَامًا ثُمَّ الْحَسَنَ ثُمَّ الْحُسَيْنَ ثُمَّ عَلِيَّ بْنَ الْحُسَيْنِ ثُمَّ  
مُحَمَّدَ بْنَ عَلِيٍّ ثُمَّ اَنْتَ فَقَالَ رَحِمَكَ اللّٰهُ ثُمَّ قَلَّ اتَقُوا اللّٰهُ عَلَيْكُمْ بِالْوَسْعِ وَصَدَقَ الْحَدِيثُ وَ اَدَامَ اَمَانَةُ وَ عَفَا  
الْبَطْنُ وَالْفَرْجُ۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ نہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ واحد و یگانہ ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے  
بناب محمد مصطفیٰ اُس کے بعد خاص اور رسول ہیں ان کے بعد بناب علی علیہ السلام امام برحق ہیں ان کے بعد امام حسن پھر  
امام حسین پھر علی بن الحسین پھر محمد بن علی اور ان کے بعد آپ امام برحق ہیں یہ سُن کر امام نے فرمایا خدا تم پر رحم فرمائے پھر  
فرمایا انداسے ڈرو! تم پر دروغ و تقویٰ سچ بولنا، امانت ادا کرنا اور حقست شکم و قریح لازم ہے ورجالی کشتی ص ۲۷) اس قسم  
کے مہیوں واقعات کتب سیر و تاریخ میں مذکور ہیں ہم نے صرف بطور نمونہ ششے از خود اور دو چار واقعات بیان کر دیئے  
ہیں جو کہ عقل سلیم اور طبع مستقیم رکھنے والے حضرات کو غفلت سے بھنجو کر بیدار کرنے کے لئے کافی ہیں۔

نظرہ میں دیکھو دکھاؤ زلفے و جزیں کل کبیل بچوں کا ہوا دیدہ بینا نہ ہوا

**ائمہ کی شدت گرفت کا بیان** | اخبار و آثار سے آشکار ہوتا ہے اس سلسلہ میں حضرات ائمہ اطہار کی گرفت  
بھی اتنی سخت تھی کہ وہ اپنے نام لیواؤں کو دین میں ایک حرف کی کمی یا بیشی  
کرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ چنانچہ عبداللہ بن سنان بیان کرتے ہیں۔ کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔  
تم لوگ عنقریب مختلف شکوک و شبہات میں گرفتار ہو جاؤ گے۔ اس آفت سے وہی لوگ محفوظ رہیں گے جو دعائے غریب کو  
پڑھیں گے۔ میں نے عرض کیا وہ دعائے غریب کیا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ ہے **يَا اَللّٰهُ يَا رَحْمٰنُ يَا رَحِيْمُ يَا مُقَلِّبُ  
الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰی ذِيْكَ** میں نے اس دعا کو دہراتے وقت **يَا مُقَلِّبُ الْقُلُوْبِ وَاَلَا بُعْصَا** کہہ دیا۔ امام  
نے فرمایا اس میں کوئی شک نہیں کہ خدا متقلب القلوب والا بصار ہے مگر تو اس طرح کہ جس طرح میں کہہ رہا ہوں۔ **يَا  
مُقَلِّبُ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰی ذِيْكَ** (مفاتیح الجنان ص ۲۳) و فیما ذکرناہ کفایۃ لمن لہ ادنیٰ دہائیۃ اللہ

**موجودہ دور میں مدعیان تشیع کی روش و رفتار پر تبصرہ** | یہ تھا اصحاب ائمہ کے دینی معاملات میں جرم  
و احتیاط کا اجمالی نمونہ جس سے ناظرین کرام  
بآسانی یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ان کی نگاہوں میں دین و ایمان کی کس قدر اہمیت تھی؛ مگر افسوس آج یہ عالم ہے کہ اکثر



لوگ دین کو کوئی اہمیت ہی نہیں دیتے (المدین لعقۃ علی لسانہم فاذا محصوا بالبلاء قل الدیانون) (بیچ ابلاؤ تحقیق جستجو کا فقدان ہے۔ تفحص و تلاش غفلت ہے۔ جو رطب و یابس کسی مجہول الحقیقت رسالہ یا کتاب میں مل گیا۔ اس پر یقین کر لیا۔ جو کچھ کسی عالم ناجاہل اور سبے دین ملا سے سن لیا اُسے جزو ایمان بنا لیا جو اپنے بوڑھے بزرگ سے سنا اس کا جوہر کر لیا۔ ذاتی خیالات و قیاسیات کا نام اعتقادات و ایمانیات رکھ دیا۔ اور ذاتی پسند و ناپسند کو معیار حق و باطل بنا لیا وہیں علمائے کرام کی خدمت میں حاضر ہونا باعث کسر شان۔ ان سے سائل دریافت کرنا موجب کمزوری ایمان اور ان سے کتاب کی توثیق کرنا ایک لایعنی کام سمجھا جاتا ہے۔ جناب رسول خدا کی وہ پیش گوئی گویا اسی دور کے بارے میں ہے جس میں آپ فرماتے ہیں یفوتون من العلماء کما یفوت الغنم من الذئب ایک دور ایسی آئے گا جس میں لوگ حقیقی علمائے اس طرح دُور بھاگیں گے جس طرح بھیڑیں بھیڑیے سے دُور بھاگتی ہیں۔ (جامع الاخبار ص ۱۳ طبع نجف) اس روش و رفتار کا نتیجہ ہے کہ شیخ صدوق، شیخ مفید و سید رضی و سید مرتضیٰ علم الہدی و محقق طوسی و علامہ حلی اور شیخ بہائی میر سید باقر داماد اور علامہ مجلسی و امثالہم جیسے محقق علماء اعلام کی کتابیں ہوتی کتب عقائد و اعمال مسترد ہوتی جا رہی ہیں بلکہ ہونکی میں اور ہر رطب و یابس بلکہ سراسر منہ زفات و خرافات اور ذاتی قیاسات و خیالات کے مجموعہ جات رواج پکڑ رہے ہیں۔

تھا جو ناخوب تبدیلیج وہی توبہ تھا کہ غلامی میں بدل جاتے قوموں کا ضمیر

اگر ذمہ دار علماء کرام نے اپنی ذمہ داریوں کو سمجھنے یا پھر ان سے ہمہ گیر آہو نے میں سہل انگیزی سے کام لیا تو پھر اس پُر آشوب دور کفر و العاد میں علی الاسلام السلام و لا قدر اللہ (ذکر)

غیبت کبریٰ کے زمانے والے اہل ایمان کی شرعی تکلیف

اعمال لکھ یہ حقیقت محتاج بیان و بیان نہیں کہ زمانہ غیبت کبریٰ والے لوگوں کو ائمہ عاشرین علیہم السلام نے شریعہ مبارکی طرح خلیع العذار اور مطلق العنان نہیں چھوڑا بلکہ ان کو امام زمانہ علیہ السلام تعالیٰ فرما کر دیا ہے کہ اما الحوادث الواقعة فارجعوا فیہا الی رواۃ احادیثنا فانہم حجۃ علیکم ونا حجة اللہ (احتجاج طبری ص ۲۶ طبع نجف اشرف) یعنی ہمارے زمانہ غیبت میں نہیں جو دینی مسائل و ضروریات درپیش آئیں ان میں ہمارے راویان اخبار یعنی محدثین کبار و مجتہدین ابراہیم کی طرف رجوع کرنا کیونکہ وہ میری طرف سے تم پر حجت خدا ہیں۔ اور میں ان پر حجت خدا ہوں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں "ینظرون من کان منکم قد روی حدیثنا و نظرو فی حلالنا و حرامنا و عرف احکامنا فلیرضیا بہ حکماً فان فی قد جعلتہ علیکد حاکماً فاذا احکم بحکم ولم یقبلہ منہ فاتما بحکم اللہ استخف وعلینا رد والواد علینا کأنوراد علی اللہ و هو علی حد الشراک یا اللہ رہن دو شخصوں میں کوئی



نزع ہو) وہ دیکھیں کہ تم میں سے جو شخص ہماری حدیثوں کا راوی ہو۔ ہمارے حلال و حرام پر تحقیقی نظر رکھتا ہو اور ہمارے احکام کی (فقہی) معرفت بھی رکھتا ہو۔ اسے اپنا دینی احکام تسلیم کریں کیونکہ میں اس شخص کو (عمومی طور پر) حاکم بناتا ہوں۔ پس جب ہمارے احکام کے مطابق کوئی فیصلہ کرے اور اسے قبول نہ کیا جائے۔ پورے کرنے والا یہ سمجھے کہ اس نے اللہ سبحانہ کے حکم کو خفیت سمجھا ہے اور اس عالم کے فیصلہ کو نہیں بلکہ ہمارے فیصلہ کو رد کیا ہے اور ہمارے فیصلہ کو رد کرنے والا کافر اور گویا خدا کے فیصلہ کو ٹھکرانے والا ہے اور یہ کھلا ہوا خدا کے ساتھ شرک ہے۔ (استباج طبری) لہذا چاہئے تو یہ تھا کہ ہمارے عوام اہل ایمان میں یہ شعور و احساس چوتھا کہ اگر کسی کتاب پر عمل کرنا چاہتے تو پہلے ان دارِ شانِ شریعت سے اس کی توثیق کراتے یا اگر کسی عالم سے دینی مسائل دریافت کرنا چاہتے تو پہلے ان صحیح اسلام سے اس کے معلم و فضل اور دین و دیانت کی تصدیق کراتے پھر دینی معاملات میں ان کے بیان پر اعتماد کرتے۔ اسی طرح اپنے اعتقادات کو علمائے عظام کی خدمت میں پیش کر کے ان کی صحت و صداقت پر ان سے ہر توثیق گواتے۔ تاکہ سعادت دارین و فلاح کو مین حاصل کرتے مگر آہ

کیا پوچھتے ہو علم رفتارِ عہد نو بہرست بس فریب کا بازار گرم ہے

آج عام لوگ حقیقت سے اس قدر دُور ہو چکے ہیں کہ ان کو حقیقی علماء کی پہچان ہی نہیں ہے تو پھر ان کی طرف رجوع کیوں کر کریں گے وہ تو صرف اسے ہی عالم دین سمجھتے ہیں جو منبر پر کوس من الملک الیوم بجاتا ہے اور قصہ منبری میں مبارک نامہ رکھتا ہے اور غلط یا صحیح سبندل قسم کے نکتوں سے مجمع کو خوب اچھال سکتا ہے اور خود اپنے منہ سے عالم و علامہ ہونے کا اعلان کرتا ہے حالانکہ پیغمبر اسلام کا ارشاد ہے من قال انا عالم فہو جاہل۔ جو شخص خود دیکھے کہ میں عالم ہوں سمجھ لو کہ وہ جاہل ہے (منیۃ المرید از شبید ثانی) یا پھر دنیا والے اسے عالم اجل و فاضل بے بدل سمجھتے ہیں جس کا لباس زرق برق اور جہد و دستار قیمتی و نفیس ہو۔ جناب پیغمبر اسلام روحی لافذ اے شاید اسی زمانہ کے متعلق فرمایا تقاسیاق علی امتی زمان لا یعرفون العلماء الا بثوب حسن سیری امت پر ایک ایسا دور بھی آئے گا کہ وہ علماء کو صرف عمدہ لباس سے ہی پہچانیں گے (جامع الاخبار صفحہ ۱۳۳) جامع عوام الناس کی یہ حالت کیوں ہو جب کہ آج منبروں پر بعض غیر ذمہ دار لوگ گلا جھاڑ پھاڑ کر عوام الناس کو علمائے اعلام و مجتہدین کرام سے (ان پر کئی قسم کے غلط اتہام و الزام لگا کر بظن کرنے اور ان کو اپنے دینی و ایمانی مراکز سے علیحدہ کرنے میں شب و روز مشغول و منہمک ہیں حالانکہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ یہ قوموں کے لئے موت ہے مرکزِ جدائی ہو صاحبِ مرکز تو خودی کیا ہے خدائی

ایک مشہور مغالطہ کا ازالہ | کچھ اہل غرض لوگ یہ کہہ کر کہ اصول دین میں تقلید جائز نہیں ہے لہذا عقاید میں ہر شخص آزاد ہے اسے اپنی تحقیق کے مطابق عقیدہ رکھنا چاہئے۔ اس طرح یہ لوگ سادہ لوح عوام کے دین و ایمان پر ڈاکہ ڈالتے ہوئے انکی عقائد کے نازک معاملہ میں شتر بے مہار بننے کی تلقین کر کے علمائے اعلام سے دُور رکھنے کی مذموم کوشش کر رہے ہیں حالانکہ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ قطع نظر اس اختلاف کے کہ جو



اصول دین میں تقلید کے جو ازیادہ جواز میں ہے؛ کیونکہ یہ بجائے خود انتہائی پیچیدہ اور مشکل مسائل میں سے ہے۔ چنانچہ محقق قمی علیہ الرحمہ قوانین الاصول ج ۲ صفحہ ۱۶۱ میں فرماتے ہیں "هذه المسئلة من المشكلات" اور بہت سے علماء اعلام اصول دین میں بھی تقلید جائز سمجھتے ہیں۔ جیسے محقق طوسی (در قواعد العقائد) محدث ملا حسن فیض (در علم الیقین) علامہ شیخ انصاری (در رسائل) مولانا راحت حسین گوپالپوری (در تفسیر انوار القرآن) بہر حال بنا بر مشہور کہ اصول فقہاء میں تقلید جائز نہیں ہے تو بھی اس کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں کہ کئی فروع میں پابند اور اصول میں شریعہ ہمارے کی طرح آزاد ہے کہ جو جی میں آئے وہ عقیدہ رکھتے۔ حاشا و کلاماً بلکہ اس کا صاف و صریح مطلب یہ ہے کہ عقائد میں بلا دلیل کسی بات کا ماننا درست نہیں ہے کیونکہ تقلید کا اصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ قبول قول الغیر من غیر دلیل (معالم قوانین اور کفایہ وغیرہ) یعنی بلا دلیل کئی جہتوں کے قول کو تسلیم کرنے کا نام تقلید ہے۔ بنا بر مشہور عقائد میں تقلید کے ناجائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ تقلید سے جزم و یقین حاصل نہیں ہوتا اور اصول و عقائد میں یقین حکم دے گا کہ

**أصول الاعتقاد میں اخبار احاد پر اعتقاد جائز نہیں** | یہی وجہ ہے کہ ہر وہ چیز جو موجب یقین نہ ہو۔ اصول عقائد میں اس پر اعتقاد نہیں کیا جاسکتا جیسے آیات منشا بہات اور اخبار احاد (غیر متواتر) علمائے اعلام نے ان امور کی تصریحات فرمائی ہیں (۱) چنانچہ جناب آقان شرانی مقدمہ شرح اصول کافی ملا صالح ما زندرانی ج ۱ صفحہ ۱۸۷ پر لکھتے ہیں "ثم من اہم ما یجب ان یعلم ان الاعتقاد علی الاصول علی العقل والکتاب والاخبار المتواترة وبالجملة ما یوجب الیقین دون اخبار الاحاد یعنی سب سے اہم بات جس کا جانا واجب و لازم ہے وہ یہ ہے کہ اصولی عقائد میں صرف عقل سلیم (مستندات عقلیہ) قرآن مجید (آیات حکمت) اور اخبار متواترہ غرضیکہ ہر وہ چیز جو موجب یقین ہو اس پر اعتقاد کرنا چاہئے۔ نہ اخبار احاد پر (۲) رسالہ ہدایہ فیوض ص ۲۵ طبع مراد آباد پر مرقوم ہے "سائر محققین آزاد ذکر فرمودہ اندو آں آنست کہ در مغلزہ اعتقاد عمل بر اخبار احاد دروغیت۔"

۱۔ حدیث کی دو قسمیں ہیں متواترہ اور داخلاً ہر وہ حدیث جس کو ابتداء سے آخر تک اس قدر جماعت کثیرہ نقل کرے۔ جس کا جھوٹ پر اتفاق کرنا عادتاً محال ہو۔ اسے خبر متواتر کہا جاتا ہے۔ اور جو حدیث اس طرح نہ ہو اسے خبر واحد کہا جاتا ہے۔ پھر خبر واحد کی کئی قسمیں ہیں۔ ولیس ہمنام بحال للتفصیل۔ یہ مختصر وضاحت صرف اس لئے کہ دی گئی ہے کہ ہمارے برخلاف دھماکے اور فتنہ اٹھانے والوں میں ایسے فضلاء کی بھی کوئی کمی نہیں ہے۔ جن کو خبر واحد کا اصطلاحی مفہوم بھی معلوم نہیں ہے۔ بلکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ خبر واحد وہ ہوتی ہے جو صرف ایک کتاب میں موجود ہو۔ اور اگر دو تین کتابوں میں درج ہو جائے تو پھر وہ خبر واحد نہیں رہتی۔ یہ بریں عقل و دانش بیاہر گریست (منہ معنی منہ)



(۳) یہ علماء سید حسین مکتوی۔ حدیثہ سلطانہ جیج امشہ، پر ایک حدیث کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں نفلکونھا من اخبار الاحاد وہی لا تصحح ولا سناد فی اصول الاعتقاد یہ حدیث اخبار احاد میں سے ہے اور اصول اعتقاد میں ان پر اکتما نہیں کیا جاسکتا۔ (۴) جناب موصوف کے والد العظیم سرکار غفر انساب قدس سرفراہی کتاب اساس الاصول طبع مکھنڈ مشہر پر تحریر فرماتے ہیں فان التحویل علی الاحاد فیہا غیور معقول۔ یعنی اصول دین میں اخبار احاد پر اعتماد کرنا غیر معقول ہے۔ (۵) اسی طرح فاضل جہیل شیخ حسن بن شہید ثانی قدس سرہا اپنی کتاب معالم مشہر پر لکھتے ہیں فان التحویل علی الاحاد فیہا غیور معقول۔ اصول دین میں اخبار احاد پر اعتماد کرنا غیر معقول ہے۔ جو ظاہر ہے کہ اخبار احاد کو جو جب جرم و یقین نہیں حالانکہ اصول عقائد میں علم و یقین کا ماحصل کرنا لازم ہے فتدبر بہر حال اصول دین میں تقلید کے ناجائز ہونے کا یہ مطلب بزرگ نہیں ہے کہ اس سلسلہ میں علماء و مجتہدین کی طرف رجوع کرنا شجرہ منموہ ہے حاشا و کلا۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ رجوع تو اصول و فروع دین میں بہر حال عام و اطلاق ہی کی طرف کرنا ہے۔ ہاں اصول و فروع میں فرق صرف اس قدر ہے کہ فروع دین میں ہاں تفسر ضائع دلیل ان کا حکم ماننا لازم ہے مگر اصول دین میں دلیل کا تقاضا کیا جائے گا تاکہ عقیدہ بالدلیل ہونہ با تقلید سے اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا

اور نہ ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ اگر علماء اعلام کی طرف رجوع کرنا ممنوع ہے تو کیا پھر اس سلسلہ میں علماء کی طرف رجوع کیا جائے گا یا اپنے اپنے آراء فاسدہ و خیالات کا سدہ پر اعتماد کیا جائے گا یا۔ حاطب العلیل قسم کے اہل علم کی لکھی ہوئی رطب و یابس سے لبریز کتب و رسائل پر عمل درآمد کیا جائے گا یا مالکہ کیف تھکون؟

علاوہ یہاں یہ بات بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہے کہ اگر اصول دین میں یہ دھاندلی روا سمجھی جائے تو پھر باطل پرست فرقوں کو بھی ناجی تسلیم کرنا پڑے گا اور کسی اہل حق کو ان کے برخلاف لب کشائی کی کوئی گنجائش نہ ہوگی کیونکہ بنابرین قاعدہ وہ اپنے غلط عقائد کے منتقل یہ حذر کرنے میں حق بجانب ہوں گے کہ جب اصول عقائد میں ہر شخص کو خدا بالکل کمزوری دیتا ہے تو ہمارے ذاتی خیال و رائے (یا ذاتی تحقیق) کے مطابق ہی عقائد صحیح ہیں! اس طرح نہ سب کیا ہوگا بچوں کا کھلونا یا موم کی ناک جس نے سب چاہا جس طرح چاہا توڑ مروڑ کے اپنے خیال کے مطابق بنا لیا۔ کیا جس آزادی اور مطلق العنانی کا آخری نتیجہ یہ ہو گیا کوئی عقلمند سمندر دہند سب و ملت اسے روا سمجھ سکتا ہے اور کیا مذہب اس کی اجازت دے سکتا ہے؟ مگر افسوس۔

ہر بات یہاں کی اٹنی ہے یاں اٹنی گنگا بہتی ہے۔

ائمہ اطہار کی معرفت میں اختلاف نظر اور اس کی اصلی وجہ | اقوام عالم کی تاریخ پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے

کہ ابتدائے آفرینش سے لے کر آج تک ہمیشہ عام لوگ بزرگان دین و راہنمایان ایمان و یقین کے بارے میں افراط و تفریط



کاشکار رہے ہیں۔ ہمیشہ یہ ہوتا رہا ہے کہ ان کے بعض نادان دوست انہیں ان کے حقیقی مرتبہ سے بڑھاتے رہے اور بعض احمق دشمن ان کو ان کے اصلی مقام سے گراتے رہے۔ اسی غلط جذبہ محبت و عقیدت نے یہودیوں و نصرانیوں کو حضرت عزیر اور حضرت عیسیٰ کے متعلق ابن اللہؑ ہونے کا فاسد نظریہ قائم کرنے پر آمادہ کیا۔ قالت اليهود عزیر بن اللہؑ، وقالت النصارى المسيح ابن اللہؑ۔۔۔۔۔ اسی لئے خدا نے ان نادانوں کو تنبیہ فرمائی۔ یا اهل الکتاب لا تغفلوا فی دینکم ولا تقولوا علی اللہ الا الحق اسے اہل کتاب! اپنے دینی معاملہ میں غلو و حد سے تجاوز نہ کرو۔ اور خدا کے متعلق وہی بات کہو جو برحق ہے۔ اور اس کے مقابل ان کے نابکار دشمن ان ذوات مقدسہ کو من جمیع الجہات اپنے جیسا عام آدمی سمجھ کر نہ صرف ان کے علم و فضل اور عصمت و طہارت کا بلکہ ان کی نبوت و رسالت کا بھی انکار کر بیٹھے۔ قالوا ان انتم الا بشر مثلنا نريد ان تصلا وناصحا کان یعبدا آبا مننا ثم بالکل بہ لحاظ سے ہم جیسے انسان ہو تم صرف یہ چاہتے ہو ان ریتوں کی عبادت سے جن کی عبادت ہمارے آباء و اجداد کرتے تھے جن کو یہ حال ہو اور میں ایسے لوگ بہت ہی قلیل تعداد میں رہے ہیں۔ اور وہ انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں جنہوں نے اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ افراط و تفریط کی آلائش سے اپنے دامن کو محو نہ ہونے دیا اور با دیان دین کی محبت و مودت کے نازک معاملہ میں صراطِ مستقیم پر گامزن رہے۔ وقلیل ما اھلھا خدا صمد کلام ایکہ اسی طریقہ جاریہ و سنتِ مستمرہ کے مطابق حضراتِ ائمہ طہرین صلوات اللہ علیہم اجمعین کے متعلق بھی لوگ تین حصوں میں تقسیم ہو گئے۔ کچھ کم توفیق و کم عقل لوگ تو ان بزرگواروں کے فضائل و کمالات اور مناقب و معجزات کی تاب نہ لا کر فتو و تعویض کے گہرے سمندر میں غرق ہو گئے اور کئی قسم کے غلط نظریات ان بزرگواروں کے متعلق از خود قائم کر لئے (تفصیل کے لئے احسن الفوائد ص ۱۱۱) بعض شقی و بد بخت ان کے نہ صرف صحیح فضائل و کمالات بلکہ ان کی خلافیت و امامت تک کا انکار کر کے منکالت و بلاکت ابدی کے حقیق گڑھے میں جا کر رہے اور یہ دونوں قسم کے لوگ وہ تھے جنہوں نے اس انتہائی نازک و خطرناک مقام میں ان ائمہ رحمن و مایان دین و ایمان کی مقدس تعلیمات سے روگردانی کر کے خود اپنی ناقص عقلوں اور فاسد رایوں پر اعتماد کیا لہذا نتیجہ یہ نکلا کہ ضلوا و ضلوا و ضلوا خود گمراہ ہوئے اور دوسروں کو گمراہ کیا) تیسرا گروہ وہ تھا جس نے دیگر تمام عقائد و اعمال کی طرح اس مقام و معرفتِ نبوی و امامت پر بھی انہی حججِ الہیہ کے مقدس تعلیمات و ارشادات کو اپنے لئے خضر راہ و شعل ہدایت بنایا اس لئے وہ ہمیشہ جادہ اعتدال پر گامزن رہے اور افراط و تفریط و فتو و تعویض کی بلاکت خیز یوں اور غالی و قالی ہر دو کی فتنہ انگیز یوں سے محفوظ و مصون (و خیر الامور واساطیل) رہے۔ ذاتِ احدیت کا یہ وعدہ ہے کہ والذین جاھدوا فینا لتھدینھم سبلنا وان اللہ مع المحسنین جو حق و حقیقت کو تلاش کرنے کے لئے جدوجہد کرتے ہیں ہم ان کو اپنا صحیح راستہ دکھا دیتے ہیں۔ اور خدا تو بالیقین احسان کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ بالکل اسی مضمون یعنی جناب امیر المؤمنین کے متعلق عام لوگوں کے تین گروہوں میں تقسیم ہو جانے اور پھر دو



گردہوں کے ہلاک اور تیسے گروہ کے ناجی ہونے کے بارے میں جناب رسول خدا کا ارشاد جہنم بھار ۳۲۸ پر موجود ہے۔

غلو و تفویض کی مذمت ارشادات معصومین کی روشنی میں

باجوہ کی حکمائے اسلام نے اپنی آراء پر عظیم السلام نے لوگوں کو افراط و تفریط سے بچانے، ضلالت و غرابت کی ان تیر و تار وادیوں سے نکالنے اور ان کو جادۂ اعتدال پر چلانے کے متعلق کوئی امکان فی ذیقہ فروگزاشت نہیں کیا لیکن موجب افانت تنقذ من فی النار جنہوں نے ہلاک و برباد ہونا تقادہ ہلاک ہو کر ہی رہے سچ ہے جہنمیں سو ڈوبنا وہ ڈوب جاتے ہیں سفینوں میں

امثالہا کے اعتبار کے اس انبار سے بطور نمونہ منشیۃ از خرد ارچند احادیث پیش کی جاتی ہیں۔

۱) سید الاولین والاخرین حضرت خاتم النبیین اپنے حق میں افراط و غلو کرنے کی ممانعت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ لا تنفعونی فوق حقّی فان اللہ تبارک و تعالیٰ انخذ فی عبد اقبل ان یتخذ فی نبیاً عجے میرے حقیقی مرتبہ و مقام سے زیادہ نہ بڑھاؤ کیونکہ خداوند عالم نے مجھے درجہ نبوت عطا کرنے سے قبل اپنا بندہ خاص بنایا ہے خدا کا ارشاد ہے "ما کان لبشر ان یؤتیه اللہ الکتاب والحکمۃ والنبوۃ ثم یقول للناس کو فوا عبداً لی من دون اللہ"۔ "کسی بشر کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ خدا اُسے کتاب، حکم اور نبوت عطا فرمائے اور پھر وہ لوگوں سے یہ

کہے کہ تم اللہ سبحانہ کے سوا میرے بندے بن جاؤ" (عیون اخبار الرضا کذا فی التفسیر القسانی ۲۸۷، وسایع البہار ص ۳۲۵ باب ۲۵۵) حدیث ۳۲۵

۲) اسی سلسلہ میں سرالشدنی العالمین حضرت امیر المؤمنین فرماتے ہیں یملاک فی اثنان ولا ذنب لی محبت مغلوط و مبغض مغلوط وانا ابرأ الی اللہ تبارک و تعالیٰ ممن یغلوفینا ویرفعنا فوق حدنا کبرائتہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام من النصاری الخ" میرے متعلق دو قسم کے لوگ ہلاک ہو جائیں گے حالانکہ اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ ایک حد سے بڑھانے والا دنام نہاد دوست اور دوسرا حد سے گھسانے والا بد بخت دشمن۔ میں بارگاہ ایزدی

میں ان لوگوں سے جو ہمارے متعلق غلو کرتے ہیں اور میں ہماری حدود سے بڑھاتے ہیں۔ اسی طرح اپنی برأت کا اظہار کرتا ہوں جس طرح حضرت عیسیٰ بن مریم نے نصرا نیوں سے برأت ظاہر کی تھی (عیون اخبار الرضا ص ۳۲۵) یہی فرمان امام

علیہ السلام نہج البلاغۃ ج ۲ ص ۱۱۷ ص ۱۱۸ پر تھوڑے سے اختلاف الفاظ کے ساتھ موجود ہے اس کے آخر میں ہے "وخییر الناس فی حالاً النمط الاوسط فالزموا" "میرے متعلق قابل تعریف حالت درمیانہ روی اختیار

کرنے والوں کی ہے تم اسی طریقہ کو لازم پکڑو۔"

۳) جناب ابو خالد کا بی بیان کرتے ہیں میں نے حضرت امام زین العابدین سے سنا۔ فرماتے تھے کہ یہودیوں نے جناب عزیر کی محبت میں متبتلا ہو کر ان کے حق میں جو کہا سو کہا۔ (انہوں نے) ان کو خدا کا بیٹا کہا، عزیر ان سے ہیں اور نہ وہ عزیر سے ہیں۔ اسی طرح نصرا نیوں نے محبت عیسیٰ میں گرفتار ہو کر ان کے متعلق جو کچھ کہا سو کہا (انہوں نے)



بھی ان کو خدا کا بیٹا کہا) نہ جناب جیسے ان سے میں اور نہ وہ جناب جیسے سے ہیں۔ ہمارا معاملہ بھی یہی ہے ان سے  
 من شیعنا صیحبونا حتی یقولوا فینا ما قالت الیہود فی عزیر وما قالت النصارى فی عیسیٰ بن مریم  
 فلا ہم متادلان منہم۔ ہمارے شیعہ کہلانے والوں میں سے بھی کچھ لوگ ہمارے متعلق وہی کہہ رہے ہیں  
 جو کچھ یہودیوں نے عزیر اور نصرانیوں نے عیسیٰ کے بارے میں کہا تھا۔ نہ وہ ہم سے ہیں اور نہ ہم ان سے ہیں (رجال کشی ص ۱۹)

(۴) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ابوبصیر سے فرماتے ہیں یا ابا محمد! ایداً ممن زعم اننا ارباب  
 اے ابو محمد! ان لوگوں سے اپنی چیز اری ظاہر کرو جو یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم رب ہیں۔ قلت یوئی اللہ منہ میں نے عرض  
 کیا خدا ان سے بیزار ہو! پھر آپ نے فرمایا! ایداً ممن زعم اننا انبیاء ان لوگوں سے بھی چیز اری ظاہر کر دو جو  
 بارے میں یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم نبی ہیں۔ میں نے عرض کیا یوئی اللہ منہ خدا ان سے بیزار ہو! (رجال کشی ص ۱۹)

(۵) نیز نبی حضرت سے ایک حدیث کے ضمن میں مذکور ہے فرمایا الولیل لمن کذب علینا وان قوماً یقولون  
 فینا ما لا نقولہ فی انفسنا نیدوا الی اللہ منہم نبوا الی اللہ منہم (رجال کشی ص ۱۹) اسوس ہے ان لوگوں  
 جو ہمارے اور پر افترا کرتے ہیں اور کچھ لوگ ہمارے بارے میں ایسی باتیں کہتے ہیں جو ہم خود اپنے بارے میں نہیں کہتے۔  
 خدا کی بارگاہ میں ان سے اپنی چیز اری ظاہر کرتے ہیں (دوبار فرمایا)

(۶) نیز انہی سرکار سے منقول ہے فرمایا من قال انا انبیاء فعلیہ لعنة اللہ ومن شک فی ذلک فعلیہ  
 لعنة اللہ جو شخص یہ کہے کہ ہم نبی ہیں اس پر خدا کی لعنت ہو اور جو اس میں شک کرے اس پر بھی خدا کی لعنت ہو  
 (رجال کشی ص ۱۹) نیز حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں لعن اللہ من قال فینا ما لا نقولہ فی انفسنا  
 ولعن اللہ من اذ لنا عن عبودیتہ اللہ الذی خلقنا والمیہ ما بنا ومعاننا ویدلہ نواصینا رجالاً متقانی ۱۱  
 و مشکوٰۃ الاسرار ص ۱۱) "خدا اس بندے پر لعنت کرے جو ہمارے متعلق وہ بات کہے جو ہم خود اپنے متعلق نہیں کہتے اور  
 نہیں اس خدا کی بندگی سے ہٹائے۔ جس نے ہمیں پیدا کیا ہے اور پھر اسی کی طرف ہماری بازگشت ہے اور اسی کے قبضے  
 قدرت میں ہماری بست و کشا ہے۔"

(۸) مفصل سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت صادق آل محمد کی خدمت میں ابو الخطاب (غالی) اور بعض  
 دوسرے فابیوں کا ذکر چھڑ گیا۔ آنجناب نے فرمایا یا مفضل لا قاعد وھم ولا قواکلوھم ولا انتشار وھم  
 ولا قضا فھم ولا قوارثوھم (رجال کشی ص ۱۹) کذا فی رجال المائت ص ۲۵۱ و سابق البہار ص ۳۴) "میں  
 مفضل! نہ ان کے پاس میٹھو نہ ان کے سمراہ کھاؤ ہو۔ نہ ان کے ساتھ مذا ائمہ کرو۔ اور نہ ان کو وراثت میں شریک کرو۔  
 جناب علامہ مجلسی اس حدیث شریف کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں "قرنہ لا قوارثوھم ای لا تقطعوھم المیراث  
 فانھم مشرکون لا یہرقون من المسلم ولا توصلوھم بالمصاہرۃ الموجبۃ للتوارث الخ یعنی ان کو میراث



تو دیکھو کہ یہ مشرک ہیں اس لئے مسلمان کے وارث نہیں بن سکتے۔ اور نہ ان کو رشتہ دو اور نہ ان سے لودہ جو تو ارث کا باعث ہوتا ہے۔ (ہفتم بجا ۳۴)

(۹) حضرت امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں۔ من زعم ان الله عز وجل قوض امر الخلق والرزق الى حجبهم فقد قال بالتقويض والقائل بالجبر كانوا القائل بالتقويض مشرك (یعنی اخبار الرضا علیہ السلام) و استباح طبری ۲۲۵) جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ خداوند عالم نے پیدا کرنے اور رزق دینے کا معاملہ اللہ علیہم السلام کے سپرد فرمایا ہے وہ تقویض کا قائل ہے۔ جبر کا قائل کا فرد تقویض کا قائل مشرک ہے

(۱۰) تیز روایت حسین بن خالد انہی حضرت سے مروی ہے فرمایا یا بن خالد انما وضع هذا الاخبار في التشبيه والجبر الغلاة الذين صدقوا غلبة الله تعالى فمن احبهم فقد ابغضنا ومن ابغضهم فقد احبنا ومن والاهم فقد عادانا ومن عاداهم فقد والانا ومن وصلهم فقد قطعنا ومن قطعهم فقد وصلنا ومن جفاهم فقد برنا ومن برهم فقد جفانا ومن اكرمهم فقد اهاننا ومن اهانهم فقد اكرمنا ومن قبلهم فقد ردنا ومن ردهم فقد قبلنا ومن احسن اليهم فقد اساء الينا ومن اساء اليهم فقد احسن الينا ومن صدقهم فقد كذبنا ومن كذبهم فقد صدقنا ومن اعطاهم فقد حرمانا ومن حرمانهم فقد اعطانا يا بن خالد من كان من شيعتنا فلا يتخذن منهم وليا ولا نصيرا۔

اسے فرزند خالد جبر و تشبیہ کے متعلق ہماری طرف جو اخبار منسوب ہیں یہ سب غالیوں نے گھڑی ہیں وہ غالی جو اللہ سبحانہ کی عظمت و جلالت کو گھٹاتے ہیں۔ پس جو شخص ان سے محبت کرتا ہے وہ ہم سے بغض رکھتا ہے اور جو ان سے بغض رکھتا ہے وہ ہم سے محبت کرتا ہے جو ان سے دوستی رکھتا ہے وہ ہم سے دشمنی رکھتا ہے۔ جو ان سے دشمنی رکھتا ہے وہ ہم سے دوستی رکھتا ہے۔ جو ان سے وصل کرتا ہے وہ ہم سے قطع کرتا ہے جو ان سے قطع کرتا ہے وہ ہم سے وصل کرتا ہے جو ان پر جفا کرتا ہے وہ ہم سے نیکی کرتا ہے جو ان کے ساتھ نیکی کرتا ہے وہ ہم پر جفا کرتا ہے جو ان کا اکرام و احترام کرتا ہے وہ ہماری توہین کرتا ہے اور جو ان کی توہین کرتا ہے وہ ہمارا احترام کرتا ہے جو انہیں قبول کرتا ہے وہ ہمیں روکرتا ہے اور جو ان کو ٹھکرانا ہے وہ ہمیں قبول کرتا ہے جو ان کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے وہ ہم سے بُرا سلوک کرتا ہے جو ان سے بُرا سلوک کرتا ہے وہ ہم سے اچھا سلوک کرتا ہے جو ان کی تصدیق کرتا ہے وہ ہماری تکذیب کرتا ہے جو ان کی تکذیب کرتا ہے وہ ہماری تصدیق کرتا ہے جو ان کو دیتا ہے وہ ہمیں محروم کرتا ہے اور جو ان کو محروم کرتا ہے وہ ہمیں دیتا ہے۔ اسے فرزند خالد جو شخص بھی ہمارے شیعوں میں سے ہے اُس پر لازم ہے کہ وہ ان لوگوں میں سے کسی کو نہ اپنا دوست اور نہ مددگار نہ بنائے (یعنی اخبار الرضا باب ۹ کذا فی سابع البجا ۳۳)



(۱۱) فضل بن یساریان کرتے ہیں کہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا "احذروا اہل شبابکم الغلا لا یفسدوہم فان الغلۃ شر خلق اللہ یصغرون عظمت اللہ ویذہبون الوہبیتۃ لعباد اللہ واللہ ان الغلۃ لشر من الیہود والنصارى والمجوس والذین اشركوا الخ" یعنی اپنے نوجوانوں کے متعلق فرمایا (کی سیل جول) سے ڈرو۔ کہیں یہ (کجعت) ان (کے عقیدہ و عمل) کو خراب نہ کر دیں کیونکہ یہ غالی لوگ خدا کی تمام (میراثی مخلوق سے بدتر ہیں۔ جو خدا کی عظمت کو حقیر جانتے ہوئے اُس کے بندوں کے لئے ربوبیت کا دعوئے کرتے ہیں۔ خدا قسم یہ غالی۔ یہودیوں، نصرانیوں، مجوسیوں اور تمام شرکوں سے بدتر ہیں (بخاری ج ۲، صفحہ ۲۲۵)۔

(۱۲) اعلیٰ بن سالم اپنے والد (سالم) سے روایت کرتے ہیں کہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ ادنیٰ ما یتخرج منہ الرجل من الایمان ان یجلس الی فال فیستتم حدیثہ ویصدقہ علی قولہ ان حدیثی عن ابیہ عن جلدہ علیہم السلام ان رسول اللہ قال صنفان من امتی لا نصیب لہما فی الاسلام الغلۃ والقدیمیۃ یعنی کم از کم وہ چیز جس کی وجہ سے آدمی دائرۃ ایمان سے خارج ہو جاتا ہے یہ ہے کہ کسی غالی کے پاس بیٹھے اور توجہ سے اس کی بات سن کر تصدیق کر دے میرے والد ماجد نے اپنے آپ سے مجھ تک جناب رسول خدا کی یہ حدیث پہنچائی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا میری امت کے دو گروہ ایسے ہیں جو اسلام سے کٹ تعلق نہیں۔ ایک غالی، دوسرا قدیمیہ۔ (بخاری ج ۲، صفحہ ۲۲۵)۔

(۱۳) ابو حمزہ ثمالی جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں آپؑ نے فرمایا یا ابا حمزہ! لا تقص علیا درن ما وضعہ اللہ ولا ترفعہ فوق ما رفعہ اللہ علی ان یقاتل اہل الکفرۃ ویزوج اہل الہم اسے ابو حمزہ نہ تو علی کو اس مقام و منزل سے پست کر دے جس پر خدا نے ان کو فائز کیا ہے اور نہ اس حد سے ان کو بلند کرے جس قدر خدا نے انہیں بلند کیا ہے۔ جناب علیؑ کی عظمت کے لئے) اتنی بات ہی کافی ہے کہ وہ زمانہ رجعت میں جنگ جہاد کریں اور اہل بیت کی تزویج فرمائیں (بصائر الدرجات طبع جدید ۴۱۵، صفحہ ۳۲۴)۔

(۱۴) ابو ہاشم جعفری بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام رضا علیہ السلام سے خلاۃ و مفوضہ کے بارے میں سوال کیا نے فرمایا الغلۃ کفارہ والمفوضۃ مشرکون من جالسہم او خالطہم او اشار بہم او اشار بہم او اصابہم او تزوجہم الیہم او امنہم او امانۃ او صدق حدیثہم او احابہم لبطل کل خروج من ولایۃ اللہ عزوجل وولایۃ رسول اللہ وولایتنا اہل البیت غالی کا فرار و مفوضہ مشرک میں۔ جو شخص ان لوگوں کے پاس بیٹھے یا ان سے میل جول رکھے یا ان کے ساتھ مل کر کھائے پیئے یا ان کے ساتھ تعلقات کرے یا ان کو رشتہ دے یا ان سے رشتہ لے یا ان کا امین بنے یا کسی امانت پر ان کو امین بنائے۔ یا ان کی کسی بات تصدیق کرے یا ان کی اعانت و امداد کرے اگرچہ جزو کلمہ کے ساتھ ہی ہو تو وہ خدا و رسولؐ اور ہم اہل بیتؑ کی



سے خارج ہو جاتا ہے (عیون الاخبار ج ۲ صفحہ ۲۵۳ طبع جدید مکتبہ مجار ۳۴۱)

(۱۵) فضیل بن عثمان روایت کرتے ہیں کہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا لا تقوا اللہ و عظموا اللہ و عظموا رسولہ ولا تفضلوا علی رسول اللہ احدا فان اللہ تبارک و تعالیٰ قد فضلہ واحسوا اہل بیت غلبکم حباً مقتصداً ولا تغلوا ولا تفرقوا ولا تقولوا صلاً لا نقول فانکم ان قلتم و قلنا یتیم و متناثم بعثکم و بعثنا فلنا حیث یشاء اللہ و کنتم " اللہ سے ڈرو۔ اور اس کی عظمت و جلالت کا خیال رکھو۔ اسی طرح اس کے رسول کی تکریم و تعظیم کرو۔ اور کسی کو بھی ان پر فضیلت نہ دو۔ کیونکہ خداوند عالم نے آنحضرت کو (سب کائنات پر) فضیلت دی ہے اور اہل بیت رسولؐ سے درمیانہ قسم کی محبت کرو۔ نہ غلو کرو اور نہ باہم تفریق اور دہار سے متعلق، وہ بات نہ کرو جو ہم نہیں کہتے۔ کیونکہ اگر تم نے ایسا کیا یعنی ہم نے کچھ کہا اور تم نے کچھ تو ہم بھی مرس گے اور تم بھی۔ پھر خدا ہمیں اور تمہیں مبعوث و مبعوث کرے گا۔ پھر جہاں چاہے گا ہم اور تم ہوں گے یعنی تم ہم سے الگ ہو گے اور ہماری زیارت سے محروم رہو گے۔ (بکار الاخبار ج ۲، صفحہ ۳۴۹)

(۱۶) متعدد اخبار و آثار میں مذکور ہے کہ جناب امیر علیہ السلام نے اپنے ظاہری و درغلافیت میں اپنے متعلق غلو کرنے والوں کو زندہ نذر آتش کر دیا تھا۔ (مکتبہ مجار صفحہ ۳۴۹ منہاج الہدای ج ۲ صفحہ ۳۵۵)

ان اخبار معصومین میں جس شہود کے ساقط غلاۃ کی مذمت کی گئی ہے اور جس طرح ان کو یہودیوں اور مجوسیوں سے بدتر قرار دے کر کافر قرار دیا گیا ہے اور ائمہ ظاہریؑ نے جس انداز میں اپنے نام بیواؤں کی اس بدترین خلافیٰ گروہ کی محالست و ہم نشینی سے سخت مخالفت فرمائی ہے وہ اب مزید کسی تبصرہ کی محتاج نہیں ہے آنجا کہ عیان است چر عاجز است بیان است۔ انہی متعلق کی بنا پر عالم ربانی شیخ عبداللہ امقانی نے فرمایا ہے "ایجمع العلماء علی کفر انعالیٰ" غالیوں کے کفر پر تمام علماء و فقہاء کا اجماع و اتفاق ہے (تفتیح المقال ج ۲، صفحہ ۲۷۵) فلا علو ولا تغلیظ ولا تقصیر ولا تقویٰ فی الاسلام و من ہب اہل البیت علیہم السلام بل امر باین الامرین کما لا یخفی علی اولی الاہنام و نقضاً اللہ للعل علی تعالیم القرآن و تعالیم النبی و اہلبیتہ علیہ علیہم السلام

**توضیح :-** معنی نہ رہے کہ ان احادیث شریفہ میں جہاں جہاں تغویض کی مذمت کی گئی ہے وہ لوقہ مفوضہ کے ساقطہ مخصوص ہے ہی لیکن جہاں جہاں غلو اور غالیوں کی شدید مذمت کی گئی ہے اس میں بھی مفوضہ شریک میں کیونکہ مفوضہ بھی غالیوں کی ہی ایک خاص قسم ہے جیسا کہ حضرت شیخ مفید علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں "والمفوضۃ صنف من الغلاۃ و قولہم الذی فارقوا بہ من سواہم من الغلاۃ اعترافہم بمحدث الامۃ و خلقہم و نفی القدام عنہم و اضافۃ الخلق و الرزق مع ذلک الیہم و دعواہم ان اللہ سبحانہ و تعالیٰ تفرد بخلقہم خاصۃً و انہ فروع الیہم خلق العالم بما فیہ و جمیع الافعال" یعنی مفوضہ غالیوں کی ہی ایک قسم میں۔ ہاں جس بات میں وہ



دوسرے عام قالیوں سے جدا ہیں وہ یہ ہے کہ وہ اثر کو حادث و مخلوق تسلیم کرتے ہیں اور ان کو قدیم نہیں سمجھتے۔ لیکن اس  
اعتراف کے باوجود وہ خلق و زرق کو انہی بزرگواروں کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ خدا نے صرف مخلوق  
آل عمر کو پیدا کیا ہے پھر اس نے عالم و مافیہ کی خلقت ان حضرات کے سپرد کر دی ہے لہذا وہی اس کے خالق ہیں (شرح  
حقانہ صدوق مشہور) ایسا ہی افادہ جناب آقا جے شیخ فضل اللہ زہدانی (شبیبی) نے اوائل المقامات علیہ شیخ الغیب  
کے ماحشیہ ص ۱۱۲ پر فرمایا ہے۔ نیز ان آیات و روایات سے یہ حقیقت بھی بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ان ذوات مقدسہ  
کے فی الجملہ کچھ حدود ہیں۔ (وکل مخلوق محدود) جن سے اگر ان کو بڑھایا جائے تو انسان غلو و افراط میں مبتلا ہو کر ابدی بنا  
کا شکار ہو جاتا ہے غابر ہے کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ بزرگوار بار بار یہ نہ فرماتے کہ ہمیں ہمارے حدود سے آگے نہ بڑھاؤ۔  
کیونکہ جب ان کی کوئی حد تسلیم نہ کی جائے تو پھر اس سے بڑھانے یا اس بڑھانے کی مانگ کرنے کا سوال ہی پیدا  
نہیں ہوتا۔

**ایک عظیم شبہ اور اس کا ازالہ** | بعض وہ لوگ جو راسخ فی الافراط میں وہ تو یہاں تک کہہ دیا کرتے ہیں۔ کہ  
اللہ اہل بیت علیہم السلام کے حق میں سرے سے غلو ہو ہی نہیں سکتا اور وہ حقیقت  
ان کی مدح میں ہمارا غلو بھی قاصر ہے اور اس سلسلہ میں وہ بعض عقلی و نقلی شبہات بھی پیش کرتے ہیں۔ مثلاً یہ عقلی شبہ کہ غلو  
حد سے بڑھنے یا بڑھانے کا نام ہے۔ مگر جب ہمیں اثر اہل بار کی حد ہی معلوم نہیں ہے تو پھر ان کے حق میں غلو کیونکر ہو سکتا ہے  
اور نقلی شبہ یہ کہ کئی روایات میں بامثلہ الفاظ وارد ہے کہ لا تملعوننا ادرما یا منزلونا عن الربوبیۃ ثم قولوا  
فی فضلنا ما شئتم ولن تبلغوا "ہمیں رب نہ کہو پھر جو جی چاہئے ہمارے حق میں بیان کرو۔ ہرگز ہماری حقیقت تک  
نہیں پہنچ سکتے" و بصائر الدرجات و سفینہ ہمارا لاوار وغیرہ اگرچہ ہم احسن الفاظ میں اس شبہ کا مفصل جواب لکھ چکے ہیں تاہم  
مناسبت مقام کی بنا پر یہاں بھی کچھ حقائق پیش کئے جاتے ہیں سو واضح ہو کہ یہ شبہ بچند وجہ باطل اور درجہ اعتبار سے ناقص ہے۔  
اصل بات یہ ہے کہ یہ شبہ محض جوش نشاط و عقیدت کی پیداوار ہے جسے حقیقت سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے  
یہ کہنا کہ ہمیں بزرگواروں کی حدود کا بالکل کچھ بھی پتہ نہیں لہذا غلو نہیں ہو سکتا کس قدر بعید از حقیقت بات ہے  
بہر یقیناً اذوات مقدسہ کے کچھ ایجابی و سلبی حدود و قیود کا علم ہے کیا ان کو خدا یا رسول کہنے یا صفات خداوندی میں  
شریک قرار دینا ان کے حدود سے تجاوز نہیں؟ اور کیا یہ کھلا کفر و کلمہ نہیں؟ ۲۹ سی طرح اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ  
عبادت کرتا ہے یا خدا ان میں حلول کرتا ہے یا یہ خدا کے اوتار ہیں یا وہ خدا کے ساتھ متحد ہیں یہ واضح تجاوز عن الحد  
نہیں ہے؟ نیز اگر ان کو مربوب کی بجائے رب، مابد کی بجائے معبود، مرزوق کی جگہ رازق، حادث کی جگہ قدیم، ممکن کی بجائے  
واجب الوجود کہا جائے تو کیا یہ کھلم کھلا غلو اور ان کے حدود و عبودیت سے تجاوز نہیں؟ اتنا تو ہمارے یہ مولوی صاحبان بھی  
تسلیم کرتے ہیں کہ ان کو بالذات خالق و رازق اور بالذات عالم الغیب کہنا غلو ہے پھر ان کا یہ کہتے کہاں گیا کہ ان کے حق پر



فلو ممکن ہی نہیں ہے جس طرح خدا کے کچھ صفات ثبوتیہ (جو اس کی شان کے لائق ہیں) اور کچھ صفات نسبیہ (جو اس کی شان اقدس کے لائق نہیں) ہیں۔ ان کے متعلق اس کی معرفت لازم ہے کہ ہمیں پہچان بھی وہ ان محدود و محاط نہیں ہو جاتا۔ بلا تشبیہ اندہ علیہم السلام کے بھی کچھ ایجابی و سلبی صفات ہیں ان کے مطابق ان کو ماننا واجب ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ پھر بھی من کل الوجہ محدود اور ہماری مانند نہیں ہو جاتے۔ بتائیں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر ان کو نہ رب کہا جائے اور نہ ان کو ان صفات کا حامل قرار دیا جائے جو عہدہ جلیلہ ربوبیت کے ساتھ مختص ہیں۔ اور نہ ان کی نبوت و رسالت کا ادعا کیا جائے۔ تو پھر وہ قلم صفات و کمالات علمیہ و عملیہ اور فضائل و خواص نفسانیہ و روحانیہ جو کسی بھی مخلوق میں پائے جاسکتے ہیں وہ تمام کے تمام ان ذات مقدسہ میں بدرجہ اتم و اکمل موجود ہیں اور ان کی شان اور ان کا مقام فی الواقع اس قدر اعلیٰ و ارفع ہے کہ عام انسانی فاضل و خیال ان کی بلندی کو سمجھ بھی نہیں سکتا۔ (لا یوقی الی الطیر و یغدا رعیتی السیل پنج البلاغہ) اور نہ ہی عام انسان ان کے محامد و مناقب کا احصاء و احاطہ کر سکتا ہے (لو کانت الاریاض قفلاً ما والجبار مداداً و الافن کتاباً و الجن حساباً لما احصوا فضائل علی بن ابی طالب فایۃ المرام وغیرہ) اور نہ ہی انسانی فہم و فراست ان کی عظمت و جلال کا صحیح اندازہ کر سکتی ہے (الامام من حیث النجم من ایدی المتناولین۔ اصول کافی)۔

**صفات ربوبی کون سی ہیں؟** اب صرف اس بات کی تحقیق باقی رہ گئی کہ رب کے شرعاً معنی کیا ہیں؟ اور وہ معصومین سے ثابت ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ شرعی نقطہ نظر سے رب اُس ذات کو کہا جاتا ہے جو خالق و رازق و مالک و وہاب اور ساری کائنات کا ناظم و تدبیر الامور ہے چنانچہ تفسیر صافی (منہا پر) حضرت امیر المومنین سے اس کے یہ معنی مذکور ہیں یعنی مالکهم و خالقهم و سائق ارزاقهم الیہم من حیث یعلمون و من حیث لا یعلمون یقلب الحیوانات فی قنادیلہا ویغذوہا من رزقہ ویحوطہا بکنفہ و یدبیر کلامہا بمصلحتہ و یمسک الجہادات بقدرتہ و یمسک ما اتصل منها من التفاہت و المتہاہت عن التلاصق و السماء ان تقع علی الارض الا باذنیہ و الارض ان یخسف الا بامرہ یعنی ہر مخلوق کا مالک اور خالق اور دیاں سے ان تک ان کا رزق پہنچانے والا ہے جہاں سے ان کو گمان ہو یا نہ ہو وہ تمام حیوانات کو اپنی قدرت کاملہ کے ساتھ الٹا پلٹتا ہے اور اپنے رزق سے ان کی غذا کا بندوبست کرتا ہے اور اپنی حفاظت سے ان کا احاطہ کئے ہوئے ہے اپنی صوابدید کے مطابق ہر ایک کی تدبیر کرتا ہے۔ جمادات کو اپنی قدرت مطلقہ کے ساتھ روک رکھا ہے وہ ان (جمادات) میں سے جو متصل ہیں ان کو ایک دوسرے سے جدا نہیں ہونے دیتا۔ اور جو منفصل (جدا) ہیں ان کو یا ہم متصل نہیں ہونے دیتا اور آسمان کو گرنے اور زمین کو پانی میں دھنسنے سے بچاتا ہے۔ (دمعۃ ساکبہ ص ۹۹ مختصر علی الشرائع ص ۱۸۱ کذا فی عیون الاخبار ص ۱۸۵) و حدیقہ سلطانیہ ج ۳ ص ۱۶۱ وغیرہ)



بنابرین فلولو ناعن الوبوبیۃ ہیں درجہ ربوبیت سے نیچے رکھو یا لا یتدعون اربابا "ہیں رب نہ کہو" کا کوئی  
 صاحب عقل و دانش انسان یہ مطلب پرگز نہیں لے سکتا کہ ان پر صرف لفظ رب کا اطلاق ممنوع ہے (جو کہ لغوی  
 معنی کے اعتبار سے ہر تربیت کنندہ پر بولا جاسکتا ہے جس کا سہارا لے کر اور اس کے شرعی مفہوم سے آنکھیں بند  
 کر کے بعض حضرات نے عجیب گلی کھلائے ہیں قدرتی باقی جو چاہے صفات ربوبیت ان میں تسلیم کر لی جائیں۔ یا  
 خود ساختہ اور من گھڑت فضائل ان کی طرف منسوب کر دیئے جائیں عا شا و کلا۔ بلکہ اس کا صاف مطلب یہ ہے  
 کہ وہ تمام صفات جو عہدہ ربوبیت کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں جن کا ایک شہد ابھی اور بیان کیا گیا ہے ان تمام صفات  
 کا ان حضرات میں قائل ہونا شرعاً ممنوع اور ناجائز ہے۔ کمالاً بخفی علی من لہ ادنی العام باسالیب الکلام  
 ولا ینہاما بکلام الائمۃ علیہم السلام۔ الذی ہو امام الکلام۔

ذیلی میں اس بیان کردہ صاف و صریح مفہوم و معنی کی تائید بعض علماء اعلام کے کلام حق ترجمان سے کی جاتی ہے  
 تاکہ یہ مطلب بالکل آشکار اور بے غبار ہو جائے۔

کن کن صورتوں میں غلو لازم آتا ہے؟

ہیں۔۔ اعلم ان الغلو فی النبی والائمۃ علیہم الصلوۃ والسلام انما یكون بالقول بالوہیتہما ویکون نہم  
 شہداء اللہ تعالیٰ فی المعبودیۃ اوفی الخلق والرزق اوان اللہ تعالیٰ حل فیہم اذ اتحد بہم  
 اوانہم یعلمون الغیب بغیر وحی اوالہام من اللہ تعالیٰ اذ بالقول فی الائمۃ علیہم السلام  
 انہم کانوا انبیاء اذ یقتناسخ ارواح بعضہم الی بعض والقول بان معرفتہم تغنی عن  
 جمیع الطاعات ولا تکلیف معہما بترك المعاصی والقول بکل منها الحاد وکفر وخرج  
 عن الدین کما دلت علیہ الادلۃ العقلیۃ والایات والاخبار السالفة وغیرہا وقد عرفت  
 ان الائمۃ علیہم السلام تبرؤامنہم وحکموا بکفرہم وامروا بقتلہم وان قرع سمعک  
 شیء من الاخبار الموهمة لشیء من ذلک نہی اما مارلہ اوی من مفتزیات الغلاة۔  
 ولكن انظر بعض المتکلمین والمحدثین فی الغلو بقصورہم من معرفۃ الائمۃ علیہم السلام وعجزہم  
 عن ادراک غرائب احوالہم وعجائب شئونہم فقد ہون فی کثیر من الرواۃ الثقات لتقلہم بعض  
 غرائب المعجزات حتی قال بعضہم من الغلو فی السہو عنہم والقول بانہم یعلمون ما کان و  
 ما یكون وغیر ذلک مع انہ قد ورد فی اخبار کثیرۃ لا تقولوا فینا رباً وقولوا ما شئتم ولن تبلغوا  
 وورہ ان امرنا صعب مستعصب لا یحملہ الا ملک مقرب اذ نبی مرسل اوعبد مؤمن امتن اللہ



از احادیث فضائل موضوع و مخالف اصول قطعیہ منقول و مشروع باشد انکار آن واجب و لازم است و آنچنان فضائل  
باخبار احادیث ثور باشد۔ و مخالف ضروریات و قطعیات نباشد۔ آن را بعض اشباع درونی توان کرد و نہ بالجزم والیقین  
اعتماد بآن توان کرد بلکہ علم آن را خواہ بضررات و ذوات طبیات باید نمود و استنباط از آن نتوان فرمود و الخ یعنی میں  
کہتا ہوں کہ اس مقام کی تفصیل بلکہ تحقیق یہ ہے کہ غلو ممنوع صرف انہی صورتوں میں منحصر نہیں جن کا ذکر سرکار علامہ  
نے فرمایا ہے بلکہ وہ تمام صفات جو ذات اقدس الہی کے ساتھ خاص ہیں جیسے قدیم و ازلی ہونا اور جسم و جسمانیات  
سے عجز و دور زمان و مکان سے منسز ہونا ان صفات کا ان کی فعلات متعینہ میں تسلیم کرنا۔ اسی طرح ان کو نبی و رسول  
ماننا اور ہر اس چیز کا ان حضرات کے متعلق قائل ہونا جو ضرورت دین اور قطعی براہین کے خلاف ہے یہ سب غلو اور کفر  
ہے۔ ہاں ان کے مدارج رفیعہ و مراتب عالیہ از قسم معجزات و خوارق عادات جو دلائل قاطعہ و احادیث متواترہ  
سے ثابت ہیں ان کا قائل ہونا عین ایمان اور واجب الاذعان ہے البتہ وہ فضائل جو وضعی اور مخالف اصول شرعیہ  
اخبار و آثار کے ذریعہ منقول ہوں۔ ان کا رد کرنا واجب و لازم ہے اور وہ فضائل جو اخبار احادیث کے ذریعہ منقول ہوں۔  
اور ضروریات دین و قطعیات شرع توہم کے مخالف بھی ہوں ان کو نہ تو محض عقلی استبعاد کی بنا پر مسترد کیا جاسکتا ہے  
اور نہ ہی ان پر بالیقین اعتقاد رکھا جاسکتا ہے۔ بلکہ ان کے حقیقی علم کو ان ہی ذوات مقدسہ کے سپرد کرنا چاہئے۔  
اور انکار نہ کرنا چاہئے۔

(۳) محدث خیر مولانا ابو الحسن الشریف مرآۃ الانوار میں غلو کے متعلق مساحت طویلہ کہنے کے بعد آخر میں ۶۵ پر پھر  
خلاصہ لکھتے ہیں "و بالجملہ مناط الحكم بالافراط والدخول في الغلو ادعاء الربوبية لغير الرب و ادعاء  
النبوۃ لغير النبي ۱۵ ادعاء الامامة لغير الامام كما هو صريح حديث الحسن بن الجهم المذکور  
في عيون الاخبار ۲ ص ۱۰۷) عن الرضا عليه السلام حيث قال بعد ان ذكر كفو الغلو و ابرائة  
منه فمن ادعى للاثمة نبوة او لغيره لاثمة امامة ففحن منه براء في الدنيا والاخرة وعلى هذا  
يبدخل المخالفون ايضا في الغلاة (الحی ان قال) و تا مل فيها ذکرنا صادقا حتی تعرف ان الحق  
الذی علیہ محدثوا اصحابنا المحققین من المتقدمین والمتاخرین فی غیر ہذا من الصنفین  
الافراط والتعریط بل هو ان رب العالمین و خالق الخلائق و رازقہم اجمعین هو الله وحده لا شریک

لہ جناب آقا عسی مقلد نے مراد الحق ج ۲ ص ۳۳ پر بڑے پتے کی بات کہی ہے۔ ہم بغرض افادہ اسے من ومن یہاں درج کرتے  
ہیں اور صاحب مدنیہ اور صاحب صراط حق نے جو افادہ فرمایا ہے اس موضوع پر ہماری تحقیق بھی یہی ہے اور اگر تعصب و ضد کی  
پٹی آنکھوں سے اُٹار کر حقانی کا حائرہ لیا جائے تو کسی بھی حد تک انصاف کو اس میں شک و شبہ کرنے کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ (باقی ص ۳۳)



القادر الذي لا شريك له ولا شبيهه وان رسوله محمد اوالائمة الاثنا عشر من ولد عبد الله  
مخلوقون مروبون كسائر المخلوقين مكلفون بمواظبات العبودية من فعل الطاعات وترك المناهي بلا  
احتمال التوبة في الائمة ولا مدخلية لهم ولا للنبي فيها هو من علائق الا لوضعية وخصائص العبودية  
يعني خلاصہ کلام یہ ہے کہ افراد و مخلوق کا دار و مدار اس امر پر ہے کہ غیر رب کی ربوبیت، غیر نبی کی نبوت یا غیر امام کی امامت  
کا دعویٰ کیا جائے۔ جیسا کہ امام رضا علیہ السلام کے ارشاد سے واضح ہے جس میں آپ فرماتے ہیں کہ جو شخص انبیاء کی  
ربوبیت یا ائمہ کی نبوت یا غیر امام کی امامت کا ادعا کرے ہم اس سے دنیا و آخرت میں بری و بیزار ہیں۔ اس سے معلوم  
ہوتا ہے کہ مخالفین بھی غالیوں میں داخل .....۔

**درمیانہ راستہ** | ہمارے مذکورہ بالا مطالب میں غور و تامل کرو۔ تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ وہ عقیدہ حقہ  
جس کے ہمارے تمام علماء محققین متقدمین و متاخرین قائل ہیں وہ ان ہر دو افراد و تفرید  
والے نظریوں کے برخلاف ہے اور وہ یہ ہے کہ عالمین کا پالنے والا اور ساری کائنات کا خالق و رازق خداوند  
قادر و قدیم ہی ہے جس کا کوئی شریک و ہم نہیں ہے۔ جناب رسول خدا اور ائمہ ہدیٰ دوسری مخلوق کی مانند خدا کے  
بندے اور اس کی مخلوق ہیں۔ اور عبودیت و بندگی کے لوازم از قسم بجا آوری طاعات و ترک معاصی و ناہی پر کار بند  
ہیں۔ نہ ائمہ علیہم السلام میں نبوت کا احتمال ہے اور نہ سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کو ان چیزوں میں کوئی دخل  
ہے جن کا تعلق شان الوہیت اور خصائص ربوبیت سے ہے انتہی کلام۔ بعد ازاں عبارت طویل میں جسے پوجہ خوف  
طوالت درج نہیں کیا جا سکتا ہے۔ یہ ثابت فرمایا ہے کہ یہ بزرگوار پہلی مخلوق اور علت غائی ممکنات اور علم و عمل میں  
تمام کائنات کے ستیہ و سردار ہیں اور اپنے خصوصی مدارج و مراتب اور مدارج و مناقب کی بنا پر مخلوق خدا میں  
ان کی کوئی نظیر نہیں ہے۔ ان کی اطاعت خدا کی اطاعت اور ان کی نافرمانی خدا کی نافرمانی ہے۔ اور یہ بزرگوار  
ہمارے دینی و دنیوی راہنما اور بادشاہ ہیں۔ یہ تھا اس محدث جلیل کا بیان جس نے ائمہ اطہار کے اس قدر ظاہری و  
باطنی فضائل و کمالات اپنی کتاب "مرآة الانوار" میں جمع کئے ہیں کہ ان سے زیادہ تو کیا شاید ان کے برابر بھی کسی اور  
عالم نے جمع نہ کئے ہوں۔ ولا ینبیک مثل خبیر۔

بہر حال جناب موصوف تحریر فرماتے ہیں "اقول کل ما در وصف  
اوصاف النبی والائمة بطریق صحیح معتدل ولم یکن لہ

بقیہ حاشیہ } روایات کے رد و قبول کا معیار  
صفحہ ۳۳

معارض من العقل والنقل ناخذ به وملتزم به فانهم قوم معصومون وقولہم حجتہ کما تقدم  
واما اذ الم یثبت کذا فان کان مخالفاً للعقل والنقل فلا نقول بہ بل نقول عد منہ وان لم یکن  
(باقی صفحہ ۳۴) :-



(۴) مولانا سیّد محمد سبطین صاحب سرسوی نے مقدمہ کو کب درسی پر معافی غلو کی تحقیق کرتے ہوئے تبیین کیا ہے کہ متدرجہ ذیل امور غلو میں غلو لازم آتا ہے اور نبی اور امام میں غلو کے یہ معنی ہیں کہ ہم ان کی الوہیت کے قائل ہوں معبودیت میں ان کو شریک گردانیں اور خلق اور رزق میں ان کو خدا کا شریک مانیں اور جس طرح خدا خلق کرتا ہے یہ بھی کرتے ہیں۔ اور جس طرح خدا رزق دیتا ہے یہ بھی اپنی مخلوق کو رزق دیتے ہیں، یا کہیں خدا نے ان کے اندر حلول کیا ہے اور یہ خدا کے اوتار ہیں یا انسانی صورت میں خدا ہیں۔ (جس طرح ہندو اپنے اوتاروں کے قائل ہیں) یا کہیں یہ خدا کی ذات سے متحد ہیں۔ یہ اور خدا ایک ہی ہیں جس طرح عیسائی خدا، روح القدس اور عیسیٰ کو متحد الذات مانتے ہیں اور عینوں کو ایک کہتے ہیں یا یہ کہیں کہ وہ خود بالذات عالم الغیب ہیں۔ بغیر خدا کے الہام اور وحی کے خود بخود سب کو جانتے ہیں۔ یا ائمہ ظاہری کو ہم مثل رسالت کا نبی سمجھیں تو یہ بھی غلو ہے یا ہم اس کے قائل ہوں کہ ان کی ارواح ایک ہی ہیں۔ تناسخ کے طور پر مستقل ہوتی رہتی ہیں۔ اور مختلف اجسام میں حلول کرتی رہتی ہیں۔ یا یہ کہیں کہ دنیا میں بس ان کی معرفت کافی ہے خدا کی عبادت و طاعت کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور نہ گناہوں کے ترک کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ تمام باتیں کفر و الحاد و شرک و غلو ہیں اور ان کا قائل دین اسلام سے خارج اور ائمہ ان ہی اعتقادات سے منہ پرہیز کرتے اور ان کے قائلین کے کفر کا حکم دیتے تھے۔

ان مضمرات کی یہ فرمائشات اور زہرہ گوش بنانے کے قائل ہیں۔

نصیحت گوش کن جانان کہ از جان دوست تر دارند جو انان سعادت مند پند پرور

جناب علامہ سید حسین کھنوی اعلیٰ الشہ نظامہ مدنیہ سلطانیہ ج ۱۱۱

نزلونا عن الربوبیۃ کا صحیح مفہوم | پر مذکورہ بالا شبہ کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں "تمسک بروایت نزلونا عن الربوبیۃ وقولوا فینا ما شئتم سراسر بے جا است۔ اما اولاً فلو کنھا من اخبار الاحاد وہی لا تصلح للاستناد فی اصول الاعتقاد ثانیاً مراد از رب مالک و خالق و رازق است۔ چنانچہ روایت تفسیر

(بقیہ ماشیہ) مخالفاً کہا اذ اور دبا سناد ضعیفہ۔ اوقال احد من العلماء با تصافہم بما مر ممکن عقلاً و نقلاً لا مردہ ولا نقبلہ لعدم الدلیل۔ والنبی الاکرم و اوصیائہ وان کا نزول افضل ما سوی اللہ ولہم فضائل عظیمہ و مناقب عجیبہ غریبہ بل و رد فی بعض الاخبار لا تقولوا فینا رباً و قولوا ما شئتم لکن کل ذلک لا یوجب التفویہ بکل ما یبراد۔ وان یخترع الانسان من عند نفسه اموراً ولو ممکنہ و مثبتہا لہم فانه من القول الزور و الکذب المحرم بل ہو مرتبہ من الغلو الباطل۔ یعنی میں کہتا ہوں کہ پیغمبر اسلام اور ائمہ علیہم السلام کے وہ اوصاف و کمالات جو قابل اعتماد اور صحیح طریقہ سے مروی ہیں۔



حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام وارد است پس نسبت خلق و رزق بآں حضرت منافی تنزیل عن الربوبیت است و ثانیاً بعد التمنزل میگوئیم کہ استدلال باین روایت تسک بمعوم است و قاعده ماسن عام الا وقد خص دلالت برخصیص دارد۔ چنانچہ معوم من قال لا اله الا الله فدخل الجنة مستند نجات سائر فرق اسلامی نبی تواند بود معوم این روایت نیز مستند نمی تواند شد و کیف لا تكون مخصصه و الحال انہ يجب تنزیہ ہم عن الصفات المخصوصه بالربوبیه كالققدم وعن درجۃ النبوة پس مراد از معوم ما شتم مدرج و ثنائے است کہ برون اصول شرعیہ باشد نہ اینکه ہرچہ خواستہ باشد از انویار و تعبیر کہ از طرف خود تراشیدہ منسوب بحضرات نمایند گفتن آں روا باشد یعنی روایت نزولنا عن الربوبیت کے ساتھ تسک کرنا بچند وجہ بالکل بے جا ہے اولاً اس لئے کہ یہ خبر واحد ہے اور اصول عقاید میں اخبار احاد پر اعتماد روا نہیں ہے ثانیاً اس لئے کہ رب سے مراد ہی مالک و خالق

(بقیہ حاشیہ ۳) اومان کے برخلاف کوئی عقل یا شرعی دلیل نہ ہو۔ تو ہم انہیں ضرور قبول کریں گے کیونکہ یہ بزرگوار معصوم ہیں اور ان کا ارشاد حجت ہے۔ لیکن اگر وہ فضائل اس طرح (قابل اعتماد طریقے سے) مروی نہ ہوں تو پھر دیکھیں گے کہ یا وہ عقل یا شرع (کے کسی مستند اصول) کے خلاف ہیں یا نہ۔ اگر مخالف ہوں تو نہ صرف یہ کہ ہم ان کے قائل نہیں ہوں گے بلکہ ان کے صمیم نہ ہونے کا عقیدہ رکھیں گے۔ اور اگر اصول عقل و شرع کے مخالف نہ ہوں مگر البتہ ضعیف سندوں سے منقول ہوں یا صرف علماء یہ کہہ دیں کہ یہ بزرگوار کمال صفت کے ساتھ متصف ہیں جو فی نفسہ ممکن ہو۔ تو اس صورت میں نہ تو ہم انہیں رد کریں گے اور نہ ہی بوجہ دلیل قطعی ان کے نہ ہونے کے ان کو قبول کریں گے۔ جناب رسول خدا اور ائمہ ہدیٰ اگرچہ جو خدا باقی ساری کائنات سے افضل و اشرف ہیں۔ اور ان کے بہت بڑے فضائل اور عجیب و غریب مناقب ہیں۔ بلکہ بعض اخبار میں تو یہ بیان تک وارد ہے کہ ہمیں رب نہ کہو۔ پھر جو چاہو کہو۔ اسی مقام کے ذیلی حاشیہ پر وہ اشارہ فرمایا ہے جس پر ہم اسی صفحہ پریل میں پہنچے ہیں لیکن باین سبب اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انسان کے جو بات جی میں آئے وہ ان کے متعلق کہہ دے۔ اور اپنی طرف سے (برعکس خود) فضائل گھر گھر کر ان کی طرف منسوب کرے اور انہیں ثابت کرے کیونکہ ایسا کرنا قول زور اور کذب جہرام میں داخل ہے بلکہ یہ عمومی کا ایک درجہ ہے۔ اسی بنا پر علامہ سید حسین مکتوبی نے بھی فرمایا ہے کہ کہ از طرف خود امر سے تراشیدن و بے دلیل و برہان صفت حضرات قرار داد و روانیت بلا دلیل و برہان اپنی طرف سے کوئی فضیلت گھر کر اسے ان حضرات کی صفت قرار دینا جائز نہیں ہے (حدیث سلطانیہ ج ۱ ص ۱۸۱) یا ایہا الناس قد جاءکم الحق من ربکم وماذا بعد الحق الا الضلال۔ (سنن طبری ص ۱۸۱)

۱۔ اور وہ بھی ضعیف سند نہ صحیح۔ جناب آقائے عسی مذکور اپنی کتاب صراط الحق ج ۳ ص ۱۸۱ طبع الخف کے حاشیہ پر اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ”وہو اربع روایات مختلف الفاظہا علی ما ظہرت علیہا حسب تتبعی لکن ضعیف سنداً فلاحظہا فی ص ۱۸۱ و ۱۸۲ و ۱۸۳ و ۱۸۴ من المجلد السابع من البحار (باقی ص ۱۸۵ پر)“



اور رازق ہے جیسا کہ حضرت امام حسن عسکریؑ کی طرف منسوب تفسیر میں مذکور ہے لہذا ان حضرات کی طرف خلق کرنے اور رزق دینے کی نسبت دینا ان کو مرتبہ ربوبیت سے نیچے رکھنے کے منافی ہے۔

ثانیاً مذکورہ بالا جوابات سے قلع نظر بھی کر لی جائے تو یہی ریاست دلال درست نہیں ہے۔ کیونکہ یہ عموم "رقلوا ماشتم" کے ساتھ تسک ہے اور یہ قاعدہ مسلم ہے کہ کوئی ایسی عموم ایسا نہیں جو تخصیص غورہ نہ ہو (الا ماشدو تدر) لہذا جس طرح من قال لا اله الا الله دخل الجنة (جو یہی کلمہ تو حیدر پڑھے وہ جنت میں داخل ہوگا) کا عموم تمام اسلامی فرقوں کی نجات کی دلیل نہیں بن سکتا۔ بالکل اسی طرح اس روایت (رقلوا ماشتم) کا عموم بھی دلیل نہیں بن سکتا کہ (ان کو خالق درازق تسلیم کیا جائے) بھلا کیونکہ اس عموم کو تخصیص غورہ تسلیم نہ کریں، حالانکہ ان بزرگواروں کو ان تمام صفات سے منزہ ماننا واجب ہے جو خدا کے ساتھ تخصیص میں جیسے قدیم ہوتا۔ اسی طرح ان کو درجہ نبوت سے بھی منزہ ماننا لازم ہے پس بنا بریں حقائق رقلوا ماشتم کے عموم سے مراد یہ ہوگی کہ ہر وہ روح و شہد جو قواعد شریعہ کے مطابق ہو وہ جائز ہے نہ یہ کہ ہر وہ بات جو غلط یا صحیح ہو اپنے دل سے تراش کر کے ان کی طرف منسوب کرنا درست ہو۔ (معاذ اللہ) یا ایہا الناس قد جاءکم موعظة من ربکم وشفاء لما فی الصدور۔

لو علم ابو ذر مانی قلب سلمان کے صحیح مفہوم کا بیان

حسن پیر جابل، عبقری اور سرکاری عن اکمال عارف المعارف کہلاتا نظر آتا ہے جس جابل و اسحق کو دیکھو مقداد و ابو ذر نے یہ تو قانع ہی نہیں بلکہ سلمانؓ ہونے کا مدعی نظر آتا ہے۔

وکلیدی، وصلایہ، وعلی لا تقولہم بلذاکا

چنانچہ اس سلسلہ میں چنانچہ "لو علم ابو ذر مانی قلب سلمان" سے تسک کرتے ہوئے دوسروں کو معرفت اہل بیت

(بقیہ حاشیہ ۳۵) دلوکانت صحیحۃ سنداً لما قلت لوفیضا کما لا یحقی ولا یظن بفاصل

یرتقی بہادریعل بمقتضاہا، یعنی جہاں تک میں نے تتبع و تفحص کیا ہے، اس مضمون کی مختلف الفاظ کے ساتھ چار

روایتیں ملی ہیں۔ جیسا کہ ہمارے ۲۴۵ و ۲۴۸ و ۲۴۹ اور صفحہ ۲۵۰ میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ اور یہ سب

کی سب ضعیف السند ہیں۔ اور اگر بالفرض صحیح السند بھی ہوتیں۔ تب بھی میں ان کے مطابق عقیدہ نہ رکھتا۔ ربوب

اخبار اہل بیت کے، اور نہ ہی کسی عقل مند آدمی کے متعلق یہ گمان کیا جاسکتا ہے۔ کہ وہ اس بات کو پسند کرے گا

اور ان کے مطابق عقیدہ رکھے گا؟ (یعنی اس طرح کھلی جھوٹی کافانہ ہوگا) نہ حقیقی منہ



سے عاری اور اپنی معرفت کاملہ کا دعویٰ رکھتا ہی دیتے ہیں۔ لیکن یہ سوچنے کی بھی زحمت ہی گوارا نہیں کی کہ آخر اس عمل و تشابہ خبر واحد کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ بلا سوچے سمجھے ہر کس بقدر فہمیش فہمیدہ مارا اپنے دعوئے باطل پر استہباد کرتا ہے۔ صوفی کہتا ہے کہ اس سے مراد وحدۃ الوجود کی منزل ہے۔ غالی کہتا ہے اس سے مراد علیؑ کی الوہیت ہے۔ قابلِ تفویض یہ کہتا ہے کہ اس سے مقصود اہل بیتؑ کا خالق درازق ہونا ہے اور کوئی اس سے معرفت کے درجات مراد لیتا ہے و علیؑ بذائقہ۔ لہذا اگر ایسی عمل صدیقیوں کے ساتھ تسک کرنا درست ہو تو پھر تو ہر باطل فرقہ اسے اپنے غلط نظریہ کی تائید میں پیش کر دے گا۔ اس کے نظریہ بطلان پر کیا دلیل ہے؟

ہر قوم راست راہ ہے دینے و قبلہ گاہ ہے

آئیے ذرا اصولِ درایتِ الحدیث کے میزان پر جانچ کر اس کا سبازہ لیں کہ اس کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ اور اس سلسلہ میں اس سے استدلال کرنا کہاں تک درست ہے؟ سو واضح رہے کہ اولاً یہ روایت خبر واحد ہے اور سابقہ اوراق میں ثابت کیا جا چکا ہے کہ اصولِ اعتقاد میں خبر واحد پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ ثانیاً یہ بھی ضعیف السند و مرآۃ العقول ج ۱ ص ۳۲۰ ملاحظہ ہو بعد ازیں کس طرح اس پر استدلال کی دیوار استوار کی جاسکتی ہے؟ ثالثاً یہ خبر عمل و تشابہ ہے علماء اعلام اس کا صحیح مفہوم متعین کرنے میں حیران و سرگردان نظر آتے ہیں۔

**اختلاف آراء کا نمونہ** | ۱۔ چنانچہ حضرت سید مرتضیٰ علم الہدیٰ نے اپنی کتاب امالیٰ ص ۱۰۰ طبع ایران میں اس کا مطلب یہ لکھا ہے کہ اس سے جناب ابوذرؓ و سلمانؓ کی باہمی خالص محبت و اخوت مراد ہے وہ فرماتے ہیں کہ "قتلہ میں ضمیر مرفوع مستتر ہے جن کا مرجع علم و ضمیر منصوب کا مرجع ابوذرؓ ہے۔ مطلب یہ کہ اگر ابوذرؓ کو معلوم ہو جائے کہ جناب سلمانؓ کے دل میں ان کے متعلق کس قدر اخوت و محبت کے الہامی جذبات کا دریا موجزن ہے تو یہ انکشاف ابوذرؓ کو دروجہ شدت سرور قتل کر دے" غرضیکہ خوشی باعثِ مرگ بن جانے سے کہ خوشی سے مرز جاتے اگر اعتبار ہوتا

(۲) حضرت علامہ مجلسیؒ مرآۃ العقول ج ۱ ص ۳۲۰ پر اس کے متعلق لکھتے ہیں: "ای من صوات معرفۃ اللہ و معرفۃ النبی و الائمۃ صلوات اللہ علیہم و غیرہا مما ذکرنا سابقاً فلو کان اظهر سلمانؓ لہ شیئاً من ذلک کان لا یحتمل لکذب و الامر تداد العلم و الاعمال الغریبۃ التي لو اظهر حالہ لحملہا علی السحر فقتلہ او کان یفتشیہ فیصیر سبباً لقتل سلمانؓ و قبل الضمیر المرفوع راجع الی العلم و المنصوب الی ابی ذرؓ الی لقتل ذلک العلم باذہا الی کان لا یحتمل عقلہ فیکفربذلک او المعنی لو اتقی الی تلک الاسرار و امر بکتانہا لات من شدۃ الصبر علیہا و لا یحتمل شترہ و صیانۃ فیظہر حالہا للنا



فیقتلونه الخ یعنی اس سے مراد خدا و رسول اور اہل بیت کی معرفت کے مراتب و مدارج وغیرہ میں جو ہم سے  
 بیان کر چکے ہیں۔ اگر جناب سلمان ان کو ابوذر کے سامنے ظاہر کر دیتے تو وہ ان کو برداشت نہ کر سکتے۔ بلکہ ان کو  
 جھوٹ اور کفر پھیل کرتے یا اس سے جناب سلمان کے علوم اور اعمال عجیبہ (کرامات) مراد ہیں کہ اگر جناب سلمان  
 ان کا انکار کر دیتے تو جناب ابوذر ان کو سحر و جادو پر حملہ کر کے ان (سلمان) کو قتل کر دیتے۔ یا ان راز ہائے سرب  
 کا افشا کر دیتے۔ جو قتل سلمان کا موجب بن جاتے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ضمیر مرفوع کا مرجع علم اور ضمیر منصوب کا مرجع ابوذر  
 ابوذر میں مطلب یہ ہے کہ ابوذر کی عقل اس علم کی متعلیٰ نہ ہو سکتی۔ اس لئے وہ ان (ابوذر) کے کفر و قتل کا باعث  
 بن جاتا۔ یا یہ مطلب ہے کہ اگر وہ اسرار ابوذر کو بتا کر ان کے چھپانے کا ان کو حکم دیا جاتا تو وہ بوجہ شدت صبر  
 جاتے یا لوگوں کے سامنے بیان کر دیتے اور لوگ ان کو قتل کر دیتے الخ۔

(۳) فاقول متکلم مولانا سیّد حسین کھنوی حدیثہ سلطانیہ ج ۱ ص ۲۹۴ پر اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں  
 ”محضیٰ نماذک در تغیر مجملات و متشابہات بسارت لائق نیست و جزم یکے از معانی محتملہ اگر صحیح باشد نمی توان  
 کہ حضرات قابل آن المات اعرف بمراعات خود اند و اعتراف بعدم علم در چنین مقامات اسلم است از کلمہ و تحتم  
 ..... و ما بر سبیل تجویز احتمالات چند بنا بر ابطال استدلال خصم ذکر میکنیم ..... پس میگوئیم کہ ہر گاہ در  
 حدیث بسبب اجمال چندین احتمال راہ داشتہ باشد۔ از کجا دانستند کہ معنی فاسد شاں مراد آنحضرت بودہ چرا جہا  
 نہ باشد معنی حدیث این چنین باشد کہ ہر گاہ ابوذر بر کمالات و مقامات سلمان مطلع می شد متعلیٰ آن نمی گردید و مجتہد  
 و دوداد فیما بین مبدل بحد و عناد و منجر بقتل و فساد می گردید ..... یا اینکه ہر گاہ ابوذر مبلغ علم سلمان بمقامات  
 و کرامات ایشان را می دانست گمان میکرد کہ این امور برائے غیر نبی و وصی لائق نیست و سلمان چون باین مراتب  
 جلیلہ فائز نیست پس متصنع است و اینہا را بدفع و سحر انہار می سازد و خون ساحر طلال است ..... و بعد از  
 چند احتمال فرمود (و فی ہذا الخبر آخر ترکنا ما غفلة التطویل) یعنی محضیٰ ہے کہ مجملات و متشابہات کی تفسیر میں جہا  
 کرنا درست نہیں ہے اور ان کے ان معنوں میں سے جن کا احتمال موجود ہو۔ صرف ایک معنی کا اگرچہ وہ فی نفسہ صحیح  
 ہی کیوں نہ ہو جزم یقین کر لینا درست نہیں ہے۔ کیونکہ کہنے والے بزرگوار اپنی مراد کو بہتر جانتے ہیں۔ لہذا ایسے  
 مقامات پر اپنے عجز و تصور کا اعتراف کر لینا محض سینہ زوری سے کام لے کر کوئی فیصلہ کرنے سے بدرجہا بہتر ہے۔  
 .... ہم بنا بر احتمال چند معنوں کا ذکر کرتے ہیں۔ تاکہ مخالف (قائل بر بوبیت، اہل بیت) کے نظریہ کا بطلان واضح و  
 عیان ہو جائے۔

ہم کہتے ہیں کہ سبب اس حدیث میں چند احتمال موجود ہیں تو تم نے یہ کیسے یقین کر لیا کہ تمہارے بیان کردہ غلط  
 معنی ہی مراد ہیں۔ یہ کیوں جائز نہیں کہ اس سے مراد یہ ہو کہ اگر جناب ابوذر جناب سلمان کے (علمی و عملی) کمالات



و مقامات پر طعن ہو جائیں۔ تو ان کی دوستی۔ دشمنی اور انس و وداد، نفرت و عناد سے تبدیل ہو کر قتل و فساد تک منجر ہو جائے۔۔۔۔۔ یا ہو سکتا ہے کہ مراد یہ ہو کہ جس قدر جناب سلمانؓ کو محمد و آل محمد علیہم السلام کے مقامات و کرامات کا علم تھا اگر اس کا اندازہ ابو ذرؓ کو ہو جاتا تو وہ یہ سمجھنے کے اس قدر بلند درجہ معرفت کا حصول نبی یا وحی کے علاوہ کسی اور شخص کے لئے ممکن نہیں اور چونکہ سلمانؓ نبی و وحی تو نکلے نہیں۔ لہذا ابو ذرؓ یہ خیال کرتے کہ وہ تصنع و تکلف اور سحر و ساحری سے یہ باتیں ظاہر کر رہے ہیں اور ساحر کا قتل جائز ہے۔

اس روایت میں اور بھی چند احتمال ہیں جنہیں بوجہ خوفِ طوالت ہم نے نظر انداز کر دیا ہے

**مراتب ایمانی میں اختلاف** جہاں تک ہماری ناقص تحقیق کا تعلق ہے اس کے مطابق مذکورہ بالا تمام احتمالات میں سے قوی ترین احتمال یہ ہے کہ چونکہ تحقیقی قول کی بنا پر کالون زیادت و نقصان کائناتِ عالم کی دوسری تمام چیزوں کی طرح ایمان کے مراتب میں بھی اختلاف و تفاوت کا سلسلہ برابر جاری و ساری ہے۔ اس لئے یہ حدیث مراتب ایمانی کے اختلاف پر محمول ہے لا و کذا افاذ المحدث النوری فی نفس الرحمن و فیہ کیونکہ سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کے بکثرت ارشادات سے یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ ایمان کے دس مراتب و مراتب میں۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا

يَا مَعْزَنُ الْإِيمَانِ مَشْرُوعٌ دَرَجَاتٌ بِمَنْزِلَةِ السَّلَمِ لَهُ مَشْرَاقٌ تَرْقِي مِنْهُ مَرَجَاةٌ لَعْدَمُ قَاةٍ فَلَا يَقُولُونَ صَاحِبُ الْوَاحِدَةِ لَصَاحِبِ الثَّانِيَةِ لَسْتُ عَلَى شَيْءٍ وَلَا يَقُولُونَ صَاحِبُ الثَّانِيَةِ لَصَاحِبِ الثَّلَاثَةِ حَتَّى أَنْتَهَى إِلَى الْعَاشِرَةِ كَانَ سَلَامٌ فِي الْعَاشِرَةِ وَالْبُذُرِي فِي النَّاسِ وَالْمُقَدَّارُ فِي الثَّمَنِ وَلَا تَقْطَعُ مَنْ هُوَ نَبْلٌ فَيَسْتَلْزِمُكَ مَنْ هُوَ خَوْفُكَ وَإِذَا رَأَيْتَ مَنْ دُونَكَ فَقَدَّرْتَ أَنْ تَرْفَعَهُ إِلَى دَرَجَتِكَ رَفْعًا وَفِيئَةً فَانْفَعِلْ وَلَا تَحْمِلَنَّ عَلَيْهِ مَا لَا يَطِيقُهُ فَتَكْسِرَ فَاَنْ مِنْ كَسْرٍ مَوْفُوعٍ مَنَّا فَعَلِيهِ جَهَنَّمُ الْخِزْيَانِ

اے عبدالعزیز! ایمان کے جس دس درجے میں جن کے ذریعہ انسان یکے بعد دیگرے اترتا پر ٹھکتا ہے پہلے درجے والا مومن دوسرے درجے والے مومن کو ہرگز یہ نہ کہے کہ تو مومن نہیں ہے۔ اسی طرح دوسرے درجے والا تیسرے درجے والے کو یہ طعنہ نہ دے جتنی کہ امام نے یہ سلسلہ دسویں مرتبہ تک پہنچایا پھر فرمایا سلمان دسویں درجہ پر اور ابو ذرؓ نویں پر اور مقداد آٹھویں درجہ پر فائز تھے۔ اسی طرح تمہیں یہ حق بھی نہیں کہ تم اپنے سے پست درجے کے مومن کو (ایمانی درجہ سے) گراؤ ورنہ جو مومن تم سے بلند مرتبہ پر ہے وہ تمہیں (درجہ ایمانی سے) گرا دے گا جب بھی اپنے سے پست درجہ والے مومن کو دیکھو تو اُسے مدارات و نرمی سے بلند منازل کی طرف لے آؤ۔ اور اس پر یکبارگی، اتنا بوجھ نہ ڈالو (کہ اٹھانے کے اور) ٹوٹ جائے۔ کیونکہ جو شخص کسی بندہ مومن کو توڑتا ہے۔ اس کا ہونٹا بھی اس پر لازم ہے (کتاب الخصال ص ۲۷۲ انوار نعمانیہ ص ۲۲۷)

**معرفت کا کم ترین درجہ** معرفت پروردگار کے متعلق ادنیٰ ترین درجہ معرفت یہ ہے کہ اس ذات متوجع جمیع صفات کے متعلق یہ عقیدہ رکھا جائے۔ الا فتواربانه لا الہ غیرہ



ولا تشبه له (الانظيرونه) وانہ مثبت قدیم موجود غیور فقید وانہ لیس مکملہ شئی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور نہ کوئی اس کا ہمسر و نظیر ہے۔ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ کوئی چیز اس کی مثل و مانند نہیں ہے جیسا کہ ابو الفتح جو جانی کے امام رضا علیہ السلام سے ادنیٰ المعرفہ کے متعلق سوال کے جواب میں امام علیہ السلام سے مروی ہے (عیون اخبار الرضا ج ۱ ص ۳۳ طبع جدید) اور معرفت امامت کے متعلق بقول علامہ شیخ عبد اللہ مقانی کے "حضرت شہیدان نے ایمان الصدیق بامانہ الاکتہ والا اعتقاد بغرض ماعتہم کو کافی قرار دیا ہے ایمان کے سلسلہ میں کم از کم ائمہ اہلبیت کی امامت و خلافت بلا فصل کا عقیدہ رکھنا کافی ہے حالانکہ مقانی ج ۲ ص ۲۸۱ اور ان کے دشمنوں سے بیزاری اختیار کی جائے (بماریج ۵ ص ۲۶۶) اسی طرح جعفر کناس حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کرتے ہیں: "ادنیٰ ما یلکون بہ العبد مومنًا میرے آقا ایمان کا پست ترین درجہ کون سا ہے جس کا عقیدہ رکھنے سے انسان مومن کہلا سکتا ہے فرمایا یشہد ان لا الہ الا اللہ وان محمدًا عبدہ و رسولہ ولقولہ بالطاعة و یعرف امام زمانہ فاذا فعل ذلك فهو مؤمن۔ اس بات کی گواہی دے کہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور جناب محمد مصطفیٰ اس کے بندہ خاص اور رسول ہیں نیز ان کی اطاعت کا اقرار کرے اور اپنے امام زمانہ کو پہچانے جب ان امور کا عقیدہ رکھے تو مومن کہلانے کا حقدار ہو جائے گا۔ (بماریج ۵ ص ۲۸۱) اور اگر اس کے ساتھ یہ اجمالی عقیدہ بھی منضم ہو جائے تو پھر فوراً علی نور کا مصداق ہو جائے کہ جہاں تک جناب رسول خدا کی ذات کا تعلق ہے وہ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر اور جہاں تک علی و اولاد علی کا تعلق ہے وہ "بعد از نبی بزرگ توئی قصہ مختصر" کے مصداق ہیں۔ خلاصہ یہ کہ خائف ہوئے کے اعتبار سے خدا بے مثل و بے مثال ہے اور مخلوق خدا میں محمد و آل محمد علیہم السلام کی کوئی نظیر نہیں ہے۔

## ہر ایک مومن کا مقام معلوم ہے

احادیث اہل بیت سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ عام اہل ایمان و ایقان میں سے بھی ہر ایک کا مقام ہے۔ کوئی بھی دوسرے کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ جہاں احادیث میں یہ وارد ہے کہ لو علم ابو ذر ما فی قلب سلمان لعنہ و ما ان حضرت کا یہ ارشاد بھی موجود ہے۔ یا سلمان! لو عرض علی مقعد لکفر و یا مقعد اد لو عرض علی سلمان لکفر۔ اے سلمان! اگر تمہارا علم مقعد پر چھین کیا جائے تو وہ کافر ہو جائے اور اے مقعد! اگر تیرا علم سلمان پر پیش کیا جائے تو وہ کافر ہو جائے۔ (تذقیق الرجال ج ۳ ص ۲۳۵ رجال کشی ص ۵۱)

انہی حقائق کی بنا پر سرکار علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے۔ اتول بل الظاہر ان کلامن الخلق لیسوا المقربین یحتل علماً لا یجملہ الآخر کما روی الکشی با سندہ عن ابی بصیر قال سمعت ابا عبد اللہ یقول قال رسول اللہ یا سلمان! لو عرض علی مقعد لکفر و یا مقعد اد لو عرض علی سلمان لکفر در آتہ العقول ج ۱ ص ۳۲ میں کہتا ہوں عام مخلوق میں سے بالخصوص مقربین (بارگاہ) میں سے ہر ایک شخص ایک علم کو برداشت کر سکتا ہے۔



جسے دوسرا برداشت نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ فاضل کشی نے اپنے سلسلہ سند سے ابو بصیر سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں میں نے جناب صادق آل محمد علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا کہ جناب رسول خدا نے جناب سلمان سے فرمایا کہ اگر تمہارا علم مقداد پر پیش کیا جائے تو وہ کافر ہو جائے، پھر فرمایا، اے مقداد! اگر تمہارا علم سلمان پر پیش کیا جائے تو وہ (بوجہ عدم تحمل) کافر ہو جائے۔ واما ان الا للہ مقام معلوم

**جناب سلمان کا عقیدہ توحید** عام طور پر جناب سلمان کے معارفِ امامت و ولایت کا بتی مذکورہ کیا جاتا ہے کہ وہ ائمہ اہل بیت کے متعلق ایسا اور ویسا عقیدہ رکھتے تھے

ہم چاہتے ہیں کہ یہاں اس امر پر بھی قدر سے روشنی ڈالیں کہ ان کا توسیع باری کے متعلق کیا عقیدہ تھا؟ عمر بن الخطاب نے (طبرستان) جناب سلمان سے ان کا حسب و نسب دریافت کیا انہوں نے جواب میں فرمایا انا سلمان بن عبد اللہ كنت من آل فہد اخی اللہ، محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم و كنت عائلاً فاغنا فی اللہ بمحمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم و كنت مملو کا فاعسقنی اللہ بمحمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہذا حسبی و نسبی۔ میں سلمان بن عبد اللہ ہوں۔ گمراہ تھا خدا نے جناب محمد مصطفیٰ کے ذریعہ ہدایت فرمائی۔ فقیر نادار تھا خدا نے رسول خدا کے طفیل مالدار بنایا۔ اور غلام تھا خدا نے آنحضرت کے وسیلے سے آزادی عطا فرمائی۔ یہ ہے میرا حسب و نسب۔

جب جناب رسول خدا کو سلمان کے اس ہومنانہ و مودعانہ جواب کی اطلاع ملی تو فرمایا یا معشر قریش ان حسب الرجل دنیہ و مروتہ خلقہ و اصلہ عقدہ قال اللہ عزوجل انا خلقناکم من ذکر و انثیٰ و جعلناکم شعوباً و قبائل لتعارفوا ان الکوکم عند اللہ اتقاکم۔ اے گروہ قریش آدمی کا حسب اُس کا دین، اس کی مروت اس کا خلق اور اس کی اصل اس کی عقل ہے خدا فرماتا ہے ہم نے تمہیں ایک مرد و عورت سے پیدا کیا۔ اور پھر تمہیں مختلف قبائل میں تقسیم کر دیا۔ خدا کی نظر میں سب سے زیادہ قابلِ احترام وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی و پرہیزگار ہے۔ بعد ازاں جناب سلمان سے فرمایا لیس لاحد علیک فضل۔ اللہ بتقویٰ اللہ عزوجل وان کان التقویٰ لہ علیہم فانت افضل اے سلمان! کسی شخص کو تم پر فضیلت نہیں مگر تقویٰ و پرہیزگاری سے لیکن اگر اس (تقویٰ) میں تمہیں دوسروں پر برتری حاصل ہے تو پھر یقیناً تم ہی ان سے افضل ہو (منہاج البراءۃ ص ۳۳۸)

**ایک دوسرے سے ہیزاری اختیار کرنے کی ممانعت** بکثرت احادیث معتبرہ میں بلند درجہ والے مومن کو پست درجہ والے مومن

سے برائت و ہیزاری اختیار کرنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ اس قسم کی بعض احادیث سطور بالا میں گندھکی ہیں۔ جلد و ایما فی کی خاطر یہاں ایک اور حدیث پیش کی جاتی ہے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔ ما انتم والبراءۃ یعبر الہ بعضکم من بعض ان المؤمنین بعضهم افضل من بعض و بعضهم اکثر صلوٰۃ



من بعض وبعضہم انفذ بصيرة من بعض وھی الدرجات: تم ایک دوسرے سے بیزاری کرنے والے کون ہوتے ہو؟ ایک دوسرے سے برائے اختیار کر رہا ہے؟ (کیا تمہیں معلوم نہیں) کہ بعض اہل ایمان دوسرے بعض اہل ایمان سے افضل ہوتے ہیں۔ اسی طرح بعض مومن دوسرے بعض مؤمنین سے (صوم و صلوٰۃ کے زیادہ پابند ہوتے ہیں۔ اور بعض بعض سے زیادہ بالبصیرت ہوتے ہیں یہ درجات (ایمانی کا اختلاف و تفاوت) ہے (تفہیم الرجال ج ۲ ص ۹۵) بلکہ بعض حدیثوں میں ان لوگوں سے بھی دوستی رکھنے کا حکم دیا گیا ہے جو صرف ائمہ اہل بیت کی ولایت و انصافیت کے قائل ہوں (بخاری ج ۱۵ ص ۲۳۷)

**موجودہ دور کے مدعیان علم و ایمان کی روش پر تبصرہ** | کہاں ائمہ اطہار کے یہ پاکیزہ تعلیمات اور کہاں موجودہ دور کے یہ نام نہاد اہل علم کی روش و رفتار۔ آج ان علماء شامخین و عرفاء کاملین پر کفر و ارتداد کے فتادنی لگانے جا رہے ہیں جو تمام عقائد حقہ ایمانیہ کے قائل اور بالخصوص ائمہ اہل بیت کی ولایت و امامت، علم و فضل اور عصمت و طہارت کے قائل ہونے کے ساتھ ساتھ ان کو نہ صرف ائمہ محمدیہ کے تمام لوگوں سے بلکہ ایک کم ایک لاکھ سو بیس ہزار انبیاء و مرسلین کا بھی سید و سردار مانتے ہیں۔ اور ان کے تمام جتنی و انسی دشمنوں سے برائے و بیزاری اختیار کرنا نہ صرف عقیدہ بلکہ قولاً و فعلاً: تقریراً و تحریراً اس کی نشر و اشاعت کو جزو ایمان سمجھتے ہیں۔

۱۔ امدان اعلام کے ساتھ تحریر و تقریر میں مخاطب و متناہز بالالتفات کا وہ غیر مذہب اور غیر شرفیہ انداز اختیار کیا جا رہا ہے جو اسلامی نقطہ نظر سے غیر مسلمانوں سے بھی روا نہیں ارشاد و قدرت ہے ولا تجادلوا اهل الکتاب الا بالاتی ہی احسن ادائی اللہ الشکی و هذا سرع الحاسبین و احکم الحاکمین۔ بلکہ حقیقت حال سے بے خبر سادہ لوح عوام سے ان علماء اعلام کے خلاف مقاطعہ کرنے کی قراردادیں پاس کرائی جا رہی ہیں۔ لیکن یہ حضرات یہ بات پلے باندھ لیں کہ یہ اب خدا والوں کا شکریہ ادا نہیں ہے میرے غامے سے تمہیں کوئی بچا سکتا نہیں۔

وہو حسنا و نعم الوکیل نعم المولی و نعم النصیر۔ ولا تحسبن اللہ غافلاً عما یعمل الظالمون | چونکہ ولایت و امامت اہل بیت

علیہم السلام کے اقرار کے بغیر نہ عقیدہ توحید درست ہو سکتا ہے نہ ہی اعتقاد نبوت مکمل ہو سکتا ہے اس لئے ایمان و دین نے ولایت و امامت ائمہ اطہار پر زور دیتے ہوئے اسی پر قبولیت اعمال کا دار و مدار قرار دیا ہے اور اس کے انکار کو موجب حبط و ضبط اعمال و عبادات قرار دیا گیا ہے (۱) چنانچہ جناب رسالت اکرم حضرت امیر علیہ السلام کو خطاب کر کے فرماتے ہیں:- من احب کان مع النبیین فی درجتهم یوم القیمة ومن مات وهو یتبعک فلا یمات



یہود دیا اور تصویراً نیا۔ یا علی جو شخص آپ سے محبت کرے گا وہ بروز قیامت انبیاء کے درجہ میں ان کے ہمراہ ہوگا۔ اور جو شخص آپ کا بغض کرے گا۔ وہ پروانہ کرے خواہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر و مرأة الانوار و مشکوٰۃ الاسرائیلت (۲) اسی طرح آنحضرت کا یہ ارشاد بھی مسلم بین الفرقین ہے کہ من مات ولہ یعرف امام زمانہ مات میتة جاہلیة (ایضاً ص ۲) جو شخص اپنے امام زمانہ کی معرفت حاصل کئے بغیر مر جائے وہ جاہلیت (کفر و شرک) کی موت مرتا ہے۔

(۳) حضرت امام محمد باجھلیہ السلام فرماتے ہیں نبی الاسلام علی خمسة دعائم اقام القلوة و ایتاء الزکوٰۃ و صوم شہر و صان و حج البيت و الولاية لنا اهل البيت (مرأة الانوار ص ۲) بحوالہ امالی شیخ مفید و مستدرک الوسائل ج ۵۔ اسلام کا سنگ بنیاد پانچ ستونوں پر قائم ہے نماز کا قائم کرنا، زکوٰۃ دینا، روزہ رکھنا، حج بیت اللہ کرنا اور ہم اہل بیت کی ولایت کا اقرار کرنا۔

(۴) حضرت صادق آل محمد علیہ السلام فرماتے ہیں۔ لکل شیء اساس و اساس الاسلام حبنا اهل البيت۔ ہر چیز کی ایک بنیاد ہوتی ہے اور اسلام کی بنیاد ہم اہل بیت کی محبت ہے (ایضاً ص ۲)

(۵) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے آباء اجداد طاہرین کے سلسلہ سند سے جناب رسول خدا سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ جناب جبریل آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا محمد السلام یقولک السلام و یقول خلقت السموات السبع و ما فیہن و الارضین و ما علیہن و ما خلقت موضعاً اعظم من الرکن و المقام و لو ان عبداً ادعانی هناك منذ خلقت السموات و الارضین ثم لقینی جاہداً للولاية علی لا کبتہ فی سقر، یا محمد! سلام ربیعنی خدائے رحمن، نخوفہ درو دو سلام کے بعد فرماتا ہے کہ میں نے سات آسمان و زمین اور ان کی درمیان میں مخلوق پیدا کی ہے میں نے کوئی ایسا مقام پیدا نہیں کیا جو (میری نظر قدرت جلیل) رکن (بجھرا سودا) اور مقام (مقام ابراہیم) سے زیادہ عظیم الشان ہو۔ اگر کوئی بندہ اس جگہ پر بیٹھ کر بندائے آفرینش زمین و آسمان سے اے کرافتاب قیامت کے طلوع کئے تک میری دعا و پکار میں مشغول رہے لیکن (بروز قیامت) علی کی ولایت کا منکر ہو کر میری بارگاہ میں حاضر ہو تو میں اُسے اوندھامہ جہنم میں ڈال دوں گا۔ (بخاری، ص ۵۵)

(۶) حضرت امام زین العابدین اپنے آباء اجداد طاہرین کے سلسلہ سند سے جناب رسول خدا سے روایت کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ آنحضرت نے فرمایا الزموا مؤدتنا اهل البيت فانہ من لقی اللہ یوم القیامة و ہو یؤدی و نادخل الجنة لشفا عتقاد الذی نفسی بیدہ لا ینفع عبداً اعملہ الا معرفتہ حقنا (بخاری، ص ۵۵) ہم خاندان نبوت کی محبت و مؤدت کو لازم کرلو۔ کیونکہ بروز قیامت جو شخص ہماری محبت کے ساتھ بارگاہ خدا زمی میں حاضر ہوگا۔ وہ ہماری شفاعت کی وجہ سے ضرور داخل جنت ہوگا۔ اور مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے



ہمارے حقوق کی معرفت کے بغیر کسی بندہ کو اس کے اعمال فائدہ نہ دیں گے۔

(۷) ایک اور حدیث کے ضمن میں جو انہی بزرگوار کے سلسلہ سند سے آنحضرتؐ سے مروی ہے آنحضرتؐ فرماتے ہیں۔  
 وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِ الْوَلَانِ عَبْدُ أَحْجَاءِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ بِعَمَلِ سَبْعِينَ نَبِيًّا مَا قَبِلَ اللَّهُ ذَلِكَ مِنْهُ  
 حَتَّى تَلْقَاهُ بِلَوْلَايَتِي وَبِلَوْلَايَةِ أَهْلِ بَيْتِي (بھارج، صفحہ ۵۵)۔ اس ذاتِ ذوالجلال کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں  
 عہد کی جان ہے اگر کوئی شخص راہِ فرض، بروز قیامت ستر بیویوں کے عمل کے برابر عمل کرے کبھی حاضر ہو مگر جب تک میری  
 اور میرے اہل بیت کی ولایت کا قائل نہ ہو گا خدا ہرگز اس کے اعمال قبول نہیں کرے گا۔

۱۱۔ امامی شیخ مفیدؒ طبع نجف اشرف میں بروایت محمد بن مسلم جناب امام محمد باقر علیہ السلام و امام جعفر صادقؑ  
 سے ایک حدیث کے آخر میں منقول ہے فرمایا نحن اهل البيت لا يقبل الله عمل عبدٍ وهو يثلب فينا، ہم وہ  
 اہل بیت رسولؐ ہیں کہ خداوند عالم کسی ایسے بندے کا عمل سہرگز قبول نہیں کرتا جو ہماری امامت و ولایت میں شک کرنے  
 والا ہے۔

(۹) مراۃ الازوار صفحہ ۲۳ میں بحوالہ اصول کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا وصلی اللہ  
 طاعت ولی امورہ بطاعة رسولہ و طاعة رسولہ بطاعة فمن تنول طاعة ولااة الامر لم يطع الله ولا رسولہ  
 خدا تعالیٰ نے اولی الامر کی اطاعت کو رسولؐ کی اطاعت اور اطاعت رسولؐ کو اپنی اطاعت کے ساتھ مقرر کیا  
 ہے۔ لہذا جو شخص اولی الامر کی اطاعت نہیں کرتا اس نے خدا و رسولؐ کی بھی اطاعت نہیں کی ہے۔

(۱۰) اس کتاب کے مؤرخ پر بحوالہ ثواب الاعمال حضرت صادق علیہ السلام سے یہاں تک منقول ہے فرمایا لنا  
 لنا اهل البيت لا يبالى صام او ذكى او سرق انہ فی النار انہ فی النار جو شخص سہارا دشمن ہے اس  
 کے لئے نماز پڑھنا اور روزہ رکھنا یا زنا اور چوری کرنا برابر ہے وہ ہر حال جہنم ہی میں جائے گا۔ ولنعم ما قبل  
 من لم يوال في البرية حيداً من عند الله صلى اور ذكى

انہی حقائق کی نہی حضرت علامہ مجلسیؒ فرماتے ہیں۔ اعلیٰ الامیۃ اجمعوا علی اشتراط صحة الاعمال  
 وقبولها بالایمان الذی من جملتہ الاقتوار بولایۃ جمیع الائمة علیہما السلام و امامتہم والاخبار  
 الدالة علیہ متواترة بین الخاصة والعامة یعنی جانتا جاوے کہ تمام فرقہ حقہ امامیہ کا اس بات پر  
 اتفاق ہے کہ تمام اعمال کی صحت اور قبولیت کی شرط ایمان ہے اور منجملہ ایمان کے تمام ائمہ اطہار کی امامت و ولایت  
 کا اقرار بھی ہے۔ اور اس امر پر روایات و دلائل کافی ہیں وہ فریقین کے نزدیک متواتر ہیں (بھارج، صفحہ ۵۵)

اور رئیس المحدثین حضرت شیخ صدوقؒ اپنے رسالہ اعتقادیہ میں تحریر فرماتے ہیں۔ واعتقادنا فیمن جحد امامتہ  
 امیر المؤمنین والائمة من بعدہ علیہم السلام انہ کمون جحد نبوة جمیع الانبیاء و من جمیع



جو شخص حضرت امیر المومنین اور دوسرے ائمہ طاہرین کی امامت کا انکار کرے اس کے متعلق ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ وہ اس شخص کی مانند ہے جو تمام نبیوں کی نبوت کا انکار کرے۔

**تشریح** یہاں چند نقطوں میں اس امر کی تشریح کر دینا بھی ضروری ہے کہ مذکورہ بالا ارشادات معصومین سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ ولایت و وصایت ائمہ اطہار کا اعتقاد و اقرار اعمال شرعیہ کی صحت اور قبولیت کی شرط ہے۔ یعنی اس کے بغیر کوئی عمل صالح شرف قبولیت حاصل نہیں کر سکتا۔ یہ اقرار ولایت اعمال صالحہ کی بجا آوری سے گلو خلاصی اور چھٹی دلانے کے لئے نہیں ہے جیسا کہ بعض حوام الناس کے ذہنوں میں بعض غیر ذمہ دار اہل منبر و مہذوبوں نے راسخ کر دیا ہے۔ بلکہ احادیث سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ عمل صالح کی بجا آوری اور حرام سے اجتناب کے بغیر ولایت اہل بیت حاصل ہو ہی نہیں سکتی۔ چنانچہ امام محمد باقر فرماتے ہیں لا تمنا الا بالورع والعلم یعنی عمل صالح کی بجا آوری اور محرمات شرعیہ سے دامن بچائے بغیر ہماری ولایت حاصل ہو ہی نہیں سکتی (ہول کانی فلا تغفل)

اس طرح ان ذوات عالیہ کے فضائل صحیح و مناقب کی فو لا و فعلا نشر و اشاعت کرنے کی وجہ اور ان کے انکار کرنے کی ذمہ داری کتب حدیث پر زہیں۔ اس سلسلہ میں صرف ہمارا لاوارجلہ ہفتم کا مطالعہ کر لینا ہی کافی ہے۔ لیکن ان تمام تاکیدات و تنبیہات اور تزییبات کے باوجود اکثر لوگ نہ افراط سے باز آئے اور نہ تفریط سے رکے اور امتدال کا دامن انہوں سے چھوڑ بیٹھے۔ "وما تغنی الایات والذہن قوم لا یؤمنون" چنانچہ بعض کمبخت نہ صرف ستر فضائل کا انکار بلکہ ان ذوات قدسیہ کی امامت و خلافت کا بھی انکار کر کے بدی ہلاکت کا شکار ہو گئے اور بعض اتق غلط انداز محبت اختیار کر کے غلو و تفویض کے الفہام سمندر میں غرق ہو گئے۔ اور ائمہ اہل بیت کے بارے میں محض اپنے ذاتی منیبات و قیاسات اور غلط تاویلات سے وہ وہ عجیب و غریب من گھڑت نظریات قائم کئے۔ کہ جن کا نیا تہ قرآنیہ میں کہیں وجود ہے۔ اور نہ صحیح احادیث نبویہ اور ارشادات ولویہ میں کوئی نام و نشان ہے۔ نہ کلام علماء اعلام سے کوئی ثبوت ملتا ہے۔ اور نہ عقل سلیم ان کی تائید و تصدیق کرتی ہے۔ اس کتاب میں ہم ایسے ہی بعض نظریات فاسدہ کا مع کمال نقد و تبصرہ تذکرہ کریں گے۔ جو بحیران العقائد کے وجود و دوئی بعض غلو نواز حضرات کی انجینخت پر تفریر و تحریر میں محرتیل و قال اور مرکز بحث و جدال بنے ہوئے ہیں اور ہر طرف پر غلط یا صحیح انداز میں ان پر بحث و تحقیق کا سلسلہ بڑے شدت کے ساتھ برابر جاری و ساری ہے جس سے ایک طرف ہماری وحدت ملی کو نقصان پہنچ رہا ہے۔

تو دوسری طرف اغیار کے لئے اسباب تضحیک جمع ہو رہے ہیں۔

**تفریط و تقصیر کا مفہوم کیا ہے؟** آج ہم جس دور سے گزر رہے ہیں اس میں عموماً ذاتی قیاسات و



خیالات کو مذہب کا نام دے کر حقائق کا منہ چڑانا۔ علماء مذاہب کو اپنا پیشوا اور رہنما سمجھ کر حقیقی علماء ہا کمال پر زبان اعتراض دراز کرنا، اپنے آپ کو عارف المعارف سمجھنا اور علماء کو مقصر قرار دینا عامۃ الناس کا شیوہ و شعاریں چمکا ہے جیسا کہ سابقہ بیانات میں بھی اس امر پر تبصرہ کیا جا چکا ہے۔ اب جبکہ بفضلہ تعالیٰ حقائق مذہب اور معارف اہل کھول کر بیان کئے جا رہے ہیں تو یہاں مختصر الفاظ میں اس امر پر بھی تبصرہ کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ فقہہ تقصیر کیا ہے؟ سو مخفی نہ رہے کہ تقصیر و تغریط باب تفعلیل قصر یقصر و فطر یفطر کے مصدر ہیں جن کے معنی ہیں کسی کے حق میں کوتاہی کرنا، اور یہ کوتاہی کئی طرح متحقق ہو سکتی ہے (۱) جو شخص جس مرتبہ و درجہ میں کوتاہی کرے۔

(۲) اسے سبدا فیض سے جو فضائل و کمالات عطا ہوئے ہوں ان کا انکار کیا جائے۔  
(۳) مخدوم کو خادم کے برابر سمجھا جائے، بنابرین ائمہ طاہرین کے حق میں مقصودہ لوگ سمجھے جائیں گے جو ان کی خلافت و امامت کا اقرار نہ کریں، قرآن اور مستند احادیث کی روشنی میں ان کے جو مسلم الثبوت فضائل و مناقب میں ان کا انکار کریں۔ اور ان کو اُمت محمدیہ کے عام لوگوں کے برابر بلکہ ان سے بھی کمتر سمجھیں۔ علماء نے تقصیر کا یہی مفہوم بیان کیا ہے ہم ذیل میں دو چار شہادتیں پیش کرتے ہیں۔

(۱) محدث جلیل ابو الحسن فخریؒ مرآۃ الانوارؒ پر لکھتے ہیں: فاعلم ان الناس فی تعرف احوال الائمة علی طرفی نقیض فان جماعة منهم سلكوا فی ذلك مسلك الافراط حتی ارتفعوا الی حد الغلو والتفویض وجمعاً منهم اخذوا فی طریق التفریط بحيث انكروا کثیراً مما ورد فی فضائلهم صلوات اللہ علیہمؑ جاننا چاہئے کہ عام لوگوں نے ائمہ اطہار کی معرفت میں افراط و تغریط سے کام لیا ہے بعض نے افراط کی راہ اختیار کی۔ یہاں تک کہ غلو و تفویض تک پہنچ گئے اور بعض تغریط کے راستہ پر گامزن ہو گئے۔ یہاں تک ان کے بہت سے (قرآن و حدیث میں) وارد شدہ فضائل کا انکار کر بیٹھے۔

(۲) شیخ احمد اسائی شرح الزیارة مثلاً بذیل شرح فقرہ والمقصر فی متکلم زاہق کے معنی ہا تک بیان کرنے کے بعد جناب امیر علیہ السلام کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ هلك فی اثنان محبت غالب و مبغض قال: میرے متعلق دو شخص ہلاک ہو جائیں گے حد سے بڑھانے والا نام نہاد دوست اور حد سے گھٹانے والا دشمن، اور پھر مبغض قال سے مراد مقصر یعنی ہوئے مقصر کا مصداق یہ بیان کیا ہے۔ وهو المقصر فی حکمہم بان یعدل بہم غیرہم من سائر الخلق او یتقدم علیہم فی قول او فعل وهو هالك وهو المقصر فی حقہم فان حقہم علی جمیع الخلق ان یرفعوا مقامہم عن جمیع الخلق ویضعوا مقامہم من مقام الخلق جل وعلا ضمن ازالہم عن مقامہم الذی اقامہم اللہ فیہ بوضع او برفع فهو هالك۔ مقصودہ ہوتا ہے جو ان ذوات مقدسہ کو عام لوگوں کے برابر سمجھے یا کسی قول و فعل میں ان سے آگے بڑھے۔ وہ ضرور ہلاک ہو جائے گا۔ وہ ان کے حق میں کوتاہی کرنے والا ہے۔ کیونکہ

۱۴۳۱ھ میں فوت ہوئے۔ مقتدر سرگودھا کی خدمت و جلالت کا انکار کیا جائے۔ ۱۵۔ ان کی ناقصی کی جائے۔

۱۶۔ ان کو گنہگار سمجھیں اور ان کی ناقصی کی جائے۔







یعنی خالی بہاری طرف رجوع کرتا ہے تو ہم اسے قبول نہیں کرتے لیکن جب مقتصر ہم سے ملتا ہے تو ہم اسے قبول کر لیتے ہیں۔  
 (ہفتم جہاد ۳۳۵ مرآۃ الانوار ص ۶ وغیرہ) اس سے روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہے کہ خالی کی حالت و کیفیت ال عمر  
 علیہم السلام کی نظر میں مقتصر سے بڑھ ہے۔

۳۰، فقہاء امامیہ کا خالی کے کفر اور اس کی نجاست پر اتفاق ہے جیسا کہ ان کی کتب فقہ کے ابواب طہارت کے فتاویٰ  
 طہارت و نجاست اس پر شاہ عادل میں، عالم ربانی جناب شیخ عبداللہ مفتی فرماتے ہیں ۱۰ جمع العلماء علی کفر الغالی  
 یعنی خالیوں کے کفر پر تمام علماء و فقہاء کا اجماع و اتفاق ہے (رجال امتحانی ج ۳ ص ۲۶) لیکن جہاں تک نظر قاصر کا تعلق  
 ہے مقتصر پر یعنوں مقتصر آج تک کسی فقیہ نے کفر کا حکم نہیں لگایا۔ اگرچہ ملائکت و خدی میں دونوں باہم شریک ہیں دھوشی  
 اخرو کا لا یخفی علی من جال خلال هذه الدیار و نظر هذه الامور بعین البصیوة والاعتبار۔

عام لوگ تقصیر سے ڈرتے ہیں مگر غلو سے نہیں ڈرتے | اوپر جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ اس  
 امر کے اثبات کے لئے کافی ہے کہ

غلو ہو یا تقصیر، افراط ہو یا تفریط ہر دو راستے ہلاکت الہی کی طرف جاتے ہیں۔ و خیر الامور اوسطہا۔ لہذا ان دونوں راستوں  
 سے اجتناب لازم ہے۔ لیکن جب یہ حقیقت ثابت ہو چکی کہ غلو تقصیر سے بھی بڑھ ہے تو اس سے اور بھی زیادہ دامن مقتصر  
 بچانے کی ضرورت ہے۔ لیکن عام لوگوں کا معاملہ بھی عجیب ہے وہ مقام اعتدال تقصیر سے تو بہت ڈرتے اور اس کے نام سے  
 کانوں پر ہاتھ دھرتے ہیں کہ کہیں ائمہ اطہار کے حق میں کوتاہی نہ ہو جائے۔ مگر وہ غلو و شرک سے ذرہ بھی نہیں ہچکچاتے۔ کہ  
 کہیں اس سے خدا کے حق میں کوتاہی نہ ہو جائے۔ حالانکہ اس کی آلودگی و آلائش سے دامن بچانا اور بھی اشد ضروری ہے۔  
 ان الله لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء۔ اگر ائمہ اطہار کے مراتب عالیہ کے پہچانے میں  
 قدرے کمی بھی واقع ہو گئی تو بحث منہ منہ ہے (بشرطیکہ انکار امامت و ولایت نہ کیا جائے) لیکن اگر غالی کلمات جلیہ مخلوق  
 میں تسلیم کر لی گئیں اور اس طرح توحید افعالی کا عقیدہ خراب و برباد ہو گیا تو پھر دین و آخرت نہاد و برباد ہو جائیں گے۔ وذلک  
 هو الخسران المبین (اعاذنا اللہ منہ وجميع المؤمنین) "اگر انسان ایک ولایت مدت تک دنیا میں زندہ رہا  
 اور اس نے خدا تعالیٰ کی معرفت حاصل نہ کی تو اس سے بڑا گنہگار کوئی نہیں کیونکہ جس کی نعمتوں میں زندگی بھر اٹھتا بیٹھتا سوتا جاگتا  
 کھاتا پیتا، کروٹیں بدلتا رہا۔ جس کی نعمتیں تمام عمر اس کا اوڑھنا بچھونا رہیں۔ ایک ہلکا سا سانس بھی جس کی نعمت سے حلیمہ نہ  
 نہ لے سکا۔ ایک خفیف سی حرکت بھی جس کی نعمت سے باہر نہ کر سکا۔ ایک پلک بھی بغیر جس کی نعمت کے نہ مار سکا۔ ایک  
 قدم بھی جس کی نعمت سے الگ نہ اٹھا سکا۔ اور ایک خیال بھی جس کی نعمت کے بغیر نہ دوڑا سکا۔ اگر اسی کی معرفت حاصل نہ  
 کی۔ تو کیا ایسے محسوس کش۔ احسان فراموش ناشکرے۔ خود غرض کہینہ فطرت سے زیادہ کوئی قابل نفرت ہو سکتا ہے ہرگز نہیں!  
 (توحید القرآن ص ۱۰ مولانا محمد ہارون صاحب رنگی پوری)



ہم نہ غالی ہیں اور نہ قالی ہیں! | جناب امیر المومنین کا ارشاد واجب الاعتقاد ہے سبھلک فی صنفان  
 محب مفروط یذهب بہ الحب الی غیر الحق مفروط یذهب بہ البغض الی

غیر الحق وخیر الناس فی حالاً النمط الاوسط فالزموه "یعنی میرے بارے میں دو قسم کے لوگ ہلاک و  
 برباد ہو جائیں گے ایک وہ (نام نہاد) افراد کرنے والا محب۔ جسے (غلط انداز) محبت خلاف حق غلط راستہ پر سے  
 جائے۔ اور دوسرا وہ افراد کرنے والا دشمن جسے میری عداوت غلط راستہ پر چلائے۔ ان البیت میرے متعلق سب  
 سے بہتر طریقہ درمیانہ روی اختیار کرنے والوں کا ہے تم اسی طریقہ کو لازم کرلو۔" (مبلاغت ج ۲ ص ۱۷ طبع مصر)  
 مولائے کائنات کے اس ارشاد (اور اس جیسے بیسیوں دوسرے ارشاد) کی روشنی میں ہم بلا خوف تردید کہہ سکتے  
 ہیں کہ بفضلہ تعالیٰ ہم نہ محب غالی ہیں اور نہ مبغض قالی۔

نہ غالی ہیں نہ قالی ہیں مگر ہم تو موالی ہیں

دیننا مادانوا و قولنا ما قالوا۔ جہاں تک غالی نہ ہونے کا تعلق ہے وہ تو عیاں راجحہ بیاں کا مصداق ہے ولایۃ علیہ  
 احد من مخالفینا۔ اور جہاں تک مقصود قالی نہ ہونے کا تعلق ہے (جس کا الزام مخالف ہمیں دیتے ہیں) اگرچہ اس  
 الزام کا غلط و بے بنیاد ہونا روز روشن سے بھی زیادہ واضح و عیاں ہے اور محتاج تردید نہیں مگر یا مروجہ قالیانہ حجت کے  
 لئے صرف اتنا لکھا جاتا ہے کہ سطور بالا میں مقصود کا مفہوم واضح کیا جا چکا ہے کہ مقصود یہ ہے (۱) جو آل محمد کی امامت  
 و ولایت کا انکار کرے (۲) انکو عام لوگوں کے برابر سمجھے (۳) جو ان کو گنہگار سمجھے اور جو ان کے مسلک فضائل و کمالات کا انکار  
 کرے۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ان باتوں میں سے کوئی بات بھی ہم میں نہیں پائی جاتی۔ جہاں تک ان کی ولایت و امامت  
 کا تعلق ہے۔ اس موضوع پر ہم خود بڑی بڑی ضخیم کتابیں شائع کر کے گم گشتگان و ادنیٰ ضلالت کے لئے چراغ ہدایت  
 روشن کر چکے ہیں۔ اور ولایت کے ضروری ہونے پر خود سطور بالا میں اس قدر لکھا گیا ہے کہ مزید لکھنے کی گنجائش نہیں  
 نیز اس کا ایک معتد بہ حصہ "حسن الفوائد" میں بھی مذکور ہے۔ اور جہاں تک ان بزرگوں کو عام لوگوں کے برابر سمجھنے کا  
 تعلق ہے ہم کبھی اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ برابری تو بجائے خود ہم تو آل محمد کا مقام عمومی سطح سے اس قدر بلند و بالا  
 سمجھتے ہیں کہ ائمہ محمدیہ وغیرہ کے تمام لوگوں کا ان ذوات مقدسہ کے بالمقابل نام لینا بھی ان کی توہین ہے ہم تو ان کو  
 سوائے سرکار ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوسرے تمام انبیاء و مرسلین، ملائکہ مقربین اور شہداء و صدیقین  
 غرضکہ تمام عباد اللہ الصالحین از سادین و اعیان سے افضل و اعلیٰ سمجھتے ہیں جس پر ہمارے کتب و رسائل اور مضامین  
 شاہ عادل موجود ہیں۔ اور جہاں تک ان کے متعلق گناہ و عصیان کا تعلق ہے ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ بلکہ ہم ہر دے  
 سے کہہ سکتے ہیں کہ ان ذوات مقدسہ کو ہر قسم کے گناہ و صغیرہ و کبیرہ سے عذر اسہواً، علماً، جبلاً، خطاً، نسباً، یا معصوم و مظلوم نہ کہتے ہیں۔  
 نبوت کے لئے ہمارے کتب و رسائل (اثبات الامامت وغیرہ) موجود ہیں۔ اور جہاں تک ان کے فضائل کا تعلق ہے تو ان کے



وہ تمام ظاہری و باطنی فضائل و کمالات جو قرآن اور خود سرکار محمد وآل محمد علیہم السلام کے مستند و صحیح فرمان کے ذریعہ ثابت ہیں۔ ان کے اقرار کو صرف جنوفاً ایمان ہی نہیں بلکہ ان کے انکار کو کفر و شرک تصور کرتے ہیں۔ ان حقائق سے صرف ہماری ہی نہیں بلکہ ہمارے تمام ایمانیں علماء اعلام مثلاً علامہ تحسین نجاشیؒ صاحب قبلہ کی تفسیر "تواریخ النبیؐ" "لمعة الانوار" وغیرہ جھیلک رہی ہیں۔ اور اگر نہ۔۔۔ یہ جی لوئی شخص خوف خدا اور خوفِ شہر و نشر سے بالا ہو کر ہمیں مقصر کہتا ہے تو ہم اپنا اور اس کا معاملہ خدا کے سپرد کرتے ہیں۔ **وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ**۔ **وَأَن اللّٰهُ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَالَّذِينَ هُمْ أَغْنَىٰ عَنْهُمْ أَعْمَالُهُمْ**۔ دشمن چپ کند چوں بہرِ پاں باشد دوست "خدا ہماری قومی و ملی زیوں مالی پر رحم فرمائے اور ہمیں اتحاد و اتفاق کی توفیق دے۔ اور ہم سب کو اپنی اور اپنے اولیاء کی صحیح معرفت عطا فرما کر اپنی کلمہ بجا آئی دلائل و اطہار صلوٰات اللہ علیہ و علیہم اجمعین اللہم عرفنی نفسك فانك ان لم تعرفني نفسك لم اعرف نبيك اللهم عرني مبيك فانك ان لم تعرفني نبيك لم اعرف حجتك اللهم عرفني حجتك فانك ان لم تعرفني حجتك ضللت عن ديني فانما سئلتك عليك وتدبر فيه و تشكرو ولا تكن من الجاحدين۔ فتكون من الخاسرين۔ قل يا ايها الناس قد جاءكم الحق من ربكم فمن اهتدى فانما يهتدي لنفسه ومن ضل فانما يضلّ عليها وما انا عليكم بوكيل

## روایت میں درایت کی اہمیت

سابقہ مباحث میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ روایت میں درایت کے اس کی سند و دلالت میں غور و فکر کرنے کی اہمیت ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔ ہمیشہ ہر زمانہ میں بالعموم افراط و تفریط کی گمراہی میں مبتلا ہونے والے لوگ روایت میں درایت کے اصولوں کی پابندی نہ کرنے بلکہ ہر طبع و یا بس کو سلسلہ سند اور اس کے (اور اسی طرح آیات قرآنی کے) معنی و مفہوم میں صحیح طور پر تدبیر کرنے کی وجہ سے ہی ہلاک ہوئے ہیں۔ اسی لئے ائمہ اہل ہدایت نے روایت سے زیادہ درایت پر زور دیا ہے۔ جناب امیر المومنینؑ فرماتے ہیں "اعقلوا الخبر عقل داریۃ لاعقل دوائیۃ فان رواۃ العلم کثیر و رواۃ التقلیل سبب کوئی حدیث منقولہ روایت (شرائط درایت) کے ساتھ سمجھو۔ نہ کہ صرف روایت کے ساتھ کیونکہ علم کے نقل کرنے والے بہت ہیں مگر اس کی روایت روکیے جہاں کرنے والے فقور سے ہیں" (نہج البلاغہ ج ۳ ص ۱۷۱ طبع مصر)

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔ حدیث سند یہ بخیر و من الف ترویہ۔ یعنی ایک روایت کا صحیح طور پر سمجھ لینا بے سوچے سمجھے ایک ہزار روایت نقل کرنے سے بہتر ہے (اساس الاصول از غفرانہ ص ۱۷۱) نیز انہی جناب سے مروی ہے فرمایا ولا یكون الرجل فقیہاً حتی یعرف معاویض کلامنا، کوئی شخص اس وقت تک فقیہ اور با بصیرت نہیں ہو سکتا۔ جب تک ہمارے کلام کے تمام معانی و ارشادات کو نہ سمجھے (ایضاً ص ۱۷۱) یہ ارشاد بھی معدن نبوتؐ کا ہے کہ اعوذوا منا اول شیعتنا بقدر ما یحبسون من روا یا تنا عننا۔ ہمارے شیعوں کی قدر و منزلت معلوم کرنا ہو تو یہ دیکھو کہ وہ ہماری روایات کو کس قدر اور کس اچھے انداز میں پیش کرتے







آئمہ اہلدار کو بھی ان کی ان عیار و کارستانوں کا علم تھا اس لئے وہ برابر اپنے مخلص نام لبواؤں کو ان لوگوں کی وسیع کاریوں و کارگزاریوں سے آگاہ فرماتے رہتے چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں انا اهل بیت صدیقون لا غلو من کذاب یکذب علینا ویسقط صدقنا بکذبہ عند الناس الخ ہم سچا خاندانہ ہیں لیکن ہم جھوٹ بولنے والوں سے کبھی خالی نہیں رہتے۔ جو اپنے جھوٹ سے ہمارے سچ کو بھی لوگوں کی نظروں میں گرا سنے کی کوشش کرتے ہیں۔ درجہ ۱۸۱، اسی رجال کشی ۱۹۵ پر جناب امام رضا علیہ السلام سے ان کتب میں سے بعض کا تفصیلی تذکرہ بھی موجود ہے کہ بیان امام زین العابدین پر جھوٹ بولتا تھا۔ ابو الخطاب امام جعفر صادق علیہ السلام پر محمد بن بشیر امام موسیٰ کاظم پر اور محمد بن فرات محمد پر افتراء پر داندی کرتا ہے۔

امام جعفر صادق فرماتے ہیں نہ مغیرہ بن سعید پر لعنت کرے جو میرے والد پر جھوٹ بولتا تھا (رجال کشی ۱۹۵) نیز ابی ہریرہ سے فرمایا لا تقلبوا علینا احادیثا الاما فاقصد القوان والسنة او تجدون معہ شأدا من احادیثنا المنقذمة فان المعیوۃ بن سعید لعنہ اللہ قد رسی فی کتب اصحاب ابی احادیث لم یحدث بہا ابی فائقوا اللہ۔ ولا تقلبوا علینا ما خالف قول ربنا قال فی سنة نبینا محمد صلی اللہ علیہ وال وسلم فاننا اذا حدثنا قلنا قال اللہ عز وجل وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم درجہ ۱۸۱ رجال کشی ۱۹۵ منہاج البراءۃ ج ۲ ص ۲۹ وغیرہ) جو حدیثیں ہماری سابقہ حدیثوں سے کوئی شائبہ پاؤں۔ کیونکہ مغیرہ بن سعید نے خدا

قرآن و سنت کے موافق ہوں۔ یا جن کی تائید میں ہماری سابقہ حدیثوں سے کوئی شائبہ پاؤں۔ کیونکہ مغیرہ بن سعید نے خدا اُس پر لعنت کرے) میرے والد (امام محمد باقر) کے اصحاب کی کتب حدیث میں کئی جعلی حدیثیں داخل کر دی ہیں جو کبھی میرے والد نے بیان نہیں فرمائی تھیں۔ خدا سے ڈرو ہمارے متعلق کوئی ایسی بات قبول نہ کرو جو قول خدا و سنت پیغمبر کے خلاف ہو۔ کیونکہ کچھ بیان کرتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ خدا و رسول نے یوں فرمایا ہے، (یعنی اپنی رائے و قیاس سے کچھ نہیں کہتے اور نہ ہی غیر معصوم کا قول نقل کرتے ہیں) ان حقائق کی موجودگی میں ہر وہ روایت جو ان ذوات مقدسہ کی طرف منسوب ہو کیونکہ انکھیں بند کر کے اسے قبول کیا جاسکتا ہے؟

اس دور جدید کے بعض محدث پسند جدید مؤلفین کی عصر شد کے جدید مؤلفین کی تگ و مزاجیاں حالات بھی عجیب ہے جب اسنے پڑائیں تو یہ کہہ کر کہ "زمان معصوم کو تسلیم کرنا ذرا عجیب ہے" خطبۃ البیان" جیسے بے سرو پا اور بے اصل و بے بنیاد خطبات کو بھی تسلیم کر کے ان پر اپنے انتقاد کی بنیاد قائم کر لیتے ہیں۔ اور جب انکار پر آمادہ ہوں تو منہج التحقيق کے حوالہ سے سہتم بجا میں درج شدہ حدیث امام حسین میں خلقت نوری سے خلقت روحی مراد لی گئی ہے جو مجہول الحال مؤلف کی تالیف کہہ کر ٹھکرا دیتے ہیں۔ بلکہ اصول کافی کی یونس بن عبد الرحمن والی صحیح السند روایت جس میں محمود نور کی تشریح فرشتہ کے ساتھ



کی گئی ہے۔ جسے سرکار علامہ مجلسیؒ جیسے محدث خیر نے صحیح اسناد تسلیم کیا ہے (مرآۃ العقول ج ۱ ص ۲۹) اس کو اپنے دعا کے خلاف پا کر خبر واحد کہہ کر اور اس کے بعض راویوں پر بڑے غم خود جرح کر کے مسترد کر دیتے ہیں۔ اور اس کے باوجود نہ ان کے ایمان و ایتقان میں کوئی رخنہ واقع ہوتا ہے اور نہ ہی معرفت امام میں کوئی فرق پڑتا ہے۔

ناطقہ سرگرمیاں ہے اسے کیا کہتے

لیکن اگر اصول ہدایت و درایت کے مطابق یکم بے سرو پا روایت کو ناقابل استدلال قرار دے دیں تو زمین سر پر اٹھا کر داد و فریاد کی جاتی ہے اور اسے عدم معرفت امام کی دلیل قرار دیا جاتا ہے۔ مالکد کیف تحکوم؟

مذکورہ بالا متناقض کے علاوہ ایک اور چیز بھی ہے جو روایات میں غور و فکر کرنے کی دعوت دیتی ہے وہ یہ ہے کہ بکثرت احادیث معتبرہ میں وارد ہے کہ انانی اخبار نامتشابہا

**متشابه اخبار و آثار**

لمتشابه القوان ومحکمات حکم القوان فرد و امتشابه الی محکمات ولا متبجوا متشابهات دون محکمات ففضلوا۔ ہمارے اخبار کچھ متشابه ہیں مثل متشابه قرآن اور کچھ حکم ہیں مانند حکم قرآن۔ لہذا تم متشابه کو محکم کی طرف لٹاؤ۔ اور خبر دار حکم کو چھوڑ کر متشابه کی اتباع نہ کرنا ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے۔ (عیون اخبار الرضا ج ۲ ص ۲۹) احتجاج طبری ص ۲۷۳ اس لئے اہل علم کا فرض ہے کہ وہ کسی بھی روایت پر عقیدہ و عمل کی دیوار استوار کرنے سے پہلے اچھی طرح غور و فکر کر لیں کہ وہ روایت محکم ہے یا متشابه؟ اگر اس امر کو ملحوظ نہ رکھا گیا تو پھر مطابق فرمان امام گمراہی یقینی ہے۔

(اعاؤنا اللہ منہ)

بعض احادیث میں وارد ہے کہ ہماری حدیثیں سخت مشکل ہیں۔ ان کا تحمل صرف نبی مرسل، یا

**ازالہ شبہ**

ملک مقرب یا مؤمن مطمئن ہی کر سکتے ہیں۔ لہذا جب تمہارے پاس ہماری حدیث پہنچے اور مطلب سمجھ میں آجائے تو فیہا ورنہ اسے عالم آل محمد (امام) کی طرف لٹاؤ۔ خبردار انکار نہ کرنا کیونکہ ہماری حدیث کا انکار کفر ہے۔ (بصائر دہشم ہمار وغیرہ) اس وقت ہم اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتے۔ کہ ان صعب مستصعب احادیث سے مراد کیا ہے؟ کیا یہ معارف امامت کے متعلق ہیں یا ائمہ کے بعض عجائب و غرائب احوال سے ان کا تعلق ہے یا علم یا یقین سے وابستہ ہیں۔ یا ان سے مخالفین کی مذمت مراد ہے یا عالم آخرت کے بعض اسرار و رموز مراد ہیں وغیرہ وغیرہ۔ لیکن مذکورہ بالا متناقض کے پیش نظر ان کی کوئی مناسب حال تاویل لازماً کرنا پڑے گی۔ چنانچہ سرکار علامہ مجلسیؒ نے ان کی دو تاویلیں کی ہیں۔

تاویل اول یہ معلوم ہوجانے کے باوجود کہ یہ امام معصوم کی حدیث ہے اسے ٹھکرا دیا جائے ظاہر ہے کہ اس صورت میں امام کا استخفاف لاف ظاہر ہے جو عدم ایمان بلکہ عدم اسلام کی دلیل ہے۔

تاویل دوم آیات حکمت اور روایات متواترات پر پیش کئے بغیر محض اپنی رائے ناقص و قیاس فاسد



سے اسے مسترد کر دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ روش درفتار بھی انتہائی قابل مذمت ہے۔ (ملاحظہ ہو مرآة العقول ج ۱ ص ۱۳۱)  
ان فی ذلک لبلاغاً لقوم یعتلون۔

**یہ کتاب کیوں لکھی گئی؟** ہم تصدیق چہارہ معصومین خدا کے بھلے واکرم کے خاص فضل و کرم سے گزشتہ سال عقائد ایمانیہ و تحقیق اصول اسلامیہ پر ایک مکمل و مدلل کتاب بنام احسن الفوائد

فی شرح العقائد لکھ کر انباء قوم و ملت کے سامنے پیش کر چکے ہیں جس میں قریباً قریباً تمام شیعہ عقائد و مسلمات کو قرآن کریم، احادیث معصومین اور عقل سلیم کی روشنی میں ثابت کیا گیا ہے اور دیگر فرقہ ہائے اسلام کے مقابلہ میں دلائل قاطعہ و براہین ساطعہ سے شیعہ اصول و عقائد کی برتری واضح کی گئی ہے اور ہر موضوع پر ملاحظہ و منکرین کے شکوک و شبہات کو عقل و نقلی ادلہ سے علوم قدیمہ و جدیدہ کی روشنی میں ہرے علمہ و احسن انداز میں رد کیا گیا ہے۔ اور یہ کتاب رئیس المحدثین حضرت شیخ صدوق علیہ الرحمہ کے رسالہ شریفہ اعتقادیہ کی شرح ہے اس کتاب کی اشاعت کے بعد جہاں علماء اعلام و دیگر ارباب تحقیق و انصاف نے اسے اس صدی کا علمی شاہکار اور اپنے موضوع پر تحقیقی و علمی اعتبار سے بے مثال کتاب قرار دیا جیسا کہ اس کتاب کی تقریروں و تبصروں سے یہ بات واضح ہے جو اس پر کئے گئے والحمد للہ عمل احسان و ثناء چونکہ اس سے بعض غلو نو از حضرات کے طبع زاد عقائد پر کاردی ضرب لگی تھی اس لئے انہوں نے تقریر و تحریر کے ذریعہ اس کے اور اس کے مصنف کے خلاف محاذ قائم کر کے خوفہ آرائی کو اپنا فریضہ سمجھ لیا۔ یہ اپنی سرشت و کشت کا فرق ہے کہ یسئل بہ کثیراً و یشہد بہ کثیراً۔ ان حضرات کے خیال کے مطابق ہم سے غلطی یہ سرزد ہوئی ہے کہ (باوجود ائمہ اہل بیتؑ بے شمار صحیح فضائل و مناقب بیان کرنے کے) ان ذوات قدسیہ کے خالق و رازق اور محی و ممیت ہونے کی نفی کر دی اور ان کو خالق و رازق قرار دیئے جانے والے نظریہ کو غلط اور بے بنیاد قرار دیا۔ ہذا لک ذنب است عتہ القوم۔ اسی طرح اور بھی بعض عقائد صحیحہ ایسے جو ان کے ذاتی خیالات کے متصادم تھے۔

بہر حال جب ہم نے یہ دیکھا کہ آج کل بعض اہم دینی عقائد پر اخبارات و رسائل اور منابر پر طبع آزمائیاں اور منہگار آرائیاں ہو رہی ہیں اور بعض صحیح عقائد کو بعض دین فروش لوگ غلط انداز میں عوام کے سامنے پیش کر کے انہیں شیعہ اعلام اور مدارس دینیہ سے بخل کرنے کی سعی تا فرجام کر رہے ہیں۔ ان میں کچھ پشیمانی ہیں کچھ دینی مسائل پر بعض اہم فتاویٰ ہیں۔ کچھ اخبارات و جرائد کے مضامین ہیں جن میں حق کشی، باطل کو شنی اور خالق کی بجائے مخلوق کی رضا جوئی کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔

میں اکثر سوچتا ہوں کس طرح سے ان کو سمجھاؤں یہ جو کچھ کر رہے ہیں اس سے نظم انجمن گمراہ  
نہج گمراہ کیا کہ قرآن کریم، احادیث معصومین اور عقل سلیم نیز تحقیقات علماء متقدمین متاخرین کی روشنی میں محققانہ و جامع تبصرہ کر کے احقاق حق و ابطال باطل کا مذہبی فریضہ انجام دیں۔ تاکہ ہذر و نذر اور اتمام محبت میں کوئی کمی باقی نہ رہ جائے۔



لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ مِنْ بَيْنِهِ ۝ وَحَيْثُ مِنْ حَتَّى عَنْ بَيْنِهِ ۝ اسی لئے کتاب کو دس ابواب پر تقسیم کر کے بعد از استعارہ  
یہ کتاب لکھنا شروع کر دی جس کے ہر باب میں ایک ایک اہم موضوع پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ وہ وحشی زعم کو کیل  
من انچ شرط بلوغ است با نومی کویم      تو خواہ از سخنم نہ بگیر و خواہ ملال

**اصول الشریعہ کے اشاعت کے بعد کیا ہوا؟** | احسن الفوائد کی اشاعت کے بعد جو حالات رونما ہوئے  
تھے ان کا اجمالی تذکرہ مطور بالا میں کیا جا چکا ہے۔

اصول الشریعہ جو اصلاح احوال و عقائد کے جذبہ سے سرشار ہو کر لکھی گئی تھی یقیناً علم دوست اور تحقیق پسند حلقوں کی  
طرف سے توقع سے بھی زیادہ اس کی پذیرائی کی گئی۔ الحمد للہ مگر جن لوگوں نے پہلے احسن الفوائد کی مخالفت کی تھی۔  
ان کی طرف سے تو اب گویا مخالفت کا آتش فشاں پہاڑ پھوٹ پڑا۔ اور تقریر و تحریر میں اس کے خلاف تہذیب و شرافت  
کے تمام تقاضوں کو یکسر نظر انداز کر کے وہ ہڑ بولگ مچا یا کہ الامان والحفیظ تفصیل ذیل میں آ رہی ہے۔

**ہماری دوسری کتب بالعموم اور احسن الفوائد و اصول الشریعہ بالخصوص عظیم کتابیں ہیں**

ہم یہ بات کسی تعالیٰ اور تکبر کی بنا پر نہیں (جو کہ مذموم ہے) بلکہ محض تحدیثِ نعمت پروردگار کی بنا پر (جو کہ مدوح ہے)  
کہہ رہے ہیں کہ بفضلہ تعالیٰ ہماری دوسری کتابیں بالعموم اور احسن الفوائد و اصول الشریعہ بالخصوص دنیا نئے اسلام  
و تشیع کی عظیم کتابوں میں سے ہیں۔

**عظمتِ کتب کا معیار کیا ہے؟** | یہ مسئلہ عقلانی قاعدہ ہے کہ ہر دعویٰ کے اثبات کے لئے قطعی

ثبوت لازم ہوتا ہے۔ ورنہ وہ دعویٰ نظرِ عقلاً میں قابلِ قبول نہیں ہوتا۔ بنا بریں مذکورہ بالا دعویٰ کے ثبوت میں پہلے ہم معیارِ عظمت کے متعلق ایک مشہور انگریز مصنف رابرٹ اوڈن

کو رائے گرامی پیش کرتے ہیں۔ جس نے دنیا کی عظیم سولہ کتابوں کا انتخاب شائع کیا۔ اور اس کا نام رکھا "کتاب میں جنہوں نے  
دنیا بدل ڈالی" جس کا اردو ترجمہ ملک کے مشہور قلم کار ادیب غلام رسول تہرنے کیا ہے۔ اس کے بعد اس معیار کا روشنی میں  
اپنی کتابوں کی عظمت کا جائزہ لیں گے۔ انشاء وہ اس کتاب کے مقدمہ ملا پر غلط و انرا آفرینی کے معیار پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"اثر کی حیثیت کا بڑی حد تک علمی معیار یہ بھی ہے کہ مخالف و موافق معاصرانہ رائیں پیش نظر رکھی جائیں

اگر کسی کتاب کے خلاف شدید جذبات ابھرے اور اسی انتہام سے حامیوں نے کتاب کی تائید میں سرگرمی دکھائی تو

اغلب خیال یہی ہوتا ہے کہ اس کتاب نے لوگوں کے افکار پر گہرا اثر ڈالا۔"

**اس معیار کی روشنی میں اصول الشریعہ وغیرہ کا جائزہ** | اگر نظر انصاف حالات کا جائزہ لیا جائے  
تو یہ حقیقت ہر قسم کے شک و شبہ سے بالا نظر آتی ہے



ہماری نام بردہ کتاب میں اس معیار عظمت پر صد فی صد پوری اترتی ہیں جب سے یہ کتابیں منظر عام پر آئی ہیں۔ موافقت و  
الفت کا ایک طوفان اٹھ آیا ہے۔ اگر ایک فریق یہ کہہ کر کہ ”فہمیری اذہ کتاب لا یجبت الامون ولا یبغضہ  
لا منافق“ انہیں ایمان و اتفاق کا میزان قرار دے رہا ہے۔ تو دوسرا گروہ انہیں قابلِ ضبطی اور سختی قرار دے رہا  
ہے۔ تشریح و تحریر میں برابر دونوں فریق برسرِ پیکار ہیں۔ اور پوری شدت سے ایک دوسرے پر تار و توڑ حملے کر رہے ہیں اگرچہ  
ای گروہ نے تہذیب و متانت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا جبکہ مخالف گروہ نے اخلاق و تہذیب کے تمام سلما اصولوں  
و پائمال کر دیے و کل انا بالذی فیہ یوفیہ ۱/۲

اسلام چونکہ دینِ فطرت ہے اس لئے وہ ضمیر و خیال کی آزادی کو سلب نہیں کرتا۔ اور نہ ہی وہ حریتِ فکر و رائے  
اور شمس ہے وہ دلیل و برہان سے اطمینانِ نفس کرائے بغیر صرف جبر و اکراہ سے کوئی بات نہیں منواتا وہ مجموعہ مخرقات  
خرافات نہیں۔ بلکہ سراسر حقائق و معارف کا ہمیشہ بہا خزینہ ہے۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ  
آزادیِ افکار سے ہے اُن کی تباہی رکھتے نہیں جو فکر و تدبیر کا سلیقہ

اہل دانش و نبیش سے پوشیدہ نہیں ہے کہ جس طرح پادریوں نے عیسائیت کو خرافات کا مجموعہ بنا ڈالا تھا۔ اور  
اپنے قول و کردار سے نئی پود کے ذہنوں میں یہ چیز راسخ کر دی تھی کہ مذہب عقل و خرد کا ساتھ دینے سے قاصر ہے اور ترقی  
کی راہ میں سنگ گراں اور اس تاثر کو کوتاہ اندیش گروہ کے اس رویہ سے مزید تقویت ملی کہ انہوں نے سیکڑیوں، فلسفہ و  
سائنس کے محققین اور موجدین کو بڑی بڑی کربناک اذیتیں دے دے کر موت کے گھاٹ اترا دیا۔ اس لئے ان تنگ نظر  
کور باطن پادریوں کی روش و رفتار سے تنگ آکر اور ان کے خود مذہبی اصولوں سے بیزار ہو کر نئی پود نے مذہب کے خلاف  
علم بغاوت بلند کر دیا۔ اور مذہب کا بجا گردن سے اُتار پھینکا یہ حقیقت اگرچہ تلخ ہے مگر ہے بہر حال حقیقت کہ موجودہ  
دور کے ملاوٹو مولوی بھی اپنے غلط اندازِ تبلیغ اور اپنی غلط روش و رفتار سے نئی پود کو مذہب سے بیگانہ و بیزار کرنے میں خاص  
کردار ادا کر رہے ہیں جہتی پود دیکھے گی۔ کہ فلاں عالم کی نظر میں فلاں عالم کا فر اور فلاں مولوی کی نگاہ میں فلاں محمد۔ تو وہ  
بالآخر نہات کسی اور دین میں ہی تلاش کرے گی۔ یا بالکل ہی لاندہ مذہب ہو جائے گی۔ (لا قدر اللہ)

مذکورہ بالا اصول کے مطابق جب یہ بات ثابت ہے کہ اسلام حریتِ فکر و رائے کا لطف  
مخالفت کا طوفان نہیں بلکہ منوید ہے اور وہ ہر صاحبِ فکر و نظر کو دلیل و برہان کے ساتھ بطریقِ احسن اپنے  
نظریہ کے اظہار کا حق دیتا ہے۔ تو اگر بالفرض مولوی صاحبان کے خیال کے مطابق ہم نے کوئی نیا نظریہ بھی پیش کیا تھا۔  
تو عدل و انصاف اور صدقِ نیت کا تقاضا تو یہ تھا کہ یہ لوگ ہاد ہو کرنے کی بجائے ہماری کتب کا بغور مطالعہ کرتے اور  
اگر کوئی مطلب ان کو بظاہر حق کے خلاف معلوم ہوتا۔ تو پہلے تو خود اس کے لئے کوئی مناسب تاویل کرتے۔ (کما ورد  
فی الحدیث احمل فعل اخیث علی احسانہ) اور اگر ایسا نہ کر سکتے تو پھر مصنف کی طرف رجوع کرتے (کیونکہ



تصنیف رامصنّف نیکو کنڈریان، تاکہ وہ حقیقت حال کی وضاحت کر دیتے۔ یا اگر فی الواقع وہ مطلب غلط ہوتا تو شکر کے ساتھ ہم اس کی اصلاح کر لیتے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے کوئی نیا نظریہ یا عقیدہ پیش نہیں کیا۔ بلکہ انہی عقاید و نظریات کو اپنے الفاظ میں پیش کیا ہے جن پر قریباً چودہ سو سال کے شیعہ علماء اعلام کا اتفاق ہے اور پھر ہر موضوع و مسئلہ پر متعدد آیات قرآنیہ، بیسیوں احادیث معصومیہ، اور سینکڑوں اقوال علماء امامیہ پیش کئے ہیں جس کے بعد کسی منصف و مندرج آدمی کے لئے کسی قسم کے شک و شبہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔ الا علی اکہ لا یبصر الفضل کیا اصلاح کا یہی طریقہ ہے جس پر عمل پیرا ہیں۔ ہم نے تو ہمیشہ اُن کو دعوت دی ہے کہ باہم دگر بیٹھ کر انہام و تقہیم کر لیں۔ اگر ہماری غلطی ثابت ہو جائے تو ہم اس کا اعتراف و ازالہ کرنے کے لئے تیار ہیں۔ مگر یہ حضرات کسی اصلاحی اقدام پر آمادہ نہیں ہیں۔

**یہ سب باؤ ہو محض ذاتی حسد و رقابت کا نتیجہ ہے** | مگر افسوس ان لوگوں نے خوفِ خدا اور خوفِ شر و نشر اور پاسِ مذہب و ملت سے بالا ہو کر اور اس نسبت سے بے نیاز ہو کر عرضِ المسلم کدمہ (کہ مسلمان کی عرض و ناموس کا احترام اس کے خون کی طرح واجب ہے) اور اس بات سے بھی غصہ بھر کر کہ اہل ایمان کو ذلیل و رسوا کرنے کی اکام کو شش کرنے والوں کا انجام کیا ہے لان الذین یجتوبون ان تشیع الفلحشتہ فی الذین انما اپنے مخصوص اغراض کے تحت جو طوفانِ بدتمیزی و فتنہ انگیزی پر کیا ہے۔ اور جس بھونڈے غلط فہمی میں اس کی عقل کو طغی و مغی میں گھمائے عوامی سطح پر اچھا لچال کر قوم کے اتحاد و اتفاق کو پارہ پارہ کیا ہے اور جس طرح اختیار لے لئے اس بابہ تضحیک فراہم کئے۔ اور ملک کے کونہ کونہ میں فتنہ و فساد کی آگ روشن کی۔ عین اس وقت جبکہ اُن کی زبانوں پر لا تغسل دافی الارض کا وعظ جاری تھا۔ وہ یہ بھول گئے کہ الفتنۃ الکبریٰ من القتل حال انکی اس روش کے پیش نظر ہر معمولی عقل و خرد رکھنے والا انسان بھی یہ بات بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ یہ سب باؤ ہو محض ذاتی حسد و رقابت اور ذاتی غلبہ و اقتدار کے جذبہ کا نتیجہ ہے اور یہ سب خوفِ آرائی اور خیمہ آزمائی صرف اس لئے ہے کہ ہم نے بعونہ تعالیٰ درس و تدریس، تصنیف و تالیف اور تحریر و تقریر غرض کہ ہر علمی میدان میں ان لوگوں کا حدودِ دار بعد بیان کر کے ان کی حقیقتیں بے نقاب کر دی ہیں۔ اور ان کے علم و عمل اور دین و دیانت کا صحیح طول و عرض واضح کر دیا ہے۔

انہیں شکایت ہے ہم فقیروں کے نامہ حریت رقم کر اسکی معجز نگاریوں سے عجب حقائق نکھرے ہیں

اس لئے مذہب کی آڑ میں ذاتی انتقام کی آگ بجھا رہے ہیں۔ ان کو اس کی مطلق پروا نہیں کہ قوم بے عمل و بدعقیدتی کی کن افتخار گہرائیوں میں گر رہی ہے؟ زمانہ کس رفتار سے آگے بڑھ رہا ہے؟ موجودہ دور کے تقاضے کیا ہیں اور ان سے عہدہ برآ ہونے کا طریقہ کار کیا ہے؟ وہ اس سچ سے کئی سو سال پرانے کھینچے ہوئے خطوط تبلیغ پر آنکھیں بند کر کے چل رہے ہیں۔ اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لئے زورِ تقریر و تخریر صرف کر رہے ہیں۔ اربابِ بصیرت جانتے ہیں کہ ان کی اس



جنگِ زرگری کو دین و مذہب سے ہرگز کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ہی انہیں اپنے ذاتی مفاد کے سوا قوم و ملت سے کوئی بھڑی ہے۔ مگر ان حضرات کو معلوم ہونا چاہئے کہ وہ اپنے ان اوجھے ہتھیاروں سے اپنے وقار کی گرتی ہوئی دیوار کو زیادہ دیر تک سہارا نہیں دے سکتے۔ اب قوم بیدار ہو چکی ہے اور ان کا یوم الحساب قریب آگیا ہے۔ اب ان کے قصرِ عظمت و کبریا کی بڑ میں کھوکھلی ہو چکی ہیں۔ اور ان کی مذہبیت اور اخلاق بے نقاب ہو چکے ہیں۔ قوم ان سے متنبہ ہے اور ان کے کردار سے بے زار ہو رہی ہے اور یہ سوچنے پر مجبور ہو رہی ہے کہ اب تک اس نے منبر و محراب ان کے حوالہ کر کے کھویا کیا ہے اور پایا کیا ہے قوم اب اس نہج پر سوچ رہی ہے کہ چالیس پچاس سال ہو گئے یہ سب لوگ ہمیں سونے کی چڑیا سمجھ کر دونوں ہاتھوں سے فوج رہے ہیں۔ مگر اس پورے عرصہ دراز میں انہوں نے ہمارے مستقبل کو تاناک و دوختاں بنانے کے لئے کوئی دینی مدرسہ کھولا یا نہیں کوئی پیش نماز وغیرہ مہیا کیا یا کوئی مدرسہ پیدا کیا یا اور جب تقسیم ملک کے بعد ہمارے مقامی علمائے دینی مدارس کھولے جن کی بدولت آج نہ مدرسین کی کوئی کمی ہے نہ مبلغین کی اور نہ پیشیناؤں کی۔ تو ان لوگوں نے بجائے حوصلہ افزائی کے انساں کے خلاف تقریر و تحریر میں محاذ قائم کر دیا ذرہم یا کلو او تمتمنوا ویلہم الامل فسوف یعلمون

یہ بات ہر قسم کے شک و شبہ سے بالا ہے  
**تشد و فتنہ انگیزی علمی شکست خوردگی کی دلیل ہے**  
 کہ اسلام امن و سلامتی کا مذہب ہے

اس کے اندر شر انگیزی، فتنہ خیزی اور مذہب کے نام پر خون ریزی کرنے کی ہرگز کوئی گنجائش نہیں ہے اور نہ وہ اس غلط جذبہ کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ بلکہ وہ "الفتنۃ اشد من القتل" کہہ کر اس فساد کی جڑ کو کاٹ دیتا ہے۔

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مذہب کے نام پر ظلم و ستم کرنے اور فتنہ و فساد پھیلانے والے یا خود لا مذہب ہوتے ہیں۔ اور مذہب کا شانہ تک نہیں ہوتا۔ یا پھر مذہبی عقائد و معارف سے کیسے جاہل ہوتے ہیں۔ اسی طرح یہ حقیقت بھی ناقابلِ ارتکا ہے کہ تشدد و زیادتی پر صرف وہی لوگ اترتے ہیں جن کے علمی ترکش میں کوئی تیر نہیں ہوتا۔ اور وہ علمی سطح پر گفتگو کرنے کو اہلیت نہیں رکھتے۔ قرآن ایسے عبرتناک واقعات سے بھر چرا ہے مثلاً جب حضرت نوح شب و روز ایک کر کے نہایت بے غرضی دے لوٹی سے قوم کو دعوت الی الحق دیتے ہیں۔ اور دلائل سے ان کے غلط نظریات کا تار و پود کھینچتے ہیں۔ تو قوم جب علمی میدان میں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی تو تشدد پر اتر آتی ہے اور کہتی ہے لعلکم ننتہب منکم لکنکم منہب المسوجمین (پس مشرعوں ۱۱) اے نوح! اگر آپ ان باتوں سے باز نہ آئے تو آپ کو ضرور سنگسار کر دیا جائے۔ اسی طرح جب عیسیٰ خدا نے ہمدردی خلافت کے نیک جذبہ سے سرشار ہو کر بڑے احسن انداز میں قوم کو ان کے عقیدہ و فکر کی غلطی پر ٹوکا اور دلیل و برہان سے خدا کے سچے راستہ کی طرف بلایا تو جاہل قوم نے دیہی جواب دیا جو قبل از ان متبارک



کو دیا گیا تھا یعنی یہ کہا لَعْنٌ لَمْ تَنْتَ لَمْ تَنْتَ لَمْ تَنْتَ (پا۔ س۔ م۔ ع۔ ۶) اگر آپ اس عقیدہ و تبلیغ سے باز نہ آئے تو آپ کو سنگ سار کر دیا جائے گا۔

اسی طرح جب جناب لوٹنے اپنی قوم کو چاہہ ضلالت سے نکالنے کے لئے عملی جدوجہد شروع کی اور دلیل کی زبان میں ان سے بات کرنا چاہی تو قوم نے ان کو ملک بدر کرنے کی دھمکی دی۔ اخو جوہم من قوتیکم رپ۔ س۔ اعراف ۱۱، ان کو اپنی بستی سے نکال دو۔ اور وہ بار بار حملہ کر کے چڑھ آتے رہے اور ان کو ڈراتے دھمکاتے بھی رہے تاکہ کسی طرح وہ اپنے مشن سے دست بردار ہو جائیں۔

جب بنیاب شعیب نے قوم کو صحیح راستہ کی تبلیغ شروع کی تو ان کے مخالفین نے بھی یہی طریقہ کار اختیار کیا۔ لَعْنُ جَنْتَ لَشُعَيْبٍ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَكَ مِنْ قَوْمِنَا رپ۔ س۔ الاعراف ۱۱ اے شعیب! اس عقیدہ اور اس کی نشر و اشاعت سے باز آ جاؤ ورنہ ہم تمہیں اور ان لوگوں کو جو تمہارے ساتھ ایمان لائے ہیں۔ اپنے شہر سے نکال دیں گے۔ پھر حضرت موسیٰ اور ان کے متبعین سے بھی وہی منشد و اذہ سلوک کیا گیا جو ان سے پہلے انبیاء کے ساتھ کیا گیا تھا۔ فرعون نے جناب موسیٰ کو دھمکی دی لَنْ اتَّخَذَتِ الْفُلُاعِيْرُ لَاجْعَلْنَكَ مِنَ الْمُسْجُوْنِيْنَ رپ۔ س۔ شعراء ۶ اگر میرے سوا کسی اور کو خدا مانا تو میں تمہیں قید میں ڈال دوں گا۔ اسی طرح اپنے کارپردازوں کو حکم دیا اَفْتَلُوا ابْنِ الْاٰلِیْنَ اَمْنُوْا مَعَهُ وَاسْتَحْيُوا نِسَاءَهُمْ رپ۔ س۔ مؤمن ۸ جو لوگ موسیٰ پر ایمان لائے ہیں۔ ان کے بیٹوں کو قتل کر دو۔ اور لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دو۔

پھر دیکھئے جناب عیسیٰ کو اسی تبلیغ حق کے جرم میں کیسے کیسے مظالم کا نشانہ بنایا گیا۔ اور جناب خاتم الانبیاء پر مصائب و شرائد کے وہ کوہِ گراں گرائے گئے اور وہ وہ مظالم ڈھائے گئے کہ جن کے تصور سے ہی انسان لرزہ برانداز ہو جاتا ہے خود آنحضرتؐ کا ارشاد ہے مَا اَوْذَى نَبِيٍّ كَمَا اَوْذِيْتُ حَسْبَ قَدْرٍ رَامٍ حَقٍّ مِّنْ عَجَبٍ (روحانی و جسمانی) اذیت و تکلیف دی گئی ہے اتنی کسی بھی نبی کو نہیں دی گئی۔ اور پھر آنحضرتؐ کی عزتِ اطہار پر تو افانہ دین اور احقاق حق و ابطال باطل کے جرم میں اس قدر مظالم ڈھائے گئے کہ ظلم و ستم کا خاتمہ ہی ہو گیا۔ یہ سب کچھ ہمیشہ برابر ہوتا رہا۔ مگر قابلِ غور بات یہ ہے کہ کیا ظلم و ستم کرنے والے کبھی دایانِ دین کے پائے ثبات میں لغزش واقع کرنے میں کامیاب ہو سکے؟ کیا ان کو اپنے مشن سے دست بردار کر سکے؟ کیا ان کی مقدس گردنوں کو باطل کے سامنے خم کر سکے؟ نہیں اور ہرگز نہیں نتائج کے صفحات کو ادھیں کہ ان بزرگواروں نے ہمیشہ باوجود فضا کے ناموافق ہونے کے چراغِ ہدایت برابر روشن رکھے اور جب کبھی حالات نے بہت ہی نازک صورت اختیار کر لی تو اپنی مقدس گردنیں کٹوالیں اور نوکِ سنان پر چڑھوالیں مگر ان کو باطل کے سامنے جھکانا یا باطل کی ٹوں میں ہاں ملانا گوارا نہ کیا۔ وَلَنُافِي الْاَنْبِيَاءَ وَالْاٰمَنَةُ اَسْوَفُ حَسَنٌ ۝

کب و بد بڑھیر سے دبتے ہیں کہ جن کے ایمان و یقین دل میں کئے رہتے ہیں تنویر



**جوابی کتب کا غیر متناسب سلسلہ** | سب سے ان حضرات نے اختلاف و افتراق کا یہ موجودہ قبیح سلسلہ شروع کیا ہے ہم نے ہر سطح پر دانشگاہ الفاظ میں کہا ہے کہ اگر اس فتنہ سامانی اور شکار

آرائی سے ان حضرات کے کچھ ذاتی اغراض و مفادات وابستہ نہیں ہیں تو پھر دو باتوں میں سے ایک قبول کریں۔  
(۱) باہم بھڑک کر علمی سطح پر گفتگو کر کے کوئی صحیح حل تلاش کریں۔

(۲) یا اپنے دینی و ملی مرکز نجف اشرف کے مجتہد اعلم کی طرف رجوع کریں پھر پوری قوم ان کے نقل و مکمل فیصلہ کے سامنے تسلیم خیم کر دے۔ نہ صرف ہم بلکہ کئی سہروردان قوم و ملت اس سلسلہ میں مخلصانہ کوششیں کر کے تھک گئے ہیں۔ مگر اس سلسلہ میں "واں ایک خامشی ہے ان سب کے جواب میں"

اس سے یہ حقیقت نصف التہار کی طرح واضح و آشکار ہو جاتی ہے کہ ان لوگوں کا مقصد اصلاح نہیں بلکہ فساد ہے۔ قوم کا سنجیدہ طبقہ ان کی اس روش و رفتار سے بیزار بھی ہے اور حیران و پریشان بھی اور وہ یہ کہنے پر مجبور ہے کہ  
مامریدان رو بسوئے قبلہ چوں کریم بچوں  
و بسوئے خانہ خمار وارد پیر با  
ان حضرات کی روش سے کچھ ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی نگاہ میں فی زمانہ دین کی خدمت اصولی شریعہ کی جو نوعیت میں ہی منحصر ہے۔ وہیں

**لکھنے والوں کے انواع و اقسام** | اور باب دانش و نیش جانتے ہیں کہ لکھنے والوں کی متعدد قسمیں ہیں کچھ اعلامیہ کلمۃ الحق کی خاطر قلم اٹھاتے ہیں کچھ قوم و ملت کی

خدمت کے لئے دست و قدم کو جنبش دیتے ہیں۔ اور کچھ دین و مذہب کی حمایت کے صالح جذبہ سے سرشار ہو کر میدان تحریر میں قدم رکھتے ہیں۔ اہل قلم کے انہی اقسام میں سے ایک قسم اُن لکھنے والوں کی بھی ہے جو محض اس لئے قلم اٹھاتے ہیں کہ اس سے دنیا والوں کو معلوم ہو جائے کہ وہ بھی موجود ہیں۔ اس لئے وہ اپنی ذات کی معرفی کرانے اور سستی شہرت حاصل کرنے کے لئے بڑے بڑے علماء و فضلاء کے کلام پر غلط سلطہ تنقید کر کے اپنی اس خواہش کی تکمیل کرتے ہیں۔ مشہور ہے کہ ایک مشہور شاعر کا بیٹا قبرستی سے نالائق نکلا۔ جس کا اس کے عظیم والد کو بڑا صدمہ نکلا۔ اور ہر وقت اپنے اس نالائق فرزند کو شہرت کے باوجود پر مہنچانے کی فکر و تدبیر میں غلطان و پیمان رہتا تھا۔ بالآخر بڑے غور و فکر کے بعد اسے ایک تدبیر سوچھی۔ بیٹے کو بلا کر کہا کہ میری وفات کے بعد بڑے ستم الثبوت اساتذہ فن شعراء کے کلام کو سامنے رکھ کر ان پر غلط سلطہ تنقید کر دیا کرنا۔ اس سے سادہ لوح عوام پر تہباری قابلیت کی دھاک بیٹھ جائے گی اور وہ یہی سمجھیں گے کہ اگر یہ بہت بڑا شاعر نہ ہوتا تو اتنے بڑے جلیل القدر شعراء کے کلام پر تنقید کیوں کر کرتا؟ بنا بریں بہت سے لکھنے والے محض اس نظریہ کے تحت قلم کبھ ہو کر اپنے نامہ اعمال کی طرح کا غرض سادہ کرتے ہیں اور علماء اعلام کے منہ لگتے ہیں کہ اس طرح اُن کو سستی شہرت حاصل ہو جائے۔ اور عام لوگ اُن کو بھی عالم و فاضل سمجھیں گے چنانچہ اصول الشریعہ کے خلاف



تکم کیف صف آراد حضرات میں ہر قسم کے لوگ نظر آتے ہیں۔ اس کھپ میں کچھ مادر زاد علما، کچھ خانہ سادہ مولائے اور کچھ علم و فضل سے عاری کھانے بڑے بڑے کارنامے انجام دے رہے ہیں۔ اگر عمر کے اعتبار سے دیکھا جائے تو اس صف میں کچھ بڑے اور کچھ بچے ہیں۔ اور اگر ان کے علمی و عملی حالات و کوائف پر اجمالی نگاہ ڈالی جائے تو بقول شاعر اس منڈی میں ہر قسم کا مال موجود ہے مثلاً

کچھ جھوٹے ہیں کچھ بچے ہیں کچھ بڑے ہیں کچھ بچے ہیں  
کچھ مفتی اور ملائے ہیں کچھ جاہل اور سیانے ہیں  
کچھ مونی ہیں کچھ مالامال ہیں کچھ دال میں کالا کالامیں  
مگر بایں مہربان سب کے سب کا

اب قوم کی خاطر مرنے ہیں، اسلام کا بھی دم بھرنے ہیں

اند کے غم دل باتو گفتہ و بدل ترسیدیم کہ آزر دہ شوی ورنہ سخن بیا راست

ان جوابی کتب میں کیا ہے؟  
صرف اصول الشریعہ کے برائے نام قریباً آٹھ دس جوابات اس وقت تک منظر عام پر آچکے ہیں اور سہو زبیا سلسلہ برابر جاری ہے ہم اگر ان کے مؤلفین کا علمی حدود اربعہ بیان کریں اور ان کے علمی شامیکا روں کا مکمل تجزیہ پیش کریں۔ تو ان کو شکایت ہوگی۔ جبین ناز چکنیں ابھریں گی اور آگینہ ہائے دل کو ٹھیس لگے گی۔ اور یہ بات ہمیں گوارا نہیں ہے۔

خیال خاطر اصحاب چاہئے ہر دم انیس ٹھیس نہ لگ جائے آگینوں کو

البتہ اس سوال کو ان کتب میں کیا ہے؟ کے جواب میں اس قدر عرض کرنے کی جسارت کریں گے۔ کہ ان میں اکثر و بیشتر (الغرض اہل لولہ الکمل) کذب و افتراء پر مبنی ہیں۔ سب و شتم، تباہ و تالاق اپنی خود ستائی دوسرے اہل علم و ایمان کی رسوائی، اہل فریبی و دھوکہ دہی، ہجو و طنز اور افغان باغی سے لیریز اور علمی عقائد و دقائق اور انداز شرافت سے عاری ہونے کا وہ غلیظ پندرہ ہیں کہ دہشتناک آیات مبارکہ و اسما مقدسہ اگر ان کو جلا یا جائے کوئی صمیم و تندرست آدمی وہ آگ تاپ لے تو بعید نہیں کہ وہ کوڑھ کے مرض میں مبتلا ہو جائے۔ بعض حضرات نے وہ انداز تحریر اختیار کیا ہے کہ اس نے بھانڈوں کو بھی مات کر دیا ہے اور بعض میں مطالب خود لکھنے والوں کے خیالات کی طرح یوں پریشان و منتشر ہیں کہ ان پر کنگول ہونے کا گمان ہوتا ہے اور بعض کی زبان وہ بھاتی ہے جس پر

”کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی“

صادق آتا ہے۔ الغرض ان جوابی کتب میں سوائے صحت عقیدہ، علمی شان، اور تحقیقی جھبک کے باقی سب کچھ ہے۔ دوسرے لفظوں میں مخالفت برائے مخالفت کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔



## تضاد ہی تضاد

یہ بات کسی دلیل و برہان کی محتاج نہیں ہے کہ جو تپانہ ہو اس کے کلام میں تناقض و تضاد ضرور ہوتا ہے۔ خدا نے رحمن نے قرآن میں اختلاف و تناقض کے نہ ہونے کو اس کی حقانیت و صداقت کا برہان بنا کر پیش کیا ہے۔ "ولو كان من عند غير الله لوجدوا فيه اختلافا كثيرا" اگر یہ غیر خدا کا دامن گھڑتا، کلام ہوتا تو ضرور اس میں اختلاف موجود ہوتا، اس مسئلہ قاعدہ کی صداقت اس وقت اور بھی اُجاگر ہو جاتی ہے۔ جو اپنی کتب کے مندرجات پر طائرانہ نگاہ ڈالی جاتی ہے۔ یہ لوگ حسبِ جاہ، بسمتی شہرت و صل کرنے کی چاہ۔ اور ہماری اندھا و عند محافت کے جنوں سے عیون ہو کر اس دادی پُر خار میں کود تو پڑے ہیں۔ مگر حالت یہ ہے کہ خود ان کے بیانات تضاد و تناقض کا بدترین نمونہ ہیں۔ ایک کارٹش مشرق کی طرف ہے تو دوسرے کا مغرب کی جانب۔ اور ایک کا منہ جنوب کی سمت ہے تو دوسرا شمال کی طرف متوجہ ہے۔ گویا کہ وہ زبانِ حال سے بکار پکار کر کہہ رہے ہیں۔

کبھی گرتا ہوں ساغر پر کبھی ٹھکتا ہوں مینا پر  
مری بے ہوشیوں سے ہوش ساقی کے بکھرتے ہیں۔

ان کی اس قابلِ رحم روش و رفتار کو دیکھ کر بے ساختہ شہرِ نوکِ قلم پر آ جاتا ہے۔

ترجمہ نرسی کیچہ اسے اعرابی  
کیں راہ کہ تو میروی ترکستان است

ہم ذیل میں ان حضرات کے مختلف القسم تضادات و تناقضات کا بطور نمونہ مشتے از خود اسے پیش کرتے ہیں۔  
تفصیل کے لئے مقدمہ کے ان محدود صفحات میں گنجائش نہیں ہے۔  
سفینہ چاہئے اس بھر بیکراں کے لئے

## ایک مؤلف کا دوسرے مؤلف سے تضاد

ان حضرات کا یہ تضاد کئی قسم کا ہے۔ ایک کا دوسرے سے اختلاف ایک ہی مؤلف کی ایک ہی تالیف میں باہمی اختلاف، ایک مؤلف کی دو کتابوں میں اختلاف اور مؤلف و ناشر میں اختلاف۔ ہم بڑے اختصار کے ساتھ ذیل میں ان اختلافات کے بعض نمونے پیش کرتے ہیں۔ پہلے عنوانِ بالا کے متعلق چند نوادرِ ملاحظہ ہوں۔

۱۔ موجودہ اختلاف کے بیانِ سبب میں اختلاف۔ ایک صاحب لکھتے ہیں "ہمارا اور حضراتِ معلمین کا اختلاف و باہمی مقابلہ کفر و ایمان کا مقابلہ نہیں بلکہ تعظیم توہم کا مقابلہ ہے" (حقانی الوسائط ص ۱۱) دوسرے صاحب لکھتے ہیں "با اختلاف تکلیفِ عبادان کا مناط درجاتِ ایمان سے ہے" (جوہر الاسرار ص ۱۱) موجودہ مسائل اختلافیہ شیعیان پاکستان

لے نام سے ہی خاندانی غصندی چمک رہی ہے۔ نام ہے "حقانی الوسائط" یعنی محمد باقر محمد علیہم السلام کی تحقیق اور ساری کتاب میں ثابت ہے کیا ہے کہ "ان کو کچھ سے عقول عاجز ہیں" (منہ معنی منہ)

لے ہر نے دلائل عقلیہ و شرعیہ کے کیسادی تجزیہ سے ان مصنوعی جوہر کا خوف ویرے ہونا ثابت کر دیا ہے۔ (منہ معنی منہ)



میں فریقین کا ہر شخص سو من قرار پاتا ہے۔ (ایضاً ص ۱۱۱)

(۲) ائمہ اہل بیت کی طرف خلق و رزق کی نسبت دینے میں اختلاف ۲۷ حضرات کے دستخطوں سے شائع شدہ رسالہ "حقائق مذہب اہلبیت" کے صفحہ ۱۱۱ سوال نمبر ۱۱۱ کیا آنحضرت صلعم اور ائمہ ہدی علیہم السلام کی یہ ڈیوٹی ہے کہ وہ احیاء و اماتت و خلق و رزق کے کام کرتے ہیں؟ کے جواب میں لکھا جاتا ہے "یہ عقیدہ کسی شیعہ کا نہیں ہے۔۔۔" کون کہتا ہے کہ خلق و رزق و اماتت و احیاء ان کی ڈیوٹی ہے یہ تو ان کے غلاموں کی ڈیوٹی ہے۔ (حقائق العقائد ص ۱۹۵)۔ لیکن ایک صاحب لکھتے ہیں "اسی طرح ہم ان ذوات مقدسہ کو خالق و رازق اور محمی و ممیت اور حاضر و ناظر تسلیم کرتے ہیں۔ (حقائق الوسائط ص ۹۹) ایک اور صاحب لکھتے ہیں "معلوم ہوا کہ خلق و رزق و احیاء و اماتت وغیرہ باذن اللہ ملائکہ وغیرہ ملائکہ انجام دیتے ہیں۔ اور آنحضرت کی طرف ان کاموں کی نسبت دینا ان ذوات مقدسہ کی توہین ہے۔ (معالم الشریعہ ص ۲۵۵) ایک اور صاحب لکھتے ہیں "اس شرح سے معلوم ہوا کہ تمام امور کا ابراہیمی ذوات مقدسہ کرتے ہیں۔ اور ان کا وظیفہ یعنی ڈیوٹی ہے جو ان کے شایان شان ہے (حقائق الوسائط ص ۱۱۱) ایک اور صاحب لکھتے ہیں "اور بعد خلق کائنات تدبیر عالم ان بزرگواروں کو خدا نے تفویض کیا ہے۔ (اسرار الشریعہ فی عقائد اثنا عشریہ ص ۱۵۲) "جميع مخلوق کے امور اللہ تبارک نے ائمہ اہل بیت علیہم السلام کو تفویض کر دیئے ہیں۔ (ایضاً ص ۲۸۹) اس کے ساتھ صاحب حقائق العقائد (ص ۲۸۵) کا یہ فتویٰ بھی دید کے قابل ہے "کسی شیعہ کا یہ دعویٰ نہیں کہ ان کے سپرد ہے۔ یہ تمہمت بالائے تمہمت ہے کسی شیعہ کا یہ عقیدہ نہیں۔ ہم تو کہتے ہیں کہ یہ کام ان کے غلاموں کے سپرد ہیں۔" ۵

اس سادگی پر کون نہ مر جائے اسے خدا لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں (۳) ائمہ کے پاس ملائکہ کیوں آتے ہیں اس میں اختلاف۔ ایک صاحب لکھتے ہیں "حق تعالیٰ اپنے

لے ۱۱۱ حقائق العقائد" مگر کتاب دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف صاحب ہنوز وہی شک و ریب میں چکر لگا رہے ہیں کہیں فرماتے ہیں "کیا ممکن نہیں ہے کہ مندرجہ بالا آیت میں رسول اسلام پر جس وحی کا ذکر ہے وہ وہی فطری طاقت ہو (ص ۱۳) اور کہیں لکھتے ہیں "جب خدا کے منتخب ولی ہو سکتے ہیں تو شیعہ و نصیری بھی ہو سکتے ہیں۔ (ص ۱۵) انہوں تو اس بات کا بے کربن کو امکان عقلی و امکان واقعی کا فرق بھی معلوم نہیں۔ (مجلد ۱ ص ۱۱۱) میں پُرکرتا ہوں کہ وہی ہے میں اور عالم کہلانے پر مصر ہیں۔ (منہ عفی عنہ)

۱۱۱ صرف ۲۴ سے ہی مؤلف کی علمی حیثیت و قابلیت کا پاسبانی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ کس قدر مقام تاسف ہے کہ اس قحط الرجال کے دور میں وہ لوگ بھی علمی مباحث میں حصہ لے کر علماء سے الجھ رہے ہیں جو کتاب کا صحیح نام تجویز کرنے کی بھی اہلیت نہیں رکھتے۔ اور عربی و فارسی تو بھائے خود اگر وہ کی چند سطریں بھی صحیح گوئیں کے مطابق لکھنے کی استعداد کے مالک نہیں۔ ۵ تغور تو اسے چربا کر دوں تو (منہ عفی عنہ)



تمام مقدّر امور کے احکام کو پہلے ان فاداتِ مقدسہ کی خدمت میں پیش کرتا ہے اور پھر ان کو کائنات میں ملائکہ کے ذریعے نافذ و رائج کرتا ہے جس کا مقصد محض ان حضراتِ معصومین کی عظمت و جلالت اور رفعتِ شان کا اظہار ہے نہ یہ کہ یہ فاداتِ مقدسہ ان کے افعال و اختیارات میں شریک یا شاور ہیں۔ (جو اہل الاسرار ص ۵۵) دوسرے صاحب لکھتے ہیں۔  
 ”اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ صرف اضافہ علم ہے یا تعظیماً و سلام کی خاطر وہی زمان کے پاس فیصلہ شدہ امور اور ملائکہ کے کرتے ہیں۔ تو پھر یہی کہا جاسکتا ہے کہ دعویٰ اہل بیت علیہم السلام کا مندرجہ انا ہے (اسرار الشریعہ ص ۲۹) تیسرے صاحب لکھتے ہیں۔ ”لیکن جب امور کے اجراء کا وقت آتا ہے تو ان تمام مقدراتِ کمالِ محمد و آلِ محمد علیہم السلام کو عطا ہوتا ہے اور ان کے ذریعہ فیصلہ شدہ امور کا اجرا ہوتا ہے اور یہ حضرات اپنے خدام یعنی فرشتوں کو مامور کرتے ہیں (حقائق الوساائط ص ۱۱۱) (۴) ائمہ کے قدیم ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف۔ ایک صاحب لکھتے ہیں۔ ”چونکہ محمد و آلِ محمد علیہم السلام خلقت میں سب سے سابق ہیں لہذا قدیم ہیں کیونکہ سابق الموجودات ہیں (حقائق الوساائط ص ۱۱۱) دوسرے صاحب فرماتے ہیں۔  
 ”ائمہ معصومین کو قدیم نہ مانا جائے کیونکہ یہ صفت مختص بہ پروردگار عالم ہے۔“ (معالم الشریعہ ص ۲۱)

(۵) نور و بشر کے مسئلہ میں اختلاف۔ ایک صاحب لکھتے ہیں۔ ”اور تھے بھی مجسم نور“ (حقائق العقائد ص ۱۲)

دوسرے صاحب لکھتے ہیں۔ ”ہمارے ساتھ بشریت میں شراکت رکھتے ہیں“ (حقائق الوساائط ص ۱۱۱)

(۶) نور کی تعریف میں اختلاف۔ ایک صاحب لکھتے ہیں۔ ”نور روشنی کو کہتے ہیں“ (حقائق العقائد ص ۱۲) اس سے ظاہر ہے کہ نور عرض ہے۔ دوسرے صاحب لکھتے ہیں۔ ”النور علی الظاہ بنفسہ واطظہر لغيرہ“ یعنی جس کا وجود نفس الامر میں بالتحقیق ہو۔ اور وہ اپنے وجود سے دوسروں کو بالتحقیق وجود میں لانے۔ (حقائق الوساائط ص ۱۱۱) قطع نظر ترجمہ کی صحت و سقم سے۔ اس تعریف میں نور کو جو تفسیر کیا گیا ہے۔

(۷) مؤلف کو کب درمی کے مذہب میں اختلاف۔ ایک صاحب لکھتے ہیں۔ ”وہ اہل سنت میں سے تھا۔“

(معالم الشریعہ ص ۲۱) دوسرے صاحب اسے شیعہ بتاتے ہیں (جو اہل الاسرار ص ۵۵)

## ایک مؤلف کا اپنی دو کتابوں میں تضاد

جیسا کہ سطور بالا میں بیان کیا جا چکا ہے۔ اس تضاد کی دوسری قسم یہ ہے۔ ایک مؤلف کی دو کتابوں میں اختلاف و تضاد اس کے یہی بعض نمونے ملاحظہ ہوں۔ موجودہ بحرانِ العقائد سے پہلے جو کچھ لکھا۔ وہ ہمارے بیان کردہ حقائق کے مطابق ہے اور جب ہماری ضد و مخالفت میں قلم اٹھایا تو اپنے سابقہ بیانات پر بھی بیک جنبشِ قلم پانی پھیر دیا۔ چنانچہ دینیات کو اس حصہ میں لکھا ہے۔ کہ معجزہ فعلِ خدا ہے۔ مگر اسی مؤلف نے موجودہ کتابِ حقائقِ العقائد ص ۲۳ وغیرہ کئی مقامات پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ کہ معجزہ نبی و امام کی قوت سے ظہور پذیر ہوتا ہے۔ رسالہ دینیات حصہ ۳ ج پر لکھا ہے۔ نبی و امام انسانِ کامل ہوتا ہے مگر حقائقِ العقائد ص ۱۱۱ تا نیز ص ۱۲۲ پر ظاہر ہے



نوع علیحدہ اور ان کو فوق البشر ثابت کرنے کی لا حاصل سعی کی گئی ہے۔

**ایک ہی مؤلف کا ایک ہی کتاب میں تضاد** | یہ اس گروہ کے تضادات کی تیسری قسم ہے۔ کہ

میں کہیں کچھ لکھا ہے اور کہیں کچھ۔ چنانچہ صاحب حقائق الوسائط<sup>۱۹</sup> پر موجود اختلاف کے متعلق لکھتے ہیں کہ فرد اسلام کا نہیں بلکہ تعظیم و توہین اہل بیت کا مقابلہ ہے۔ مگر صفحہ ۳۵۶ پر انہی عقائد کی وجہ سے علماء حق پر کفر کے تمام احکام نافذ کرتے ہوئے لکھا ہے۔ ”معتزین کا ذبیحہ حرام۔ ان کی اقتداء میں نماز باطل، ان کی گواہی مردود، ان کو زکوٰۃ دینا گناہ ثابت ہے۔“ اسی طرح صفحہ ۳۵۷ پر لکھا ہے کہ ”معجزات انبیاء ائمہ ہی کے افعال ہیں۔“ مگر صفحہ ۳۱۳ پر لکھا ہے۔ ”اصطلاحی معجزہ کا وجود خال ہوتا ہے اور وہ مقابل کے مطالبہ کے تحت دکھایا جاتا ہے اور وہ سفارت کی سند کے طور پر پیش کیا جاتا ہے اس میں سقیر خدا کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔“ اسی کتاب کے صفحہ ۳۵۶ پر علماء حق پر محض اس بزم کی پاداش میں کفر کا فتویٰ صادر کیا ہے کہ وہ معجزہ کو فعل خدا مانتے ہیں۔ اس لئے بوجہ مجبور ہونے کے محکوم کفر ہیں۔ اور یہاں خود اعتراف کر رہے ہیں کہ اس میں تہی کا کوئی دخل نہیں ہے۔ یعنی نبی اس سلسلہ میں مجبور ہے۔ کیونکہ خدا کا فعل ہے تو اس طرح اپنے فتویٰ کی زد میں خود بھی آگئے۔

لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

صفحہ ۹۹ پر لکھا ہے۔ ”وہ وحدہ لا شریک ہے۔“ مگر صفحہ ۱۶ پر پہنچ کر یہ لکھا۔ کہ ”ہم محمد و آل محمد علیہم السلام کو خالق و رازق، محی و ممیت تسلیم کرتے ہیں اور اس حدیث کی روشنی میں ان حضرات کو تمام صفات خدا کے ساتھ متصف مانتے ہیں۔ اور یہی اعتقاد حق ہے۔“ اتنا لٹہ و اتنا الیہ راجعون۔ خدا تعالیٰ و عناد اور حسد و ضد کا برا کرے کہ یہ صفات رفیع انسان کو کہاں سے کہاں تک پہنچا دیتی ہیں۔

شجر ہے فرقہ آرائی تعصب ہے تر اُس کا یہ وہ پھل ہے جو جنت سے نکلواتا ہے آدم کو

ایک اور صاحب اپنی کتاب معالم الشریعہ فی النقد والتبصرۃ علی عقائد الشیعہ۔ من ناقدہ کلب باب العلّی الخ<sup>۲۰</sup> پر لکھتے ہیں۔ ”جہاں تک اللہ کی معرفت اور اُس کی توحید کا تعلق ہے وہ ہمارے لئے اتنا ہی کافی ہے اور ہم پر اسی قدر واجب ہے کہ ہم اُس کی وحدانیت کے قائل ہو جائیں خواہ ذات میں ہو یا صفات میں، افعال میں ہو یا عبادت میں۔“ مگر صفحہ ۲ پر لکھتے ہیں۔ ”رہو بیت سے تنزیل کا صرف یہی مقصد ہے کہ ائمہ معصومین علیہم السلام کو قدیم زمانا جائے کیونکہ

لے علی جلالت درجات کی شعا میں نام سے ہی چھوٹ چھوٹ کر نکل رہی ہیں۔ اور اب ہم کے لئے مقام تدبر ہے کہ جس کتاب کے صرف نام میں ہی چند علمی فضیلتاں موجود ہوں اُس کے دوسرے مندرجات و مطالب کی صحت کا کیا عالم ہو گا۔ جیسا کہ دکتان بن، بہادر مراد کی کتاب بالفاظ المنسب لکھ شیعہ یا معالم الاقوال الشیعہ ہے۔ (تذکرہ منہ معنی منہ)



یہ صفت مختص بہ پروردگار عالم ہے۔ یہ صفت کسی ممکن کے لئے درالذات ممکن ہے نہ باذن اللہ ممکن ہے۔ مجازاً اور باقی صفات کا باذن اللہ ممکن ہیں وجود ممکن ہے لیکن ممکنہ پر لکھا ہے ”وہ نہ رب ہیں بلکہ اُس کے بندے ہیں“ ۱۳۵ پر توحید مبارک کا غلط ترجمہ کرتے ہوئے اپنا عقیدہ یوں ظاہر کرتے ہیں کہ ”ہم اپنے رب کی بلا واسطہ صنعت میں اور باقی مخلوق ہماری صنعت ہے“ مگر ۱۳۵ پر لکھا ہے ”اور آنحضرتؐ کی طرف ان کاموں (مخلوق و رزق و امانت و احیاء و ناقل) کی نسبت دینا ان ذوات مقدسہ کی تو میں ہے کیونکہ یہ تمام کام ان کے نوکروں چاکروں کا ہے“ ۱۳۶ کبھی اقرار کرتے ہیں کبھی انکار کرتے ہیں۔

ایک اور صاحب ایک جگہ لکھتے ہیں ”ائمہ اہل بیت خالق عالم نہیں ہیں۔ ایسے عقیدہ کو احادیث صحیحہ روکتی ہیں جیسا کہ علامہ مجلسیؒ نے اعتقاد یہ یلیہ میں تحریر فرمایا ہے ”لا تعقد انہم خلقون العالم باموالہ فاعتقد فی صحاح الاخبار عن القول بہ یہ اعتقاد نہ رکھو کہ ائمہ اللہ کے امر سے عالم کو پیدا کیا کیونکہ صحیح احادیث میں اس اعتقاد سے روکا گیا ہے“ (حقائق المعتمد ص ۳۱) مگر ۱۳۷ پر پہنچ کر یہ لکھتے ہیں ”پس اس قاعدہ کی رو سے ثابت ہے کہ غیر اللہ ائمہ اہل بیت علیہم السلام خالق درازق ہیں۔ فعل خلق و رزق ان کا فعل ہے اور یہ شرک نہیں“

کے بسوخت عقل و جبریت کہ اس پر پوچھو البعضی است

کچھ ہے ”درد گورہ حافظہ نیا شد۔“

اس سلسلہ میں تضاد بیانی کی یہ آخری قسم ہے کہ ایک شخص کتاب تالیف کرتا ہے دوسرا اپنے حواشی اور نوٹس دے کر شائع کرتا ہے لیکن جو جو حواشی پر

## مؤلف و ناشر کا باہمی تضاد

سرایم و غنبرہ ام چہ سراید۔ مؤلف کچھ کہتا ہے اور ناشر کچھ ایک کا رخ ایک طرف ہے اور دوسرے کا دوسری طرف مثلاً صاحب جو اسرار ص ۱۳ پر یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں کہ ”بندوں کے رزق ائمہ معصومینؑ کے دستہائے مبارکہ سے جاری کئے جاتے ہیں“ مگر ناشر اسی صفحہ کے ذیلی حاشیہ پر لکھتے ہیں ”بندوں کے رزق کا ائمہ ظاہریؑ کے لئے ائمہوں پر جاری کرنے سے مراد آپ کے وسیلہ و برکات اور توسط سے جاری کرنا ہے“ اسی کتاب کے باب چہارم ص ۱۳ پر بزم خود مؤلف نے ”آنحضرتؐ اور ائمہ معصومینؑ کے عالم غیب ہونے کا اثبات“ کرنے کی سعی حاصل کی ہے مگر ناشر نے ص ۱۳ کے حاشیہ پر یہ کہہ کر سرے سے اس بحث کو لایعنی قرار دے دیا کہ ”جہاں تک پیغمبرؐ و ائمہ معصومینؑ کی عبارات کا مہم غیب سے متعلق دیکھی ہیں۔ سوائے لفظی و اصطلاحی اختلاف کے کچھ نہیں پایا“ اسی طرح مرتب کتاب نے باب ششم ص ۱۳ پر بزم خود یہ ثابت کرنے کے لئے بہت اہم قریب بارے ہیں کہ ”آنحضرتؐ اور ائمہ اہل بیت حاضر و ناظر ہیں“ مگر اسی صفحہ کے ذیلی حاشیہ میں ناشر صاحب رقمطراز ہیں ”نحن لا نفی بالمحاضر الا المحاضر بالنعوق ولا نقول فی بہم موجودون فی کل مکان باجسام علیہا ولا یخلو منهم مکان“ حاضر سے مراد حاضر بالقوہ ہے نہ کہ بالفعل چنانچہ



ہم ہرگز نہیں کہتے کہ وہ متعدد اجسام کے ذریعہ ہر جگہ موجود ہیں۔ اور ان سے کوئی جگہ خالی نہ لگے ایسا ہے کہ اگر یہ ذرات  
مقدر کسی جگہ حاضر ہونا چاہیں تو ان واحد میں خدا کی قدرت سے حاضر ہو سکتے ہیں۔ خواہ وہ جگہ ہزار میل دور ہو یا نزدیک۔  
ہم نے بلا نقد و تبصرہ ان تضادات و تناقضات کے چند تادرنوئے قارئین کرام کی ضیافتِ طبع کے لئے یہاں  
پیش کر دیئے ہیں۔ جن کو دیکھ کر با بصیرت ناظرین ان حضرات کی دینی بصیرت اور تفقہ فی الدین کا با آسانی اندازہ لگا سکتے  
ہیں۔ نیز تحقیق پسند طائفہ انہی اختلافات و تضادات کے اندر اصل حقیقت کا بھی سراغ لگا سکتی ہیں۔ ۵

سکوتی بیان عندھا و کلام دنیہ عبرۃ للعالمین

لیکن آہ ما اکثر العبد و اقل الاعتبار فهل من مذکر۔ ۵

مجلس چوبخشست تماشا بارسید در بزم چوں نمائند کسے جا بہار سید

میب اٹھ گئے بازار سے گامک تو ہم آئے

کسی کتاب کا جواب ایک ہوتا ہے کسی کے دو یا زیادہ سے زیادہ تین یا اصول الشریعہ کے اب تک آٹھ دس جوابات منظر عام پر آچکے ہیں۔ اور نہ رکنے والا یہ سلسلہ ہنوز

جاری ہے ۵

تو اب حقیقتِ حال و حال سے خالی نہیں۔ یا تو ان حضرات کے دل و دماغ پر یہ بات مسلط ہے کہ ان سے اصول الشریعہ کا جواب نہیں دیا جا رہا جیسا کہ ان میں سے ہر ایک اپنی کتاب کو سراہتے ہوئے دوسرے کی کتاب کو لاشعری ظاہر کر رہے (کما ھمع عن بعض التفات) یا یہ حضرات اس جواب نویسی اور کتب فروشی کو آمدنی کا ایک معقول ذریعہ علمی میدان میں سستی شہرت حاصل کرنے کا آسان وسیلہ سمجھتے ہیں۔ بہر حال ۵

تو فی نشا سندہ راز است و گرنہ اینہا ہمہ راز است کہ معلوم عوام است

خدا نے ہمارے قلم میں بفضلہ تعالیٰ اس قدر طاقت و توانائی ودیعت فرمائی ہے۔ ہمارا ردِ عمل

ہو اب پتھر سے دے سکتے ہیں۔ اور انہی کے ردیفِ تافیہ میں جواب آں غزل پیش کر سکتے ہیں۔ اور اگر دین کی اس اجارہ دار مقدس جماعت کی کتابِ زندگی کے صرف چند اوراق پریشان کو منظر عام پر لائیں تو ان کے لئے عرصہ حیات تنگ و زندگی تنگ اور سر چھپانے کے لئے جگہ خفا اور ان کا سارا گھر وند اسی پادر ہوا اٹھ جائے اور ہونگے بھی اس کاروائی میں حتیٰ برباد

لے جس وقت یہ سطور لکھی جا رہی ہیں۔ پاک و ہند کی جنگِ ذہنوں پر ہے۔ اس وقت بھی خطرہ کاسٹرن بچ چکا ہے۔ ہوائی حملوں کا سلسلہ جاری ہے ہمارے شیرازی افواج ہر محاذ پر بادل بھاریوں کو نیر کا جواب پتھر سے دیکر ذلت آمیز شکست دے رہی ہیں۔ دنیا دیکھ رہی ہے۔ (باقی برحق)



مگر جو وہ ہم ایسا نہیں کرنا چاہتے۔

اولاً۔ اصولاً ہم پر جواب دہی کی ذمہ داری عائد ہی نہیں ہوتی۔ کیونکہ ہم نے اس کتاب کی طبع اول میں جو اب توہمی کے لئے دس شرائط مقرر کی تھیں جن میں سے پہلی اور اہم شرط یہ تھی کہ ”ہمارے دلائل و براہین کو من و عن نقل کر کے جواب دیا جائے۔ تاکہ تصویر کے دونوں رخ سامنے آجائے کے بعد قارئین کرام کو حق و باطل کے درمیان امتیاز کرنے میں آسانی ہو۔ مگر ان بڑھم جو اب نو پسندگان میں سے کسی کو بھی یہ توفیق نصیب نہیں ہوئی۔ کہ ہمارے پیش کردہ دلائل کو مست بھی کرے۔ البتہ ان لوگوں کو کتر بیعت کرنے، غلط بحث کرنے، اور ہمارے قوت کو توڑ موڑ کر رائی کا پہاڑ بنانے میں یدِ ملوئی حاصل ہے۔ نہ معلوم و انتہ سکارئی کو علیحدہ کر کے صرف لا تقریبات القلوۃ پیش کرنے والی ذہنیت اس گروہ نے کس مدرسہ میں زانوئے ادب کرنے سے حاصل کی ہے؟

ثانیاً۔ تقریر و تحریر میں سب و شتم اور کذب، افتراء اور غوغا آرائی کی ان حضرات نے جو نیور کھتی ہے۔ وہ ہر کار محمد و آلِ محمد علیہم السلام کی سیرت و کردار اور اخلاق و اطوار سے براہل دُور ہے۔ بلکہ اس سے دشمنانِ اہل بیت کے کردار کا عکس آشکار ہوتا ہے۔ اس لئے سیرتِ آلِ محمد اس قابلِ مذمت و روش و رفتار کے اختیار کرنے سے مانع ہے ہم سب کچھ برداشت کر سکتے ہیں۔ مگر خانوادہ عصمت و طہارت کی مقدس سیرت کے دامن کو ہاتھ سے نہیں چھوڑ سکتے۔ و لکل وجہۃ ہو مولیٰہا اور یہی رب العباد کا ارشاد ہے کہ فادح الی سبیل ربک بالحکمۃ و الموعظۃ الحسنۃ و جادلہم بالتیٰھی احسن۔ مسلمان تو بچائے خود خدا کے جھٹل کا تو یہ فرمان ہے کہ اہل کتاب سے بھی احسن طریقہ پر گفتگو کرو۔ چنانچہ ارشاد فرماتا ہے ولا تعجادوا اهل الکتاب الا بالتیٰھی احسن“ بنا بریں اپنوں کے ساتھ کیونکر شدت و غفلت برتی جاسکتی ہے؟ ورنہ انہی کے ردیفِ قافیہ میں اس انداز میں جواب آئی غزل پیش کر کے ان کی ضیافتِ طبع کی جاتی کہ ساری زندگی اپنے زخم چاٹتے رہتے۔ کیونکہ

ولا یلتام ما جرح اللسان

جراحات السنان لہما التیام

تمہاری خاطر یہ جانتے ہیں کہ تم سے ہم بے خبر رہے ہیں۔

ہمیں بھی آتی ہے بات کرنی مگر نہ کہنا ہی خوب تر ہے

(نفسیہ ماشیہ ص ۶۹) کہ باوجودیکہ دشمن کا اسلحہ اور تعداد ہم سے کئی گنا زیادہ ہے لیکن فتح و نصرت ہر محاذ پر پاک فوج کا تقدس ہیں کہ ان کے پاؤں چوم رہی ہے کیوں؟ معنی اس لئے کہ پاکستانی حق پر ہیں۔ اور ایک عظیم مقصد کے لئے لڑ رہے ہیں۔ جبکہ مخالف کا کوئی بلند نصب العین نہیں بلکہ محض توسیع پسندانہ عزائم کی تکمیل کے لئے بے پناہ مادی طاقت کے گھنٹہ و دل مٹانے پر توجہ آزما ہے۔ لیکن ہماری مرضی ہے کہ لا الہ الا اللہ اور یقیناً رسالت (محمد رسول اللہ) اور نعرۂ سیدِ رحمتی (مسیحی ولی اللہ) کی گونج کے سامنے دشمن کے حیار سے وٹیک دھنی ہوئی گپاس کی طرح فضا سے محیط میں اڑتے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں۔ ان مناظر کو دیکھ کر اب مادہ پرست دنیا بھی یہ بات سمجھنے لگی ہے۔ کہ کامیابی و کامرانی کے لئے جتنی بھی

(باقی رہے)



ثالثاً۔ ہمیں سخت اندیشہ ہے کہ اس نوک جھونک اور بیت بازی سے علماء کا رہا سہا وقار و جس کو یہ لوگ اپنے قول و فعل سے پہلے ہی سخت دھچکا لگا چکے ہیں ابھی خاک میں مل جائے گا۔ بلکہ اس طرح مذہب کا جنازہ نکل جائے گا اور اختیار و اجازت یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گے کہ جس مذہب کے علماء کا یہ اخلاق و کردار ہے۔ ”آں مذہب معلوم و اہل مذہب معلوم“

ہمیں ذاتی وقار و اقتدار سے مذہب و ملت کی فلاح بہود زیادہ عزیز ہے۔ ہم سب کچھ گوارا کر سکتے ہیں مگر دین و مذہب کے وقار پر کچھ آنا برداشت نہیں کر سکتے۔ اس لئے ہم نے ان کے حامد کردہ ذاتی اتہامات اور خرافات کا کوئی ٹوکس نہیں لیا۔ ہاں البتہ اگر کتابوں میں کوئی توجہ کے لائق اور قابل جواب چیز تھی تو اُسے نظر انداز بھی نہیں کیا۔ بلکہ پوری متانت و رزانت سے اس کا جواب پیش کر دیا ہے۔ بعد ازیں اب کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ فلاں جوابی کتاب لا جواب ہے اگر یہ حضرات بنظر غائر اصول الشریعہ کے موجودہ ایڈیشن کا مطالعہ فرمائیں گے تو بزعم خویش اپنے تمام پیش کردہ دلائل و مسائل کا نقد جواب یا صواب ماضی میں گئے انشاء ہمیں خدا نے رحیم کے لطف و کرم اور سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کی تائید و شفاعت پر بعد و سر کرتے ہوئے یقین کامل ہے کہ یہ تمام جوابی کتب برساتی کیرڑوں کی طرح کچھ عرصہ کے بعد اپنی موت آپ مر جائیں گی۔ اور حرف غلط کی طرح صفحہ ہستی سے مٹ جائیں گی اور ہم نے جو مشعل ہدایت روشن کی ہے قیام قیامت تک دنیا اس کی ضیا پاشیوں سے استفادہ و استفادہ کرتی رہے گی انشاء

شہرت کتب گیتی بعد من خواہ شدن

فقد منائی ما عملوا من عمل فجعلنا هباءً منثوراً۔ ہم نے بحسن توفیق گزشتہ حق مار کر باطل کے سر کا مغز نکال کر رکھ دیا ہے۔ بل نقد بالحق علی الباطل فیدمغه فاذا هو زاحق۔ والحمد لله رب العالمین علی حسن توفیقہ لاحقاق الحق و البطل الباطل بالبدلائل والبراہین

**توجہ طلب نکتہ** جس طرح فردن اولیٰ میں ذاتی اقتدار کے بندے اور نام نہاد لیڈران قوم حقیقی مصلحین یعنی انبیاء و مرسلین کو انکارِ عامہ سے گرانے اور ان کے کلام کو غیر مؤثر بنانے کے لئے ان کو شاعر و مجنون، سفیہ و سائل، ساحر و کذاب اور نامعلوم کہن کہن قبیح القاب کے ساتھ یاد کیا کرتے تھے۔ مگر ان امور کو حقیقت کے ساتھ دور کا بھی کوئی

بقیہ عاشیہ متذکرہ افروانی کافی نہیں ہے بلکہ اس کے لئے ”ذکر مجید“ فقرہ ”و ذکر صدق سمانی“ کی اشد ضرورت ہے اور کچھ بذات خود وہ عظیم طاقت ہے کہ اس کے بلند درجہ کو دنیا کی کوئی بھی طاقت بہت و سرگرم نہیں کر سکتی اخذ اللہ العزیز آخر فتح ہماری ہوگی اس لئے کہ ہم حق پر ہیں۔ اسی طرح مولویوں کی اس سنگ بزدلی میں بھی جہاں ہمارے مخالفین کو اپنی حدی کثرت اور وسائل کی برتری پر ناز ہے ہمیں اپنی حقانیت و صداقت پر فخر ہے اس لئے بموجب الحق و یعلو ولا یعلیٰ علیہ اللہ سبحانہ کی نصرت اور سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کی تائید و مدد سے ساتھ ہے اس لئے نفع و نصرت اور کامرانی سارا مقدر ہے۔ (باقی دیکھو صفحہ ۷۰)



تعلق نہ تھا۔ اس لئے عقلا و روزگار پر ان فتنہ پردازوں کے کذب و افتراء کا قطعاً کوئی اثر نہیں ہوتا تھا۔ ہاں البتہ وہم طور پر سادہ لوح لوگوں پر ان کے اس پروپیگنڈے کا کچھ اثر ضرور ہو جاتا تھا۔ اور وہ ان کے دامن تلویر میں آجاتے تھے بلکہ تشبیہ اسی طرح آج بھی منبر و محراب کے بعض اجارہ دار اور قوم کی قیادت و سیادت کے بلا شرکے غیرے دعویٰ اور ان کے بیچارے سادہ لوح عوام کو اپنے علمائے اعلام سے دور رکھنے اور اپنی اجارہ داری کی دکان چمکانے کی خاطر تھا۔ ”وہابی“ مقرر کر رکھا ہے۔ اس لئے جس عالم دین کی تذلیل کر کے اسے انظار عامہ سے گرانہ اور اس طرح اس کے کلام کا غیر مؤثر بنانا مطلوب ہو تو اس پر فوراً ”وہابی“ ہونے کا فتویٰ صادر کر دیا جاتا ہے مگر ظاہر ہے کہ کاشف کی منہ بیا زیادہ دیر چمکے پر نہیں ٹھہر سکتی۔ اور نہ ہی کافذ کی تاؤ زیادہ دیر تک سطح آب پر چل سکتی ہے کچھ جھوٹ کی ناؤ چلتی ہے کیونکہ اس لئے بہت جلد ان کی افتراء پر داری کا پردہ چاک ہو جاتا ہے۔ اور دوسروں کو ذلیل و رسوا کرنے والے اپنے ہاتھ سے کھو دے ہوئے کنوئیں میں گر کر خود ذلیل و رسوا ہو جاتے ہیں کیونکہ ارشاد رسولؐ ہے من حضر بیئرا لہیخہ و فہیخہ یعنی چاہ کن را چاہ در پیش سے

میرے مخالفین ہمیشہ ہوئے ذلیل میری فروتنی لئے کیا عجب کو ارجہ

اور اپنی کیفیت تو یہ ہے کج نہ گلہ ہے دوستوں سے نہ شکایت زمانہ ہے  
میر و وزیر میں مری نگر میں مشت خاک پہنچا سکی نہ گردشِ دوراں مجھے گزند

الحق یعلو ولا یعلیٰ علیہ حق و تحقیق پر ہزار پروے ڈالے جائیں مگر قدرت کا علم اپنے دست قدرت سے ان مقام پر کو چاک کر دیتی ہے۔ اس لئے ہمیشہ حق کا بول بالا ہوتا ہے۔ وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے۔

مقام شکر ہے کہ اس گئے گزرے دور میں بھی کم ہی سہی (و قلیل من عبادی الشکور) ہماری قوم میں خدا کے فضل و کرم

سے کچھ خود دین، خدا میں اور جہاں میں افراد موجود ہیں جو حق و باطل، عالم و جاہل اور صالح و فاجر میں امتیاز کرنے کی اہلیت

و یافت رکھتے ہیں۔ وہ ہر فرق کی روش و رفتار، کردار و گفتار اور اپنے اپنے موقف پر ان کے پیش کوفہ دلائل کا جائزہ لے

کے آسانی حق و باطل کا فیصلہ اور علماء حق و علماء سوا کے درمیان امتیاز کر سکتے ہیں اور وہ اس بات کو بھی آسانی معلوم کر سکتے

ہیں کہ یہ دنیا و مہو اور فتنہ و فساد کی جو نیو کرتی ہوئی دیوار کو سہارا دینے کی خاطر ہے۔ یا اس میں درد قوم و ملت کا جذبہ کار

ہے یا ہرجال سے نہیں ہے تا امید اقبال اپنی کشت ویراں سے ذرا تم ہو تو یہ مٹی جڑی زرخیز ہے ساقی

ہم نے اس کتاب میں یہ انتہام کیا ہے کہ ہر مسئلہ و موضوع پر پہلے قرآن مجید کی آیات، حکامات پیش کی ہیں اس کے

بقیہ ماشاء اللہ، قدمہ کا مکمل حصہ ہے ”حقاً علینا نصر المؤمنین“ اس لئے کچھ عکس نہیں شائع تا م نشان ہمارا نہ نصرون اننا

و فتح قریب (من عطف من)



جناب رسول خدا اور ائمہ ہدی کی مستند احادیث درج کی ہیں۔ بعد ازاں قریباً چودہ سو سال کے مشہور شیعہ علماء اعلام ط  
 واساطین اسلام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بیانات مقتبر حوالہ جات سے قلم بند کئے ہیں۔ اور سب کے آخر میں دوسرے  
 فریق کے وہ تمام شکوک و شبہات جو وہ پیش کیا کرتے ہیں یا اس مقام پر پیش کئے جاسکتے ہیں پیش کر کے ان کے مکمل و دل  
 تحقیقی جوابات پیش کر دیئے ہیں تاکہ اتمام حجت میں کسی قسم کی ذرہ برابر بھی کوئی کمی نہ رہ جائے۔ اور طالبان حق کے لئے  
 حق و صدق اپنی پوری تاب و تابش اور جلوہ ریزی و دنیا خیزی کے ساتھ اس طرح سامنے آجائے کہ ظلمت کذب و باطل  
 کے تمام تیرو و تار بادل چھٹ جائیں۔ اور یہ خاکدانِ عالم بقعہ نور بن جائے یہدی بہ اللہ من اتبعہ رضوانہ  
 سبل السلام مع تعاضط بہت مشکل اس بل معانی بکا : کہہ ڈالے قلندر نے اسرار کتاب آخر  
 ان فی ذلک لذکرى لمن کان له قلب او النقی السمیع و هو شهید و السلام علی من اتبع الهدی۔  
 وانا الاحقر محمد حسین عفی عنہ

شب و شنبہ ۱۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۶ھ مطابق ۲۸ ستمبر ۱۹۶۶ء

بوقت ۱۱ بجے شب

سرگودھا

طبع ثانی :- SIBTAIN.COM

۱۸ دسمبر ۱۹۶۱ء بمطابق ۲۸ شوال ۱۳۹۱ھ

بروز شنبہ بوقت پونے چھ بجے شام

کاتب (نبد) وزیر حسین شیرازی

سرگودھا

طبع ثالث :-

۲۸ فروری ۱۹۸۳ء بمطابق ۱۴ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۳ھ

بروز سوموار بوقت سوا بارہ بجے دن

والحمد للہ



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
وَبِهِ نَسْتَعِينُ

# أُصُولُ الشَّرِيعَةِ فِي عَقَائِدِ الشَّيْعَةِ

الحمد لله الذي لا يبلغ مدحته القائلون - ولا يحصى نعمائه العادون - ولا يؤدي حقه المجتهدون - الذي لا يدركه بعد الهمم ولا يتاله غوص الفطن الذي ليس لصفتهم حد محدّد ولا نعت موجود ولا وقت معدود ولا أجل ممدود فطر الخلائق بقدرته ونشر الرياح برحمته ورتد بالصخور ميدان ارضه - الحمد لله العلي عن شبه المخلوقين - الغالب لمقال الواصفين - الظاهر بعجايب تدبيره للناظرين - والباطن بجلال عزته عن توهم المتوهمين - العالم بلا اكتساب ولا ازدياد - ولا علم مستفاد - المقدس لجميع الامور بلا روية ولا ضمير وشرائط صلوته ونوامي بركاته على محمد عبده ورسوله الخاتم لما سبق - والفتاح لما الخلق والمعلن الحق بالحق والدافع جيوشات الابطال الدامغ صولات الاضاليل - القائه على امرة والحافظ على عهد - الذي ارسله منذير للعالمين وعلى اله الطاهرين الذين هم اساس الدين وعماد اليقين اليهم يفيى الغالى وبهم يلحق البتالى - الى يوم الدين - اما بعد

جیسا کہ مقدمہ میں تفصیلاً بتایا جا چکا ہے کہ ہم بفضلہ حسن توفیقہ مذہب شیعہ خیر البریہ کے تمام اصول عقائد کے فریقہ تحریر سے دلائل قاطعہ و براہین ساطعہ کے ساتھ احسن الفوائد فی شرح العقائد کا کام کر سکرے ہیں۔ اب اس کتاب مستطاب میں ان عقائد و مسائل کا تکرار و اعادہ کرنا مقصود نہیں ہے مذہب شیعہ کے تمام تفصیلی عقائد مع الدلائل دیکھنے اور پھر ان عقائد کی روشنی میں اپنے اعتقادات و نظریات کی اصلاح کرنے کے خواہش مند حضرات اس کتاب مستطاب کی طرف رجوع فرمائیں۔ یہاں تو محض موسم وہ دور کے ان بعض اعتقادی مسائل و عقائد







## ترجمہ حدیث

اس جلیل القدر حدیث کی شرح و بسط کے لئے تو ایک دفتر درکار ہے لیکن ہم بقا ضائع وقت و گنجائش صرف اسکے مطلب خیر و زحمہ پر اکتفا کرتے ہیں۔ حضرت شہزادہ عبدالعظیم بیان کرتے ہیں کہ میں ایک بار اپنے مولا و آقا حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سبب آنجناب نے مجھے دیکھا تو فرمایا: مرہبا! اے ابوالقاسم! تم ہمارے حقیقی موالی ہو۔ میں نے عرض کیا: فرزند رسول! میں چاہتا ہوں کہ اپنا دین و اعتقاد آپ کی خدمت میں پیش کروں تاکہ اگر پسندیدہ ہو تو تازیت اس پر ثابت قدم رہوں (اور بصورت دیگر اس سے عدول کروں) امام عالی مقام نے فرمایا: ہاں اے ابوالقاسم! پیش کرو۔ میں نے عرض کیا: توحید کے بارے میں میرا عقیدہ یہ ہے کہ خداوند عالم ذات و صفات میں واحد و یگانہ ہے کوئی بھی اس کا ہمسر و نظیر نہیں ہے۔ وہ الہال و تشبیہ کی دونوں حدود سے خارج ہے (نہ تو وہ محفل محض یعنی دم ہے اور نہ ہی ذات و صفات میں مخلوق کی مانند ہے) اور نہ وہ ہم و صورت رکھتا ہے اور نہ ہی وہ عرض و جوہر کی قسم سے ہے بلکہ وہ جسموں کو جسم بنانے والا صورتوں کو صورت عطا کرنے والا اور اعراض و جوہر کا خالق ہے۔ پھر خالق اپنی مخلوق اور صانع اپنی مصنوعات کے ساتھ کیونکر متعسف ہو سکتا ہے؟ وہ کائنات کی جہیز کار رب اور خالق و مالک ہے۔ اور نبوت کے متعلق میرا عقیدہ یہ ہے کہ جناب محمد مصطفیٰ اللہ سبحانہ کے بندہ خاص، اس کے رسول اور تمام انبیاء کے سلسلہ مبارکہ کے ختم کرنے والے ہیں۔ اب قیامت تک ان کے بعد کوئی (نبی یا پرا تا نبی بحیثیت) بنی نہیں آ سکتا اور امامت کے بارے میں) میرا اعتقاد یہ ہے کہ رسالت آپ کے بعد ان کے جانشین امام برحق اور ولی امر حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب ہیں ان کے بعد حضرت امام حسن۔ ان کے بعد امام حسین پھر حضرت علی بن الحسین پھر حضرت محمد بن علی۔ پھر جعفر بن محمد پھر حضرت موسیٰ بن جعفر پھر حضرت علی بن موسیٰ پھر حضرت محمد بن علی اور ان کے بعد آپ امام برحق ہیں جب شہزادہ عبدالعظیم کا سلسلہ کلام بیان تک پہنچا تو امام عالی مقام نے فرمایا: اور میرے بعد میرا جانشین (عسکری) امام ہوگا۔ اور اس وقت لوگوں کی کیا حالت ہوگی؟ جب حسن عسکری کے خلف (صالح) کا دور ہوگا۔ شہزادہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: میرا آقا! اس وقت کیا حالت ہوگی؟ امام نے فرمایا: راجح غیبت کبریٰ، نہ تو وہ دکھائی دیں گے اور ان کے ظہور تک ان کو ان کے مخصوص نام (مرحوم) سے یاد کرنا بھی ممنوع ہوگا۔ ہاں جب ظہور فرمائیں گے تو زمین کو عدل و انصاف سے اس طرح بھر دیں گے جس طرح اس سے قبل ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی۔ شہزادہ کا بیان ہے میں نے (یہ سن کر) عرض کیا میں ان کی امامت و خلافت کا یہی اقرار کرتا ہوں۔ پھر اپنے عقائد کا سلسلہ جاری کرتے ہوئے کہا: اور میرا یہی عقیدہ ہے کہ جو شخص ان ائمہ اہل بیت کے دوست ہے وہ خدا کا دوست ہے اور جو ان کا دشمن ہے وہ خدا کا دشمن ہے۔ ان کی اطاعت خدا کی اطاعت اور ان کی نافرمانی خدا کی نافرمانی ہے اور میرا یہی عقیدہ ہے کہ جسمانی (معراج رسول) برحق ہے اور قبر میں سوال و جواب کا ہونا بھی برحق ہے۔ اسی طرح جنت و جہنم کا وجود بھی برحق ہے اسی طرح پل صراط اور اعمال کا میزان عدل پر تو لانا بھی برحق ہے اور یہ کہ قیامت ضرور آئے گی اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے ایک دن ضرور خدا کے تعالیٰ مردوں کو زندہ کرے گا۔ اور میرا



یہی عقیدہ ہے کہ ولایت اہل بیت کے بعد مندرجہ ذیل امور (اہم) واجب ہیں۔ نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، جہاد اور بالمعروف و نہی من المنکر حضرت امام علی نقی علیہ السلام نے یہ اعتقادات حقہ ساعت فرما کر فرمایا، اے ابوالقاسم! خدا کی قسم یہی وہ خدا کا پسندیدہ دین ہے جسے اُس نے اپنے بندوں کے لئے منتخب فرمایا ہے (ان الدین عند اللہ الاسلام ومن یتبع غیر الاسلام دینا۔ فلن یقبل منه و هو فی الاخوة من الخمسین) اس پر ثابت قدم رہو۔ خدا تمہیں دنیا و آخرت میں اس پر ثابت قدم رکھے۔

**اس حدیث کی جامعیت کے متعلق جناب غفرانما کا بیان** | حضرت علامہ سید ولد علی غفرانما نے عماد الاسلام میں اس حدیث شریف کو درج کرنے کے بعد اس کی جامعیت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے "هذا الحديث الشريف مشتمل على عقائد الشيعة الامامية ومعظم الاصول الاثنا عشرية ولذلك المعصوم عليه السلام حسنه واشنى عليه وقال مشيراً اليه هذا دين الله الذي ارتضاه" (رج ۱ ص ۱۸) یعنی یہ حدیث شریف حضرات شیعہ امامیہ کے اکثر اصول و عقائد پر مشتمل ہے۔ اسی وجہ سے امام معصوم علیہ السلام نے اس کی تحسین و تعریف فرمائی ہے۔ اور اس کی اسی جامعیت کے پیش نظر فرمایا ہے کہ یہی خدا کا پسندیدہ دین ہے۔

**ارباب عقل و انصاف کیلئے لمحہ فکریہ** | ناظرین کرام مکرر مکرر اس حدیث شریف پر غور فرمائیں کہ اس حدیث میں عقائد حشہ ایمانیہ کو کس صاف و سادہ اور دلنشیں انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ آیا اس میں موجودہ دور کی لابیائی بجائے عقائد کی طرف کوئی اشارہ تک موجود ہے؟ جن کو آج کل صرف مورقیل و قال اور مرکز جنگ و جدال ہی نہیں بلکہ انہی پر اسلام و ایمان کا دار و مدار سمجھا جا رہا ہے مثلاً یہ کہ ائمہ اطہار معتمدین نور ہیں۔ وہ نوع انسانی کے افراد کاملہ نہیں بلکہ ان کی نوع علیحدہ ہے۔ وہ باذن اللہ خالق و رازق اور محی و ممیت ہیں اور یہ کہ وہ عالم الغیب ہیں اور وہ ہر وقت ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔ الی غیور ذلک من العقائد المختلعة۔ اس حدیث شریف ہی پر کیا منحصر ہے۔ اس قسم کی تسنن قدر اہادیت معتبرہ کا ذخیرہ موجود ہے جن میں عقائد امامیہ کا تذکرہ ہے۔ یادہ روایات جن میں بعض اصحاب ائمہ کا اپنے اعتقادات کو بغرض تصحیح و تصدیق بارگاہ معصومین صلوات اللہ علیہم اجمعین میں پیش کرنے کا تذکرہ ہے (جن کا ایک شمع مندرجہ کتاب میں بیان کیا جا چکا ہے) میں بھی ان غیر ضروری مسائل بلکہ غلط عقائد کا نام و نشان تک نہیں لٹا جس سے یقینیت واضح و آشکار ہو جاتی ہے کہ ان غلطی غلط بات کو ایمانیات و اعتقادات میں سرگز کوئی دخل نہیں ہے۔

ذرا سی بات حق اندیشہ عجم نے اے بڑھا دیا ہے فقط زیب داستان کے لئے

اس قدر تمہیری بیانات کے بعد اب ہم اصل مقصد کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ وہاں التوفیق و بیاد ارضۃ التحقيق۔



## پہلا باب

انبیاء و ائمہ علیہم السلام کی علیحدہ نوع ہونے یا بنی نوع انسان کے اہل اکمل افراد ہونے کا بیان

اہل افراط یعنی خلافت اور مقروضہ کے طبع اور عقائد و نظریات میں سے ایک نظریہ فاسدہ یہ بھی ہے کہ انبیاء و ائمہ علیہم السلام نوع انسانی کے افراد کامل نہیں بلکہ ان کی نوع علیحدہ ہے۔ اس غلط عقیدہ کی بنیاد انہوں نے ایک عجیب مقروضہ پر قائم کی ہے کہ ہر منطقی نوع کے لئے "جنس" و "فصل" کا ہونا ضروری ہے جن سے مل کر نوع عالم وجود میں آتی ہے اس لئے ان لوگوں نے ان ذوات مقدسہ کی جنس "بشر" اور فصل "وحی" کو قرار دیتے ہوئے علیحدہ نوع تجویز کی ہے اس سلسلہ میں ان کجیانات کا خلاصہ انہی کے الفاظ میں یہ ہے۔

"تعاریف نبی جو خداوند عالم نے کی ہے وہ اپنے افراد پر حاوی ہے اور غیر افراد اس میں داخل نہیں ہو سکتے۔ مقل انصاف البشر مثلاً یوحی الی" لفظ "بشر" جنس ہے تمام انسان بشر میں شریک ہیں۔ اور مساوی ہیں اور نبی بھی بشر ہے فصل "میز" یوحی الی" ہے جو نبی کو عام انسانوں سے جدا و متمیز کرتی ہے جس طرح انسان حیوان ناطق "یا انسان حیوان ناطق" انسان حیوان ناطق ہے یا انسان وہ حیوان ہے جو نطق رکھتا ہے، میں حیوان جنس ہے جس میں تمام انسان و حیوان شریک و مساوی ہیں اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ انسان حیوان میں شریک ہونے سے گھوڑا، گدھا بن جائے۔ اسی طرح انسانوں میں نبی بشر کی حیثیت سے شریک ہونے میں نبی عام انسان زیر، بکر جیسا نہیں بن جائے گا۔ ناطق یا نطق ملانے سے انسان تمام حیوان سے متمیز و ممتاز ہو جائے گا۔ اسی طرح لفظ "بشر جنس" ہے اور یوحی الی" ملانے سے نبی دوسرے بشروں اور انسانوں سے جدا و ممتاز ہو جائے گا۔ نہ نطق میں حیوان شریک ہے نہ عام انسان یوحی الی" میں شریک ہے۔ نطق صرف انسان ہی کی صفت ہے اور وحی صرف نبی کی صفت ہے لہذا نبی اور عام انسانوں میں وہی فرق ہے جو عام حیوان اور انسانوں میں فرق ہے۔"

اس نظریہ کے ابطال اور انبیاء و ائمہ کے نوع انسانی کے اہل اکمل افراد ہونے کے اثبات پر دلائل قرآن کریم، احادیث

مقصود میں اتفاق علماء کمالین و عقل سلیم کی روشنی میں

یادوران ایمانی پر مخفی دستور نہ رہے کہ یہ نظریہ فاسدہ قرآن کریم، تعلیمات معصومین، اتفاق



مقتدین و متاخرین اور مسلمات عقل سلیم کے سراسر خلاف ہونے کی وجہ سے واجب الرد اور قطعاً ناقابل قبول ہے ہم ذیل میں اس کے ابطال پر چند عقلی و سمعی دلائل قاطعہ و براہین ساطعہ پیش کرتے ہیں۔ تاکہ اس اعتقاد کا بالکل بے بنیاد ہونا تمام دنیا پر واضح و عیاں ہو جائے۔

**پہلی دلیل** یہ قیاسی نظریہ ان حضرات کے علم معقول (منطق و فلسفہ وغیرہ) سے بالکل تہی و امن ہونے پر دلالت کرتا ہے ورنہ اس فن کے فضل مکتب بھی یہ حقیقت جانتے ہیں کہ جنس و فصل کا شمار ذاتیاتِ ثنوی میں ہوتا ہے۔ ذکرِ صفیات میں۔ یعنی انواعِ عالم میں ہے کوئی بھی نوع جنس و فصل کے بغیر کتمِ عدم سے نکل کر منفہ شہود پر قدم نہیں رکھ سکتی۔ خلاصہ یہ کہ جنس و فصل کے بغیر کسی بھی نوع کا وجود ہی آنا محال ہے کیونکہ اس کی ماہیت و حقیقت کی ایک جزء جنس اور دوسری جزء فصل ہے۔ بنا بریں یہ ایک مستکہ حقیقت ہے کہ کوئی بھی نوع کسی وقت بھی (جنس کی طرح) اپنی فصل سے علیحدہ نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ شرح مطالع مطہرہ اسلامبول ص ۵۹ پر ذاتی کے یہ معنی لکھے ہیں۔ ”وہو ما یکون جزء ماہیۃ الشئ“ جو کسی ماہیت و حقیقت کی جزء ہو پھر فصل پر بیان کیا ہے کہ اس کی دو قسمیں ہیں ”والذاتی اما جنس او فصل“ ایک کا نام جنس ہے اور دوسری کا فصل ہے۔ اور ص ۵۸ پر ذاتی کے خواص شمار کرتے ہوئے لکھا ہے ”والذاتی یمتنع رفعہ عن الماہیۃ ای اذا تصور مع الماہیۃ امتنع الحکم بسلبہ عنہا و یجب اثباتہ لہا ای لا یکن تصورہا الا مع تصورہ۔ موصوفہ بہ و یتقدم علیہا فی الوجود الذہنی وال خارجی الخ یعنی کسی شئی کی ذاتی کا اس سے علیحدہ ہونا ناممکن ہے۔ یعنی جب بھی شئی کے ساتھ ذاتی کا تصور کیا جائے تو اس کا اثبات شئی کے لئے واجب اور علیحدگی محال ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ کسی شئی کا تصور بھی اس کی ذاتی کے بغیر ناممکن ہے اور یہ ذاتی اس شئی پر وجود ذہنی و خارجی میں مقدم ہوتی ہے۔“ (لقدّم المجزوم علی المکل)

اسی طرح کتاب نقد الآثار والمنطق ص ۲۴۹ پر ذاتی کے خصوصیات شش گانہ بیان کرتے ہوئے پہلی خصوصیت یہی لکھی ہے کہ عدم تحقق الشئ بدو نہ کہ شئی اس کے بغیر وجود میں نہیں آ سکتی۔

پھر تیسری خصوصیت یہ بیان کی ہے کہ ماکان بیقین الثبوت للشئ وممتنع الحکم بسلبہ یعنی اس کا ثبوت نئی کیے تین ہو (محتاج دلیل نہ ہو) اور اس سے جدا ہونا محال ہو۔ اور پانچویں خصوصیت یہ تحریر فرمائی ہے کہ ما یتقدم علی الشئ فی الوجود الذہنی وال خارجی فقد ما ذاتیاً لا احتیاجاً بذاتہ الیہا بحسب الوجود۔ یعنی ذاتی وہ ہوتی ہے جو شئی سے اس کے وجود ذہنی و خارجی میں تقدم ذاتی رکھتی ہو کیونکہ شئی اپنی ذات و ماہیت میں اس کی طرف محتاج ہوتی ہے۔ (ایسا ہی افادہ منطق کی مشہور کتب محمد اللہ اور قاضی وغیرہ میں فرمایا گیا ہے) الغرض یہ ایک ایسی مستکہ حقیقت ہے

لہٰذا کہ اب تم میں مذکور ہے اس طرح طبعِ اولیٰ میں ہم نے قاضی کے ساتھ حمد اللہ کا بھی حوالہ دیا تھا۔ اس پر کھڑو کے بعض ممتاز الافاضل ذاتی اگلے صفحہ پر



کہ کوئی معمولی بڑھا کھا اور غفلت مند انسان اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ جس طرح نطق کے بغیر (جو کہ اس کی فصل ہے) انسان کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ (والد حیوان ناطق) تو اگر اسی طرح وحیؑ بنی کی فصل ہے تو اس کے بغیر بنی کا تصور بھی ناممکن ہوگا۔ بنا بریں حقائق آئیے اس بات کا جائزہ لیں کہ آیا وحیؑ ذات بنی میں داخل ہے یا نہ؟ آیا بنی کا وجود اس کے بغیر متحقق ہو سکتا ہے یا نہ؟ اس سلسلہ میں قرآن مجید کی صریح نصوص موجود ہیں۔ ہم سے واضح ہوتا ہے کہ وحی بنی کی ذات میں داخل نہیں ہے اور اس کے بغیر نہ صرف یہ کہ بنی کا تصور ممکن ہے۔ بلکہ جو خدا وحی بھی ممکن ہے۔ یہاں صرف ایک آیت پیش کی جاتی ہے، ارشاد قدرت ہے وکذٰلک اوحینا الیک روحا من امرنا ما کنْتَ تدری ما الکتّاب ولا الایمان ولکن جعلناہ نوراً فہدی من نشانہ (پہلے سورہ یٰس ۱۶) اور اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے روح الامین کو تمہاری طرف وحی کے ساتھ بھیجا جس کے پہلے تم یہ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا چیز ہے۔ اور نہ یہ کہ تعلیم ایمان کیا چیز ہے لیکن ہم نے اُس کو ایک نور قرار دیا جس کے ذریعہ سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہیں ہدایت کر دیں۔ (زمرہ ۱۸) اور اسی طرح ہم نے تیری طرف اپنے امر سے ایک روح وحی کی توہین جان سکتا تھا کہ کتاب کیا چیز ہے اور نہ ہی ایمان لیکن ہم نے اسے نور قرار دیا تاکہ ذریعہ ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں۔

(بغیر حاشیہ) پاس بتائیں نے اپنی جوابی کتاب میں ”مدرسین کو کتب درسیکا بھی علم نہیں ہے“ کا عنوان قائم کر کے غلط جذبات کی رو میں بکریا اپنی طبعی عمر کے تقاضوں سے مجبور ہو کر لکھنے کے نصاب تعلیم کی تعریف کرتے ہوئے پاکستان کے نصاب مولوی فاضل کے ساتھ ساتھ نجف اشرف جیسے مرکز علم و ایمان کے نصاب تعلیم پر بھی ہاتھ صاف کر دیئے اور یہ نہ سوچا کہ نجف اشرف کا نصاب و مقام تو بہت اونچا ہے خود مولوی فاضل کا کورس ایسا ہے کہ ہم نے لکھنے کے کئی ممتاز الافاضل پاس حضرات کو کئی کئی بار امتحان مولوی فاضل دیتے اور اس میں ناکام ہوتے دیکھا ہے۔ بہر حال یہ صاحب کہنا یہ چاہتے تھے کہ یہاں حمد اللہ کا کام خلد لکھا گیا ہے۔ کیونکہ یہ مسئلہ منطق کی بحث تصورات سے متعلق ہے اور حمد اللہ میں سرے سے یہ بحث ہے ہی نہیں۔ کیونکہ وہ صرف تصدیقات کے مباحث پر مشتمل ہے انہوں نے یہ تنقید شدید کرنے وقت یہ نہ سوچا کہ بعض اوقات ایک حقیر کے بعض مباحث متعلقہ کتب میں ضمنی حیثیت سے دوسرے بعض حصوں میں لگاتار آتے ہیں۔ چنانچہ ہمارے متعلقہ مسئلہ کی یہی نوعیت ہے اور اس کا اصل مقام کو بحث تصورات ہی ہے مگر ضمنی حیثیت سے تصدیقات میں بھی آگیا ہے جیسے ہم اس کے مقام کی نشاندہی کئے دیتے ہیں حمد اللہ ص ۵۵۵ طبع مفید عام لاہور مع حاشیہ فاضل ٹوکی۔ میں حمل شائع متعارف کے ضمن میں لکھا ہے: فان الجنس والفصل والنوع وان کانت موجودۃ بوجود واحد بالذات یعنی اگرچہ جنس، فصل اور نوع ایک ہی وجود سے موجود ہیں۔ اس کے حاشیہ نمبر ۱ پر فاضل ٹوکی نے یہ فاضلانہ حاشیہ لکھا ہے ”حاصلہ ان کلاما من الجنس والفصل والنوع وان کانت موجودۃ بوجود واحد بالذات و متحدۃ فیہما بینہما اتحادا کذلک کما هو المحقق الا ان مفہوم الجنس والفصل واحد فی مفہوم النوع فلا یتصور وجودہ فی مرتبۃ من المراتب الا ویكون وجودہما فی ضمنہ الخ (۵) یعنی اس کلام کا حاصل یہ ہے کہ جنس، فصل اور نوع اگرچہ بالذات ایک ہی وجود کے ساتھ (خارج میں) موجود رہتے ہیں مگر



(۲) اور اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے روح (الامین) کو تہااری طرف وحی کے ساتھ بھیجا جس کے پہلے تم یہ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا چیز ہے اور یہ کہ تعلیم، ایمان کیا چیز ہے لیکن ہم نے اس کو ایک نور قرار دیا جس کے ذریعے سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہیں ہدایت کر دیں (ترجمہ مقبول)

ہم اس وقت اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتے کہ آنحضرت کی خلقت کے بعد کتنا وقت ایسی حالت میں گذرا کہ کیا یہ کیفیت کسی وقت میں تھی یا مکان میں؟ یا صرف ایک حالت تھی؟ کیونکہ اس موضوع پر آج سے قریباً نصف صدی پہلے بعض علماء میں بہت بحثیں ہو چکی ہیں۔ اور اس سلسلہ میں بعض مستقل کتابیں بھی منظر عام پر آ چکی ہیں۔ ہر کیف محتاط سے محتاط الفاظ میں اس قدر تو اس آیت مبارکہ سے عبارتہ النص واضح ہوتا ہے کہ ایک وقت (اگرچہ بالکل مختصر ہو) ایسا ضرور تھا۔ کہ آنحضرتؐ تو موجود تھے (خلقت اولی روحانی و نورانی ہی تھی) لیکن ہنوز وحی کا سلسلہ جاری نہ ہوا تھا۔ اور نہ ہی الہی روح القدس کے ساتھ ارتباط قائم ہوا تھا۔ مزید اطمینان قلب کے لئے اس آیت مبارکہ کی تفسیر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے وہ ملاحظہ کریں۔ انہ سئل من العلم اھو شئ یتعلمہ العالم من افوال الرجال ام فی الکتاب عندک تقرؤنہ فتعلمون منہ قال الامرا عظم من ذلک و اوجب اما سمعت قول اللہ عزوجل و کذلک اوحینا الیک روحاً من امرنا ما کنت تدہی ما الکتب ولا الایمان ثم قال ای شئ یشئ یقول اصحابک فی ہذہ الایۃ یتقرون انہ کان فی حال ما یدہی ما الکتب ولا الایمان فقلت لا ادہی جعلت فداک ما یقولون قال بلی قد کان فی حال لا یدہی ما الکتب ولا الایمان حتی بعث اللہ عزوجل الروح النبی ذکری فی الکتاب فلما اوحاھا الیہ علم بہا العلم والفہم وھی الروح النبی یعطیھا اللہ عزوجل من شاء فاذا اعطاھا عبداً اعلمہ الفہم یعنی امام سے اپنے علم کے متعلق سوال کیا گیا۔ کہ عالم (امام) لوگوں کے مونہوں سے اسے حاصل کرتا ہے۔ یا آپ کے پاس کسی کتاب میں لکھا ہوا ہے جسے آپ پڑھ کر معلوم کر لیتے ہیں یا انہما نے فرمایا اصل حقیقت اس سے اجل و ارفع ہے۔ کیا تم نے ارشاد خداوندی نہیں سنا و کذلک اوحینا الیک روحاً۔ پھر فرمایا۔ تمہارے اصحاب اس آیت کے متعلق کیا کہتے ہیں آیا وہ یہ اقرار کرتے ہیں۔ کہ آنحضرتؐ پر ایسی حالت بھی گذری ہے

(بقیہ ماضیہ) میں اور دونوں (جو خارجی و فہمی) میں ان کے درمیان ایسا ہی ذاتی اتحاد پایا جاتا ہے مگر جس فضل کا مفہوم نوع کے مفہوم میں اس طرح داخل ہے کہ کسی خارجی یا فہمی مرتبہ وجود میں نوع کا تصور بھی ان دونوں کے بغیر نہیں کیا جاسکتا۔ اس پوری عبارت پر بالعموم اور خط کشیدہ مقام پر بالخصوص مکرر نظر الیں۔ کیا یہی بعینہ ہمارا متعلقہ مسئلہ نہیں ہے؟ ایسے حضرات پر شیعوں کی طرف منطبق ہوتا ہے۔ و قل للذی یدعی فی العلم فلسفۃ حفظت شینا و غابت عنک انشیاء ہا غلغلا نہ مشورہ ہے کہ شیعوں نے باہمی کرے کوئی تو لازم ہے شعور (منہ معنی عنہ)



کہ وہ کتاب دایمان کو نہ جانتے تھے؛ راوی کہتا ہے میں نے عرض کیا کہ میں آپ پر قربان ہو جاؤں مجھے تو معلوم نہیں کہ وہ کیا کہتے ہیں؛ امامؑ نے فرمایا کہ ہاں ایک حالت ایسی تھی کہ آنحضرتؐ نہیں جانتے تھے کہ ایمان کیا ہے اور کتاب کیا ہے یہاں تک کہ خداوند عالم نے وہ روح ان کو عطا کی جس کا ذکر اس نے قرآن میں فرمایا ہے پس جب خدا نے یہ روح ان کو عطا فرمائی تو اس وقت ان کو خاص علم و فہم عطا ہو گیا۔ پس یہ وہ روح ہے کہ اپنے بندوں میں سے خدا جس (نبی یا امام) کو عطا فرمادے تو اسے اس کے ذریعے سے خاص علم و فہم بھی عطا فرمادیتا ہے۔ تفسیر صافی ص ۲۵۷ و تفسیر ربان ج ۴ ص ۱۳۳ و اصول کافی ص ۱۳۱، انہی کتب کے انہی صفحات پر اس امر کے بھی مختلف، متعدد احادیث موجود ہیں کہ اس روح سے روح القدس مراد ہے۔

لہذا ان متناقض کی روشنی میں روز روشن کی طرح یہ حقیقت واضح و آشکار ہو جاتی ہے کہ وہی کوئی مفصل متمیز نہیں قرار دیا جاسکتا البتہ تشریحی وحی خاصہ نبوت و رسالت میں سے ہے و خاصۃ الحق ما یوجد فی الشیء ولا یوجد فی غیرہ یعنی کسی چیز کا خاصہ وہ ہوتا ہے جو اس کے بغیر کسی اور چیز میں نہ پایا جائے۔ مگر خاصہ کا شمار فضیلتِ نبوی میں ہوتا ہے نہ آیات میں کما لا یخفی علی اولی الابصار۔ ہاں اگر یہ حضرات اہل منطق کی اصطلاح کے خلاف مفصل متمیز سے مراد خاصہ ہی لیتے ہیں تو یہ بات ہے و لا مشاحۃ فی الاصطلاح لیکن اس سے ان ذوات مقدسہ کی نوع تو علیحدہ ثابت نہیں ہو سکتی۔ کما ہوا وضح من ان عینی۔

SIBTAIN.COM

۱۔ اس مقام پر اکثر جو ابغویہ نگاہ نے عجیب گل کھلائے ہیں۔ گرجے میں برسنے میں اور عجیب اتہام لگانے میں۔ مگر کوئی علمی و تحقیقی چیز پیش نہیں کر سکے اور نہ ہی یہ ان کے بس کا روگ ہے بعض نے یہ لکھا ہے کہ آیت میں تفسیرِ علیہ سالیہ بانقضاء الموضوع ہے یعنی آنحضرتؐ کو جبکہ ابھی خلعتِ وجود ہی نہیں ملی تھی اس وقت کتاب دایمان کا علم بھی بانقضاء یہ درست ہے کہ تفسیرِ سالیہ بعض اوقات انتفاء موقوفہ سے بھی صادق آتا ہے جس طرح کہ انتفاء محمول سے صادق آتا ہے۔ مگر یہ فیصلہ قرآنِ عالیہ و مقالیدہ دیکھ کر ہی کیا جاسکتا ہے کہ کس جگہ اس کا صدق محمول کے انتفاء سے ہے اور کہاں موضوع کے منتفی ہونے کی وجہ سے؟ اس مقام پر جب روایات اہل بیتؑ میں صحت موجود ہے کہ روایات فی حال مایداری ما الکتاب و لا الایمان یعنی ایک ایسی حالت بھی تھی کہ آنحضرتؐ تھے مگر علم کتاب و بیان نہ تھا تو بعد ازیں بھی یہ کہتا کہ یہاں تفسیرِ سالیہ بانقضاء موضوع ہے تفسیر بالارے نہیں تو اور کیا ہے؟

اور بعض نے تحقیقِ انیق فرمائی کہ اس مقام پر وحی سے مراد فطری وحی ہے جس طرح آیت و اوحینا الی الخلد ہم نے شہد کی کھئی کہ وحی کی، جس فطری وحی مراد ہے یعنی ہم نے یہ چیز اس کی فطرت میں ردیعت کر دی۔ اور یہ قیاس کرنے والے نے اس قدر بھی نہ سوچا کہ یہ قیاس اور وہ بھی مع الفارقی ہے جو عند النکل باطل ہے۔ اشرف الانبیاء کا قیاس شہد کی کھئی پر کرنا۔ کیا اس میں شان رسالت کا انتفاء نہیں؟ سالانہ اہل بیتؑ کی روایات متفقہ میں وارد ہے کہ یہاں اوحینا الیک روحاً من امرنا سے مراد روح القدس ہے جیسا کہ تفسیر قمی، صافی اور ربان وغیرہ ایسی احادیث سے لبریز ہیں۔ ان مقام ارشاد است معصومین کو (اپنے زعم یا حمل کے خلاف) پاکر (باقی دیکھو ص ۱۳۱)



## دوسری دلیل

ایک مسلم الثبوت عقلی قاعدہ ہے کہ دلیل کو عموم و خصوص میں دعویٰ کے مطابق ہونا چاہئے یعنی یہ کہ اگر دعویٰ عام ہو تو دلیل بھی عام ہونی چاہئے۔ اور اگر دعویٰ خاص ہو تو دلیل بھی خاص ہونی چاہئے۔ لیکن یہاں معاملہ اس کے برعکس ہے یعنی دعویٰ تو عام ہے مگر دلیل خاص جو کہ عندالعقل باطل ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ دعویٰ تو یہ ہے کہ انبیاء اور ائمہ ہر دو کی نوع علیحدہ ہے مگر دلیل میں صرف وحی کو فصل متمیز کے طور پر پیش کیا گیا ہے کہ بشر جنس اور وحی "فصل ہے۔ اب غور طلب امر یہ ہے کہ آیا اس وحی سے مراد تشریعی و نبوتی وحی ہے یا وحی غیر تشریعی؟ اگر پہلی شق کو اختیار کیا جائے کہ اس سے وحی تشریعی مراد ہے (کما ہو الحق) تو پھر یہ دلیل (بنا تسلیم و دون اثباتہ) خط افتاد زیادہ سے زیادہ انبیاء کی نوع کے ملحق ہونے پر دلالت کرتی ہے کیونکہ ائمہ علیہم السلام پر تشریعی وحی کے نازل نہ ہونے پر تمام مسلمانوں کا اجماع و اتفاق ہے۔ اور اس کا قائل دائرۃ اسلام سے خارج ہے چنانچہ حضرت شیخ مفید علیہ الرحمہ اوائل المقالات مشہور رقمطراز ہیں و انصا منعت من نزول الوحی علیہم والایحاء بالاشیاء الیہم للاجماع علی الصنع من ذلک والاتفاق علی انہ من زعم ان احدا بعد نبیائوحی الیہ فقد اخطا وکفر۔ یعنی میں نے اس لئے ائمہ اطہار پر وحی تشریعی کے نزول کو ممنوع قرار دیا ہے کیونکہ اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے اور ان کا اس امر پر اتفاق ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ آں حضرت کے بعد کسی شخص پر وحی ہوتی ہے وہ خطا کار بلکہ کافر ہے۔ اسی طرح محقق جلیل جناب سید علی خان ریاض السالکین (ص ۴۱۲) فرماتے ہیں الوحی من خواص الرسالۃ (تشریعی) وحی رسالت و نبوت کے خواص میں سے ہے اور اگر دوسری شق اختیار کی جائے۔ یعنی اس سے مراد غیر تشریعی وحی لی جائے۔ تو وہ صرف ائمہ کے ساتھ ہی مختص نہیں بلکہ ایسی وحی غیر انبیاء و ائمہ کو بھی ہوتی رہتی ہے جیسا کہ آیات قرآنیہ و اوحینا الی ام موسیٰ ہم نے مادر موسیٰ کو وحی کی و اوحینا الی النحل ہم نے شہد کی مکھی کو وحی کی وغیرہ سے ظاہر ہے۔ لہذا پھر یہ وحی نبی یا امام کی فصل متمیز کیوں کر بن سکتی ہے۔ یہی تھے دو حساب سویوں پاک ہو گئے۔

و بقیہ حاشیہ مشافہ نظر انداز کرتے ہوئے مذکورہ بالا فاسد نظریہ قائم کرتا تفسیر بالرائے کی بدترین مثال ہے و من فسر القرآن مجرایہ فلیتوا مقعدا من النار۔ (تفسیر صافی ص ۴) وغیرہ اور بعض نے خوف خدا سے بالا ہو کر ہم پر یہ افترا پروا دی کہ ہم نے چالیس برس تک جناب رسول خدا کو جاہل لکھا ہے (معاذ اللہ) چالیس برس تو بجائے خود ہماری عبارت میں کہیں انحضرت کی ظاہری حیسانی خلقت تک کا بھی کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ بلکہ عبارت کے سیاق و سباق میں غور و تدبیر کرنے سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ یہاں خلقت روحانی و نورانی کے وقت کا تذکرہ ہے کہ خدا نے انحضرت کو خلق کرنے کے بعد روح القدس سے ان کا ارتباط قائم کیا اور اس کے ساتھ ہی علم بیان اور دیگر فیوض کے فیضان کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ جو اب تک برابر جاری ہے۔ اور اس بیان کا مقصد صرف یہ ثابت کرنا ہے کہ علم ان حضرات کی ذات میں داخل نہیں بلکہ علیہ پر درکار ہے لہذا کچھ فاسدہ تو ماننا چاہئے گا۔ کہ خدا نے ان کو پیدا کیا۔ اور پھر علم عطا کیا۔ ع

انہی بات متنی جیسے افسانہ کر دیا۔ ہذا والی الطیب من القول و ہذا والی صراط الحمید (منہ عفی عنہ)



چار بریں حقائق تسلیم کرنا چاہئے گا کہ یہ دعویٰ بلا دلیل و برہان مجھے کیجیے سے ناقابل قبول ہے ہا تو ابراہانکم  
ان کنتم صادقین!

**تیسری دلیل** اس سادہ عقیدہ میں بشر کو جنس قرار دیا گیا ہے۔ یہ ان حضرات کے علم عقولات سے ناواقفیت کی ایک  
تین دلیل ہے۔ کیونکہ یہ بات واضح ہے کہ بشر و انسان ایک ہی حقیقت کے دو مختلف نام ہیں تفصیل  
پوچھتی دلیل میں آ رہی ہے بشر اور انسان حقیقی نوع ہے (مضافی) اور یہ حقیقت اس باب منطق کے نزدیک محقق و مسلم ہے  
کہ کوئی نوع حقیقی بزرگ جنس نہیں ہو سکتی۔ چار بریں بشر کو جنس تصور کر کے انبیاء اور ائمہ کی کس طرح ملبندہ نوع تسلیم کی  
جاسکتی ہے؟ ان هذا الاختلاق

**چوتھی دلیل** اس نظریہ میں ان حضرات نے انبیاء و ائمہ کو بشر تسلیم کرنے کے باوجود انسانوں کے علاوہ ان کی علیحدہ نوع تسلیم  
کے جہاں علم عقول سے اپنی تہی دہنی کا ثبوت دیا ہے وہی کہ ابھی اوپر ثابت کیا جا چکا ہے یوں لغت عربی  
سے بھی اپنی ناواقفیت کا ثبوت فراہم کیا ہے کیونکہ معمولی عربی دان صاحبان پر بھی یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے کہ بشر اور  
انسان ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں۔ بطور نمونہ چند مستند کتب لغت کے حوالہ جات ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں۔  
قاموس اللغات ج ۱ ص ۱۷۷ میں مصر پر لکھا ہے البشر بحركة الانسان ذكوا وانثى واحداً او جمعاً الخ بین  
بشر کا مطلب ہے انسان خواہ مرد ہو یا عورت ایک ہو یا ایک سے زائد کلیات الہا البقا ص ۱۷۷ پر لکھا ہے البشر هو  
علم لنفس الحقيقة من غير اعتبار كونها مقيدة بالتشخصات والصور یعنی بشر نفس حقیقت  
و انسانیہ کا نام ہے قطع نظر اس کے کہ وہ شخصی تشخصات اور فردی تعینات جیسے وحدت و کثرت مذکور و تانیث حسن و  
قبح وغیرہا سے متصف و متفید ہو۔ قرآن و حدیث کی مشہور لغت مجمع البحرین ص ۱۷۷ طبع ایران پر لکھا ہے البشر الانسان  
الواحد والجمع المذکور والمؤنث في ذلك سواء یعنی بشر انسان کا دوسرا نام ہے اس لفظ میں مذکر و مؤنث  
واحد اور جمع برابر ہیں۔ اسی طرح لغات القرآن یعنی مقدمہ تفسیر مرآۃ الانوار ص ۱۷۷ پر لکھا ہے البشر الانسان ذكوا  
وانثى كذا في مرآة العقول للعلیسی ج ۱ ص ۱۷۷ یعنی بشر کا مطلب ہے انسان۔ اس میں مرد و عورت، واحد و جمع برابر  
ہے۔ مشہور لغت القرآن مفردات راغب اصفہانی ص ۱۷۷ پر لکھا ہے وعبر عن الانسان بالبشر اعتباراً بظهور  
جلد ۱ من الشعو۔ انسان کو بشر اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کا چڑا بالوں میں ڈھکا ہوا نہیں بلکہ ظاہر ہے۔ اسی طرح  
عربی کی سب سے بڑی مبسوط مفصل کتاب لسان العرب ج ۴ ص ۱۷۷ طبع لبنان پر لکھا ہے البشر الانسان الواحد  
والجمع والمذکور والمؤنث في ذلك سواء۔ مصر کا مرکز مستند لغت المعجم ص ۱۷۷ پر لکھا ہے البشر  
الانسان ذكوا وانثى واحداً او جمعاً ان عبارتوں کا بھی مطلب وہی ہے جو مذکورہ بالا عبارات کا ہے۔ ان  
حقائق سے یہ بات ظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ بشر و انسان ایک ہی حقیقت کے دو مختلف نام ہیں نہ کہ وہ دو مختلف



حقیقتیں ہوں۔ ہاں ان کے درمیان صرف اعتباری فرق ہے یعنی ایک ہی حقیقت کو اس اعتبار سے کہ وہ ظاہر الجلد ہے اور اس کا جتنے بالوں میں ڈھکا ہوا نہیں ہے بشر کہہ دیا جاتا ہے یعنی یا دی البشر۔ چنانچہ انیسے جمع البیان ج ۲ ص ۲۱۱ طبع قدیم رکھتا ہے وہی بشر الا نہ ظاہر الجلد لایواریہ شعور لاصوت یعنی انسان کو بشر اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کے چمڑے کو بال یا صوف ڈھانپے ہوئے نہیں۔ (بلکہ کھلا ہوا ہے) اور اس اعتبار سے کہ اس میں انس و محبت کا جذبہ و جوہر نمایاں طور پر موجود ہے اسے انسان کہہ دیا جاتا ہے ورنہ ہر دو کا مصداق ایک ہی ہے کما لا یغنی۔ اگر اسامہ و صفات کے تعدد و اختلاف سے کسی شے کی حقیقت بھی متعدد ہو جائے تو پھر خدا ایک نہیں رہے گا۔ بلکہ نانوے بلکہ ایک ہزار ہو جائیں گے۔ کیونکہ دعائے پوشش کبیر میں خدا کے ایک ہزار اسماء و صفات مذکور ہیں۔ نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے۔

عبادتنا شفی و حسنک واحداً      وکل الی ذالک المجمال یشیر

ان خفائی کی موجودگی میں انبیاء و ائمہ کے بشر ہونے کا اقرار اور انسان ہونے کے انکار کو عجائبات روزگار میں سے شمار نہ کیا جائے تو اور کیا کیا جائے۔

خود کا نام جنوں رکھنا اور جنوں کا خود جو چاہے آپ کا علم کرشمہ ساز کرے

**پانچویں دلیل** آیات قرآن کریم احادیث معصومین اور مجہول مسلمان کے اتفاق کی روشنی میں یہ حقیقت ناقابل انکار ہے۔ کہ تمام انواع عالم اور تمام موجودات ارضی و سماوی سے حضرت انسان افضل و اشرف ہے جیسا کہ آیت مبارکہ و لقد کو منا بنی آدم و حملناہم فی البیروالبحر و درزقناہم من الطیبت و فضلناہم علی کثیر ممن خلقنا تفصیلاً رپ۔ بنی اسرائیل کو نامہ اور یقیناً ہم نے اولاد آدم کو عورت دی اور خشکی اور تیزی میں ان کو سواریا دیں۔ اور اچھی اچھی چیزوں سے ان کو روزی دی۔ اور سب مخلوق پر ان کو ایسی فضیلت دی جیسا کہ فضیلت دینے کا حق ہے۔ اسے صاف ظاہر ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں فضلنا بنی آدم علی سائر الخلق۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے بنی آدم کو تمام مخلوق پر فضیلت دی ہے و تفسیر صافی ص ۲۹۹ و تفسیر برہان ج ۲ ص ۲۱۱، تفسیر صافی کے اس منہ پر حضرت امیر المومنین سے انسانی صورت کے متعلق مروی ہے انہا اکرم صورۃ علی الخلق انسانی صورت نگاہ قدرت میں سب سے زیادہ مکرم و محترم ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ خلاق عالم نے انسانی صورت و اشرفیت کا تاج حضرت انسان کے سر پر رکھا ہے فقہارک الخلق احسن الخلقین۔

**ازالہ شبہ** شاید کسی کو یہاں یہ شبہ لاحق ہو کہ ارشاد ویزوی و فضلناہم علی کثیر سے تو صرف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انسان کو اکثر مخلوق خدا پر برتری حاصل ہے نہ کہ تمام پر عند تحقیق یہ شبہ بالکل بے حقیقت ہے۔ عتق علماء افسرین نے اس شبہ کا یہ جواب دیا ہے کہ ان المراد بالکثیر المجبہ فوضع الکثیر موضع الجمیع والمعنی ان



فضلناهم علی من خلقناهم کثیر... وفي القرآن ومحاورات العرب من ذلك ما لا يحصى ولا يحصى  
 علی من عوف کلامهم وتفسیر میں البیان ج ۶ ص ۱۹۱ یعنی کثیر سے مراد جمیع ہے اور معنی یہ ہے کہ ہم نے انسان کو اپنی تمام  
 مخلوق پر فضیلت دی ہے اور مخلوق کثرت ہے قرآن اور محاورات عرب میں اس قسم کی کثرت مثالیں موجود ہیں: "وہو  
 کثیر" سے مراد جمیع ہوتی ہے تفصیل کے لئے فقہ اللغۃ الثعالبی ملاحظہ ہو اسی طرح علامہ شہر ابن آشوب نے اپنی جلیل اللہ  
 کتاب متشابه القرآن و مختلفہ ج ۱ ص ۲۰۰ طبع ایران پر اسی آیت مبارکہ کے ضمن میں لکھا ہے فالمراد بقول علی کثیر مع  
 خلقنا. انا فضلناهم علی من خلقناهم کثیر ولم یرد التبعض کما قال ولا تشتروا بآیاتی ثمناً  
 قليلاً المعنی لا تشتروا بها ثمناً فکل ثمن تاخذونه عنها قليل ولم یرد التبعض والمعنی من  
 الثمن القلیل خاصۃ یعنی اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے انسان کو تمام مخلوق پر فضیلت دی ہے اور وہ مخلوق  
 کثرت ہے خدا کا یہ مقصد نہیں کہ اس نے انسان کو صرف بعض مخلوق پر فضیلت دی ہے جیسے ارشاد قدرت ہے کہ میری  
 آیات کو قلیل محض کے بدلے فروخت نہ کرو۔ مطلب یہ ہے کہ اس سلسلہ میں تم جو معاوضہ بھی لو گے وہ قلیل ہو گا یہ مطلب  
 یہ کہ نہیں کہ صرف قلیل معاوضہ لینا ممنوع ہے (اور کثیر جائز ہے) حضرت علامہ حاضری مرحوم نے اپنی تفسیر نواع التفریل  
 ج ۱۵ ص ۲۳ سے لے کر ص ۲۴ تک پورے ۱۸ عدد دلائل انسان کے تمام مخلوقات عالم سے افضل ہونے پر ذکر فرمائے ہیں۔  
 من شاء فلیرجع الیہ صاحب رسالہ انوار قدسیہ ص ۱۰۹ پر لکھتے ہیں "نوع انسان باعتبار جامعیت حقیقت  
 اکمل انواع است" یعنی انسانی نوع اپنی حقیقت کی جامعیت کے اعتبار سے تمام انواع سے زیادہ مکمل ہے۔

مناہج مولانا محمد سعید صاحب لکھتے ہیں: "حکماء حال و حکماء سلف کا اتفاق ہے کہ انسان آخر درجہ کونات ارضی میں ہے  
 اور اس سے بالاسوائے خدا کے کوئی مہتی نہیں ہے باقی تمام انواع اس کے ماتحت ہیں۔ اس سے اوپر اور اس سے بالاکوئی  
 نوع نہیں ہے اس سے بالاس ذات خالق ہی ہے اور اس لئے کل حکماء سلف اور فلاسفہ حال کا اتفاق ہے کہ انسان جو کہ  
 مشتم درجہ کونات اور آخری مرتبہ کائنات میں ہے اشرف المخلوقات و افضل کائنات ہے" دینیام توحید ص ۱۱۱  
 طبع لاہور اسی طرح اس رسالہ کے منہ و صلا پر علم کامل (دینی) کے انسانی نوع سے ہونے کا لائل جیتے ہوئے لکھتے ہیں: "باقی  
 انواع عالم انسان سے پست تر ہیں۔ وہ ہمارے اور خدا کے درمیان واسطہ فیضان تعلیم نہیں بن سکتے۔ لہذا... "انواع  
 بشر سے بالاکوئی نوع نہیں ہے۔ وہ کوئی خاص بشری ہو سکتا ہے" (ص ۱۱۱) تاہم حقائق یہ کہاں کی دانش مندی  
 ہے۔ اور اس میں انبیاء و ائمہ علیہم السلام کی کیا فضیلت ہے کہ اشرف و اعلیٰ نوع ہے نکال کر ان کے لئے کوئی اور ادنیٰ  
 و اسفل نوع تجویز کی جائے؟ آیا ایسا کرنے سے ان جبرگواروں کی تعظیم ہوگی یا تنقیص؟ ان هذا الاختلاف!  
 مگر کچ ہے ع۔ فکر کہ کس بقدر رحمت دوست

قل کل یعمل علی شاکلہ زیادہ سے زیادہ عامۃ الناس کے ذہن میں ملائکہ کا ہی تصور آ سکتا ہے کہ شاید ان کی نوع ان



نوع سے افضل ہو۔ مگر اباب بصیرت جانتے ہیں کہ یہ خیال بھی غلط ہے کیونکہ اگر تمام مسلمانوں کا نہیں تو کم از کم شیعیانِ مجیدہ کو اگر تو اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ انبیاء و مرسلین اور ہمارے ائمہ طاہرین نہ صرف ملائکہ سے افضل ہیں بلکہ ان کے عہدِ ام ہیں۔ اور فرشتے ان کی خدمت کرنے کو اپنے لئے بایہ صد سعادت و افتخار سمجھتے ہیں۔ کتاب دمعہ ساکبہ ص ۲۶ میں ایک طویل حدیث کے آخر میں جناب جبرئیل امین کا خدمتِ اہل بیت کی وجہ سے فخر و مباہات کرنا بایں الفاظ مروی ہے من مثلی انا خادم محمد جلال محمدؐ خود ائمہ اطہار کا ارشاد ہے ان الملائکۃ خدا مناد و خدامِ محتبینا یعنی فرشتے ہمارے اور ہمارے خاص شیعوں کے خادم ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ پوری بحث اور اس موضوع پر دلائل قاطعہ ہماری کتاب حسن الفوائد میں ملاحظہ فرمائیں۔ لیکن اس زمانہ میں اس طرح الٹی گنگا بہ رہی ہے کہ جو شخص ائمہ اہل بیت کو ذات میں فرشتہ سمجھے اُسے تو آج عارفِ معارفِ اہل بیت سمجھا جاتا ہے اور جو شخص ان بزرگواروں کو فرشتوں سمیت تمام کائنات سے افضل و اشرف سمجھے اُسے معرفت سے عاری کہا جاتا ہے۔ ع

### انقلابات میں زمانے کے

**چھٹی دلیل** یہ حقیقت عیاں راہِ پیاں کی مصداق ہے کہ انبیاء و مرسلین ہوں یا ائمہ طاہرین خداوندِ عالم ان کو اس لئے مقرر کرتا ہے اور بھیجتا ہے کہ جن کی طرف ان کو بھیجا گیا ہے ان کے لئے ان بزرگواروں کا ہر قول و فعل محبت اور نفع عمل ہے اور ان کا قول و کردار اہل عالم کے لئے مشعلِ راہ اور ان کا اسوۂ حسنہ مشارعِ سعادت ثابت ہو چنانچہ خدا نے حکیمِ بختِ انبیاء کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے۔ و سلا مبشرین و منذرین لئلا یکون للناس علی اللہ حجة بعد التوصل (پس سامع ص ۷)۔ (ایسے رسول و جو) خوشخبری دینے والے (بھی) ہوتے۔ اور ڈرانے والے (بھی) تاکہ ان کے آنے کے بعد التدریج آدمیوں کی کوئی محبت باقی نہ رہے (ترجمہ فرمان) ظاہر ہے کہ یہ اتمامِ محبت اسی صورت میں ہی ممکن ہے کہ یہ بزرگوار انہی لوگوں کی نوع سے ہوں جن کے لئے ان کو مادی و دہرہ بنا کر بھیجا گیا ہے ورنہ واضح ہے کہ اگر وہ بزرگوار کسی اور نوع کے ساتھ تعلق رکھتے ہوں تو پھر ان کے اقوال اور بالخصوص افعال جیسے نماز، روزہ اور مصائب و شدائد پر صبر و ثبات وغیرہ لوگوں کے لئے اتمامِ محبت کا باعث قرار نہیں پاسکتے کیونکہ اس صورت میں گمراہ لوگ باسانی یہ کہہ کر اپنی گلو خلاصی کرا سکتے ہیں۔ کہ چونکہ ہمارے رہنماؤں اور پراپیت کے صبر و ادب کی نوع علیحدہ ہے اس لئے ان پر دنیوی مشکلات و مصائب اور آلام و شدائد کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ لہذا اگر وہ سردیوں میں نماز پڑھنے یا گرمیوں میں روزہ رکھنے یا کسی تکلیف و مصیبت پر صبر کرتے ہیں تو اس میں ان کا کمال ہی کیا ہے۔ جبکہ سردی و گرمی اور بھوک و پیاس اور تکلیف و مصیبت کا ان پر کوئی اثر ہی نہیں ہوتا اس لئے ان کے یہ افعال و اعمال ہمارے لئے محبت نہیں ہیں۔ اہل عقل و دانش انصاف سے فرمائیں کہ اس صورت میں کیا واقعی حجتِ خدا نامکمل نہیں رہ جاتی؟ لہذا عقلِ سلیم مجبور کرتی ہے کہ انبیاء و ائمہ کا انسانی نوع سے ہونا لازم ہے خدا نے حکیم نے بھی انبیاء کے بشر و انسان ہونے کا یہی فلسفہ



بیان فرمایا ہے وما منع الناس ان يؤمنوا اذ جاءهم الهدى الا ان قالوا العتث الله بشراً رسولا۔ قل لو كان في الالہین ملائکة یمشیون مطمئنین لنرسلنا علیہم من السماء ملاءکاً رسولا۔ (پس میں نے اسرائیل ۱۱) اور آدمیوں کو مہرب کر ان کے پاس ہر آیت کی آچکی ایمان لانے سے روکا کس چیز نے ہے سوائے اس کے کہ انہوں نے کہہ دیا کہ خدا نے کسی آدمی کو رسول بنا کر بھیجا ہے! تم یہ کہہ دو کہ اگر اس زمین میں فرشتے اطمینان سے چلتے پھرتے ہوتے تو ہم ان پر آسمان سے کسی فرشتہ ہی کو رسول بنا کر بھیجتے۔ (ترجمہ مقبول)

علامہ طبری ص ۲۲۱ البیان ج ۲ ص ۲۱۱ پر ذیل آیت مبارکہ وما ارسلنا قبلك الا رجالا انوحی الیہم و ہم نے تم سے پہلے مردوں کو ہی رسول بنا کر بھیجا ہے جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے (فلسفہ بشریت انبیاء و بیان کرتے ہوئے لکھا ہے الشكل الى الشكل امیل وبہ انس وعنه انہم ومن الانفس منہ بعد لا نہ یجری نفسہ ولا انسان لا یأفت من نفسہ ج ۱ ص ۲۱۱ پر مذکورہ بالا آیت کے تحت لکھا ہے وجہ اللطف فی ارسال الرجال من البشر ان الشكل الى شکله انس وعنه انہم والافنۃ منہ بعد لا نہ یجری نفسہ ولا انسان لا یأفت من نفسہ دکنانی جلد ۲ ص ۲۱۱ انسانوں میں سے مردوں کو نبی بنا کر بھیجتے ہیں یہ لطف خداوندی ہے کہ شکل اپنے ہم شکل سے زیادہ مانوس ہوتی ہے اس سے بہتر طریقہ پر استفادہ کرتی ہے۔ اور اس سے نفرت نہیں کرتی۔ کیونکہ وہ اُسے اپنا دہم، نفس تصور کرتی ہے اور ظاہر ہے کہ انسان اپنے نفس سے نفرت نہیں کرتا۔ حضرت علامہ عارفی مرحوم اپنی تفسیر لوامع التفسیر ج ۱ ص ۱۵۱ پر ذیل آیت سبحان ربی هل کنت الا بشراً رسولا لکھتے ہیں۔ اقول۔ پس اس جا معلوم شد کہ معتقد ایشان ہمیں بود کہ بشریت مانع رسالت و ایشان از غایت بہالت و نہایت ضلالت و در مسئلہ خطا کردند و استدلال تھا جس موجب تو انس است و تخالف مفتضی متناظر الجنس الی الجنس میل پس بالیقین ثابت شد کہ رسول از جنس مرسل الیہم باید باشند تا افادہ و استفادہ وہ بیان پر پیدا ہو جو العالم یعنی میں کہتا ہوں کہ ان دکھار کا عقیدہ یہ تھا کہ بشریت رسالت سے مانع ہے لیکن انہوں نے اپنی انتہائی جہالت و ضلالت کی وجہ سے اس مسئلہ میں غلطی کی اور یہ نہ سمجھا کہ ہم قسم ہونا یا عیش انس اور ہم قسم نہ ہونا یا عیش نفرت ہوتا ہے۔ کیونکہ الجنس میل الی الجنس۔ پس یہ بات بالیقین ثابت ہو گئی۔ کہ رسول کو مرسل الیہم کی قسم سے ہونا چاہیے۔ تاکہ بآسانی افادہ و استفادہ ہو سکے۔ واللہ العالم۔

### ایک ضروری وضاحت

کہا جاتا ہے کہ یہ ذواتِ مقدسہ صرف لباسِ بشریت میں ملبوس ہیں در باطن بشر و انسان نہیں ہیں۔ بلکہ کچھ اور ہی ہیں۔ ان باطن میں حضرات سے التماس ہے کہ اگر اس نظریہ کی کوئی اساس و بنیاد ہو تو پھر خدائے حکیم خود انبیاء و مرسلین اور ائمہ ظاہریہ کو بشریت کا فلسفہ بیان کر کے کفار و مشرکین کی تسلی و تسکین کرنے کی کس ضرورت تھی؟ صرف یہ کہہ کر ان کا ناطقہ بند کر دیا جاتا کہ تم اپنی کوتاہ دینی سے (جن انبیاء و اوصیاء) کو بشر سمجھ رہے ہو۔ یہ انتہائی نظر کا دھوکہ ہے وہ درحقیقت بشر و انسان نہیں۔ بلکہ کسی اور نوع کے افراد ہیں۔ اور صرف بشری جامہ میں ملبوس ہیں۔ لیکن



جب یہ جواب نہیں دیا گیا۔ بلکہ بشریت کا فلسفہ اور سمجھا کر ان کو قائل کرنے کی سعی جمیل کی گئی ہے۔ کہ اگر زمین میں فرشتے چلتے پھرتے ہوئے لہذا ان کی طرف رسول بھیجا ہوتا تو کسی فرشتہ کو ہی رسول بنا کر بھیجا جاتا۔ لیکن سبب انسانوں کی طرف بھیجا مقصود تھا۔ تو ضرورت تھی کہ کسی انسان کا دل کو بھی بھیا جائے۔ تو اس سے واضح واضح کار ہو گیا کہ یہ بزرگوں اور حقیقی انسان کا دل میں نیز یہ بھی غنی نہ رہے کہ سطور بالا میں بعض علمائے کرام کا جو کلام پیش کیا گیا ہے۔ اس میں بار بار جنس بشر کی لفظ استعمال ہوئی ہے۔ اس سے یہ سمجھا جائے کہ اس سے اس خیال کے لوگوں کی تائید ہوتی ہے۔ جو بشر کو جنس اور روح کو فصل قرار دیتے تھے انبیاء کی نوع علیحدہ جو یز کرتے ہیں۔ کیونکہ یہاں جنس کی لفظ اس کے لغوی معنی (قسم) میں استعمال کی گئی ہے نہ کہ منطقی والے اصطلاحی معنی میں۔ اس امر کی مزید وضاحت آٹھویں دلیل کے ضمن میں کی جائے گی۔

### ایک توہم کا ازالہ :-

اسی طرح یہاں یہ توہم بھی کیا جاتا ہے کہ جناب رسول خدا کی نبوت اور انہیں کہ ان کو انسان تسلیم کیا جائے وہ تو پورے عالمین کے آدمی ہیں۔ تو اس توہم کے ازالہ کے لئے پہلی گزارش تو یہ ہے کہ یہاں جو بحث ہو رہی ہے وہ صرف آنحضرت اور ائمہ اہل بیت کے متعلق نہیں بلکہ یہ سب انبیاء و اوصیاء کے متعلق ہے اور ظاہر ہے کہ سرکار ختمی مرتبت اور ان کی عترت اطہار کے علاوہ باقی تمام انبیاء و اوصیاء صرف بنی نوع انسان کے ہی رہنا تھے۔ لہذا وہاں تو فلسفہ بشریت کے پیش نظر ان کو بشر و انسان تسلیم کرنا چاہئے گا۔ اور دوسری التماس یہ ہے کہ یہ بالکل صحیح ہے کہ آنحضرت عالمین کے بشیر و نذیر اور ائمہ اطہار عالمین کے رہنما و پیشوا ہیں۔ اور اس عالمین میں بے شمار انواع کا جال بچھا ہوا ہے کوئی نوع عالی ہے، کوئی سافل ہے، اور کوئی متوسط۔ تو ظاہر ہے کہ ان پیشواؤں کا تعلق بھی آخر ضرور کسی تو نوع سے ہو گا۔ اب حقیقت حال تین حال سے خالی نہیں۔ یا تو نوع عالی سے ہو گا، یا سافل سے، یا متوسط سے۔ آخری دو شقیں تو بالبداهت باطل ہیں ورنہ لازم آئے گا کہ مقتدی کی نوع بلند اور مقتدا اور پیشوا کی پست ہو۔ ان ہذا الاستلاح۔ لہذا ماننا چاہئے گا کہ پہلے شق ہی صحیح ہے یعنی ان کا تعلق نوع عالی سے ہی ہونا چاہئے۔ اب رہا یہ سوال کہ وہ نوع عالی کونسی ہے؟ تو ہم ابھی اوپر پانچویں دلیل میں ثابت کر چکے ہیں کہ تمام انواع عالم میں سے انسانی نوع ہی سب سے اعلیٰ و ارفع ہے۔ اس کے بعد یہ حقیقت ناقابل انکار حد تک واضح و آشکار ہو جاتی ہے کہ ان قوایہ مقدسہ کا تعلق انسانی نوع سے ہے۔

بکثرت آیات و حکم اور روایات متواترہ میں انبیاء و ائمہ علیہم السلام پر لفظ "انسان کا اطلاق کیا گیا ہے بطور ساتویں دلیل" منورہ صرف چند آیات مقدسہ پیش کی جاتی ہیں۔ ملاحظہ ہوں (۱) ارشاد قدرت ہے۔ "ام یحملون الناس علی ما آتھم اللہ من فضلہ" (پس نہ اس (۵) کیا وہ لوگوں پر اس کا حسد کرتے ہیں۔ جو کچھ اللہ نے ان کو اپنے فضل سے دیا ہے" (زمرہ مقلوبوں)

اس آیت مبارکہ میں "الناس" (لوگوں) سے مراد حضرات ائمہ طاہرین علیہم السلام ہیں جیسا کہ اصول کافی، تفسیر برہان اور

ایک توہم کی امانت صرف انسانوں تک تو نہیں



تفسیر صافی وغیرہ کتب میں مروی ہے (۲) سورۃ زلزال میں ہے جب بروز قیامت زمین میں زبردست زلزلہ آئے گا۔ تو خال  
الافسان مالہا ایک انسان کہے گا اسے کیا ہو گیا ہے؟ تفسیر اہل بیت میں یہی ہے کہ اس انسان سے مراد حضرت  
امیر علیہ السلام ہیں۔ (مرآۃ الانوار ص ۱۰ وغیرہ) (۳) خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے ومن الناس من لینثری نفعہ  
ابتغاء مرضات اللہ واللہ ورف بالعباد۔ لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو خدا کی رضا جوئی کی خاطر اپنی جان تک  
بیچ ڈالتے ہیں خدا اپنے بندوں پر مہربان ہے۔ باتفاق فریقین یہ آیت مبارکہ جناب امیر المومنین کے حق میں نازل  
ہوئی ہے۔ اسی طرح سورۃ دھر جہا اہل بیت کا قرآنی قصیدہ ہے۔ اس میں کئی بار ان پر انسان کا اطلاق ہوا ہے۔ اس پر کیا  
مختصر ہے روایات اور علماء اعلام کے ارشادات سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ تین سو سے زیادہ آیات ائمہ اہل بیت کی مدح  
و ثناء میں وارد ہیں۔ اور ان میں اکثر و بیشتر میں ان کو انسان ہی کہا گیا ہے۔ تو اگر اس فاسد نظریہ کی بنا پر یہ ذوات مقدسہ  
انسان نہیں (معاذ اللہ) بلکہ ان کی نوع الگ ہے تو پھر ان آیات کا مصداق کوئی اور تلاش کرنا پڑے گا۔ انہی حقائق کی  
بنا پر علامہ ابوالحسن اشرفی اپنی کتاب مقدمہ تفسیر مرآۃ الانوار و مشکوٰۃ الاسرار ص ۱۰ پر اصول کافی کے حوالہ سے ایک  
روایت نقل کرنے کے بعد جس میں ایک آدمی کا حضرت امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہو کر الناس۔ اشیاء الناس اور  
نساس کا مطلب دریافت کرنا اور انجناب کا شہزادہ امام حسن کو جواب پر مامور کرنا۔ اور امام حسن کا الناس کو لوگوں  
سے جناب رسول خدا و ائمہ بدئی اور اشیاء الناس کو لوگوں سے مشابہہ سے شیعان اہل بیت اور نساس  
سے مخالفین کا مراد لینا مذکور ہے فرماتے ہیں والایخبار فی تاویل الناس بالتبلی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم  
والائمۃ کثیریۃ۔ یعنی اس سلسلہ میں کہ بکثرت اخبار موجود ہیں کہ الناس سے جناب رسول خدا اور ائمہ بدئی مراد ہیں  
جو لوگ علوم عربیہ سے معمولی سی واقفیت بھی رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ التبادر علامۃ الحقیقۃ کہ  
لفظ کو سن کر کسی معنی کا متبادر الی الذہن ہونا (جلد ذہن میں آتا) اس کے حقیقی معنی ہونے کی قطعی دلیل ہوا کرتا ہے۔  
جب تک اس کے خلاف کوئی قطعی دلیل اور قرینہ موجود نہ ہو۔ (معالم قوانین اور کفایۃ الاصول و مطول وغیرہ کتب علماء  
و اصول ملاحظہ ہوں) لہذا حسب انبیاء و ائمہ پر لفظ انسان کا اطلاق ہوا ہے۔ تو جب تک اس اطلاق کے مجاز ہونے پر کوئی  
قطعی قرینہ اور دلیل نہ پیش کی جائے اس وقت تک اس سے یہی سمجھا جائے گا کہ انسان کا ان ذوات مقدسہ پر حقیقی معنوں  
میں اطلاق ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں کوئی قرینہ مجاز نہیں ہے لہذا لامحالہ اسے اپنے حقیقی معنی پر ہی محمول کیا جائے گا  
وہو المقصود۔ حق یہ ہے کہ اصل اور حقیقی انسان تو ہیں ہی یہی ذوات مقدسہ جن پر پورے عالم انسانیت کو فخر و تازہ ہے  
عام لوگ اس لئے انسان کو محمول سمجھتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو انسان سمجھتے ہیں اس لئے خیال کرتے ہیں کہ اگر یہ بزرگوارانہ  
ہونے تو عموماً جیسے ہی ہونگے حالانکہ ع۔ آدمی کو بھی میسر نہیں انسان ہونا  
اگر ان کو مقام انسانی کی بلندی کا علم ہوتا تو وہ قطعاً انبیاء و ائمہ کے انسان ہونے کا ابا و انکار نہ کرتے۔



## انہوں کی دلیل

جن اخبار و آثار میں وارد ہے کہ انبیاء و ائمہ جنس بشر سے ہیں۔ اگرچہ ان سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ کہ وہ نوع بشر سے ہیں کیونکہ ارباب علم و انصاف جانتے ہیں کہ ان مقامات میں جنس کے لغوی معنی مراد ہیں نہ منطقی۔ ظاہر ہے کہ قرآن و حدیث میں یہ الفاظ لغت عرب کے اعتبار سے استعمال ہوئے ہیں نہ کہ فلاسفہ و مناظرہ جو ان کی اصطلاح کے لحاظ سے جیسا کہ گلستان قرآن و حدیث کی سیر کرنے والے اہل علم و عرفان پر تحقیق واضح و عیاں ہے۔ واضح ہے کہ جنس کے معنی لغت عرب میں ”ضرب“ یعنی نوع یعنی قسم کے ہیں۔ پچنانچہ لغت کی مشہور و مستند کتاب منہدہ طبع ۸ میں مرقوم ہے کہ ضرب من الشئ نالابل مثلاً جنس من البہائم یعنی ہر وہ چیز جو کسی شئی کی قسم سے ہو۔ مثلاً کوٹ پاپائیوں کی جنس یعنی قسم سے ہے (کذا فی القاموس ج ۲ صفحہ ۲۰۵) طبع مصر، خلاصہ یہ کہ لغوی اعتبار سے جنس، نوع اور صنف باہم متقارب المعنی الفاظ ہیں اور ایک دوسرے معنوں میں استعمال ہوتے رہتے ہیں۔ اگرچہ ہمہ کوئی صاحب اسی بات پر ہی مقرر اور یقین ہوں کہ جب تک آل محمد کے فرمان میں لفظ نوع نہیں دکھایا جائے گا۔ اس وقت تک وہ ان کو انسانی نوع کے افراد نہیں تسلیم کریں گے۔ تو ان کی مبیانیت طبع کے لئے ان کا یہ مطالبہ بھی پورا کیا جاتا ہے۔ کئی اخبار و آثار میں ان ذوات قدسیہ کے لئے نوع انسانی کے افراد ہونے کی تصریح موجود ہے پچنانچہ حکیم صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔ احتل رسول اللہ علیہ السلام بذلک ان یعلم نوعہ انہ ہوا الذی یخفف عن ظہر رسول اللہ من الذین والعداۃ والاداء عنہ من بعد ۴۔ جن جناب رسول خدا نے بروز فتح مکہ حضرت علیؑ کو اپنے کانٹوں پر چڑھ کر رکھا کہ اپنے نبی نوع انسان کو یہ بتائیں کہ جناب علیؑ ہی ایک ایسے آدمی میں جو آنحضرتؐ کے بعد آپ کے قریبوں اور وعدوں کو پورا کر کے آپ کی پشت سے بوجھ بٹکا کریں گے۔ (المدینۃ الساکبہ ج ۱ ص ۱۷۷)

مرآۃ العقول علامہ مجلسی ج ۱ ص ۱۷۷ میں مرقوم ہے ”ثبت انہ لا بد من سفواء بینہ ربینہم ولا بد ان یکونوا من نوع البشر وان یکونوا مع مشارکتہم لم فی الخلق والتوکیب مبیانیت ہم فی سائر الامور و اخلاقہم مقتدیین منزہین و رحایتین لیضاہوا الماد الا علی کما مر ذکور فیما مضی ومعصومین مؤیدین بالمعجزات لیکونوا حجة علی غیرہم الخ ذرا آگے میں کہ مزید لکھا ہے فاذا اتمدت هذه المقدمات فثبت وثبت انہ واجب ان یوجد منہ وان یکون انسانا وان تكون له خصوصية لیثبت لسان الناس دھی الامور الخارقہ للغادۃ ۱۶۹ الخ اس بیان یہ ثابت ہو گیا کہ خالق اور عام مخلوق کے درمیان سفیر کا ہونا ضروری ہے اور کہ ان سفراء کا نوع بشر ہی ہونا لازم ہے اور یہی ضروری ہے کہ یہ بزرگ ربا و جود اس کے کثرت اور ترکیب میں علم انسانی کے ساتھ فریک ہل کر اپنے مخصوص خلاق و طوائف ان سے جدا ہوں بلکہ ایسے مقدس روحانی ہوں کہ عالم ہلا کے نیچے والوں کی سمجھ کی سمجھ میں نہ ہو۔ اور عزت و مجرات کو یہ بزرگ ربا و جود پر عبت نہ قرار پائیں (و عبارت ترجمہ) پس جب یہ تقدسات و من نشین ہوں گے تو اس یہ بات واضح ہو گئی کہ نبی کا ہونا واجب ہے۔ اور اس کے لئے انسان ہونا ضروری ہے۔ ان لہذا میں ایسی خصوصیت کا ہونا لازم ہے جو عام لوگوں میں نہ ہو اور وہ خصوصیت اس کے خارق عادت امور (معجزات) میں ہے۔



پیچھے انبیاء و ائمہ علیہم السلام کے لئے نوع انسانی سے ہونے کی تصریحات ایسی مل گئیں۔ فیما بعد الحق الالہی اللہ تعالیٰ ہم نے ارشادات معصومین کی روشنی میں ان حضرات کا اپنی نوع انسان سے ہونا دکھا دیا ہے۔ اگر علیحدہ نوع کے مہیوں میں کچھ بھی ایسی کتاب ہے تو وہ بھی اسی طرح ارشاد معصومین کی علیحدہ نوع کی تصریح پیش کریں۔ (و لایاتون بہ ولو کان بعضهم لبعض ظہیری) اور اگر ایسا نہ کر سکیں تو پھر اس فاسد عقیدہ سے توبہ کریں۔

**توہین دلیل** اگر تمام عالم کو کسی حسی الطبع آدمی کی تسلی دہوئی ہو تو ہم مزید اتمام حجت کی خاطر اس سے بھی بڑھ کر تصریح پیش کرتے ہیں۔ بعض ائمہ اربعہ میں انبیاء و ائمہ کے صنف بشر سے ہونے کی تصریح بھی موجود ہے۔ ظاہر ہے کہ منطقی اصطلاح میں صنف "وہ نوع ہے جس کی خارج از ذات خصوصیت سے تنقید و مشروط ہو جیسے انسان کے لئے رنگ، رومی، عراقی، ایرانی، پاکستانی، لاکھی، مدنی، لاہوری، پشاور، وغیرہ (مفاتیح الوسائط ص ۱۷۱)۔

حضرت جہین بن روح سفیر خاص امام العصر والایمان علی الشہ فرماتے ہیں کہ مناقب و عماد کے کتب سیر و تواریخ چھلک رہی ہیں اور ان مفائل کا ایک معتد بہ حقہ مفاتیح الوسائط اور بحر الاسرار میں بھی موجود ہے، یہ جناب فلسفہ بشریت انبیاء بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں "ولکن جعلت عظمتہ یبعث الیہم من اجناسہم و احسنہم بشر امثالہم و یو بعث الیہم رسلاً من غایہ صنفہم و صورہم لنعرفوا عنہم و لعل یقبلوا صنفہم الخ" یعنی خداوند عالم لوگوں کی طرف انہی کی جنس اور صنف سے ان جیسے بشر اور انسانوں کو رسول بنا کر بھیجتا ہے۔ اگر وہ ان کی طرف ایسے رسول بھیجتا تو ان کی صنف و صورت سے نہ پہچانتے۔ تو لوگ ان سے نفرت کرتے اور ان کے احکام قبول نہ کرتے (احتجاج طبری ص ۲۷ طبع النہج) ایسا ہی ایک استدلال جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ خدا و خلق کے درمیان ایسے وسائط معرفت کا وجود ضروری ہے جو مثلاً کہین للناس فی احوالہم علی مشارکتہم فی الخلق والتوکیل مؤیدین من عند الحکیم العلیم (احتجاج ص ۱۷۱)۔

**تفسیر** جن احادیث میں لفظ جنس وارد ہے اگر وہاں جنس کے منطقی جنس مراد لی جائے تو پھر یہاں لفظ "نوع" اور "صنف" سے بھی ان کے منطقی معنی مراد لئے جائیں گے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ یہاں لغوی معنی مراد ہیں تو پھر جنس کے بھی لغوی معنی ہی مراد لینے چاہیے گے۔ حد والنعل بالنعل بہر حال حقیقی بھی اختیار کی جائے یا ظاہر بہر حال حاصل ہے کہ انبیاء و ائمہ نوع انسانی کے افراد کا ملکہ ہیں۔ یہ دھاندلی کسی طرح بھی روا نہیں رکھی جاسکتی کہ جنس سے مراد تو منطقی جنس ہو۔ اور نوع و صنف کے لغوی و انو سنون بعض الکتاب و تکفرون ببعض ان هذا الاشیء عجائب۔

احادیث من ظاہرہ و منکثرہ میں وارد ہے کہ ایمان و یقین اور کار و عمل و اعمال محمدیہ و علیہم السلام ایک ہی کیفیت مقدسہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ ذیل میں اس دعویٰ کے اثبات کے لئے دو چار احادیث

**دوسری دلیل**



مستبرہ پیش کی جاتی ہیں۔ (۱) جناب رسالتاً ص فرماتے ہیں: **انی خلقت انسانا من طینة واحدة**  
**ففضلت منها فضل فخلق منها شیعتنا** الخ یعنی میں اور تم ایک ہی طینت (مٹی) سے پیدا ہوئے  
 ہیں۔ اس مخصوص طینت میں سے کچھ نکال گئی جس سے ہمارے شیعہ پیدا ہوئے (امالی طبع طوسی ص ۲۹ طبع ایران)  
 (۲) جناب امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں **انا وشیعتنا خلقنا من طینة من علیین** الخ ہم اور  
 ہمارے شیعہ علی بن ابی طالب کی طینت سے پیدا ہوئے ہیں (امالی مذکور ص ۲۹)

(۳) نیز انہی جناب سے مروی ہے **فرایا شیعتنا جزء منا خلقوا من فضل طینتنا** یوسفہم ما یسوئنا  
 ولیسہم ما لیسنا۔ ہمارے شیعہ ہماری جزء ہیں وہ ہماری ہی بچی ہوئی طینت سے پیدا کئے گئے ہیں۔ اس لئے جو  
 چیز ہمیں دکھ پہنچائے ان کو بھی دکھ پہنچاتی ہے۔ اور جو چیز ہمیں خوش کرے وہ ان کو بھی خوش کرتی ہے (ابن ابی شیبہ ص ۱۹۵)  
 (۴) جناب رسول خدا فرماتے ہیں: **ان فی الفردوس لعینا احلی من الشہداء الین من الزبد و امجد**  
**من الشجر و اطیب من المسک فیہا طینتہ** خلقنا اللہ عزوجل منها خلق منها شیعتنا و ہم یکن من  
 تلك الطینت فلیس منا ولا من شیعتنا یعنی فردوس میں ایک چشمہ ہے جس کا پانی شہداء کے زیادہ  
 فیروز، گہری، گہری سے زیادہ نرم، برف سے زیادہ ٹھنڈا، اور کستوری سے زیادہ خوشبودار ہے اس میں ایک خاص طینت  
 (مٹی ہے) جس سے خدا نے عزوجل نے ہمیں اور ہمارے شیعوں کو پیدا کیا ہے پس جو شخص اس مقدس طینت سے پیدا  
 نہیں ہوا وہ نہ ہم سے ہے اور نہ ہمارے شیعوں میں سے ہے (ابن ابی شیبہ ص ۱۹۵) (۵) جناب امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں **لانا وایاکم من نور اللہ عزوجل فنجعلنا و طینتنا و طینتکم**  
**واحدۃ**۔ یعنی ہم اور آپ، شیعہ، خدا نے عزوجل کے خاص نور سے ہیں۔ اس نے ہمیں اور ہماری و تمہاری طینت کو  
 ایک بنایا ہے (علل الشرائع ص ۱۹۵ طبع قدیم)

اسی طرح ہزار درجہات مسکا وغیرہ میں اس قسم کے اتحاد طینت کے متعلق قریباً سولہ احادیث موجود ہیں۔ نیز  
 الدعۃ الساکبہ ص ۱۹۵ پر بھی اس قسم کی متعدد احادیث موجود ہیں فرامیج۔

جہاں ان احادیث مبارکہ سے یہ ثابت ہو گیا کہ حضرات اللہ اطہار علیہم السلام اور ان کے مخلص ہوا بیٹا  
**ابراز حقیقت** کی طینت ایک ہے تو اس سے یہ امر بھی واضح ہو گیا کہ جن بعض احادیث میں یہ وارد ہے کہ "ہم اس  
 مخصوص طینت سے پیدا ہوئے کہ لیس لاحد فیہا نصیب" جس میں کسی کا کوئی حصہ نہیں۔ اس سے بظاہر  
 مخالفین مراد ہیں کیونکہ اہل ولاد ایمان تو خود معصومی کے ارشاد ہامداد کے مطابق اس طینت مقدسہ میں شریک  
 ہیں۔ اس لئے ان کو اس حصہ سے محروم قرار نہیں دیا جاسکتا۔ واللہ اعلم۔

جب رد روشن کی طرح یہ حقیقت واضح و لاخ ہو گئی کہ اہل ایمان و ایقان سرکار محمد آل محمد علیہم السلام والی



مقدس طینت ہی سے پیدا ہوئے ہیں تو بعد ازیں یہ حقیقت محتاج بیان نہیں رہتی کہ اگر بائبل ہمہ ائمہ علیہم السلام کی نوع علیحدہ ہے تو پھر مومنین کی نوع بھی علیحدہ تسلیم کرنا چرے گی۔ اور اگر اہل ایمان انسانی نوع کے فرد ہیں اور یقیناً ہیں تو پھر ائمہ اہل بیت کو بھی اسی نوع کے افراد کا ملہ تسلیم کرنا چرے گا۔ یہ درست ہے کہ اس موضوع کے متعلق وارد شدہ بعض روایات میں یہ بھی وارد ہے کہ جس طینت سے خدا نے ہمارے ابدان خلق فرمائے ہیں۔ اس سے ہمارے شیعوں کے قلوب کو پیدا کیا ہے (امول کافی) مگر ان روایتوں سے بھی اس مخصوص طینت میں بائبل اشتراک تو ثابت ہے۔ ان روایات کی بنا پر بھی نوع ایک ہی رہے گی۔ و هذا اذ قسم من ان یخفی۔

**گیارھویں دلیل** یہ بات تبرسم کے شک و شبہ سے بالاس ہے کہ سر کا محمد و آل محمد علیہم السلام کے سلسلہ آباء و اجداد کے وہ بزرگوار جو نبی نہیں تھے۔ اس بے ننگائی کے لئے کہ انبیاء کی نوع تو محل بحث ہے۔ اور اسی طرح ان کی امہات بھرات شملہ جناب رسول خدا اور حضرت امیر کے والدین یقیناً بنی نوع انسان کے ہی افراد ہیں سلسلہ آباء و امہات کتب سیر و تواریخ میں مذکور ہے۔ نیز ان کی ذریت و اولاد (سادات کرام) بھی بالوحیدان انسان ہی ہیں۔ تو اب قابل غور بات یہ ہے کہ جب اس مقدس خانوادہ کے سلسلہ بالا اور سلسلہ پائیں میں سب انسان ہی انسان ہیں تو صرف درمیان سے یہ نوع کیونکر تبدیلی ہو گئی؟ اور کس طرح یہ بزرگوار نوع انسانی کے علاوہ کسی اور نوع کے افراد بن گئے؟ کیا کوئی صحیح الدماغ انسان اس کی کوئی مصیغ اور معقول وجہ پیش کر سکتا ہے؟ اور کیا عقل انسانی اس لایتحل عقدہ کو حل کر سکتی ہے؟ ہا تو اب وہاں تک ان کذمت صادقین! اسلام میں جو کہ عقل و خرد کا دین ہے۔ جو دین فطرت ہے۔ ایسے غیر معقول نظریہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اور نہ ہی وہ ایسے خلاف عقل و فطرت عقیدہ کی تائید کر سکتا ہے۔ اس لئے قافواً اسلام کا مقصد اعلیٰ (خداوند تعالیٰ اپنے) پیغمبر اسلام سے اعلان کرتا ہے کہ قل انما انا بشر مثلكم یوحی الی۔ اب لوگوں کی مرضی پر منحصر ہے کہ اس کا اقرار کریں یا انکار؛ من شاء فلیکفر۔

**بارھویں دلیل** تمام متقدمین و متاخرین علماء شیعہ امامیہ کثرہم الشہ فی البریۃ کا اس امر پر اتفاق ہے کہ انبیاء و مرسلین و دو مبادی ائمہ ظاہرین سب کے سب نوع انسان سے تعلق رکھتے ہیں۔ بلکہ فی الحقیقت انسان کہلانے کے حق واری وہی ہیں۔ قرآنی قاطعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ متقدمین کے عہد میں اس سلسلہ میں قطعاً کوئی اختلاف نہیں تھا سب ہی بالاتفاق انبیاء و ائمہ کو حقیقی بشر و انسان ہی سمجھتے تھے۔ اور اگر کچھ تقابلی تو وہ اس قدر ضعیف اور اختلاف کرنے والوں کی شخصیت اس قدر معمولی اور غیر اہم تھی کہ علماء ان کو درخور اعتنا اور قابل توجہ ہی نہ سمجھتے تھے اسی لئے ان کی کتب میں اس بحث کا کوئی مخصوص عنوان نہیں ملتا۔ ہاں ان کے کلام حقیقت ترجمان میں کچھ خفی یا صلی اشارت اور بعض جگہ ویسے ضمنی تصریحات ضرورتاً ملتی ہیں جن سے ان کے عقائد حقیقہ کی ترجمانی ہوتی ہے۔ پہلے پہل میں شخص نے اس اختراعی عقیدہ کو ہوادی اور باقاعدہ مدون کیا وہ شیخ احمد حسانی ہے وہ بائبل کی خواصہ نظریات کو کفر و اسلام کا دار و مدار سمجھا جاتا۔



ہے بہر حال ذیل میں علماء کے چند ارشادات پیش کئے جاتے ہیں

۱) حضرت شیخ مفید علیہ الرحمۃ اوائل المقالات ص ۲۹ طبع ایران پر لکھتے ہیں۔ اتفقت الامامیۃ علی ان انبیاء اللہ تعالیٰ عز وجل در سلمہ من البشر افضل من الملائکۃ یعنی تمام فرقہ امامیہ کا اتفاق ہے کہ بشر میں سے جو خدا کے انبیاء ہیں وہ فرشتوں سے افضل ہیں۔

۲) حضرت شیخ صدوقؒ اس سلسلہ میں حضرت ابوالقاسم حسین بن روح نائب خاص حضرت حمزہؑ کا استدلال نقل کرتے ہوئے قمر طراز میں۔ ولکن عز وجل بعث الیہم رسلاً من اجناسہم واصنافہم لبشراً مشابہہ قلوبہم رسلاً من غیر صنفہم وصورہم لنفروا عنہم ولم یقلبوا متہمہم لیکن خداوند عالم نے لوگوں کی طرف انہی کی جنس و صنف سے بشر رسول بنا کر بھیجے اگر وہ ان کی جنس و صنف کے علاوہ کسی اور صنف و صورت کے انبیاء مبعوث کرتا تو لوگ ان سے نفرت کرتے اور ان کی بات قبول نہ کرتے۔

(وسائل الشریعہ ج ۱ ص ۲۳ طبع قم)

۳) سرکار علامہ مکیؒ باب عادی عشر ص ۲ پر نبی کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ النبی والانسان المختبر عن اللہ بغیر واسطۃ احد من البشر۔ یعنی نبی وہ انسان ہے جو کسی بشر کے واسطہ کے بغیر اللہ کی طرف سے خبر دے۔ کذا فی شرحہ وکذا افادۃ الطریحی فی مجمع البحرین ص ۱۸ قریباً تمام کتب علم کلام میں نبی کی یہی تعریف کی گئی ہے۔ قرائع۔

۴) عالم مارف حضرت محسن قیص کا شافی اپنی کتاب علم الیقین فی اصول الدین ص ۱۰ طبع ایران پر سنات نبی و امام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ و یجب ان یکون انساناً لان مباشرة الملک لتعلیم الانسان علی هذا الوجه مستحیل كما قال اللہ عز وجل ولو جعلناہم ملکا لجعلناہ رجلا وللنبا علیہم ما یلبسون یعنی نبی و امام کا انسان ہونا واجب ہے کیونکہ فرشتہ کا اسی طرح اگر انسانوں کو تعلیم دینا محال ہے جیسا کہ ارشاد قدرت ہے اور اگر ہم فرشتہ کو نبی بناتے تو آخر اس کو بھی مرد صورت بناتے اور جو شیے یہ لوگ کر رہے ہیں وہی شیے (گویا ہم خود ان پر) اس وقت بھی اوڑھا دیتے (ترجمہ فرمان)

۵) سرکار علامہ مجلسیؒ فلسفہ بشریت انبیاء بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں فاحب و اتقنی حکمتہ البالغۃ ان یعرف خلقہ بالتوحید و یخصوہ بہ ولم یکن ذلک ممکناً الا بارسال الرسل لما قد تعہد من کمال علوہ و نہایۃ سدرہ و اخطاط درجۃ المکلفین و جہلہم و عجزہم فلذا جعل بینہ و مبین خلقہ سفراء یفیض علیہم من جہۃ کمالہم و یفیضو علی الخلق من جہۃ بشریتہم و مجاہستہم لہم (بحار الانوار ج ۵ ص ۱۸) یعنی خدا کی حکمت بالغہ نے تقاضا کیا اور خدا نے پسند فرمایا کہ اپنی مخلوق کو اپنی توحید کی



معتنی کرے اور خلق اس کی توحید کی قائل ہو۔ اور یہ امر بغیر رسولوں کے سمجھنے کے ممکن نہ تھا۔ کیونکہ وہ انتہائی مرتبہ کمال و بلندی پر فائز ہے اور ملکاتین مجربہ و قصور کے انتہائی پست درجہ پر ہیں۔ اس لئے اس نے اپنے اور اپنی مخلوق کے درمیان کچھ سیئہ مقرر فرمائے جن پر ان کے کمان کی وجہ سے احکام نازل کرتا ہے اور مخلوق کے ساتھ اپنی محابست و بشریت کی وجہ سے وہ احکام اپنچاٹے ہیں۔

۱۰ شیخ اکبر شیخ جعفر کاشف الغطاء نے اپنی کتاب کشف الغطاء پر اتمام حجت کے لئے آدمی کے انسانوں سے ہونے کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ولا با ارسال من لا يدخل تحت فساد الناس من الملائكة والجن والانس من لان النفوس لان كون الميدين اكر كوني ايسا آدمي يهيأ ما يهيئ انسانون كل قسم (نوع) سے نہ ہو کہ قرشتوں یا جنوں یا انسانوں کی قسم سے ہو تو حجت تمام نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ نفوس انسانی اس کی طرف قائل نہیں ہوتے۔

۱۱ حضرت مولانا دہلوی صاحب مکتبہ حیدر آباد علی گڑھ کے صاحبزادے مسٹر پرمنی کے اصطلاحی معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ومعنى النسي في الاصطلاح الانسان بعينه، اعني للتبليغ ما اوحى الله بعينه اصطلاح میں نبی کے معنی یہ ہیں کہ وہ ایک انسان ہے جسے خدا اس لئے مبعوث کرتا ہے کہ جو کچھ اس پر محتاج الہی وحی ہو اس کی تبلیغ کرے۔ سطور بالا میں (۱۰) علامہ طبرسی (۴) علامہ شعر بن آشوب (۱۰) اور علامہ حارثی مرحوم کا اس سلسلہ میں کلام حق و حمان نقل ہو چکا ہے (۱۱) صاحب رسالہ صراط النفاة مطبع اہل ان پر لکھتے ہیں ہر انسان خدا لازم است حفاظہ کہ دروئے زمین از نوع بشر یک نفر شخص کامل من جمیع الجہات واجب منصب نبوت و خلافت الیہ مجبور و معین نماید یعنی از دہے عقل خدا کے لئے لازم ہے کہ نوع بشر سے ایک ایسے شخص کو (۱۲) آقا کے سید مہدی موسوی نے اپنی کتاب مواہج الانوار مطبع ایران کے مطبعہ پرکاشا ہے لا یجفی ان الانبیاء والارسل من البشر فموجودہ منہم و افضل الیہ بات مختص نہیں ہے کہ انبیاء و ارسل بشر ہیں۔ (۱۳) جب حضرت امیر خیر و انبیاء تو وہ اعلیٰ یقیناً ان سے افضل ہوں گے (۱۴) اور (۱۵) پر لکھتے ہیں "و نعتقد ان علیاً بشر مخلوق من مخلوق الله تعالیٰ و وحی رسول الله، الہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ بشر و انسان ہیں اور مجاہدہ مخلوق خدا کے خدا کی مخلوق اور جناب رسول خدا کے وصی ہیں۔

(۱۳) جناب آقا کے معنی اپنی کتاب صراط الحق ص ۳ مطبع الطبع میں انبیاء کے خواص شمار کرتے ہوئے چوتھی خصوصیت یہ بیان کرتے ہیں "کونہم کعبیرہم فی اوصاف البشرینہ بقولہ تعالیٰ قل انما انا بشر مثکم یوحی الی را کہیف) و لقولہ وما ارسلنا من قبلك من قبلك من المرسلین الا انهم لیا کلون الطعام و یحییون فی الاسواق (الفرقان ۳۰) ضروری ہے کہ بشری اوصاف میں دوسرے انسانوں کی طرح ہوں۔ چنانچہ خداوند عالم کا ارشاد ہے (لے رسول) تم کہو کہ (کیثیت مخلوق) میں (ہی) تم ہی جیسا ایک آدمی ہوں (فرق یہ ہے) میری طرف وحی کیجاتی ہے (تیر خدا کا ارشاد ہے) اور ہم نے تم سے پہلے ہر رسول بھیجے تھے وہ کھانا بھی کھایا کرتے تھے۔ اور باز آدمیوں میں پھر اکتے تھے۔ (ترجمہ مقبول)



(۱۴) فاضل جلیل جناب آقا سید اسماعیل نوری اپنی کتاب کفایت الموعودین ج ۱ ص ۵۵ پر نبوت مطلقہ کے اثبات کے لئے قائم کرتے ہوئے بطور نتیجہ لکھتے ہیں "پس لازم است کہ ان واضع از جنس بشر باشد کہ بتوانند نوع انسان الفت گیرندہ باد و توسل نمایند باو الخ۔ پس لازم ہے کہ وہ (قانونی) واضع بشر کی قسم سے ہو تاکہ انسان اس سے الفت کریں اور نہ اس سے مانوس ہوں۔" اس مقام پر لفظ جنس بشر سے دھوکہ نہیں کھانا چاہئے۔ کیونکہ ہم قبل ازیں بھی اس امر کی وضاحت کر چکے ہیں کہ ایسی عبارات میں جنس کا لغوی مفہوم مراد ہوتا ہے کہ منطقی۔ اس کا مزید ثبوت خود فاضل موصوف کی اس عبارت سے قلمبند ہے۔ سابقہ عبارت کے چند صغیر بعد مٹا کر پانچواں کے صاعب معجزہ ہونے کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے "پس بغیر عبارت از فردیت از افراد انسان کہ ممکن باشد از کردن کار سے کہ سایر مردم ازاں عاجز باشند" پس بغیر انسانی افراد میں سے وہ فرد (کامل) ہے جو ایسا کام (معجزہ) انجام دینے پر قادر ہے جس کی انجام دہی سے تمام لوگ عاجز و قاصر ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ نبی کا جنس بشر ہونے کا مطلب ہے نوع انسانی کا فرد کامل ہونا۔

(۱۵) عالم جلیل جناب سید محمد قزوینی نے اپنی کتاب ہوار الغالین ص ۲۲ طبع ممبئی میں انبیاء و اولیاء کے بنی نوع انسان سے ہونے پر تمام مسلمانوں کے اجماع کا دعویٰ کیا ہے چنانچہ وہ شیخ احمد احسانی و بانی مذہب شیعہ کے بعض فقہاء سمیلہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں من جملۃ عقائد الشیعۃ احمداً الخالفۃ لعماد علیہ المسامون کون التبی و عقویم خلقا نوق بنی آدم۔ لا شیخ احمد احسانی کے من جملہ ان عقائد کے بن میں اس نے تمام مسلمانوں کی مخالفت کی ہے یہ ہے کہ وہ کہتا ہے نبی اور ان کی عزت اطہار بنی آدم کے اوپر کوئی اور مخلوق میں۔ الخ

ان متناقض و متناقض کی روشنی میں معمولی خدا و عقل و انصاف رکھنے والا انسان بھی کاسانی اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ انبیاء و اولیاء علیہم السلام کی انسان کے علاوہ کوئی اور نوع قرار دینا عقل و نقل اور قرآن کریم و حدیث معصومین اور اتفاق علماء کالمین کے سراسر خلاف ہے اور حقیقت و واقعہ یہی ہے کہ یہ ذوات عالیہ و متعالیہ نوع انسان کے ہی افضل ترین و مقدس ترین افراد ہیں۔ ہاں جہاں تک ان کے فضائل و کمالات اور عبادہ صفات کا تعلق ہے ان کی وجہ سے وہ صرف بنی نوع انسان ہی نہیں بلکہ جن و ملک بلکہ تمام کائنات کے تبار و سوار ہیں۔ یا ایہا الناس قد جاءکم موعظۃ من ربکم و شفاء لعلما فی الصدور و رھدی و رحمة للمؤمنین۔

جو کچھ اب تک اس موضوع پر سر قلم کیا گیا ہے وہ اگرچہ بعض شکوک و ابہام کا ازالہ | اہل عقل و انصاف کے لئے کافی سے بھی کچھ زیادہ ہے تاہم یہ بحث تشہد تکمیل رہے گا اگر دوسرے حضرات کے جملہ دلائل اور بالفاظ متناصب شکوک و شبہات ذکر کر کے ان کا پوری طرح ازالہ نہ کر دیا جائے اس لئے ہم ذیل میں یہ شبہات مع قطعی جوابات کے پیش کرتے ہیں۔

پہلا شبہ اور اس کا جواب۔ جو لوگ انبیاء و اولیاء کی عبودیت نوع تجویز کر کے بزعم خود اس میں ان کی عظمت کا راز



پوشیدہ گتے میں معلوم ہوتا ہے وہ درحقیقت بعض مغالطات و شبہات کا شکار ہیں۔ ان کا سب سے پہلا اور بڑا شبہ یا مغالطہ یہ ہے کہ اگر بزرگواروں کو انسانی نوع کے افراد تسلیم کر لیا جائے۔ تو پھر ان کو تمام صفات و خصوصیات میں بھی عام انسانوں جیسا تسلیم کرنا پڑے گا۔ اس طرح وہ من جمیع المجہات ہماری طرح ہو جائیں گے پھر ان کو ہم پر کیا فوقیت و فضیلت ہوگی اور وہ کس طرح نبی یا امام بن سکیں گے یہ امر ان کی سراسر غلط فہمی اور متناقضی سے چشم پوشی پر مبنی ہے ورنہ ارباب دانش و تبحر جانتے ہیں کہ کائنات عالم کی جہاں مختلف انواع میں باہمی فرق و امتیاز پایا جاتا ہے۔ وہاں ہر ہر نوع کے افراد میں بھی درجات و مراتب کا تفاوت و اختلاف موجود ہے اور ہر ہر نوع میں فاضل و مفضل اور راجع و مرجع افراد پائے جاتے ہیں فضلنا بعضہم علی بعض فی الدرجات۔ اس میں شک نہیں کہ نبی بشر ہوتا ہے لیکن اگر ہم خاک میں تو وہ اکسیر ہم پتھر ہیں تو وہ گوہر ہم سنگ خارہ و پارس ہم ذرہ و آفتاب ہم جابل و عالم ہم ناقص و کامل ہم مثل قالب میں وہ جان عالم۔ وہ بشر ہے مگر روح مجسمہ وہ جسم ہے مگر جسم مرقع۔ ہم ثنائیت کے یکے میں کہ جنسیت یا نوعیت میں شریک ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ جملہ کمالات و صفات میں مساوی ہوں۔ جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک حیوان نہایت ہی ضعیف القوی و الخوار ہوتا ہے اور تمام حواس بھی نہیں رکھتا۔ اور ایک حیوان نہایت ہی قوی الخوار سریع المحس ہوتا ہے اور حرکت ارادی و احساس میں درجہ کمال پر پہنچا ہوا۔ حالانکہ دونوں حیوان ہی کہلاتے ہیں۔ اسی طرح انسان تمام انسان کہلاتے ہیں۔ لیکن ایک انسان نہایت اونٹ اور جو میں ہوتا ہے حق گوید انہوں سے بھی بدتر۔ اور ایک نہایت درجہ کامل۔ حالانکہ وہ بھی بشر ہے اور یہ بھی ہم کہہ سکتے ہیں کہ باقل اور این حبیف (جو حماقت میں ضرب المثل ہیں) بھی بشر ہے بلکہ انسان ہے بشر ارسطو و افلاطون۔ اور یہ کہنا بالکل صحیح ہے تو دنیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ جملہ کمالات میں مساوی ہیں بلکہ اتنا فرق ہے کہ ان میں آپس میں کوئی نسبت قائم نہیں کی جاسکتی۔ سوائے اس کے کہ صورت انسانی رکھتے ہیں اور آدمی کہلاتے ہیں (کشف الاسرار ص ۲۹)

دوسرا شبہ اور اس کا جواب | روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی و امام کی خلقت جس قسم کے مادہ سے ہوتی ہے وہ اور  
ہے اور عام لوگوں کی خلقت کا مادہ اور ہے۔ چنانچہ راوی کا بیان ہے کہ میں نے امام  
جعفر صادق علیہ السلام کے ہمراہ اس سال حج ادا کیا جس سال جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ جب  
جناب حمیدہ نے یہ خبر دی کہ جناب موسیٰ کاظم علیہ السلام میں وقت حکم مادر گرامی سے باہر تشریف لائے ہیں تو دونوں ہاتھ  
زمین پر رکھے اور سر مبارک بلند کیا تو امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔

ان ذلک اما رقا رسول اللہ و اما رقا الوسی من بعدہ فخلقت جعلت فذاک و ما هذا من اما رقا رسول اللہ  
و اما رقا الوسی من بعدہ فقال لی انہ لما کانت اللیلۃ التي علی فیہا بجدی اتی ات جدابی بکأس فیہ شریبا  
اروق من الماء والین من الزبد و اخلی من الشہد و ابرد من الشیخ و ابيض من اللبن فسقاہ ایاہ و اما رقا  
بالجماع فقام فجامع فخلی بجدی ولما کانت اللیلۃ التي علی فیہا بابی اتی ات جدی فسقاہ کما سقونی



جد ابی و امروہ بمثل امرہ نقام فجامع فعلق بابی ولما كانت اللیلۃ الّتی علق فیہا فی اتی انت ابی خستاء  
 بما سقام وامروہ بالذی امرهم بہ نقام فجامع فعلق بابی ولما كانت اللیلۃ علق فیہا بابنی اتانی انت کما  
 اتاہم ففعل فی کما فعل بہم فقامت وانا مسرور بما یب الله لی فجامعت فعلق بابنی هذا المولود  
 فذونکم قسروا الله صاحبکم من بعدی وان نطفۃ الامام مما اخبرتک الخ (احول کافی کتاب بکوة  
 باب موالید الائمة جلد ۳ ص ۳۵)

بے شک یہ جناب رسول خدا کی نشانی ہے اور آپ کے بعد علامت وحی۔ راوی کہتا ہے میں نے عرض کی میری  
 ماں آپ پر خدا ہو علامت رسول اور علامت وحی کا کیا مطلب ہے۔ امام نے فرمایا جب کہ وہ شب آئی جس میں میرے  
 جد بزرگوار کا انعقاد ہوا تھا۔ تولایا ایک لائے والا جناب امام حسین علیہ السلام کے پاس ایک جام جس میں شربت تھا۔  
 جو پانی سے زیادہ رقیق، بکھن سے زیادہ نرم، شہد سے زیادہ میٹھا، برف سے زیادہ ٹھنڈا اور دودھ سے زیادہ  
 سفید تھا۔ پس پلایا میرے جد بزرگوار کے والد کو۔ اس کے بعد اللہ کا حکم پہنچا یا کہ مقاربت کریں۔ چنانچہ وہ اللہ  
 کو اپنی زوجہ محترمہ کے پاس گئے۔ میرے جد کا انعقاد ہو گیا۔ اور جب میرے پدر بزرگوار کا انعقاد ہوتا تھا تو اسی طرح لایا  
 لائے والا شربت کا پیالہ میرے جد کے پاس اور ان کو پلایا جیسا کہ میرے جد کے پدر بزرگوار کو پلایا تھا۔ پھر ان کو خدا  
 کا یہی حکم پہنچا یا تھا۔ پس میرے جد نے اللہ کو مقاربت کی۔ پس میرے پدر بزرگوار کا انعقاد ہو گیا۔ اور جب وہ شب  
 آئی جس میں میرا انعقاد ہوتا تھا تو پھر لایا لائے والا۔ پس پلایا میرے والد بزرگوار کو جس طرح ان حضرات کو پلایا اور  
 وہی حکم ہوا جس طرح ان حضرات کو حکم ہوا تھا۔ پس میرے والد نے تعمیل کی۔ پس میرا انعقاد ہو گیا۔ اور جب وہ شب  
 آئی جس میں میرے بیٹے کا انعقاد ہوتا تھا۔ تو پھر لایا لائے والا پس اسی طرح کیا جس طرح ان حضرات کے ساتھ کیا تھا۔  
 پس میں اس بات کی وجہ سے خوش و خرم ہو کر اٹھا جو خدا مجھے عطا فرمائے والا تھا۔ اور مباشرت کی۔ پس میرے اس بیٹے  
 کا انعقاد ہو گیا۔ جو اب پیدا ہوا ہے۔ خدا کی قسم! میرے بعد تمہارا صاحب (امام) یہی ہے۔ اور بے شک نطفہ امام کا  
 اسی شربت سے ہوتا ہے جس کی تجھ کو خبر دی ہے۔“

پس امام نے نص فرمادی ہے کہ امام کا مادہ کثیف اور ارضی نہیں بلکہ لطیف اور عرشى ہوتا ہے۔ اس شیعہ کا  
 پہلا جواب یہ ہے کہ ہمیں اس بات کا ہرگز انکار نہیں ہے کہ امام کا مادہ نہایت طیب و لطیف اور پاکیزہ خدا سے تشکیل  
 پاتا ہے اس امر کا بھی اعتراف ہے کہ ان کی طینت مقدسہ نہایت اعلیٰ اور لطیف ہوتی ہے جیسا کہ اصول کافی، بصائر  
 الدرجات اور ہفتم بحار وغیرہ کتب میں اس قسم کی متعدد احادیث موجود ہیں۔ مگر بایں ہمہ اس سے یہ تو ہرگز ثابت نہیں  
 ہوتا کہ ان کی نوع علیحدہ ہے۔ ورنہ اگر اتنے سے اختلاف کی وجہ سے نوع بدل جائے تو پھر کافر و مسلم اور مومن و  
 مخالف کی بھی نوعیں علیحدہ علیحدہ تسلیم کرنا پڑیں گی۔ کیونکہ متعدد احادیث میں ان سب کی طینتوں کا باہم مختلف ہونا بھی



مذکور ہے بطور نمونہ یہاں صرف ایک دو حدیثیں پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) عن علی بن المحسین علیہ السلام قال ان الله عز وجل خلق النبیین من طينة علیین قلوبهم وابدانهم وخلق قلوب المؤمنین من تلك الطينة وجعل خلق ابدان المؤمنین من دون ذلك وخلق الکفار من طينة سجین قلوبهم وابدانهم الخ (المحدث طویل نقلناه بقدر الحاجة) خداوند عالم نے انبیاء علیہم السلام کے دلوں اور بدنوں کو طینتِ علییین (رہشت کی مٹی) سے پیدا کیا ہے اور مومنین کے دلوں کو بھی اسی طینت سے پیدا کیا ہے اور ان کے بدنوں کو اس کی نسبت قدرے پست طینت سے پیدا کیا۔ اور کفار کے دلوں اور بدنوں کو طینتِ سجین (دوزخ کی مٹی) سے پیدا کیا ہے الخ (اصول کافی ص ۳۲۱ یک جلدی طبع تہران)

(۲) صالح بن سہل بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت صادق آل محمد علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا المؤمنون من طينة الانبیاء؛ کیا مومنین انبیاء والی طینت سے پیدا ہوئے ہیں؟ قال نعم فرمایا ہاں! (ایضاً ص ۳۰)

(۳) حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں۔ خلق عددان من سجین خدا نے ہمارے دشمنوں کو طینتِ سجین (دوزخ کی مٹی) سے پیدا کیا ہے (ایضاً ص ۳)

تو کیا ان احادیث کے پیش نظر کوئی شخص یہ تصور بھی کر سکتا ہے کہ مومن کی نوع الگ ہے اور کافر کی الگ؟ تو بالکل اسی طرح اس سے بھی نوع پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ کہ نقطہ عرشی شربت سے مشکون ہو یا فرشی غذا سے۔ شرعی اور طبی نقطہ نظر سے یہ درست ہے کہ غذا کی لطافت و کثافت اور عذائت و حرمت کا وضعی اثر مولود کی سیرت اور اس کے کردار بلکہ اس کی جسمانی صحت پر بھی فی الجملہ اثر پڑتا ہے مگر یہ چیزیں دیگر است۔ غذا کے اس اختلاف کو دیکھتے ہوئے کیا کوئی صاحب عقل سلیم اور طبع متقیم یہ کہہ سکتا ہے کہ اس غذا سے متولد ہونے والے بچوں کی نوعیں بھی مختلف ہوں گی؟ مالکم کیف تھکمون؟ دوسرا جواب۔

متعدد اخبار و آثار سے واضح و آشکار ہو چکا ہے کہ انبیاء و ائمہ علیہم السلام میں قیصر اشبہ اور اس کا جواب عام ارواح کے علاوہ ایک اور خاص روح ہوتی ہے جسے روح القدس کہا جاتا ہے۔

چنانچہ جناب مہاجر جعفری امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں۔ امام نے فرمایا یا حاجا بدران فی الانبیاء والادویاء خمسة ارواح روح القدس وروح الایمان وروح الحیوة وروح القوة وروح الشهوة فبروح القدس یا حاجا برعلو فاما تحت العرش الی ما تحت الثری، ثم قال یا حاجا بدران هذا الاربعة ارواح یصیبها الحدثان الا ارواح القدس فانها لا تلهو ولا تلعب، اصول کافی ص ۱۳۲ طبع ایران۔

اے چارٹر! انبیاء اور ائمہ طاہرین میں پانچ روہیں ہوتی ہیں۔ روح قدس، روح قوت، روح شہوت، روح ایمان اور روح حیات۔ پس اے جابر یہ حضرات روح القدس کے ذریعہ سے ماتحت عرش سے ماتحت الثری تک علم رکھتے ہیں۔

کا مادہ و کول و مشروب عرشی سے مشکون ہوتا ہے وہ بھی وادہ ہے کہ مومن کا مادہ و خلقت بھی ماکول و مشروب عرشی سے بنتا ہے (بلا غلہ ہو الخویر لعلنا

یہ اگر اس بنا پر بھی وادہ کی نوع علیہ تجزیکر جاتی ہے کہ نکلا اور کثیف اور انوشی نہیں بلکہ لطیف اور شہی ہے تو یہ تمام اہل ایمان کی نوع الگ تسمیہ کرنا چاہیے کیونکہ جہاں یہ ارواح باقیات ہیں وہ جہاں کہہ



پھر فرمایا اسے جاؤ! ان چار ارواح پر جو اودھ زمانہ طاری ہوتے ہیں۔ مگر روح القدس پر جو اودھ زمانہ طاری نہیں ہوتے۔ اور روح القدس نہ لہو و لعب میں مشغول ہوتی ہے اور نہ اس میں تغیرات واقع ہوتے ہیں۔ یہ خاص روح جو خاص خاص برگزیدہ اور منتخب بندوں کو دی جاتی ہے یہ روح نبوتی ہی ہے جو روح انسانی سے بلند و بالا ہے اور یہ روح ان کی ذاتیات میں داخل ہے۔ اور اس کا خاصہ دائرہ و گنج ہے۔ اور یہی فصل تمیز ہے۔ مابین نبی بشر اور وحی ہے۔ کیونکہ جنس اور فصل میز سے مل کر ماہیت شمی بنتی ہے۔ نتیجہ کلام یہ کہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبی و امام کی بوجہ روح القدس کی زیادتی کے نوع علیحدہ ہے۔

اس شبہ کے کئی جوابات پیش کئے جاتے ہیں۔

**پہلا جواب روح القدس کی حقیقت میں مختلف** | اس امر کے متعلق علماء میں شدید اختلاف ہے کہ روح القدس

بعض نے یہ کہا ہے کہ وہ فرشتوں کے علاوہ ایک اور قسم کی مخلوق ہے بعض نے دوسری روحوں کی طرح اسے جسم کے اندر تسلیم کیا ہے بعض نے جسم سے الگ مگر اس کے ہمراہ ہونے کا نظریہ قائم کیا ہے۔ جو صاحب روح کی براہ بنائید و تسدید کرتا ہے۔ اور بعض نے یہ کہا ہے کہ روح القدس دو ہیں۔ ایک جسم میں داخل ہے اور دوسرا خارج۔ چنانچہ مولانا شیخ محمد تقی اصفہانی نے اپنی کتاب العنايات الرضویہ کے صفحہ ۱۷۱ پر اس کے متعلق سات احتمالات ذکر کئے ہیں۔ مگر کسی احتمال کو کسی پر ترجیح نہیں دے سکے۔ لکھتے ہیں (وامانة) لعل الملک د بالروح العقل ففی الحدیث العقل اول الروحانیین عن یمین العرش وهذا مطابق للحدیث اول ما خلق العقل واول ما خلق الله الروح۔ اور ان

المواد به الملك ففی الحدیث الروح خلق اعظم من جبرئیل ومیکائیل۔ ومیکن ان یکون بمعنی الرحمة الدائمة التي لا تزال لانهم احیاء عند ربهم یرزقون۔ او بمعنی الرحمة القدسیة كما فی تفسیر قولہ تعالیٰ انه لا یبأس من روح الله ای رحمتہ وذلك لانهم معدن الرحمة القدسیة فلهذا الرحمة روح قدسی او بمعنی الايمان كما فی قوله تم وایدهم بروح منه قبل هو الايمان وهو مروی عنهم وقیل الھدی والظاہر ان تسمیة الروح بالھدی والايمان باعتبار اطلاق الحال علی المحل۔ وقیل ان الروح هی نفس الانسان وحقیقتہ وہی اخفی الاشیاء یعنی روح سے مراد شایع عقل ہے جیسا کہ حدیث میں وارد ہے کہ عقل عرش کے دائیں طرف موجود روحانی مخلوق میں سے ہے۔ اور یہ اس حدیث کے بھی مطابق ہے جس میں وارد ہے کہ سب سے پہلے خدا نے عقل کو پیدا کیا اور سب سے پہلے روح کو پیدا کیا۔ یا اس سے مراد فرشتہ ہے جیسا کہ حدیث میں وارد ہے کہ روح جبرئیل ومیکائیل سے بھی زیادہ عظیم المرتبت مخلوق ہے۔ ممکن ہے روح بمعنی رحمت دائمیہ ہو۔ جو ہمیشہ ان بزرگواروں کو حاصل رہتی ہے کیونکہ وہ درحقیقت زندہ عابد ہیں۔



اور اپنے پروردگار سے رزق پاتے ہیں یا بمعنی رحمتِ قدس یہ ہے جیسا کہ ارشاد رب العزت انہ لایئیس من روح اللہ میں روح کی تفسیر رحمت کے ساتھ کی گئی ہے اور یہ اس لئے ہے کہ بزرگوار رحمتِ قدس کا منبع و معدن بھی نہیں ہی رحمتِ قدس روح القدس ہے یا روح بمعنی ایمان ہے جیسا کہ ارشاد قدرت "وایدھم جروح منہ" میں روح کی تفسیر ایمان سے کی گئی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ روح سے مراد ہدایت ہے ظاہر یہ ہے کہ روح القدس پر ایمان و ہدایت کا اطلاق مجازی ہے باعتبار اطلاق حال بر محل (کیونکہ روح القدس ہدایت ایمان کا محل ہے) اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ روح سے مراد حقیقتِ انسانیہ ہے اور یہ تمام ضروری اشیاء سے زیادہ مخفی و مستور ہے۔

اسی طرح عالم ربانی جناب علامہ صالح مازذرائی نے اپنی شرح اصول کافی ج ۶ ص ۶۶ پر روح القدس کے متعلق چند احتمالات ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے۔ واللہ العالم وانا استغفر اللہ مما اقول اللہ ہی اس کی کیفیت کو بہتر جانتا ہے میں نے اس کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس کے متعلق یا رگاہ قدرت سے مغفرت طلب کرتا ہوں۔

سرکارِ علامہ مجلسی جیسا خواص بہار الانوار جلد ۷ ص ۲۶ پر روح القدس کے متعلق قریباً دس احتمالات ذکر کرنے کے بعد کسی کو کسی پر ترجیح دینے بغیر اسے قالبِ اشکال و اجمال میں چھوڑ دیتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں۔

"ثم أعلم ان الروح يطلق على النفس الناطقة وعلى الأرواح الحيوانية الساتية في البدن وعلى خلق عظیم امام جنس الملائكة ورا عظم منهم والامراض المذكورة هنا يمكن ان يكون ارواحاً مختلفة متباينة بعضها في البدن وبعضها خارجة عنه او يكون المراد بالجميع النفس الناطقة باعتبار اعمالها وادوارها ودرجاتها ومرتبتها واطلقت على تلك الاحوال والدرجات كما انه يطلق عليها النفس الامارة والوامة والملممة والمطممة بحسب درجاتها ومرتبتها في الطاعة والعقل الهيولاني وبالمملكة وبالعقل المستفاد بحسب مراتبها في العلم والمعرفة ويحتمل ان يكون روح القوة والشهوة والمدرج كلها الروح الحيوانية وروح الايمان وروح القدس النفس الناطقة بحسب كما لاقتها وتكون الاربعة سوى روح القدس مراتب النفس وروح القدس المخلق الاعظم فان ظاهراً اكثر الاخبار صابنية وروح القدس النفس مرآة العقول ص ۱۹) ويحتمل ان يكون ارتباط روح القدس على النفس في تلك الحالة او على تلك النفس تطلق روح القدس على النفس وعلى تلك الحالة وعلى الجوهر القدسي الذي يحصل له الارتباط بالنفس في تلك الحالة كما تقول الحكماء في ارتباط النفس بالعقل الفعّال بزعمهم ربياً ولون اكثر الآيات والاخبار اعتماداً على عقولهم القاصرة وانكارهم الحاضرة" كذا في مرآة العقول ج ۱ ص ۱۹ وقال في آخره "وعلم جميع ذلك عند العليم الخبير" یعنی جانتا چاہئے کہ روح کا پسند معانی پر اطلاق ہوا ہے کہیں تو اس کا اطلاق نفسِ ناظر پر ہوتا ہے اور کہیں اس روح حیوانی پر جو بدنِ انسانی میں جاری و ساری ہے۔



کبھی اس مخلوقِ عظیم پر جو یا تو ملکہ کی قسم سے ہے یا ان سے بھی عظیم تو ہے۔ یہ ارواحِ ربوانِ اعاذیت میں یہاں مذکور ہیں۔  
 ممکن ہے کہ یہ متعدد و مختلف اور باہم دیگر متضاد ہوں۔ یا اس طور کہ بعض بدن میں داخل اور بعض اس سے خارج ہوں۔  
 اور ممکن ہے کہ ان تمام سے مراد نفسِ ناطقہ ہی ہو اور اس پر مختلف نام، اس کے مختلف اعمال و احوال اور درجات کی  
 وجہ سے، اطلاق کئے گئے ہوں یا نفسِ ناطقہ کے انہی احوال و درجات پر ان روحوں کا اطلاق کیا گیا ہو جس طرح کہ  
 انہی مختلف احوال و درجات پر نفسِ امارہ، نوامہ، ملہبہ اور نفسِ مطمئنہ کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ باعتبارِ اخلاص و  
 عقلِ بیولانی، عقلِ بالملکہ اور عقلِ مستفاد کے مختلف مراتب علم و معرفت کے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ روحِ اقنود  
 روحِ الشہودہ اور روحِ مدرج سے مراد روحِ حیوانی اور روحِ الایمان و روحِ القدس سے مراد نفسِ ناطقہ ہو۔  
 کسب اس کے کمالات کے۔ یا روحِ القدس کے علاوہ دوسرے چاروں روحوں سے نفسِ انسانی کے مختلف مراتب  
 مراد ہوں اور روحِ القدس سے مراد جبرئیل و میکائیل سے بھی اعلیٰ تر مخلوق ہو۔ کیونکہ آثار و اخبار سے یہی ظاہر ہوتا  
 ہے کہ یہ (روحِ القدس) نفس سے مختلف ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ روحِ القدس کا تعلق نفس سے اس کی اسی  
 حالت (معرفت) میں ہوتا ہو۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ اسی نفس پر یا اس کی اس (عرفانی) کیفیت و حالت پر روحِ القدس  
 کا اطلاق کیا گیا ہو۔ یا اس سے مراد وہ جو ہر قدسی جو جس کا ربط و تعلق نفس کے ساتھ اس کی اسی (معرفتِ تامہ) والی صورت  
 میں ہوتا ہے جس طرح حکماء اپنے گمان کے مطابق نفس کے عقلِ فعال کے ساتھ ارتباط کے متعلق کہتے ہیں۔ اور اپنے  
 اقوال ناقصہ و آرا کا سدھ پر اعتماد کرتے ہوئے (اس موضوع کے متعلق) بہت آیات و روایات کی اسی کے ساتھ تاویل  
 کرتے ہیں، ان تمام حقائق کا صحیح علم و خیر ذات ہی کو ہے۔

تاریخ کرام مکمل اس خواص بخارِ اخبارِ ائمہ اطہار کے اس کلام پر غور و تامل فرمائیں کہ انہوں نے روحِ القدس کے  
 اسے میں کس قدر احتمالات کثیرہ ذکر فرمائے ہیں۔ اور بالآخر اس کی حقیقت تک اپنی نارسائی کا کس صراحت و صفائی  
 کے ساتھ اقرار فرمایا ہے تو جس چیز کی حقیقت کھنے سے بڑے بڑے اعاظم علماء و جہانگیر فضلہ سپر انداز ہو گئے ہوں اس  
 بولِ حقیقت چیز پر کیوں کراستہ لال کی دیوار استوار کی جاسکتی ہے؟

روحِ القدس کی حقیقت ائمہ اطہار کے اخبار کی روشنی میں | یہاں تک ہم نے سرکارِ محمد و آلِ محمد علیہم السلام  
 کے اخبار و آثار کا تتبع و تفحص کیا ہے اور بقدر  
 مکان و استطاعت جانفشانی و عرق ریزی کرنے کے بعد جس نتیجہ پر پہنچے ہیں وہ یہ ہے کہ روحِ القدس ”دیگر ارواح کی قسم  
 کے نہیں بلکہ فرشتوں میں سے ایک فرشتہ ہے جو جناب جبرئیل و میکائیل جیسے حبیبِ القدر فرشتوں سے بھی زیادہ عظیم شان  
 ہے۔ جناب پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ کے برابر ہوا رہا۔ اور ان کے بعد کے بعد دیگرے دوسرے ائمہ اطہار کی طرف منتقل  
 ہوتا رہا ہے۔ وہ اگرچہ بغیر من تاں و تسدید ہمیشہ ان بزرگواروں کے ہمراہ رہتا تھا۔ اسی وجہ سے اسے روحِ مسد بھی کہا جاتا ہے



مگر کبھی کبھی باقتضائے مصلحت، ایزدی کچھ وقت کے لئے ان سے الگ بھی ہو جایا کرتا تھا۔ رہا یہ امر کہ اس کا ربط و تعلق کب  
 نئی دُعاؤں سے ہوتا ہے؟ اس میں بھی سخت اختلاف ہے۔ اکثر اخبار و آثار سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سلسلہ نبی و امام  
 کے ظاہری مرتبہ نبوت و امامت پر فائز ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے البتہ بعض اخبار سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ جسمانی ولایت  
 کے ساتھ ہی اس اتصال و ارتباط کا سلسلہ جاری ہو جاتا ہے۔ اور بعض آثار سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ اس جسمانی خلقت  
 سے پہلے ان فواتِ مقدسہ کی روحانی خلقت کے وقت بھی اس سے ربط و تعلق کا رشتہ قائم تھا۔ واللہ اعلم  
 ذیل میں ہم اپنی اس تحقیق کے مختصر سے شواہد پیش کرتے ہیں۔ بصائر الدرجات ص ۱۳۴ طبع قدیم ہر روزہ ظاہرین کی اس  
 مضمون کی متعدد روایات وارد ہیں جن میں مختلف سالیحین ان حضرات سے دریافت کرتے ہیں۔ تسانون عن الشیء فلا  
 یكون عندک علمہ قال وبعاً کان ذلک قلت کیف تصنعون؟ قال تلقانا بہ روح القدس کہ آیا کبھی ایسا  
 ہوتا ہے کہ آپ سے کسی چیز کا سوال کیا جائے اور آپ کے پاس علم نہ ہو؟ فرمایا ہاں کبھی ایسا ہوتا ہے۔ سائل نے  
 کہا پھر آپ اُس وقت کیا کرتے ہیں؟ فرمایا روح القدس دستجاب اللہ اس کی اطلاع دے دیتا ہے۔ بعض روایات  
 میں یہ لفظ وارد ہیں فاذا ورد علینا شیء لیس عندنا تلقانا بہ روح القدس جب ہمیں کوئی ایسا واقعہ پیش  
 آئے جس کا حل ہمارے پاس نہ ہو تو روح القدس اس کے متعلق ہم سے ملاقات کرتا ہے۔ بعض احادیث میں یہ الفاظ وارد  
 ہیں ان عیینا شیباً تلقانا بہ روح القدس جب ہم کسی چیز کے بارے میں درماتد ہو جائیں تو روح القدس تائید  
 کرتا ہے (کذا فی منہاج البرامۃ ج ۲ ص ۶۶) بصائر الدرجات کے اسی صفحہ پر امام محمد باقر علیہ السلام کا یہ ارشاد موجود  
 ہے۔ ان الادویا و محلاتیون یحل ثہم روح القدس ولا یرونہ الخ اوصیاء محدث ہوتے ہیں روح القدس  
 ان کے ساتھ گفتگو کرتا ہے لیکن وہ اسے دیکھتے نہیں ہیں۔ ۳۲۱ پر ایک روایت درج ہے کہ حضرت امام جعفر  
 علیہ السلام سے آیت مبارکہ کذلک اوحینا الیک روحاً من امرنا ما کنت تدری ما الکتاب ولا الایمان  
 میں وارد شدہ روح کے متعلق سوال کیا گیا۔ آپ نے فرمایا ملک منذ انزل ذلک الہلک لہ بعد الی اللہ  
 کان مع رسول اللہ و ہو مع الائمہ لیس ذہم یہ ایک فرشتہ ہے جب سے اُترتا ہے پھر آسمان پر نہیں گیا۔ پھر  
 جناب رسول خدا کے ہمراہ تھا۔ پھر ان کے بعد ائمہ ہدیٰ کے ہمراہ رہا کہ ان کی تائید و تسدید کرتا رہتا ہے۔  
 ۳۲۲ پر ایک طویل حدیث کے ضمن میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا فاذا  
 النبئی انتقل روح القدس فصار فی الامام الخ جب جناب رسول خدا کا انتقال ہو گیا۔ تو روح القدس امام پر  
 علی کی طرف منتقل ہو گیا۔ اگر دوسری روایات کی طرح روح القدس بھی ایک روح ہو تو پھر اس طرح تناسخ لازم آتا  
 ہو تمام اہل اسلام کے نزدیک باطل اور اس کا اعتقاد رکھنا کفر ہے جناب امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں  
 بالنسب تناسخ فہو کا فرما اللہ العظیم جو شخص تناسخ کا قائل ہو وہ کافر ہے۔ (عیون اخبار الرضا ص ۳۷)



بصائر ۱۲۵ پر متعدد روایات موجود ہیں جن کا مضمون یہ ہے کہ صند انزل اللہ ذلک الروح علی محمد لم یصلح الی السما وانه لفینا۔ جب سے خدا نے اس روح القدس کو آنحضرت پر اتارا ہے پھر آسمان پر نہیں گیا اور وہ ہم میں موجود ہے نیز اسی کتاب کے ص ۱۳ پر وہی روایت متعدد طرق سے مروی ہے جو ہم پہلی دلیل کے ضمن میں تفسیر صافی و بریلانی اصول کافی سے نقل کر چکے ہیں کہ امام نے آنحضرت کے متعلق فرمایا قد کان فی حال لایدرہی مالک کتاب ولا الایمان حتی بعث اللہ تلک الروح فعلمہ بہا العلم والفہم وکذلک تجزئ تلک الروح اذا بعثھا اللہ الی عبدہ علمہ بہا العلم والفہم یعنی آنحضرت پر ایک ایسی حالت بھی گزری ہے کہ کتاب و ایمان کا علم نہ رکھتے تھے۔ حتیٰ کہ خدا نے اس روح (القدس) کو بھیجا۔ پس اس کے ذریعہ ان کو (مخصوص) علم و فہم عطا فرمایا۔ اسی طرح اس روح کا یہ سلسلہ برابر جاری رہتا ہے جب خدا یہ روح اپنے کسی خاص بندے (امام) کے پاس بھیجتا ہے تو اسے (مخصوص) علم و فہم عطا فرمادیتا ہے۔

اسی طرح ص ۱۳ کی بعض روایات سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ یہ روح "خلق اعظم من جبرئیل و میکائیل لم یکن مع احد ممن مضیٰ غیر محمد و هو مع الامۃ یسد دہم و لیس کما یتطلب وحید۔" جبرئیل و میکائیل سے بھی عظیم الشان ایک مخلوق ہے سوائے سرور کائنات کے گذشتہ راہبیاؤ و ادھیاء میں سے کسی کے ہمراہ نہ تھا۔ البتہ آنحضرت کے بعد یہ روح القدس ائمہ علیہم السلام کے ہمراہ تسدید و تائید کی غرض سے رہتا ہے۔ اور ایسا نہیں ہے کہ جب بھی اسے طلب کیا جائے تو ضرور پایا ہی جائے۔ بعض حضرات نے جملہ "خلق اعظم من جبرئیل و میکائیل" سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ وہ فرشتوں کے علاوہ کسی اور نوع سے تعلق رکھتا ہے یہ مطلب درست نہیں ہے اس کے بطلان پر علاوہ اس روایت کے جو بصائر کے حوالہ سے ہم پیش کر چکے ہیں بحار الانوار جلد ہفتم ص ۲۲ پر متعدد روایات موجود ہیں جن میں مذکور ہے ہو ملک اعظم من جبرئیل و میکائیل کان مع رسول اللہ و هو مع الامۃ علیہم السلام وہ جبرئیل و میکائیل سے بھی عظیم الشان ایک فرشتہ ہے جو پہلے جناب رسول خدا کے ہمراہ تھا۔ پھر ان کے بعد ائمہ کے ہمراہ رہتا ہے۔ بصائر الدرجات کی مذکورہ بالا حدیث کے آخری جملہ و لیس کما یتطلب وجداً کی توضیح کرتے ہوئے علامہ مجلسی نے اس کا ایک مطلب یہ بیان کیا ہے کہ "ذلک الروح قد یحضر وقد یغیب و لیس کما یتطلب وجد فلذا اقلد یتاخر جواہرہ (بحار ج ۲ ص ۲۴) یعنی اس جملہ کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ روح القدس کبھی حاضر ہوتا ہے اور کبھی غائب اور جب غائب ہو تو ایسا نہیں کہ جب بھی اسے طلب کیا جائے۔ تو پایا ہی جائے اسی بنا پر بعض اوقات ان حضرات کا جواب مؤخر ہو جاتا ہے کہ روح القدس کے بعض اوقات غائب ہو جانے کی تصریح۔ اس جملہ کی توضیح اور مجلسی مرحوم کے بیان کردہ مفہوم کی تائید مزید رجال کشی ص ۳۱ اور رجال ما توفی ج ۲ ص ۱۹ پر ایک طویل حدیث کے ضمن میں حضرت امام رضا سے مروی ہے جس میں آپ نے اپنے والد ماجد



امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو پیش آمدہ سانحہ کے متعلق ایک شبہ کا جواب دیتے ہوئے فرمایا غاب عنہ المحدث قلتم  
من المحدث قال ملک اعظم من جبرئیل ومیکائیل کان مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الاثنتی عشر لیلۃ  
علیہم و لیس کلمتا طلب وجد یعنی اُس وقت محدث آپ سے غائب ہو گیا تھا طائوس راوی کہتا ہے میں نے عرض کیا  
محدث کون ہے؟ فرمایا وہ جبرئیل و میکائیل سے عظیم المرتبت ایک فرشتہ ہے جو جناب رسول خدا کے ہمراہ تھا اور ان کے بعد  
ائمہ اربعہ کے ساتھ رہتا ہے اور ایما تعین کہ جب بھی اسے طلب کیا جائے تو وہ ضرور پلایا جائے۔ مذکورہ بالا احادیث بجا آواز  
طبع جدید کے صفحہ ۴۵ سے لیکر صفحہ ۴۷ تک نیز یہی احادیث مع شمس زائد بحار الانوار ج ۲، صفحہ ۲۸۵ تا ۲۸۶ پھیلی ہوئی ہیں اس  
اصول کافی متن باب الحجۃ تفسیر ربان جلد ۴، مقدمہ تفسیر مرآۃ الانوار میں بھی ایسی روایات کا خلاصہ ذخیرہ موجود ہے غرض  
لتعرف صدق المقال وتنكشف لك المحال۔

**روح القدس کے فرشتہ ہونے پر دلائل** | تاکہ روح القدس کے فرشتہ ہونے پر بعض حلقوں کی طرف سے  
بہت لے دے ہو رہی ہے اس لئے اس موضوع پر قدرے تفسیر

کے ساتھ تبصرہ کیا جاتا ہے

**پہلی دلیل** | بکثرت روایات معتبرہ میں اسے "ملک" (فرشتہ) کہا گیا ہے (۱) چنانچہ تفسیر قمی صفحہ ۳۷۶ طبع ایران  
میں بروایت ابی بصیر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے قتل الروح من امر  
کی تفسیر میں فرمایا هو ملک اعظم من جبرئیل ومیکائیل کان مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم  
الاثنتی عشر لیلۃ اس سے مراد ایک فرشتہ ہے جو جبرئیل و میکائیل سے بھی زیادہ عظیم المرتبہ ہے۔ یہ آنحضرت کے ہمراہ  
اور ان کے بعد ائمہ اہل بیت کے ہمراہ رہا۔

(۲) بحار ج ۲، صفحہ ۲۹۵ پر آیت مبارکہ "و کذلک اوحینا الیک روحاً من امرنا" کی تفسیر میں انہی جناب  
سے مروی ہے هو ملک اعظم من جبرئیل ومیکائیل کان مع رسول اللہ و هو مع الاثنتی عشر لیلۃ (۳) طبع جدید میں  
مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں جناب امام جعفر صادق سے منقول  
فرمایا ملک منذ انزل اللہ ذلک الملک لم یصعد الی السماء کان مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم  
مع الاثنتی عشر لیلۃ ہم یہ روح ایک فرشتہ ہے جو رب سے خدائے اسے زمین پر اتارا ہے پھر آسمان کی طرف نہیں  
یہ جناب رسول خدا کے ساتھ تھا۔ ان کے بعد ائمہ اطہار کے ہمراہ ہے جو ان کی تسبیح و تائید کرتا ہے۔

(۴) بحار ج ۲، صفحہ ۲۹۵ پر آیت مبارکہ "و اید ہم مروج منہ" کی تفسیر میں جو کہ تفسیر قمی امام جعفر صادق کا یہ اثر  
نقل کیا ہے ملک اعظم من جبرئیل ومیکائیل کان مع رسول اللہ و هو مع الاثنتی عشر لیلۃ  
اس معنوں کی چار روایات بحار الدرجات ص ۴۶ و ۴۷ طبع جدید پر موجود ہیں۔ ان روایات سے ان روایات کی تائید



بھی ہو جاتی ہے جن میں ہر خلق اعظم من جبرئیلؑ انجلیا ہو اعظم من جبرئیلؑ" وارد ہے کہ یہ عظمت باعتبار مرتبہ و مقام ہے نہ باعتبار جنس و نوع قدرتیہ

**دوسری دلیل** صحیفہ کاملہ کی تیسری دعا فرشتوں پر درود و سلام کے متعلق ہے جس کا عنوان ہے "وکان من دعائہ علیہ السلام فی الصلوۃ علی حملۃ العرش وکل ملک مقرب" اس دعا مبارکہ میں حضرت

امام زین العابدین علیہ السلام نام بنام ملائکہ مقربین پر درود و سلام بھیجتے ہوئے فرماتے ہیں "والروح الذی ہو من اموک" اس روح پر بھی سلامتی نازل کرو تیرے ام سے ہے (صحیفہ تجادیہ ص ۳۴ طبع ایران) اس کی شرح کرتے ہوئے محترم جلیل جناب جہاڑی اپنی شرح نور الانوار ص ۵ پر لکھتے ہیں "اشارۃ الی قولہ تعالیٰ یسألونک عن الروح قل الروح من امر ربی وما اوتیم من العلم الاقلید"۔ وللمفسرین فیہ آراء والصواب ما رواہ الصادق علیہ السلام صحیح

من ہشام بن سالم قال سمعت ابا عبد اللہ علیہ السلام یقول یسألونک عن الروح قل الروح من امر ربی قال خلق اعظم من جبرئیلؑ ومیکائیلؑ لہم ین مع احد ممن مضی غیر محمد صلی اللہ علیہ والہ وعلوہ الاثمہ یوفقہم ولیس کلہما طلب وجد۔ یعنی مفسرین نے اس آیت مبارکہ (قل الروح من امر ربی) کے متعلق مختلف رائیں قائم کی ہیں۔ مگر صحیح وہ ہے جسے صفار نے (بصائر الدرجات ص ۳۶ طبع جدید) بسند صحیح بڑا ہشام بن سالم امام جعفر صادقؑ سے نقل کیا ہے۔ امام نے فرمایا یہ ایک مخلوق ہے جو جبرئیلؑ و میکائیلؑ سے بھی زیادہ عظیم المرتبت ہے۔ جناب رسول خداؐ کے علاوہ اور کسی گزشتہ نبی کے ہمراہ نہ تھا۔ آنحضرتؐ کے بعد یہ ائمہ اطہارؑ کے ساتھ توفیق و تسبیح کی خاطر موجود رہا ہے اور ایسا نہیں کہ جب بھی اسے طلب کیا جائے تو پایا جائے۔ ظاہر ہے کہ چونکہ یہ دعا صرف ملائکہ پر درود و سلام بھیجنے کے لئے وقف ہے تو اس میں جس روح کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ وہ بھی ملائکہ میں سے ہی ہوگا۔ اسی طرح دعائے روزہ ماہ رمضان میں دوسرے فرشتوں پر درود و سلام بھیجنے کے ساتھ ساتھ روح القدس پر بھی سلام کیا گیا ہے (علی رضوان خازن الجنان وعلی مالک خازن النار وروح القدس والروح الامیہ حملۃ مرشد المقربین (مفتاح الجنان) ص ۲۴) اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ روح القدس بھی فرشتوں میں سے ایک فرشتہ ہے۔

**تیسری دلیل** ماہ رمضان کی دعائے افتتاح میں امام زمانؑ کے متعلق دعائیہ فقرہ میں وارد ہے "وحقہ بلائک

المقربین وایدہ بروح القدس" ان کو ملائکہ مقربین کے ساتھ گھیر لے اور ان کی تائید روح القدس کے ساتھ فرما (مفتاح الجنان ص ۱۸ طبع ایران) یہاں بھی ملائکہ مقربین کے ساتھ روح القدس کا تذکرہ کیا گیا ہے نیز اگر روح القدس بدن میں داخل ہوتی تو پھر اس کے ساتھ تائید کی دعا کرنے کا کوئی محل ہی باقی نہیں رہتا۔ کمالاً نفی۔

**چوتھی دلیل** کئی روایات میں وارد ہے کہ انبیاء و ائمہ کے علاوہ خدا تائید کرنے والوں کی وقتی طور پر روح القدس سے تائید کرتا ہے چنانچہ وارد ہے ما قال فینا قائل بیتنا من الشعوحتی یومد بروح القدس (میدان الاخبار ص ۱)



امام جعفر صادقؑ نے بتام بن الحکم سے فرمایا لا تمزال مؤید ابو روح القدس ما نصر تابلانک (اصول کافی) نیز امام  
عبداللہ باقرؑ نے کسیت شاعر سے فرمایا معک روح القدس ما ذبیت عنا و رجال ما قانی (۲ ص ۱۴) اسی طرح جناب رسول خدا  
ﷺ عیون اخبار الرضا باب ۲۷ حصہ ۲ پر امام رضاؑ سے مروی ہے ان الله قد ايدنا بوحده منة مقدسة  
**ازالہ شمشیر** مطهرة ليس بملك ولعمركن مع احد مقتن مضى الامم رسول الله وهو مع الائمة

من اتسدهم وتوقفهم وهو عمود من نور بيناد بين الله عزنا نے ہماری تائید ایک ایسی مقدس شے کے ذریعہ سے کی  
ہے۔ جو فرشتہ نہیں ہے اور یہ سوائے آنحضرتؐ کے اور کسی نبی کے ساتھ نہ تھی آپ کے بعد ہم ائمہ اہل بیت کے ہمراہ ہے  
اور یہ ہمارے اور خدا کے درمیان ایک عمود نور ہے اس سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ روح القدس عمود نور نبی و  
امام کی اسی روح کا نام ہے جو ان کی ملکوت میں شامل ہے۔ اور یہ کہ روح القدس فرشتہ نہیں ہے۔ اس شبہ کا پہلا  
جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں اور ان احادیث میں جن میں روح القدس کا فرشتہ ہونا مذکور ہے فی الحقیقت کوئی تعارض  
نہیں ہے۔ اس حدیث میں وارد شدہ جملہ "ایست بملک" وہ فرشتہ نہیں ہے کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ یہ روح القدس عام  
فرشتوں جیسا نہیں ہے کیونکہ اس کی شان ان کے کہیں اجل و ارفع ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ بکثرت روایات میں  
وارد ہے "هو اعظم من جبرئیل و میکائیل" کہ وہ مرتبہ مقام میں جبرئیل سے بھی زیادہ جلیل ہے

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر بالفرض اس حدیث میں اور ان سابقہ احادیث میں تعارض تسلیم کر دیا جائے تو بھی  
مزید ان ہی احادیث کو دی جائے گی جن میں اس کے فرشتہ ہونے کی تصریح موجود ہیں۔ کیونکہ وہ احادیث تعداد کے  
اقتبار سے اکثر اور سند کے لحاظ سے اصح ہیں جیسا کہ علم درایت الحدیث کا مسئلہ قاعدہ ہے کہ خذ بما اشترکہ بین  
اصحابك ودع الشاذ النادر۔ یہاں تک روح القدس اور عمود نور کے متحد ہونے کا تعلق ہے یہ قطعاً غلط ہے۔ ہم  
اسی کتاب کے چھٹے باب میں ارشاد امام اور کلام علماء اعلام کی روشنی میں ثابت کریں گے کہ عمود نور سے ایک فرشتہ مراد  
ہے جو روح القدس کے علاوہ ہے۔ اسی عیون اخبار الرضا باب ۱۹ جزء اول حصہ ۲ طبع جدید پر امام رضا علیہ السلام کا ایک  
ارشاد موجود ہے۔ جو بجا زائد النص اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ روح القدس اور عمود نور دو مختلف حقیقتیں ہیں۔  
فرماتے ہیں ان الامام مؤید ابو روح القدس و بیہ دبین الله عز وجل عمود نور و یوری فیہ اعمال العباد  
کلما احتاج الیہ لعلالة الحلة علیہ الخ یعنی امام کی تائید روح القدس کے ساتھ ہوتی ہے۔ اور امام و خدا کے درمیان  
ایک عمود نور ہے جس کے ذریعہ وہ لوگوں کے اعمال دیکھتا ہے اور جس چیز کی طرف اقتیاج ہو اس عمود کے ذریعہ اس پر آگاہی  
حاصل کر لیتا ہے الخ اس سے بڑھ کر اور کس طرح صراحت کی جا سکتی ہے کہ روح القدس اور عمود نور اور ان  
فی ذلک لکن لیس یقوم یعلقون۔

**روح ایمان کے فرشتہ ہونے کا بیان** بعض اخبار سے واضح و آشکار ہوتا ہے کہ روح ایمان بھی دوسرے



ارواح کی طرح جزو بدن نہیں بلکہ یہ ایک فرشتہ ہے جو مومن کو اچھے کاموں کی طرف رہنمائی کرتا ہے چنانچہ اصول کافی (۲۳۹) پر روایت ابو بصیر جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔ فرمایا اذہم العبد بذنہ قال لہ روح الایمان لا تفعل وقال لہ الشیطان افعل واذا کان علی بطنہا مزع منہ روح الایمان جب انسان کسی گناہ کا ملوہ کرتا ہے تو روح ایمان اسے کہتا ہے کہ گناہ نہ کر اور شیطان کہتا ہے کہ کھن اور جب بندہ زانیہ عورت کے شکم پر سوار ہو جاتا ہے تو اس سے روح ایمان کو الگ کر دیا جاتا ہے (العیاذ باللہ) اس کی شرح کرتے ہوئے حضرت علامہ مجلسی نے روح الایمان کے متعلق چھ احتمالات ذکر کئے ہیں۔ ان میں سے پہلا احتمال یہ بیان کیا ہے کہ "ان یکون الموادیہ المملک کما صرح بہ فی بعض الاخبار" سہمی بروح الایمان لانہ مؤید لہ وسبب لبقامہ فکائنہ وروح وہ حیوۃ" یعنی اس سے مراد ایک فرشتہ ہے جیسا کہ اس کی تصریح بعض اخبار میں موجود ہے اور اس (فرشتہ) کا نام اس لئے روح الایمان رکھا گیا ہے کہ چونکہ یہ ایمان کی تائید کرتا ہے اور اس کی بقا کا سبب ہے تو گو یا یہ ایمان کی روح ہے۔ اور اس سے ایمان کی زندگی وابستہ ہے پھر دوسرے پانچ احتمالات ذکر کرنے کے بعد اخیر میں اسی پہلے احتمال کی تقویت کرتے ہوئے لکھا ہے "والاول اظہر علی قواعد متکلمی الامامیۃ وطواہر الاخبار" یعنی شیعہ علماء متکلمین اور طواہر اخبار کے پیش نظر پہلا احتمال ہی اظہر ہے (مرآۃ العقول ج ۲ صفحہ ۲۴۱) جن بعض اخبار کی طرف جناب علامہ نے اشارہ فرمایا ہے وہ اصول کافی کے باب الروح الذی یتدبہ المؤمنین میں (صفحہ ۴۳) روایت امی خدیجہ جناب امام موسیٰ کاظم سے مروی ہے۔ فرمایا "ان اللہ تبارک وتعالیٰ یتدبہ المؤمنین بروح منہ یحضرہ فی کل وقت یحسن فیہ ویقویٰ ویغیب عنہ فی کل وقت یتدب فیہ ویعتدی" الخ الحدیث یعنی خداوند عالم نے مومن کی تائید ایسی روح سے کی ہے کہ جب مومن نیکی کرتا ہے اور برائی سے بچتا ہے تو وہ موجود رہتی ہے۔ اور جب برائی کرتا اور حدود شرعیہ سے تجاوز کرتا ہے تو وہ اس سے علیحدہ ہو جاتی ہے۔ الخ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے جناب علامہ مجلسی فرماتے ہیں۔ فذلک تفسیر الروح والاظہر ان المراد ہنا ایضاً مملک کافی الخ تفسیر یہ ہے کہ یہاں بھی روح سے مراد فرشتہ ہے (مرآۃ العقول جلد ۲، صفحہ ۲۴۲) اس امر کی تائید مزید اس روایت صادقہ سے ہوتی ہے جس میں وارد ہے کہ ہر بندہ مومن کے دل میں دوکان ہیں (کتاب) ایک میں خناس (شیطان) ٹھہرتا ہے (دوسرا کتاب) اور دوسرے میں فرشتہ ٹھہرتا ہے (تائید کرتا ہے) نبی ید اللہ المؤمن بالملک فذلک قولہ وایدہم بروح منہ پس خدا اپنے بندہ مومن کی فرشتہ سے تائید کرتا ہے۔ اور یہی خدا کے اس ارشاد کا مطلب ہے کہ خدا نے ان کی تائید ایک روح سے کی ہے۔ (اصول کافی صفحہ ۴۳)

مذکورہ بالا عقائد کی روشنی میں جب یہ بات الم نشرح

ہو گئی کہ روح القدس اور روح الایمان دو قرشتوں

**روح القدس وروح الایمان بدن میں داخل نہیں**

کے نام ہیں تو پھر ان کے داخل جسم اور جزو بدن ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔ انہی ناقابل انکار حقائق کے پیش نظر



خواص بجا راخبار ائمہ اہلبائت سرکار علیہ السلام و اصول کافی میں ۲۵۴ جہاں حضرت امیر المومنین سے جو طویل روایت مروی ہے جس میں وارد ہے واسکن فی ابدانہم ثلاث ارواح۔ روح القوة، روح الشهوة و روح البدن یعنی خدا نے ان کے بدنوں میں تین روحيں ساکن کیں روح قوت، روح شهوة اور روح بدن، لہذا اس کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں ”تخصیص تلك الارواح بالابدان لان الروحین الآخرین لیسا مقایسا لیکن البدن وان کا نام متعلقین یہ“ یعنی ان تین روحوں کو بدنوں کے ساتھ اس لئے خاص کیا گیا ہے کہ دوسری دو روحیں روح القدس اور روح الایمان بدن میں ساکن نہیں ہوتیں۔ اگرچہ ان کا تعلق بدن کے ساتھ ضرور ہوتا ہے (مرآة العقول ج ۲ ص ۲۵۹)

**فی بمعنی مع مراد ہے** [خامسین اور حضرات قشربین یہ سمجھتے ہیں کہ یہ تمام روحيں ان بزرگواروں کے بدن میں مقدسہ میں داخل ہیں اور جزو بدن ہیں۔ یہاں ”فی“ کو بمعنی ”مع“ ہے جس کا مفہوم ”انبیاء دائمہ“ میں ”نہیں بلکہ“ انبیاء دائمہ کے ہمراہ پانچ روحيں ہوتی ہیں ”ہوگا۔ اب رہا یہ سوال کہ آیا فی بمعنی ”مع“ استعمال ہوتی ہے؟ اس کا انکار اپنی جمالت کے اقرار کے مترادف ہے۔ علم نحو کی مشہور و مستند کتاب معنی اللہیب ج ۱ ص ۱۲۵ طبع مصر پر ”فا“ کے دس معانی ذکر کرتے ہوئے دوسرے معنی مصاحبت و معیت لکھتے ہیں۔ ”الثانی المصاحبة نحو ادخلوا فی اہم ای معہم یعنی اس کے دوسرے معنی مصاحبت و معیت کے ہیں جیسے ادخلوا فی اہم میں ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ امثال کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔ یہاں ”فی“ بمعنی ”مع“ ہے۔

اسی طرح علامہ مجلسی ایک دعا میں وارد ہے ”اھدی فی فہم ہدایت“ کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ وقیل فی بمعنی الی او بمعنی مع۔ کہا گیا ہے کہ یہاں ”فی“ بمعنی ”الی“ یا بمعنی ”مع“ ہے (مرآة العقول ج ۲ ص ۲۵۸) اس امر کی تائید ان احادیث مبارکہ سے بھی ہوتی ہے جن میں یہ وارد ہے کہ ”کیون معہم“ یہ روح القدس اثر اہل بیت کے ہمراہ ہوتا ہے۔ چنانچہ آیت مبارکہ کذالک اوجبتنا الملیک روحاً من امونا لآیۃ اور آیت قل الروح من امر ربی کی تفسیر میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے ہو ملک اعظم من جبرئیل و میکائیل کان مع رسول اللہ ومع الائمة۔ یہ ایک فرشتہ ہے جو جبرئیل و میکائیل سے بھی زیادہ عظمت کا مالک ہے۔ یہ جناب رسول خدا کے ہمراہ تھا اور پھر ائمہ اہلبائت کے ساتھ (بخاری الاوزار ج ۱ ص ۲۶۵)

نیز اس مطالب کی تائید مزید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ احادیث کی تعبیرات مختلف ہیں۔ بعض میں وارد ہے ”فی الانبیاء والائمة خمسة ارواح“ (بخاری ج ۲ ص ۲۶۵) یہاں فی موجود ہے، بعض میں یوں وارد ہے ان اللہ خلق الانبیاء والائمة علی خمسة ارواح“ (بصائر الدرجات ص ۲۵۴ طبع جدید یہاں علی“ موجود ہے) اور







مذکورہ بالا احادیث کے استنباط کردہ نتائج واضح ہو جاتے ہیں۔ (اول) ائمہ ظاہری کے پاس مبدۂ فیض و ہدایت ہر موجود یعنی خدا سے و دوسرے علم و فضل حاصل کرنے کے بہت سے واسطے و ذرائع ہیں ایک طریقہ و ذریعہ روح القدس بھی ہے۔

(دوئم) یہ روح القدس ائمہ علیہم السلام کے ساتھ نکل کر تا ہے لیکن وہ اسے دیکھتے نہیں ہیں۔ (سوم) یہ روح القدس عام ارواح کی طرح نہیں بلکہ یہ ایک فرشتہ ہے جو جبرئیل و میکائیل جیسے علیہ السلام فرشتوں سے بھی بڑے عظیم الشان (چہارم) یہ روح القدس تازیت جناب رسول خدا کے ہمراہ رہا اور ان کی رحلت کے بعد کیے بعد دیگرے دوسرے ائمہ ہدی کی طرف منتقل ہوتا رہا ہے۔

(پنجم) روح القدس کو جب سے زمین پر اتارا گیا ہے پھر آسمان پر نہیں گیا۔

(ششم) جب روح القدس کا نبی یا امام کے ساتھ ارتباط قائم ہوتا ہے تو خدا ان کو خاص علم و فہم عطا فرماتا ہے۔ (ہفتم) روح القدس کی ایک خاص فرد یا صنف ایسی ہے جو پیغمبر اسلام اور ائمہ اہل بیت علیہم السلام کے ساتھ نجی شخص ہے جو سابقہ انبیاء و مرسلین کے ہمراہ نہ تھی (یہ تاویل سرکار علامہ مجلسی نے بخاری و مشکوٰۃ پر جمع بین الروایات کرتے ہوئے فرمائی ہے کہ بعض آیات و روایات سے اس کا مقام انبیاء اور بعض میں اس کا صرف آنحضرت اور ائمہ ہدی کے ساتھ مختص ہونا ظاہر ہوتا ہے فلا تغفل)

(ہشتم) یہ روح القدس امام کو ظاہری درجۂ امامت پر فائز ہونے کے بعد عطا ہوتا ہے۔

(نہم) یہ روح القدس ملائکہ کے علاوہ کسی اور نوع سے تعلق نہیں رکھتا۔

(دہم) یہ روح القدس مصداقہ خداوندی کے تقاضوں کے مطابق کسی کسی نبی و امام سے کچھ لمحات کے لئے غائب بھی ہو جاتا ہے۔ بنا بریں جن روایات میں وارد ہے کہ لا تقاد قہمہ ان کو اغلب اوقات پر محمول کیا جائے گا۔ یعنی اکثر و بیشتر ہمراہ ہی رہتا ہے لہذا کہیں کبھی اس کی علیحدگی النادر فی حکم المعدم کا حکم رکھتی ہے تلافی عشرۃ بفضلہ تعالیٰ ان حقائق کی روشنی میں اس نظریہ پر کہ یہ روح ان بزرگواروں کی ذاتیات میں داخل ہے، کا ہواں ملکہ بطلان واضح و مبہن ہو گیا۔ اور اسی کے ساتھ وہ نتائج بھی کا لعدم ہو گئے جو اس روح کے ذاتیات میں داخل تسلیم کرنے کے لئے مرتب کئے گئے تھے۔ کہ اس کا خاصہ وحی ہے اور اس سے حاصل شدہ کمالات ان کے ذاتی ہیں۔

وہ شاخ ہی نہ رہی جس پر کشیدہ تھا

جب مستند ارشادات معصومین کی روشنی میں ثابت کر دیا گیا کہ روح القدس دوسری ارواح کی قسم سے نہیں جو بدن میں داخل ہیں بلکہ یہ ایک عظیم الشان فرشتہ ہے تو اس سے حاصل شدہ کمالات کیونکر ان کے ذاتی اور اس کی وجہ سے



ان کی نوع کیونکر علیحدہ ہو سکتی ہے؟

**دوسرا جواب** | روح القدس کو دیگر ارواح کی طرح ایک روح بھی تسلیم کر دیا جائے جو بدن میں داخل ہے تو بھی اس سے انبیاء و ائمہ میں ایک روح کی زیادتی سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ ان حضرات کی نوع علیحدہ ہو کیونکہ یہ اختلاف ارواح تو مومنین و کفار کے درمیان بھی پایا جاتا ہے احادیث میں جہاں یہ وار ہے کہ انبیاء و ائمہ میں پانچ روحيں ہوتی ہیں وہاں متعدد اموات میں یہ بھی مذکور ہے کہ کافر میں تین اور مومن میں چار روحيں ہوتی ہیں۔ صرف تبرکاً و تمیناً ایک حدیث پیش کی جاتی ہے۔ بصائر الدرجات میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا فی الانبیاء والاصیاء خمسۃ ارواح۔ روح البدن و روح القدس و روح القوة و روح الشهوة و روح الایمان و فی المومنین اربعۃ ارواح افقدھا روح القدس و روح البدن و روح القوة و روح الشهوة و روح الایمان و فی الکفار ثلاثۃ ارواح روح البدن و روح القوة و روح الشهوة الا رکن فی سابعہ الیہا رکن و فیہ انبیاء و اصیاء میں پانچ روحيں ہوتی ہیں۔ روح البدن۔ روح القدس۔ روح القوة۔ روح الشهوة اور روح الایمان اور مومنین میں چار روحيں ہوتی ہیں ان میں صرف روح القدس کی کمی ہوتی ہے وہ چار روحيں یہ ہیں روح البدن و روح القوة و روح الشهوة اور روح الایمان۔ اور کفار میں صرف تین روحيں۔ روح البدن، روح القوة، اور روح الشهوة ہوتی ہیں انہیں سب کفار میں تین روحيں ہیں اور اہل ایمان میں چار تو اس اختلاف کی وجہ سے کوئی ذی عقل و ہوش انسان یہ کہہ سکتا ہے کہ کافر اور مومن کی نوعیں الگ الگ ہیں؛ اور بنا بریں خدا نہ کرے اگر کوئی مومن مرتد ہو جائے جیسا کہ ممکن بلکہ کبھی کبھار واقع بھی ہوا ہے۔ یا کوئی کافر مسلمان ہو جائے جیسا کہ عموماً ایسا ہوتا رہتا ہے تو کیا اس طرح ان کی نوع بدل جائے گی؟ پھر تو نوع نہ ہوئی ہاں ہیچ اطفال ہو گیا۔ ڈارون کی قیوری قبول کئے بغیر تو بات بنتی نظر نہیں آتی ہے

و دون اثباتہم خطر الفتاد

اور اگر اس کافرانہ نظریہ کی ڈھارس لی گئی تو پھر اسلام کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جائے گا بہر کیف  
بگڑی ہے کچھ ایسی کہ بنائے نہیں بنتی

**چوتھا شبہ اور اس کا جواب** | امری و خلقی خلقت کا تذکرہ | روح نبوتی، امامتی امری مخلوق ہے خلقی مخلوق نہیں ہے چنانچہ خدا فرماتا ہے کہ الخلق والامور یعنی دونوں عالم خلق و امر کا وہی مالک و مدبّر ہے۔ لفظ خلق کا استعمال اکثر جسمانیات پر ہوتا ہے اور ہمیشہ اشیاء عالم خلق سے تعلق رکھنے والی تدریجاً درجہ بدرجہ وجود میں آتی ہیں۔ عالم امر کی مخلوق کا تعلق صانع مطلق سے ہوتے ہی اپنے کمال سمیت وجود میں آجاتی ہے۔ نہ سبب کی احتیاج۔ نہ تدریج کو دخل انما اصولاً اذا اراد شیان یقول لہ



کن فیکون۔ چھو قصہ آدم علیہ السلام نہ ماں نہ باپ۔ اسباب ظاہری نہیں ہیں۔ اسی طرح جناب عیسیٰ کی ولادت کا قصہ پڑھو۔ اس سے بالکل واضح ہے کہ انبیاء کی خلقت عالم امر سے ہے۔ اسباب ظاہری کی ضرورت نہیں۔ وہ عالم ہوتے ہیں۔ اربعہ عناصر ان کو ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ یہ ہے ان حضرات کے دلائل اور بالفاظ مناسب شبہات کا خلاصہ۔ وہ انبیاء و ائمہ کی علیحدہ نوع ثابت کرنے کی ناکام کوشش کے سلسلہ میں پیش کیا کرتے ہیں۔ ہم ذیل میں ان امور کو تحقیق کی کسوٹی پر پڑھتے ہیں۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ باتیں کہاں تک حقیقت پر مبنی ہیں۔ یہاں چند امور کی تنقیح ضروری ہے۔

**عقلی و امری** والی جس اصطلاح جدید کا اس شبہ میں ذکر کیا گیا ہے۔ اس کا قرآن و حدیث شاہ کلام **امر اول کی تنقیح** اعلام شیعہ میں کہیں نام و نشان تک مسموع و نہی نہیں۔ اس کی ایجاد کا سہرا بانی فرقہ شیعیہ مفتوحہ شیخ احمد احسانی کے سر ہے۔ پھر اسی کے اگلے ہوئے نواز کو ہمارے ملک میں بعض لوگوں نے چایا اور اب موجود غلو نواز حضرات اسی کی جگالی کر رہے ہیں۔ آیت مبارکہ لہ الخلق والامور کا اس اصطلاح سے ہرگز کوئی تعلق نہیں۔ بعض تفسیر بالرائے ہے۔ اس کا صاف و سادہ مطلب یہ ہے کہ حقیقی خالق و حاکم خدا ہی ہے وہ بے نیل۔ ہاں ایشاء و یحیٰ و ما کان لہم الخیرۃ اور بنیاد یہ اصطلاح ہے بھی بالکل مہمل۔ کیا خلق و امر میں کوئی تضاد ہے؟ کیا عالم خلقی والی مخلوق خدا کے امر کے بغیر پیدا ہوتی ہے؟ کیا ان لوگوں کے خیال کے مطابق امری مخلوق۔ مخلوق خدا نہیں ہے؟ یہ خدا کی حکمت و مصلحت پر منحصر ہے۔ جیسے چاہے آنا فنا بلا مادہ و مدت اور بلا لحاظ سن و سال طبعی پیدا کر دے۔ جیسے آدم کو پیدا کرے اور بڑھاپے میں جناب خلیل کو اولاد سے نوازا۔ اور چاہے تو عام اسباب کے ماتحت مدبر بجا خلق فرمائے۔ بلا داعی بقضائہ الخ

**امر دوم** بنائے تسلیم اصطلاح خود اصل شبہ میں یہ اعتراضات کیا گیا ہے کہ روح نبوتی و امامتی امری مخلوق ہے نہ خلقی۔ بات ہمارے محل نزاع سے خارج ہے کیونکہ بحث تو ظاہری و جسمانی خلقت میں ہے کہ وہ ظاہری اسباب آلات کے ماتحت تدبیراً ہوتی ہے۔ یا ان کی محتاج نہیں؟ جہاں تک روح کی خلقت کا تعلق انبیاء و ائمہ کے ارواح مقدسہ پر کیا انحصار ہے۔ سب لوگوں کی رو میں امری مخلوق میں۔ قل الروح من امر ربی کیا اس اصطلاح کے مطابق دوسرے لوگوں کی رو میں عالم خلق سے تعلق رکھتی ہیں؟ اور وہ ظاہری اسباب کے ماتحت عالم وجود میں آتی ہیں؟ اگر ایسا ہے تو عالم ذر میں ان کے کس طرح ان کو پیدا کر کے ان سے عہد الست لیا تھا؟ یا دوسری روحوں کی خلقت کے وقت کتنے دن یا ماہ و سال گزرے ہونے چھ؟ جینوار تو جود۔

**امر سوم** اس شبہ میں دو تین انبیاء کی مثال پیش کر کے اس سے ایک قاعدہ کلیہ بنایا گیا ہے کہ سب انبیاء کی خلقت ایسی ہی ہوتی ہے جو کہ استقرار ناقص پر مبنی ہے۔ جو صرف موجب ظن ہو سکتا ہے۔ وان الظن لا یغنی عن الحق شیداً اگر ماں باپ یا صرف باپ کے بغیر پیدا ہوتا ان کے امری مخلوق ہونے کی دلیل ہے تو پھر شہادت بائبل کے



بعد خدا نے جو کوہ بھیجا تھا اس کے والدین کی نشاندہی کی جائے۔ حضرت صالح کی ناکہ کے ماں باپ بھی بتائے جائیں؛ نیز حضرت موسیٰ کے ماں باپ اور فخر موسیٰ امام موسیٰ کاظمؑ کے شیر قالمین کا سلسلہ نسب بھی ظاہر کیا جائے؛ انہی چند مثالوں پر ہی کیا مختصر ہے ابتدائے آفرینش میں بدیع السموات والارض خالق کائنات نے جو بھی ذی روح (جاندار) چیزیں پیدا کی ہیں کیا وہ سب ماں باپ کے بغیر نہیں تھیں؟ کیا وہ مادہ و مدت کے بغیر وجود میں نہیں لائی گئیں تھیں؟ تو اگر امری مخلوق ہونے کا یہی معیار ہے تو پھر ساری کائنات امری مخلوق ہے مالم کم کیف تحکمون

بہر کیف اس اصطلاح کے مطابق خلقت امری ہوتی ہی وہاں ہے جہاں سلسلہ اب و ام نہ ہو بنا بریں ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ بزرگوار ارواح کے اعتبار سے امری اور اجسام کے لحاظ سے خلقی مخلوق ہیں۔ امری خلقت کے اعتبار سے تمام امروں (جن میں فرشتے سرفرست ہیں) کے سردار اور خلقی خلقت کے لحاظ سے تمام خلقی مخلوق سے تعلق رکھنے والی مخلوق کے سر تاج میں۔ علیٰ اخیر البشر من ابی فقد کفو

امپہر چہارم | ہماری متعدد روایات میں وارد ہے کہ پورے عالم ارکان میں صرف دو مولود ایسے ملتے ہیں جو چھ ماہ کے پیدا ہوئے اور پھر زندہ بھی رہے ایک حضرت یحییٰ (بروایتے علیہ السلام) اور دوسرے جناب امام حسین علیہ السلام (اصول کافی حاشہ بخار و غیرہ) چنانچہ ہماری بکثرت روایات میں آیت مبارکہ حملہ و قصالہ ثلاثون شہراً کی تفسیر جناب امام حسین کے ساتھ کی گئی ہے۔ (اصول کافی حاشہ بخار و غیرہ) اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ دوسرے انبیاء و ائمہ پوری مدت حمل کے بعد متولد ہوتے ہیں نہ صرف ان حضرات کی تخصیص کا کوئی مقصد ہی نہیں۔ بعد ازیں خلقت امری کے نظریہ کی کیا حقیقت باقی رہ جاتی ہے؟

امپہر پنجم | متعدد آثار و اخبار سے واضح و آشکار ہوتا ہے کہ عالم آب و گل میں صرف تین ایسے بزرگ پیدا ہوئے۔ جن کے حمل کو وضع حمل کے آخری لمحہ تک بتقاضائے وقت نہ اٹھائے معنی دستور رکھا۔ ایک جناب ابراہیمؑ دوسرے جناب موسیٰؑ تیسرے حضرت امام العصر و الزمان (قصص الانبیاء، بحار ج ۵، منتهی الامال، بحار ج ۱۳، اصول کافی وغیرہ) اس سے صاف ظاہر ہے کہ ان حضرات کی ولادت کے وقت حالات کا تقاضا یہ تھا کہ حمل کو مخفی رکھا جائے جیسا کہ باخبر حضرات پر یہ تقاضا مخفی نہیں ہیں۔ خود اسی بیان سے ظاہر ہے کہ ان کے علاوہ دوسرے سب بزرگواروں کے حمل کے آثار نمایاں و آشکار ہوتے ہیں کیونکہ اگر سب حضرات کی یہی کیفیت ہوتی تو پھر ان صاحبان کی کوئی خصوصیت باقی نہ رہتی۔ امام زمانہ کے حالات میں عربی، فارسی اور اردو وغیرہ میں لکھی جانے والی تمام کتب میں یہ واقع مرقوم ہے کہ نیر شعبان کو جب امام حسن عسکری نے اپنی عہدہ محترمہ جناب حکیمہ خاتون سے فرمایا کہ آج کی شب وہ یہیں قیام فرمائیں۔ کیونکہ آج کی رات آخری حجت خدا کی ولادت ہونے والی ہے تو اس مغتلمہ نے امام سے دریافت کیا کہ کس محترمہ کے بطن سے ہوگی؟ امام نے فرمایا۔ جناب رحمت خاتون کے بطن سے! یہ سن کر جناب حکیمہ خاتون نے تعجب کے لمحہ میں کہا ان کے ماں تو حمل کے کوئی آثار نہیں ہیں۔



امام نے ان کے تعجب کو رفع کرتے ہوئے فرمایا ان کی ولادت جناب موسیٰ کے نقش بنقش ہوگی (یعنی جس طرح مصلحت وقت کے پیش نظر خدا نے قادر نے ان کے حمل کو آٹھویں وقت تک غفی رکھا تھا یہاں بھی وہی صورت حال درپیش ہے) قابل غور بات یہ ہے کہ جناب حکیمہ امام محمد تقی علیہ السلام کی دختر نیک اختر۔ امام علی نقی علیہ السلام کی ہمیشہ وہ امام حسن عسکری علیہ السلام کی پھوپھی، خانوادہ عصمت کی فرد کامل اور اس مقدس خاندان کے حالات و اطوار سے کماحقہ واقف و آگاہ! تو کیا ان کو معلوم نہ تھا کہ امام کی خلقت عالم امر سے تعلق رکھتی ہے وہ ظاہری اسباب و تدبیر کے پابند نہیں ہوتے! اگر علم تھا تو پھر حمل کے ظاہری آثار نہ دیکھ کر تعجب کیوں کیا؟ اور سب سے زیادہ یہ کہ امام نے ان کے استعجاب کو دور کرنے کے لئے جناب موسیٰ بن عمر ان کی مثال کیوں پیش فرمائی۔ یہ فرما کر کیوں نہ ان کو خاموش کر دیا۔ پھوپھی اماں۔ یہ امام کی ولادت ہے۔ اور ان کی خلقت امری ہوتی ہے۔ یہاں آثار حمل اور وضع حمل سچے معنی وارد ہے معلوم ہوا کہ نہ اس منظر کو اس بے سرو پا نظریہ کا کوئی علم تھا اور نہ ہی امام حسن عسکری نے اسے بیان کیا۔ اور نہ ہی کسی اور امام عالی مقام کا ایسا کوئی فرمان کتب معتبرہ میں موجود ہے پھر نہ معلوم ان مولوی صاحبان کو کس نے یہ وحی کی ہے؟

سرخدا کہ عارف سالک کس نہ گفت در حیرت کہ بادہ فروش از کجا شنید؟

**امیر ششم** | احادیث اہل بیت علیہم السلام میں انعقاد حمل سے لے کر وقت ولادت تک کے مکمل حالات و کوائف مذکور ہیں۔ بخارالانوار جلد ۱ جو کہ فضائل امامت کے لئے مخصوص ہے ص ۲۶ پر پورا ایک باب موجود ہے جس کا عنوان ہے "احوال ولادتهم علیہم السلام والنعقاد تظہیر و احوالہم فی الرحم وعند الولادة و بروکات ولادتهم صلوات اللہ علیہم فیہ بعض غرائب علومہم و شئوفہم" اسی طرح دوسری احادیث میں یہ تفصیل مرقوم ہے۔ اس کا ایک شمع ہم یہاں درج کرتے ہیں۔

راہ متعدد روایات میں وارد ہے کہ جب امام کے صلب کی طرف انتقال و وقت آتا ہے تو خدا کے حکم سے ایک فرشتہ تحت العرش سے ایک پیار خدمت امام میں پیش کرتا ہے جس میں ایک مخصوص قسم کا شربت ہوتا ہے جو پانی سے زیادہ رقیق، گھسن سے زیادہ نرم، شہد سے زیادہ شیریں، ریف سے زیادہ ٹھنڈا اور دودھ سے زیادہ سفید ہوتا ہے۔ امام عالی مقام اسے نوش کرنے کے بعد خدا کے حکم سے اس محترمہ کے ساتھ مقاربت کرتے ہیں جس کے شکم سے حجت خدا نے پیدا ہونا ہوتا ہے بعض روایات میں یوں وارد ہے کہ خدا اس مخصوص شربت کا قطرہ دنیا کے کسی پہل یا سبزی پر ڈال دیتا ہے امام اسے تناول کرتا ہے اور اس مخصوص خدا سے نطفہ متکون ہوتا ہے۔ اس قسم کی تمام احادیث اصول کافی ص ۱۹ کتاب الحجۃ ہفتم بخار ص ۲۶ وغیرہ میں موجود ہیں، ہمارے کڑھڑاؤں میں سے صاحب خفائی الحواشی نے بھی ص ۲۳ پر ان کا ایک شمع بذیل عنوان "مضرات محمد وآل محمد علیہم السلام کی خلقت جسمانی" نقل کیا ہے۔ فراہم

(۲) جب حمل کو چار ماہ گزر جاتے ہیں تو ایک فرشتہ حکم الہی ان کے داینے کا ندھے پر آیت مبارکہ لکھتا ہے



”رقت کاملہ ربانہ صدفًا وعدلاً لامبدال لکلماتہ وهو السميع العليم“ بعض دوسری روایات میں وارد ہے کہ یہ آیت ولادت کے بعد لکھی جاتی ہے بعض شارحین کا خیال ہے کہ اس کتاب سے مراد استعارہ تشبیہ ہے۔ (وصافی شرح کافی ج ۲ ص ۲۵۰)

(۳) امام شکر بادریں کلام سنتا ہے۔ چنانچہ امام جعفر صادق فرماتے ہیں ”لا تمسکوا فی الامام فان الامام یسمی الکلام وهو فی بطن امه“ امام کے متعلق (یعنی) باتیں نہ کرو۔ امام (کی یہ شان ہے) کہ وہ شکم اور میں ہی کلام سنتا ہے۔ (اصول کافی ص ۹۹ مفہم ہمار ص ۲۶۲ بصائر ص ۲۳۵ طبع جدید)

(۴) امام حبیب شکم اور میں ہوتا ہے تو سورہ انا انزلنا وغیرہ بعض سورہ آیات کی تفسیر کرتا ہے (حق الیقین مجلسی ص ۵۲ حوالہ سلطانیہ ص ۱۶۹)

(۵) اسحاق بن امام جعفر صادق نے اپنے والد ماجد سے خلقت امام علیہ السلام کے متعلق جو طویل روایت نقل کی ہے اس میں وارد ہے فاذا کان لتسمع من شہرها سمعت فی البیت حساً شایداً (اصول کافی ص ۱۹ ہمار ص ۲۶۲) سبب حمل کو نواہ گزرجائیں تو مادر امام گھر میں سخت حس و حرکت کی آواز محسوس کرتی ہیں۔ اس عبارت کا ترجمہ فاضل قرنی نے صافی شرح اصول کافی ج ۲ ص ۲۶۲ ص ۲۶۳ پر یوں کیا ہے ”پس وقتیکہ شدہ از ابہائے استغنی او شنید رخا آواز حرکتی چنانچہ جیسے بسیار تر و دکنند“ (کذا فی منتهی الامال ج ۲ ص ۲۶۳)

(۶) جب امام کی ولادت ہوتی ہے تو حاضر و معہر و ناف بریدہ ختمہ شدہ۔ وہ بقبلیہ پیدا ہوتا ہے۔ دونوں بقبلیاں زمین پر رکھتا ہے سر آسمان کی طرف بند کر کے توحید و رسالت کی شہادت دیتا ہے (اصول کافی ص ۹۹ مفہم ہمار ص ۲۶۲ وغیرہ) بعض آثار سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ذکر شہادتین کے ساتھ ساتھ امام لاحق۔ امام سابق کی امامت کی بھی گواہی دیتا ہے۔ (منتهی الامال ج ۲ ص ۲۶۳)

ان حالات و کوائف میں ارباب عقل و دانش کے لئے لمخ فکر یہ موجود ہے کہ جب ائمہ و معصومین کے ارشادات میں اول حمل سے لے کر نواہ تک اور پھر وضع حمل تک کے تمام حیز و جنئی حالات و کیفیات کتب معتبرہ و اصول معتبرہ میں موجود ہیں تو آیا ان تمام حقائق کو نظر انداز کیا جاسکتا ہے۔ بہر حال ان حقائق کی روشنی میں یہ بات کا نار فوق المنار واضح و شکار ہو گئی کہ انبیاء و ائمہ بھی جسمانی و بدنی خلقت کے اعتبار سے عالم خلق سے ہی تعلق رکھتے ہیں۔ ہاں ان کے خصوصیات انہی کے ساتھ خاص ہیں۔ ان خصوصیات کا انکار کرنا کھلم کھلا تقصیر و تقریب ہے بالکل اسی طرح جسطرح الکی علی تقدیم و ولادت کا انکار کرنا بھی کھلا ہوا غلو و افراط ہے۔ مگر اب تو بعض بے لگام مقررین نے اس ساری بحث کا تمہی کر دیا ہے۔ یہ کہہ کر کہ یہ بزرگوار کسی سے پیدا ہوئے ہیں اور نہ ان سے کوئی پیدا ہوا ہے جیسا کہ مؤثق ذرائع سے معلوم ہوا ہے گویا کہ یہ حضرات لم یولد ولم یولد کے مصداق ہیں۔ اس عجیب حرکت زبان ائمہ اہل ہار اور سادات اخیر



کے حسب و نسب کو ہی ختم کر دیا گیا (خاک جہنم قائل) انا اللہ وانا الیہ راجعون کاشکے  
کرتا کوئی اس بندہ گستاخ کا منہ بند

یہ درست ہے کہ انبیاء و ائمہ علیہم السلام عام لوگوں  
انبیاء و ائمہ کے صاحب علم لدنی ہونے کا بیان

بلکہ میرا نہیں ہے علم و معرفت لے کر عرصہ ہستی میں قدم رکھتے ہیں اور وہ صاحب علم و ہی و لدنی ہوتے ہیں۔ ان کا علم  
کسی تحصیل نہیں مگر یہ کہنا بھی ہرگز صحیح نہیں کہ وقت و لادت ہی تمام علوم کے اس طرح ہوتے ہیں کہ اس میں مزید کچھ  
اضافہ کی گنجائش ہی نہ ہو۔ بلکہ علم میں اضافہ و ازدیاد کا سلسلہ ان کے آخری لمحات حیات بلکہ اس کے بعد بھی جاری رہتا  
ہے۔ اس امر کی مزید وضاحت تو ہم اس کتاب کے باب ششم و باب ہفتم میں پیش کریں گے۔ یہاں صرف اس قدر اشارہ  
کر دینا کافی ہے کہ جہاں قرآن مجید میں یہ وارد ہے کہ بشر وہ بخلام علیہم (پس ذاریات ع ۲) یعنی فرشتوں نے  
جناب ابراہیم کو صاحب علم بننے کی ولادت کی بشارت دی۔ وہاں حضرت یوسف کے بارے میں قرآن مجید میں خدا کا  
یہ فرمان بھی موجود ہے و لتا بلغہ اشدہ اتینا حکماً و علماً دپ۔ پس یوسف ع ۱۱ اور جب وہ اپنی پوری قوت کا  
پہنچ گیا۔ تو ہم نے اس کو حکمت و علم عطا کیا۔ اسی طرح جناب موسیٰ کے متعلق خدا کا یہ ارشاد موجود ہے و لتا بلغہ  
اشدہ و استوی اتینا حکماً و علماً دپ۔ سورہ قصص ع ۱۵ اور جب کہ موسیٰ اپنی پوری قوت کو پہنچے اور خوب  
باتھ پاؤں لگائے تو ہم نے ان کو فیصلہ کی قوت اور علم عطا کیا۔ (ترجمہ مقبول) اسی طرح سرکارِ ختمی مرتبت کو خدا کا یہ حکم دینا بھی  
قرآن میں موجود ہے۔ کہ قلد رب زدنی علماً اے میرے پروردگار۔ میرے علم میں اضافہ فرما۔

انبیاء و ائمہ پر موادِ ارضی کے اثر انداز نہ ہونے کے خیال کا ابطال

ہوتے تو اس کے متعلق صرف اتنا بتا دینا ہی کافی ہے کہ وہ نہ جس سے ائمہ اطہار کو شہید کیا جاتا رہا ہے آیا وہ  
موادِ ارضی سے تعلق رکھتی تھی یا عالم بالا سے منگوائی گئی تھی؟ نیز وہ تیر اور ستان و شمشیر سے ان بزرگوں کی شمع  
کو گل کیا جاتا رہا ہے کیا وہ بھی زمین کے موالیہ شمشاد میں سے جمادات سے تعلق رکھتے تھے یا وہ بھی آسمان سے اتر  
تھے؟ اب وہی راستے ہیں۔ ایک یہ کہ اقرار کر لیا جائے کہ ان ذواتِ مقدسہ پر عناصر و موادِ ارضی اثر انداز ہوئے  
میں (وہو الحق) یا پھر نصیریوں کی طرح کھلم کھلا ان کی شہادتوں کا انکار کر دیا جائے۔

بیفکن پردہ تا معلوم گردد کہ یاراں دیگر سے رامی پرستند  
اس مقام پر جناب یونس کے حکیم ماہی میں، جناب ابراہیم کے آتشِ نمرودی میں اور جناب موسیٰ کے صندوق  
میں سلامت رہنے کو اس مطلب کی دلیل میں پیش کرنا بالکل لغو اور غیر متعلق ہے۔ کیونکہ قرآن اور سرکارِ محمد و آل میں



کافران شاربہ کہ یہ سارا انتظام خدا نے قادر و قیوم نے اپنی قدرت کاملہ سے کیا تھا۔ وواذ قلنا یا ناد کوئی مبداء و سلاما بیان بزرگو اروں کے اجسام کی خاصیت اور ان کا طبعی تقاضا نہ تھا۔

**افسوسناک روش و رجحان** | اس بات کا رونا ہم کئی بار روچکے ہیں کہ بد قسمتی سے ہماری قوم میں ذاتی خیالات اور شیطانی قیاسات کو مذہبیات و ایمانیات سمجھنے کا رجحان منبر پر اکثر نا اہلوں کے تسلط و قبضہ کی وجہ سے دن بدن بڑھتا جا رہا ہے اور روز بروز نئے نئے نظریے جنم لے رہے ہیں۔ جن میں سے اکثر و بیشتر کا اس کتاب میں نشاندہی کر کے جوئے تعالے قلع قمع بھی کر دیا گیا ہے۔ سر دست جس چیز پر مختصر الفاظ میں یہاں تبصرہ کرنا مقصود ہے وہ یہ ہے کہ ہم نے سطور بالا میں خود ائمہ طاہرین کے مستند فرائین کی روشنی میں ثابت کر دیا ہے کہ ان کی جسمانی اور فاعری ولادتیں انسانی قانون۔۔۔ قدرت و فطرت کے مطابق ہوتی ہیں۔ مگر بعض لوگوں نے ان مقہور لار جاس (الذین لا یقاس بہم احد من الناس) ذواتِ قادسہ کے زن و شوہر والے جنسی تعلقات (جن پر بحث کرنا بھی سوداوی ہے) کا ”مور“ کے زومادہ والے تعلقات پر قیاس بے اساس کرتے ہوئے ان کے انسانی قانون فطرت کے مطابق ہونے کا انکار کر دیا ہے۔ اس کے متعلق یہاں بڑے اختصار کے ساتھ صرف یہ کہنا ہے کہ اولاً تو کائنات کے تید و سردار ان بزرگو اروں کا قیاس ایک حرام زندہ پر کرنا سراسر ان کی توہین ہے۔ ثانیاً شریعت مقدسہ میں قیاس کرنا اور اس پر عمل کرنا حرام ہے مستند شرعی دلیل کے بغیر قیاس پر کسی عقیدہ یا عمل کی بنیاد قائم نہیں کی جاسکتی۔ ثالثاً۔ یہاں مور کے زومادہ والے جن خیالی تعلقات پر قیاس کیا گیا ہے وہ سرے سے خیال ہی غلط ہے۔ خود حضرت امیر المومنین نے اس زعم فاسد کی تردید فرمائی ہے اور یہ فرمایا ہے کہ ان کے مابین مرغ اور مرغی جیسے تعلقات ہوتے ہیں (نبج البلاغہ ج ۲ ص ۲۷ طبع مصر و خطبہ صفت طاعون) بااں ہمے اس حقیقت میں کچھ شک و شبہ ہو وہ کسی بھی چڑیا کھر میں جا کر کچھ شرم خود اس امر کا مشاہدہ کر کے تصدیق کر سکتا ہے۔ ع

بعد اس کے دیکھئے ابھی کیا کیا کھلیں گے گل

پس ان خفائی سے واضح و آشکار ہو گیا کہ انبیاء و ائمہ علیہم السلام کی ہرگز کوئی عیوہ نوع نہیں ہے۔ بلکہ وہ نوع انسانی کے ہی مقدس و معصوم افرادِ کاملہ ہیں۔ دھوا المقنود و قد حصل بعون اللہ وود۔ ہذا کہ تذکرۃ فمن شاء اتخذ الی ربہ سبیلاً۔



# دوسرا باب

## انبیاء و ائمہ علیہم السلام کے نور یا بشر سونے کا بیان

اگرچہ پہلے باب میں جو حقائق پیش کئے گئے تھے وہ زیر بحث موضوع میں ایسی ہی حقیقت کو سمجھنے کے لئے کافی ہیں لیکن چونکہ اس موضوع پر بڑے شد و مد اور زور شور سے بحث و مباحثہ کا سلسلہ شروع ہے اس لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ اس مسئلہ پر بھی ایک مستقل باب میں نہ صرف عقل غامکہ بلکہ تعلیم قرآن، فرمان نبی و امام اور شیعہ علماء و اعلام کے کلام کی روشنی میں مکمل تبصرہ کر دیا جائے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ التوفیق۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اگرچہ ہم بصیرت سے دیکھا جائے تو اس مسئلہ میں چنداں بحث کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہ امر عند الکل مسلم و محقق ہے کہ انبیاء و ان کے اوصیاء بشر ہوں تو، اور نور ہوں تو، میں تو بہر حال معصوم و مظہر اور واجب الطاعت بنا بریں ہمارا اصل کام تو ان کے ارشادات و احکام کی تعمیل کرنا ہے نہ کہ ان کی حقیقت و ماہیت سے بحث کرنا۔

ذات سے بحث کرنے کا آغاز کس لئے کیا تھا؟ | جو لوگ دراصل عمل چور ہوتے ہیں وہ عمل کی بجائے

اپنی سلامتی سمجھتے ہیں وہ چونکہ کردار کی بجائے صرف گفتار کے غازی ہوتے ہیں۔ اس لئے اکثر و بیشتر وہ انہی چیزوں کے متعلق بحثیں کرتے ہیں جن کے متعلق خدا و رسولؐ نے خاموشی اختیار کی ہو۔ اور انہی چیزوں سے پہلو تہی کرتے ہیں جن کا خدا و رسولؐ نے حکم دیا ہو۔ زیادہ دور نہ جائیے اسی متعلقہ مسئلہ ہی کو نے لیجئے پورے قرآن اور سارے دفتر حدیث میں کہیں کوئی ایسی آیت یا حدیث نہیں ملتی جس میں یہ حکم دیا گیا ہو کہ تم نبی و امام کی ذات و ماہیت معلوم کرو کہ کیا ہے یہ بلکہ خدا تو اپنی اطاعت کے ساتھ ساتھ نبی و امام کی اطاعت و فرمانبرداری کرنے کا بار بار حکم دیتا ہے (اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم) یہی وجہ ہے کہ ہمیشہ کردار کے غازی عمل پر زور دیتے ہیں اور گفتار کے غازی یعنی بحثوں پر چپناچم کسی کی ذات و اصلیت کی بحث کا آغاز بھی بے عملوں کے پیڑ غار یعنی شیطان علیہ اللعن نے اس وقت کیا تھا جبکہ خالق حکیم نے اس کو عمل کرنے یعنی آدمؑ کے سامنے جھکنے کا حکم دیا تھا۔ تو اس شقی ازلی نے تعمیل حکم کرنے سے انکار کر دیا اور بموجب خود بے درابہانہ بسیار میں ذات اور اصل خلقت کی بحث شروع کر دی کہ انا خیر منہ خلقتنی من نار و خلقتہ من طین (پ۔ س۔ ص ۵)



یہ آدم سے بہتر ہوں کیونکہ ٹوٹنے مجھے آگ سے اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا ہے، الغرض اس نے اپنے قیاس فاسد میں اپنے مادہ خلقت کو جناب آدم کے مادہ خلقت سے بہتر سمجھتے ہوئے جہاں ان کے سامنے اپنی گردن خم کرنے سے انکار کر دیا وہاں اصل ذات کے متعلق کبھی نہ ختم ہونے والی بحث کا آغاز بھی کر دیا۔ مطالعہ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ نگاہ قدرت میں یہ بحث اس قدر غلط و لاعینی تھی کہ خدا نے حکیم نے اس کا جواب دینا بھی مناسب نہ سمجھا اور فوراً ابدی لعنت کا طوق اس کی گردن میں ڈال کر رائدہ و رگاہ بنا دیا۔

سکبر عزراہیل را خوار کرد  
بزندان لعنت گرفتار کرد

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابلیس کی اتباع کرنے والوں کا انجام بھی اس سے مختلف نہیں ہوگا قال الصادق علیہ السلام من قاس فی الدین قومه الله مع ابلیس یوم القیامۃ اعاذنا الله وجميع المؤمنین من هذه السیئة الغیر المرصیة

عظمت و فضیلت کا قرآنی معیار کیا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ ائمہ مطہرین علیہم السلام ہوں یا علمائے اسلام انہوں نے کسی کی عظمت و فضیلت ثابت کرنے کے لئے

کبھی اس کی ذات و ماہیت کو پیش نہیں کیا بلکہ ہمیشہ قرآنی معیار کی کسوٹی پر رکھ کر اسے افضل قرار دیا ہے۔ اب ہی اس امر کی تحقیق کہ قرآن نے فضیلت کا معیار کس چیز کو قرار دیا ہے؟ تو یہ بات قرآنی تعلیمات پر نظر رکھنے والے حضرات پر ڈھکی چھپی نہیں ہے قرآن نے علم و عمل کی قرروانی اور طاقت و قوت جسمانی میں برتری کو کسی کی فضیلت و برتری معلوم کرنے کا میزان قرار دیا ہے نہ کہ مادہ خلقت کو کہ وہ نور ہے یا نار، مٹی ہے یا کوئی اور چیز؛ اس موضوع پر آدم و ملائکہ والا قرآنی واقعہ نص صریح ہے ظاہر ہے کہ فرشتوں کی خلقت محض نفع و طینت ہوئی ہے مگر عجب خالق کائنات نے خلقت کا عہدہ جلیلہ آدم کے سپرد کرنے کا اعلان کیا۔ اور فرشتوں نے بطور استنہام ہی سہی کچھ لب کشائی کی۔ تو حکیم مطلق نے ان کا علم کے ذریعہ سے امتحان لیا اور جب آدم اس امتحان میں کامران اور فرشتے ناکام ہو گئے تو قرآن شاہد ہے کہ فرشتوں نے آدم کی برتری تسلیم کرتے ہوئے ان کے سامنے اپنی مقدس گردنیں خم کر دیں۔ اس سے واضح ہو گیا کہ صرف نور ہونا باعث فضیلت علم کی کثرت (مع العمل ان اکو حکم عند الله اتقاکم) ہے اس لئے ائمہ علیہم السلام کا ارشاد ہے ان الملائکۃ لخذلنا و خدام مجیننا۔ فرشتے ہمارے اور ہمارے خالص عہدوں کے خادموں ہیں۔

رحل الشرائع ج ۱ ص ۱۷

اسی طرح ایک اور قرآنی واقعہ سے بھی اس معیار و میزان کی تائید مزید ہوتی ہے جناب شموئیل نبی کے زمانہ میں کفار و شرکین ہمیشہ یغادر کر کے ان کے متبعین کو تاخت و تاراج کرتے، مختلف اذیتیں پہنچاتے اور قتل و غارت کا بازار گرم کرتے۔ بالآخر ان اہل ایمان نے بموجب تنگ آمد بچنگ آمد ان لوگوں سے فیصلہ کن نبرد آزمائی کا فیصلہ کیا۔ لیکن چونکہ ان کا

یہی معیار فضیلت ہے کہ قرآن نے ان کو برتر قرار دیا ہے



کوئی حاکم اعلیٰ نہ تھا۔ اس لئے نبی کی خدمت میں درخواست پیش کی۔ اجعل لنا ملکا نفاقل فی سبیل اللہ ہمارے لئے ایک دینی حاکم مقرر کیجئے۔ جس کے ساتھ مل کر ہم (کفار) سے جنگ کر سکیں۔ نبی نے ان کی یہ درخواست بارگاہ ربوبیت میں پیش کی تو چنانچہ خدا نے جناب طاہر طاہر کو حاکم مقرر کیا۔ جب نبی نے ان کی حاکمیت کا اعلان کیا تو ان اللہ قد بعث لکم طاہر طاہر ملکا۔ خدا نے طاہر کو تمہارا حاکم مقرر کیا ہے تو ان لوگوں نے فوراً زبان اعتراض دراز کی کہ اتنی یقیناً نہ الملک علینا ونحن احق بالملک منه ولہ یوت سعة من المال۔ بے شک وہ کیونکر ہمارے حاکم ہو سکتے ہیں۔ ان سے تو ہم حاکم بننے کے زیادہ حق دار ہیں کیونکہ وہ مالدار نہیں (اور ہم مالدار ہیں) ان کو یہ جواب دیکر مطمئن کیا گیا۔ کہ ان اللہ اصطفاه علیکم وزادہ بسطة فی العلم والجسم۔ خدا نے اس لئے ان کو منتخب کیا ہے کہ ان کا علم اور قوت جسمانی تم سے زیادہ ہے۔ اس سے روز بروز روشن کی طرح واضح و آشکار ہو جاتا ہے کہ معیار افضلیت نہ مادہ خلقت ہے نہ مال و مال کی کثرت اور نہ ہی حسن و جمال کی فراوانی جیسا کہ بعض کوتاہ اندیش مسلمانوں کا خیال ہے یہی وجہ ہے کہ قدیم الایام سے ہمارے علماء و علما نے حضرت امیر المومنین اور دوسرے ائمہ طاہرین کی افضلیت ثابت کرنے کے لئے ہمیشہ ان کی علمی و عملی برتری اور قوت و طاقت جسمانی کی فراوانی سے اس کے مخالفین کا ناظرہ بند کیا ہے۔ جیسا کہ کتب کلامیہ پر نظر رکھنے والے حضرات سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے۔

نور و بشر میں کوئی تضاد نہیں ہے

جو بتا ہے کہ انہوں نے نور و بشر کو دو متضاد چیزیں سمجھ رکھا ہے کہ اگر نور ہے تو بشر نہیں اور اگر بشر ہے تو پھر نور نہیں حالانکہ فی الحقیقت ایسا نہیں ہے یعنی نور و بشر میں کوئی تضاد نہیں۔ بلکہ ایک ہی چیز میں دونوں کا بیک وقت اجتماع ممکن ہے۔

انبیاء و ائمہ میں دو جنبے ہوتے ہیں!

انبیاء و ائمہ علیہم السلام کو مکہ یزید کو اور خدا کے اوامر و احکام بندوں تک اور بندوں کی عرضداشتیں خدا تک پہنچانے میں خالق مخلوق کے درمیان وسیلہ ہیں اس لئے ان کے دو جنبے ہوتے ہیں۔

۱۱۔ ایک نورانی و روحانی جس کی وجہ سے نظام شریعت میں خدا سے احکام حاصل کرتے اور تکوین میں باوجود خدا کے دو سر جنبہ بشری و جسمانی جس کی وجہ سے خدا سے احکام و فرمان بندوں تک پہنچاتے ہیں کما قیل۔

۱۲۔ اُدھر اللہ سے واصل اور مخلوق میں شامل خواص اس بزرگ کبریٰ میں ہے حق مشدک

چنانچہ سرکار علامہ محمد باقر مجلسی ان حضرات کے انہی دو پہلوؤں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں فلا بران یگوید



بیجا و بین اللہ سفراء و محبت ذوجہات قدسیہ و حالات بشریہ کیونکہ ہم بالجمہات الاولی ازنیات  
 بالجناب الاعلیٰ یاخذون عنہ الاحکام و الحکم و یكون بہم بالجمہات الثانیہ مناسبتہ للخلق یلقون  
 الیہم ما اخذوا عن ربہم فلذا جعل اللہ تعالیٰ سفرائہ مظاهراً من جنس البشر و باطناً مباینین  
 عنہم فی اطوارہم و اخلاقیہم و نفوسہم و قابلیاتہم فہم مقدسون، روحانیون قائلون انما  
 انابشر مثکم لئلا ینفر عنہم امتہم و یقبلوا منہم و یانسوا بہم لکنہم من جنسہم و شکلمہم  
 والیہ یشیر قولہ تعالیٰ و لو جعلناہ ملکاً لّجعلناہ رجلاً و لبسنا علیہم ما یلبسون“ (رسالہ اعتقادیہ  
 مطبوعہ معتمدیہ الصدوق ص ۴۸) و علیٰ ہذا عقائد الصدوق مع شرح باب حادی عشر ص ۶۷) یعنی ”ہمارے اور ہمارے خدا کے  
 درمیان ایسے صحابہ و سفراء کا ہونا ضروری ہے جن میں دو جنبہ ہوں۔ ایک جنبہ قدسی اور دوسرا جنبہ بشری تاکہ پہلے جنبہ کی وجہ  
 سے ان کا خدا سے ربط و تعلق ہو۔ اور اس سے احکام و اوامر مل سکیں اور دوسرے جنبہ کی بنا پر مخلوق کے ساتھ مناسبت  
 رکھنے کی وجہ سے جو کچھ (احکام و اوامر) خدا سے حاصل کئے ہیں ان تک پہنچا سکیں۔ اس مقصد کے لئے خدا نے عزوجل نے اپنے  
 سفراء و انبیاء کو ظاہری خلقت کے اعتبار سے تو بشر (و انسان) کی قسم سے ہی بنایا۔ لیکن باطنی طور پر اخلاق و اطوار کا پتہ پاکیزہ،  
 نفوس اور ان کی قابلیت کے لحاظ سے ان کو ان سے جدا قرار دیا۔ (غرضیکہ بشر و انسان ہونے میں باہم شریک اور صفات و  
 کمالات میں جدا جدا) اس لئے یہ تمام نقائص سے مقدس و پاک روحانی ہیں۔ جو زبانِ قلم سے یہ کہتے ہیں کہ ہم تمہارے جیسے  
 بشر ہیں۔ تاکہ ان کی امتیں ان سے نفرت نہ کریں۔ ان کی بات قبول کریں اور ان سے مانوس رہیں۔ کیونکہ وہ انہی کی قسم اور شکل  
 و صورت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسی طرف خدا کے اس ارشاد میں اشارہ ہے کہ اگر ہم فرشتہ کو نبی بناتے تو (آخر) اس کو بھی مرد  
 صورت بناتے اور جو جنبہ یہ لوگ کر رہے ہیں (گو یا ہم خود ان پر) اس وقت بھی اور خدا دیتے، (ترجمہ فرمان) (کتاب المیزان ص ۱۷۷)  
 (ابن ابی عمیر ص ۱۷۷) اسی طرح فاضل محدث ابو الحسن الشریف اپنی کتاب مرآۃ الانوار ص ۳۲ پر نبی و امام کے انہی دو جنبوں کا تذکرہ کرتے  
 ہوئے فرماتے ہیں ”من الجمہات الروحانیۃ الّتی بسببہا کافوا قابلیں للفیوضات الّتی اختصت بہم و بہا  
 صاروا وسائل الاستفادۃ من طرف اللہ تہ کما انہم من الجمہات البشریۃ کافوا وسائل ایصال  
 احکام اللہ و غیروہا الی الخلق“ یعنی ”یہ بزرگوار روحانی جہت کی وجہ سے اپنے فیوضاتِ مخصوصہ حاصل کرنے اور خالق  
 و مخلوق کے درمیان وسیلہ بننے کے قابل ہوتے ہیں۔ اور بشریت والے جنبہ کی وجہ سے اللہ کے احکام وغیرہ کو کون تک پہنچاتے  
 ہیں“ ایسا ہی فاضل نوری نے کفایۃ الموحیدین ص ۱۷ پر ضرورتِ امام و نبی ثابت کرتے ہوئے لکھا ہے ”تفاوت مراتب  
 انسان امریت ظاہرہ و ہومید“ پس لازم است وجہ و شخصہ کہ ممتاز باشد بقابلیت امور مذکورہ و ذہبیتیں باشد  
 سزا جہت تعلق و حی الہی نماید و بجہت دیگر تبلیغ او الامر و انوار الہی تکلفین نماید“ یعنی انسانی مراتب و مدارج کا اختلاف ایک حکم کھلا  
 حقیقت ہے لہذا ایک شخص کا وجود ضروری ہے جو دونوں جنبہ رکھتا ہو تاکہ ایک جنبہ سے اللہ سے احکام حاصل کرے اور دوسرے



جنبہ کی بنا پر مکلفین تک وہ اوامر و نواہی پہنچا سکے۔

**افادہ جدیدہ** | اور ان بیانات سے ثابت ہو گیا کہ انبیاء و مرسلین ہوں، یا ائمہ ظاہرین و جنبیوں کے حامل ہوتے ہیں یعنی جسمانی و بدنی طور پر بشر و انسان اور روحانی طور پر نور، لہذا ہو سکتا ہے کہ کوئی شئی ذاتی طور پر عناصر سے مرکب ہو اور صفاتی طور پر نور کہلائے۔ آج اس سائنسی ترقی کے دور میں تو یہ امر مشاہدہ میں آچکا ہے مثلاً خداوند عالم نے قرآن مجید میں چاند کو ”نور“ قرار دیا ہے (وجعل القمر فیہ نوراً) مگر آج اس چاند کی مٹی کا مغربی ممالک کی لیبارٹریوں اور تجربہ گاہوں میں تجزیہ کر کے اس پر مختلف تجربات کئے جا رہے ہیں۔ صاحبان عقل و انصاف کے لئے اس مطلب کے اثبات کے لئے یہ مقدار کافی ہے ومن لم یجعل اللہ لنوراً فمالہ من نور۔

**انبیاء و ائمہ کی بشریت کا انکار قرآن کریم، حدیث معصومین اور اجماع مسلمین کی تکذیب** | اس قدر تمبیدی بیانات کے بعد

اس موضوع پر ذرا تفصیل سے گفتگو کرتے ہیں۔ سوار باب بصیرت پر یہ حقیقت محض و معتقب نہ رہے کہ انبیاء و مرسلین ہوں یا ائمہ ظاہرین وہ یقیناً بشر و انسان کا ایک مکمل ہی ہیں ان کی بشریت و انسانیت کا انکار کرنا درحقیقت قرآن و حدیث اور اجماع مسلمین کی تکذیب کے مترادف ہے۔

**بشریت انبیاء قرآن و حدیث کی روشنی میں** | اہل ایمان کے جلائے ایمان اور زیادتی بصیرت و ایقان کے لئے ذیل میں ہم اس سلسلے میں چند آیات مبارکہ مختصر تقریب استدلال کے

ساتھ پیش کرتے ہیں اور ان کے ضمن میں کئی روایات بھی آجائیگی۔ ۱۔ خدا نے حکیم اس عالم آب و گل میں سب سے پہلے نبی حضرت آدم ابو البشر کے بارے میں فرماتا ہے ”افی خالق البشر امن طین (پتے) من ص ۷۷“ میں گیلی مٹی سے ایک آدمی بنانے والا ہوں؟ دوسرے مقام پر ان ہی کے متعلق ارشاد فرماتا ہے ”افی خالق البشر امن صلصال من حماء مسنون (پتے) من ص ۷۷“ میں ایک آدمی کو خمیر دی ہوئی مٹی سے جو (سوکھ کر) کھس کھس بٹنے لگے پیدا کرنے والا ہوں۔ (ترجمہ فرمائی)

**تقریب استدلال** | ان آیات مبارکہ میں بشر۔ طین۔ صلصال اور حماء مسنون سب ہی تفسیریں خداوند عالم نے صرف کی ہیں۔ لغوی اعتبار سے اب ذرا صلصال کی حقیقت بھی سن لیں ”بجی ہوئی مٹی۔ کھنکھانا۔

ہوئی مٹی۔ وہ خشک مٹی کہ جب اس پر انگلی ماری جائے تو بجے اور کھنکھانے لگے صلصال کہلاتی ہے اور بعض نے اہل معنی مٹی ہوئی مٹی کے بھی کئے ہیں۔ ۱۱۔ ام راعب اصفہانی لکھتے ہیں۔ اصل میں صلصال خشک چیز کے بجنے کا نام ہے اسی سے مادہ صلصال (کھونٹی بجی) اور اسی سے خشک مٹی صلصال سے موسوم ہے (کیونکہ وہ بجتی ہے) ارشاد ہے من



صلصال کا لغتاً رکھنا مٹی جیسے ٹھیکرا اور من صصال من حمام مسنون (کھنکھاتے تھے گارے سے) اور مصلصلہ  
باقی ماندہ پانی کا نام ہے۔ جو مشکیزہ میں بٹنے کی کھر کھر اڑبٹ سے مشابہ ہونے کی بنا پر اس نام سے موسوم ہے اور بعض نے  
لکھا ہے کہ مصلصال مٹی ہوئی مٹی ہے یہ عرب کے مادہ وصل اللحم (گوشت مٹ گیا) سے ماخوذ ہے ان کا بیان ہے کہ اس کی اصل  
مٹال ہے۔ ایک لام کو ص سے بدل لیا گیا ہے قرآن کا بیان ہے کہ مصلصال وہ مٹی ہے جس میں ریگ ملی ہوئی ہو۔ اور اس طرح  
بچنے لگے کہ جس طرح ٹھیکری بجتی ہے اور ابو عبیدہ نے لکھا ہے کہ مصلصال وہ خشک مٹی ہے جس کو آنچ نہ پہنچی ہو اور جب  
تم اسے انگلی سے ٹھونکو تو بچنے لگے۔ اور تم اس کی کھنکھناہٹ سن لو۔ اور جب وہ آگ میں پکائی جائے تو فقار ہے نیز ہر وہ  
خنی جو کھن کھن بولے مصلصال ہے۔ طبری نے قتادہ سے اسناد صحیح ایسا ہی نقل کیا ہے۔

اعتراض۔ حضرت آدم کی تخلیق کے بارے میں قرآن مجید میں مختلف عبارتیں مذکور ہیں کہیں ارشاد ہے من توأب  
(مٹی سے) کہیں فرمایا من طین لاذب (چمکتے گارے سے) اور کہیں مذکور ہے من حمام مسنون (بٹے گارے سے)  
اور کہیں وارہ سے من صصال کا لغتاً رکھنا مٹی سے جیسے ٹھیکرا، یہ اختلاف کیوں ہے؟

الجواب۔ ان عبارتوں میں حقیقت میں کوئی اختلاف نہیں ہے بلکہ مطالب ایک ہی ہے حضرت آدم علیہ السلام کی  
خلقت کے مختلف مدارج بیان کئے گئے ہیں۔ کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے اول مٹی سے پیدا کیا پھر اس میں پانی  
ملا تو طین لاذب ہوئی۔ یعنی اس میں چپک پیدا ہوئی اس کے بعد حمام مسنون کہلائی کہ سیاہ ہو گئی اور سرگرمی پھر جب خشک  
ہو گئی تو صصال کا لغتاً سے موسوم ہوئی کہ ٹھیکری کی طرح کھن کھن بولنے لگی۔ یہ لغات القرآن نعمانی ص ۶۳ بحوالہ ترجمہ  
قرآن تفسیر المتقین ص ۶۳ حاشیہ نمبر ۲

**خلقت آدم کی کیفیت** | احادیث اہل بیت میں جناب آدم کی اس طینی خلقت کی پوری تفصیل موجود ہیں۔  
اگر اس سلسلہ میں نبی البلاغہ کے پہلے خطبہ کا ہی مطالعہ کیا جائے تو کافی روانی ہے۔  
جناب امیر المومنین حضرت آدم کی اس خلقت کا بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں "ثم جمع سبحانه من حزن  
الارض وسهلها وعذبها وتربته سنّها بالماء حتى خلصت ولاطها باللبّة حتى لزبت  
فجبل منها صوراً ذات اعضاء ووصول واعضاء وفصول اجمدا حتى استمسكت واصلداها  
حتى مصلصلت لوقت محدود واجل معلوم ثم نفخ فيه من روحه فمثلت انساناً اذا ذهان  
يحييها وفكر يتصرف بها. وجوارح يختدمها وادوات يقلبها ومعرفة يفرق بها بين الحق  
والباطل والاذواق والمشام والالوان والاجناس معجوناتاً بطينة الالوان المختلفة والاشياء  
المؤتلفة والاضداد المتعادية والاخلاط المتباينة من الحار والبارد واللبّة والجمود والمساءة  
والسرور والحزن" پھر جب خداوند تعالیٰ آسمان وزمین، نور و تاریکی و مادہ و سیارگان پیدا کر چکا، اس نے جائے سنگلاخ



و سموار زمین شور اور ارضِ رُخا کی اسے ہو قابل کاشت تھی۔ پارہٴ دُزّتِ رُخا کی اکٹھا کیا اس کو پانی میں سانا تاکہ وہ خالص اور پاکیزہ ہو جائے۔ پھر اسے تری سے گوندھا۔ یہاں تک کہ زمین کے عناصر ایک دوسرے میں پیوست ہو گئے اس سے خدا نے ایک صورت پیدا کی۔ اس میں کچھ بیڑھی بڑیاں تھیں، اعضاء تھے، جوڑتے تھے۔ پٹھے تھے۔ اسے ایک خاص مدت اور مخصوص وقت تک اسی طرح رکھا۔ یہاں تک کہ وہ سُکھ کر خشک ہو گئی۔ اور سخت ہو کر کھٹکھٹا ہٹ دینے کے قابل ہو گئی پھر خدا نے اس میں اپنی رُوح پُھونک دی۔ اب ایک ایسا انسان پیدا ہو گیا۔ جو ذہین ہے اور ذہین ہے کام لیتا ہے۔ جو صاحبِ فکر ہے اور فکر کو کام میں لاتا ہے جو صاحبِ اعضاء و جوارح ہے اور ان سے خدمت لیتا ہے وہ اپنے اعضاء کو تین طرح چاہے جنبش دیتا ہے صاحبِ فہم و فراست ہے حق و باطل میں تمیز کر سکتا ہے۔ وہ چھکنے کی حس کا مالک بھی ہے۔ اور سُونگھنے کی حس کا بھی۔ وہ رنگ و جنس میں امتیاز کر سکتا ہے۔ مختلف رنگوں کی مٹی سے بنا ہوا، ہم شکل چیزوں سے مرکب ہو آپس میں ایک دوسرے کی ضد اور مخالف ہیں ان اخلاط سے ترتیب دیا ہوا جو ایک دوسرے سے معارض میں گرمی سے بھی اور سردی سے بھی۔ تری سے بھی اور خشکی سے بھی، اندوہ و خوشحالی سے بھی خدا نے یہ مخلوق پیدا کی۔ اور آدم نام رکھا، "عاشیہ پر لکھا ہے یہ گرمی سے مراد صغراء ہے سردی سے مراد بغم ہے تری سے مراد خون ہے خشکی سے مراد سودا ہے" (نہج البلاغہ ص ۱۲۵) تہجد و تحیہ میں احمد جعفری

جناب امیر علیہ السلام کے اس فرمانِ واجب الاذعان سے واضح و عیاں ہو گیا کہ آدم کی مٹی نہ عریض تھی۔ اور وہ عناصر رعبہ سے مرکب تھے۔ آیا بعد ازیں بھی کوئی مسلمان ان کے بشر و انسان ہونے کا انکار کرنے کی جرأت و جسارت کر سکتا ہے؟ لیکن من لیجعل اللہ لہ نوراً فمالہ نور۔

(۴) سورۃ ابراہیم میں خداوند عالم کفار کا یہ قول نقل کرتا ہے کہ انہوں نے یہ کہہ کر انبیاء کی نبوت کا انکار کر دیا تھا۔ "قَالُوا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا فَرَبِّدْنا اَنْ نَقْصِدَ دُعا عَمَلًا کَانَ یُعْبَدُ اَبَاثِنَا فَاتَوْنا بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ (پ ۱۳) اس ابراہیم (۴) کہ تم بھی پس ہمارے ہی سے آدمی ہو (اچھا اب مجھے) تم یہ چاہتے ہو کہ ہمیں معبودوں کی ہمارے باپ دادا پرستش کرتے تھے تم ہم کو ان سے باز رکھو (اچھا اگر تم بچے ہو تو) کوئی صاف کھلا ہوا امریکہ معجزہ ہمیں لا دکھاؤ۔

**تقریب استدلال** اب قابلِ غور بات یہ ہے کہ اگر یہ بزرگوار فی الحقیقت بشر و انسان نہ تھے۔ بلکہ صرف ظاہری جاثِ بشریت میں ملبوس اور حقیقت میں کچھ اور تھے۔ تو یہاں جو نگہ صرف ان انبیاء کے بشر ہونے کی وجہ سے ان کی نبوت کا انکار کیا جا رہا تھا۔ تو مقتضائے مقام یہ تھا کہ وہ یہاں یہ جواب دے کہ کفار کا ہمیشہ کے لئے ناطقہ بند کر دیتے کہ تمہیں منافق ہوا ہے صرف ظاہر میں تم کو بشر و انسان دکھائی دیتے ہیں ورنہ حقیقت میں ہم کچھ اور ہی ہیں مگر قرآن شامد ہے کہ انہوں نے ایسا جواب نہیں دیا۔ بلکہ اپنی بشریت کے کلمہ کھلا اقرار کے ساتھ ساتھ صرف اپنی خصوصیت کا اظہار فرمایا ہے خدا تعالیٰ نے ان کے جواب کو بایں الفاظ نقل فرمایا ہے "قالت لہم رسلہم ان نحن الا بشر



امثلکم ولكن الله يمت علی من یشاء من عبادہ وما کان لنا ان ناتیکم بسلطان الا باذن الله وعلی الله  
فلینتوکل المؤمنون ربنا اس ابراہیم ج ۴) ”ان کے پیغمبروں نے ان کے جواب میں کہا کہ اس میں شک نہیں کہ ہم بھی تمہارے  
ہی سے آدمی ہیں۔ مگر خدا اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنا فضل (دو کریم) کرتا ہے (اور رسالت عطا فرماتا ہے)  
اور تمہارے اختیار میں یہ بات نہیں کہ بے حکم خدا تمہاری فرمائش کے موافق ہم کوئی معجزہ تمہارے سامنے لاسکیں اور  
خدا ہی پر سب ایمانداروں کو بغیر وسار کھنا چاہئے“ (ترجمہ فرمان)

اس آیت مبارکہ سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہے کہ انبیاء کو بشر کہتا صرف کفار کا ہی مقولہ نہیں ہے (جیسا کہ بعض غلو  
نواز حضرات کا خیال ہے) بلکہ اس حقیقت کا خود انبیاء علیہم السلام کو بھی اقرار ہے فرق صرف اس قدر ہے کہ کفار و جوب  
کلمۃ حق پر ادا میا الباطل ”ان کو بشر کہ کر ان کے خصائص نبوت کا انکار کر دیتے تھے۔ اور انبیاء نے اپنی بشریت  
کے اعتراف کے ساتھ ساتھ ان خصائص کا اظہار فرمادیا ہے۔ چنانچہ شیخ الطائفہ حضرت شیخ عوسمی نے اپنی تفسیر التبیان  
ج ۱ ص ۲۸ پر مذکورہ بالا آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے حکى الله تع فی هذه الاية ما اجابت به الوسل الکفار  
فانهم قالوا اللهم ما نحن الا بشر مثلکم ولسنا ملائكة كما زعمتم ولكن الله من علينا فاصطفانا وبعثنا  
انبياء وهو یجت علی من یشاء من عبادہ ولم یکن لنا ان نعبدکم بسلطان اى بحجة علی صحة دعوانا  
الا بامر الله واطلاقه لنا فی ذلك۔ (کتافی مجمع البیان للطبرسی ج ۲ ص ۱۷۱) یعنی خداوند عالم نے اس آیت میں انبیاء کے  
اس جواب کی حکایت کی ہے جو انہوں نے کفار کو دیا تھا۔ کہ ہم یقیناً بشر ہیں اور جس طرح تمہارا گمان ہے کہ نبی کو فرشتہ ہونا  
چاہئے ہم فرشتے نہیں ہیں لیکن خدا نے ہم پر احسان فرمایا ہے اور ہم کو اپنے بندوں میں سے منتخب کر کے نبی بنا دیا  
ہے اور وہ جس پر چاہتا ہے احسان کرتا ہے اور ہم اپنے دعوے کی صحت و صداقت پر خدا کے امر و اجازت کے بغیر کوئی پینہ  
وربان (معجزہ) نہیں لاسکتے۔“

(۳) بالکل ایسا ہی جناب رسول خدا کا یہ ارشاد ہے قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی انما الہکم ال واحد۔  
(اے رسول کہہ دو) کہ میں بھی تمہارا ایسا ہی ایک آدمی ہوں (فرق اتنا ہے) کہ میرے پاس یہ وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود یکتا  
معبود ہے۔“

اس آیت مبارکہ میں بھی اسی امر کا اظہار کیا گیا ہے کہ چونکہ کفار آنحضرت کو بشر کہتے ہوئے ان  
کے خصائص کو نظر انداز کر دیتے تھے آنحضرت نے بلکہ پروردگار جہاں اپنے بشر و انسان  
ہونے کا اعلان کیا وہاں اپنی خصوصی خاصیت (وحی نبوت) کا بھی اظہار فرمادیا۔ چنانچہ علامہ طبرسی مجمع البیان ج ۲ ص ۱۱۱  
پر اسی آیت کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں لافضل لی علیکم الا بالدين والنہو ولا علم لی الا ما علمنیہا الله تع  
یعنی مجھے آپ لوگوں پر سوائے دین اور نبوت کے اور کوئی فضیلت نہیں دیاں البتہ یہی فضیلت تمام فضائل کی جامع ہے



اور مجھے اتنا ہی علم ہے جتنا خدا نے مجھے عطا فرمایا ہے۔ احتجاج طبرانی ص ۱۸۱ پر جناب رسول خدا سے اور انام حسن عسکری علیہ السلام سے اس آیت مبارکہ کی تفسیر یوں مروی ہے یعنی "قل لہدانا فی البشیرۃ مثلكم ولكن ربی خصنی بالنبوة دونکم کما یخص بعض البشر بالغنی والصحۃ والجمال دون بعض من البشر فلا تتکبروا ان یمحقنی ایضا بالنبوة" یعنی اسے رسول ان (منکرین نبوت) سے کہو؛ کہ میں بشر ہونے میں تمہاری مانند ہوں لیکن جس طرح خداوند عالم بعض انسانوں کو تو نگری، محبت و سلامتی اور حسن و جمال سے نوازتا ہے اور بعض کو لون چیزوں سے محروم رکھتا ہے اسی طرح اس خدا نے حکیم و علیم نے مجھے مرتبہ نبوت پر ممتاز کیا ہے اور تمہیں اس سے محروم رکھا ہے لہذا جس طرح تم بعض انسانوں پر خدا کی مذکورہ بالا عنایات کا انکار نہیں کرتے اسی طرح تم اس بات کا بھی انکار نہ کرو۔ کہ خدا نے مجھ ہی کو عہدہ نبوت پر فائز کیا ہے۔ (کذا فی الاحتجاج مطبوعی ص ۱۸۱) جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ رسول کو بشر کہنا کفر اور کفار کا مقولہ ہے۔ اس آیت مبارکہ میں ان کے لئے ٹھکانہ یہ ہے اس سے منطقی شکل کا صغریٰ کبریٰ اس طرح بنتا ہے۔ صغریٰ خدا نے رسول کو بشر کہا۔ کبریٰ جو رسول کو بشر کہے وہ کافر ہے۔ نتیجہ یہ اگر کو تم زبان سو نہ دے

کردم اشارتے و مکر رمی کنم

جناب مولانا تاج محمد بسطین صاحب نے اس آیت مبارکہ کا ترجمہ و تشریح اس طرح کی ہے "کہو اسے سبیب کہ میں میں مثل تمہارے بشر ہوں مجھ کو یہ وحی کی گئی ہے کہ تمہارا معبود خدا نے وحدۃ لاشریک ہی ہے اس پر ثابست قدم رہو۔ اور اس سے معافی چاہو اور میں بشر ہوں مگر مجھ کو امتیاز خاص حاصل ہے کہ میں تم سے عطا کیا گیا ہے سبق وحدت حقیقی مجھے پرمایا گیا ہے۔ حقیقت توحید میرے وجود میں ودیعت کی گئی ہے اور اس سے تم عاری ہو۔ (پیغام توحید ص ۱۸۱)

(۴) سورۃ انبیاء میں خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے وما ارسلنا قبلك الا رجالا فوجی الیہم فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون وما جعلنہم جسداً الا یاکلون الطعام وما کا فواخا لدین (پیش اس انبیاء ص ۱۸۱) اور اے رسول! ہم نے تم سے پہلے بھی آدمیوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا تھا۔ کہ ان کے پاس وحی بھیجا کرتے تھے تو اگر تم لوگ خود نہیں جانتے ہو تو عالموں سے پوچھ دیکھو اور ہم نے ان (پیغمبروں) کے بدن ایسے نہیں بنائے تھے کہ وہ کھانا نہ کھائیں۔ اور نہ وہ دنیا میں ہمیشہ رہنے والے تھے۔ (ترجمہ قرآن)

**تقریب استدلال** ظاہر ہے کہ رجال یعنی نوع انسان کی منتف و رشت کو ہی کہا جاتا ہے یعنی مردوں کی اس آیت مبارکہ میں یہی سابقہ مطلب کا اعادہ کیا گیا ہے چونکہ کفار مکہ آنحضرت کے کھانا کھانے کے باوجود میں چنے پھرنے اور مصائب و شدائد میں گرفتار ہونے غرض کہ ان کے بشر ہونے کی وجہ سے ان کی نبوت کا انکار کرتے تھے جس کا جواب خدا نے متعال نے یہ دیا کہ آپ سے قبل ہم نے جس قدر انبیاء بھیجے ہیں وہ بھی انہیں صفات سے متعصفتھے۔ پھر ان کی نبوت کا اقرار اور آپ کی نبوت کا انکار چھ معنی دار و صاحب عین البیان لکھتے ہیں۔



”معتاد وما جعلنا الا نبياء قبلك اجساداً الا ياكلون الطعام ولا يموتون حتى يكون اكلك الطعام وشريك وموتك علت في ترك الایمان بك فاننا لم نخرجهم عن حد البشرية بالوحی“ (ج ۲ ص ۲۸۱) کذا فی تفسیر التبیان ج ۲ ص ۲۸۱ (بافنی تفاوت) یعنی اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ ہم نے تجھ سے پہلے انبیاء کو ایسا صاحبِ جبر نہیں بنایا تھا کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں یا وہ موت کا ذائقہ نہ چکھتے ہوں۔ تمہارا کھانا کھانا، پانی پینا، اور موت کا ذائقہ چکھنا تم پر ایمان نہ لانے کی علت بن سکے کیوں کہ ہم نے ان نبیوں پر وحی نازل کر کے ان کو بشریت سے نہیں نکال دیا تھا۔ (۵) ارشادِ قدرت ہے هو الذی خلق من الماء لبشراً فجعله نبیاً صہراً وکان ربک قدیراً (پس من قرآن ع ۳) اور وہ وہی ہے جس نے پانی سے آدمی کو پیدا کیا پھر اس کو نبیاً (نبی اور بہو) اور داماد بنا دیا اور تمہارا پروردگار پوری پوری قدرت رکھنے والا ہے (ترجمہ مقبول)

**تقریب استدلال** بکثرت روایات اہل بیت میں وارد ہے کہ اس آیت مبارکہ میں بشراً سے مراد جناب رسول خدا و علی مرتضیٰ ہیں اور نبیاً سے خاص ذات نبوی اور صہراً سے خاص ذات علوی مراد ہے۔ چنانچہ صاحبِ مقدمہ تفسیر مرآۃ الانوار ص ۹۹ پر رقمطراز ہیں ”فالمراد بالبشر رسول اللہ و علی صلوات اللہ علیہما کما ان المراد بالصہر علی علیہ السلام و بالنسب النبی صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم“ بنا براتفاق اسی مقدار پر اتفاق جاتی ہے ورنہ اگر ان تمام آیات و روایات کو یک جا جمع کیا جائے جن میں ان ذواتِ مقدسہ پر بشر کا اطلاق کیا گیا ہے تو اس کے لئے ایک دفتر درکار ہے۔ العاقل یکفہ الاشارة والبلید لا ینفعہ الف عبارة ۵

نئی گردید کو ترشتہ معنی را کردم حکایت بود بے پایاں بجا موشی ادا کردم

**بشریت انبیاء و ائمہ اتفاق علماء کالمین کی روشنی میں** اس سلسلہ میں پہلے باب میں بہت سے علماء اعلام کا کلام تحقیق ترجمان پیش کیا جا چکا ہے۔ جو ہمارے دعا پر شاہِ عادل ہے۔ یہاں مزید بعض علماء عظام کا کلام حق تو امان پیش کیا جاتا ہے جناب علامہ سید مہدی قزوینی اپنے رسالہ بوار الغالین ص ۱۲ طبع بمبئی پر زیر عنوان ”من جملة عقائد الشیخ احمد المخالفة لما علیہ المسلمون کون النبی و عترتہ خلقاً فوق بنی آدم“ ”هذه المقالة محمّدية غریبية مناقضة للکتاب و السنة و لبعض مبانیہ فاما الکتاب المجید فقد قال فیہ سبحانه قل انما انا بشر مثکم فانہا نفس بئین علی کونہ لیس نوعاً غیر البشر و اما السنة فکثيرة و هی بعبائر مختلفہ منها خبر الخیرۃ الذی فیہ ثم اختار بنی ہاشم فاختار منهم و لیس بانی کونہ من البشر لکونہ افضلہما لما هو معلوم من وجود الفاضل و المفضل فی کل قسم من المخلوقات من دون ربنا بنی الہادی



من المہدی و امین الرسول من الرعیۃ میل آیین خاتمہ الرسل من موتیۃ غیریۃ من المرسلین  
یعنی احمد احسانی کے من جملہ ان نقائد کے جو تمام مسلمانوں کے عقائد کے خلاف ہیں ایک عقیدہ یہ ہے کہ جناب رسولیٰ  
اور ائمہ ہدیٰ انسانوں سے مافوق مخلوق ہیں یہ ایک عجیب و غریب نظریہ ہے جو قرآن و سنت کے مخالف ہے۔  
قرآن کے مخالف اس طرح ہے کہ ارشاد قدرت ہے اے رسول کہہ دو میں بھی تمہاری طرح بشر ہوں۔ یہ آیت اس بات پر  
مفسر صریح ہے کہ آنحضرتؐ کی بشر و انسان کے علاوہ اور کوئی نوع نہیں ہے۔ (اور وہ مافوق البشر مخلوق نہیں ہیں) سنت  
کے مخالف اس طرح ہے کہ بکثرت روایات مختلف الفاظ و عبارات کے ساتھ آپ کے بشر ہونے پر دلالت کرتی ہیں مفسر  
ان کے ایک روایت بھی ہے جس میں تمام عالم سے بنی ہاشم اور پھر بنی ہاشم سے آنحضرتؐ کو منتخب کرنے کا تذکرہ ہے (پہلے  
سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں) کہ ان کو بشر و انسان ماننے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ دوسرے بنی نوع انسان سے  
افضل نہ ہوں کیونکہ تمام مخلوقات عالم میں سے ہر قسم میں فاضل و مفضل کا سلسلہ برابر جاری ہے جیسا کہ ہادی اور  
کہاں مہدی کہاں رسول اور کہاں رعیت۔ جبکہ کہاں خاتم الرسل کا مقام اور کہاں دوسرے رسولوں کا جہاں کیونکہ  
ع ابن زمیں را آسمانے دیکراست

عالم جلیل آقا نے شیخ محمد رضا مظہر اشعری اپنے رسالہ عقائد الشیعہ ص ۱۱۷ طبع نجف پر بعنوان "تفہیم فی الامۃ" رقم طراز  
ہیں "لا نعتقد فی امتنا ما یعتقدہ الغلاة والحلولیون کبریت کلمۃ تخرج من افواهہم بل عقیدتنا  
الخاصۃ انہم لبشر مثلنا لہم مالنا وعلیہم ما علینا وانما ہم عباد مکرمون اختصہم اللہ بکرامتہ  
وحباہم بولایتہم اذ کانوا فی اعلی درجات الکمال فی البشر من العلم والتقوی والشجاعة والکرم  
والعفة وجميع الاخلاق الفاضلة والصفات الحمیدة لا ید اینہم احد من البشر قیما وحق  
بہ وبہذا استحقوا ان یكونوا ائمة وهدایة ومرجعاً بعد النبی فی کل ما یعود لنا من احکام  
وحکم وما یرجع للدمین من بیان وتشریع وما یختص بالقرآن من تفسیر وتاویل" یعنی ائمہ کے بار  
میں ہم وہ انتقاد نہیں رکھتے جو غالی اور حلول کے قائل رکھتے ہیں۔ یہ بہت ہی بڑا وشہ کا نام کلمہ ہے جو ان کے مونہوں سے  
نکلتا ہے۔ بلکہ ہمارا ان بزرگوں کے متعلق یہ عقیدہ ہے کہ وہ بشر اور انسان ہیں۔ ان پر بھی تکالیف شرعیہ عائد ہیں  
وہ اللہ سبحانہ کے کرم بندے ہیں۔ خدا نے ان کو مخصوص کرامت و ولایت کے ساتھ ممتاز کیا ہے کیونکہ وہ ان صفات جلیلہ  
و اخلاق جمیلہ کے ساتھ متصف تھے۔ جو بشر میں ممکن ہو سکتے ہیں۔ جیسے علم تقویٰ، شجاعت، سخاوت اور عفت وغیرہ  
تمام اخلاق فاضلہ۔ ان خصوصیات میں کوئی بھی بشر ان کی ہمہری نہیں کر سکتا۔ انہی خصوصیات کی بنا پر وہ اس بات کے  
مستحق ہوئے۔ کہ پیغمبر اسلام کے بعد احکام و اسرار بیان شریعت اور قرآن کی تفسیر و تاویل میں لوگوں کے امام و ہادی  
مرجع الخلائق قرار پائیں۔ صاحب کفایۃ الموحیدین (ج ۱ ص ۱۱۱) پر ضرورت نبوت اور صفات نبوی پر دلیل پیش کرتے



ہوئے نظر انداز ہیں :- ”ذیل ہمارم بر اثبات نبوت مطلقہ ایک ہی مبراہین قاطعہ ثابت شد و جو تکلیف بر حق سبحانہ و تعالیٰ چنانچہ ذکر شد سابقاً و شک نہ ہو کہ ہر کسے مقابل تعلق وحی از حضرت فرید کار نخواہد بود و ہر فردے از افراد انسان را استعداد تحمل ایقان با و امر و نواہی ربانی فی باشد و این مطلب ثابت است بوجدان و عیان چہ تفاوت مراتب انسان امریت ظاہر و پدید آہیں لازم است از وجود شخصے کہ ممتاز باشد بقابلیت امور مذکورہ و ذہنیتین باشد تا از حیث تعلق وحی الہی نماید و بچہ دیگر تبلیغ او امر و بمکلفین نماید“ یعنی دلائل قاطعہ کے ساتھ سابقاً یہ امر ثابت کیا جا چکا ہے کہ خداوند عالم پر (لطفاً) واجب ہے کہ بندوں کو حقایق احکام شرعیہ کی تکلیف دے اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ہر انسان خدا کی وحی اور اس سے احکام حاصل کرنے کا تحمل نہیں ہو سکتا۔ انسانی مراتب کا اختلاف و جدا نا معلوم ہے اس لئے ایک ایسے شخص کا وجود ضروری ہے جو وحی کا تحمل اور خدا سے اوامر و نواہی حاصل کرنے کی قابلیت رکھتا ہو۔ اور روحانی و جسمانی دو جنبہ رکھتا ہو۔ تاکہ روحانی جنبہ کی بنا پر بذریعہ وحی خدا سے احکام حاصل کرے اور دوسرے جنبہ کی بنا پر مکلفین تک وہ اوامر و نواہی پہنچا سکے، بحکمہ تعالیٰ ان حقائق سے ہمارے بیان کی صداقت روز روشن کی طرح واضح و عیان ہو گئی کہ انبیاء و ائمہ کے مشروران ہونے کا انکار کرنا قرآن، حدیث، معصومین، اجتہاد علماء و ملت اسلام کے انکار کے مترادف ہے خدا جہاد کہ بصائر من ربکم نعمن ابصر فلنفسہم و من عسی فعلیہا و ما انا علیکم بکلیل۔

**بشریت انبیاء و ائمہ عقل سلیم کی روشنی میں**  
 عقل سلیم و شرع قدیم ہر دو متفق ہیں کہ انبیاء و ائمہ انسان ہیں۔ اور ان کے مقرر کرنے کا جو مقصد ہے وہ فوت ہو کر رہ جائے گا۔ ہم اختصار کے ساتھ بشریت انبیاء و ائمہ کے متعلق عقل سلیم کی روشنی میں چند روز و اسرار پیش کرتے ہیں۔

**رمز اول** اگر خدا نے متعال عامۃ الناس کے نظریہ کے مطابق فرشتوں کو نبی و امام بنا کر بھیجتا تو اب اگر فرشتہ اپنی اصل حالت پر آتا تو لوگوں کی بصارت بھی اپنی موجودہ حالت پر قائم رہتی تو وہ اس کا مشاہدہ نہ کر سکتے کیونکہ عام لوگ فرشتہ تو کیا بن کا بھی مشاہدہ نہیں کر سکتے جیسا کہ ارشاد قدرت ہے *وہو قبیلہ من حیث لا ترونہم* یعنی شیطان اور اس کا گروہ تمہیں دیکھتا ہے مگر تم ان کو نہیں دیکھ سکتے اس صورت میں اس کے بھیجے کا مقصد فوت ہو جاتا اس لئے ضروری تھا کہ محتم ہو کہ انسانی شکل و صورت میں ہی آئے۔ اسی لئے خداوند عالم فرماتا ہے *ولو جعلناہم مملکاً لّجعلناہم رجلاً* اگر ہم کسی فرشتہ کو نبی بناتے تو یہی مرد ہی بنا کر بھیجتے۔ لیکن اس صورت میں پھر اعتراض کرنے والے وہی اعتراض کرتے کہ ہم جیسا مرد کیوں نبی بنا کر بھیجا گیا ہے یا معلوم ہوا کہ لوگوں کے اعتراض سے بچنا تو بہر حال محال ہے اس لئے حکیم کو وہ کام کرنا چاہئے جو تقاضائے حکمت کے مطابق ہو۔ اور وہ یہی ہے کہ بشر و انسان ہی کو ہدایت غلطی کے منصب پر اعلیٰ پر فائز کیا جائے چنانچہ *خلق علیہم و علیہم علم و علیہم جسد ا لایا کلون الطعام*۔







ارشاد خداوندی ہے اے میرا حبیب! کہہ دو کہ میں تمہاری مانند بن رہا ہوں۔ ہاں مجھ پر وحی ہوتی ہے نیز ارشاد قدرت ہے۔  
”ہم نے تم سے پہلے جتنے بھی رسول بھیجے ہیں وہ سب کے سب طعام کھاتے اور باز اوروں میں چلتے پھرتے تھے۔“

انبیاء و ائمہ کے دنیاوی حجاب و جلال سے محرومی کا اصل راز | ظاہری حجاب و جلال اور مادی زخارف و زرائع

سے تہی دامن ہونے کی اصل وجہ بھی یہی ہے کہ اگر وہ دنیوی اقتدار و اختیار، خواہی وہ دفاعی اور حجاب و جلال کے ایک ہوتے  
تو ان کے ظاہری اقتدار سے مرعوب ہو کر یا ان کے مال و منال کی طمع و لالچ میں اکڑ لوگ ان کے آگے سر نہایت جھکا دیتے اور اس طرح  
غلام و منافق، غائب دین اور طالب دنیا کے درمیان امتیاز ختم ہو جاتا۔ اختیار و امتحان ہلکا ہو جاتا اور عجز و سزا باطل ہو  
جاتی۔ اس لئے خداوند حکیم نے اپنے ان خاص بندوں کے دامن کو ان چیزوں سے تہی رکھا۔ تاکہ جو لوگ ایمان لائیں تو وہ  
خالصاً و بے لالچ و دنیوی طمع و لالچ کا کوئی جذبہ کار فرما نہ ہو۔ اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جناب  
امیر علیہ السلام مذکورہ بالا خطبہ منیلہ میں ارشاد فرماتے ہیں ”لو اراد اللہ سبحانه لانبیاءہ بحیث بعثناہم ان  
یفتحہم لہم کنوز الذہبان، و معاون العقیان، و سفارس الجنان و ان یحشر معہم طیر السماء و وحوش  
الارض لفعول۔ و لو فعل لسطط البلاء و یبطل الجزاء و اضمحلت الانبیاء و لما وجب للقبائلین اجور  
المبتلین۔ و لا استحق المؤمنون ثواب المحسنین و لا لزمت الاسماء معانیہا و لکن اللہ سبحانہ  
جعل رسلہ اولی قوۃ فی عذابہم و ضعفۃ فیما نری الاعین من حالۃہم مع قناعتہ تملأ القلوب  
و العیون غنی و خصاصۃ تملأ الابصار و الاسماع اذ فی الخدینج البلاء قطع مصرع ۲ ص ۱۶۹ مترجم اردو  
ج ۱ ص ۲۹۹) اور اگر خداوند عالم یہی چاہتا تو برب پیغمبر مبعوث فرماتا تو ان کے لئے سونے کے خزانے اور چاندی کی کانیں،  
بنٹوں کے باغ کھول دیتا۔ ان کے ساتھ آسمانوں کے طائر اور زمین کے جانور (ہر وقت) رہتے اور اگر یہ انتظام کر دیتا۔  
تو آزمائش و جزا بیکار (دوزخ و جنت کی) خبریں رائیگاں ہو جاتیں۔ اور (دعوت اسلام) قبول کرنے والوں کو آزمائش  
میں مبتلا ہونے والوں کا بدلہ اور مومنوں کو احسان کرنے والوں کا جیسا حق نہ ہوتا اور ناموں کے معنی نہ ہوتے (بلکہ کسی ہونے  
باتیں ہوتیں) جن کو اختیار کرنے میں کسی باریکی اور ذہنی کاوش کی ضرورت ہی نہ ہوتی، لیکن خدائے پاک نے اپنے رسولوں  
کو ان کے ارادوں میں صاحب قوت بنایا اور نظر آنے والے عام حالات میں کمزور دست، مگر اس قناعت کے  
ساتھ جو لوگوں کے دل اور آنکھوں کو ان کے بے فکر و مستغنی ہونے کا یقین دلا دے۔ مگر وہ تنگ حالی و کمزوری نظروں  
اور کانوں کو دکھ دے۔ ان فی ذلک لرحمۃ و ذکوی لقوم یؤمنون۔

ایک مشہور مغالطہ کا ازالہ | اس مقام پر عموماً غلو نواز حضرات عوام الناس کو یہ مغالطہ دیا کرتے ہیں کہ آیت میں  
لفظ ”مشکم“ وار ہے ”مشکم“ شل شل کسی شے کا عین نہیں ہوتا۔ جیسے ۱ عجرت



ان اکوت مثل هذا الغراب وغيره آیات سے معلوم ہو سکتا ہے دیکھو حضرت مریمؑ کس جناب جبرئیل مثل بشرین کر آئے۔  
 (فتح مثل لها بشر اسوتیا) یہاں تو سب اقرار کرتے ہیں کہ وہ درحقیقت بشر نہ تھا صرف بشری شکل و صورت اختیار کر کے  
 آیا تھا لہذا انبیاء و المرسلین کے بارے میں ایسا کیوں تسلیم نہیں کیا جاسکتا؟ نیز یہ حضرات یہی کہتے ہیں کہ نبی کو بشر کہنا کفار کا قول  
 ہے کہ وہ کہا کرتے تھے البشر مبعود ونا مانت الا البشر مثلنا وغیرہ

### پہلا جواب

الغیر فی یا خود فرسی کا کئی طرح کا جواب باصواب دیا جاسکتا ہے یہ تفسیر بار آئے ہے جو تمام مسلمانوں  
 کے نزدیک ناجائز اور حرام ہے لقولہ من نسر الفؤان برایہ فلیتبعوا مقعدہ من النار  
 تفسیر صافی و کافی وغیرہ کہ یہ نگہ حبیب حقیقی و ارشاد علم قرآن، مہابطہ وحی و تنزیل اللہ طاہر بن علیہم السلام نے اس آیت مبارکہ  
 کی تفسیر بیان کر دی ہے۔ (جو اوپر درج کی جا چکی ہے) اور انہوں نے نہ انحضرتؐ کو حدود بشریت سے خارج کیا۔ اور نہ ہی انہیں  
 نیچے آئے کو۔ تو بعد ازیں ادھر ادھر یا تقدیر مار کر اس جناب کے حقیقی بشر و انسان ہونے کی نفی کرنا اور ان کو مثل بشر قرار  
 دینا تفسیر بار آئے نہیں تو اور کیا ہے؟

### دوسرا جواب

اُن حضرت کو تمام حالات و صفات اور واردات و کیفیات میں عام انسانوں جیسا ماننا درست نہیں ہے۔  
 سچ نسبت خاک را با عالم پاک! حفظ مراتب کا ہمیں پورا پورا خیال ہے۔  
 مگر حفظ مراتب نہ کتنی زندگی  
 مگر میں پھر بھی بشر و انسان، بلکہ حقیقی بشر و انسان میں ہی یہی بزرگوار اور انہی کی وجہ سے حضرت انسان اشرف المخلوقات کہلانے  
 کا حقدار ہے۔ نہ کہ مادشما کی وجہ سے میں میں اکثر و بیشتر آدمی تو اولئک کالا انعام بل هم اضل کا مصداق  
 ہیں۔ سچ ہے۔

### آدمی کو بھی متیسر نہیں انسان ہونا

”مشکم“ سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ وہ مبین بشر نہیں مشابہ بشر میں یہ علوم و ہر میں مہارت نہ رکھنے اور الفاظ کے موارد استعمال  
 کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے ورنہ معمولی علم و عقل رکھنے والا انسان بھی سمجھ سکتا ہے کہ جو کفار محض اس بنا پر سابقہ انبیاء اور انصو  
 بناب ختم الرسل کی نبوت و رسالت کا انکار کرتے تھے کہ وہ بشر ہیں۔ وہ ان کو ذات و صفات میں اپنے جیسا بشر سمجھتے تھے نہ کہ  
 مشابہ بشر لیکن بایں ہمہ ان کے الفاظ جو قرآن مجید نے پیش کئے ہیں وہ یہی ہیں ان انستم الا البشر مثلنا ”تم نہیں ہو مگر  
 ہماری طرح کے بشر یا صامت الا البشر مثلنا“ تو نہیں ہے مگر ہماری طرح بشر، وہ اہل زبان تھے، الفاظ کے موارد و  
 مواقع استعمال سے کا حقدار واقف تھے۔ ان کو اپنی زبان دانی پر اس قدر فخر و ناز تھا کہ اپنے علاوہ تمام اہل عالم کو عجم  
 (گونا گونا گئے تھے مگر بایں ہمہ جب انہوں نے انبیاء کو من کل الوجوه ہو بہو اپنی طرح بشر ثابت کرنا چاہا تو لفظ ”مثل“  
 لائے۔ اور انبیاء نے بھی ان کے جواب میں اپنی بشریت کا انکار نہیں کیا۔ بلکہ یہ کہہ کر ان نحو الا البشر مشکم



ان پر درست ہے کہ ہم بھی تباری طرح بشر ہیں) اس امر کا اقرار کیا۔ ان کفار نے ان کو اپنے جیسا بشر قرار دیتے ہوئے چونکہ ان کے خصائص کا بھی انکار کر دیا تھا۔ اس لئے انبیاء علیہم السلام نے اپنی بشریت کے اقرار کے ساتھ ساتھ اپنے ان خصائص کا بھی اظہار کر دیا کہ ولکن اللہ میمن علی من یشاء من عبادہ "لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے اپنا انعام فرمادے (تم اس انعام الہی کا انکار نہ کرو) چنانچہ تفسیر صافی ص ۲۶۴ پر اس آیت مبارکہ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے سلموا مشارکتہم فی البشریۃ وجعلوا المسجوب لاختصاصہم بالتبوء فضل اللہ ومنہ علیہم بخصائص فیہم لیست فی ابتاعہ جنسہم یعنی حضرات انبیاء علیہم السلام نے کفار کے جواب میں یہ تسلیم کر لیا ہے کہ وہ بشریت میں ان لوگوں کے ساتھ شریک ہیں اور درجہ نبوت کے ساتھ اختصاص کا سبب انہوں نے خداوند عالم کے فضل و احسان کو قرار دیا ہے۔ ان خصائص و صفات کی وجہ سے جو ان کے دوسرے ابناء جنس میں نہ تھیں "اس بیان سے یہ حقیقت واضح و آشکار ہو گئی کہ کبھی لفظ مثل "شیء بمعنی "عین شیء" بھی استعمال ہوتا رہتا ہے لہذا مثل انہ العزاب وغیرہ آیات سے استدلال کرنا بے جا ہے۔ عربی زبان (جو ام الائمہ ہے) کی وسعت کو ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہئے۔ (تفصیل فقہ اللغہ ثعالبی میں دیکھی جاسکتی ہے من شاء فلیرجع الیہ) بعد ازیں بھی کوئی شخص یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ انبیاء کو بشر کہنا کفار کا مقولہ ہے؟ اگر اب بھی کوئی شخص "لا نسلمہ" کہتے ہوئے یہی رٹ لگاتا رہے تو پھر ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گے کہ انبیاء کو ظاہر میں بشر اور حقیقت میں فرشتہ یا کچھ اور سمجھنا کافر۔ زنان مصر کا مقولہ ہے جنہوں نے جمال یوسفؑ سے سو رہ کر کہا تھا ما ہذا البشر ان ہذا الاملاک کونیم اگر تاحال تسلی نہ ہو اور اس بات پر اصرار ہو کہ جواب میں ضرور کوئی ایسی آیت پیش کی جائے جس میں ان تیسرا جواب بزرگوں کے لئے "منکم" یا منہم، یا من انفسکم، یا من انفسہم وغیرہ الفاظ کی تصریح موجود ہو۔ یا اس میں مثل بشر کی بجائے صرف بشر کہا گیا ہو تو لیجئے اتمام حجت کے لئے ایسی چند آیات صریحہ بھی پیش کی جاتی ہیں۔ جناب پیغمبر اسلام کا یہ ارشاد و مطابق فرمان رب العباد قرآن میں موجود ہے قل سبحان ربی هل کنت الا بشر ارسولاً دہا سورہ بنی اسرائیل ع ۱۰) (اے رسول) کہہ دو کہ سبحان اللہ! میں ایک آدمی (خدا کے) رسول کے سوا آخر اور کیا ہوں؟ اس آیت وانی ہدایہ میں جیسا کہ ظاہر ہے مثل کی لفظ موجود نہیں ہے ایک اور مقام پر ارشاد ایزدی ہے کہما (رسلنا نیکم رسولاً منکم یتلو علیکم ایاتنا سورہ بقرہ پ ۲) مسلمانو! یہ احسان بھی ویسا ہی ہے جیسے ہم نے تم میں تم ہی میں کا ایک رسول بھیجا جو تم کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائے "اس آیت مبارکہ میں جیسا کہ ان حضرات کا مطالبہ تھا فقط منکم" موجود ہے۔ اسی طرح ذاتِ احدیت کا فرمان ہے لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیہم رسولاً من انفسہم یتلو علیہم ایاتہم ربک من آل عمران ع ۸) خدا نے تو ایمانداروں پر بڑا احسان کیا کہ ان کے واسطے انہی کی قوم کا ایک رسول بھیجا جو انہیں خدا کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے۔ یہاں



من انفسہم کہہ کر خلاق عالم نے ان کے نوع بشر سے ہونے کی تاکید مزید فرمائی ہے نیز ارشاد قدرت ہے لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ حَدِیثٌ عَلَیْکُمْ وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ رَؤُوفٌ رَّحِیْمٌ (سورہ بقرہ ۱۲۹) لوگو! تم ہی کی سے (ہمارا) ایک رسول تمہارے پاس آچکا جس کی شفقت کی یہ حالت ہے کہ اس پر شاق ہے کہ تم تطہیف اٹھاؤ اور اسے تمہاری بیبودی کا ہو کا ہے۔ ایمانداروں پر حد درجہ شفیع مہربان ہے (ترجمہ قرآن) یہاں بھی مظلوم و انفرادی موجود ہیں فَمَا ذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلَالٰی

اس سلسلہ میں آیت فَمَثَلٌ لِّمَا لِبَشَرٍ اُسُوْیًا اور اس کی مانند بعض دوسری آیات مانند نَسْکُ پوچھا جواب دستِ دل کرنا ان حضرات کے علم صرف اور خواص ابواب کی بجائے ہی عدم واقفیت کی غمازی کرتا ہے ورنہ اس علم کے ادنیٰ طالب علم بھی اس حقیقت سے واقف ہیں کہ متشکل باب تَفْعَلُ کی ماضی معلوم کا صیغہ ہے۔ اور اس باب کے خواص میں سے نمایاں خاصیت ہے "تَلَفَّتْ وَتَضَعُ" یعنی جو صفت کسی کے اندر موجود نہ ہو اسے زور و زبستی سے اپنے اندر ظاہر کرنا جیسے حدیث میں وارد ہے اَنْ لَمْ تَنْکُنْ حَلِیْمًا فَتَحَلَّمْ۔ اگر تو علیم و بردبار نہیں ہے تو زبردستی سے اپنے آپ کو علیم بنا۔ یا جیسے حضرت امیر المؤمنین علیؑ نے شہادتِ شہیدانہ میں مسلمانوں کی خلافتِ اولیٰ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں اَمَّا وَاَللّٰہُ لَقَدْ نَقَضْتُمُہَا مِنْ اَبِی قُحَافٍ وَہُوَ یَعْلَمُ اَنْ مَحَلِّی مِنْہَا مَحَلُّ الْقُطْبِ مِنَ الْوَحْیِ الْوَلَوْ کُوْ! خدا کی قسم ابو قحافہ کے فرزند نے میرا ابنِ خلافت کو زبردستی پہن لیا مالا نکہ وہ جانتے تھے کہ میں کمالاتِ علمی و عملی کے لحاظ سے اتنا ناگزیر ہوں جتنا چکی کے لئے وہ کھوٹا مس پر اس کی گردن منھس ہوتی ہے (نہج البلاغہ ج ۱ ص ۱۳۷) ترجمہ میں احمد ندوی طبع لاہور بنا بریں اس آیت کا مطلب یہ ہو گا کہ فرشتہ نے بتقا فائے مصلحت زبردستی سے اپنے آپ کو بشرِ ظاہر کیا جو کہ درحقیقت بشر نہ تھا۔ معلوم ہوا کہ متشکل باب بشر ہونا اچھے اور بشر ہونا شل بشر ہونا اور۔

صرف شکل بدلنے سے خواص و آثار نہیں بدلتے یہی وجہ تھی کہ جو فرشتہ حضرت مریم کے پاس آیا تو یہ جو فرشتہ حضرت ابراہیمؑ و لوطؑ کے پاس گئے تھے اگرچہ وہ متشکل بہ بشر تھے مگر ان میں خواص و آثار اب بھی وہی موجود تھے جو فرشتوں میں ہوتے ہیں۔ چنانچہ قرآن شامد ہے کہ جب حضرت خلیل الرحمنؑ نے ان کی ضیافت کے لئے ٹھکانا ہوا بچپڑا ان کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے "اِنَّا رَسُلُ رَبِّکُمْ" ہم تمہارے رب کی طرف سے فرستادہ (فرشتے) ہیں" کھانے سے اپنی مذہبی غاہر کر دی اسی طرح عموماً جناب جبرئیل و جیبرئیل کی شکل میں متشکل ہو کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوتے تھے نیز ائمہ اہل بیت کے گھر مختلف الملائکہ میں یعنی وہاں برابر فرشتوں کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری و ساری رہتا ہے مگر یہ کسی بھی روایت میں نہیں ملتا کہ انہوں نے یہاں اگر کبھی کوئی کھانے پینے کی چیز کھائی ہو یا پی ہو اس سے یہی بڑھ کر یہ کہ جنگ بدر میں خداوند تعالیٰ







یونف دیس دیسل وشیاب ویکوم ویشغ و دلالتہ فی خصلیتین فی العلم واستجابتہ الدعوتہ وکل ما اخبیر  
 بہ من المحدثات القی تحدت قبل کونها فذلک یعہد معہود الیہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وراثتہ  
 من اباہم عنہ علیہم السلام ویکون ذلک فاعہدۃ الیہ جیوئیل عن علام الغیوب الخ یعنی امام کی روح القدس  
 سے نمائندگی جاتی ہے۔ اور اس کے اور خدا کے درمیان ایک عہدہ نور ہوتا ہے۔ جس کے ذریعہ لوگوں کے اعمال دیکھا ہے  
 جس چیز کی احتیاج ہو اس پر مطلع ہو جاتا ہے۔ اس کے لئے علم کشادہ کیا جاتا تو وہ جانتا ہے اور جب تبصیر کیا جائے تو  
 نہیں جانتا۔ امام والدین سے متولد ہوتا ہے اور خود اولاد دیتا ہے۔ تندرست ہوتا ہے اور مریم بھی، وہ کھاتا اور  
 پیتا بھی ہے۔ بول و براز بھی کرتا ہے۔ نکاح و مقاربت کرتا ہے اور متزا بھی ہے۔ خوش ہوتا ہے اور غمناک بھی، ہنستا ہے  
 اور کہیں روتا بھی ہے۔ موت کا فائزہ چھٹتا اور قبر میں دفن بھی ہوتا ہے۔ اس کی زیارت کی جاتی ہے۔ پھر پرویز شہزادہ ہو کر  
 مقام حساب میں لایا جائے گا۔ اور سوال و جواب کے بعد اسے ثواب و اکرام سے نوازا جائے گا۔ وہ شفاعت کرے گا ان  
 مقبول الشفاعہ ہوگا امام کی امامت دو باتوں سے معلوم ہوتی ہے۔ ایک کثرت علم و فضل سے دوسرے دعاؤں کے مستجاب  
 ہونے سے۔ وہ جو قبل از وقت پیشگوئیاں کرتا ہے تو یہ جناب رسول خدا سے ایک عہدہ جہود ہے جو امام تک بطور غفۃ  
 کی وراثت کے اپنے آباء و اجداد کے توسط سے پہنچا ہے اور آنحضرت کو جو نبی نے علام الغیوب کی طرف سے اس کی اطلاع  
 دی ہوئی ہے (عیون اخبار الرضا ص ۱۱۱ جزء اول باب طبع جدید بکراچ ۱۳۹۹ھ) انصال مثلاً وغیرہ۔

اب ان متقانی کی روشنی میں اگر باب عقل و انصاف بتائیں کہ ان ذوات مقدسہ کو بشر و انسان نہ ماننا بلکہ نور محمدی  
 قرار دینا کہاں تک درست ہے؟ اور فرشتوں کے انسانی شکل میں متشکل ہو کر آنے پر ان حضرات کا قیاس کرنا کہ یہ حضرات  
 بھی صرف انسانی شکل میں متشکل ہیں ورنہ درحقیقت کچھ اور ہیں (ملاوہ قیاس کے فی نفسہ باطل ہونے کے) کہاں تک  
 قرین عقل و عروہ ہے؟ ان فی ذلک لایۃ لمن کان لہ قلب والقی السمع وھو شہید۔

بعض حضرات ان آیات و روایات (جن میں انبیاء و ائمہ کو بشر کہا گیا ہے) کے جواب میں کہتے ہیں کہ یہ ہم بھی مانتے ہیں کہ وہ بشر  
 ایک عذر لنگ کا ازالہ یہ کہہ کر غلو خلاصی کرانے کی ناکام کوشش کیا کرتے ہیں کہ "یہ ہم بھی مانتے ہیں کہ وہ بشر  
 لیکن بشر ان کی جنس ہے (نہ نوع) اس کے ساتھ فصل (روحی) مل کر ان کی علیحدہ نوع بن جاتی ہے۔ اس عذر لنگ کے  
 مکمل ازالہ کے لئے اس کتاب کے پہلے باب کی طرف رجوع کیا جائے جس میں ہم عقل و نقلی دلائل قاعدہ و براہین ساطعہ  
 کے ساتھ ثابت کر چکے ہیں کہ بشر کو جنس اور روحی کو فصل قرار دینا ناممکن و محال ہے۔

دوسرا مطالبہ اور اس کا جواب (آنحضرت کے سایہ نہ ہونے کی بحث) امام محمد باقر علیہ السلام کا ارشاد  
 ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تہی خصوصیتیں ایسی تھیں جو کسی دوسرے میں موجود نہ تھیں۔ ایک تو آنحضرت کا سایہ نہ تھا  
 علیہ وآلہ وسلم میں تہی خصوصیتیں ایسی تھیں جو کسی دوسرے میں موجود نہ تھیں۔ ایک تو آنحضرت کا سایہ نہ تھا



دوسرے جب کسی داستانہ سے گزرتے تھے تو تین روز تک دماغ خوشبو رہتی، تیسرے جب کسی گھر یا شجر کے پاس سے گزرتے تو وہ سجدہ ریز ہو جاتے تھے (کافی مسلمہ) حق الیقین صلی اللہ علیہ وسلم سائیکہ نہ ہونا دلیل نورانیت ہے۔ اب انکار کیجئے آپ کے نور نہ ہونے کا؟ اس مغالطہ کے کئی جواب دیئے جا سکتے ہیں۔

**پہلا جواب** | اس موضوع کے سلسلہ میں جس قدر آثار مروی ہیں وہ انبارِ اعداد اور وہ بھی ضعیف نہ سمجھ کے حدود سے خارج نہیں ہیں اور ہم مقدمہ کتاب میں ثابت کر چکے ہیں کہ اصول عقائد میں انبارِ اعداد پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

**دوسرا جواب** | روایات کے الفاظ و تعبیرات مختلف ہیں بعض میں وارد ہے لم یکن لہ فعی (آپ کا سایہ نہ تھا) بعض میں مرقوم ہے لم یزل یخل (آپ کا سایہ کبھی دیکھا نہیں گیا) بعض میں یوں مروی ہے لم یقل لہ خل علی الارض (آپ کا سایہ کبھی زمین پر نہیں پڑا) ظاہر ہے کہ سوائے پہلی تعبیر کے دوسری دونوں تعبیروں سے آنحضرت کے سایہ کی بکلی نفی نہیں ہوتی۔ بلکہ زیادہ سے زیادہ صرف اس کے دیکھے جانے اور زمین پر پڑنے کی نفی ہوتی ہے پہلی تعبیر کو بھی اسی معنی پر محمول کیا جا سکتا ہے لہذا ان روایات سے آنحضرت کے سایہ نہ ہونے پر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

**تیسرا جواب** | یہ بات بھی محلِ کلام ہے کہ "نور کا سایہ نہیں ہوتا" متعدد احادیث میں سرکارِ محمد و آلِ محمد علیہم السلام کے لئے اس ظاہری جسمانی خلقت سے پہلے وہ حافی و نورانی خلقت کے متعلق "خل النور" (نور کے ساتھ)

کے الفاظ موجود ہیں۔ (اصول کافی۔ سابق مجارہ، بصائر و تغیر) اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ نور کا بھی فی الجملہ سایہ ہوتا ہے۔ بنا بریں باوجود آنحضرت کو نور تسلیم کرنے کے بھی ان کے سایہ کی نفی نہیں ہو سکتی۔ اگر فی الواقع سایہ نہ تھا۔ تو پھر اس کی کوئی اور توجیہ کرنا پڑے گی۔ ہمارے علوم ناقص میں آج ہم ایک نظریہ قائم کرتے ہیں۔ کل اس کا غلط ہونا ثابت ہو جاتا ہے اس لئے معلومات دن بدن بدلتے رہتے ہیں۔ کچھ عرصہ پہلے تک یہ نظریہ درست سمجھا جاتا تھا کہ نور و خلقت کا کوئی وزن نہیں ہوتا مگر صاحبِ علم لدنی جناب امام زین العابدینؑ نے آج سے قریباً چودہ سو سال پہلے یہ فرما دیا تھا کہ "سبحانک تعلم وزن الظلمۃ والنور۔ پاک ہے تو جو خلقت و نور کے وزن کو جانتا ہے" (مصیقہ ص ۲۱) موجودہ دور سائنسی تجربات نے کلامِ امام پر ہر تصدیق ثابت کر دی ہے۔ یہی کیفیت سایہ کی ہے۔ آج تک یہی مشہور ہے کہ نور کا سایہ نہیں ہوتا ممکن ہے کل اس کی بھی غلطی ظاہر ہو جائے

**چوتھا جواب** | فلسفہ کا یہ مسئلہ اصول ہے کہ الشئی اذا تحقق تحقق باثادہ یعنی جب کوئی چیز وجود میں آئے تو اپنے تمام لوازم و آثار کے ساتھ آتی ہے اگر آنحضرتؐ نور مجسم تھے تو پھر نور کے دوسرے لوازم و آثار کیوں غائب ہیں کیونکہ نوری خلوق (جیسے ملائکہ) کے آثار یہ ہیں کہ وہ نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں۔ اور نہ نکاح کرتے ہیں (ارشادِ امام صادقؑ)۔ منہاج البراہین ص ۲۱۸ بلکہ اس کے برعکس کثرت کے لوازم و آثار موجود ہیں۔ جیسا کہ ایسی اور ثبوت کیا جا چکا ہے۔



تو ان حالات میں کیونکر آنحضرتؐ کو عجم تسلیم کیا جاسکتا ہے۔

### پانچواں جواب

یہ کہنا کہ ”سایہ اس لئے نہ تھا کہ وہ نور تھے“ یہ علت مستنبطہ ہے علت منصوصہ نہیں یعنی یہ ان لوگوں کا ذاتی قیاس ہے۔ سایہ نہ ہونے کی یہ وجہ روایات میں موجود نہیں ہے۔ اگر ذاتی رائے و قیاس سے کام لیں ہے تو پھر محدث عبدالحق دہلوی کے بیان کے مطابق بعض اصحاب رسولؐ کی اس رائے سے کیوں اتفاق نہ کیا جائے کہ سایہ تو بر زمین نمی افتد کہ مبادا بر زمین نجس افتد، ایک صحابی نے عرض کیا کہ آپؐ کا سایہ زمین پر اس لئے نہیں پڑتا کہ کہیں زمین نجس پڑ نہ جائے (معارف النبوت ج ۲ ص ۱۱۱) اور ممکن ہے کہ یہ وجہ ہو کہ اس سایہ اقدس پر کسی کے قدم نہ آجائے جو کہ احترام رسولؐ کے منافی ہے خیر چھوڑیئے ان ذاتی آراء و قیاسات کو۔ احادیث معصومین سے اس کی اور وجہ معلوم ہوتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ کے یوم ولادت سے یوم وفات حسرت آیات تک بادل کا ایک ٹکڑا ہر وقت سفر و حضر میں آپؐ پر سایہ فلکس رہتا تھا۔ ظاہر ہے کہ ان حالات میں آنحضرتؐ کے سایہ اقدس کا نظر نہ آنا اس امر کا قدرتی و فطری نتیجہ ہے۔ چنانچہ استبانت جبرسی میں حضرت امیر المومنینؑ کی ایک طویل حدیث موجود ہے جو اختیاب نے ایک یہودی کے سامنے افضلیت شیعہ مرتبت بر انبیاء و سلف کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے ارشاد فرمائی۔ فرمایا ”قد فعل ذلک بموسى فی التبیہ و اعطى معجنا افضل من هذا ان الغمامۃ کانت تظلہ من یوم ولدا الی یوم قبض فی حفرة و استقارہ فہذا انس کا اعطى موسیٰ“ یعنی جناب موسیٰؑ کے ساتھ تو صرف گردش محراب کے وقت ایسا کیا گیا تھا۔ لیکن جناب رسولؐ خدا کو اس بہتر و برتر کمال دیا گیا۔ ان کے یوم ولادت سے لے کر یوم وفات تک ہمیشہ سفر و حضر میں ان پر بادل سایہ فلکس رہتا تھا۔ (احتجاج ص ۱۱۱ طبع النبی) چنانچہ فاضل عدیل ملا غیل قرظینی نے اپنی شرح اصول کافی جو موسوم حصہ دوم ص ۱۵۵ طبع نول کشور لکھنؤ میں جناب امام محمد باقر علیہ السلام والی اسی حدیث کی شرح کرتے ہوئے جن کا حوالہ اس شبہ میں دیا گیا ہے آنحضرتؐ کے سایہ نہ ہونے کی وجہ اسی بادل کو قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں ”و نبود اورا سایہ یعنی ہمیشہ ابرے سیاہ اور قرص آفتاب بود“ یعنی آنحضرتؐ کا سایہ نہ تھا۔ کیونکہ ہمیشہ بادل کا ایک ٹکڑا آپؐ کے درمیان مائل رہتا تھا۔

ان اتفاقی کی روشنی میں واضح و آشکار ہو گیا کہ آنحضرتؐ کے سایہ نہ ہونے سے ان کے نور مجسم ہونے پر استدلال کرنا ناہنجکت سے بھی زیادہ بوجہ و کزور ہے۔ وان اوهن البیوت لبیت العنکبوت۔

سابقہ اوراق میں قرآن و حدیث کی روشنی میں یہ تک سمجھ چکے تھے کہ سایہ فلکس کے بغیر معان انبیاء و ائمہ پر نور کا اطلاق و انصاف پڑھ لینے کے بعد اس متیقبت کو تسلیم کرنے میں ذرہ بھی تاثر و تردد نہیں ہوتا کہ انبیاء و ائمہ بشر و انسان کامل ہیں اور ان پر بشر و انسان ہونے کا اطلاق حقیقی معنوں کے اعتبار سے ہے ہاں یہ بھی درست ہے کہ قرآن و حدیث میں ان ذوات مقدسہ پر نور کا اطلاق بھی ہوا ہے۔ جیسے ارشاد قدرت ہے قلا جاءکم من اللہ نور و کتاب مبین (پہلے سورہ مائدہ ص ۱۸۰) تمہارے پاس تو خدا کی طرف سے ایک دھمکتا ہوا نور صاف صاف آیا کہ انبیاء



کتاب آپکی ہے۔ اگرچہ اس آپت میں وارد شدہ لفظ نور کی تفسیر میں اختلاف ہے کہ اس سے مراد آنحضرت ہیں۔ یا قرآن ہے۔ مگر ایک قول یہی ہے کہ اس سے آنحضرت مراد ہیں۔ (ملاحظہ ہو تفسیر تبیان ج ۳ ص ۴۵۷) بروایت اس سے مراد جناب امیر المؤمنین اور دوسرے ائمہ طاہرین ہیں۔ (تفسیر صافی ص ۱۲۱) اسی طرح آیت مبارکہ یا ایہا الناس قد جاءکم بوضوح من ربکم وانزلنا الیکم ذراعیہنا دیناً من سماء ۴۱ اے لوگو اس میں تو شک ہی نہیں کہ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے (دین حق کی) دلیل آپکی اور ہم تمہارے پاس ایک چمکتا ہوا نور نازل کر چکے ہیں۔ اگرچہ اس آیت مبارکہ میں وارد شدہ لفظ نوراً مبیناً کے متعلق شیخ الطائفہ حضرت شیخ طوسیؒ نے تبیان ج ۳ ص ۴۵۷ پر جمیع المفسرین کا یہ قول لکھا ہے کہ اس سے مراد قرآن ہے وذلک النور القرآن الذی انزلہ اللہ علی محمدؐ، یعنی اس نور سے مراد قرآن ہے جسے خدا نے آنحضرت پر نازل کیا، مگر صاحب تفسیر صافی نے ص ۴۵۷ پر بحوالہ تفسیر عیاشی ایک روایت درج کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بُرہان سے مراد جناب رسول خداؐ اور نور سے مراد حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام ہیں۔ بروایت اس سے امامت علیؑ اور ولایت ائمہؑ مراد لی گئی ہے نیز ارشاد قدرت ہے امنوا باللہ ورسولہ وابتعوا النور الذی انزلنا دیناً من سماء ۵۱ تم خدا اور اس کے رسولؐ اور اسی نور پر ایمان لاؤ جس کو ہم نے نازل کیا (ترجمہ فرمان)

اگرچہ عموماً مفسرین نے اس جگہ نور سے قرآن مجید کو مراد لیا ہے۔ مگر اصول کافی کتاب الحج میں امام محمد باقرؑ سے ایک روایت مروی ہے کہ یہاں نور سے ائمہ اطہارؑ مراد ہیں (ص ۹۵) اسی طرح متعدد روایات میں آنحضرتؐ کی نور علی خلق کا تذکرہ موجود ہے جیسے مشہور حدیث اولی ما خلق اللہ نوری سب سے پہلے خدا نے میرے نور کو پیدا کیا یا جیسے آنحضرتؐ کا یہ ارشاد انا وعلی من نور واحدۃ میں اور علیؑ ایک نور سے پیدا ہوئے ہیں۔ الی غیہ ذلک من الاحیاء والکثیرۃ۔

بوجوب تحقیق را عقل باید۔ روایت میں درایت لازم ہے  
**آیات و روایات نور کے متعلق چند حقائق**

چکے ہیں۔ بنا بریں یہاں اہم مطلب یہ ہے کہ یہ سمجھا جائے کہ نور کا مفہوم کیا ہے؟ اور انبیاء و ائمہؑ کو نور کہا گیا ہے تو کس اعتبار سے؟ بعض نوآموز عزیز جنہیں سستی شہرت حاصل کرنے کے شوق نے اس وادی پُر خار میں قدم رکھنے پر آمادہ کیا۔ انہوں نے اپنی تالیف میں سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کو نور ثابت کرنے کے سلسلہ میں بلا تحقیق مطلب و معنی وہ آیات و روایات جمع کر دی ہیں جن میں ان بزرگواروں کی خلقت نوری کا تذکرہ ہے یا ان پر نور کا اطلاق کیا گیا ہے۔

سالہا بایہ کہ یک کو دے از درس علم

عالی گرد و نگو یا شاعر شیرین سخن

اور یہی روش لکھنؤ کے بعض ممتاز افاضل سفید ریش متبعین نے اپنی جوابی کتب میں اختیار کی ہے۔



**نور کی تعریف کا مسئلہ** | لیکن نہ تو انہوں نے نور کی تعریف کی ہے اور نہ ہی ہمارے پیش کردہ دلائل قاطعہ کا کوئی جواب دیا۔ اور نہ ہی ان آیات و روایات کا کوئی صحیح حل پیش کیا۔ میں ان ذوات

مقدسہ کو حقیقی معنوں میں مبشر و انسان قرار دیا گیا ہے۔ سچ ہے ع

فکر کہ کس بقدر رحمت و دوست

ہاں البتہ ایک اور صاحب جو گرجنے چکے (گر برسے کی نوبت کسی شافہ و تاوڑی آتی ہے) غوغا کرانی، ہنگامہ برپائی، شوقِ پیچہ آزمائی، پختہ سہ بد لے، وہ تو بالآخر پسپائی اختیار کرنے میں اپنا کوئی ثنائی نہیں رکھتے ع  
نمر گزری ہے اسی دشت کی سیاحی میں

حب ہمارے دلائل قاطعہ و براہین ساطعہ کی تاب مقاومت نہیں لاسکتے۔ تو چاروں شانے چت گرتے ہیں اور دے  
لفظوں اظہار مبنوائی کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ (لان الحق یعلو ولا یعلیٰ علیہ) یہ حال انہوں نے ”نور“ کی عربی میں  
تو وہی تعریف لفظی کی ہے جو عموماً کی جاتی ہے کہ ”الظاہر بنفسہ والمظہر بغيرہ“ مگر اس کا جو رواں دواں اور  
صحیح ترجمہ کیا ہے شاید معلم الملکوت بھی ایسا شگفتہ ترجمہ نہ کر سکے۔ پڑھئے اور مترجم کے علم و فضل کی داد دیجئے جس کی تیز  
تیز شعاعیں پھوٹ پھوٹ کر نکل رہی ہیں اور اہل عالم کی آنکھوں کو خیرہ کر رہی ہیں۔ فرماتے ہیں ”جس کا وہ نفس الام  
میں بالتحقیق ہو اور اپنے وجود سے دوسروں کو بالتحقیق وجود میں لائے“ (معانی ”الوساطۃ“) چونکہ شمس و قمر نور  
ہیں جو اپنی ضیا پاشیوں سے عالم کو منور و روشن کرتے ہیں تو اس تعریف کی بنا پر مطلب یہ ہو گا کہ یہ حب مشر عام پر  
جلوہ گر ہوں تو ان کی روشنی میں جو چیزیں نظر آتی ہیں۔ ان کو وجود میں یہی لاتے ہیں اور حب یہ نظروں سے اوجھل ہو جائیں  
تو اشیاء عالم بھی پردہ عدم میں روپوش ہو جاتی ہیں۔ الغرض بنا بریں آفتاب و ماہتاب روشن کنندہ نہیں بلکہ وجود و ہند  
ہوں گے۔ علاوہ بریں اس تعریف کی بنا پر صنعت گر خواہ لوہار ہو یا کمپار یا بولایا الغرض جو بھی اپنی صنعت و کارگیری  
کی بدولت کوئی چیز بنا ڈالے وہ نور سمجھا جائے گا کیونکہ وہ خود نفس الامر میں بالتحقیق موجود ہے۔ (جو ہر جو ہر ہونے کے)  
اور دوسری چیز کو بالتحقیق وجود میں لایا بھی ہے۔ حالانکہ عبارت مذکورہ کا صاف و سادہ مطلب یہ ہے کہ ”جو خود بخود  
ظاہر ہو اور دوسروں کو ظاہر کرے“ اور یہ تعریف بھی نور کی لفظی تعریف ہے (جو صرف شرح اسم کا کام دیتی ہے) نہ  
حقیقی۔ کیونکہ حقیقی تو وہی ہوتی ہے۔ جو جامع جمیع افراد و مانع از دخول غیر حالانکہ یہی تعریف ”نار“ (آگ) پر بھی  
صادق آتی ہے کیونکہ وہ بھی خود ظاہر ہے اور دوسری چیزوں کو ظاہر کرتی ہے۔ افسوس کا مقام ہے کہ آج کل وہ لوگ  
بھی نور و بشر کی بحثیں کرتے نظر آتے ہیں جو یہ بھی نہیں جانتے کہ نور کی تعریف کیا ہے؟ اور نہ ہی یہ جانتے ہیں کہ نور  
نار میں فرق کیا ہے؟ اور نہ ہی یہ معلوم ہے کہ نور جو ہر ہے یا عرض و حقیقت یہ ہے کہ ”نور“ ان بعض خامض اشیاء میں  
سے ایک ہے جن کی ماہیت و حقیقت کے چہرہ سے آگ ملک کوئی نقاب کشائی نہیں کر سکا اور نہ ہی آئندہ امید کی جاسکتی



ہے کہ اس لایعجل معہ کو کوئی حل کر سکے گا۔ رسالہ شرح آیت نور کے مصنف نے بالکل درست کہا ہے کہ: ”حقیقت نور مستور است نہ تا حال کسے اور اقبیدہ و خواہد فہمید“ (نقل بالمعنی) ع  
کس نکشود و نکشاید یکبست این معمر را

**آیات و روایات نور متشابهہیں** | متشابهہ کا مطلب ہے، اشتبہ بہ مراد المتکلم۔ وہ کلام میں سے متکلم

کا مقصد سامع پر (کسی لفظی یا معنوی سمجھ بگڑ کی وجہ سے) مشتبه ہو جانے کوئی اس کا اقرار کرے یا نہ کرے مگر یہ حقیقت بہر حال مسلمہ ہے کہ آیات اور بالخصوص روایات نور متشابهہ ہیں ان کے الفاظ و تعبیرات اس قدر مختلف اور انداز بیان اس قدر متفاوت ہے کہ ان سے اصل حقیقت کا سراغ لگانا جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہے بوجہ خوف طوالت ان امور کی تفصیلات نظر انداز کی جاتی ہیں در نہ دیدہ بینا رکھنے والوں کے لئے ہم ان کو یہاں پیش کرتے۔ یہ وہ مقام ہے کہ بڑے بڑے علماء اعلام و محققین عظام سپر انداز نظر آتے ہیں۔  
(۱) چنانچہ محدث جلیل سید نعمت اللہ حجازیؒ انوار نعمانیہ میں (ص ۱۶۷) نوری خلقت کی مختلف امادیت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں ”واما حقیقۃ ہذا الانوار فلا تفتقہا و لکن المقصود“ یعنی جہاں ان انوار کی حقیقت کا تعلق ہے ہم اسے نہیں سمجھ سکتے۔ ہاں جو کچھ ان انوار و آثار سے ہماری سمجھ میں آتا ہے وہ یہ ہے (پھر اپنے فہم کے مطابق بالا جمال ایک مطلب بیان کیا ہے۔ فراجع)

(۲) اسی طرح عالم تحریر و محدث خیر جناب علامہ مجلسیؒ اصحاب آباء و ارحام امہات میں محمد و آل محمد علیہم السلام کے نور کے نقل و انتقال کی مختلف تعبیر روایات نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں ”والاخبار فی ذلک مستفیضۃ و ردت اکثرھا فی الکتاب الکبیر لکن فہمہا صعب علی العقول والاولیٰ الایمان بہا معجلا و ردّ علمہا الیہم علیہم السلام (مرآۃ العقول ج ۲ ص ۳۵) یعنی اس سلسلہ میں اخبار مستفیضہ وارد ہوئے ہیں میں نے ایسی اکثر اخبار کو کتاب کبیر (بخار الانوار) میں درج کیا ہے۔ لیکن ان کے مطلب کا سمجھنا عقول کے لئے دشوار ہے اس لئے بہتر یہ ہے کہ ان پر اجمالی ایمان رکھا جائے اور ان کے حقیقی مقصد کو خود انہی بزرگواروں کی طرف لوٹایا جائے“  
(۳) سید العلماء مولانا سید حسین صاحب لکھنوی حدیقہ سلطانیہ ج ۲ ص ۱۳۱ سے لے کر ص ۱۳۲ تک ائمہ اہل بیتؑ

کی خلقت نوری والی بعض وہ روایات جن میں اشباح، اقلہ، ابدان، ارواح اور انوار وغیرہ الفاظ مذکور ہیں۔ ان کی بعض توجیہات کرنے کے بعد بالآخر لکھتے ہیں ”و در کہ کہ حقیقتہ این اشباح و ارواح از طاقت بشری بیرون است و کلمات قلیل فیہا و یقال فہو علی سبیل الاحتمال و علم ذلک ہو کون الی اللہ المتعال“ (ص ۱۳۱)

یعنی ان اشباح و ارواح کی حقیقت کیا ہے؟ اس کا سمجھنا انسانی طاقت سے باہر ہے۔ اس سلسلہ میں جو کچھ کہا گیا ہے یا کہا جا رہا ہے اور کہا جائے گا۔ یہ سب بنا بر احتمال ہے ان کا حقیقی علم خدا ہی کے سپرد کیا جاتا ہے۔



(۴) علامہ ابوالحسن الشریف اپنی کتاب مرآۃ الانوار و مشکوٰۃ الاسرار کے منہ پر بعض احادیث نور درج کرنے اور بقدر وسع و طاقت ان کی تشریح کرنے کے بعد آخر میں فرماتے ہیں "ولکن فہم حقیقۃً ہذہ مقالۃ فصل الیہ عقولنا فلا تغفل" ان علماء اعلام کی شہادتوں کی روشنی میں یہ حقیقت بالکل بے غبار ہو جاتی ہے کہ آیات و روایات نور متشابہ ہیں لہذا محکمات کو چھوڑ کر متشابہات پر دیوار اعتقاد استوار نہیں کی جاسکتی۔ ہاں ان پر اجمالاً ایمان رکھنا لازم ہے واللہ العالم۔

مؤمن کی نورانی خلقت کا بیان  
 یہ حال ہو گا کہ ان روایات نور کے پیش نظر سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کو مجتہب نور جسے میں اور ان کے معبود و بھائیوں کو اپنے اس نظریہ پر نظر ثانی کرنے کی دعوت دینے کے لئے ان کی خدمت میں دو جواب پیش کئے جاتے ہیں۔ پہلا لازمی اور دوسرا حقیقی۔

الزامی جواب  
 اس جواب کا ماحصل یہ ہے کہ اگر ان روایات کی وجہ سے ان ذوات مقدسہ کو انسان کامل ہونے کی بجائے نور عسقم قرار دیا صحیح ہے تو پھر اہل ایمان بھی انسان نہیں بلکہ ان کو بھی نور عسقم تسلیم کرنا لازم ہے۔ کیونکہ اہل ایمان کی نورنی خلقت کے متعلق بھی ایسی بکثرت روایات معتبرہ کتب حدیث میں موجود ہیں کہ ان کا ایک شتمہ درج کیا جاتا ہے۔

(۱) امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے بعض مخصوص اصحاب کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا اَنتُمْ نُوْرُ اللّٰہِ فِی الْاَرْضِ  
 تم زمین میں خدا کے نور ہو۔ و تمقیح المقال فی احوال الرجال ما مقانی جلد ۳ ص ۳۶۱) و کذا فی رجال کشمیر۱۹  
 (۲) سلیمان جعفری بیان کرتے ہیں کنت عند ابی الحسن علیہ السلام قال یا سلیمان اَتَقْبِیْ فَوَاسِئَہُ الْمُؤْمِنِ  
 فانہ ینظر بنور اللّٰہ فسکت حتی اصبت خلوة فقلت جعلت فداک سمعتک تقول اَتَقْبِیْ فَوَاسِئَہُ الْمُؤْمِنِ  
 فانہ ینظر بنور اللّٰہ۔ قال نعم یا سلیمان ان اللّٰہ خلق المؤمنین من نورہ و صبغہم فی رحمۃ  
 و اخذ ميثاقہم لئلا یولایة و المؤمن اخ المؤمن لا بیہ و اصحابہ النور و امہ الرحمة و انما  
 ینظر بذلک النور الذی خلق منہ میں جناب امام موسیٰ کاظم کی خدمت میں حاضر تھا کہ آپ نے فرمایا۔ اے  
 سلیمان! مؤمن کی فراست سے بچو کہ وہ خدا کے نور سے دیکھتا ہے! میں یہ سن کر خاموش ہو گیا۔ جب خلوت ہوئی تو  
 نے عرض کیا میں آپ پر قربان ہو جاؤں۔ میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مومن کی فراست سے ڈرو۔ کیونکہ وہ  
 خدا کے نور سے دیکھتا ہے (یعنی اس کا مطلب کیا ہے) امام نے فرمایا۔ ہاں اے سلیمان! خداوند عالم نے مومنین کو  
 اپنے خاص نور سے پیدا کیا ہے۔ پھر انہیں اپنی رحمت کے رنگ میں رنگا ہے اور ان سے ہماری ولایت کا عہد و پیمان  
 لیا ہے۔ مومن مومن کا پدری و مادری بھائی ہے (یعنی ان کا) باپ نور اور ماں رحمت ہے۔ مومن اسی نور سے دیکھتا  
 ہے۔ جس سے اس کی خلقت ہوئی ہے (بصائر الدرجات باب ۲ ص ۲۸) اسی باپ اور اسی صفحہ پر اسی مضمون کا



دو اور روایات معتبرہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہیں فراجع رکذا فی التفسیر الصافی ص ۲۵ و شرح الزیارة للاصناف ص ۲۱۱

(۱۳) امامی شیخ مفید علیہ الرحمۃ ص ۱ طبع النجف میں امام جعفر صادق سے مروی ہے فرمایا ان اللہ خلق المؤمن من نورہ خداوند عالم نے مؤمن کو اپنے نور سے پیدا کیا ہے۔

(۱۴) امام موسیٰ کاظم سے منقول ہے فرمایا ان اللہ خلق المؤمنین من نورہ الخ خداوند عالم نے اہل ایمان کو اپنے نور سے پیدا کیا ہے (مجمع البحرین ص ۵)

(۱۵) جناب امام جعفر صادق ایک طویل حدیث میں فرماتے ہیں "واللہ شیعتنا من نور اللہ خلقوا والیہ یعودون الخ (مرآة العقول ج ۲ ص ۲۸) خدا کی قسم ہمارے شیعہ خدا کے نور سے پیدا ہوئے ہیں اور اسی طرف لوٹ کر جائیں گے۔

(۱۶) ہفتم بھارہ ص ۲۵ ایک روایت کے مطابق جو امام محمد باقر سے مروی ہے شیعہ کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی گئی ہے کہ لانہم خلقوا من شعاع نورنا کہ وہ ہمارے نور کی شعاع سے پیدا ہوئے ہیں (کذا فی حقائق العقائد ص ۱۴۹)  
(۱۷) تفسیر صافی ص ۱ پر بذیل آیت یخوضون من النور حدیث صادق سے تو مؤمن کا جسم نور ہونا ظاہر ہوتا ہے المؤمن یتقلب فی خمسة من النور وخذ نور وخرجہ نور وکلما نور ومنتظرہ یوم القيامة الی النور (کذا فی الفصل ۳۱) ان حقائق کی روشنی میں واضح ہو گیا کہ خلقت اتوار والی آیات و روایات کی بنا پر ائمہ اطہار کو زعم تسلیم نہیں کیا جاسکتا ورنہ پھر عام اہل ایمان کو بھی انسانوں کے زمرہ سے نکال کر جسم نور تسلیم کرنا پڑے گا۔ ولا یقول بلہ احد ضاحکہم حیث یار ان طریقت بعد ازیں تدبیرا۔

بعض حضرات نے دیگر مقامات کی طرح اس مقام پر بھی ایک عجیب فریب کاری کا مظاہرہ کیا ہے۔ **فریب کاری** انہوں نے قریباً ہر اس عالم کا نام اپنی تائید میں درج کر دیا ہے جس نے اپنی کتاب میں ائمہ اطہار کی خلقت نوری والی احادیث میں سے کوئی حدیث درج کر دی ہے یا ان کی اس نورانی خلقت کا تذکرہ کر دیا ہے اگر یہ طرز استدلال درست ہے تو پھر تو یقین کی ضرورت میں ہمارے نام کا بھی اضافہ کر دیا جائے کیونکہ ایسی احادیث تو ہم نے بھی احسن الفوائد، اشبات الامامت، اور اصول الشریعہ میں درج کی ہیں۔ کیا اسی کا نام تحقیق ہے؟ اور اسی کو استدلال کہتے ہیں؟ یا یہ کھلی ہوئی ابلہ فریبی یا خود فریبی ہے؟

نہر کہ سر سبز اثر شد قلندری دانند ہزار نکشتہ باریک تر ز مویا نجاست

اس دوسرے تلی جواب کا لب لباب ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ اخبار و آثار ائمہ اطہار کے بجز فخر اور علمائے اہل



کے کلام حقیقت انوار میں شتاوری و غوطہ زنی کرنے یا اس گلشن سدابہار کی سیر کرنے سے بتائید ایزد جبار گردانے مشہور اور گلابائے نوشہوار ہم نے حاصل کئے ہیں۔ ان کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے کہ ان آیات و روایات کے چار صحیح مفہوم ہو سکتے ہیں۔

**پہلا صحیح مطلب** یہ ہے کہ آیات و روایات میں وار شدہ لفظ "نور" سے ان حضرات کے بدن مجسم مبارک مراد نہیں ہیں، بلکہ ان کے ارواح مقدسہ مراد ہیں جو کہ نورانی ہیں اور چونکہ ان کے اجسام مقدسہ

ان کے ارواح مطہرہ کے حامل ہیں اس مناسبت سے خود ان حضرات کو سن باب الحجاب "نور کہہ دیا گیا ہے۔ ہمارے اس بیان کردہ مفہوم کی تائید متعدد احادیث معصومین علیہم السلام اور کلام علمائے اعلام سے ہوتی ہے۔ چنانچہ اصول کافی ص ۱۱۱ شرح مرآة العقول ج ۱ ص ۲۵۲ پر حضرت امام جعفر صادق سے مروی ہے فرمایا قال اللہ تعالیٰ یا محمد! انی خلقتک وعلیاً نوراً یعنی روحاً بلا بدن قبل ان اخلق سمواتی وارضی وعرشی وبعثتک فی کل نسل وجمعت روحیکما فجعلتھما واحداً الا خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے یا محمد! میں نے تجھے اور علی کو نور یعنی روح بلا بدن پیدا کیا۔ قبل اس کے کہ میں آسمانوں، زمینوں، عرش اور سمندر کو پیدا کرتا۔ پس تم برابر میری تہلیل و تجمید کرتے رہے پھر میں نے تم دونوں کی روحوں کو جمع کر کے ایک بنا دیا۔ حضرت صادق آل محمد کی حدیث ان اللہ خلقنا من نور عظمتہم الخ (اصول کافی) خدا نے ہمیں اپنے نور عظمت سے پیدا فرمایا۔ کی شرح میں علامہ

مجلسی لکھتے ہیں خلقنا فی ارواحنا والقمیہ ل محمد الا وصیاً صلوات اللہ علیہم من نور عظمتہم الخ من نوریدل علی کمال عظمتہم وقد رفقہم الخ و مرآة ج ۱ ص ۲۵۲) یعنی خدا نے ہماری روحوں کو پیدا فرمایا ضمیر جمع مشکم سے مراد جناب رسول خدا اور ان کے تنقیحی اوصیاء یعنی ائمہ ہدیٰ ہیں۔ اپنے نور عظمت سے یعنی اس نور سے جو اس (خدا) کی کمال عظمت و قدرت پر دلالت کرتا ہے۔ فلا سفر نے جو خصوصیات عقل اول کے لئے تجویز کی ہیں۔ جناب علامہ مجلسی ان کو سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام پر منطبق کرتے ہوئے فرماتے ہیں فانہم اشتبوا القدم للعقل وقد ثبت التقدم فی الخلق لا وراحمہم الخ یعنی فلا سفر نے (اپنے مزعمہ) عقل اول کے لئے قدیم ہونا ثابت کیا ہے۔ یہ تقدم خلقی (محمد و آل محمد علیہم السلام) کی روحوں کے لئے ثابت ہے۔ (مرآة العقول ج ۱ ص ۲۵۲) بعد ازاں اول ما خلقی نوراً وغیرہ احادیث سے استدلال کیا ہے۔

علامہ ابوالحسن الشریف لکھتے ہیں ان اول من خلقہ انوار ارواح البقی صلی اللہ علیہ والہ وسلم والائمة علیہم السلام و ارواح شیعہم وان بعد ذلک خلق سائر الخلق سعیداً و شقیماً (مرآة الانوار ص ۲۹) "یعنی سب سے پہلے خلاق عالم نے جناب رسول خدا و ائمہ اطہار کے ارواح قدسیہ کے نور اور ان کے شیعہوں کے ارواح پیدا کئے۔ اس کے بعد دوسری مخلوق کو خواہ سعید تھی یا شقی پیدا کیا" اس محدث خیر کی فرمائش سے بھی واضح ہوتا ہے۔



کہ خلقت نوری سے مراد خلقت روحانی ہے۔ صرف تعبیر کا اختلاف ہے کہیں لکھا ہے پہلے نور نبی والی نبی پیدا کیا پہلے ارد  
 سے پہلے نبی والی نبی کی ارواح کو پیدا کیا ہے اور کہیں یہ بیان ہوا ہے کہ "نبی و آل نبی کے ارواح کے انوار کو پیدا کیا"۔  
 عبارت تاشقی وحسنک واحد دکل الی ذالک المجمل لیشیر

ہمارے بیان کردہ مفہوم کی تائید مزید حضرت امام رضا علیہ السلام کی اس طویل حدیث شریف سے بھی ہوتی ہے جو عیون

اخبار الرضاج ۲۶۷ طبع جدید و ص ۱۸ طبع قدیم پر موجود ہے امام فرماتے ہیں لان اول ما خلق الله عز وجل ارواحنا  
 فانطقها بنوحیدہ و تمجیدہ ثم خلق الخ یعنی تم تسبیح و تہلیل پروردگار میں اس لئے سب لوگوں سے سبقت لے گئے  
 ہیں اگر خدا نے سب سے پہلے ہماری ارواح کو پیدا فرمایا پھر انہیں اپنی توحید و تمجید کے ساتھ گویا کیا۔ اس کے بعد ملائکہ کو پیدا  
 کیا۔ جب انہوں نے ہماری روحوں کو ایک نور دیکھا تو ہمارے معاملہ کو بہت عظیم سمجھا۔ اس وقت ہم نے خدا کی تسبیح کی تاکہ  
 فرشتوں کو معلوم ہو جائے کہ ہم خدا کی مخلوق ہیں۔ اور وہ ہماری (مخلوق والی) صفات سے مشرک و مشرک ہے۔ اسی طرح ہمارا انوار  
 ج ۲ مشرق پر جناب رسول خدا سے ایک طوفانی حدیث مروی ہے جس میں آنحضرت جناب امیر علیہ السلام کو مخاطب کرتے ہوئے  
 فرماتے ہیں۔ یا علی ان الله تبارک وتعالی کان ولاشی معہ فخلقنی وخلقک روحین من نور جلالہ فکنا  
 امام عرش رب العالمین نستبحہ الله ونقدہ و نحمدہ و نصلی علی خذائک وندعواک من نور جلالہ وندعواک من نور جلالہ  
 اور کوئی چیز نہ تھی پس اس نے مجھے اور تجھے اپنے مخصوص نور جلال سے دو روحوں کی صورت میں پیدا کیا۔ پس ہم اس کے عرش کے  
 دربار اس کی تسبیح و تقدیس اور تمجید و تہلیل کرتے تھے اذ انی مرآۃ الانوار ص ۱۸ نقلاً عن کتاب المعراج للصدوق اسی کتاب کے  
 مشرق پر جو کہ کتاب منجی التحقيق بروایت جناب جابر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا ان الله خلق اربعة  
 عشر نوراً من نور عظمتہ قبل خلق ادم باربعة عشر الف عام فہی ارواحنا الخ خداوند عالم نے حضرت آدم  
 کی خلقت سے چودہ ہزار سال قبل چودہ انوار کو اپنے خاص نور عظمت سے پیدا کیا اور یہ انوار ہمارے ارواح ہیں۔ یہ حدیث مشرق  
 پر حضرت امام جعفر صادق سے جو کہ کتاب اکمال الدین شیخ صدوق منقول ہے ان حقائق سے واضح ہو گیا کہ نورانی خلقت  
 سے مراد روحانی خلقت ہے اور اسی عالم اجسام و ابدان میں جسی مجازاً نور کہہ دیا گیا ہے۔ چنانچہ خواص ہمارا خیر ائمہ اطہار سرکار  
 علامہ علی مرآۃ العقول ج ۱۴ پر آیت مبارکہ واتبعوا النور الذی انزلنا میں نور کی مختلف توجہات کرنے کے بعد  
 بطور غلامہ لکھتے ہیں۔ دلی سائر التقادیر فقوله انزلنا ہی انزلناہ وھو منزل علیہ حقیقۃ علماً کان  
 او کتاباً اور روحاً والافتمۃ علیہم السلام ھو حمتلہ وحفظتہ وذودہ واطلاق النور علیہم کا اطلاق  
 کتاب اللہ وکلامہ فی قول امیر المومنین ان کتاب اللہ الناطق لکونہ حامل الکتاب وحافظہ وکونہ  
 مستکملابہ ووصوفابہ و متحداً معہ فکانہ ہو یعنی ان تمام صورتوں میں ارشاد ایزدی انزلنا کا مفہوم یہ ہے  
 کہ یہ نور فی الحقیقت آنحضرت پر نازل ہوا ہے خواہ اس سے مراد علم ہو۔ خواہ کتاب یا روح۔ اور چونکہ حضرت ائمہ اطہار میں



اس علم یا کتاب یا روح کے حامل، حافظ اور صاحب ہیں۔ اس لئے ان پر اسی طرح نور کا اطلاق کیا گیا ہے جس طرح حضرت امیر علیہ السلام کے ارشاد میں ان پر کتاب اللہ و کلام اللہ کا اطلاق ہوا۔ داتا کتاب اللہ ان حق اکہ میں خدا کی بولتی ہوئی کتاب ہوں۔ کیونکہ انجنا ب حافظ و حامل کتاب میں۔ الخ پس ان عقائد کی روشنی میں واضح ہو گیا کہ انبیاء و ائمہ و جنبین اور بشر نورانی ہوتے ہیں۔ یعنی روح کے اعتبار سے نور اور جسم کے لحاظ سے بشر۔ نہ ان کے جنبہ نورانی کا انکار ممکن ہے اور نہ ہی جنبہ بشری کا۔ جیسا کہ اس باب کی ابتدا میں یہ امر واضح کیا جا چکا ہے باقی رہا یہ امر کہ اگر اس خلقت نور سے خلقت روحی مراد لی جائے۔ تو اصلاً آباؤ ارحام اہمات میں اس روح کا نقل و انتقال کیوں کر اور کس طرح ہو گا۔ اس امر کی تحقیق تک انسانی عقل و افہام کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ جیسا کہ علامہ مجلسی جیسے محدث غیر نے اعتراف کیا ہے۔ کہ "لکن فہمہا صاحب علی العقول" یعنی ان احادیث کا سمجھنا عقول کے لئے سخت مشکل ہے۔ اس لئے الاولی الایمان بھا مجسلاً و درو علم الیہم علیہم السلام بہتر ہے کہ ان امور پر اجمالی ایمان رکھا جائے اور تفصیلی علم خود انہی حضرات کے سپرد کیا جائے (مرآۃ ج ۱ ص ۳۵)

## دوسرا صحیح مطلب

یہ ہے کہ چونکہ یہ نیز گووار تحقیقی مادی و راہنما ہیں۔ جس طرح ظاہری و جہتی نور سے ظاہری خلقت و تاریکی دور و کا فور ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ان نیز گوواروں کی بدولت کفر و شرک اور گناہ و عصیان کی خلتوں کے بادل چھٹ جاتے ہیں۔ اسی بنا پر اسلام و ایمان کو نور کہا گیا ہے۔ رنجو جہم من الظلمات الی النور یا ذنہ کی تفسیر میں لکھا ہے "معناہ من الکفر الی الایمان لان الکفر یتحیی فیہ صاحب کما یتحیی فی الظلام و یتبدی بالایمان الی النجاة کما یتبدی بالنور" یعنی اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا ان کو کفر سے نکال کر اسلام میں داخل کرتا ہے (وہ تشبیہ یہ کہے) آدمی کفر میں اسی طرح حیران و سرگردان ہوتا ہے جس طرح تاریکی میں اور ایمان کے ذریعہ سے راہ نجات کی طرف اس طرح ہدایت حاصل کرتا ہے جس طرح نور سے راہ پاتا ہے۔ ثمرہ سے بعض مفسرین نے سابقہ آیات نور سے قرآن مجید مراد لیا ہے جیسا کہ تفسیر تیسار ج ۲ ص ۱۲ پر آیت و انزلنا الیکہ ذرا مبینا میں نور سے قرآن مراد لیا گیا ہے۔ ان مفسرات نے قرآن کو نور کہنے کی وجہ یہ کہتی ہے و انما سماء نوراً لما فیہ من الدلالة علی ما امر اللہ بہ و نہی عنہ و لا ہتداء بہ تشبیہاً بالنور الذی یتبدی بہ فی الظلمات۔ یعنی خدا نے قرآن کو اس لئے نور کہا ہے کہ اس کے ذریعہ سے خدا کے امر و نہی پر راہ نمائی ہوتی ہے اور اس کے ذریعہ ہدایت حاصل ہوتی ہے جس طرح نور کے ذریعہ تاریکی میں راہ حاصل ہوتی ہے۔ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی دعائے ختم القرآن میں فرماتے ہیں و جعلت نوراً نہتدی من ظلم الضلالة الخ و ص ۱۹ بار الہا! تو نے قرآن کو نور بنایا ہے جس سے ہم ضلالت کی تاریکیوں میں راہ پاتے ہیں۔ اس فقرہ کی شرح میں فاضل جلیل سید علی خان تحریر فرماتے ہیں جعلہ نوراً لکشفہ ظلمات الشک و الباطل و ما خفی علی الناس من الحق و فرقہ بین الحق و الباطل و ایصالہ الی المطلوب و من الحق کما



ان النور یکشف الغلطات المحسبۃ ویببین ما خفی بسببها ویفصل بہ بین الاشیاء ویذکر المطلوب  
یعنی امام علیہ السلام نے قرآن مجید کو اس لئے نور قرار دیا ہے کہ اس کے ذریعہ سے شرک و شک کی تاریکیاں اس طرح دور ہو جاتی  
اور اس کی وجہ سے حق و باطل میں اسی طرح امتیاز ہو جاتا ہے اور آدمی منزل مقصود تک پہنچ جاتا ہے۔ جس طرح حسی و ظاہری نور  
سے تاریکیاں دور ہو جاتی ہیں۔ مخفی چیزیں ظاہر ہو جاتی ہیں اور گوہر مقصود دستیاب ہو جاتا ہے (ریاض السالکین ص ۴۴)  
قرآن کی طرح تورات کو بھی نور کہا گیا ہے ۱۱ نانا لننا التوراة فیہا ہدی ونور یحکم بہا النبیین (پہ س ماہ ع ۱۱)  
اور انجیل کو بھی نور کہا گیا ہے (انجیل فیہ ہدی ونور) (پہ س ماہ ع ۱۱) ہم نے (عیسیٰ) کو انجیل عنایت کی جس میں  
ہدایت و نور ہے۔ یہ دوسرا صحیح مطلب جو ہم نے بیان کیا ہے یہاں ذاتی خیال نہیں ہے بلکہ بڑے بڑے محققین نے یہی مطلب بیان  
کیا ہے چنانچہ عظیم مفسر قرآن علامہ طبریؒ مجمع البیان ج ۱ ص ۳۱۴ طبع ایران پر بذیل آیت قد جاء کہ من اللہ نور الایۃ کی  
تفسیر میں "نور" سے (یعنی ہاشم و محمدؐ) آنحضرتؐ کو مراد لینے کے بعد انجیل کو نور کہنے کی وجہ یہ بیان فرماتے ہیں "لأنہ یہتدی  
بہ الخلق کہ ایہتدی بالنور" یعنی آنحضرتؐ سے خلق خدا اسی طرح ہدایت و راہنمائی حاصل کرتی ہے جس طرح حسی نور سے  
راہنمائی حاصل کرتی ہے (کنز الدقائق ج ۲ ص ۴۴) فاضل طریحیؒ مجمع البحرین ص ۲۲۲ طبع ایران میں لکھتے ہیں "سبحی النبی نوراً  
للدلالات الواضحة التي لاحت منه للبصائر" یعنی آنحضرتؐ کو ہدایت کی ان واضح دالتوں کی وجہ سے جو آپ سے  
(ایمانی) بصیرتوں کے لئے ظاہر ہوئی ہیں "نور" کہا گیا ہے۔ اسی طرح عالم عریف مولانا ابوالحسن الشریف اپنے مقدمہ تفسیر  
مرآۃ الانوار ص ۳۱ پر بذیل "مادۃ نور" اس کے معانی و موارد استعمال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں فمن ذلك ما ورد من تأویلہ  
بالامام الحق من آل محمدؐ وبالائمة علیہم السلام وبمخصوص علی علیہ السلام اذ ہم ہولایۃ ہم  
وعلمہم منور العالم وتنور قلوب المومنین وتنور الدنیا والدین ومن ذلك ما ورد من تأویلہ بالامام  
الحق من آل محمدؐ وبالائمة والامامۃ یعنی "نور" کی تاویل برحق ائمہ اہل بیتؑ اور بالخصوص جناب امیر علیہ السلام کے ساتھ  
بھی کی گئی ہے کیونکہ ان کی ولایت و امامت اور ان کے علوم و معارف کے سبب سے پورا عالم اور بالخصوص مومنین کے  
دل نیز تمام دنیا و دین روشن و درخشاں ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے اس کی تاویل ہادی اور ہدایت کے ساتھ کی گئی ہے۔ کیوں کہ  
ہدایت میں ولایت و امامت کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح حضرت علامہ مجلسیؒ مرآۃ العقول ج ۱ ص ۳۱۴ پر آیات و روایات  
کی توجیہ کرتے ہوئے جن میں ائمہ اہل بیتؑ کو نور کہا گیا ہے فرماتے ہیں۔ اقول النور فی الاصل ما یصیر سبباً لظہور شئی  
فستی الوجود نوراً لانه یصیر سبباً لظہور الاشیاء فی الخارج والعلم نوراً لانه سبب لظہور الاشیاء  
عند العقل وكل کمال نوراً لانه یصیر سبباً لظہور صاحبہ وانوار التیرین والکواکب نوراً لکونہا اسباباً  
لظہور الاجسام وصفاتہا للحس وبہذا الوجه یطلق علی الموتی تعالیٰ النور ونور الانوار لانه منبع  
کل وجود وعلم وکمال فاطلاقہ علی الانبیاء والائمة علیہم السلام لانہما سیاب لہدایۃ الخلق



وعلمهم وكما لهم بل وجودهم لا فناء لعل الغاية لوجود جميع الدنياء الخ یعنی میں کہتا ہوں کہ چونکہ دراصل نورائے کہا جاتا ہے جو کسی چیز کے ظہور کا سبب ہو۔ اسی لئے وجود کو نور کہا جاتا ہے کیونکہ وہ چیزوں کے ظہور کا سبب بنتا ہے۔ اسی طرح علم کو اس لئے نور کہا جاتا ہے کہ وہ عقل کے نزدیک چیزوں کے ظہور کا سبب بنتا ہے۔ نیز ہر کمال کو بھی اسی وجہ سے نور کہا جاتا ہے کہ وہ صاحب کمال کے ظہور و شہرت کا ذریعہ ہوتا ہے۔ آفتاب و مانتاب اور ستاروں کے انوار کو بھی اسی وجہ سے نور کہا جاتا ہے کہ ان کے ذریعہ جہاں اور ان کے صفات جو اس کے سامنے ظاہر ہوتے ہیں اور انہی وجود کی بنا پر خداوند تعالیٰ کو بھی نور کا نور الا نور کہا جاتا ہے کیونکہ وہ ہر وجود پر علم اور ہر کمال کا منبع و مرکز ہے۔ پس نور کا اطلاق انبیاء و ائمہ پر اس لئے کیا جاتا ہے۔ کہ وہ مخلوق خدا کی ہدایت ان کے علم و فضل و کمال کا سبب و ذریعہ ہیں۔ بلکہ ان کے وجود میں آئے کا سبب بھی یہی بزرگوار ہیں کیونکہ یہی حضرات تمام کائنات کے وجود میں آنے کی علت غائی ہیں کہ انہی کا فانی ہونا منہذا الجملہ۔

### تیسرا صحیح مطلب

یہ ہے جس کی طرف سرکارِ ملامتِ محمدی نے اشارہ فرمایا ہے کہ چونکہ یہ علت غائی ممکنات ہیں اسی لئے ان کو نور کہا گیا ہے۔ یہاں دو چیزیں غور و طلب ہیں۔ ایک ان ذواتِ مقدسہ کا علت غائی کائنات ہونا۔ اور دوسرا۔ جو علت غائی ہو۔ اسے نور کہنا۔ جہاں تک پہلے امر کا تعلق ہے ہم اُسے احسن الفوائد میں داخل قاطع سے ثابت کر چکے ہیں۔ اور اس کتاب کے تیسرے باب میں بھی اس پر تبصرہ کریں گے کہ یہی ذواتِ قدسہ علت غائی ممکنات میں اگر خداوند عالم ان کو پیدا کرتا تو آدم ہوتے نہ جوا۔ نہ جنت نہ جہنم نہ زمین اور نہ آسمان غرض کہ کائنات کی کوئی چیز کتبہ عدم سے نکل کر عرصہ ہستی میں قدم نہ رکھتی۔ ان اللہ خلق المخلوق لہ ولاھلیبہ ربا دوسرا امر کہ جو باعث تخلیق کائنات و علت غائی ممکنات ہو اُسے نور کہا جاسکتا ہے یہ ظاہر ہے کیونکہ نور کی داگرچہ حقیقی تعریف تو معلوم نہیں لیکن تعریف لفظی یہ ہے "الظاهر بنسبہ و المظہر لغیرہ" جو خود روشن ہو اور دوسروں کو روشن کرے۔ تو جو دوسرے کے وجود میں آنے کا سبب ہو گا وہ اُسے روشن کرنے والا ہی سمجھا جائے گا۔ اس بنا و نسبت اشئی الی السبب پر ان حضرات کو نور کہا گیا ہے۔ صاحبِ حقائق الوسائط نے بھی ان کو نور کہنے کی وجہ یہی قرار دی ہے کہ "محمد و آل محمد علیہم السلام خدا کے بعد تمام مخلوق کے لئے نور ہیں کیونکہ ان کا وجود نفس الامریہ بالتحقیق ثابت ہے اور وہ دیگر مخلوق کے وجود کا سبب ہیں" (حاشیہ) بعد ازاں سرکارِ علیہ السلام کا سابقہ کلام اپنی تائید میں پیش کیا گیا ہے۔ اب سوائے اس کے فرق کیا رہ گیا کہ وہ حقیقی نور کہتے ہیں اور ہم مجازی؟ جس اعتبار سے ہم ان حضرات کو نور کہہ رہے ہیں۔ اب نور محترم کی گردان کرنے والے بھی اسی سطح پر اتر آئے ہیں۔ دینق اللہ الحق بکلماتہ۔ لان الحق یعلو ولا یعلیٰ علیہ

### چوتھا صحیح مطلب

چونکہ نور مشیاء کے بروز و ظہور کا سبب ہوتا ہے اس بنا پر بطور مجاز و استعارہ علم کو نور کہا جاتا ہے چونکہ یہ ذواتِ مقدسہ علم خدا کے خزینہ دار ہیں اس لئے ان کو بھی نور کہا جاتا ہے یہ معنی فاضل نہیں، غلیل قریشی نے کتاب الصافی شرح اصول کافی کتاب الحجۃ ج ۲، مسوومہ طبع لکھنؤ چھپائی ہے کہ "و قدس ان



تعبیر الائمہ نور اللہ تعالیٰ شدہ باعتبار انیکہ چون علم الہی کہ وحی شدہ برسل نزد ایشان است و نور عبارت از علم است یعنی قرآن مجید میں ائمہ کو نور اللہ کہا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ خداوند عالم نے جو علوم بذریعہ وحی انبیاء و رسل پر نازل کئے وہ سب ان بزرگواروں کے پاس ہیں اور نور سے مراد ہے علم پھر صغہ پر لکھا ہے "از اینجا ظاہر می شود کہ اطلاق نور بر امام و امامت در قرآن و مانند اینها بیک معنی ارجاع می شود۔ چہ استعارہ نور برائے علم شدہ و ہر کدام اینها جائے علمست" یعنی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام، امامت اور قرآن وغیرہ پر نور کا اطلاق ایک ہی معنی کے اعتبار سے ہے۔

کیونکہ نور علم سے استعارہ ہے اور یہ تمام اشیاء علم کا خرف ہیں "اس لئے ان کو نور کہا گئے" تمام علماء و اعلام کا اپنے اپنے مذاق اور اپنی اپنی فہم و بصیرت کے مطابق آیات نور کی تاویل اور اطلاق نور کی وجہ بیان کرنا اس بات کی قطعی دلیل ہے۔ کہ یہ آیات و روایات اپنے ظاہری معنوں پر محمول نہیں اور نہ ہی ہو سکتی ہیں کیونکہ اگر یہ بزرگوار وحی و ظاہری نور یعنی مجسم نور ہوتے تو پھر ان کو نور کہنے کی وجہ تلاش کرنے کی کیا ضرورت تھی کہ فلاں وجہ سے نور کہا گیا ہے تبادر معنی از لفظ اس دلت علامت حقیقت ہو تلے جبکہ اس کے برخلاف کوئی قطعی قرینہ موجود نہ ہو۔ ہم چوں کہ سابقہ اوراق میں قرآن و حدیث مصدقین اور عقل سلیم کی روشنی میں ناقابل انکار دلائل و براہین سے انبیاء و مرسلین اور ائمہ طہارین صلوات اللہ علیہم اجمعین کا حقیقی معنوں میں بشر و انسان ہونا محقق و مبرہن کر چکے ہیں۔ اس لئے اب آیات و روایات نور کو ان کے بیان کردہ مطالب و معانی چہا رنگانہ میں سے کسی ایک مطلب و معنی پر محمول کرنا ناگزیر ہے چھوڑنا اس دنیا یعشقتون مذاہب۔ یا ایہا الناس قد جاءکم الحق من ربکم فمن اھتدی فانتما یھتدی لنعصمہ ومن ضل فانما یضل علیہا ومانا علیکم بوجہ کیل۔



# تفسیر باب

## تفویض کے معانی و اقسام اور تفویض ممنوع کے بطلان کا بیان

تفویض غلو کی ہی ایک قسم ہے | جیسا کہ کتاب کے مقدمہ میں ثابت کیا جا چکا ہے تفویض کا عقیدہ باطل ہے بعض

دوسرے میں کثرت عقاید کی طرح ائمہ اہل بیت علیہم السلام کے حق میں اقرار غلو کرنے کی پیداوار ہے یہی وجہ ہے کہ علمائے اعلام نے عقیدہ "تفویض" کو "غلو" اور مفوضہ کو غالیوں کی ہی ایک

قسم شمار کیا ہے چنانچہ ہم اس سلسلہ میں مفید الطائفۃ المقتدۃ حضرت شیخ مفید کا کلام حق ترجمان ان کے رسالہ شرح عقائد صدوق

ص ۲۱ سے مقدمہ میں پیش کر چکے ہیں وہاں رجوع کیا جائے جس میں انہوں نے تصریح فرمائی ہے کہ "المفوضۃ صنف من

الغلاة" کہ فرقہ مفوضہ غالیوں کی ہی ایک قسم ہے۔ یہاں اب صرف ایک اور عالم دلیل کا بیان پیش کیا جاتا ہے اور وہ ہیں

شیخ اجل شیخ فضل اللہ زنجانی یہ کتاب اوائل المقالات شیخ مفید ص ۱۱۱ کے حاشیہ پر مفوضہ کا بایں الفاظ تعریف کرتے

ہیں وہم فوقۃ الغلاة الذین غلوا فی حق بعض المخلوقین واجدوا فی حقہما احکام الالہیۃ تعالیٰ عن

ذالک يقول هذه الفرقة الذی فازوبہ غیرہما ائمہ قالوا ان الائمة علیہم السلام انہم عباد مخلوقون

وان ذواتہم حادثۃ ونفوسہمات القدم عنہم وقالوا ان اللہ تعالیٰ تفود بخلقہم خاصۃ فہم فوض

الیہم خلق العالم بما فیہ وجعل الیہم امر الخلق والرزق وجميع الافعال الواقعة فی الوجود اور خلق و رزق

کو ان کی طرف منسوب کر کے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ خدا نے صرف انہی بزرگوں کو پیدا کیا ہے اس کے بعد تمام عالم کی

خلاقیت کو ان کے سپرد کر دیا ہے۔ لہذا اب خلق کرنا، رزق دینا اور کائنات کی ہر شے کا پیدا کرنا انہی کے متعلق ہے۔

چونکہ تفویض کی کئی قسمیں ہیں۔ جیسے ۱) تفویض فی الامور المتکوینۃ ۲) تفویض فی الحقوق فی القربۃ

۳) التفویض فی المنع والعطاء ۴) تفویض فی الامور المتشریعتہ وغیرہ اور

ان میں سے بعض قسمیں صحیح ہیں اور بعض غلط۔ اس لئے مناسب یہ ہے کہ اس موضوع پر نقد و تبصرہ کرنے سے پہلے ان

تمام اقسام کو بیان کر دیا جائے تاکہ بعد ازاں غلط سمجھ نہ ہو سکے اور اختلاف حق و باطل باطل میں بھی سہولت ہو جائے۔

نیز ان سب یہ ہے کہ اس سلسلہ میں اپنی طرف سے کچھ کہنے کی بجائے غواص بجا راغب ائمہ اہل بیت سرکار علا علیہم السلام کی تحقیق انیق کو

بالکمال و کاست نقل کر کے اس کا مطلب نیز ترجمہ پیش کر دیا جائے۔ سرکار موصوف قدس سرہ کی علمی شخصیت اس قدر عظیم المرتبت

ہے کہ کوئی بھی عقیدہ کہلائے والا آپ کی فرمائش کا انکار کرنے کی جرأت و جسارت نہیں کر سکتا۔

۲) مفوضہ غالیوں کی ہی ایک قسم ہے جو بعض مخلوق کے حق میں غلو کے ایسے حق میں خدائی احکام کے قائل ہوتے ہیں ان ان مفوضہ اور

دوسرے غالیوں میں صرف برفوق ہے کہ وہ آئمہ کو حادثات اور مخلوق تسلیم کر کے ہیں لیکن وہ یہ ضرور کہتے ہیں کہ خدا نے صرف اپنی ذوات متنا



تفویض کے اقسام سرکار علامہ مجلسی کے کلام حق ترجمان کی روشنی میں | سرکار علامہ اسلمی اللہ تعالیٰ مقارنہ و تالیف

فی شرح الاصول من الکافی ج ۱

۱۹۵۰ اور یکار الانوار جلد ۲۶۵ طبع تبریز پر اس سلسلہ میں رقمطراز ہیں دہم مراۃ العقول سے نقل کر رہے ہیں۔

اعلم ان التفویض یطلق علی معان بعضھا منقذ علیہم السلام وبعضھا مثبت لہم باننا پائے  
کوتفویض کا اطلاق مختلف معنوں پر ہوتا ہے بعض معنوں کے اعتبار سے انحرافات سے یعنی ہے اور بعض کے لحاظ سے ثابت۔

فالاول التوفیض فی الخلق والرزق والتربیۃ والاماتۃ والاحیاء فان قوما قالوا ان اللہ خلقہم  
وقض الیہما امر الخلق فہم یخلقون ویرزقون ویحییون ویمیتون وهذا یحتمل وجہین احدهما ان یقال  
انہم یفعلون جمیعہ ذلک بقدرتہم وارادتہم وھم الفاعلون لہا حقیقۃ فہذا کفر صریح دلالت  
علی استحالة الادلة العقلیۃ والنقلیۃ ولا یستریب عاقل فی کفر من قل بہ رثانہما ان اللہ تعالیٰ  
یفعلہما مفارنا الارادتہم کشف القہر و احیاء المرق و قلب العصا حیۃ وغیر ذلک من المعجزات فان  
جمیعہا انما تقع بقدرتہ سبحانہ مفارنا الارادتہم لظہور صدقہم فلا یأبی العقل من ان یکون  
اللہ تعالیٰ خلقہم و اکملہم و الہم ھم ما یصلح فی نظام العالم ثم خلق کل شیء مفارنا الارادتہم  
ومشیئہم و هذا ان کان العقل لا یعارضہ کفاحا لکن الاخبار الکثیرۃ مما اوردنا ہا فی  
کتاب بحار الانوار بمنع من القول بہ فیما عدا المعجزات ظاہرا بل صریحا مع ان القول بہ قول بما لا یصلح  
اذلہ یرد ذلک فی الاخبار والمعتبرۃ فیما نعلم وما ورد من الاخبار والدالۃ علی ذلک کخطبۃ البیان وافتالہا  
فلم توجد الا فی کتب الغلاة واشیاء ھم مع انہ یمکن حملہا علی ان المراد بہا کونہم علیۃ فائمیۃ  
لا یجاء جمیع المکونات وانہ تعالیٰ جعلہم مفاعا فی الارضین والسموات ویطیعہم ما بذن اللہ تعالیٰ  
کل شیء حتی الجہادات وانہم اذا شاءوا لا یرد اللہ مشیئہم لکنہم لا یشاؤون الا ان یشاء اللہ  
وما ورد من الاخبار فی نزول الملائکۃ والوح لکل امر الیہم وانہ لا یزل من السماء ملک لامر الایاتہم  
فلیس لہم خلقتہم فی تلك الامر ولا للاستشارة بہم فیہا بل لہ الخلق والامر تعالیٰ شانہ ولین ذلک  
الالتشیر یفہم واکرامہم واطہار رفعتہ مقامہم وقد روی الطبرسی فی کتاب الاحتجاج عن علی بن  
احمد النقی قال اختلعت جماعۃ من الشیعۃ فی ان اللہ عز وجل قوض الی الائمۃ صلوات اللہ علیہم  
ان یخلقوا ویرزقوا فقال قوم هذا محال لا یموز علی اللہ لانت الاجسام لا یقدر علی خلقہا غیر اللہ  
عز وجل اقدرا لائمۃ علی ذلک وقوض الیہم فی خلقوا ورزقوا وتنازعوا فی ذلک تنازعا شديدا فقال  
قائل ما بالکم لا ترجعون الی ابی جعفر محمد بن عثمان فتسألونہ عن ذلک لیس فیہم لکم الحق فیہ فانہ



الطریق الی صاحب الامر علیہ السلام فوضیت الجماعۃ بابی جعفر و سلمت واجابت الی قوله فکتبوا المسئلة  
 وانفذوها الیه فخرج الیہم من جہتہم تزویج نسختم ان الله تعالى هو الذي خلق الاجسام وقسم  
 الارزاق لانه ليس بجسم ولا حال في جسم ليس كمثل شي و هو السميع البصير فاما الاثمة عليهم  
 السلام فاقبهم يسئلون الله تعالى فيخلق ويسئلونه فيوزق ايحايًا لمسئلتهم واعظًا لما لحقهم و  
 وري الصدوق في العيون عن الرضا عليه السلام معنى قول الصادق لا جبر ولا تفويض بل امر بين  
 امرين قال من زعم ان الله تعالى يفعل افعالنا ثم يعذبنا عليها فقد قال بالجبر ومن زعم ان الله  
 عز وجل تفوض امر الخلق والوزق الی حاجبه عليهم السلام فقد قال بالتفويض والقائل بالجبر  
 كافر والقائل بالتفويض مشرك

**تفویض کی پہلی قسم**۔ پیدا کرنے، رزق دینے، تربیت کرنے اور مارنے و جلانے کے متعلق ہے۔ جیسا کہ ایک گرد و کانیاں  
 ہے کہ خداوند عالم نے ان بزرگواروں کو پیدا کر کے دوسری مخلوق کے حالات ان کے سپرد کر دیے ہیں۔ لہذا اب بھی پیدا کرتے ہیں  
 رزق دیتے اور بھی مارتے و جلالتے ہیں اس نظریہ میں دو احتمال ہیں۔ اول یہ کہ یہ حضرات کچھ اپنی قدرت اور اپنے ارادہ  
 سے کرتے ہیں اور یہی ان افعال کے حقیقی فاعل ہیں۔ یہ کفر صریح ہے۔ اس کے محال و ناممکن ہونے پر اول عقلیہ و نقلیہ قائم ہیں  
 اور کوئی بھی عقل مند انسان ایسا اعتقاد رکھنے والے کے کفر میں شک و شبہ نہیں کر سکتا۔

**دوم یہ کہ تمام کام خداوند عالم خود کرتا ہے** مگر اس وقت جب امر ارادہ کرتے ہیں جس طرح شوق فقر کرنے، مردہ زندہ  
 کرنے اور حصا کے سانپ بنانے یا اس قسم کے جو دوسرے معجزات ہیں۔ کیونکہ یہ سب معجزات خداوند عالم کی ہی قدرت و طاقت  
 سے ظاہر ہوتے ہیں۔ مگر خدا ظاہر اس وقت کرتا ہے جب ارادہ یہ حضرات کرتے ہیں تاکہ ان کی صداقت و سچائی ظاہر ہو جائے اس  
 دوسرے احتمال کے متعلق اگرچہ عقل اہل انکار نہیں کرتی کہ خلاق عالم نے اہل بیت کو خلق کر کے کامل و اکمل بنا دیا ہو۔ اور جو  
 چیز نظام عالم کے لئے بہتر ہے اس کا ان کو الہام و انعامی کر دیا ہو اور پھر یہ چیز کو ان کے ارادہ اور ان کی مشیت کے ساتھ ساتھ پیدا  
 فرمایا ہو۔ اگرچہ عقل اس احتمال کی حتمی نفی نہیں کرتی۔ لیکن کثیر السعد و اخبار و آثار جن کو ہم نے بحار الانوار (جلد ہفتم و غیرہ میں)  
 درج کر رکھا ہے۔ وہ بظاہر ہر ایک صریحاً سوائے مقام احماز کے دوسرے معاملات و حالات میں یہ اعتقاد رکھنے سے مانع ہیں۔ علاوہ  
 یہی یہ عقیدہ جس کے صحیح ہونے کا ہمیں کوئی علم نہیں۔ حالانکہ اصول عقائد میں علم و یقین ضروری ہے، کیونکہ جہاں تک ہمیں علم  
 ہے یہ بات اخبار معتبرہ میں وارد نہیں ہے۔ اور جو اس قسم کے بعض اخبار و آثار و روایات دہوتے ہیں جو بظاہر اس بات (یعنی امر کے  
 خالق و رازق ہونے) پر دلالت کرتے ہیں۔ جیسے خطبۃ الہیان اور اس کے ساتھ ملتے جلتے دوسرے بعض خطبے تو یہ صرف قالیہ  
 یا ان کے ساتھ ملتے جلتے (بعض باطل) فرقوں کی کتابوں میں ہی پائے جاتے ہیں۔ ہماری کتب معتبرہ میں ان کا کہیں نام و نشان  
 نیک نہیں ہے۔ اس لئے ناقابل اعتماد ہیں، اور یا میر تسلیم۔ ان غلطوں کی تاویل ممکن ہے کہ ان سے مراد یہ ہے کہ جو کچھ یہ بزرگوار



تمام مخلوقات عالم کے وجود کی علت فاعلی ہیں راگر یہ نہ ہوتے تو خدا کچھ بھی پیدا نہ کرتا (خدا نے ان کو زمین و آسمان میں ایسا  
 مطاع بنایا ہے کہ اللہ سبحانہ کے حکم سے ہر شئی مستحق کجادات بھی ان کی اطاعت کرتے ہیں اور یہ کہ یہ حضرات جب کسی امر  
 کا ارادہ کریں تو خداوند عالم ان کی مشیت امرنی کو مسترد نہیں کرتا۔ مگر یہ وہی کچھ چاہتے ہیں جو خدا چاہتا ہے اور یہ جو اخبار  
 و آثار میں وارد ہے کہ تمام ملائکہ اور روح جو جبریل و میکائیل سے بھی عظیم الشان ہے) ہر امر میں ان کے پاس حاضر ہوتے  
 ہیں اور یہ کہ جو فرشتہ بھی آسمان سے زمین پر اترتا ہے پہلے ان کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے (جس سے غلو پر وز حضرات  
 یہ سمجھتے ہیں کہ ائمہ ان کی ڈیوٹیاں مقرر کرتے ہیں) تو یہ آمد و رفت اس لئے نہیں کہ ان حضرات کو ان امور کی انجام دہی میں  
 کچھ دخل ہے اور نہ ہی اس لئے ہے کہ ان امور میں (خدا کو) ان حضرات سے مشورہ لینا مقصود ہے بلکہ خلق و امر تمام امور  
 قبضہ قدرت میں ہیں۔ ان کی بارگاہ میں فرشتوں کا حاضر ہونا محض ان حضرات کے اکرام و احترام اور ان کی رفعت مقام و  
 علت شان ظاہر کرنے کے لئے ہے۔ جناب طبریؒ احتجاج میں علی بن احمد قمی سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ شیعوں کی  
 ایک جماعت میں باہم اختلاف پیدا ہو گیا کہ آیا خداوند عالم نے پیدا کرنے اور رزق دینے کے معاملات ائمہ علیہم السلام  
 کے سپرد کئے ہیں یا نہ؟ چنانچہ بعض نے کہا کہ ایسا ہونا محال ہے اس لئے خدا ایسا نہیں کرتا کیونکہ سمیوں کے پیدا کرنے پر  
 سوائے خدا تعالیٰ کے اور قدرت نہیں رکھتا اور بعض نے یہ کہا کہ خداوند قدیر نے ائمہ اہلبیت کو اس بات پر قدرت دے دی  
 ہے اور یہ معاملات ان کے سپرد فرما دیئے ہیں لہذا اب وہی پیدا کرتے ہیں اور وہی رزق دیتے ہیں۔ ان کا یہ نزاع بہت شدت  
 اختیار کر گیا۔ ان میں سے ایک (مقلد مند) آدمی نے کہا تم اس معاملہ میں جناب ابو جعفر محمد بن عثمان (ثانی بن موسیٰ امام العصر  
 علیہ السلام) کی طرف رجوع کر کے ان سے کیوں حقیقت حال معلوم نہیں کرتے؟ کیونکہ وہ اس وقت حضرت صاحب الامر  
 کی بارگاہ تک رسائی حاصل کرنے کا واحد ذریعہ ہیں چنانچہ پوری جماعت نے اس رائے سے اتفاق کیا۔ اور صورت  
 سوال لکھ کر جناب ابو جعفرؒ کی خدمت میں پیش کر دی (اور انہوں نے اسے خدمت امام میں پیش کیا) پس ناہیہ مقدسہ  
 سے اس کا جواب صادر ہوا اس کے الفاظ یہ ہیں (ترجمہ) خداوند عالم ہی سمیوں کا پیدا کرنے اور رزق تقسیم کرنے والا ہے  
 کیونکہ نہ وہ جسم رکھتا ہے اور نہ کسی جسم میں حلول کرتا ہے کوئی چیز اس کی ہمسرد نظیر نہیں اور وہ سننے اور دیکھنے والا ہے  
 ہاں ائمہ علیہم السلام بارگاہ قدرت میں سوال و سفارش کرتے ہیں اور وہ ان کے سوال کو قبول کرتے ہوئے اور انکے حقوق  
 کی نگہداشت کرتے ہوئے پیدا کر دیتا ہے اور یہ سوال و سفارش کرتے ہیں تو وہ رزق عطا فرمادیتا ہے (یہی وسیلہ کا  
 صحیح مقبوم ہے) حضرت شیخ صدوقؒ نے عبون اخبار الرضا ص ۱۲۷ کذا فی الاحتجاج ص ۱۶۸ میں امام جعفر صادق علیہ السلام  
 کے ارشاد لاجبہ ولا تغنی عنہ بل امر بین الامورین کی تشریح کے سلسلہ میں حضرت امام رضا علیہ السلام سے یہ  
 روایت نقل کی ہے کہ ان جناب نے فرمایا جو شخص یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ خداوند عالم ہی ہمارے افعال کا فاعل ہے اور  
 ہمارے بڑے افعال پر ہمیں عذاب بھی کرتا ہے وہ جبر کا قائل ہے اور جو یہ کہتا ہے کہ خدا نے پیدا کرنے، رزق دینے کا



معاملہ اپنی محبتوں (رائے) کے سپرد کر دیا ہے تو وہ تفویض کا قائل ہے جبکہ قائل کا فر اور تفویض کا قائل مشرک ہے۔

الغیر الثاني التفویض فی امر الدین وهذا ایضاً محتمل وجهین احدهما ان یتکون الله تعالى فوض الی النبی والائمة صلوات الله علیهم هموماً ان یصلوا ما شاءوا ویجتروا ما شاءوا من غیر وحی والهام او یغایروا ما ارادوا الیهم بآرائهم وهذا باطل لا یقول به عاقل فان التبی كان ینتظر الوحی ایتاً ما کثیرة لحداب سائل ولا یجیبه من عنده وقد قال تعالى وما ینطق عن الهوی ان هو الا وحی یوحی وثانیهما انه تعالى لما خلق نبیه بحیث لم یکن یختار من الامور شیئاً الا ما یوافق الحق والصواب ولا یحل بباله ما یخالف مشیتہ سبحانه فی کل باب فوض الیه تعیین بعض الامور کالزیادة فی رکعات الفرائض وتعیین النوافل من الصلوة والصیام وطعمة الحج وغیر ذلك مما سأتی بعضها فی هذا الکتاب اظهر الشرف وکرامته عنده ولم یکن اصل التعیین الا بالوحی ولا فساد فی ذلك عقلاً وقد دلت النصوص المستفیضة علیہ وظاهر الکلینی واكثر المحدثین القول به والصدق وان ادهم کلامه نفی ذلك یمکن تأویلہ بما یرجع الی نفی المعنی الاول لانه قد اورد فی کتبه کثیراً من الاخبار الدالة علی المعنی الثاني لاستیفاء کتاب علل الشرائع ولم یوردھا ولم یتعنّھا ویلھا وقال فی الفقیه وقد فوض الله عز وجل الی نبیه امر دینه ولم یفوض الیه نفعاً یحدده

تفویض کی دوسری قسم دینی معاملات کے متعلق ہے۔ اس میں بھی دو احتمال ہیں اول یہ کہ خدا نے دینی کاموں بالکل بزرگواروں کے سپرد کر دیے ہیں لہذا یہ بغیر وحی و الہام کے جس چیز کو چاہیں حلال بنائیں اور جسے چاہیں حرام قرار دیں یا وحی شدہ امور میں اپنی رائے سے جو چاہیں تغیر و تبدل کریں تفویض باین معنی بھی باطل ہے کوئی بھی حقلمند اس کا قائل نہیں ہو سکتا کیونکہ آنحضرت بعض اوقات ایک سائل کے جواب میں کئی کئی دن تک وحی الہی کا انتظار کرتے رہتے تھے۔ مگر اپنی طرف سے پھر بھی کچھ نہیں کہتے تھے چنانچہ خداوند عالم ان کے متعلق فرماتا ہے ہمارا رسول اپنی خواہش نفس سے نہیں ہوتا بلکہ جو کچھ اسے وحی ہوتی ہے اس کی ترجمانی کرتا ہے (دوسرے) یہ کہ خدا نے حکیم نے اپنے نبی (آخر الزمان) کو اس طرح خلق فرمایا اور کامل بنا دیا ہے کہ وہ ہمیشہ ایسے ہی امر کو اختیار کرتے تھے جو حق و صواب ہوتا تھا۔ اور ہر معاملہ میں ان کے قلب مبارک ہم دہی بات پیدا ہوتی تھی جو مشیت ایزدی کے عین مطابق ہوتی تھی۔ اس لئے خدا نے اپنے نزدیک ان کے شرف کرامت کے اخبار کی خاطر بعض امور کی تعیین ان کے سپرد کر دی۔ جیسے نماز فرائض میں (آخری) رکعت کی زیادتی۔ یا استسجی نماز روزہ کی تغیر۔ حدیث کا طعن (چھٹا حصہ) اس کے علاوہ اور بعض امور بھی جن کا بیان اسی کتاب میں (اپنے مقام پر) آئے گا۔ باین ہمہ اصل تعیین و اختیار وحی و الہام کے ماتحت ہی ہوتا تھا۔ پھر اس حضرت صلعم جو شوق اختیار فرماتے اس کی تائید و تاکید آئے والی وحی کے ہوجاتی۔ تفویض باین معنی کے تسلیم کرنے میں عقلاً کوئی تخریج نظر نہیں آتی۔ اور خصوصاً مستفیضہ اس پر دلالت کرتی ہیں جہاں



شرح کلینی اور اکثر محدثین کے حالات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس کے قائل تھے کیونکہ انہوں نے بلا رد و قدح ایسی روایات اپنی کتاب میں درج کی ہیں حضرت شیخ صدوقؒ کے کلام سے اگرچہ اس بات کا وہم ہوتا ہے کہ وہ اس کے قائل نہیں۔ مگر ان کے کلام کی بھی ایسی تاویل ممکن ہے کہ ان کی مراد امور دینی میں پہلے احتمال کے مطابق تفویض کی نفی کرنا ہے کیونکہ انہوں نے اپنی کتب بالخصوص محل الشرائع میں ایسی روایات بکثرت درج کی ہیں جو اس دینی تفویض کی دوسرے معنی کے مطابق صحت پر دلالت کرتی ہیں۔ نہ ان کو رد فرمایا ہے اور نہ ان کی کوئی تاویل فرمائی ہے نیز انہوں نے من لا یحضرہ الفقہ فیہ فرمایا ہے کہ خداوند عالم نے اپنی نبی کو دین کا معادیر و توفریا ہے مگر اپنی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرنے کی مجازت نہیں دی (اس سے بھی ظاہر کہ وہ دینی امور میں تفویض کو درست سمجھتے ہیں)

الثالث تفویض امور الخلق الیہم من سیاستہم وتادیبہم وتکلیمہم وتعلیمہم وامر الخلق باطاعتہم فیما احبوا وکرموا وفیما علی واجہۃ المصلحتۃ فیہ وما لم یعلموا وھو المراد بهذا الخبر وھذا معنی حق دلت علیہ الاخبار وادلۃ العقل۔

تفویض کی تیسری قسم یہ ہے کہ خدا نے اپنی مخلوق کو تادیب و تہذیب اور تکمیل و تعلیم وغیرہ امور کو ان بزرگواروں کے سپرد فرمایا ہے اور پھر اپنی مخلوق کو حکم دیا ہے کہ وہ ہر امر میں خواہ ان کا پسندیدہ ہو یا ناپسندیدہ اور خواہ اس کی حکمت و مصلحت کو سمجھ سکیں یا نہ سمجھ سکیں ہر حال ان کی اطاعت و فرمانبرداری کریں۔ اس حدیث سے بچو کہ اصول کافی میں موجود ہے میں کی شرح میں یہ ساری تحقیق پیش کی گئی ہے کہ ان اللہ اذ ب نیبہ علی محمدیہ فقال انک لعلی خلق عظیم ثم قومن الیہ فقال عزوجل وما اتکم الرسول فخذوہ واما ما کم عنہ فانتھوا وقلل عزوجل من یطع الرسول فقد اطاع اللہ الخ یہی معنی مراد میں۔ تفویض کی قسم بالکل صحیح ہے اس کی صحت پر آیات و روایات اور ادلۃ عقلیہ و دلالت کرتے ہیں

الواقع تفویض بیان العلوم والاحکام الیہم بما الادوا المصلحتۃ فیہا بسبب اختلاف عقولہم وافہامہم و بسبب التقیۃ فیفتنون بعض الناس بالاحکام الواقعیۃ وبعضہم بالتقیۃ ویسکتون عن جواب بعضہم للمصلحتۃ ویجیبون فی تفسیر الایات وتاویلہا و بیان الحکم والمعارف بحسب ما یحکم عقلہم کما سیاق ولہم ان یجیبوا ولہم ان یسکتوا کما ورد فی اخبار کثیرۃ علیکم المسئلۃ ولیس علینا الجواب کل ذلک بحسب ما یریدہم اللہ من مصالح الوقت کما سیاق فی خبر ابن اثیم وغیرہ ولعل تخصیصہ بالنبی والائمة صلوات اللہ علیہ وعلیہم لعدم تیسرہ ذلک التوسعة لساائر الانبیاء والارضاء علیہم السلام بل کانوا مکلفین بعدم التقیۃ فی بعض الموارد وان اصابہم الضرر وان کانوا مکلفین بان یکلموا الناس علی قدر عقولہم والتفویض بهذا المعنی ایضاً حق ثابت بالانخبار المستفیضة وتشہد لہ الادلۃ العقلیۃ ایضاً۔

تفویض کی چوتھی قسم۔ یہ ہے کہ خدا نے احکام و علوم کے بیان کرنے کو ان حضرات کے سپرد کیا ہے کہ ان کو ان کے عقول



واقعات کے اختلاف یا تفتیہ وغیرہ حالات کے پیش نظر جہاں جو بات مناسب سمجھیں وہ بیان کریں یا بعض لوگوں کو احکام و افعیہ اور بعض کو تفتیہ کے مطابق فتویٰ دیں یا بعض مقامات پر حسب مصلحت بالکل سکوت اختیار فرمائیں اسی طرح آیات قرآنی کی تفسیر و تاویل اور اسرار و معارف ربانیہ کے بیان کرنے میں سوال کرنے والوں کی عقل و فہم کے مطابق کارروائی کریں جس طرح کہ اس کا بیان آئندہ آئے گا۔ اسی طرح ان کو یہ بھی حاصل ہے کہ چاہیں تو جواب دیں اور چاہیں تو خاموشی اختیار کریں۔ جیسا کہ اہل حضرات کے متعدد اخبار میں وارد ہے۔ کہ تم لوگوں پر سوال کرنا واجب ہے مگر ہم پر جواب دینا لازم نہیں ہے یہ سب کچھ وہ ان وقتی مصلحتوں و نزاکتوں کے تحت کرتے ہیں جو خدا نے سبحانہ ان کو سمجھاتا ہے جس طرح ابن اشیم والی روایت میں آئے گا۔ (جو کہ سن میں مذکور ہے) بعید نہیں کہ اس معنی کے اعتبار سے تفویض صرف جناب رسول خدا و ائمہ دینی کے ساتھ مختص ہو۔ لیکن اس قدر وسعت دوسرے ائمہ و اوصیاء کو حاصل نہ تھی۔ بلکہ وہ بعض مقامات پر تفتیہ نہ کرنے پر مامور تھے۔ مگر چہ اس طرح ان کو ضرر و نقصان بھی پہنچ جائے۔ ہاں البتہ اس بات کا ان کو بھی اختیار تھا کہ وہ لوگوں کے عقل و فہم کے مطابق ان کے ساتھ بات کریں۔ بہر حال تفویض کی قسم ہی ثابت ہے اور اگر مطلقہ بھی اس کی تائید مزید کرتے ہیں۔

الخاص الاختیار فی ان یحکموا بظاہر الشریعۃ او بعلمہم و بما یشہم اللہ تعالیٰ من الواقع و حق الحق فی کل واقعہ و ہر واحد مہمل خبر ابن سنان الاقی و دل علیہ غیورہ من الاخبار  
تفویض کی پانچویں قسم یہ ہے کہ ان بزرگواروں کو یہ اختیار ہے کہ وہ ظاہری شریعت کے قواعد و اصول کے مطابق عمل کریں یا بہر واقعہ میں اپنے علم ربانی اور الہام یزدانی کے مطابق نفس الامر اور اصل واقعہ کے موافق عمل کریں۔ یہ معنی ابن سنان والی حدیث سے بعد میں مذکور ہوگی۔ (جسے ہم مقدمہ کتاب میں افراد و تفریط کے بین ہیں درمیان عقیدہ کے ضمن میں بیان کر چکے ہیں) کے صحیح محال میں سے ایک عمل ہے اس کے علاوہ اور اخبار بھی اس پر دلالت کرتے ہیں:

السادس التفویض فی الاعطاء والمنع فات اللہ تعالیٰ خلق لہم الارض وما فیہا وجعل لہم الاطفال والحمس والصفایا وغیرہا فہم علیہم السلام ان یعطوا من شاءوا وان یمنعوا من شاءوا و ہذا المعنی ایضاً یظہر من کثیر من الاخبار فاذا احطت خبراً بماذا کرنا من معانی التفویض سہل علیک فہم اخبار ہذا الباب و عرفت ضعف قول من نفی التفویض مطلقاً ولما یحیط بمعانیہ

تفویض کی چھٹی قسم یہ ہے کہ ان بزرگواروں کو عطا بخش کرنے میں اختیار ہے کیونکہ زمین و مایہا کی خلقت کاسب و قلت فانی ہیں بزرگوار ہیں۔ یعنی خدا نے ساری کائنات انہی کی خاطر پیدا کی ہے۔ اور پھر اس (زمین و مایہا) میں سے اطفال خمس اور صفایا مال غنیمت میں سے جو عمدہ چیز نبی و امام منتجب کر لیں اور غیرہ ان کے لئے مقرر فرمائے۔ لہذا ان کو حق حاصل ہے کہ جسے جس قدر چاہیں عطا کریں اور جسے چاہیں کچھ نہ دیں۔ اس معنی کے اعتبار سے بھی تفویض کی صحت کثرت اخبار سے ظاہر ہوتی ہے جب تم تفویض کے مذکورہ بالا تمام معانی و اقسام سمجھ لو گے تو تمہارے لئے اس باب کی تمام احادیث کا سمجھنا آسان



ہو جائے گا۔ اور تم پر اس شخص کے قول کی کمزوری بھی ظاہر ہو جائے گی جس نے تفویض کے تمام معانی و اقسام پر احاطہ کے بغیر مطلقاً اسے منوع قرار دیا۔ دہم نے واضح کر دیا کہ اس کی بعض قسمیں غلط اور منوع ہیں اور بعض صحیح۔ اتفقہی کلامہ دفعہ فی الخلد مقامہ نقلتہ بطلہ لوجودہ محمولہ اکثر علمائے متاخرین نے سرکار علامہ کے اس کلام کو اپنی کتب میں نقل کر کے اپنی پسندیدگی ظاہر کی ہے۔ جیسے علامہ سید حبیب اللہ غوثی (دور منہاج البراعد ج ۳ ص ۳۶ طبع) و علامہ ابو الحسن الشریف (در مرآت الانوار ص ۶۷) و علامہ شیخ عبد اللہ مرقانی (در مقیاس الدرر ص ۷۷ وغیرہ)

تفویض کی ساتویں قسم علامہ شیخ عبد اللہ مرقانی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب مقیاس الدرر یہ مطبوعہ مع رجال مرقانی کزانی منتہی المقال ص ۱۱۱ شیخ ابی علی الحارثی۔ میں نبف اشرف پر تفویض کے نہ کوہ بالا اقسام بیان کرنے کے بعد ساتویں قسم یہ بیان فرمائی ہے۔

السابع تقسیم الارزاق جعلہ فی الفوائد مما یطلق علیہ التفویض وھما وفسادہ یعرف من المعنی الاول ولعلہ یرجع الیہ او عینہ الا ان یعمم الاول للخلق والرزق والآجال وغیرھا وینتھم بخصوس الارزاق کما ھو ظاہرہ۔

تفویض کی ساتویں قسم تقسیم رزق ہے (کہ رزق خدا دیتا ہے اور اسے تقسیم ائمہ بدئی کرتے ہیں) کتاب فوائد میں اسے بھی تفویض میں داخل کیا ہے اس قسم کا صحیح یا باطل ہونا تفویض کے پہلے معنی سے معلوم ہو سکتا ہے کیونکہ اس قسم کی بازگشت بھی اسی قسم اول کی طرف ہے (جو کہ غلط اور منوع ہے) بلکہ یہ قسم بعینہ وہی قسم اول ہی ہے۔ ہاں صرف اس قدر فرق ہو سکتا ہے۔ کہ قسم اول پیدا کرنے، رزق دینے اور عمر کے گھٹانے و بڑھانے میں سب امور کو شامل ہو۔ اور یہ آخری قسم صرف تقسیم رزق کے ساتھ منتھم ہو۔ انتہی کلامہ

بہر حال اگرچہ اس عالم ربانی و فاضل صمدانی کی تحقیق انیق کے بعد مجھے قریباً بعد میں آنے والے تمام علمائے اعلام نے نظر استمان دیکھا ہے اس موضوع پر مزید خام فرسائی کی ضرورت تو باقی نہیں رہتی۔ اس سے طالبان حق و فضیلت کی تسلی و تشفی ہو جاتی ہے کیونکہ آیات و روایات کے بھر پور کراں میں اس عظیم شنادہ نے خواہی کہ کے نتائج کے جو کہ نقد و رائے شہور حاصل کئے ہیں۔ ان میں کسی صاحب عقل و انصاف کو کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی لیکن ہم مزید اطمینان قلب کے لئے سرکار علامہ کی فرمائش کی تائید میں مزید چند آیات و روایات معتبرہ اور بعض اعظم علمائے کرام کے کلام حق و حجت کو پیش کرتے ہیں۔ نیز شکوک و شبہات کا ازالہ بھی کریں گے جو کہ اس سلسلہ میں پیش کیے جاتے ہیں یا کئے جاسکتے ہیں تاکہ ہر اعتبار سے یہ علمی بحث مکمل و منتم ہو جائے اور اتمام حجت میں کوئی کمی باقی نہ رہ جائے۔ لیھلک من ھلک عن بعینہ و عیچی من حی عن بعینہ

لیکن قبل اس کے کہ ہم اس موضوع پر دلائل و براہین پیش کریں ایک اہم امر یعنی محل اختلاف کی وضاحت ضروری سمجھتے ہیں سرکار علامہ علیہ السلام سے معلوم ہو گیا کہ امور کو مبنیہ و مثل خلق و رزق اور

محل نزاع کی تعیین



امانت و احیاء وغیرہ) میں تفویض ممنوع کی دو قسمیں ہیں (۱) تفویض استقلال یعنی یہ کہ ائمہ اہل بیت اپنی قدرت اور اپنے ارادہ کے ساتھ امور کو انجام دیتے ہیں۔ اور یہی بزرگواران افعال کے حقیقی حاصل ہیں۔ (۲) تفویض غیر استقلال یا بالفاظ دیگر تفویض کی یعنی یہ کہ ائمہ اطہار ان امور کو خدا کے اذن اور اس کی مشیت و مدد کے تحت بجا لاتے ہیں اور تفویض کی دونوں قسمیں غلط اور ممنوع ہیں نیز اس بیان سے یہ بھی واضح دھماں ہو جاتا ہے کہ ان ہر دو قسم کی تفویض کے کچھ لوگ فاسق گزرے ہیں۔ اور ہیں۔ اور اس میں قطعاً کسی قسم کا کوئی استبعاد بھی نہیں۔ کیونکہ سب ائمہ کو خدا ماننے والے گزرے ہیں۔ اور اب بھی موجود ہیں۔ تو ان کو بالذات خالق و رازق تسلیم کرنے والوں کے وجود کا کیونکر انکار کیا جاسکتا ہے؟ نیز یہ بھی ظاہر ہے کہ اگر ایسے عقیدہ لوگ ماضی میں نہ گزرے ہوتے تو ہمارے علمائے اعلام و صحیح اسلام کو ان کے ان نظریات بالحد کی رد میں کیوں زور قلم صرف کرنا پڑتا؟ بہر حال ہمیں قول سے مطلب ہے قائل سے کوئی سروکار نہیں۔ (الظلالی ماقال ولا تنظروا لی من قال) البتہ آج کل وہ تمام لوگ جو منہم بالتفویض ہیں۔ وہ بھی تفویض استقلال والے عقیدہ سے اپنی برأت ظاہر کرتے ہیں۔ لہذا ہمیں بھی کوئی اصرار نہیں۔ کہ ضرور ہی ان کو اس کا قائل ثابت کریں۔ لہذا اسر دست جو امور رد بحث ہے یا آئندہ ہم کچھ آیات و روایات اور علمائے اعلام کے ارشادات پیش کریں گے۔ اس سے تفویض کی اسی دوسری قسم یعنی تفویض غیر استقلال اور تفویض آلی کا باطل کرنا مقصود ہے۔ اس معنی کی رو سے بے شمار مدعیان تشیع تفویض کے قائل موجود ہیں۔ آج کل ۳۲ حضرات مدعیان علم کے دستخطوں سے ۲۶ سوالات اور ان کے جوابات پر مشتمل ایک رسالہ بنام "حقائق مذہب شیعہ تفسیر اہل بیت کی روشنی میں مضمرات علماء کرام کے قلم سے" شائع ہوا ہے اس رسالہ کے ہزار پر سوال نمبر ۱۲ ہے یہ کیا آنحضرت صلعم اور ائمہ دینی علیہم السلام کی یہ ڈیوٹی ہے کہ وہ احیاء و امانت و خلق و رزق کے کام کرتے رہیں؟ اس سوال کا منفقہ طور پر یہ جواب دیا گیا ہے یہ عقیدہ کسی شیعہ کا نہیں ہے اگر کوئی شخص یہ عقیدہ ان کی طرف منسوب کر کے علماء کرام سے اس قسم کے فتوے طلب کرتا ہے تو وہ انہیں غلط فہمی میں مبتلا کرتا اور عوام الناس کو دھوکہ دیتا ہے۔ .... الخ

ہمیں یہ دیکھ کر روحانی مسرت و شادمانی ہوئی ہے کہ اب علماء حق کی شانہ روز کی تقریری و تحریری مسلسل جدوجہد تک و تاؤ کے خوشگوار ثمرات سامنے آ رہے ہیں۔ اور بعض وہ افراد جو کھلم کھلا تفویض کے قائل ہیں۔ وہ بھی اس سے اپنی بیزاری ظاہر کرنے پر مجبور نظر آتے ہیں۔ ہم اشخاص و افراد کی نشاندہی نہ ضروری سمجھتے ہیں اور نہ ہی مناسب۔ اور نہ ہم بلا خوف و تردد کہہ سکتے ہیں کہ عوام کا تو ذکر ہی کہا بڑے خود خواص اور ان میں سے بھی متبعین حضرات کی کم از کم اسٹی فی صد کی پابندی انہی عقائد کی معتقد نظر آتی ہے۔ ہذا اہم اللہ الخ صراط مستقیم بجاہ النبی والہ الطاہرین۔

تفویض کا بطلان قرآن مجید کی روشنی میں

اگرچہ اس سلسلہ میں کثرت آیات پیش کی جاسکتی ہیں مگر ہم اختصار کے پیش نظر صرف چند ایسی آیات حکم پیش کرتے ہیں جو بعبارة النقص اس

نہ جن میں اکثریت ایسے لوگوں کی ہے کہ "علم" پر اس سے بڑا ذکر اور کوئی ستم نہیں کہ ان کو "اہل علم" کہا جائے۔ قدرے منصفانہ



امر پر دلالت کرتی ہیں کہ مخلوق در رزق اور امانت و احیاء وغیرہ امور کو مبینہ کی انجام دہی ذات خداوندی کے ساتھ مخصوص ہے اور یہ امور اس نے کسی بھی مخلوق کے سپرد نہیں کئے۔ ذات تقلالی طور پر اور نہ آلی اور غیر استقلالی طور پر۔ (۱) ارشاد قدرت ہے۔ **هو الله الخالق البارئ المصور له الاسماء الحسنى** (پٹ ۶ مشرعی) وہی خداوند نام چیزوں کا خالق، موجد، مصور و کاتبانے والا اسی کے لئے اچھے اچھے نام ہیں؟ اس آیت مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے کہ خداوند عالم ہی خالق و مصور ہے۔

(۲) **اهم يقسمون رحمة ربك نحن قسمنا بينهم معيشتهم في الحياة الدنيا** (پٹ ۳۱ س زکرف ع ۹) کیا یہ لوگ تمہارے پروردگار کی رحمت کو (اپنے طور پر) بانٹتے ہیں۔ ہم نے تو ان کے درمیان ان کی روزی و دنیاوی زندگی میں بانٹ ہی دی ہے۔ اس آیت دانی برابری سے ثابت ہوتا ہے کہ خداوند عالم بے رزق دینے اور اس کے تقسیم کرنے والا ہے۔

(۳) **الله الذي خلقكم ثم رزقكم ثم يعيدكم ثم يحاكمكم هل من شريككم من يفعل من ذلك من شئ سبحانه وتعالى عما يشركون** (پٹ ۳۱ س دم ع ۷) خداوند قادر و توانا ہے جس نے تم کو پیدا کیا پھر اسی نے روزی دی، پھر وہی تم کو مار ڈالے گا۔ پھر وہی تم کو دوبارہ زندہ کرے گا۔ پھر تمہارے (بنائے ہوئے خدا) کے شریکوں میں سے کوئی بھی ایسا ہے جو ان کاموں میں کچھ بھی کر سکے۔ جسے لوگ اس کا شریک بناتے ہیں۔ وہ اس سے پاک و پاکیزہ اور برتر ہے۔ (ترجمہ فرمائی) اس آیت مبارکہ سے بھی روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہوتا ہے کہ خالق و رازق اور محی و ممیت خداوند عالم ہی ہے۔ اس آیت کے ذیل میں سرکارِ علامہ مجلسی فرماتے ہیں: "یدل علی عدم جواز نسبة الخلق والموزق والامانة والاحياء الى غيره سبحانه وانه شرك" (ص ۳۱۳ بحار الانوار) یعنی یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے

کہ غیر خدا کی طرف خلق، رزق اور امانت و احیاء کی نسبت دینا ناجائز اور شرک ہے۔ (۴) **ام يجعلوا لله شركاء**

**خلقوا الخلق فتشابه الخلق عليهم قل الله خالق كل شئ وهو الواحد القهار** (پٹ ۱۸ س الرعد ع ۸) ان لوگوں نے خدا کے کچھ شریک ٹھہرا رکھے ہیں کیا انہوں نے خدا ہی کی ہی مخلوق پیدا کر رکھی ہے جن کے سبب مخلوقات ان پر مشتبہ ہو گئی ہے اور ان کی خدائی کے قائل ہو گئے؟ تم کہہ دو کہ خدا ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی بیکتا اور سب پر غالب ہے۔ یہ آیت بھی ہمارے دعا پر نص صریح ہے اور ان امور میں کسی بھی شریک و ہم خدا کے وجود کی نفی کرتی ہے سرکارِ علامہ

مجلسی نے اس کے ذیل میں لکھا ہے یدل علی عدم جواز نسبة الخلق الى الانبياء والائمة عليهم السلام (بجارج ع ۳۳) یعنی یہ آیت مبارکہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ انبیاء و ائمہ علیہم السلام کی طرف خلق کرنے کی نسبت دینا جائز نہیں ہے۔

(۵) **امتن بيذا الخلق ثم يعيده ومن يرزقكم من السماء والارض ان الله مع الله** (پٹ ۱۸ س النمل ع ۱) پھر وہ کون ہے جو خلقت کو نئے سرے سے پیدا کرتا ہے پھر اسے دوبارہ (مرنے کے بعد) پیدا کرے گا اور کون ہے جو تم لوگوں کو آسمان

وزمین سے رزق دیتا ہے تو کیا خدا کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ (۶) **وذلك يخلق ما يشاء ويختار ما كان لهم**

**الحيلة** (پٹ ۱۸ س القصص ع ۱۰) اور تمہارا پروردگار جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے منتخب کرتا ہے اور یہ تمہارا



لوگوں کے اختیار میں نہیں ہے (۸) **الاله الخالق والام تبارك الله رب العالمين** (پس اعراف ۱۲۴) یہ سب کے سب  
 انکی حکمت کے تابعدار ہیں۔ دیکھو حکومت اور پیدا کرنا بس خاص اسی کے لئے ہے وہ خدا جو سارے جہان کا پروردگار ہے۔  
 بڑا برکت والا ہے۔ (۹) **وانتخذوا من دونهم الالهة لا يخلقون شيئا وهم يخلقون** (پس الفرقان ۱۲۵) ان  
 لوگوں نے اس کے سوا دوسرے معبود بنا رکھے ہیں۔ جو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ خود دوسرے کے پیدا کئے ہوئے  
 ہیں (۹) **وخلق كل شئ وقدرة** (نقد پیرا (پس الفرقان ۱۲۶) اور پھر جو کو اسی نے پیدا کیا ہے پھر اسے اندازہ سے  
 درست کیا۔ (۱۰) **هل من خالق غير الله يرزقكم من السماء والارض لا اله الا هو فاني توكلون** (پس فاطر ۲۲)  
 خدا کے سوا کوئی اور خالق ہے جو آسمان اور زمین سے تمہاری روزی سپریتا ہے اس کے سوا کوئی معبود قابلِ تپش نہیں  
 پھر تم کہہ رہے ہو (۱۱) **الله ملك السموات والارض يخلق ما يشاء ويهب لمن يشاء انا ناء ويهب  
 لمن يشاء الذكور او الذرية ووجههم ذكر او انا وانا ناء** (پس شمس ۲۵) سارے آسمان و زمین کی حکومت خاص خدا ہی کی ہے  
 جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے (اور) جسے چاہتا ہے (نقط) بیٹیاں دیتا ہے۔ اور جسے چاہتا ہے محض بیٹے عطا کرتا ہے  
 یا ان کو بیٹے بیٹیاں (اولاد کی) دونوں قسمیں عنایت کرتا ہے۔ ان آیات مبارکہ سے روز روشن کی طرح واضح و آشکار  
 ہوتا ہے کہ پیدا کرنا، رزق دینا، اور اولاد و زینہ و مادینہ دینا خدا کے ہی قبضہ قدرت میں ہے اور کوئی یہ فرض انجام نہیں  
 دیتا۔ (۱۲) **الله يبسط الرزق لمن يشاء ويقدر** (پس رعد ۹) اور خدا ہی جس کے لئے چاہتا ہے روزی کو بڑھاتا  
 ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگ کرتا ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ روزی کا بڑھانا یا گھٹانا خدا کے ہی اختیار  
 میں ہے (۱۳) **واذا امرضت فهو ليشفيين** (پس اشعراد ۹) اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہ (خدا) مجھے شفا دیتا  
 ہے۔ اس آیت مبارکہ سے واضح ہے کہ بیماروں کو شفا عطا فرماتا خداوند عالم کی ذات سے والیتہ ہے (۱۴) **قل الله  
 مالم الملك توحي الملك من تشاوت نزاع الملك ممن تشاء وتعد من تشاء وتذل من تشاء بيدك الخير  
 على كل شئ قدير** (پس آل عمران ۱۱) اسے رسول، تم یہ دعا مانگو کہ اسے خدا تمام عالم کا مالک اتو ہی جس کو چاہے  
 سلطنت دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور تو ہی جسے چاہے عزت دے اور تو ہی جسے چاہے ذلت دے۔  
 ہر طرح کی بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ بے شک تو ہی ہر چیز پر قادر ہے۔ (ترجمہ فرمان) اس آیت مبارکہ سے کاشمیر نے  
 رابعۃ النہار واضح و آشکار ہوتا ہے کہ تمام جہان کی شہنشاہی خدا کے قبضہ قدرت میں ہے کسی کو سلطنت دینا کسی سے چھیننا  
 کسی کو عزت دینا اور کسی کو ذلت میں مبتلا کرنا اسی کے اختیار میں ہے۔ (۱۵) **قل من يرزقكم من السماء والارض ام  
 يملك السمع والا بصار ومن يخبر عن المحي من الميت ويخبر عن الميت من الحي ويبدل الامر فسيقولون الله  
 فقل افلا تتقون**۔ **خذوا لکم الله ربکم الحق فماذا بعد الحق الا الضلال فانی تصفون**۔ (پس یونس ۱۰)  
 تم یہ کہہ دو کہ آسمان سے اور زمین سے تم کو رزق کون دیتا ہے؟ یا سماعت اور بصارت کا اختیار کون رکھتا ہے؟ اور







بھیج دیتا ہے۔ کیا خدا کے ساتھ کوئی اور اللہ ہے جن چیزوں کو بیشر یک ٹھہراتے ہیں اللہ کی ذات اُن سب سے بری ہے۔  
 (۲۱) اَمَّنْ يَبْدُو الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَمَنْ يُزَكِّكُم مِّنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قُلْ هَا وَاٰبَآؤُنَا لَمْ  
 اَن كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ بآباد و کون ہے جو خلق کی ابتدا کرتا ہے پھر اُس کو دوبارہ پھیر دے گا۔ اور وہ کون ہے جو آسمان  
 و زمین میں سے تم کو رزق دیتا ہے۔ کیا خدا کے ساتھ کوئی اور خدا ہے؟ تم کہہ دو کہ اگر تم سچے ہو تو اپنی دلیل پیش کرو۔  
 (۲۲) قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّٰنَ يُبْعَثُوْنَ۔  
 ”تم یہ کہہ دو کہ جو آسمانوں و زمینوں میں ہیں اُن میں سے (غیب کو سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا۔ اور اُن کو یہ بھی خبر  
 نہیں کہ وہ مبعوث کب کئے جائیں گے۔ (۲۳) بَلْ اَذْكُرْكُمۡ هُمۡ فِي الْاٰخِرَةِۚ بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ مِّنْهَاۚ بَلْ هُمۡ  
 قٰتِلُهَا يَخْتُمُوْنَ۔“ بلکہ اُن کا علم تو آخرت میں جا کر پورا ہوگا۔ بلکہ وہ اُس کی طرف سے شک میں ہیں۔ بلکہ اُس کی  
 طرف سے یہ اندسے (قطعاً خبر) ہیں۔ (پس انھیں) ترتیباً مقبول)

اسی مقدار میں اس قسم کی آیات کا سلسلہ ختم کیا جاتا ہے کیونکہ

اگر درغائے کس است یک حرف برباست

سرکارِ علامہؒ: ایسی ہی چند آیات مبارکہ لکھنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اقول دلالت تلك الايات على نفي الغلو  
 والتفويض بالمعاني التي بسبب كونها ظاهرة والايات الدالة على اكثر من ان تخصي اذ جميع آيات الخلق  
 ودلائل التوحيد والايات الواردة في كبر النصارى وبطلان مذهبهم دالة عليه فلم تتعرض لايرادها  
 وتفسيرها وبيان وجه دلالتها لوضوح الامور والله يهدي الى سواء السبيل“ یعنی میں کہتا ہوں۔ کہ غلو  
 تفویض کے ان معانی و اقسام کی نفی پر جن کو ہم ۳۶۵ پر ذکر کریں گے (جو ہم سابقاً پیش کر چکے ہیں) ان آیات کی دلالت واضح ہے  
 اور ان پر دو فاسد نظریہ کی نفی پر اس قدر آیات کثیرہ موجود ہیں جو حد شمار سے باہر ہیں۔ کیونکہ تخلیق، توسیع اور نصاریٰ کے کفر اور  
 ان کے مذہب کے بطلان کے بارہ میں جو آیات وارد ہیں وہ سب کی سب اس (رد غلو و تفویض) پر بھی دلالت کرتی ہیں معاملہ  
 کی وضاحت کی وجہ سے ہم نے ان آیات کو درج نہیں کیا۔ اور نہ ہی ان کی تفسیر و وجہ دلالت پیش کی ہے، واللہ، یہدی الی  
 سواء السبیل“ (بخاری ج ۲ ص ۲۳)

تفویض کا بطلان سرکارِ محمد و آل محمدؑ کی روشنی میں

بعض تو وہ ہیں جن میں بالتصریح ان امور کی نسبت تفویض کی مانعت وارد ہوئی ہے۔ اور بعض وہ ہیں جن میں دینی امور  
 میں تفویض کو ثابت کیا گیا ہے جس سے بدلات التزامی امور کو تنبیہ میں اس کی نفی مستفاد ہوتی ہے ہم ہر دو قسم کی احادیث  
 شریفہ کا یہاں بالترتیب ایک ایک شتمہ پیش کرتے ہیں۔



(۱) تبارک و تعالیٰ حضرت امیر المومنین فرماتے ہیں۔

”ان معنیٰ اشهد ان لا اله الا الله، ان لا اله الا الله، واشهد سكان السموات والارضين وما فيهن من الملائكة والناس اجمعين وما فيهن من الجبال والاشجار والاداب والوحوش وكل رطب ويا لیس یا فی اشهد ان لا خالق الا الله، ولا رزق الا الله، ولا معبود الا الله، ولا ضار ولا نافع ولا قابض ولا باسط ولا معطي ولا مانع ولا دافع ولا ناصح ولا كافي ولا شافي ولا مقدم ولا مؤخر الا الله، له الخلق والامر بيد الخبير تبارك الله رب العالمين (عماد الاسلام ج ۱ ص ۱۸۱)“

معنیٰ (نکستو) اشهد ان لا اله الا الله۔ کے معنی یہ ہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی نادر نہیں اور یہ کہ میں زمین و آسمان کے ساکنین، ملائکہ، انسان، پہاڑ، درخت، حیوان، وحوش اور ہر خشک و تر جو کچھ ان میں موجود ہے ان سب کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی خالق، رازق، معبود، ضار، نافع، قابض، باسط، معطي، مانع، ناصح، کافی، شافی اور تقدیم و تاخیر کرنے والا نہیں ہے۔ خلق و امر اسی کے قبضہ قدرت میں ہے یا برکت ہے وہ خدا جو تمام عالمین کا پروردگار ہے۔“

(۲) نیز امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں :- قد تر الادراق فكثرها وقلتها وقسمها على الضيق والمقعة فعل فيها التبلي من اراد بمسورها ومعسورها وليختبر بذلك الشكر والصبر من غنيتها وفقيرها (الدرر النجمية ص ۱۰۱)“

خدا نے اپنے فضل سے لوگوں کو روزی و تقدیر کی۔ اسے کم و زیادہ کیا۔ تنگی و فراخی کے ساتھ تقسیم کی۔ اور اس تقسیم میں عدالت کو ہر طرف ملحوظ رکھا۔ تاکہ حصول روزی کی آسانی یا دشواری کے بعد جس کی چاہے آزمائش کر کے دولت مند کے شکر اور فقیر کے صبر کو پرکھ سکے۔ (ترجمہ الدرر النجمية ص ۱۰۱)“

(۳) دعائے ہوش کبیر کی فصل ۱۹ سے یہی ہی مطلب بعبارة النص ثابت ہوتا ہے معصوم ارشاد فرماتے ہیں یا من لا يعلم الغیب الا هو یا من لا یصور السموات الا هو یا من لا یخلق الخلق الا هو یا من لا یقدر الا هو یا من لا یقلب القلوب الا هو یا من لا یدبر الامور الا هو یا من لا یتزل الغیث الا هو یا من لا یسطر الرزق الا هو یا من لا یحیی الموتی الا هو ۱۰۱“

اے وہ ذات جس کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا، اے وہ خدا جس کے سوا کوئی قدرت نہیں کرتا، اے وہ قادر مطلق جس کے سوا کوئی دلوں کو نہیں اُلتا پٹتا، اے وہ خدا جس کے سوا کوئی تدبیر امور نہیں کرتا، اے وہ حاکم اعلیٰ جس کے سوا کوئی بارش نہیں برساتا، اے وہ رب رحیم جس کے سوا کوئی رزق وسیع نہیں کرتا، اے وہ حی لا موت جس کے سوا کوئی مردوں کو زندہ نہیں کرتا۔

(مفتاح الجنان ص ۹)



(۴) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے یہ دریافت کیا جاتا ہے کہ فلاں شخص یہ احمقاً کھتا ہے کہ انکے تقدرون اور افاق العباد فقال والله ما یقدر ان ذاقنا الا الله ولقد احتجت الی طعام لعیالی فضاق صدری وابلغت الی الفکوة فی ذلک حتی احرزت قوتهم فعندھا طابت نفسی لعنه الله وبری الله معہ الخ رجال کثی ص ۲۱۰ کذا فی البحار ج ۲ ص ۲۵۱ و رجال المامقانی ج ۱ ص ۲۵۱ و ج ۳ ص ۲۴۱ کہ آپ لوگوں کے رزق مقدر کرتے ہیں۔ یہ سن کر امام نے فرمایا خدا کی قسم خود ہمارا رزق سوائے خدا کے اور کوئی مقدر نہیں کرتا۔ مجھے اپنے اہل و عیال کے لئے طعام کی ضرورت پیش آئی تو میں متشکر ہو گیا۔ اور میرا سینہ تنگ ہو جانے لگا۔ یہاں تک کہ جب میں نے ان کی قوت لامیت کا انتظام کر لیا۔ تب بیعت کو سکون حاصل ہوا۔ خدا اس پر لعنت کرے اور اس سے بیزاد ہو۔ (ہمارے متعلق کیسا قلع نظر ہو رہا ہے)

(۵) راوی کہتا ہے قلت لابی عبد الله علیه السلام زعم ابوہارون المکفوت انک قلت لہ ان کنت تريد القدیم فذلک لا یدرکہ احد وان کنت تريد الذی خلق ووزق فذلک محمل بن علی فقال کذب علی علیہ لعنه الله ما من خالق الا الله وحده لا شریک لہ حق علی الله ان یدلنا الموت والذی لا یهلك هو الله خالق الخلق وبارئ البریۃ بحار ج ۲ ص ۲۵۱ کذا فی کثی ص ۲۵۱ و تنقیح المقال لافغانی ص ۱۵۵ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ ابو ہارون مکفوت (اندھا) یہ گمان کرتا ہے کہ جناب نے اس سے فرمایا ہے کہ اگر تو قدیم ذات کا ارادہ رکھتا ہے تو اُسے تو کوئی بھی نہیں پاسکتا۔ اور اگر اس کا ارادہ رکھتا ہے جو خالق و رازق ہے تو وہ حضرت محمد بن علی (الباقر) ہیں (یہ سن کر امام نے) فرمایا خدا اس پر لعنت کرے اُس نے مجھ پر افسوس کیا ہے سوائے خدا کے اور کوئی خالق نہیں ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ خدا پر لازم ہے کہ ہمیں موت کا ذائقہ چکھائے۔ وہ ذات جس کے لئے موت نہیں۔ وہ خدا ہی ہے جو تمام مخلوقات کا خالق ہے۔

(۶) انہی سرکار سے مروی ہے فرمایا لا اله الا الله ما قوس الله الی احد من خلقہ لا الی رسول الله ولا الی الائمة علیہم السلام (کفایت الموصیین ج ۱ ص ۲۳۱) خدا کی قسم خدا نے اپنی کسی بھی مخلوق کو (تکوینی امور) تفویض نہیں فرمائے نہ جتا برسول خدا کو اور نہ ائمہ پر ائمہ کو۔

(۷) یا سرخادم الرضایان کرتے ہیں۔ قلت للموصی ما تقول فی التفویض؟ فقال ان الله تبارک وتعالی فوض الی نبیہ صلی الله علیہ وآلہ امر دینہ فقال وما اتکم الرسول فخذوا وما نہکم عنہ فانتہوا فاما الخلق والرزق فلا ثم قال ان الله عز وجل یقول ان الله خالق کل شیء ویقول الله الذی خلقکم ثم رزقکم ثم یمیتکم ثم یرحیکم هل من شواکم من یفعل من ذلکم من شیء سبحانہ وتعالی عما یشرکون۔ (عیون الرضای ص ۳ و جامع بحار الانوار ص ۳۵۵) میں نے آنجناب کی خدمت میں عرض کیا آپ تفویض کے بارے میں







کرنا اور جو کچھ وہ گمان کرتے ہیں ہمیں معاف فرمانا پانے والے اتو زمین پر کسی کافر کو زندہ نہ چھوڑ کیونکہ اگر تو انہیں زندہ رہنے دینگے تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے۔ اور سوائے سخت کافروں اور بدکاروں کے اور کچھ نہیں جنیں گے۔ (اعتقاد یہ صدوق)  
(بخاری ج ۲ ص ۲۶۴)

(۹) رسالہ تصحیح العقائد مطبوعہ حیدرآباد دکن پرچہ البحار الانوار حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی یہ حدیث درج ہے  
فرمایا من قال نحن الخلقون یا مراد اللہ فقد کفر و کذا فی شرح الخلفیہ للرشدی ص ۳۲ (۲) و مدقہ سلطانیہ ج ۲ ص ۱۶  
یعنی جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ ہم خدا کے اذن و امر سے پیدا کرتے ہیں (یعنی ہمیں باذن اللہ خالق کہے) وہ کافر ہے۔  
اس سے بڑھ کر تفویض غیر استقلال کی رد کن زور دار الفاظ سے کی جاسکتی ہے؟

(۱۰) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں لا یکن الشئی لامن شئی الا اللہ، و ینقل الشئی من جوہر یمتہ  
الی جوہر آخر الا اللہ، و لا ینقل الشئی من الوجود الی العلم الا اللہ، و لا شئی سے ایجاد نہیں کرتا یعنی بالکل نیستی سے  
بستی کی طرف نہیں لاتا مگر خدا۔ ایک حقیقت سے دوسری حقیقت کے ساتھ تبدیل نہیں کرتا مگر خدا، بستی سے نیستی کی طرف نہیں  
لے جاتا مگر خدا۔ (کفایت المؤمنین ج ۱ ص ۱۲ کتاب التوحید للصدوق ص ۵)

(۱۱) دعائے مبارکہ چشن کبیر فصل ۴۰ میں وارد ہے یا ازل کل شئی و آخرہ یا الکل شئی و ملیکہ یا رب کل شئی  
و صانعہ یا باری کل شئی و خالقہ یا قابض کل شئی و باسطہ یا بعدی کل شئی و معیدہ یا منشی کل شئی و مقدرہ  
یا مکن کل شئی و محولہ یا محی کل شئی و ممیتہ یا خالق کل شئی و وارثہ۔ اسے وہ خدا جو ہر چیز سے پہلے اور ہر چیز  
کے آخر ہے۔ اسے ہر چیز کے الٰہ و مالک، اسے ہر چیز کے پروردگار اور بنانے والے، اسے ہر چیز کے خالق و وجود دینے والے  
اسے وہ جس کے قبضہ قدرت میں ہر چیز کی بستی و کشادہ ہے، اسے ہر چیز کو وجود دینے اور بھروسہ لٹانے والے۔ اسے ہر  
چیز کے ایجاد اور اس کی تصویر بنانے والے، اسے ہر چیز کو وجود سے نوازنے اور اس میں تغیر و تبدل کرنے والے، اسے ہر چیز  
کو پیدا کرنے اور مارتے والے، اسے ہر چیز کے خالق و وارث؟ (مفاتیح ص ۹۹)

(۱۲) اسی دعائے چشن کبیر فصل ۴۰ میں وارد ہے یا صانع کل مصنوع یا خالق کل مخلوق یا ذوق کل مودوق  
یا مالک کل مملوک یا کاشف کل مکروب یا فارح کل مہوم یا راحم کل مرحوم یا ناصو کل مخذول یا ساتر  
کل معیوب یا ملجأ کل مطرود۔ اسے وہ خدا جو ہر مصنوع کا صانع، ہر مخلوق کا خالق، ہر مودوق کا رازق، ہر مملوک کا  
مالک، ہر مصیبت زدہ کی مصیبت کو دور کرنے والا، ہر غمزدہ کے غم کو دور کرنے والا۔ ہر مرحوم پر رحم کرنے والا۔ ہر بے نیاز  
کی نصرت کرنے والا، ہر عیب دار کی پردہ پوشی کرنے والا۔ اور ہر راندہ ہر جا کا ملجا و وارث ہے؟ (مفاتیح ص ۹۹)

(۱۳) دعائے مبارکہ یتشیر میں وارد ہے فانا اشدہم بانک انت اللہ لا رافع لما وضعت ولا واقع لما رفعت  
ولا معز لمن اذلک ولا منزل لمن اعزذک ولا مانع لما اعطیت ولا معطى لما منعت میں گواہی دیتا ہوں



اُسے کوئی پست نہیں کر سکتا جسے تو ذلیل کر دے اُسے کوئی عزت نہیں بخش سکتا۔ اور جسے تو عزت عطا کر دے اُسے کوئی ذلیل نہیں کر سکتا۔ جسے تو عطا کر دے اُسے کوئی روک نہیں سکتا۔ جسے تو روک دے اُسے کوئی عطا نہیں کر سکتا۔“  
 (نوٹ) یہ وہ دعائے مبارکہ ہے جو جناب رسول خداؐ نے حضرت امیر کو تعلیم فرمائی تھی۔ اور تازیت اسے صبح و شام پڑھنے کا حکم دیا تھا اور ساتھ ہی یہ حکم دیا تھا کہ اُسے اپنے بعد و اسے جانشین کو بھی تعلیم دیں۔“

(مفتاح الجنان ص ۱۷ صحیفہ علویہ ص ۱۱)

(۱۴) اقسام تفویض کے متعلق علامہ مجلسیؒ کے طویل کلام کے ضمن میں حضرت امام زمانہؑ کی توثیق مبارک نقل کی جا چکی ہے جس میں حضرت امام العصر علیہ السلام نے عقیدہ تفویض کی پر زور الفاظ میں رد فرمائی ہے اور صحیح عقیدہ تعلیم دیا ہے کہ اللہ بڑی سوال کرتے ہیں۔ تو خدا خلق کرتا ہے یہ سوال کرتے ہیں تو وہ رزق عطا کرتا ہے۔ وہ ان کے سوال کو کبھی رد نہیں فرماتا۔ علامہ ابو الحسن شریف نے یہ توثیق مبارک نقل کرنے کے بعد ”بسلوٰۃ“ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے۔ اَنّوَلِ اِیْ یَسْئَلُوْنَ شَفَاعَةً اَوْ لَا یُطَاعُ الْمَعْجُزَةُ“ یعنی میں کہتا ہوں کہ وہ بطور شفاعت و سفارش سوال کرتے ہیں۔ یا معجزہ عطا کرنے کے لئے بارگاہ قدرت کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ (مشکوٰۃ الاسرار ص ۶۱)

(۱۵) کامل بن ابراہیم بیان کرتے ہیں کہ میں مسئلہ تفویض دریافت کرنے کی غرض سے جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور سلام کر کے بیٹھ گیا۔ اس اثنا میں قریباً چار سال کا ایک لڑکا برآمد ہوا جس نے جمال میں چاند لاکھڑا معلوم ہوتا تھا۔ (امام العصرؑ) اور آتے ہی مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔ یا کامل جنت الی ولی اللہ و جنتہ تسلّم من مقالۃ المفوضۃ کذوال تلوینا و عینۃ لمشیۃ اللہ و اللہ یقول ما تشاؤون الا ان یشاء اللہ اے کامل! تو ولی خدا اور اُس کی محبت کی بارگاہ میں مفوضہ کے عقیدہ کے متعلق سوال کرنے کے لئے حاضر ہوئے ہو۔ سو تمہیں معلوم ہوتا چاہئے کہ یہ لوگ مجھ کو میں (میں خالق و رازق نہیں) بلکہ ہمارے دل خدا کی مشیت کے حریف ہیں (جب وہ کچھ چاہتا ہے تو ہم بھی چاہتے ہیں) چنانچہ خدا ارشاد فرماتا ہے تم تو کچھ چاہتے ہی نہیں کرو ہی جو خدا چاہتا ہے۔“

(مشکوٰۃ الاسرار ص ۶۱ ہفتم ہمار ص ۳۶)

ان احادیث شریفہ سے یہ حقیقت کا شمس فی نصف النہار واضح و آشکار ہو جاتی ہے کہ امور مکتوبیہ (خلق و رزق اور امت و امیاء وغیرہ) میں ہر قسم کی تفویض خواہ استقلالی ہو اور خواہ غیر استقلالی ممنوع اور باطل ہے اور اس کا اعتقاد رکھنا حکم کفلا شرک (دون الشریک لعلہم عظیم) سب ان امور میں تفویض کی مطلقاً نفع کر دی گئی تو پھر غیر استقلالی یعنی اذن اللہ و ال تفویض کے صحیح ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لان نفی العام بیدل علی نفی الخاص کما یغنی علی الخاص۔“

جب اس قسم کی بعض آیات و روایات کی باتیں ہیں اور طوفاً ان آیات و روایات کے متعلق ایک مغالطہ دہی کا ازالہ

حضرات سے ان کا کوئی معقول جواب نہیں ہو سکتا تو بالعموم



یہ کہہ کر اپنی گلو غلامی کرائے کی ناکام کوشش کیا کرتے ہیں۔ کہ اول بالذات مرتبی و مدبر اللہ ہے لیکن مظاہر اسما میں پرتقل تدبیر ظاہر کرتی ہے۔ وہ غیر خدا مدبر ہیں جس کو قرآن یوں ذکر فرماتا ہے۔ والمدبرات امرا اور پھر فرماتا ہے میں تبار الامم ما من شفیع الا من بعد اذنہ و تدبیر امور کرتا ہے اور اس تدبیر میں اس کا کوئی شریک نہیں مگر بعد اذن اس سے ثابت ہے کہ کچھ نفوس ایسے ہیں جو بعد اذن خدا تدبیر عالم کرتے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ بعد اذن تدبیر کرنے والے علاوہ ملائکہ کے وہ نہر گو اور ہیں جو روح قدس کے مالک قوت و طاقت میں جبرئیل و میکائیل سے عظم ہیں۔ تدبیر عالم میں رئیس مطلق ہیں۔ ریاست عامر اس میں حلد میں ثابت ہے۔ ورنہ تعریف امام درست نہیں رہتی۔ یا ذن خدا یہ امور خلق و رزق وغیرہ کرتے ہیں۔ تدبیر عالم یا ذن خدا ان کا وظیفہ اور منصب ہے خدا بالذات کرتا ہے آیات مذکورہ بالذات پر دال ہیں۔ اور یہ امر نہر گو اوروں کی یا ذن خدا بیشیت خدا کی حیثیت سے منسوب ہیں یہ جو کچھ بیان ہوا ہے یہ سراسر اہل فری یا پھر خود فری اور تفسیر بارائے ہے جو بچند وجوہ غلط اور ناقابل قبول ہے۔

اولاً۔ اتنا تو یہ حضرات بھی تسلیم کرتے ہیں۔ کہ یہ امور تکوینیہ یا لذات ذات ایزدی سے وابستہ ہیں۔ لہذا جب تک قرآن و حدیث کے نصوص ساطعہ اور دلائل قاطعہ سے ائمہ اطہار کا بالعرض و یا ذن اللہ تدبیر عالم اور خالق و رازق وغیرہ ہوتا ثابت نہ ہو جائے۔ اس وقت تک انہیں مدبر تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ اور ایسی کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ اگر بہت ہے تو ایسی کوئی آیت یا کوئی صحیح السند اور صریح الدلائل روایت پیش کریں۔ جو قیامت تک نہیں کر سکتے۔ بلکہ اس کے برعکس آیات قرآنیہ کی طرح روایات معصومہ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ امور ذات خداوندی کے ساتھ معصوموں میں جیسا کہ پیش کردہ آیات و روایات سے یہ مطلب واضح ہے۔ اور جن بودے و رکیک استدلال سے ان لوگوں نے اس مطلب کو ثابت کرنا چاہا ہے۔ ان کا قطعی جواب بھی ذرا آگے چل کر ازالہ شبہات کے ضمن میں پیش کریں گے۔

ثانیاً۔ ملائکہ پر ائمہ اطہار کا جو قیاس کیا گیا ہے یہ بھی درست نہیں ہے کیونکہ ارباب دانش و فہم جانتے ہیں کہ ملائکہ سے جو امور صادر ہوتے ہیں۔ تو یہ بصورت تفویض نہیں ہیں کہ خدا نے ان امور کی انجام دی ان کے سپرد کر دی ہو جیسا کہ ائمہ اطہار کے بارہ میں یہ نزاع ہے اور نہ ہی یہ انجام دی ہو بلکہ یہ اُن کی اپنی طرف سے ملائکہ کو ان امور کی انجام دی ہو میں اپنی طرف سے وکیل مطلق بنا کر مطلق العنان چھوڑ دیا ہو۔ بلکہ یہ انجام دی ہو بظاہر بصورت "الیت ہے یعنی ملائکہ کی حیثیت صرف آلہ کار کی سی ہے۔ جس طرح ہم قلم سے لکھتے اور تلواریں سے کاٹتے ہیں۔ بلاشبہ خدا فرشتوں کے ذریعہ خلق و رزق اور امات و احیاء وغیرہ امور کو انجام دیتا ہے۔ اس سے نہیں بچنا چاہئے کہ خدا ان کے بغیر ان امور کو انجام دے نہیں سکتا! حاشا و کلا! وہ بغیر آلات و اسباب کے بھی سب کچھ کر سکتا ہے (وہو علی کل شئی قدیر) لیکن اس نے اپنی حکمت بالذات سے اس عالم کا نظام کچھ ایسے طریقہ پر مرتب فرمایا اور چلا یا ہے کہ ہر چیز علل و اسباب اور آلات کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی نظر آتی ہے اور اگر کبھی کوئی فعل ظاہری علل و اسباب کے بغیر وجود میں آجائے تو وہ معجزہ کہلاتا ہے۔ ان کو بظاہر جو کچھ



امور کا ظہور فرشتوں سے ہوتا ہے اس لئے ان کو مجازاً مذہبات و مفقعات امر کہا گیا ہے۔ ورنہ بموجب فرمان جناب امیر علیہ السلام فرشتے ہرگز اپنے خالق و رازق ہونے کا دعویٰ نہیں کرتے۔ لایذعون انہم یخلقون شیئاً مضافاً انفراد بہ بل عباد مکرمون لایسبقونہ بالقول وھم بامور یعملون (بیچ البلاغہ ص ۱۹۷ جامع مصر) یعنی جن چیزوں کو خدا پیدا کرتا ہے فرشتے ہرگز یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ وہ انہیں پیدا کرتے ہیں۔ بلکہ وہ اللہ کے ایسے مکرم بندے ہیں۔ جو کسی قول و فعل میں اس سے سبقت نہیں لے جاتے۔ بلکہ اسی کے حکم کے مطابق کام کرتے ہیں۔ صاحب کتاب عقل و دین نے بھی ایسا ہی افادہ فرمایا ہے کہ

”لما کما فاعل سخر اندوہائے بر کار سے خلق شدہ اند، بہاں کار مشغولند و تقریباً اختیار سے از خود ندارند“

(عقل و دین ج ۱ ص ۳۴۹)

”یعنی فرشتے فاعل سحر ہیں وہ جس جس کام کے لئے پیدا کئے گئے ہیں اسی کی انجام دہی میں مشغول ہیں۔ اور اپنی طرف سے تقریباً کوئی اختیار نہیں رکھتے“ اگر ان کا مقصد یہ ہے کہ انہیں اطہار کا بھی یہی مقام ہے۔ کہ صد افعال البیہ میں اس کے آلات و اسباب میں (کماتیل) تو ہم اسے الہی بیست کی تعظیم و تحلیل نہیں بلکہ ان ذوات عالیہ کی توہین و تذلیل سمجھتے ہیں اور باب عقل و انصاف غور کریں کہ خدا جو جزئی جزئی اور معمولی کام فرشتوں کے ذریعہ انجام دیتا ہے کیا آل محمد بھی فرشتوں کے ہم پلہ ہو کر ان کے ساتھ انہی امور کو انجام دیتے ہیں؟ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ بعض سہروردان مذہب نے کہا پتہ کی بات کہی ہے یہ خدا کے لئے ملے کو اتنا نہ بڑھاؤ کہ ان پر شبہ خدا کا ہونے لگے۔ نہ کھٹاؤ اتنا کہ فرشتوں کے برابر اور ہم پلہ کر دو۔ چھوڑ دو فرشتوں کو ان کی غلامانہ کن بان پر اور چھوڑ دو آقاؤں کو ان کی سردار و عظمت و شان پر، راخبار رضا کار لاہور محرم ۱۲۷۶ مسمیٰ ۱۹۵۶ء اب تو اس نظریہ کے بعض فائین نے بھی وہی لفظوں میں اس بات کا اعتراف کر لیا ہے کہ اس سطح پر انہیں اطہار کو لاکھڑا کرنا ان کے شایان شان نہیں جیسا کہ ہم کتاب کے مقدمہ میں مؤلفین کی تضاد بیانیوں کے ضمن میں ان کا یہ قول معقول نقل کر چکے ہیں۔ فراجع۔

ہر کیف یہ خلق و رزق اور امانت و اسیاء و غیرہ کا وظیفہ قدرت کاملہ کی طرف سے نہ کسی نبی کے سپرد ہوا ہے اور نہ کسی ولی کے، خدا نے ذوالجلال یہ امور ملائکہ کے ذریعہ سے خود انجام دیتا ہے۔ انبیاء و ائمہ علیہم السلام کے وظائف و فرائض اس سے کہیں اعلیٰ و ارفع ہیں۔ جن کی بقدر ضرورت اسی باب میں آئندہ وضاحت کی جائے گی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ بزرگوار نظام شریعت کے سربراہ اور نظام نکوین میں شیعین و سفارشی ہیں۔ ان کی سفارش سے بے اولاد و بے مال دولت مل و اولاد سے مالا مال ہو جاتے ہیں، ان کی شفاعت سے بیمار تو کیا ہزار سالہ مردے بھی زندہ ہو جاتے ہیں۔ اور ان کی توبہ و دعا سے سب مشکلات و مصائب کے بادل چھٹ جاتے ہیں۔ جیسا کہ امام العصر و الزمان کی حدیث شریف میں ان کے اس منصب جلیل کی وضاحت موجود ہے جس کا تذکرہ بحوالہ احتجاج طبرسی سرکار علامہ مجلسی کے کلام تحقیق ترجعاً



کے ضمن میں سابقاً کیا جا چکا ہے۔

چوں شبنوی سخن اہل دل کو کہ خطاست سخن شناس ندو لبر اخطا اینجاست

مثلاً: قبل ازیں غلو و تفویض کے معانی بیان کرتے ہوئے علامہ مجلسی وغیرہ علماء اعلام کے کلام کی روشنی میں ثابت کیا جا چکا ہے کہ ان جرگواروں کو خالق و رازق اور محی و ممیت سمجھنا غلو و تفویض ممنوع میں داخل ہے۔ یہ بالذات و باذن اللہ والی اصطلاح ان حضرات کی ذاتی اختراع ہے۔ اگرچہ کوئی حقیقت و اصلیت ہوتی تو قرآن و حدیث میں بھی تو اس کا کہیں ذکر ہوتا۔ مگر نہ قرآن میں اس کا کوئی تذکرہ ہے نہ عہد و آلِ محمد علیہم السلام کے کسی مستند فرمان میں اس کا کوئی نام و نشان ہے۔ بلکہ اس کے برعکس ان کو بامر اللہ خالق سمجھنے والوں کو بھی کافر قرار دیا گیا ہے۔ جیسا کہ ایسی بعض حدیثیں اور بیان ہو چکی ہیں۔ تو بعد ازیں اس کی بنا پر قرآن و حدیث سے ثابت شدہ خفائی سے کیونکر دست برداری اختیار کی جاسکتی ہے؟

والجاء۔ اس سلسلہ میں آیت مبارکہ ما من شفیع الا من بعد اذینہ پڑھیں پڑھیں کر کے جو ترجمہ کیا گیا ہے وہ تفسیر بالرائے کی بدترین مثال ہے "شفیع کا ترجمہ شریک" کرنا عجائباتِ روزگار میں سے ہے حدیثِ قدسی میں وارد ہے خدا فرماتا ہے ما آمن فی من خسر جواہ کلامی جو شخص اپنی رائے کے ساتھ میرے کلام کی تفسیر کرتا ہے وہ مجھ پر ایمان ہی نہیں لایا۔ (استحاج ۲۲) ہم اپنی طرف سے ترجمہ کرنے کی بجائے جناب مولانا فرمان علی صاحب و مولانا مقبول احمد صاحب کے تراجم پیش کرتے ہیں۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس آیت سے صحیح عقیدہ کی تائید ہوتی ہے۔ یا ان لوگوں کے خود ساختہ نظریہ کی؟ اول الذکر اس کا یوں ترجمہ کرتے ہیں: "اس کے سامنے کوئی کسی کا سفارشی نہیں ہو سکتا، مگر اس کی اجازت کے بعد" اور ثانی الذکر اس طرح کرتے ہیں: "بغیر اس کے حکم کے کوئی سفارشی ہو ہی نہیں سکتا" مطلب دونوں کا ایک ہی ہے۔ اب اربابِ فہم و فراست و اصحابِ انصاف و دیانت غور فرمائیں۔ کہ آیا اس آیت مبارکہ سے اثر اظہار کا وسیلہ شفیع اور سفارشی ہونا ثابت ہوتا ہے جو ہم ثابت کر رہے ہیں یا ان کا مدبرِ عالم اور خالق و رازق ہونا ثابت ہوتا ہے۔ جسے یہ لوگ قرآن و حدیث کا کچھ نہ کال کر اپنے زعمِ باطل میں ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ ما لہم انی یوسف کون؟

ان خفائی سے یہ واضح ہو گیا کہ بامر اللہ "یا باذن اللہ" کا پوند لگانے سے تفویض ممنوع و اے فاسد عقیدہ کو صحیح نہیں بنایا جاسکتا۔ چنانچہ رسالہ نعم الزاد لیوم المعاد ص ۱۹ پر وضاحت کر دی گئی ہے کہ کون الفعل باذن اللہ، لا یخیر عن کوئم، تفویضاً ولا یمنع بطلان التفویض اما الاول فکونہ باذن اللہ لا یجعل الفعل لله ولا یخیر العبد عن کوئم، هو الفاعل، یعنی فعل کا باذن اللہ واقع ہونا اسے تفویض ممنوع سے خارج نہیں کرتا۔ کیونکہ اس کے باوجود بھی فاعل انسان ہی رہتا ہے نہ خدا! والحمد لله علی دھور الحق والحقیقہ

تکوینی امور میں تفویض کا بطلان متقدّمین و متاخرین علماء اعلام کے بیان کی روشنی میں اس سلسلہ میں

علامہ کی اس قدر تصریحات موجود ہیں کہ ان سب کے پیش کرنے کی اس مختصر کتاب میں گنجائش نہیں ہے صرف بعض اعلام کے



بیانات عالیہ پیش کئے جاتے ہیں۔

(۱) ثقہ الاسلام حضرت شیخ محمد بن یعقوب کلینی علیہ الرحمۃ نے اصول کافی ص ۱۲ طبع ایران پر پورا ایک باب منعقد کیا ہے۔  
جملہ عنوان ہے: "التفویض الی رسول اللہ والی الامۃ فی امور الدین" اس سے ثابت ہوتا ہے کہ امور دنیویہ میں ان کے  
نزدیک تفویض مطلقاً باطل ہے کیونکہ علماء محدثین کے نظریات ان کے تجویز کردہ ابواب کے عناوین سے ہی معلوم ہوتے ہیں۔  
میرا کہ صاحب شرح وافیۃ الاصول، صاحب مرآۃ العقول، صاحب مقاصد الفضل اور صاحب فصل الخطاب نے اس  
امر کی تصریح فرمائی ہے کہ: "مذاہب القدماء تعلم غالباً من عناوین ابوابہم" کہ علماء مقصدیہ کے عقاید و نظریات  
ان کی کتابوں کے بابوں کے عناوین سے ہی معلوم ہوتے ہیں، چنانچہ اس مقام پر علامہ مجلسی نے حضرت کلینی کے تجویز کردہ اسی  
عنوان پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے: "اقول لعل مرادہ اثبات التفویض المتقید بالحدود احترازاً عن التفویض  
فی الخلق" میں کہتا ہوں کہ مرحوم کلینی نے تفویض کے ساتھ دینی امور کی قید لگائی ہے اس سے ان کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے  
کہ وہ خلق (ورزق) وال تفویض سے اجتناب کرنا چاہتے ہیں، "ومرآۃ العقول ص ۱۷۱"

(۲) رئیس المحدثین حضرت شیخ صدوق علیہ الرحمۃ نے اپنے رسالہ اعتقاد میں سنیہ مسائل باب مستقل طور پر غلو و تفویض کی نفی  
کے لئے منعقد کیا ہے جس میں بکثرت دلائل سے خلق و رزق وغیرہ امور کو دینیہ میں تفویض کا باطل ہونا ثابت کیا ہے اور ہم نے بھی  
انہی الفاظ میں اس کی مکمل شرح کر دی ہے۔ والحمد للہ

(۳) مقید الفرقہ الحقہ حضرت شیخ مفید علیہ الرحمۃ نے اپنی شرح اعتقاد میں شیخ صدوق موسوم بہ تصحیح الاعتقاد ص ۲ طبع ایران  
میں اوائل المقالات پر اس نظریہ میں حضرت شیخ صدوق کے ساتھ اتفاق کیا ہے۔ فراجع۔

(۴) ابن الاسلام الشیخ ابو الفضل الطوسی علیہ الرحمۃ اپنی تفسیر مجمع البیان ص ۲۳۳ پر بذیل آیت هل من خالق غیر اللہ  
میزونکم من السماء والارض رپاس فاطحہ ۱۲ ترجمہ کیا خدا کے سوا کوئی اور خالق ہے جو آسمان اور زمین سے تمہیں روزی پہنچاتا ہے  
کہتے ہیں: "ہذا استفہام تفسیرہم ومعناہ النہی لیتقوا بانہ لا خالق الا اللہ، میزون من السماء بالمطود ومن الارض  
بالنبات وهل یحوز الملاق فلفظ الخالق علی غیر اللہ سبحانہ فیہ وجہان احدہما انہ لا یطلق ہذا اللفظ علی احد  
سواہ الخ (ص ۲۳۳) یعنی یہ بظاہر استفہام ہے جس کے معنی نفی کے ہیں، یعنی خدا کے سوا کوئی خالق نہیں ہے، تاکہ یہ لوگ اقرار کر لیں۔  
کہ خدا کے سوا کوئی خالق نہیں جو آسمانوں سے بارش برسا کر اور زمین سے انگوری اگا کر رزق پہنچاتا ہے، کیا غیر خدا پر لفظ خالق کا  
اطلاق کرنا جائز ہے یا نہ اس میں دو وجہیں ہیں ایک یہ ہے کہ سوائے خدا کے اور کسی پر اس لفظ کا اطلاق جائز نہیں ہے، "وہذا  
معتد علامہ نے دوسری وجہ کا ذکر بھی نہیں فرمایا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک یہی پہلی وجہ قوی ہے۔"

(۵) الشیخ الطائفہ حضرت شیخ طوسی علیہ الرحمۃ اپنی تفسیر تہیان ص ۸ ط ۱۳ پر مذکورہ بالا آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں تفسیراً  
لہم علی انہ لا خالق غیر اللہ فی السموات والارض لان ہذا الصفت لا یطلق الا علیہ تعالیٰ ہذا صحیح لانہ لا احد



يقدر ان يرزق حيوانا من السماء والارض بالخطوات والنبات والافان النار" یعنی اس آیت مبارکہ میں استفہام و انکاری کے پرانے میں دراصل اس بات کا اقرار ہے کہ زمین و آسمان میں خدا کے سوا اور کوئی خالق نہیں۔ اس صفاقی نام رفاق کا اطلاق غیر خدا پر جائز نہیں ہے کیونکہ خدا کے علاوہ کوئی بھی اس بات پر قادر نہیں کہ آسمان سے ذرہ بذر بارش برسانے اور زمین سے انگوری اگانے کے رزق پہنچائے۔ اسی طرح تعبیر تزیان ج ۵ صفحہ ۴۲ پر یہ لکھنے کے بعد کہ لغوی معنوں کے اعتبار سے ہم بھی ایک دوسرے کو رزق دیتے ہیں۔ (عطا و بخشش کا مظاہرہ کرتے ہیں) الا ان لا یطلق اسم رازق الاعلیٰ اللہ مگر خدا کے سوا اور کسی پر لفظ رازق کا اطلاق جائز نہیں ہے (کذا فی مجمع البیان ج ۱ صفحہ ۵۵)

(۷) مروی للذہب حضرت علامہ محمد باقر الجبلی علیہ الرحمہ کا مفصل بیان تحقیق ترجمان قبل ازیں صفحہ ۱۵۸ اور محل کلام صفحہ ۱۶۰ پر پیش کیا جا چکا ہے جس میں انہوں نے بڑی تفصیل جمیل کے ساتھ خلق و رزق اور امانت و اشیاء وغیرہ امور تکوینیہ میں ہر قسم کی تفویض کو باطل قرار دیا ہے۔ سرمد انکے رسالہ یدیع مطبوعہ برصغیر عقائد صدوق مشعلیہ ایران سے ان کا کلام حق ترجمان پیش کیا جاتا ہے فرماتے ہیں: (۸) محدث جلیل سید حبیب اللہ خونی علیہ الرحمہ اپنی کتاب نہج الابرار شرح نہج البلاغہ ج ۲ صفحہ ۳۶۶ پر کار علامہ علیہ السلام کی فرمائش درج کے حرف بحرف ان کی تائید میں فرمائی ہے۔ مراجع

(۸) محدث فاضل مولانا محمد صالح مازندرانی قدس سرہ شرح اصول کافی ج ۴ صفحہ ۴۷۱ میں ایران پر تفویض کے معانی بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔ للتفویض معان بفتحها باطل وبعضها صحیح اما الباطل فهو تفویض الخلق والایجاد والرزق والاحیاء والاماتۃ الیہ یدل علی ذلک ما روی عن الرضا قال اللهم من زعم اننا ارباب نفع عند براء ومن زعم اننا الخلق وعلینا الرزق فنحن عند البراء یعنی تفویض کے کئی معنی ہیں۔ جن میں سے بعض باطل ہیں اور بعض صحیح۔ باطل معنی یہ ہیں کہ خلق کرنے، رزق دینے، مارنے، جلانے کے کام آنحضرت کے سپرد کیے جائیں۔ اس کے بطلان پر وہ روایت دلائل کرتی ہے جو حضرت امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا بارالہ! جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ ہم رب ہیں ہم اس سے بیزار ہیں۔ اور جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ ہم پیدا کرتے یا رزق دیتے ہیں۔ ہم اس سے بھی بیزار ہیں۔

(۹) الشیخ اکبر الشیخ جعفر النجفی کا شرف العطا علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب کشف الغطاء میں بحث اذان کے ضمن میں مفوضہ کی مذمت کرتے ہوئے ان کو محکمہ نے انکار ہونے کا مستوجب قرار دیا ہے (کتاب پر مدح و معفات درج نہیں۔ مراجع)۔ (۱۰) بناب علامہ مرزا ابوالحسن جوگانی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب تبصیر العلماء علی بعض مبہمات کے صفحہ ۴ سے قریباً صفحہ ۵ تک مفوضہ کے نظریات فاسدہ کی بڑے زور شور سے رد فرمائی ہے اور اس سلسلہ میں بالخصوص تفویض استقلال اور غیر استقلال کو باطل قرار دیا ہے ان کے کلام سے صرف ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس کتاب کے صفحہ ۴ پر تحریر فرماتے ہیں۔ "اخبار بسیار از ائمہ علیہم صلوات اللہ علیہم کہ نسبت خلق و رزق را ہمارا دون موجب کفر و غلط"



است واللہ ازاں منع فرمودہ اندو این کردہ وافرغضہ خلقیہ می نامند و ایشان قائلند باینکہ خداوند عالم تفویض نمود خلق و رزق را بامام و حضرت صاحب الامر و وحی فرمود و محفل اللہ فرجہ در توفیق نوشتہ کہ ہر کہ یکی از مس و اباء من چنین نسبت و بدمن و پدر ائم ازو بیزاریم و عبارت آنجناب این است فانا و آباء من برادر و علامہ مجلسی نیز نامند بہ علماء این طائفہ را انکفیر نمودہ اند و حقیقتہ ہم این طائفہ کا فرد یکیش شیخ احمد راسخن این است کہ من قائل بتفویض نیستم بلکہ می گویم خداوند خلق کردہ است و ائمہ بمنزلہ ای ہا باشند و ظاہر ایکہ این سخن بعض تغیر عبارت باشد و اخبار علوم دارد این معنی و معنی اول را و اخبار ہم مختلف اس درود یافتہ باشد مطروح است علامہ اخبار اعداد است و بر فرض متواتر بودن نیز با ضروری مذہب معارضہ نمی تواند نمود۔

یعنی ائمہ اطہار علیہم السلام کے بہت سے اخبار و آثار سے واضح و آشکار ہوتا ہے کہ خلق و رزق کی نسبت ائمہ اطہار کی طرف دنیا باعث کفر و کراہی ہے ائمہ علیہم السلام نے اس کی سخت ممانعت فرمائی ہے۔ اور اس گروہ کو مفوضہ خلقیہ کہا جاتا ہے۔ ان کا یہ اعتقاد ہے کہ خدا نے خلق کرنے اور رزق دینے کا کام ائمہ علیہم السلام کے سپرد کر رکھا ہے حضرت امام العصر علیہ السلام فرمے اپنی توفیق مہارک میں فرماتے ہیں کہ جو شخص اس قسم کی کوئی نسبت میری یا میرے آباء و اجداد کی طرف دے۔ میں اور میرے آباء و اجداد اس سے بری و بیزار ہیں۔ سرکار علامہ مجلسی نے بھی دوسرے علماء شیعہ کی طرح اس گروہ کو کافر قرار دیا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ یہ گروہ کافر ہے۔ مگر شیخ احمد اسائی یہ کہتا ہے کہ میں تفویض کا قائل نہیں ہوں۔ بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ پیدا خدا ہی کرتا ہے البتہ ائمہ علیہم السلام بمنزلہ دست قدرت ہیں (یعنی اللہ خداوندی ہیں) ظاہر یہ ہے کہ یہ انداز گفت گو صرف لفظوں کا سہیر ہے اور جن روایات میں اس نظریہ کی ممانعت وارد ہوئی ہے وہ اس خیال کی بھی تردید کرتی ہیں۔ اگر کوئی روایت مذہب حق کے برخلاف وارد ہو تو وہ متردک تصور ہوگی۔ علاوہ بریں بوجہ خبر واحد ہونے کے ناقابل اعتبار ہے۔ اور اگر بالفرض وہ خبر متواتر بھی ہو تو بھی وہ ضروریات مذہب کا معارضہ و مقابلہ نہیں کر سکتی۔ (یعنی اس کے مطابق عقیدہ نہیں رکھا جاسکتا۔)

(۱۱) فضل عریف جناب مولانا مزا ابو الحسن شریف علیہ الرحمہ نے اپنی تالیف مفہوم تغیر مرآۃ الانوار و مشکوٰۃ الاسرار کے پیش پا نظر تفویض کے بارہ میں سرکار علامہ مجلسی علیہ الرحمہ کے سابقہ مفضل کلام کو نقل کر کے اس پر اظہار پسندیدگی فرمایا ہے نیز اسی کے پیش پر ائمہ اطہار کے حق میں افراط و تفریط کی مذمت اور اس کی تشریح کرنے کے بعد لکھا ہے "و ناقلاً فیما ذکرنا ہ" مادقا حنفی تعرف ان الحق الذی علیہ محمد ثواب اصحابنا المحققین من المتقدمین و المتأخرین فی غیر ہذین الصنفین الا فراط و التفریط بل هو ان رب العالمین و خالق الخلق و رازقہم اجمعین هو اللہ وحدہ القدیم القادر الذی لا شریک لہ ولا شبیہ لہ ان رسولہ محمد ا و الائمة الاثناعشر من ولدہ عید اللہ مخلوقون مریدون کسائر المخلوق مکلّفون بلوازم العبودیۃ من فعل الطاعات و ترک المناہی بلا



احتمال النبوة فی الامنة ولا مدخلية لهم ولا للنبی فیما هو من علائق الالهية وخصائص المعبودية  
یعنی جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اس میں صحیح غور و فکر کرنے سے تم پر یہ حقیقت واضح و آشکار ہو جائے گی کہ وہ نظریہ حق  
جس پر ہمارے تمام متقدمین و متاخرین محدثین کرام کا اتفاق ہے وہ افراط و تفریط کے علاوہ ایک تیسرا درمیانہ نظریہ ہے  
اور وہ یہ ہے کہ رب العالمین اور خالق المخلوقات اور تمام کائنات کا رازق خداوند عالم ہی ہے اور وہی قدیم و قادر ہے۔  
جس کا نہ کوئی شریک ہے اور نہ کوئی ہمسر و نظیر۔ اور جناب محمد مصطفیٰ اور ائمہ ہدیٰ علیہم السلام تمام کے تمام اللہ کے  
مخصوص بندے اور مخلوق و مرئوس ہیں۔ اور تمام لوازم بندگی جیسے بجا آوری طاعات و ترک مناسی و معاصی پر یا مورد  
مکلف میں۔ ائمہ علیہم السلام میں نبوت کا احتمال دینا ہی مندرج ہے اور جو امور الوہیت سے متعلق ہیں اور معبود برحق کے  
خصائص میں شامل ہیں۔ ان میں جناب رسول خدا یا ائمہ ہدیٰ کو کوئی دخل نہیں ہے۔

(۱۲) عمدة الفقهاء والاصولیین جناب آقا سید اسمعیل النوری الطبری علیہ الرحمہ اپنی کتاب کفایۃ الموحیدین فی  
عقائد الدین ج ۱ ص ۲۴۹ طبع ایران پر تفویض استقلال کی رد کے بعد تفویض غیر استقلال کی رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔  
”واگر مراد نسبت این امور است بایشان از باب مجازیہ و آلئہ و لا سبب۔ یعنی محمد و آل محمد صلی اللہ  
علیہ وآلہ وسلم آیت از برائے فعل حق تعالیٰ می باشند مانند ارض و سما و شمس و قمر و ستارگان و ملائکہ چنانچہ  
فرمودہ است و فی السماء و الرزق کم و ما تو عددون۔ یعنی اسباب رزق شہادۃ آسمان است و چون نسبت خلق بجناب  
اسرائیل و نسبت رزق بجناب میکائیل و نسبت امانت بجناب عزرائیل علیہ السلام و سایر ملائکہ از مومنین آید و  
باد و امثال آن پس می گوئیم کہ شان محمد و آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ اہل و ارفع از ان است کہ این امور نسبت دادہ شود  
بایشان زیرا کہ این امور از قبیل فراشی و میرغضبی و آلئہ است کہ شان خدام و چاکرین ایشان است و ہمہ ملائکہ و سایر  
مخلوقات خدام و مقربہ ہوس در گاہ آن بزرگوارند الخ۔“

یعنی اگر تفویض غیر استقلال کے قائل حضرات کی مراد اس سے یہ ہے کہ بطور آلات و اسباب کے مجازاً ان امور  
(خلق و رزق وغیرہ) کی نسبت ان بزرگواروں کی طرف دینا جائز ہے یعنی سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام فعل خدا کے آلات  
میں جس طرح زمین و آسمان اور شمس و قمر اور ملائکہ اس کے آلات و اسباب میں چنانچہ اس کا ارشاد ہے و فی السماء  
و الرزق کم۔ الخ تمہارا رزق اور جن باتوں کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ سب آسمان میں ہیں۔ یعنی تمہارے رزق کے اسباب  
آسمان میں ہیں۔ یا جیسے تخلیق کی نسبت اسرائیل اور رزق دینے کی نسبت میکائیل اور مارنے کی نسبت عزرائیل کی طرف  
ہے۔ یا جس طرح دیگر باد و باران وغیرہ امور پر مؤکل شدہ فرشتوں کی طرف ان امور کی نسبت (مجازاً) دی جاتی ہے۔  
تو ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کی شان اس سے کہیں اہل و ارفع ہے کہ یہ نوکران  
اور چاکروں و آلے کام بنفس نفیس انجام دیں۔ کیونکہ فرشتے ہوں یا دوسری مخلوق۔ سب کے سب ان بزرگواروں کی



بارگاہ عالی کے عقبہ جوس میں

۱۲۱) جناب مولانا آقا شیخ احمد کوہکنانی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب ہدایت الموحیدین ج ۱ ص ۱۷۱ پر توحید افعال اور تفویض کے ضمن میں بیان فرمایا ہے کہ ایسی ایک صد و پچاۓ آیات ان کی نظر سے گذری ہیں جن میں خلق (پیدا کرنے) کی نسبت خداوند عالم کی طرف دی گئی ہے اور اس سلسلہ میں وارد شدہ روایات کے بارے میں فرماتے ہیں۔ "اخبار علاوہ در اثبات صفت خلق و رزق بیشتر ازاں است کہ این مختصر را گنجائش عشری از انہا داشتہ باشد یعنی خلق و رزق کے مخصوص صفت ربوبی ہونے کے متعلق اس قدر احادیث وارد ہوئے ہیں کہ ان کے عشر عشر کے درج کرنے کی بھی اس مختصر کتاب میں گنجائش نہیں ہے۔ پھر ص ۱۷۲ پر ذیل عنوان "بیان اعتقاد مفوضہ" مفوضہ کے عقائد درج کر کے ان کا ابطال کیا ہے۔ فراموش۔

۱۲۲) جناب سید العلماء مولانا سید حسین ابن حضرت عفراناب علیہما الرحمہ نے اپنی کتاب مستطاب حدیثہ مطابیع لکھنؤ حصہ اول، دوم اور سوم میں جابجا دلیل و برہان سے نظریہ تفویض کا ابطال فرمایا ہے ہم بنظر اقتصاد ان کے کلام حق و زبان سے ایک دو اقتباس پیش کرتے ہیں۔ ج ۱ ص ۱۷۲ پر نظریہ تفویض کی رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "حضرات و غیر حضرات از ممکنات نہ بر خلق جوہر و اجسام بذاتہم قدرت دارند و تفویض و اقدار از جانب

جناب ہدایت رب خلق و رزق نسبت بایشاں از روئے عقل و شرع ثابت می شود و از طرف خود امور را از امتداد و بے دلیل و برہان صفت حضرات قرار دادن ردائست چہ جائے آنکہ خلاف آں اجماع قطعی و نصوص محکمہ ثابت باشد و بالفرض اگر روایتی تا ذیخبر سے از اخبار اہل مومین آں باشد چہ کج مہملات و متشابہات غیر مبتنی بلکہ مطلق اخبار اہل اصول و افتقاد محل اعتماد نمی تواند بود۔ پس مطروح خواہد بود یا مائل معارضتہ بالمحکمات۔"

یعنی حضرات (ائمہ اطہار) یا غیر ائمہ نہ تو خود بخود اجسام و ابدان کے پیدا کرنے پر قادر ہیں اور نہ ہی منسوب اللہ خلق و رزق کے بارے میں تفویض ثابت ہے نہ عقلاً اور نہ شرعاً۔ لہذا بلا دلیل و برہان کسی امر کو اپنی طرف سے تراش کر ان حضرات کی صفت قرار دینا جائز نہیں ہے چہ جائیکہ اس کے برخلاف قطعی اجماع اور نصوص محکمہ موجود ہوں۔

۱۲۳) بعض حلقوں کی طرف سے اس مقام پر بہت غور و آرائی کی گئی ہے کہ صاحب کفایت الموحیدین کی پوری عبارت نقل نہیں کی گئی۔ کیا یہ ضروری تھا کہ ہم ان کی پوری کتاب ہی بیان نقل کر دیتے؟ جہاں تک ہمارے متعلقہ مسئلہ (و تفویض الی و استقلال) ہم نے ان کی وہ پوری عبارت پوری دیا ہے اور اس کے ساتھ نقل کر دی ہے۔ ہاں چونکہ بعد والی عبارت کا اس سے کوئی ربط و تعلق نہ تھا اس لئے اسے نظر انداز کر دیا۔ خصوصاً جبکہ ان کا وہ افادہ جدید ہماری نظر میں صحیح بھی نہ تھا۔ اب اس پر اسی باب کے آخر میں بعض شبہ اولیٰ تفسیر کر دیا گیا ہے یہی حالات اگر اس بعد کو نقل نہیں کیا۔ تو اس میں کیا مائے اعتراض ہے؟ تمہیں ہے کہ ان اعتراض کرنے والوں میں وہ لوگ بھی ہیں جو ہماری اور دوسرے علماء کی عبارت کے ساتھ قطعاً یہ کہ وہ ملوک کرتے ہیں جو تصابیح کے ساتھ بھی نہیں کرتا۔ بہر حال وہ غلط ہیں انہیں کوئی کیس نہ ہے جو چاہے یا کہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ غلطی نہ



اندہیں حالات اگر کوئی شاذ روایت یا خبر واحد ایسی ہو جس سے اس تفویض کا دسم ہوتا ہو۔ تو چونکہ اخبار مجملہ و متشابہ بلکہ مطلق اخبار  
احاد اصول اعتقاد کے سلسلہ میں ناقابل اعتماد ہوتی ہیں۔ اس لئے اسے متروک تصور کیا جائے گا۔ یا اس کی کوئی مناسب تاویل کی  
جائے گی۔ کیونکہ وہ محکمت کے معارض ہے۔ پھر صریحاً پر احتجاج طبری سے حضرت امام العصر والی حدیث شریفہ جو سابقاً  
بیان ہو چکی ہے جس میں اس جناب نے ان امور کی نسبت ائمہ کی طرف دینے کی ممانعت فرمائی ہے، راجع کرنے کے بعد فرماتے  
ہیں: ”وهو الحق الحقیق بالاتباع پس تفویض خلق و رزق و تمام مصنوعات باطل است“ اسی کتاب کے حصہ  
ثانیہ ص ۱۸ پر سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کو علت فاعلی ممکنات و باعث تخلیق کائنات ثابت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں  
فانهم المقتصدون من خلق هذا العالم من خلق عالم ايجاد و عقیل حضرت امجاد است کما صرحت بہ النصوص  
الکتابیة و اما انیک حضرت مؤثر و موجب و مدبر انے العالم باشند پس اعتقاد آں کفر است مثل مفوضہ کہ خلق و رزق و  
تدبیر عالم را بتفویض او تعالیٰ بعد و علیٰ بلکہ سائر ائمہ علیہم السلام راجع می دانند و کل کفر خواہ حضرات را فاعل  
مستقل دانند و خواہ فاعل خدا را دانند و ایشان بمنزلة آلات قرار دہند یعنی تمام عالم کی تخلیق سے مقصود اصلی یہی بزرگا  
ہیں۔ کیونکہ عالم ایجاد کی خلقت ائمہ امجاد کے طفیل ہوئی ہے جیسا کہ نصوص کثیرہ میں اس کی تصریح موجود ہے لیکن  
اعتقاد کہ اس عالم میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کے مدبر مؤثر اور موجب یہی بزرگوار ہیں کفر ہے جیسا کہ فرقہ مفوضہ کا یہ عقیدہ  
ہے کہ خدا نے خلق و رزق اور تدبیر عالم کے کام جناب رسول خدا و علی مرتضیٰؑ بلکہ تمام ائمہ کے سپرد کر دیئے ہیں۔ یہ عقیدہ  
سراسر کفر ہے خواہ ان بزرگواروں کو ان امور کا مستقل فاعل تسلیم کیا جائے۔ اور خواہ خدا کو فاعل حقیقی سمجھ کر ان کو  
بمنزلة آلات و اسباب قرار دیا جائے۔

۱۵۱۱ فاضل اجل حضرت مولانا السید ابوالقاسم الرضوی القمی علیہ الرحمہ اپنی کتاب معارف الملت، الناجیۃ النایہ  
ص ۱۶ طبع لاہور پر فرقہ مفوضہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”تفویض جمیع امور خداوندی بحضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
و تکم حضرت امیر و ائمہ احد عشر صلوات اللہ علیہم می کنند چون تدویر دوران و تقسیم اوراق و احیاء و امانت خلق و تقدیم و  
تأخیر مکیون و تقدیر و انتظام عالم و غیر ذلک بدست ایشان است چنانچہ خداوند بواسطہ ملائکہ می کنند چنانچہ اختیار کل بایشان  
داد و می کنند بے اگر تفویض امور شرعیات بایشان می گوئی دران عیب نیست اما اگر تفویض امور مکیون و تقدیر کوئی ایس باطل  
است اگرچہ بصورت توکیل چون ملائکہ باشند یعنی مفوضہ یہ کہنے میں کہ خدائی امور جناب رسول خدا و دیگر ائمہ بہی کے سپرد ہیں  
اس لئے وہی حضرات نظام عالم کو چلاتے ہیں۔ وہی تقسیم رزق کرتے ہیں۔ وہی مارتے و جلاتے ہیں اور وہی امور مکیون میں  
تقدیم و تأخیر کرتے ہیں جیسا کہ خدا ملائکہ کے توسط سے یہ کام انجام دیتا ہے یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ تمام امور ائمہ کے سپرد ہیں۔ وہ  
ان کو انجام دیتے ہیں یاں اگر امور شرعیہ میں تفویض کا عقیدہ رکھا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن اگر امور مکیون میں  
و خلق و رزق اور امانت و احیاء و غیرہ میں تفویض کا نظریہ اختیار کیا جائے۔ تو یہ سراسر باطل ہے اگرچہ تفویض و غیر استقلال ہو“



بصورت ترکیب ہی کیوں نہ ہو جیسا کہ فرشتوں کے بارے میں ہے۔

(۱۶) حضرت علامہ الشیخ محمد امین ال کاشف الغطا الخفی علیہ الرحمۃ اصل و اصول الشیعہ طبع نخب پر لکھتے ہیں بحسب علی العاقل بحکم عقلہ عند الامامیۃ تحصیل العلم والمعرفۃ بصانعہ والافتقاد فی احدا نیۃ فی الالوہیۃ وعدم شریک لہ فی الربوبیۃ والیقین بامہ ہوا المستقل بالخلق والرزق والموت والحیۃ والایجاد والاعدام بل لا مؤثر فی الوجود عندہم الا اللہ فمن اعتقد ان شیئاً من الرزق والخلق والموت والحیۃ لغیر اللہ فهو کافر مشرک خارج عن الاسلام الخ یعنی ”شیعہ امامیہ کے نزدیک ہر عاقل پر عقلاً واجب ہے کہ اپنے خالق کی معرفت حاصل کرے اور یہ اعتقاد رکھے کہ وہ معبود برحق اور نگاہ ہے اور یہ کہ ربوبیت میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے نیز یہ یقین حاصل کرے کہ خلق کرنے، رزق دینے، مارنے و جلانے اور مہر دینے و معدوم کرنے میں وہی مستقل ہے بلکہ امامیہ کے نزدیک سوائے خدا کے اور کوئی مؤثر ہی نہیں ہے پس جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ رزق یا خلق یا موت و حیۃ کا معاملہ غیر خدا کے قبضہ میں ہے وہ کافر و مشرک ہے اور دائرۃ اسلام سے خارج ہے۔“

(۱۷) (۱۹۰۱، ۱۸۰۱۴) سرکار آقائے سید علی البرزنجی و سرکار آقائے الشیخ علی نہادندی و سرکار آقائے آقا الشیخ مرزا محمد حسین حاجی مرزا خلیل طہرانی ”ان بزرگواروں سے دریافت کیا جاتا ہے“ مافوقکم مد ظلمک العالی“ اعتقاد بانیہ خدا قدرت خود را نسبت خلق و رزق و شفا و ادن بامہ علیہم السلام تفویض فرمودہ است صحیح است یا باطل؟ کیا یہ اعتقاد دیکھا کہ خداوند عالم نے امہ اطہار کو پیدا کرنے، رزق دینے، اور بیمار کو شفا دینے کی قدرت تفویض کی ہے صحیح ہے یا باطل؟

اول الذکر بزرگ جواب میں تحریر فرماتے ہیں ”اس اعتقاد غلط و فاسد است و صاحبش گمراہ است و خلاف مذہب امامیہ است زیرا کہ اعتقاد اس است کہ خود واجب الوجود رزاق و شفا دہندہ است تفویض مطلقاً باطل است۔ بے اللہ سلام اللہ علیہم واسطہ فیض و تفضیل مستند ہر کس کے متوسل اثر اطہار علیہم السلام بود و یا شدنا امید از رحمت و مرحمت خداوند شہ لا دستخط (استبد علی التہذیب الخفی) یعنی ”یہ عقیدہ رکھنا غلط اور فاسد ہے اس کا معتقد گمراہ ہے اور یہ اعتقاد مذہب شیعہ امامیہ کے عقائد کے خلاف ہے کیونکہ ان کا اعتقاد یہ ہے کہ رزاق و خالق اور شفا دہندہ خود خداوند عالم ہے تفویض مطلقاً باطل ہے (خواہ استقلال ہو اور خواہ غیر استقلال) یا یہ بزرگوار واسطہ فیض اور ہمارے تفضیل میں جو شخص ان کے ساتھ توکل حاصل کرے وہ رحمت و کفایت خداوندی سے محروم نہیں رہتا۔“

ثانی الذکر حضرت جواب میں رقمطراز ہیں ”باطل است“ و دستخط الراحمی علی نہادندی عفی اللہ عنہ یعنی ”یہ عقیدہ باطل ہے۔“

اور ثالث الخیر جناب فرماتے ہیں ”آہا شفیق قرار داون عیب ندارد و اما آتبار از زیر و سطحی دانستی غلط است۔“



یعنی "ان بزرگواروں کو شفیق و سفارشی سمجھنا درست ہے" لیکن ان کو خدا کا وزیر یا داس کی طرف سے مٹا کنندہ سمجھنا غلط ہے۔  
 (از رسالہ کشف الحال باجمال المقال ص ۳۳ مطبع عماد الاسلام کھنوی)

(۲۰) جناب آقا سید علی ہجر العلوم اپنی کتاب برہان قاطع ج ۲ ص ۴۳ پر غوث غفرلہ کے کفر کا فتویٰ دیتے ہوئے رقمطراز ہیں۔  
 "ومن الکفر لانکار الفروعی ان یدعی لعلیٰ او احد الائمة علیہم السلام بعض اوصاف لا ینافی التوحید  
 و ربوبیۃ الباری لکنها غیو موجودۃ فیہ بضروریۃ الاسلام کقول جماعۃ ممن عاصرناہم و ممن سلف  
 بانہ الخالق والمحل او المحیت عموماً باذن اللہ سبحانہ او بامدادہ فی ذلک و مشیتہ او قنویضہ  
 ذلک الیہ" یعنی کفر کے منہج ان اقسام کے جو ضروریات دین کے انکار کرنے سے لازم آتے ہیں ایک قسم یہ بھی ہے کہ حضرت  
 علیؑ یا دیگر ائمہ بدعتی میں سے کسی امام میں بعض ایسے صفات تسلیم کئے جائیں جو اگرچہ توحید و ربوبیت خداوندی کے منافی تو نہ  
 ہوں مگر بضروریۃ الاسلام وہ صفات ان بزرگواروں میں موجود نہ ہوں جیسا کہ ہمارے بعض معاصرین (شیخ احمد حسینی کے تلامذہ  
 سید کاظم رشتی وغیرہ) اور بعض گذشتہ لوگوں کا یہ نظریہ ہے کہ یہ بزرگوار "باذن اللہ" یا "بامداد اللہ" یا "بمشیت اللہ" یا "بقنویض  
 اللہ خالق یا رازق یا محیی یا ممیت ہیں۔"

(۲۱) جناب آقا سید عبدالکافی الحلّی اپنے رسالہ کی فصل ثانی میں لکھتے ہیں "و اما القول بانہ تعالیٰ خلق  
 محمداً و اہل بیئتم و جعلہم یعملون کل شئی بامرہ و اذ نہ فقول بما لم یعلم" یعنی "یہ کہنا کہ خداوند عالم  
 نے سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کو پیدا کر کے اس قابل بنا دیا ہے کہ اب یہ بزرگوار سب کچھ (عالم تکوین میں) اس کے امر و اذن  
 کے تحت کرتے رہتے ہیں یہ ایسا قول ہے جس کا کوئی علم نہیں ہے آخر کلام میں موجودہ دور کے دو مراتب تقلید علماء اعظام  
 کے ارشادات درج کرتے ہیں۔"

(۲۲) مرجع اکبر تقلید شیعان بہان حضرت آقا محسن العظیم الطہا بانی الخبئی تحریر فرماتے ہیں "من المعلوم ان من  
 یعتقد ذلک فهو ضال و منحرف عن طریق السداد و ان من الواضح عند المسلمین ان هذا لا الصفات  
 للہ تعالیٰ وحدہ لا شریک لہ فیہا و ماورد فی الاخبار مصافیہ خلاف ذلک فمؤول او مطروح لا فہ  
 مخالف للکتاب والسنۃ والادلتا زیات الامامیۃ الماخوذة من صاحب الریالۃ الاکوم صلی اللہ علیہ  
 و آلہ وسلم فلا مجال للعمل بہا۔ یعنی "یہ بات معلوم ہے کہ جو شخص ایسا اعتقاد رکھے وہ گمراہ ہے اور راہِ راست  
 سے منحرف ہے اور تمام مسلمانوں کے نزدیک یہ بات واضح ہے کہ یہ صفات (خلق و رزق اور امانت و امیاء وغیرہ) خدا  
 کے ان خصوصی صفات میں سے ہیں کہ جن میں اُس کا کوئی شریک نہیں ہے اگر کوئی ایسی روایت ہو جس میں کوئی ایسی بات  
 موجود ہو تو اس کی مناسب تاویل کی جائے گی یا اس کو نظر انداز کر دیا جائے گا۔ کیونکہ ایسی روایات قرآن و سنت اکابرِ ائمہ  
 کے ان مسلمہ تقریبات کے مخالف ہیں جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تعلیمات سے ماخوذ ہیں لہذا ان پر عمل کرنا کفر و کفرانِ حق  
 کے اہم ترین اوصاف ہیں۔"



نہیں ہے۔ دستخط رحمن (علیہ السلام) (اصل مخزن العلوم الجعفریہ لبنان میں محفوظ ہے)

(۲۳) آیہ اللہ حضرت العلامة شیخ عبدالکریم الزنجانی النجفیؒ اس سلسلہ میں ارشاد فرماتے ہیں:-

”بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اولاً واجب است بہر فرد مسلمان ایک اعتقاد یقینی کند بتوحید ذاتی خداوند متعال کہ مفاد اول الالہ اللہ ہی باشد و ایضا اعتقاد داشتہ باشد بتوحید صفاتی خدا کہ مفاد (لا یو الا ہو) ہی باشد و ایضا اعتقاد یقینی کند بتوحید افعالی و اتصال کہ مفاد اول و لا حول الا باللہ ہی باشد و در نقل عبارت اینجا مستند شدہ جس لازم است اعتقاد مسلمانان جمیع انچه وقصر آن شریف و سنت صحیحہ و پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم رسیدہ است۔“

بسم اللہ الرحمن الرحیم سب سے پہلے ہر مسلمان پر واجب ہے کہ خدا کی توحید ذاتی کا یقینی اعتقاد رکھے جو کہ (لا الہ الا اللہ) کا مفاد ہے۔ اسی طرح توحید صفاتی کا سستی اعتقاد رکھے۔ جو کہ (لا یو الا ہو) کا مفاد ہے۔ نیز توحید افعالی کا قطعی اعتقاد رکھے جو کہ (لا حول الا باللہ) کا مفاد ہے۔ عقیدہ توحید کے بعد خاتم انبیاء سرکار محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رسالت کا عقیدہ رکھتے ہوئے قائل قاطعہ و براہین سافحہ سے ثابت ہے اس کے بعد ائمہ معصومین علیہم السلام کی امامت خدا کا اعتقاد رکھتے۔ نماز کے تشہد میں وارد ہے (واشہد ان محمداً عبداً و رسولہ) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کا تمام سرمایہ افتخار خدا کی عبودیت اور اس کی عطا کردہ رسالت میں مضمر ہے لہذا ان کے معبود کی تمام صفات اور اس کے افعال اس کے مخلوق بندوں کے افعال و صفات سے جدا ہیں۔ پس تمام مسلمانوں پر لازم ہے کہ انہی امور کا اعتقاد رکھیں جو کہ قرآن شریف اور سنت صحیحہ میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے ثابت ہیں۔ (عبدالکریم الزنجانی النجفیؒ) (اصل ہمارے پاس محفوظ ہے)

(۲۴) حضرت مولانا تاج محمد بادون صاحب دہلی پوری تحریر فرماتے ہیں ”یوں تو برہان سے جب یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ خالق عالم ایک ہی ہے اور وہی قدیم ہے اس کے سوا سب چیزیں حادث ہیں۔ تو آپ سے آپ نتیجہ یہ امر بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ کشتی کا خالق وہی ہے کیونکہ دوسرا کوئی قدیم ایسا نہیں ہے جس کی طرف اس فعل خلق و ایجاد کی نسبت کی جاسکے۔ وہی مبدأ اول ہے۔ ایکم و قدیر اور علیم و خیر ہے جس کی حکمتوں کے آثار عالم کے ہر قدم سے نمودار ہیں۔ ہر جسم خواہ نباتی ہو یا حیوانی یا جمادات تک ہر موجود خواہ جوہر ہو یا عرض بسیط ہو یا مرکب مرکب ہو یا غیر مرئی اپنے اپنے آثار و افعال و قوی و حرکات و الاشتغال علی الحکم المعجیبتہ و الصانع الغریب سے کما از بندہ پکار کر کہہ رہی ہیں کہ ہمیں اس لیے نیاز صناعت بکثرت بنایا ہے جسکی حکمت کا اندازہ اور جس کے کمالات کی تقدیر ذہن بشری سے باہر ہے۔“ (توحید القرآن از مولانا تاج محمد بادون صاحب دہلی پوری)

(۲۵) جناب آقا نے صنی ذوق نے اپنی کتاب صراط الحق ج ۲ ص ۳۳۳ پر تفویض کے عقیدہ باطلہ کا ابطال کرتے ہوئے دلائل عقلیہ و نظریہ کے ساتھ خلق و رزق وغیرہ امور کو مبنیہ کی نسبت غیر خدا کی طرف دینے کو ممنوع ثابت کر کے تفویض استقلال و آئی کو منقطع عدم قرار دیا ہے۔ فرما دیجئے۔







علیہم السلام قائل مختار میں۔ ظاہر ہے کہ قائل مختار کا فعل خود اسی کی طرف منسوب ہوگا۔ نہ خدا کی طرف (لہذا بوجہ قیاس مع الفارق ہونے کے یہ اشکال باطل ہے) و آبعاً۔ اگر مقصد یہ ہے کہ محمد و آل محمد علیہم السلام اللہ کی مدد سے یہ کام کرتے ہیں۔ تو خدا کو مدد دینے کی ضرورت ہی کیا ہے (جیکہ خود یہ کام انجام دے سکتا ہے) علاوہ بریں کائنات کا نظام چلانا کسی ممکن الوجود کے لئے ممکن ہی نہیں ہے اور ہر چیز کا احاطہ کرنا پروردگار عالم کی ذات کے ساتھ مختص ہے اور خدا کی مدد سے بھی یہ (ناممکن) درست (ممکن) نہیں ہو سکتا۔ خاصاً۔ بالخصوص اس نظر پر کہ رو میں بہت سے روایات وارد ہوئے ہیں۔ "رحمن سے واضح ہوتا ہے کہ یہ نظریہ باطل ہے پھر ان اعتبار و آثار کا ایک شتمہ پیش کیا ہے۔ جو ہم قبل انہیں پیش کر چکے ہیں۔ (فرائض)

نیز اسی مرد مجاہد نے اسی کتاب کے صفحہ ۲۷ پر لکھا ہے۔

"مؤلف گوید از آیات و روایات گذشتہ و ہزاران آیتہ و خبر و دیگر محقق دستم سے شہود کہ تدبیر عالم و امور و رزق

و شفاء و خلق و موت و امثال اینہا یا خداوند یکتا است و کہے در افعال او شریک و معاون و وزیر و مدیر نیست"

یعنی "سابقہ آیات و روایات اور اس قسم کی اور ہزار آیات و اخبار سے یہ امر بایہ ثبوت ننگ پہنچ چکا ہے کہ عالم کا انتظام کرنا۔ رزق اور شفاء دینا۔ نیز پیدا کرنا اور مارنا یا اس قسم کے (دوسرے بگوئی) کام خدا کے یگانہ کی ذات سے متعلق ہیں ان افعال میں کوئی اس کا شریک و مددگار، اور وزیر یا مدیر نہیں ہے"

نیز یہی عالم غیر اپنے رسالہ "در سے از ولایت" صفحہ ۳ پر تفویض استقلال و آلی ہر دو کو باطل قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں

"پس فرق نمی کنند چہ مستقلاً، امہ را خالق و مدبر چہاں بدانند و چہ باذن و مدد خدا آنا را خالق و مدبر بدانند و ہر دو

صورت شرک است"

یعنی اس میں کوئی فرق نہیں کہ امہ علیہم السلام کو مستقل خالق اور منتظم عالم سمجھا جائے یا خدا کے اذن اور اس کی مدد سے ان کو خالق اور جہان کا انتظام کرنے والا قرار دیا جائے۔ بہر حال شرک ہے۔ اولئک الذین ہداهم اللہ فبہداهم اقتدا۔

بطالعین فی فہم عقل سلیم کی روشنی میں عقل و عقلاء کا اتفاق ہے کہ جو خود جسم ہو وہ جسم کا موجد و مدبر نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح وہ رزق کو بھی عدم سے وجود میں نہیں لا سکتا۔ اور

چونکہ خدا کے علاوہ باقی سب اشیاء جسم رکھتی ہیں اس لئے خدا کے سوا اور کوئی شئی حقیقی معنوں کے اعتبار سے خالق و رازق نہیں ہو سکتی۔ اسی عقلی دلیل کی بنا پر حضرت امام العصر نے خلق و رزق کو ذات ایزدی میں منحصر قرار دیا ہے کہ وہ نہ جسم رکھتا ہے اور نہ کسی جسم میں حلول کرتا ہے۔ "ان اللہ خلق الاجسام و قسم الارزاق لانہ لیس بجسم و لا حال فی جسم لیس کمثلاً شئی" (اختیار ص ۲۷) اس کلام کا مطلب غیر از مجہ صاحبہ متعلق الوسائط نے ص ۱۷ پر یہ کیا ہے۔



”یعنی خدا ہی وہ ہے کہ جس نے اجسام کو پیدا کیا ہے کیونکہ وہ جسم نہیں ہے یعنی عدم سے وجود میں لانے والا اجسام کا وہی ہو سکتا ہے کیونکہ وہ جسم نہیں ہے اور نہ جسم میں حلول کرنے والا ہے کیونکہ جو خود جسم ہو گا وہ جسم کو عدم سے وجود میں لانے والا نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح رزق کو عدم سے وجود میں لانا بھی اسی کا کام ہے۔“ ظاہر ہے کہ سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام اجسام مبارکہ رکھتے ہیں لہذا اس عقل کلیہ کے مطابق خالق و رازق نہیں ہو سکتے لہذا چونکہ ان امور کا تعلق مجدد ربوبیت سے ہے اس لئے وہی یہ کام انجام دیتا ہے ھو الذی خالقکم ثم رزقکم ثم احیاکم ثم اماتکم ثم الیہ ترجعون (ج۔ پ۔ س۔ ع) اللہ الذی خالقکم ثم رزقکم ثم یحییکم ثم یمیتکم حاصل من شرواکم من یفعل من ذلکم من شیء؟ (پارہ ۱ ص ۱۸۲)

### ائمہ امجاد کے مقام و کام کے متعلق صحیح شیعہ اعتقاد

اگرچہ مذکورہ بالا تحقیقات و تنقیحات سے یہ امر بخوبی واضح و آشکار ہو جاتا ہے تاہم یہاں قدس

اس کی مزید تفسیر کی جاتی ہے۔ اگرچہ ادیان دین یعنی جناب پیغمبر اسلام و ائمہ طاہرین صلوات اللہ علیہم اجمعین کے صحیح مقام و منزلت کی تعیین باوجود خدا کی صفات غصہ سے تنزیل کے بعد انسانی عقول و افہام کی دسترس سے بلند و بالا ہے لایق قاس بال محمد احد من الناس۔ نبی الباقی۔ تاہم عام انسانی وسعت عقل و استعداد کے مطابق ان راہنمایان دین نے اپنے مقام و کام کے متعلق جو کچھ فرمایا ہے انہی کے مستند و معتبر ارشادات و فرامین کی روشنی میں اس کا ایک جامع خلاصہ ذیل میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جاتی ہے۔

(۱) یہ بزرگوار سوائے نبوت اور اس کے خصائص کے دیگر تمام فضائل و کمالات میں خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحیح وارث و جانشین ہیں۔

(۲) واضح ہے کہ آنحضرت تمام سابقہ انبیاء و مرسلین کے تمام علمی و عملی کمالات کے مع شئی زاہد حاصل ہیں اور اس جامعیت کی وجہ سے ان سب سے افضل و اشرف ہیں۔ اور چونکہ یہ بزرگوار آنحضرت کے کمالات و کمالات کے جامع ہیں۔ اس لئے سوائے سرکار ختمی مرتبہ کے دوسرے تمام انبیاء و مرسلین سے ان کا مقام بلند ہے اور علم و فضل، زہد و تقویٰ، عفت و عصمت، جود و سخاوت، شجاعت و شہادت، غرض کہ تمام امکانی صفات جلیلہ میں سرآمد و زگار و افستار ہر نبی و ہر وحی و ہر شہر بار ہیں۔

(۳) چونکہ آنحضرت کی نبوت و رسالت صرف نبی نوع انسان تک ہی محدود نہیں بلکہ وہ پورے عالمین کے بشیر و نذیر اور ان کا وجود مسعود و پورے عالم امکان کے لئے سراپا رحمت ہے اس لئے ان فدوات مقدسہ کی خلافت و امامت بھی کسی خاص قوم و قبیلہ یا کسی خاص زمان و مکان کی قید سے معید نہیں ہے۔ بلکہ یہ تمام عالمین کے لئے ہادی و راہنما اور تمام کائنات علوی و سفلی پر رحمت خدا ہیں۔

(۴) جس طرح آنحضرت عصمت کبریٰ کے اہل و ارفع درجہ پر فائز ہیں اسی طرح ان حضرات قدسی صفات کا داعی



بھی از مہبتا محمد قہرسم کے گناہانِ صغیرہ و کبیرہ کی عمدی و سہوی آلودگیوں سے منزہ و مبرا ہے۔

(۵) چونکہ یہ بزرگوار پورے عالمِ امکان اور سارے جہان پر محبتِ خدا کے رحمن ہیں۔ اس لئے وہ سب مخلوقات حتیٰ کہ چنم و پند اور دزد کی زبان بھی سمجھتے ہیں اور ہر زبان میں گفتگو کر سکتے ہیں۔

(۶) اگرچہ ہمارے پاس کوئی ایسا آلہ و پیمانہ نہیں ہے جس سے ان کے علوم و لغزیبہ کا حدود و اربعہ معلوم کیا جاسکے لیکن اس قدر مسلم ہے کہ محبتِ خدا کی پہچان یہی ہے کہ وہ کسی وقت کسی جگہ کسی سائل اور کسی موضوع کے متعلق سوال کے جواب میں یہ نہ کہے کہ مجھے اس کا جواب معلوم نہیں۔ ”الحجۃ من لا یقول لا ادری“ خلاصہ یہ کہ ان کا علم خدا کے مقابلہ میں جزئی اور ہمارے مقابلہ میں کلی ہے۔

(۷) جس طرح آنحضرت کی ہر حالت، ہر جگہ، ہر زمانہ، ہر قوم اور ہر امر میں ہر شخص پر اطاعتِ مطلقہ واجب ہے۔ اسی طرح ہر حال، ہر جگہ، ہر زمان، ہر مکان اور ہر امر میں ہر شخص پر ان معصوم بستیوں کی بھی اطاعتِ مطلقہ واجب ہے۔ ان کی اطاعتِ خدا کی اطاعت اور ان کی نافرمانی خدا کی نافرمانی سے اور دنیوی و دنیوی فوز و فلاح انہی کی اطاعت میں پوشیدہ ہے۔ فہم صفت النبیۃ و مصابیح الدجی و اعلام التقی الاعیاء الی اللہ و الادلاء الی موصافہ اللہ و ائمۃ الہدی و السادۃ القادۃ صلوات اللہ علیہم اجمعین۔

(۸) جس طرح آنحضرت کی ہر شخص پر محبت واجب و لازم ہے اور اس کے بغیر کوئی آدمی مسلمان نہیں کہلا سکتا ہے اسی طرح ان ذواتِ عالیہ کی موافقت و محبت بھی اجر رسالت کے طور پر ہر مسلمان پر واجب و لازم ہے اس کے بغیر کم از کم کوئی شخص اہل ایمان نہیں کہلا سکتا۔ اور ان کا دوست خدا کا دوست اور ان کا دشمن خدا کا دشمن ہے۔

(۹) جس طرح آنحضرت کی نبوت و رسالت کے بغیر کسی عامل کا کوئی عمل قبول نہیں ہو سکتا اسی طرح ان مقربانِ بارگاہ کی امامت و ولایت کے اقرار کے بغیر بھی کسی عمل کرنے والے کا کوئی عمل بارگاہِ ربوبیت میں شرف قبولیت حاصل نہیں کر سکتا۔ اور ان میں سے کسی ایک کا انکار سب کے انکار کے مترادف ہے۔

(۱۰) یہ بزرگوار آنحضرت کی طرح علتِ فانی ممکنات و باعثِ ایجادِ کائنات میں۔ خدائے قادر و قیوم نے آسمان کا شامیانہ انہی کی خاطر لگایا۔ اور زمین کا فرش انہی کے طفیل بچھایا ہے۔ الغرض خدا اگر ان کو پیدا نہ کرتا تو عالمِ امکان کے ایک ذرہ کو بھی خلعتِ وجود عنایت نہ کرتا۔ اس لئے یہ بزرگوار خدا تک رسائی اور اپنی مشکل کشائی کرانے کا بہترین وسیلہ و ذریعہ ہیں۔

(۱۱) اس عالم میں خدا کے دو نظام رائج ہیں۔ ایک کا نام ہے نظامِ شریعت۔ دوسرے کا نام ہے نظامِ مکیوں۔ سائلِ حلال و حرام، احکامِ جائز و ناجائز، اور دوسرے نظامی و معاشروں کا تعلق پہلے نظام سے ہے۔ اور پیدا کرنے، روزی دینے، بیماریوں کو شفا دینے، مارنے اور جلائے کا تعلق دوسرے نظام سے ہے۔ جہاں تک نظامِ شریعت کا



تعلق ہے یہ ذوات قدسیہ اس کے سربراہ ہیں۔ اور شرعی نقطہ نظر سے بھی ہمارے حاکم اعلیٰ اور بادشاہ ہیں اگر دنیوی حکام جو کہ غلبہ ظلم و استبداد سے آزاد ہوں۔ اور مبیوط الید ہوں۔ تو دینی معارف و حقائق اور مذہبی مسائل و احکام کا بیان بھی نشر و اشاعت الغرض ہر کمی و زیادتی سے شریعت کی حفاظت و حراست کرنا۔ اور دنیوی امور میں جو فرائض ایک عادل بادشاہ کے ہوتے ہیں۔ جیسے معنی برانصاف عادلانہ حکومت کا قیام، اسلامی سرحدوں کی حفاظت، شرعی حدود و تعزیرات کا اجراء و انفاذ، غربا و یتیم اور دیگر قسم کے مستحقین کی دیکھ بھال کرنا اور ان تک ان کے حقوق کا پہنچانا، ظالم و جابر کو ظلم و جور سے باز رکھتے ہوئے مظلوم کی داد رسی کرنا وغیرہ ان کے تفسیقی فرائض و وظائف ہیں۔ اور یہاں تک دوسرے نظام یعنی نظام تکوین (پیدا کرنے، رزق دینے، شفا دینے اور مارنے و جلانے وغیرہ) کا تعلق ہے۔ اس کا پلانا ان کے متعلق نہیں ہے۔ خدا نے ان کاموں کی انجام دہی ان کے سپرد نہیں فرمائی۔ نہ بصورت تفویض نہ بشکل توکیل نہ بجماعت آلات و اسباب اور نہ باعتبار فرشتوں پر ناظر و نگران ہونے کے۔ بلکہ یہ سب کام خود خدا نے رحمن و علام بذریعہ ملائکہ کرام انجام دیتا ہے۔ کل یوم ہونی شان۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام اس نظام سے بھی بالکل الگ تھلک اور غیر متعلق ہیں۔ انہیں میں بلکہ اس نظام میں ان کا منصب و مقام ہماری شفاعت و سفارش کرنا ہے۔ وہ بارگاہ قدرت میں ہماری شفاعت کرتے ہیں تو خدا بے اولادوں کی گودیں نعمت اولاد سے بھر دیتا ہے۔ وہ سفارش کرتے ہیں تو خدا بے مال و زر کو دولت مال و منال سے مالا مال کر دیتا ہے۔ مقرب بارگاہ ہیں کہ خدا ان کی شفاعت و سفارش کو مسترد نہیں فرماتا۔ الا الحسن و النضی و ما تشاؤن الا ان یشاء اللہ۔ اس دسویں امر کی علاوہ سابقہ و لاحقہ دلائل و براہین کے جن اخبار و آثار سے تائید مزید ہوتی ہے۔ وہ درج ذیل ہے (یہاں امام زمانہ والی توفیق مبارک "ان اللہ خلق الاجسام و قسم الارزاق الخ جو اسی باب میں قبل ازیں درج شد پیش کی جا چکی ہے خصوصاً ملحوظ رہے جس میں آپ فرماتے ہیں کہ سفارش ہم کرتے ہیں۔ پیدا خدا کرتا ہے اور سفارش ہم کرتے ہیں رزق خدا دیتا ہے۔ الخ")

۱) جناب سدید بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ ایک گروہ یہ گمان کرتا ہے کہ آپ خدا ہیں۔ امام علیہ السلام نے یہ سن کر ایسے لوگوں سے برأت و بیزاری ظاہر فرماتے ہوئے فرمایا۔ دیا سدید سجدی و شعوی و لبثی و لحمی و دمی من هو لاء براء جری اللہ عنہم و رسولہ الخ" اے سدید میرے کان، آنکھ، بال، جلد، گوشت و پوست اور میرا خون ان لوگوں سے بیزار ہے۔ خدا و رسول اس سے بیزار ہوں۔" سدید کہتے ہیں میں نے عرض کیا۔ "فما ائتم جعلت فدا اللہ؟ میں آپ پر قربان ہوں پھر آخر آپ کیا ہیں؟" قال خزان علم اللہ و تراجمہ وحی اللہ و نحن قوم معصومون امرا اللہ بطاعتنا و نفی عن معصیتنا نحن الحجة الباقية علی من دون السماء و فوق الارض۔" فرمایا ہم علم خدا کے خزانہ بردار، اس کی وحی و نازل



تکے ترجمان۔ ہم دو معصوم ہیں جن کی حفاظت کا خدا نے حکم دیا ہے اور نافرمانی کی ممانعت کی ہے۔ اور ہم آسمان وزمین والی مخلوق پر محبت خدا ہیں۔ اور جہاں کشی ۹۴ اکتذانی الجہاد ج ۲ ص ۳۹۹

(۲) حضرت امیر المومنین و خلیفہ و فرمانبردار امام کے سلسلہ فرماتے ہیں "انہ لیس علی الإمام الا ما حلت من امورہ" الا البائع فی الموعظة والاحتیاج فی النصیحة والاحیاء للسنة واقامة الحدود علی مستحقیہا و اصدار السہام علی اہلہا" (نہی البلاغ ج ۱ ص ۲۹) ترجمہ معنی صامی) امام کا فرض تو یہ ہے کہ جو کام اسے اپنے پروردگار کی طرف سے سہرا ہوا ہے (اسے انجام دے) اور وہ یہ ہے کہ پسند و نصیحت کی باتیں ان تک پہنچائے۔ سمجھانے بجھانے میں پوری پوری کوشش کرے۔ سنت کو زندہ رکھے اور جن پر حد لگنا ہے ان پر حد جاری کرے اور تحقیق تک ان کا سہرا پہنچائے۔

(۳) اس سلسلہ میں سرکارِ مدائن فیض کا شافی علم یقین ۹۵ پر تحریر فرماتے ہیں۔ والوصی هو المحیة بعد ذلك التبی والامام الملق بتاویل الکتاب الصامت یحفظ الشریعة ویقیم الحدود ویسئذ الثغور ویقصر ید الظالمین المظلوم۔ یعنی کہ بعد محبت خدا امام ہوتا ہے جس کا کام یہ ہوتا ہے کہ کتاب اللہ کی صحیح تاویل کرے۔ شریعت مقدسہ کی حفاظت کرے۔ حدود و تعزیرات شریعہ جاری فرمائے۔ اسلامی سرحدوں کی حفاظت کرے۔ اور ظالم کو ظلم سے باز رکھے۔

(۴) بعض بہتاریں وارث ہے "خالو لایۃ ہی حفظ الثغور وتدبیر الامور وتعدید الایام والشہور ودرجہ صحت، یعنی روایت کیا ہے کہ سرحدوں کی حفاظت کرنا، رعایا کے امور کی دیکھ بھال کرنا اور ماہ و یوم کا شمار و حساب کرنا

(۵) صاحبِ برسالہ صراط النہات ص ۹ طبع ایران پر اہمیت کی امور دین و دنیا میں ریاست عامہ کے ساتھ تعریف کرنے کے بعد امور دنیویہ اور امور دنیویہ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"وہماتے ریاست در امور دنیویہ ای است کہ احکام الہیہ را از تفسیر و تبدیل حفظ نماید و با جوارہ و انفاذ آن با پردہ و ریاست در امور دنیویہ عبارت است از حفظ ثغور و تاجہیں بلاد و نگاہ داری اشرار و اخذ حقوق مظلومین از ظالمین و فصل القضاء بین المتخاصمین و رفع الخلاف بین المتنازعیں و احیاء حدود و شریعہ و فراہم آوردن آنچه امور نوع مسلمین با و موقوف است"

یعنی امور دنیویہ میں ریاست عامہ سے یہ مراد ہے کہ احکام الہیہ کی تغیر و تبدل سے حفاظت کرے اور ان کو جاری و ساری فرمائے اور دنیوی امور میں ریاست عامہ سے مراد ہے اسلامی سرحدوں اور دیگر تمام شہروں کی حفاظت و حراست کرنا، شریروں کی پرکڑی نگاہ رکھنا، تیز فاعلوں سے مظلوموں کے حقوق واپس و حلال کرنا کی دادرسی کرنا، جھگڑا کرنے والوں کے درمیان صحیح فیصلہ کرنا، باہمی تنازعات کو رفع کرنا، حدود و شریعہ جاری کرنا اور ان تمام امور کا بجالانا جن سے مسلمانوں کی فلاح و بہبود وابستہ ہے۔ ان حقائق سے واضح ہو گیا کہ تعریفِ امامت میں وارد شدہ لفظ ریاست عامہ دینی و دنیوی سے ان معنی کے حامل و مانع ہونے پر استدلال کرنا بالکل غلط ہے۔



ہیں اس حقیقت سے انکار نہیں کہ ایمان کے مختلف درجات و مراتب ہیں جیسا کہ ہم دیا چہ میں بیان کر چکے ہیں اور یہ کہ ایمان گھٹا بڑھتا بھی رہتا ہے لیکن اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کسی طرح بھی درست نہیں ہے کہ مقام و کام ان کے اہل بیت علیہم السلام کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا ہے یہ صرف بعض علمائے اسلام کے اپنے دماغ کی اختراع ہے اور وہ اپنے درجہ ایمان کو دوسروں پر مسلط کرنا چاہتے ہیں جیسا کہ بعض رسالوں میں یہ اتہام عائد کیا گیا ہے سناؤ کلام۔

ہمارے سابقہ بیانات و استدلالات پر اجمالی نظر ڈالنے سے اس افسوسناک و بالکل پردہ چاک ہو جاتا ہے اور یہ حقیقت آنکھوں کے سامنے مجسم ہو کر جلوہ گر ہو جاتی ہے کہ اس سلسلہ میں جو کچھ پیش کیا گیا ہے اور ان بزرگوں اور ان کے جو وجود و مراتب اور فرائض و مناصب بیان کئے گئے ہیں یہ خود خدا کے حکیم، جناب رسول کریم اور ائمہ علیہ السلام کے بیان و مقرر کردہ ہیں۔ اور انہی کی تعلیمات کی روشنی ہمارے تمام علمائے اعلام متقدمین ہوں یا متاخرین سب نے انہی عقائد حقہ ایمانیہ کو ایمان کا معیار و میزان قرار دیا ہے (ومن يتعدا حدود الله، فاولئك هم الظالمون)

ارباب عقل و معرفت کے لئے یہ بات محتاج دلیل نہیں کہ ہر امام افراط و تفریط کے مابین درمیانی عقیدہ میں افراط و تفریط مذموم اور اقتصاد و درمیانہ ہی تمدن ہے۔

ہر مؤمن متدین پر لازم ہے کہ آیات قرآن اور اخبار اہل بیت علیہم السلام کے سمندر بے پایاں میں شناوری کر کے معلوم کرے کہ ہر موضوع مسئلہ میں افراط و تفریط کے مابین درمیانی صحیح عقیدہ کیا ہے؟ ہم نے اپنی سب کتابوں میں مقدّمات یہی کوشش کی ہے کہ قرآن اور سرکار محمد وآل محمد کے بیان کردہ حقائق و معارف کے بھر بے کراں میں شناوری کر کے ہر موضوع کے متعلق افراط و تفریط سے دامن بچا کر جو صحیح درمیانی عقیدہ اسے معلوم کیا ہے۔ اور پھر ہر حکم و کاست عمومی کی غرض سے اسے اپنائے قوم و ملت کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ اور اس سلسلہ میں دن کے سکون، رات کے آسائش، حتیٰ کہ اپنی صحبت کا خیال نہیں کیا۔ باری ہمہ کل

نہیں ہے داد کا طالب، بندہ آزاد

ان اجرى الاعلى الله، فان الله لا يضيع اجر المحسنين وجعلنا الله، منهم بحق النبي وآله الطاهرين



یہ اس ربیم و کریم کا محض تفضل و تملک ہے جس نے سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کے صدقہ میں اپنے دین میں کی درس و تدریس اور تقریر و تحریر کے ذریعہ کچھ خدمت کرنے کی توفیق و سعادت بخشی ہے۔

میت منہ کہ خدمت سلطان بھی کنی      میت ازو شناس کہ بخدمت گزاشت

والحمد لله علی احسانہ العظیم۔

اصول کافی (جلد ۲ طبع قدیم) اور ریاض الجنان میں (علی ما نقل عن) معمولی اختلاف الفاظ کے ساتھ ہر ایت محمد بن سنان حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے یہ حدیث مروی ہے محمد بن سنان بیان کرتے ہیں کہ کنت عند ابی جعفر علیہ السلام فذکرت اختلاف الشیعة فقال ان الله لم یزل فرداً متفرداً فی الواحد انیة ثم خلق محمداً وعلیاً وفاطمۃ علیہم السلام فمکثوا الف دهر ثم خلق جمیع الاشیاء فاشهدهم خلقها واجرئ طاعتهم علیها وجعل فیهم ما شاء وفوض امر الاشیاء الیهم فی الامر والنقض والارشاد والامر والنهی فی المخلوق لانهم الولاة فلم الامر للولاية فی الهدایة فہم ابوابہ و نوابہ و حجابہ یحللون ما شاء و یحرمون ما شاء ولا یفعلون الا ما شاء عباد مکرمون لا یشکون بالقول وھم بامرہ یعملون فہذا الدیانۃ التی من تقدّمھا غرق فی بحر الافراط ومن نقصھم عن ہذہ المراتب التی رتبھم الله فیھا زھق فی بحر التقویۃ ولم یوال محمد حقہم نیما یجب علی المؤمن من معرفتھم ثم قال خذھا یا محمد! فاذاھا من مخزون العلم و مکنونہ یعنی میں جناب امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا۔ میں نے آپ سے (معرفت ائمہ کے متعلق) شیعوں کے اختلاف کا تذکرہ کیا دیکھ کر ائمہ نے فرمایا۔ خداوند عالم ذات و صفات میں ہر طرح واحد و یگانہ تھا (اور کوئی چیز موجود نہ تھی) پھر اُس نے (اپنی قدرت کاملہ و حکمت بالغہ سے) جناب محمد مصطفیٰ علی مرتضیٰ اور فاطمہ زہرا علیہم السلام کو پیدا کیا۔ یہ بزرگوار پورا ایک ہزار دہائیہ (ریاض قدس میں) قیام پذیر رہے پھر خدا نے (آخرین عالم کی ابتداء کی اور) دوسری اشیا کو پیدا کیا۔ اور ان کی پیدا نیل پران گوام بنایا۔ اور ان (اشیا و علویہ و سفلیہ) پر ان حضرات کی طاعت لازم قرار دی اور ان (بزرگواروں) میں جو چاہا۔ بفضل کمال و ولایت فرمایا۔ اور حکم تصرف، ارشاد اور امر و نہی (وغرض کہ تمام دینی امور ان کے سپرد فرمائے۔ کیونکہ یہی حضرات دایان امر میں یعنی رشد و ہدایت (خلق) کے متعلق انہی کو حکومت و ولایت حاصل ہے۔ اور یہی (ذوات مقدسہ) خدا (یک رسائی) حاصل کرنے کے دروازے

نے دھر۔ زمان طویل کو کہا جاتا ہے اور ایک ہزار سال پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے (سفر بہار ص ۳۳) مرآۃ الانوار و صفیۃ (منہ علی عنہ)



(بندوں تک احکام شرعی پہنچانے میں) اس کے نائب اور (اس کی بارگاہ کے) حاجب و دربان ہیں (خانی و مخلوق کے درمیان وسیلہ ہیں) یہ خدا کی مشیت و مرضی کے مطابق اس کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام کہتے ہیں۔ اور یہ ان کوئی بھی کام نہیں کرتے۔ مگر وہی جو خدا چاہتا ہے۔ یہ خدا کے وہ مکرم و محترم بندے ہیں جو کسی قول (یا فعل) میں اس سے سبقت نہیں لے جاتے بلکہ اسی کے حکم کے مطابق عمل درآمد کرتے ہیں۔ (سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کی معرفت کے بارے میں) یہ ہے وہ صحیح دین و دیانت کہ جو اس سے آگے بڑھے گا یعنی غلو و تفویض کا قائل ہوگا) وہ افراط کے سمندر میں غرق ہو جائے گا۔ اور جو ان کو خدا کے ان عطا کردہ مراتب سے شائے گا وہ دشتِ تفریط میں ہلاک ہو جائے گا۔ اور ان کے اس غی کو ادا نہیں کرے گا۔ جو ان کی معرفت کے متعلق ٹوٹن پر واجب و لازم ہے پھر فرمایا اے محمدؐ! اس دیانت کو لو اور اسے محفوظ رکھو (کیونکہ یہ آل محمدؐ کے علم مخزون و کمون (پوشیدہ) میں سے ہے۔) (مفہم مجاز ص ۳۶۲ و مرآۃ الانوار ص ۶۶ وغیرہ)

محدث جلیل ابو الحسن الشریف اس روایت الشریفہ کو انہی الفاظ کے ساتھ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: "اقول هذا الخبر من امہات جوامع احوال الائمة علیہم السلام بل هو معیار و تمیز الحق من الافراط والتفریط وقد ذکرناہ علی لفظ ریاض الجنان لکنہ اذکی علی المطلوب" یعنی میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث ائمہ اہل بیت کے جامع حالات معلوم کرنے کی اہم اور بنیادی اسناد میں سے ہے بلکہ افراط و تفریط میں سے اصل صحیح و حق عقیدہ معلوم کرنے کا معیار و میزان ہے۔ ہم نے اسے ریاض الجنان کے الفاظ کے مطابق نقل کیا ہے کیونکہ اس کی دلالت پر زیادہ واضح ہے۔ (مرآۃ الانوار ص ۶۶) بالکل اسی نیک مقصد کے پیش نظر ہم نے بھی من و عن اسے یہاں پیش کر دیا ہے لیہلک من ہلک عن بیتہ و یحی من حی عن بیتہ۔

**وضاحت** اگرچہ خود اس حدیث شریف کے اندر اس امر کی وضاحت موجود ہے کہ اس میں وارد شدہ لفظ تفویض سے ارشاد اور امر و نہی وغیرہ دینی امور میں تصرف و تفویض مراد ہے۔ کمالاً یقینی۔ تاہم ممکن ہے کہ کو تاہ اندیش سیاق و سباق سے آنکھیں بند کر کے صرف جملہ "فوق من امر الاشیاء الیہم" پر جمود کر کے اس سے ڈکونی میں تفویض باطل مراد لینے کی سعی نافرمام کرے۔ اس لئے ذیل میں دو علماء اعلام کا تائیدی کلام حقیقت ترجمان میں کیا جاتا ہے۔

(۱) سرکار علامہ مجلسی اسی فقرہ کی شرح میں فرماتے ہیں "من التقلیل والتخیریم والعطاء والمنع الخ یعنی اس کے تقلیل و تخیریم اور عطا و منع میں تفویض مراد ہے" (مجاز ص ۳۶۳) اور یہ قسم درست ہے۔ دوسرے اقسام کا پوری پوری وضاحت قبل ازیں کی جا چکی ہے۔

(۲) محدث خیر ابو الحسن الشریف اسی فقرہ کے ذیل میں لکھتے ہیں: "ای فیما ذکرہ علیہ السلام دون الخ"



والنقد وغوہا کما سئذ کوہ مفضلًا، یعنی انہی و دینی، امور میں تفویض مراد ہے جن کا امام نے وحدیث کے اندر ذکر فرمایا ہے نہ کہ خلق و رزق وغیرہ (موریکونین) میں جیسا کہ ہم عنقریب تفصیلاً بیان کریں گے۔ (آۃ الانوار) ان فی ذلک لبلاغاً لقرم یعقلون۔

**بعض شکوک و ابہام کا ازالہ** | اس موضوع پر اب تک جو کچھ پیش کیا جا چکا ہے اگرچہ قلب سلیم و طبع مستقیم رکھنے والے شخص کے لئے اطمینان قلب کی دولت حاصل کرنے کے لئے کافی ہے مگر معوج المزاج اور منفی انداز فکر رکھنے والے حضرات کی مزید تسلی اور اتمام حجت کے لئے یہاں ان شکوک و ابہام کا ازالہ کر دینا ان سب معلوم ہوتا ہے جن کو بموجبہ والذین فی قلوبہم ذیغفیتعون مانتاہ۔ منہ ابتغاء العنتنہ وابتغاء تأویلہ بالعموم پڑے شدت کے ساتھ پیش کر کے سادہ لوح عوام اہل ایمان کو جادۂ اعتدال سے ہٹانے اور صراط مستقیم سے ہٹکانے کی سعی نامرہام کرتے رہتے ہیں۔ شاید اس طرح خدا نے کریم مجاہد حق اور صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عنایت فرماوے۔ وہو علی کل شیء قدیر مگر رشد و ہدایت کی لازوال دولت سے اپنا دامن مراد وہی لوگ گرہ کرتے ہیں جو حق و حقیقت کو دھونڈنے کی کوشش کرتے ہیں۔ خدا نے قدوس کا وعدہ ہے والذین جاہدوا فینا لنھدینہم سبیلنا وان اللہ مع المحسنین۔

غفلت نہ رہے کہ ہم نے احسن الفتاویٰ فی شرح العقائد میں قلوبنا از حضرات کے پورے بارہ مدد شہادت کے مکمل تحقیقی جوابات پیش کر دیئے ہیں جو کہ اکثر و بیشتر ان ضعیف بلکہ وضعی احادیث پر مبنی ہیں جو اہل بیت کی طرف غلط طور پر منسوب ہیں۔ اور ہم نے دلائل و براہین کے تیز حربوں سے ان کا کچھ اس طرح قلع قمع کیا ہے کہ پھر کسی کو ان کی محنت پر قلم اٹھانے کی ہمت و جرأت نہیں ہو سکی۔

و کہ قد رأینا من فروع کثیرۃ قوت اذا الم تھیہن اصول

اب ہم ذیل میں ان شکوک و ابہام کا ازالہ کرتے ہیں جو بعد میں بعض کتب و رسائل میں پیش کئے گئے یا کئے جاسکتے ہیں۔ واللہ ولی التوفیق۔

**پہلا شبہ اور اس کا جواب** | خداوند عالم جو کام کرتا ہے۔ وہ فرشتوں کے ذریعہ کرتا ہے۔ تو نظام کائنات کے کارندے ملائکہ میں۔ ملائکہ پر حاکم اعلیٰ دیگر ان حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام ہیں۔ یہ ملائکہ پڑیوں یا تقسیم کرتے ہیں۔ فرشتے ان کے حکم کے بغیر کوئی کام نہیں کر سکتے۔ اور خدا ان پر حاکم اعلیٰ ہے۔ گویا کہ خدا اس کائنات کا بادشاہ ہے۔ محمد و آل محمد علیہم السلام اس کے وزیر اور فرشتے کا زمرہ ہیں۔ اس لئے ان افعال کی نسبت جس طرح خدا کی طرف دینا صحیح ہے اسی طرح ان حضرات کی طرف دینا بھی درست ہے۔

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ یہ درست ہے کہ سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام نہ صرف ملائکہ بلکہ تمام کائنات سے



افضل ہیں اور مع فرشتوں کے سارے عالم امکان کے محذوم ہیں مگر ارباب دانش و نبیہ جانتے ہیں کہ یہ افضلیت و اشرافیت فضائل و کمالات طبعیہ و جمعیہ کی بنا پر ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس لئے فرشتوں سے افضل اور ان کے محذوم ہیں کہ نظام عالم میں ان کی ڈیوٹیاں تقسیم کئے گئے ہیں۔ یہ مطلب نہ قرآن سے ثابت ہے نہ حدیث سے اور نہ علماء اعلیٰ میں سے کسی نے ایسا منقول کیا ہے۔ یہ بادشاہ و وزراء والی جو مثال دی گئی ہے یہ صرف ان لوگوں کی ذہنی اختراع ہے اسے حقیقت سے دُور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ قرآن و حدیث کی تصریحات کے سراسر خلاف ہے ہم ذیل میں اس کے بطلان کی چند وجوہ پیش کرتے ہیں۔

وجہ اول۔ ارشاد قدرت ہے **فَلَا تَتَّخِذُوا لِلَّهِ الْأَمْثَالَ**۔ خدا کے لئے مثالیں نہ دیا کرو کیونکہ اُس کی شانِ تنہا ہی مثالوں سے کہیں اجل و ارفع ہے ع

خاک پر من۔ تمثیل من

اسی طرح امام رضاؑ سے مروی ہے **مَنْ شَبَّهَ الْخَالِقَ بِالْمَخْلُوقِ فَهُوَ مُشْرِكٌ** جو خالق کو مخلوق سے تشبیہ دے وہ مشرک ہے (منہاج البرہان ج ۲ ص ۱۹۲ بحوالہ کتاب التوحید)

وجہ دوم۔ اس کا ارشاد ہے **يَذُوقُوا الْعَذَابَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ** واپس اس کے بعد وہ آسمان سے لے کر زمین تک (تمام امور کی) تدبیر کرتا ہے، جب وہ خود تدبیر کرتا ہے اور فرشتوں کی حیثیت صرف آلات و اسباب کی سی ہے جیسا کہ قبل ازیں اس پر تبصرہ کیا جا چکا ہے تو پھر اسے وزراء کی کیا ضرورت ہے؟

وجہ سوم۔ وزیر۔ وزیر سے مشتق ہے وزیر کے معنی ہیں بوجہ، تو وزیر اُسے کہا جاتا ہے جو کسی کا بوجہ اٹھائے۔ ظاہر ہے کہ وزیر کی ضرورت اُسے ہوتی ہے جو کاروبار کی کثرت کی وجہ سے خود سارے کام انجام نہ دے سکے لیکن جو خدا علیٰ کل شئی قادر ہوئے کام مصداق ہو جس کا ارشاد ہو **وَلَا يُدْرِكُهُ حِفْظُهُمَا** اسے زمین و آسمان کی حفاظت کا تقاضا نہیں ہے۔ اُسے وزیر بنانے کی ضرورت کیا ہے؟ اور جب ضرورت نہیں تو اگر بلا ضرورت مقرر کرے تو کیا یہ عیبت کام نہ ہو گا؟ تعالیٰ عما یقول الظالمون علواً کبیراً۔ نیز وزیر کی ضرورت اُسے دائم گیر ہوتی ہے جو ہر جگہ حاضر نہ ہو سکنے کی وجہ سے نظم و نسق خود نہ سنبھال سکے۔ لیکن جو خدا بیکل شئی محیط ہو اور علمی طور پر ہر جگہ حاضر و ناظر ہو۔ اُسے وزیر کی کیا احتیاج ہے؟

وجہ چہارم۔ ائمہ اطہار کے ادعیہ مبارکہ میں خدا کے وزیر کی نفی کی گئی ہے مثلاً دعاۃ لیسئیر میں وارد ہے **"الْمَدْبِطُ لَا ذَرِيرَ وَلَا خَلْقَ مِنْ عِبَادِهِ يَتَشِيرُ إِلَيْهِ خَدَاوَمُهُ"** جو بلا وزیر معاملات کی تدبیر کرتا ہے اور اپنے بندوں میں سے کسی بندہ سے کوئی مشورہ نہیں لیتا یہ (مفاتیح الجنان ص ۷۷) کذا فی فتح الدعوات زاد المعاد وغیرہ اسی طرح دعاۃ مبارکہ مشغول میں وارد ہے **وَلَا تَتَّخِذْ مَعَهُ مَشِيرًا وَلَا تَحْتَاجُ**



الظاهر الخ " نہ خدا کا کوئی وزیر ہے اور نہ اس نے کوئی مشیر مقرر کیا ہے اور نہ ہی وہ کسی مددگار کا محتاج ہے۔"  
 (مفتاح ص ۷۷ زاد المعاد، صحیفہ علویہ، مصائب وغیرہ) دعائے بخش کبیر فصل ۵، میں وارد ہے یا من لا شریک له  
 ولا وزیر یا من لا شعیبہ له ولا نظیر الخ۔ اسے وہ ذات جس کا نہ کوئی شریک ہے اور نہ وزیر نہ کوئی ہمسر  
 ہے نہ نظیر (مفتاح ص ۹)

وجہ پنجم۔ متعدد احادیث معصومین میں وارد ہے کہ خدا کا کوئی وزیر و مشیر اور معین و مددگار نہیں ہے  
 (۱) جناب امیر المومنین فرماتے ہیں خلق الخلق علی غیر تمثیل ولا مشورۃ مشیر ولا معونۃ معین خدا  
 نے ساری مخلوق کو پیدا کیا بلا کسی (سابقہ) مثال کے اور بغیر کسی مشیر کے مشورہ کے اور مددگار کی مدد کے، (نہج البلاغہ  
 ج ۲ صفحہ مصر) ایک اور خطبہ میں ارشاد فرماتے ہیں۔ ولما یستعن علی خلقها باحد من خلقہ خدا نے خلقت  
 کائنات میں اپنی کسی مخلوق سے مدد حاصل نہیں کی۔ (نہج البلاغہ ج ۲ ص ۱۳۱) ایک اور خطبہ عالیہ میں فرماتے ہیں ولا  
 اعتودت فی تنفیذ الامور مدد بغير المخلوقین ملالة ولا فترة۔ (اُسے وزیر و مشیر کی کیا ضرورت ہے جبکہ اُسے  
 اپنے احکام کے نافذ کرنے اور مخلوق کی تدبیر کرنے میں کوئی ملال اور ٹھکاوٹ محسوس نہیں ہوتی ہے۔ احتجاج طبرسی  
 (ص ۱۷۷) پر امام رضاؑ سے مروی ہے فرمایا "یدیر اعلی الخلق من حیث یدبر اسفل و یدبر اول من غیر ہند  
 ولا کلئۃ ولا مسؤنۃ ولا مناسکۃ ولا نصب الخ خدا وہ ہے جو بغیر کلفت و زحمت کے بغیر مشورہ و ٹھکاوٹ  
 کے سب اعلیٰ و اسفل اور اول و آخر کی تدبیر کرتا ہے۔"

وجہ ششم۔ جہاں تک فرشتوں کی حرکت و سکون کا تعلق ہے قرآن و حدیث سے ثابت ہے کہ وہ اپنے  
 پروردگار کے حکم کے تابع ہیں۔ ان کا قول قرآن مجید میں نقل کیا گیا ہے کہ "ما فنزل الایامور بک! اے رسول!  
 ہم نہیں اترتے مگر تیرے پروردگار کے حکم سے" اسی طرح سورۃ القدر میں وارد ہے "تنزل الملائکۃ والروح  
 فیہا ہاذن ربہم" لیلۃ القدر میں (عام) فرشتے اور روح اپنے پروردگار کے حکم سے (امام العصرؑ) نازل  
 ہوتے ہیں۔

۳۱) خدا نے ان کی یہ صفت بیان کی ہے کہ لا یسبقونہ بالقول وہم بامروہ یعملون وہ کسی قول و فعل میں اپنے  
 خدا سے سبقت نہیں کرتے بلکہ وہ اسی کے حکم کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ ہم نے تفصیل کے ساتھ اسی موضوع پر احسن القوائد  
 میں تبصرہ کر دیا ہے جن بعض روایات غیر معتبرہ (حدیث بساط وغیرہ) میں وارد ہے کہ کوئی فرشتہ بغیر اذن الہیئت  
 اپنی جگہ سے حرکت نہیں کر سکتا۔ یہ روایت بوجہ مخالفت قرآن و بوجہ معارضہ با دیگر اخبار معتبرہ ناقابل استدلال  
 و تسک ہے تفصیل کے شائقین احسن القوائد کی طرف رجوع کریں۔

وجہ ہفتم یہ جو کہا گیا ہے کہ ائمہ اہل بیتؑ فرشتوں کی ڈیوٹیاں تقسیم کرتے ہیں یہ بات حقائق کے سرسہر



خلاف ہے۔ ایسی کوئی تصریح قرآن و حدیث میں موجود نہیں ہے بلکہ اس کی نفی پر دلائل کثیرہ موجود ہیں۔ ہم غمقرب تیسرے شعبہ کے جواب میں اس امر پر مزید تبصرہ کریں گے۔ تشکیک میں معلوم ہوا کہ کئی محقق عقل خام کی پیداوار ہے۔ قرآن اور اہل بیت کے فرمان کے بجائے تائید کے اٹنا اس کی پرزور تردید ہوتی ہے فلا محفل۔

﴿قوله تعالى - انما وليكم الله ورسوله والذين آمنوا الذين يقيمون الصلاة ویتؤتون الزکوٰۃ وھم راکعون ولی صرف اللہ اور اس کا رسول اور اہل بیت میں سے﴾

بصورت اخبار انشائیہ ہے۔ ہمیں حکم ہے کہ یہ اعتقاد رکھیں کہ بالذات ہمارا ولی اللہ ہے اور رسول اور اہل بیت ولی اللہ ہمارے حاکم اور متصرف ہیں۔ اور کوئی اولیاء اللہ کا دعویٰ کرے وہ ٹھوٹا ہے صحاح جو ہدیٰ کل من ولی امر واحد فھو ولیہ۔ جو کسی دوسرے کے کام کا پورا اختیار رکھتا ہو وہ اس کا ولی کہلاتا ہے لہذا ائمہ نے رسول اور ائمہ علیہم السلام کو ولی کہا ہے اور یہ ولی اللہ ہیں۔

ہم یہ کہنے سے معذور ہیں کہ اس قسم کی آیات کو ان حضرات کے دعویٰ کے ساتھ کیا رہا ہے۔ ان کا دعویٰ تو یہ ہے کہ ائمہ الہدٰی باذن اللہ ہمارے خالق و رازق اور وحی و وحیہ ہیں۔ یا فرشتوں کے اوپر نگران اعلیٰ ہیں یا علیٰ رزق کائنات و اسباب خداوندی ہیں۔ رعلی اختلاف الکرار، مگر یہ آیت مبارکہ پیش کر کے ثابت یہ کیا جا رہا ہے کہ خدا کے بعد ہمارے حاکم جناب رسول خدا اور ائمہ ہدیٰ ہیں۔ جہلا کون شیعہ اس کا منکر ہے لیکن قابل غور و تدبر بات یہ ہے کہ جو شخص حاکم و بادشاہ ہو وہ خالق و رازق و وحی و وحیہ بھی ہوتا ہے کیا عربی کی کسی کتاب لغت میں "ولی" کے معنی خالق و رازق یا وحی و وحیہ اور شافی بھی لکھے ہیں؟ ہاں تو ابوہانکہ ان کنتم صادقین! بات صرف اس قدر ہے کہ لفظ "ولی" "مولیٰ" لغت عرب میں جو ہمیں معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ (تفصیل کے لئے کتاب الغدیر جلد اول ملاحظہ ہو) ان سب سے زیادہ نمایاں دو معنی ہیں۔ (۱) اولیٰ بالتصرف یعنی حاکم (۲) دوست۔ چنانچہ اس آیت کے بارہ میں قدیم الایام سے شیعہ ہستی میں یہی متنازعہ فیہ مسئلہ چلا آ رہا ہے کہ آیا یہاں ولی یعنی حاکم ہے یا بمعنی دوست۔ شیعہ اسے بمعنی اولیٰ بالتصرف مراد لیتے ہیں۔ اور سنی بمعنی دوست۔ اور یہی نزاع حدیث غدیر میں وارد شدہ لفظ مولیٰ میں بھی ہے (من کنت مولاً فأولیٰ) مولیٰ شیعہ ہمیشہ آیت مبارکہ النبی ادلی بالعمومین من انفسہم وغیرہ قرائن و شواہد و غایبہ کی بنا یہ ثابت کرتے ہیں کہ یہ آیت جناب رسول خدا کی نبوت اور ائمہ اہل بیت رسول کی امامت بلا فصل پر دلالت کرتی ہے۔ یہ بزرگوار ہمارے دینی و دنیوی حاکم و بادشاہ ہیں۔ اور ہمارے مال و جان پر ہم سے زیادہ حق حکومت و تصرف رکھتے ہیں (ہم نے بھی اپنی کتاب اثبات الامامت میں اس موضوع پر سیر حاصل تبصرہ کر کے یہ حقائق ثابت کئے ہیں لیکن اس امر کو ان بزرگواروں کے خالق و رازق وغیرہ ہونے کے ساتھ کیا تعلق ہے؟

خامر انگشت بدنداں ہے اسے کیا کیجئے۔



اگر خدا کو خالق و رازق اور محی و ممیت سمجھا جاتا ہے تو دوسری آیات و روایات کی بنا پر جن میں بالصرحت اس کو ان صفات جلیلہ کا حامل قرار دیا گیا ہے نہ کہ اس آیت کی بنا پر تاکہ کوئی کوتاہ اندیش یہ خیال کرے کہ اگر مولیٰ کے معنی خالق و رازق نہیں تو پھر خدا بھی خالق و رازق نہیں رہے گا (معاذ اللہ) لہذا دلی جو تصرف فی الامور ہے تو اس سے وہی تصرفاً مراد ہیں جو ایک دینی ماکم و بادشاہ کر سکتا ہے جن کی تفصیل ایسی اوپر بذیل عنوان "امور العباد کے متعلق صحیح شیعہ اعتقاد" اتوال معصومین کی مدنی میں بیان ہو چکی ہوگی کہ معنی خالق و رازق وغیرہ کرنا حکم خدا قرآن کی تفسیر بارائے ہے یہ مفہوم نہ کسی آیت سے ثابت ہے اور نہ کسی صحیح السند روایت سے۔ اس سلسلہ میں کتاب جلی ص ۳۳ سے جو ایک بے سرو پا مرسل روایت پیش کی جاتی ہے کہ ان الله وکل علی بن ابی طالب بجواست اهل الارض و بجواست اهل السماء و کہ خدا نے جناب امیر علیہ السلام کو اہل زمین و آسمان کی حفاظت کرنے کا وکیل و نگہبان مقرر کیا ہے) یہ ایک بلا سند طویل الذیل روایت لاکھڑا ہے جس کے شاشیہ پر خود مؤلف نے یہ کہہ کر اس کے ضعف کی طرف واضح اشارہ کر دیا ہے کہ "مدیر غریب" تفعیل نظر تھے روایت کے نقطہ نگاہ سے خود اس طویل روایت کے اندر اس کے وضعی ہونے کے آثار واضح و آشکار ہیں۔ جن کو تفصیلاً یہاں بیان کرنے کی گنجائش نہیں۔ علاوہ بریں کتاب جلی اور اس کے مؤلف ابن ابی جہر و حسانی علماء اعلام کی نظر میں جو نقلاً ہے دو ابواب الطلاق سے پوشیدہ نہیں۔ تفصیل کے شائقین منہاج البراءۃ شرح بیج ابداً قہ ۱۳ ص ۳۱۳ طبع جدید ملاحظہ کر کے اطمینان قلب حاصل کر سکتے ہیں۔ اور بنا بر تسلیم اس کا مطلب وہ نہیں جو بیان ہوا ہے بلکہ اس کا صحیح مفہوم وہ ہے جو صاحبہ طوابع الانوار نے (ص ۳۱۳) پر بیان کیا ہے کہ آنجناب کے عین و برکت سے زمین و آسمان اور اہل کی بقا و عدم وابستہ ہے وکن بوجود ام الزمان قامت الدنیا وبقائه بقیۃ الدنیا ووجود ثبتت الارض و السما و الخ۔ اور یہ مفہوم بالکل صحیح ہے اور یہی مطلب ہے جناب امیر المومنین اور دیگر ائمہ طاہرین کے محافظ کائنات ہونے کا۔ نکتہ بد فہمات لاصویتیہ ذیل میں چند مقہر تفسیر کے اقتباسات پیش کرتے ہیں جس سے جہاں ہمارے بیان کردہ مفہوم کی طرف بحرف تاہید ہوتی ہے وہاں ان لوگوں کے زلم کی تردید بھی ہوجاتی۔

الشیخ الطائفہ تفسیر بیان ص ۳۱۳ ص ۳۱۳ پر اس آیت مبارکہ کے ذیل میں لکھتے ہیں "واعلم ان هذه الایۃ من الدلۃ الواضحة علی امامۃ امیر المومنین (علیہ السلام) بعد النبی بلا فصل ووجه الدلالة فیہا انہ قد ثبتت ان الولی فی الایۃ بمعنی الاولی واللاحق وثبتت ابیضاً ان المعنی بقولہ والذین امنوا امیر المومنین (علیہ السلام) فاذا ثبت هذا ان الاصلان دل علی امامتہ۔ الخ۔" جانا چاہئے کہ یہ آیت حضرت امیر المومنین کی بلا فصل امامت و خلافت کے دلائل و دھرم میں سے ہے، وجہ دلالت یہ ہے کہ یہ تحقیق ثابت ہے کہ یہاں ولی "یعنی اولی و لاحق و زیادہ و مخدوم" ہے اور یہی ثابت ہے کہ وہ الذین امنوا کا مصداق حضرت امیر المومنین ہیں۔ پس جب یہ دونوں باتیں ثابت ہو گئیں۔ تو اس سے آں جناب کی امامت بھی ثابت ہو گئی۔" (ص ۳۱۳ علامہ طبرسی تفسیر مجمع البیان ج ۱ ص ۳۱۳) پر اسی آیت کے ذیل میں رقمطراز ہیں "وهذه الایۃ من اوضح الدلائل علی صحۃ امامۃ علی بعد النبی بلا فصل والوجه فیہ انہ اذا ثبتت ان لفظہ و لیکم فی الایۃ تفسیر من ہوا ولی







واصفیائہ والسفرۃ بینۃ و بین خلقہ۔۔۔ (احتجاج) جناب علی علیہ السلام نے فرمایا وہ جن کو ملائکہ نے کربا مبارک رات میں نازل ہوتے ہیں۔ اسی شب میں وہ امور حکم تقسیم کئے جاتے ہیں۔ اس کی تفصیل میں فرماتے ہیں وہ امور خلق، رزق، اجل، عمر، حیوۃ، موت، جمع غیب آسمان و زمین اور معجزات یہ ایسے امور ہیں جو اللہ اور اصفیاء و سفراء اور مخلوقات کے درمیان دلاء اور کسی کے لائق نہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شب قدر کو یہ تمام امور کے کفر و شتمے امام زمانہ کے پاس حاضر ہوتے ہیں۔ اور پھر ولی الزمان امور کو ملائکہ تقسیم کرتے ہیں۔ یہ ہے ان حضرات کا مایہ ناز استدلال یا بالفاظ مناسب مغالطہ یا شغب جو قریباً انہی کے الفاظ میں پیش کیا گیا ہے۔ قطع نظر ترجمہ کی صحت و سقم عند تحقیق معلوم ہوتا ہے کہ ان مختلف قطعات و اقبات کو ان حضرات کے دعویٰ سے کوئی تعلق نہیں ہے جو حضرت امیر المومنین کی طرف منسوب ایک طویل حدیث کے مختلف حصے ہیں جو احتجاج طبری ص ۱۵۵ تحت اشرف کے ۱۷۵ سے ۱۷۶ یعنی پورے تیرے صفحات پر پھیلی ہوئی ہے جس میں ترجمان قرآن امیر مومنان علیہ السلام نے ایک زندقہ کے مختلف نوعیت کے کئی اعتراضات کے تسلی بخش جوابات دیئے ہیں۔ زندقہ نے ادھر ادھر سے قرآن مجید کی مختلف آیات کو جمع کر کے اپنے دھم باطل میں غلط نتائج اخذ کرتے ہوئے قرآن میں تضاد و اختلاف ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی تھی۔ جیسا کہ بالمشبہ بعض لوگ جناب امیر کے اس جوابی کلام کے سیاق و سباق کو نظر انداز کر کے اس کے مختلف حصوں کو جو کوئی ۱۷۵ پر ہے تو کوئی ۱۷۶ پر لکھا کر کے غلط انداز میں پیش کر رہے ہیں۔ جناب امیر علیہ السلام نے اس کے تمام ایرادات کا تار و پود کجیہ کر اعتراض کے ابر سے قرآنی مطلع کو صاف کر دیا۔ خلاصۃ الکلام آئندہ زندقہ سوال کرتا ہے کہ ایک مقام پر خدا فرماتا ہے تمہیں ایک فرشتہ مارتا ہے۔ دوسرے مقام پر فرماتا ہے ان لوگوں کو فرشتے مارتے ہیں۔ تیسرے مقام پر فرماتا ہے اللہ مارتا ہے کہ یہ کھلا ہوا تناقض نہیں ہے، حضرت امیر نے اس سوال کا وہ جواب دیا جو اس شبہ کے پہلے ٹکڑے میں مذکور ہے کہ خدا نے پاک اس سے جزو بالا ہے کہ ان امور کو ذات خود انجام دے اس سے ظاہر ہے کہ یہ حصہ فرشتوں کے متعلق ہے۔ اس حقیقت کا اعتراف اس گروہ کے ایک رکن نے اپنے ایک مضمون مندرجہ اخبار درخجف کیم جولائی ۱۳۶۶ء میں کر لیا ہے لکھتے ہیں

”گویا احتجاج کی اس طویل عبارت میں علی علیہ السلام نے ثابت فرمایا ہے کہ خلق و رزق، موت و حیات ملائکہ کا وظیفہ ہے۔ ہمارے کام بغیر ملائکہ کرتے ہیں اور ان کا فعل گویا اللہ کا فعل ہے کیونکہ وہ اس کے امر سے کرتے ہیں۔“

میں معلوم ہوا کہ اس جزو کا ہمارے متعلقہ مسئلہ کے ساتھ کوئی ربط نہیں ہے۔ دوسرے جزو میں آنجناب نے زندقہ کے اس سوال کا جواب دیا ہے کہ خدا نے بعض مقامات پر اپنے لئے واحد کا صیغہ استعمال کیا ہے اور بعض مقامات پر جمع کا اس سے تضاد ظاہر ہوتا ہے (حضرت امیر نے اس شبہ کا ایک جواب یہ دیا ہے کہ خدا نے اپنے بعض منتخب شدہ بندوں کی عظمت و جلال کا ظہر کرنے کے لئے ان کو اپنے ساتھ شامل کر کے صیغہ جمع استعمال کیا ہے اور مقام اعجاز میں بعض اشیاء کا انفرادی و اجرامان کے افعال پر فرمایا ہے۔ اس حصہ کلام کا بھی ان لوگوں کے مدعا سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اولاً اس لئے کہ یہ لوگ تمام اشیاء کے بارہ میں مدعی ہیں کہ خدا ان حضرات کے ذریعہ سے انجام دیتا ہے مگر حدیث میں صرف بعض اشیاء کا تذکرہ ہے ثانیاً یہ ارشاد



مقام اہجاز کے متعلق ہے کہ معجزہ نمائی کے وقت خدا ان بعض امور کا جن کا تعلق تکوین سے ہے ان بزرگواروں کے ہاتھ پر ظاہر کرتا ہے مگر معجزہ کا حقیقی فاعل خدا ہے جس کی تحقیق پورے باب میں پیش کی جائے گی البتہ جس پر جملہ آخری بعض الاشیاء بھی شاہد ہے کہ خدا نے ان کے ہاتھوں پر بعض اشیاء کو عبادی کیا (مگر عبادی نزاع ان امور کو بطور ذلیف و ڈیوٹی) انجام دینے میں ہے۔ کہ آیا یہ ان کی ڈیوٹی ہے نہ کہ مقام اہجاز میں! اس بات کا اعتراف اس گروہ کے بعض مضمون نگار حضرات نے بھی کر لیا ہے۔ کہ اس حدیث سے اثر اہجاز کا ان امور کو بطور فرض منسی انجام دینا ثابت نہیں چنانچہ وہ اپنے حوالہ بالا مضمون میں لکھتے ہیں۔

تعب و محنت جس کی خلق و رزق و حیات پر ڈیوٹی ہے اور سرانجام بھی دیتے ہیں تو اہل بیت جو عہد ہم ملائکہ ہیں۔

ہر جہاں اولیٰ ہیں۔ ہاں یہ درست ہے کہ ہر وقت ملائکہ کی طرح ڈیوٹی نہیں دیتے۔ لیکن اگر بحیثیت خلق مشیت اللہ کسی وقت چاہیں تو یکدم خدا ان امور کو سرانجام دے سکتے ہیں۔ اور یہ امور اہل بیت سے بعید نہیں ہیں۔ (در نہایت یکم جہاں مشیت)

اسے کہتے ہیں ہوشیاری کرے

شریعت کیوں گریباں گیر ہو ذوق تکلم کی بھپا جاتا ہوں اپنے دل کا مطلب استغاثہ میں

اس تحریر خداوندی ہر دو کو راضی رکھنے کے لئے لکھی گئی ہے۔ در نہ اس بندہ خدا سے کوئی پوچھے کہ جب ان امور کی انجام دہی کو اہل بیت کا وظیفہ اور ڈیوٹی تم نہیں سمجھتے اور مقام اہجاز میں ان حضرات کے ہاں اللہ ان امور کو انجام دے سکتے ہیں کسی بھی شیعہ کو کوئی اعتراض نہیں ہے۔ خلق و رزق تو چیز ہی کیا ہے؟ یہ تو وہ ذات عالیہ ہیں کہ اگر چاہیں تو مقام اہجاز نمائی میں مرد کو عورت اور عورت کو مرد، زمین کو آسمان اور آسمان کو زمین، دنیا کو آخرت اور آخرت کو دنیا بنا سکتے ہیں تو پھر یہ معلوم ہے یہ مہنگا مارے خدا کیوں ہے؟

تیسرے بڑے کا پس منظر ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام نے فرمایا کہ قرآن فہمی میں یہ اختلاف اس لئے پیدا ہوا کہ لوگوں نے اوامر سے قرآن مشا و مفہوم حاصل نہیں کیا پھر آپ نے ادا لہ سر کی معرفی کرتے ہوئے فرمایا کہ ادا لہ سر وہ ہیں جن پر بیعت اللہ میں فرشتے مذکورہ بالا امور سے گزارا کرتے ہیں۔ اس حدیث شریف میں ایک حرف بھی ایسا موجود نہیں جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ اسی کے بعد آئمہ جہیم السلام ان ملائکہ کرام پر تقسیم کار کرتے ہوئے ان کی ڈیوٹیاں مقرر فرماتے ہیں۔ صرف اسی ایک حدیث پر ہی منحصر نہیں۔ ہم نے سورۃ اللہ کے شان نزول میں بیسیوں کتب تفسیر و حدیث کنگاں ڈالی ہیں۔ مگر کسی معتبر کتاب میں کوئی ایک صحیح بلکہ ضعیف حدیث بھی ایسی نہیں ملی جس میں یہ صراحت موجود ہو کہ یہ حضرات فرشتوں کی ڈیوٹیاں مقرر کرتے ہیں۔ بصائر اللہ رجاء، ہنعم بجاہ الانوار، اصول کافی اور چہارم تفسیر برہان میں اس سورہ کے شان نزول کے متعلق مستقل باب موجود ہیں اور کئی کئی صفحات تک متعلقہ احادیث پھیل ہوئی ہیں۔ روایات کے ذخیرے جمع ہیں۔ مگر ان میں ایسی کوئی روایت نہیں ملتی جس سے یہ امر ثابت ہو کہ وہ ولی الزمان ان امور کو ملائکہ پر تقسیم کرتے ہیں یہ ممکن ان لوگوں کا ذاتی خیال اور قیاس آرائی ہے کہ جب ملائکہ ان بزرگواروں کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں تو اس سے مقصد یہی ہوگا۔



کہ یہ حضرات ان کی ڈیوٹیاں تقسیم کرتے ہوں گے۔ ان ہمہ الا بھوسوں۔ یہ صرف من و کان ہے ذات  
الخلق یعنی مع الحق شیئاً۔ اگر اس سلسلہ میں کہ فرشتے اہم کے پاس بیۃ القدر میں کیوں حاضر ہوتے ہیں؟ ذاتی  
تحقیق و استنباط سے ہی کام لینا ہے تو پھر خواص ہمارا اخبار آئمہ اطہار یعنی سرکار علامہ مجلسی کی ہی تحقیق کو کیوں نہ صحیح  
تسلیم کیا جائے کہ ”فلیس ذلک لمدخلیتہم فی ذلک ولا للاستشارة بل لہ الخلق والا مویس  
ذلک الا لتشریفہم و اکوامہم و اطہارہم و فقت مقامہم (سابع ہمارا انوار ۳۲۳) یعنی ”علامہ کا یہ نزول اس  
لئے نہیں ہوتا کہ آئمہ اطہار کو نظام عالم کے چلانے میں کچھ دخل ہے یا خدا کو ان سے مشورہ لینا مقصود ہے۔ خدا ہی خالق و  
حاکم ہے۔ فرشتوں کی یہ حاضری محض ائمہ علیہم السلام کے اکرام و احترام اور ان کی رفعت شان و عظمت مقام ظاہر کرنے کے لئے  
ہوتی ہے۔“ (کہ جب ملائکہ زمین پر آئیں یا واپس آسمان پر جائیں تو پہلے جہتہائے خداوندی کی خدمت میں حاضر ہونے و سلام کرنے  
کا شرف حاصل کریں)

ظاہر ہے کہ اس علامہ جلیل کی تحقیق ضرور ائمہ اطہار کے اخبار و آثار سے ماخوذ ہوگی۔ ورنہ ان کی شان اس سے بہت  
بند ہے کہ دینی معاملہ میں اپنی ذاتی رائے کو دخل دیں۔ اکثر علماء و متاخرین نے جناب علامہ کی اس تادیل کو پسند فرمایا ہے  
چنانچہ شیخ خیر سید حبیب اللہ خوئی نے جناب علامہ کی اس توجیہ کو شہاج البراءت ج ۴ ص ۳۷ پر بغرض تائید مرام نقل  
کیا ہے۔ اسی عالم ربانی مرزا ابوالحسن الشریف نے بھی مقدمہ تفسیر مرآۃ الانوار ص ۷۷ پر سرکار علامہ کی اس تحقیق سے اتفاق  
کرتے ہوئے ”اقول ما ذکرہ صاحب شراہ فیہ تنبیہ و توجیہ و حبیہ للاخبار المذکورہ وغیرہا“ یعنی میں کہتا ہوں  
کہ جو کچھ علامہ صاحب شراہ نے ذکر کیا ہے اس میں مذکورہ بالا اخبار کی عمدہ توجیہ ہے۔ اسی طرح سرکار مجلسی نے اپنی کتاب اربعین  
کے ص ۳۷ پر بیۃ القدر میں فرشتوں کے خدمت امام میں حاضر ہونے کی چار تادیلیں فرمائی ہیں۔ فراہج۔ یا اگر یہ توجیہ تادیل پسند  
نہ ہو۔ تو پھر محدث جلیل سید نعمت اللہ جزائری مرحوم کی وہ تادیل قبول کر لی جائے جو انہوں نے بیۃ القدر میں نزول ملائکہ کے  
بارہ میں نور الانوار شرح صحیفہ سجادہ ص ۷۷ طبع بمبئی پر فرمائی ہے۔ واما فائدتہ تناول الملائکۃ بحوادث السنۃ  
تلك الليلة علی الامام علیہ السلام مع انه قد قوا توابعین الشيعة ان عند الائمة عليهم السلام كتاب الجعفر  
والجامعة ومصحف فاطمة و سائر علوم القرآن وفيها ما كان وما يكون الى يوم القيامة فالذي يظهر من معاد  
آثارهم عليهم السلام ان لعلمهم موافق في الاجمال والتفصيل فالكتب المذكورة من ضمنه لسائر  
العلوم على طريق الاجمال من غير تفصيل لحوادث كل اسبوع وفي ليلة الجمعة تزور ارواحهم العرش  
فيغز من هذا العالم المتعلق بذلك الاسبوع كما قال عليه السلام ولولا ان ارواحنا تزور العرش  
وتظرف حوله ليلة الجمعة وتكتسب من هناك علوماً شتى لنفد ما عندنا واما ما يحتاجون اليه من  
حوادث الساعات فيحصل لهم تادئة بالنقوى الاسماع واخرى بالسكت في القلوب۔ انتهى كلامہ۔



ورفع فی الخلد مقامہ و فیہ توجیہ و حبیہ للأخبار الواردة عن الأئمة الأطهار فی هذا المضمار وهذا التحقيق حقیق بان یکتب بالنور کالمجسور یعنی باوجودیکہ شیعہ کے اخبار متواترہ میں وارد ہے کہ ائمہ اطہار کے پاس کتاب جعفر و جامعہ مصنف فاعلمہ اور جملہ علوم قرآنیہ موجود ہیں جن میں ماکان اور مایکون کا علم بھی درج ہے۔ بایں جو پھر لیلۃ القدر میں ان کے پاس فرشتوں کا سال بھر کے واقعات لے کر نازل ہونے کا مقصد کیلئے ہائے اطہار کے اخبار و آثار میں غور و فکر کرنے سے اس سلسلہ میں جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اجمال و تفصیل کے اعتبار سے ان بزرگواروں کے علوم کے قتل و مراتب ہیں۔ مذکورہ بالا مصنف میں تمام علوم کا اجمالی تذکرہ موجود ہے۔ ان میں ہر ہر سال میں واقع ہونے والے واقعات کی تفصیل ہے۔ مگر اس میں ہر ہفتہ کے حتمی واقعات کی تفصیل نہیں ہوتی۔ یہ تفصیل شب جمعہ کو انہیں معلوم ہوتی ہے جب کہ ان کی مقدس روضیں عرش الہی کا طواف کرتی ہیں۔ اسی بنا پر ان کا ارشاد ہے کہ اگر ہمارے ارواح ہر شب جمعہ طواف عرش کر کے نئے نئے علوم کا استفادہ نہ کریں تو ہمارا موجودہ علم ختم ہو جائے اور ہر لمحہ میں ان کو جن واقعات کی ضرورت درپیش آتی ہے ان کا انکشاف بعض اوقات ان کے گوش مبارک میں آواز آنے اور بعض اوقات قلوب منورہ میں الہام و انشاء ہونے کے ذریعہ ہوتا رہتا ہے۔ اس تاویل جمیل کی تائید مزید اصول کافی کی بعض روایات معصومین سے بھی ہوتی ہے۔ کہ اگرچہ آنحضرت علم ماکان و مایکون کے عالم ستارہ مگر وہ کان کثیرہ امن علمہ ذلک جملہ یاقی تفسیر ہافی لیلۃ القدر۔ مگر اس علم میں سے بہت سا مجمل تھا جس کی تفسیر لیلۃ القدر کو آتی تھی و کذلک کان علی بن ابی طالب قد علم العلم و یاقی تفسیرہ فی لیلۃ القدر و اسی طرح جناب امیر المومنین کے مجمل علوم کی تفسیر بھی لیلۃ القدر میں آتی تھی۔ و ارشاد امام محمد باقر ۱۲ اصول کافی ۲۵ طبع ایران۔ ان حقائق کی روشنی میں واضح ہو گیا۔ کہ یہ اہتمام فرشتوں کی دیوئیاں تقسیم کرنے کے لئے عمل میں نہیں لایا جاتا۔ بلکہ علم امام میں اضافہ و از و یاد کی خاطر ہوتا ہے۔ و ہوا الحق و الحق احق ان یتبع۔

**چوتھا شبہ و اس کا جواب** | جملہ اسماء حسنی خالق و رازق و علیم و حکیم و باسط و حفیظ وغیرہ کے لئے منظر ہر وجودیہ ہیں۔ قوله تعالیٰ و لله الاسماء الحسنی فادعوه بها ادعوا الله وادعوا الرحمن ایما تدعوا فله الاسماء الحسنی خدا کو پکارو۔ یا رحمن کو پکارو کسی نام کو نہ سب اللہ کے اسماء حسنی ہیں۔ وہی اللہ ہے وہی رحمن وہی رحیم ہے۔ ان تمام اسماء کے مقابلہ میں ہر ایک صفت خاص کا اظہار اس عالم امکان زمانی میں حکم و یا ذن اللہ عزوجل اس صفت کے منظر سے ظاہر ہوتا ہے۔ مثلاً الخالق کا منظر۔ الرزاق کا منظر۔ القابض کا منظر۔ العالم اور العلیم کا منظر۔ الحفیظ۔ الباسط وغیرہ ہر ایک کے منظر جدا جدا اللہ تعالیٰ نے خلق کئے ہیں۔ اسی طرح ایک اسم الوئی ہے اور یہ اسم الوئی بحیثیت تصرف جمیع اسماء الحسنی یعنی اسم الباسط۔ اسم القابض۔ اسم العلیم۔ اسم الرزاق و الخالق وغیرہ کو جامع ہے لہذا جو بھی اسم الوئی کا منظر وجودی ہو گا۔ وہ جملہ اسماء الحسنی کے منظر سے مافوق ہو گا۔ کیونکہ جملہ طاقتیں اسم الوئی کا



یہی جو منظر اسم الہی میں موجود ہوں گی۔ لہذا تدبیر عالم اس قوت سے کرتے ہیں۔ ولایت میں سب کچھ شامل ہے۔ اس  
 شے کو بڑے شد و مد کے ساتھ پیش کیا جاتا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر ان بیانات کو تحقیق کی کسوٹی پر پکھا جائے تو یہ بالکل  
 ناقص العیار اور حکماء و صوفیہ کے تخیلات فاسدہ کی پیداوار معلوم ہوتے ہیں۔ فلاسفہ بڑھم خود اس سے بی ثبات کرنا چاہتے  
 ہیں کہ "حادثہ زمانی کا ارتباط قدیم کے ساتھ بغیر واسطہ محال ہے۔ اس لئے انہوں نے "ارباب الانواع" والا ایک فاسد  
 نظریہ اخراج کیا کہ ہر نوع کا علیحدہ علیحدہ ایک ایک رب ہے جو خدا کی کسی خاص صفت کا مظہر ہوتا ہے جس سے اس صفت کا  
 ظہور اور مخلوق پر فیضان ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے خالق قدیم اور مخلوق حادث کے درمیان ربط و ارتباط کا سلسلہ قائم ہے  
 اور صوفیہ اس سے وحدت الوجود یا وحدت الشہود کو ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ جیسا کہ کتاب الجمل مثلاً پر لکھا ہے الظاہر  
 والمظہور شئی واحد یعنی "مظہر جس سے کسی صفت خدا کا ظہور ہوتا ہے (اور ظاہر خداوند عالم) درحقیقت ایک ہی چیز ہیں"  
 اسی وجہ سے علی الدین (بلکہ مہیت الدین) ابن العربی نے اپنے رسالہ فصوص الحکم کے خطبہ میں لکھا ہے سبحان من خلق  
 الاشیاء وهو عینہا الخ۔۔۔ پاک ہے وہ خدا جس نے چیزوں کو پیدا کیا حالانکہ وہ خود بعینہ وہی اشیاء ہے۔ (صرف  
 ظاہر و مظہر کے مراتب کا اعتباری فرق ہے کہ در مرتبہ خالق در مرتبہ مخلوق) (معاذ اللہ) لیکن ہر گز یہ ہر دو نظریات عام محقق  
 علماء اسلام کے نزدیک بالعموم اور شیعہ علماء اعلام کے نزدیک بالخصوص باطل ہیں۔ لہذا ان کے نزدیک یہ ظاہر و مظہر والی  
 قرین بحث بالکل بے اصل و بے بنیاد ہے۔ عقائد ایمان کی بنیاد فلاسفہ یونان یا نام نہاد صوفیائے اسلام کے مروجہات  
 فاسدہ و نظریات کاسدہ پر نہیں رکھی جاسکتی۔ بلکہ جیسا کہ دیباچہ میں ثابت کیا جا چکا ہے۔ اصول عقائد کی دیوار آیات محکمہ اور  
 روایات متواترہ پر استوار ہونی لازم ہے۔ اور یہاں صورت حال یہ ہے کہ اس قسم کی کوئی صریح الدلائل معتبر خبر واحد

نہ یہ فرقہ بھی اپنے آپ کو اسلامی فرقوں میں شمار کرتا ہے۔ ارباب دانش و تہذیب جانتے ہیں کہ یہ فرقہ بنی امیہ کی اسلام اور اہل بیت علیہم السلام  
 کے خلاف ایک گہری سازش کی پیداوار ہے۔ وہ چاہتے تھے کہ اس بغاوت پر صوفیوں پر مشتمل بد مذہب و بد منش گروہ کے ذریعہ ظاہری اقتدار  
 کے ساتھ ساتھ اہل بیت نبوت سے روحانی اقتدار بھی سلب کر لیں چنانچہ اسی باطل مقصد کے پیش نظر حکومت کے سایہ عاطفت میں اس  
 کاسد العقیدہ و العمل جماعت کی نشوونما کر کے پروان چڑھایا گیا۔ اور ان کے بڑے بڑے کشف و کرامات عوام الناس میں مشہور کئے گئے۔  
 حکومت الناس میں ان کی طرف متوجہ کر کے اہل بیت رسالت کے صحراء و کمالات کی طرف سے ان کی توجہ پٹائی جا سکے اسی لئے حضرت امام  
 جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں "الصوفیۃ کلہم من مخالفینا و طریقۃ فہم بغاۃ و طغیۃ یقتلنا۔ صوفی سب کے سب  
 ہمارے دشمن ہیں اور ان کا طریقہ ہمارے طریقہ کے خلاف ہے (حقیقۃ العرفان ص ۱۷۰ بحوالہ مدقۃ الشیعہ از مقدس اور دبیلی وغیرہ) اسی  
 طرح دیگر ائمہ اطہار نے اس باطل فرقہ کی بہت مذمت فرمائی ہے۔ اور ہمارے علماء اعلام نے بھی ہمیشہ اس موضوع پر خاص توہم و متنبہ  
 لکے اس گروہ کے نظریات باطلہ کا ابطال فرمایا ہے (منہ صفحہ ۷)



یہی کتب معتبرہ میں نہیں ملتی۔ تاہم آیات حکمت و روایات متواترات چرچہ رسد، ان آیت مبارکہ "فلا اسماء الحسنیٰ" کی تفسیر میں وارد شدہ بعض روایات میں ائمہ اطہار سے یہ ضرور مروی ہے کہ عن الاسماء الحسنیٰ التي لا يقبل الله عمل عبدا الا بمعرفتنا "ہم خدا کے وہ اسماء حسنیٰ ہیں جن کی معرفت کے بغیر خداوند عالم کسی بندے کا عمل قبول نہیں کرتا۔ لیکن ان روایات سے مذکورہ بالا مطلب پر استدلال کرنا بچند وجہ صحیح نہیں ہے۔

اولاً۔ اس لئے کہ یہ روایت خبر واحد ہونے کی وجہ سے اصول عقائد میں حجت شرعیہ نہیں ہو سکتی۔  
ثانیاً۔ اس لئے کہ یہ روایت احتمالات کثیرہ رکھنے کی وجہ سے مجمل ہے۔ اور محمل تو آیت بھی ہو تو عقائد میں حجت نہیں ہو سکتی بلکہ آیت حکم ضروری ہے۔ اچھا جائیکہ روایت اور وہ بھی خبر واحد۔

ثالثاً۔ اس اجمال کی تفصیل اور صحیح مفہیم و معانی کی توضیح ذیل میں پیش کی جاتی ہے۔  
دعا ممکن ہے کہ ان روایات سے مراد یہ ہو کہ جس طرح خدا کا اسم اعظم اور دیگر ظاہری اسماء حسنیٰ بندوں کی دعاؤں کے قبول کا ذریعہ ہیں۔ اسی طرح ائمہ اطہار کے اسماء حسنیٰ قبولیت و دعا کا سبب ہیں۔ چنانچہ اور لوگوں کا تو ذکر ہی کیا ہے روایات کثیرہ سے ثابت ہے کہ انبیاء و سلف کی مشکلات بھی انہی ذوات مقدسہ کے اسماء مبارکہ کے ساتھ توسل کرنے سے حل ہوئی ہیں۔ اس کی تفصیل پانچویں باب میں آ رہی ہے۔

(۷) ممکن ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ ہمارا وجود خداوند عالم کے موجود ہونے کی قطعی دلیل ہے کیونکہ جس طرح دلالت لفظی الفاظ کے ذریعہ سے ہوتی ہے اسی طرح دلالت موجودی وجود کے ذریعہ سے ہوتی ہے اور اس طرح اگرچہ کائنات کا ہر ذرہ ذات باری کی کے وجود منبہ کل وجود پر دلالت کرتا ہے۔

وفي كل شئ له آية تتدل على انه واحد

مگر انسان کامل کا وجود خدا کے وجود کی سب سے بڑی علامت ہے۔

وهذه آية دونهم كل اية

علامہ محسن فیض علیہ الرحمہ لکھتے ہیں فان الدلالة كما يكون بالفاظ كذلك يكون بالذوات من غير فوق بلين مما فيما يؤل الى المعنى بمعنى ومفہوم کے اعتبار سے دلالت لفظی اور دلالت وجودی میں کوئی فرق نہیں ہے (علم الیقین ص ۳) کذا في هذه اية المسترشدين فحينئذ نقول ان كل شئ من مخلوقاتم هـ اسم له دلالة جميع الموجودات عليه سبحانه فان الدلالة كما تكون بالالفاظ كذلك تكون بالذوات یعنی اس طرح عالم کی ہر چیز خدا کا اسم وجودی ہے کیونکہ تمام موجودات عالم اس کے اسی طرح ذات کے ذریعہ بھی ہو سکتی ہے (۷) ممکن ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ خدا کی طرف یہ نسبت اسماء اللہ یعنی اللہ کے اسماء ان ذوات مقدسہ کے انتہائی قرب کی وجہ سے ہو جس طرح خانہ کعبہ کو بیت اللہ اور حضرت عیسیٰ کو روح اللہ اور کلمہ اللہ کہا جاتا ہے۔ اسی طرح



بزرگواروں کی عظمت و جلالت کی بنا پر ان کو اسماء اللہ کہہ دیا گیا ہو۔

(۴) ممکن ہے کہ چونکہ ان بزرگواروں کے اسماء خداوند عالم کے اسماء سے مشتق ہیں جیسا کہ اور بعض روایات میں وارد ہے۔ اس لئے ان حضرات کو بطور کتابہ اسماء اللہ کہہ دیا گیا ہو چنانچہ خود حضرت صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے وکتبی عن اسمائنا باحسن الاسماء واجہا وصنی اضدادنا واعدائنا فی کتابہ با بغض الاسماء الیہ یعنی خدا نے ہمیں بطور کتابہ اچھے اور پسندیدہ اسماء سے یاد کیا ہے اور ہمارے دشمنوں کو بُرے ناموں سے یاد فرمایا ہے۔  
(کفایۃ الموحدین ج ۱ ص ۲۴) میں جس روایت میں اس قدر صحیح معانی کے احتمالات موجود ہیں۔ اس سے خواہ مخواہ کوئی غلط معنی اخذ کر کے اس پر کسیوں کو عقیدہ کی بنیاد رکھتی یا سکتی ہے؟

مذکورہ بالا تمام تحقیق انہی کتاب مستطاب کفایۃ الموحدین ج ۱ ص ۲۴ طبع ایران سے مانو ذہبے چنانچہ کتاب مذکور کے مصنف علام نے اس قسم کی بعض روایات (مخبر دلائل اسماء الحسنی) نقل کرنے کے بعد لکھا ہے "ایں روایات مجمل اند علی الظاہر و دلالت بر مقصود او نہ اند" یہ عبارتیں بظاہر مجمل ہیں۔ اور اس (شیخ احسانی) کے مقصد پر دلالت نہیں کرتیں۔ بعد ازیں محتمل است کہہ کر وہی چند احتمالات مجموعہ ذکر فرمائے ہیں جن کا خلاصہ ہم نے پیش کر دیا ہے اور آخر کلام میں ص ۲۴ پر تحریر فرمایا ہے

"و بالمجملہ حدیثی کہ امام علیہ السلام بفرمایا کہ مراد باں کتابہ است و بجائے اذیشان در مجملات نہ سیدہ باشد

و بعد ایں احتمالات کہ بعضے اذ انہا را خود خصم نیز ذکر نمودہ ایمای شود کہ اذ بابتہ رجم بالغیب اور اذ میل اذ برائے امر سے قرار داد دیا جائز است اذ برائے احدى از اہل علم کہ باں تقوہ بناسیدہ اور اذ میل اذ برائے دعائے خود قرار دادن در مسئلہ از مسائل شرعیہ فصلنا در چنین مسئلہ اذ تو حید کہ منفرعت پر و ہمہ الامادات و وجود اگر اقامہ توحید الہی و تشہید دین جناب اقدس نبوی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم با چنین نمود پس علی الاسلام السلام فان اللہ وانا الیہ راجعون۔"

یعنی "خلاصہ کلام یہ کہ جس حدیث کے بارہ میں خود امام علیہ السلام یہ فرمائیں کہ اس سے مراد کتابہ ہے اور مجملات کی تفصیل میں ان کی طرف سے کوئی صریح بیان بھی نہ ہے اور اس (مجمل کلام) میں یہ تمام (مذکورہ بالا) احتمالات موجود ہیں جن میں بعض کا اقرار تو مخالف (شیخ احسانی) کو بھی ہے آیا محض رجم بالغیب کے طور پر اسے کسی دعویٰ کی دلیل قرار دیا جاسکتا ہے یا کسی اہل علم کے لئے ایسی بات کرنا روا بھی ہے؟ یا اسے کسی بھی مسئلہ میں چہ جائیکہ مسئلہ توحید میں جس سے سب کفر و الکاف منفرع ہوتے ہیں۔ ایسے کلام کو دلیل کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے؟ اگر توحید کا قیام اور رسالت کا بے کے دین کا نظام اسی چیز کا نام ہے تو پھر اسلام پر سلام ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس عالم جمیل کے اس گرفتار بیان پر ہم مزید کسی تبصروہ و کلام کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ کیونکہ "آج کا عیاں است چہ حاجت بیان است"



اسی طرح کتاب مستجاب عقل دہین ج ۱ ص ۲۹ طبع ایران میں مذکورہ بالا بعض احتمالات ذکر کئے گئے ہیں اور آخر میں لکھا ہے

”و بالجملہ اجماع جمیع مسلمین و ضروری اسلام آنست کہ خدا را اسماء حسنی ثبیت و آیات و اخبار معلوم است از ان واحد سے انکار ندارد۔ جو شیخ احسانی و اتباعش در کتاب صفاتی و سایر کتب روایت کرده اند از امیر المؤمنین علیہ السلام کہ فرمود اللہ بزرگ ترین نام ہے است از نامہا و اسماء الہی کہ سزاوار نیست بر غیر خداوند اطلاق شود۔ پس باید دانست کہ سنانیک محمد و آل محمد اور اصفاۃ خدا یا خالق یا رازق بداند مانند نصاریٰ کہ دیتی صیغی ادعا کیا کرتے ہیں کہ خدا از اسلام خارج ہے بلکہ بالاترین علم رانہیت بال محمد روا داشتند و ایشان را شریک خدا قرار دادہ اند۔ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ تمام مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ خدا کے اسماء حسنی میں آیات و روایات اس سے لبریز ہیں سوائے شیخ احسانی اور اس کے اتباع کے کوئی ان کا منکر نہیں۔ تفسیر صفاتی وغیرہ تمام کتب تفسیر و حدیث میں حضرت امیر سے مروی ہے فرمایا خدا کے تمام ناموں سے زیادہ بزرگ و بزرگ نام ”اللہ“ ہے جو غیر خدا پر نہیں بولا جاسکتا۔ پس جو لوگ محمد و آل محمد علیہم السلام کو خدا کی صفات یا ان کو خالق و رازق جانتے ہیں وہ دائرۃ اسلام سے خارج ہیں۔ ان لوگوں نے ان ذوات مقدسہ پر بڑا ظلم کیا ہے کہ ان کو خدا کا شریک قرار دے دیا ہے۔ تعالیٰ عما یقول الظالمون علواً کبیراً۔“

**پانچواں شبہ اور اس کا جواب**  
 کہا جاتا ہے کہ چونکہ ائمہ اہل بیت علیہم السلام وسیلہ اور واسطہ فیض ہیں۔ لہذا اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ وہ خدا سے لیتے ہیں اور مخلوق کو پہنچاتے ہیں۔ یہ شبہ دراصل وسیلہ و واسطہ کے مفہوم کو نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے حالانکہ ارباب دانش و بینش بخفی و مستور نہیں ہے کہ ان ذوات مقدسہ کے واسطہ فیض ہونے کا صحیح مطلب یہ ہے کہ یہ بزرگوار باعث تخلیق موجودات اور علت غائی ممکنات ہیں۔ اگر خدا نے آسمان کا شامیہ نہ لگایا ہے تو ان کی خاطر اگر زمین کا فرش بچھایا ہے تو ان کی وجہ سے۔ اگر آفتاب و مانتاب کی تندی میں روشن کی ہیں تو ان کے طفیل، غرض کہ کائنات کا ذرہ ذرہ کو خلعت و جو تجلی گئی ہے تو ان کے صدقہ میں۔ اگر یہ نہ ہوتے تو کائنات کی کوئی چیز کتم عدم سے نکل کر عرصہ وجود میں قدم نہ رکھتی۔ کما ورد فی الروایات لو لاہم لما خلق اللہ آدم ولا حوا ولا الجنة ولا النار ولا الارض ولا السماء ولا شیئاً مما خلق صلوات اللہ علیہم اجمعین (عقائد شیخ صدوق و مقدمہ تفسیر مرآۃ الانوار وغیرہ) اور یہی حدیث لولاک لما خلقت الافلاک کا مناد ہے۔ (اگر یہ بزرگوار نہ ہوتے تو خدا نہ آدم کو پیدا کرتا نہ حوا کو، نہ جنت کو نہ جہنم کو، نہ زمین کو نہ آسمان کو اور نہ کسی اور مخلوق کو)۔ لہذا سلسلہ موجودات کا قیام، فیض و برکات (خداوندی) کا نزول اور ان کا دوام خدا کے بعد اپنی ذوات مقدسہ کا مہربان منت و ممنون احسان ہے۔ اسی طرح ان کے وسیلہ و واسطہ فیض ہونے کا یہ مفہوم بھی درست



ہے کہ ان کی شفاعت سے خداوند عالم رزق دیتا ہے۔ ان کی سفارش سے اولاد مرحمت فرماتا ہے۔ ان کے سوال کرنے سے بیماروں کو شفاعتی ہے اور انہی کی دعا و استدعا سے اہل دنیا کے مشکلات و مصائب دور ہوتے ہیں۔ غرضیکہ نظام دنیا کا بھائے دوام انہی حضرات کی شفاعت و سفارش کے ساتھ وابستہ ہے جیسا کہ قبل ازیں اس موضوع پر تفصیلی گفتگو کی جا چکی ہے اسی بنا پر یہ بزرگوار فرماتے ہیں: "بنا ائتموت الاشجار و البینعت الا انما وجود جوت الانهار و نزل الغيث من السماء و نبت عشب الارض الخ" ہمارے طفیل درخت چل دیتے ہیں۔ ہمارے صدقہ میں چل پکتے ہیں۔ ہماری وجہ سے نہریں جاری ہوتی ہیں۔ ہمارے سبب سے آسمان سے بارش برستی ہے اور ہمارے باعث زمین سے گھاس اگتی ہے۔ الخ (بخاری ج ۱، ص ۲۹۹) موجودہ دور میں محبت خدا حضرت امام العصر الزمان میں۔ جن کے تعلق دعا کے طریقہ میں وارد ہے ببقائه یقیمت الدنیا و بینہ رزق الودی و بوجود ثبوت الارض و السماء یعنی ان کی بقا کی برکت سے دنیا باقی ہے اور ان کے وجود و مسودگی برکت سے زمین و آسمان قائم ہیں اور ان کے عین و برکت سے لوگوں کو رزق مل رہا ہے (منافع الجنان ص ۵۸)

قدم سے مہدی دین کے میں قائم ہے پانی پر تھرا کشتی دنیا کے ننگ ایسے ہوتے ہیں

زیادت جامعہ کبیرہ میں ان افعال کے حقیقی فاعل کی تصریح موجود ہے کہ خداوند عالم ہے بلکہ فخر اللہ دیکھ۔ یختم و یکم یفزل الغیث دیکھ۔ یمسک السماء ان تقع علی الارض خدا نے آپ سے ہی کائنات کا آغاز کیا۔ اور آپ پر ہی اس کا اختتام کرے گا۔ اور آپ کی برکت سے خدا آسمان کو زمین پر گرنے سے روکتا ہے اور آپ کی برکت سے بارش برساتا ہے (منافع الجنان ص ۵۸)

پس معلوم ہوا کہ یہ کام خود خدا انجام دیتا ہے نہ کہ اہل بیت۔ بعض لوگ ایسی احادیث دیکھ کر جن میں بنا ائتموت الاشجار و جوت الانهار الخ جیسے الفاظ وارد ہیں ان سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں۔ کہ یہ کام خود ائمہ اہل بیت انجام دیتے ہیں۔ یہ طلب محض غلط ہے۔ ان احادیث میں باء سببیہ موجود ہے جس کا وہی مطلب ہے جو اوپر بیان کر دیا گیا ہے۔ کہ ان بزرگواروں کی برکت سے یہ سب امور انجام پاتے ہیں۔ اس امر کی تائید مزید ان بعض احادیث سے بھی ہوتی ہے جن میں اس قسم کے الفاظ بعض کامل الایمان مومنین کے متعلق وارد ہوئے ہیں۔ چنانچہ تحف العقول ص ۴۹ پر حضرت صادق علیہ السلام سے اہل ایمان کی چوتین تسمیں مروی ہیں۔ ان میں سے طبقہ اعلیٰ کے متعلق آپ فرماتے ہیں "یہم یشفی اللہ السقیم و یغنی العدیم و یہم تنصرون و یہم تخطرون و یہم تدرقون فہم الاقلون عدد الا اعظمون قدراً و خطراً۔ ان کی وجہ سے خدا بیمار کو شفا اور غریب کو مالدار بناتا ہے انہی کے طفیل تمہاری نصرت کی جاتی ہے، بارش برساتی جاتی ہے۔ اور

نہ اسے سببیت کی تفصیل معلوم کرنے کے لئے کتاب معنی الطیب ج ۱ ص ۱۵۷ طبع معر وغیرہ کتب کوئی طرف رجوع کریں (منہ عنی عسرا)



انہی کی برکت سے تمہیں رزق ملتا ہے۔ یہ لوگ اگرچہ تعداد میں قلیل ہیں۔ مگر قدر و منزلت کے اعتبار سے عظیم ہیں۔ اسی طرح  
 عمل الشرائع (مذہب) والی حدیث باقری میں بھی ان افعال کے قائل کی تصریح موجود ہے کہ ”بہم یوزق اللہ عبادہ“  
 خدا ان کی برکت سے رزق دیتا ہے۔ اسی طرح جناب امام محمد باقر علیہ السلام اپنے ابا دھاری کے سلسلہ سند کے جناب  
 امیر المومنین کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ آنجناب نے فرمایا صاقت الارض بسبعة بہم تنزقون و بہم تنصرون  
 و بہم تمطون منہم سلمان الفارسی و المقداد و ابوذر و عمار و حذیفہ رحمۃ اللہ علیہم و کان علی  
 یقول وانا امامہم و ہم الذین صلوا علی فاطمۃ علیہا السلام (آج) سات آدمیوں کے لئے زمین خدا تنگ  
 ہے حالانکہ ان کی برکت سے تمہیں رزق ملتا ہے۔ اور انہی کی طفیل تمہاری نصرت و امداد کی جاتی ہے اور انہی کی وجہ سے  
 بارش پڑتی ہے۔ ان میں سے سلمان، مقداد، ابوذر، عمار اور حذیفہ علیہم الرحمہ ہیں جنہاں میں فرماتے ہیں اور میں ان کا امام  
 ہوں۔ یہی وہ حضرات ہیں جنہوں نے جناب سیدہ کی نماز جنازہ میں شرکت کی تھی۔ رجال کشی رجال ما تقانی

۲۵ ۲۶

معنی نہ رہے کہ خصال ۲۷ پر میں صاقت الارض بسبعة کی بجائے خلقت الارض بسعة وارد  
 ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ زمین سات آدمیوں کی وجہ سے پیدا کی گئی ہے یا بقول جناب شیخ صدوق اپنے وقت میں  
 زمین سے صحیح فائدہ سات شخصوں نے حاصل کیا ہے۔ والاول اظہر نقلاً و معناً اللہ العالم۔  
 کیا کوئی شخص ان احادیث کے پیش نظر تسلیم کر سکتا ہے کہ کامل اہل ایمان ان امور کو خود انجام دیتے ہیں۔ اور وہ باذن اللہ  
 خالق و رازق و معیت میں (معاذ اللہ) بہر حال ان کے واسطہ فیض اور وسیع ہونے کا مفہوم کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے  
 کہ وہ خدا سے لیتے ہیں اور مخلوق کو دیتے ہیں۔ یعنی نظام عالم کو خود چلاتے ہیں۔ چنانچہ عالم جلیل فخر الحاج آقا سید عبدالحسین  
 اپنی کتاب الکلم الطیب و تقریر بقایہ اسلام ج ۱ ص ۱۱۹ مطبوعہ اصفہان پر ائمہ اطہار کے واسطہ فیض ہونے کی اسی طرح  
 وضاحت کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

”مکن واسطہ فیض بودن باین معنی کہ از خدا بگیرند و بخلق بھند چنانچہ بعضے گمان کردہ اند درست نیست و نہ

تنبہا دیلے برائے اثبات آن دعا تہ اندر یکدہ بر خلاف آن قسم است و این عقیدہ با توحید افعالی

منافات دارد“

”یعنی ائمہ اطہار کا باین معنی واسطہ فیض ہونا کہ وہ خدا سے لیتے ہیں اور مخلوق کو دیتے ہیں جیسا کہ بعض لوگوں کا گمان ہے  
 درست نہیں ہے علاوہ اس کے کہ اس مطلب کے اثبات پر ان لوگوں کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ اس کے برخلاف  
 دلائل موجود ہیں اور یہ عقیدہ رکھنا توحید افعالی کے منافی ہے۔“ توحید افعالی کا صحیح مفہوم اسی کتاب کے ”اپریوں  
 بیان کیا گیا ہے۔“



”وہم ادا از توسید افعال ایست کہ ہر ائے واجب الوجود در افعال از قبیل خالقیت و رازقیت و ایجاد امانت و عطا و منع وغیرہ شریک نمی باشد و بقدرت کاملہ خود میا فرزند و روزی می دم و حیات می بخشد و میمیراند و زندہ می کنند و در هیچ کارے احتیاج بمعین و ملک کنندہ ندارد“

یعنی توسیداً فعال سے مراد یہ ہے کہ واجب الوجود (قہار) اپنے افعال مثل خالقیت، رازقیت اور امانت و ایجاد وغیرہ میں کوئی شریک نہیں ہے بلکہ وہ خود ہی اپنی قدرت کا طے پیدا کرتا ہے، مدد دیتا ہے، زندگی عطا کرتا ہے اور مارتا و مہلتا ہے۔ بغرض کہ وہ اپنے کسی فعل میں بھی کسی معین و مددگار کا محتاج نہیں ہے۔ تا علاوہ بریں واسطہ و وسیلہ کے درمیان جو باریک فرق ہے وہ اسباب علم و معرفت پر پوشیدہ نہیں ہے۔ اور میں وسیلہ تلاش کرنے کا حکم دیا گیا ہے نہ واسطہ کا ”یا ایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ، وابتغوا الیہ الوسیلۃ“ بالخصوص واسطہ فیض کو جن معنوں میں یہ حضرات مراد سے رہے ہیں۔ علمائے عقیدہ کی تصریحات کے پیش نظر اس کی نفی کرنا ضرورت دین میں سے ہے چنانچہ سید العلماء مولانا تاج حسین مکتوی حدیقہ سلطانیہ ج ۳ ص ۱۹ پر فرماتے ہیں۔

”نفی واسطہ فی الخلق از ضروریات دین است“

یعنی خلق کرنے میں خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ کی نفی کرنا ضروریات دین میں سے ہے۔ اور ص ۸۷ پر لکھا ہے کہ ”در روایات دیگر ماثور است کہ قول آلاء واسطہ کفر است“

یعنی روایات میں وارد ہے کہ دہلہ بیٹ رسول کو خلق کرنے اور رزق دینے میں آلاء اور واسطہ کہنے والا قول کفر ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ واسطہ فیض کے وہی معنی درست ہیں۔ جو ہم نے بیان کر دیئے ہیں۔ اور جو یہ حضرات بیان کر رہے ہیں۔ وہ ضروریات دین کے خلاف ہے ومن یتبعہ قیوالا سلام دینا فان یقبل منہ

→ اور یہی صحیح مفہوم ہے حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے اس ارشاد کا کہ نحن صنائع وبناء الخلق بعد صنائکم لانا یعنی خدا نے ہمیں اپنی ذات کی خاطر پیدا کیا ہے۔ اور باقی مخلوق کو ہماری وجہ سے۔ مقصد یہ کہ یہ درگوار علت و خالق ممکنات ہیں۔ اس مفہوم سے اس پر کوئی زد نہیں پڑتی۔ کہ حدیث میں فقرہ صنائع لانا لام کے ساتھ پڑھا جائے جیسا کہ پنج البلاغہ ج ۳ ص ۲۷ طبع مصر میں موجود ہے یا ”صنائعنا“ بغیر لام کے اضافت کے ساتھ پڑھا جائے جیسا کہ احتجاج طبری ص ۲۷ طبع النجف پر موجود ہے۔ کیونکہ اہل علم جانتے ہیں کہ اضافت میں ہمیشہ ایک حرف مستتر ہوتا ہے۔ ”من“ یا ”فی“ یا ”لام“ اس لئے اضافت کی تین قسمیں قرار دی گئی ہیں ۱۔ اضافت مستی ۲۔ اضافت قوی ۳۔ قوی مستی۔ کوئی بھی اضافت ان اقسام سے خارج نہیں ہوتی۔ لہذا اس اضافت (صنائعنا) کو بھی انہی میں سے کسی ایک قسم میں داخل کرنا چاہئے گا۔ پہلی دو قسمیں تو یہاں بالبداهت مراد ہونیں سکتیں۔ لہذا اضافت لمی ہی تسلیم کرنا چاہئے گی وھذا اھو المطلوب۔ اس کے یہ معنی بالکل غلط اور باطل ہیں کہ ”ہم اپنے رب کی صنعتیں ہیں اور تمام مخلوقات اس کے بعد ہماری صنعتیں ہیں۔“



محقق الموسوی: اپنی کتاب فواعل الانوار میں اس حدیث کو دونوں الفاظ کے ساتھ نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔  
 "اقول والمعنی فی کلیہما ای عن مخلوق اللہ والمخلوق کلمہ مخلوقون لاجلنا بقولہ تعالیٰ لولاک لما خلقت  
 الافلاك لانہم خالقون وصانعون کما هو مفاد الظاہ لانه کفوفہ فندقة لیس من مذهبنا  
 معشوا لامامیۃ رضوان اللہ علیہم" بل ذلک مذهب الغلاة یعنی میں کہتا ہوں کہ دونوں طرح اس حدیث  
 کا مفہوم یہ ہے کہ ہمیں خدا نے اپنے لئے خلق فرمایا ہے۔ اور باقی تمام مخلوق کو ہماری وجہ سے پیدا کیا ہے جیسا کہ  
 (حدیث قدسی) میں خدا کا فرمان ہے۔ "اے رسول! اگر تجھے پیدا نہ کرتا تو افلاک کو پیدا نہ کرتا۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں  
 کہ یہ بزرگوں اور مخلوق کے پیدا کرنے اور بنانے والے ہیں۔ کیونکہ یہ عقیدہ سراسر کفر و زندقہ ہے۔ ہم شیعین اہل بیت کا  
 یہ عقیدہ نہیں۔ بلکہ یہ غالیوں کا فاسد عقیدہ ہے۔ ان حضرات کے مدوح خاص آقائے موسوی کی فرمائش سے واضح  
 ہو گیا کہ یہ حضرات غالیوں کے عقائد فاسدہ کی نشر و اشاعت کر رہے ہیں۔

**چھٹا شبہ اور اس کا جواب**  
 بعض بدعقیدہ روضہ خوان اور نیم لما خطرہ ایمان قسم کے لوگ حدیث شریف صادقہ  
 خلق اللہ المشیۃ بنفسہا ثم خلق الاشیاء بالمشیتۃ "کھدانے شیت  
 کو خود بخود خلق فرمایا اور پھر دوسری اشیا کو مشیت کے ساتھ پیدا کیا۔" میں وارد شدہ لفظ "مشیت" سے ائمہ اطہار کو  
 مراد لیتے ہیں۔ کہ خدا نے ان کے ذریعہ کائنات کو پیدا کیا ہے یعنی یہ حضرات تخلیق کائنات کے کارندہ ہیں یہ اس حدیث کا  
 کا صحیح مفہوم نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے اور یہ تحقیق ہے کہ یہی ناگہی مخفی تو معارف کے راستہ میں ننگ گراں ہے۔ یہ کیف  
 علاوہ اس کے کہ یہ خبر واحد ہے جس کے ساتھ اصول عقائد میں ٹسک کرنا جائز نہیں ہے۔ اس حدیث کا صحیح مطلب یہ ہے  
 کہ امام عالی مقام چاہتے ہیں۔ کہ خداوند عالم کا قائل مختار ہونا ثابت کریں۔ اختلاف اکثر فلاسفہ کے جو خدا کو قائل موجب  
 و مسلوب الاختیار سمجھتے ہیں۔ مشیت سے مراد ارادہ خداوندی ہے جو کہ خدا کے صفات فعلیہ میں سے ہے نہ کہ صفات  
 ذاتیہ سے اس کی پوری تحقیق احسن الفوائد میں دیکھی جائے اس طرح اب اس حدیث شریف کا مفہوم یہ ہو گا کہ خدا نے  
 ارادہ کو خود بخود (یا کسی اور ارادہ کے) پیدا کیا ہے کیونکہ اگر ہر ارادہ دوسرے ارادہ کا محتاج ہو تو دور یا تسلسل  
 لازم آئے گا۔ اور یہ قطعی بات ہے اور پھر تمام اشیاء کو اپنے ارادہ و اختیار سے پیدا کیا ہے۔ یہ معنی بالکل واضح و آشکار اور  
 بے غبار ہیں۔ معمولی علم و بصیرت رکھنے والا آدمی بھی یا سانی سمجھ سکتا ہے اور یہی علمائے اعلام کی تحقیق انبیاء ہے چنانچہ  
 یہ العلماء یہ حسیں مکتوی سے فقیر سلطان بیچ احصاء پر اس حدیث کے متعلق بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"غرض اس حدیث کی آیت کوئی تعالیٰ چنان قرار دے کہ ہر چیز سے ہر ارادہ واقع شود و معانی ارادہ را سابق ہر

دانستہ زان کہ مشیت و ارادہ ہرے مستقل الوجود است کہ آکہ دیا واسطہ خلق میان خالق و مخلوق است۔ او



مسمی بمشیت اللہ و قدرۃ اللہ چنانکہ اس جماعت تو ہم کردہ اللہ الخ

یعنی امام علیہ السلام کی غرض یہ بیان کرنا ہے کہ خداوند عالم نے اس عالم کا سلسلہ کچھ اس طرح قائم کیا ہے کہ ہر چیز اس کے ارادہ کے تحت واقع ہوتی ہے اور خدا کے ارادہ کے معافی قبل ازیں تم معلوم کر چکے ہو۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مشیت و ارادہ کوئی مستقل وجود رکھنے والی چیز ہے جس کا نام "مشیت اللہ" و "قدرت اللہ" ہے جو خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ خلق ہے (کہ خدا اس کے ذریعہ چیزوں کو پیدا کرتا ہے) جیسا کہ اس جماعت (مفوضہ و شیعہ) نے توہم کیا ہے۔ اسی کتاب کی ج ۲ مبحث امامت ص ۱۹ پر اسی موضوع کے متعلق لکھا ہے

"ظاہر است کہ مشیت نام عزم ارادہ است و ماخوذ از شائد، مشیتہ و از جوہر متواتر گفت الخ

یعنی واضح ہے کہ مشیت نام ہے عزم و ارادہ کا جو باب شائد کا مصدر ہے۔ "یہ عرض اور قائم بالغیر تھا اسے جوہر قائم بنفسہ، قرار نہیں دیا جاسکتا۔ نیز اسی صفحہ پر لکھا ہے کہ

"نقی واسطہ در خلق از ضروریات دینی است"

یعنی خلقت عالم میں واسطہ کی نفی کرنا ضروریات دین میں سے ہے۔"

اسی طرح صاحب رسالہ ہدایۃ المسترشدین نے معرفۃ اصول الدین طبع نجف ص ۱۱ پر اسی حدیث کا مفہوم بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔ "فلو کان خلق المشیۃ بمشیۃ اخری للزم التسلسل الذی لانہایۃ لہ والمشیۃ

تنقسم الی قسمین مشیۃ تکوینیۃ و مشیۃ تظیفیۃ اول تشریعیۃ ولا مشاحۃ فی التسمیۃ والمشیۃ

المشیۃ الیٰ ہی الارادۃ التکوینیۃ الخ یعنی "اگر خدا مشیت کو بھی کسی اور مشیت کے ساتھ پیدا کرتا تو اس سے تسلسل لازم آتا مشیت کی دو قسمیں ہیں مشیت تکوینی اور مشیت تشریعی۔ اور مشیت سے مراد ارادہ ہے جو ازلی بذات

صفت (فعل) ہے پس خدا نے تمام موجودات کو اسی مشیت کے ساتھ جو یعنی ارادہ تکوینی ہے خلق فرمایا ہے۔" (انما

امور اذا اراد شیئاً ان یقول لہ کن فیکون) بہر حال اللہ ظاہرین مخلوقات اللہ علیہم اجمعین مشیت اللہ کا عمل میں کہا

ورد فی بعض الزیادات السلام علی محال مشیت اللہ، نہ کہ خود مشیت اللہ۔ امام زمان علیہ السلام فرماتے ہیں قلوبنا ادعیۃ لمشیۃ اللہ۔ فاذا اشاء شئنا ہمارے دل اللہ کی مشیت کے تحت ہیں۔ جب وہ کچھ چاہتا ہے تو ہم بھی

چاہتے ہیں (بجاء ص ۳۱) اگر کسی جگہ ان پر مشیت ٹھکا اطلاق ہوا ہے تو یہ اللہ، بین اللہ وغیرہ کی طرح من باب الجائزہ ان کی مشیت مشیت ایزدی کے تحت ہے۔ خواہ وہ امور تکوینیہ کے متعلق ہو یا امور تشریعیہ کے متعلق۔

دوہر حال میں واقعی برضائے الہی و تابع مشیت خدا فی ہیں۔ جیسا کہ ان کی مدح و ثنا میں خود خدا نے متعال ارشاد فرماتا ہے

وما تشاؤون الا ان یشاء اللہ وما تشاء اللہ کان وما لم یشاء لہم یکن (ارشاد رسول ماضیہ غایتہ الباقی ص ۳۲)



د قال سر اللہ فی العالمین ۛ

دقینا قسمتہ المیاد فینا لنا علم وللجمال مال

الغرض وہ اس طرح "فنا فی مشیت اللہ" میں کہ گویا مجسم مشیت اللہ میں۔ و بذاتہ لا یعتوبہ شک و لکن این ہذا

من خالک

کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آیت مجیدہ فقہارک اللہ احسن الخالقین  
ساتواں شعبہ اور اُس کا جواب میں اپنے سوا دیگر خالقین کا اعلان کیا ہے اور اپنی ذات کو ان خالقین میں سے

فرمایا ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ غیر خدا کا خالق ہونا شرک نہیں ہے۔ واللہ خیر الوافقین میں خدا نے اپنے سوا دیگر  
رافقین کے وجود کا اعلان کیا ہے اور اپنی ذات کو ان رافقین میں افضل فرمایا ہے لہذا غیر خدا کا رافق ہونا شرک نہیں  
ہے۔ یہ شعبہ بوجہ چند در چند حقیقت و حال کے سمجھنے میں تسامح و چشم پوشی کرنے پر مبنی ہے اگرچہ ہم احسن الفوائد میں بطریق احسن  
اس شبہ کا قلع قمع کر چکے ہیں۔ لیکن چونکہ اسے تازہ شائع شدہ بعض کتب و رسائل میں نئے رنگ و روپ میں پیش کیا گیا  
ہے اس لئے یہاں اس کے ایک دو مزید اجمالی جوابات پیش کئے جاتے ہیں تفصیل کے شائقین کتاب مذکور کی طرف  
رجوع کریں۔ فان فیہ شفاء لکل علیل و دواء لکل غلیل۔ اس استدلال یا شبہ میں شرع انور کے حقائق کو نظر انداز کرنا  
ہوئے صرف الفاظ کے ظاہری لغوی معنوں کا سہارا لیا گیا ہے ورنہ خود اس تحریر سے مترشح ہوتا ہے کہ خود استدلال  
کنندگان بھی حقیقت الامر کی طرف متوجہ ضرور ہیں۔ چنانچہ خود انہوں نے منقول بالا عبارت کے تحت حقیقت کا دے  
بغفلوں میں بایں طور اقرار کر لیا ہے کہ "در حقیقت خلق و رزق جو صرف خدا کے ساتھ مخصوص ہے وہ عدم سے وجود میں  
لا تا ہے اور وہی آنے کے بعد اس کی نسبت غیر خدا کی طرف غلط نہیں (حقائق الوسائط ص ۱۳۴) اسے کہتے ہیں۔"

"خدا و وہ جو سرچشمہ بولے"

مگر اس شاطرانہ چال کا کیا علاج کہ حقیقت کا اعتراف کرنے کے باوجود کہ حقیقی شرعی مفہوم کے اعتبار سے خالق  
ورزق صرف خدا ہی ہے۔ مگر عوام کی آنکھوں میں دھول ڈالنے کے لئے برابر "خدا و وہ" کا پیر بھی یہی چٹا جا رہا ہے کہ غیر خدا  
خالق و رافق ہیں یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ جھگڑا محض نسبت دینے کے جو از یا عدم جو از کا ہے یا نزاع ان ام  
خلق و رزق کو عدم سے وجود میں لانے کے متعلق ہے؟ ظاہر ہے کہ نزاع اسی آنوی امر میں ہے کہ آیا باذن اللہ خلق و رزق  
کو عدم سے وجود میں لانے والے سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام میں۔ یا یہ فعل خود خداوند عالم کا ہے؟ اور جب یہ صاحبان  
خود اقرار کرتے ہیں کہ "عدم سے وجود میں لانا خدا کے ساتھ مختص ہے۔ تو بعد ازیں یہ سب قلیل و قال اور بکث و جدا  
برائے چہ؟ اگر گوئم — دباں سوزد

بہر حال جب حقیقی و اصطلاحی معنوں کے اعتبار سے خلق و رزق خدا نے تعالیٰ کی ذات سے مختص ہیں۔ تو اس



واضح ہو جاتا ہے کہ اگر کسی جگہ ان امور کی نسبت غیر خدا کی طرف دی گئی ہے تو وہ نسبت شرعی نقطہ نظر کے اعتبار سے مجازی ہے۔ چنانچہ تعلق کے معنی اصطلاح میں الاخراج من العدم الی الوجود کے ہیں۔ ہاں البتہ اس کے لغوی معنی یہ ہیں۔ ”المقدیر واللاقان فی الصدقة“ کسی چیز کا اندازہ کرنا اور کسی چیز کو عمدہ طریقہ پر بنانا، تشابہ القرآن ج ۱ ص ۱۸۱، تاہم اس حسن الخالقین کے معنی یہ ہوں گے۔ ”احسن المقتدرین واحسن الصانعین“ ولاضیور فیہ چنانچہ کتاب کلیات الہی البقا ص ۱۶ پر لکھا ہے۔ ”واحسن الخالقین ای المقتدرین اجمع بطریق عموم المجاز اذ لا مؤثر فی الحقیقت الا اللہ“ یعنی احسن الخالقین کے معنی ہیں احسن المقتدرین یا یہ جمع بطور علم المجاز ہے۔ اس کی وضاحت احسن الفوائد میں دیکھی جائے، کیونکہ فی الحقیقت اللہ کا اور کوئی مؤثر (اور خالق) نہیں ہے۔ لہذا فی المقررات ”مراغب ص ۱۸۱“ اجمع۔ باوجود اس کے کہ اس لغوی معنی کے اعتبار سے غیر خدا ہر ہند صنائع کو خالق کہا جاسکتا ہے، مگر پھر بھی اصول شریعت کے پیش نظر علماء اعلام نے اس کی بھی ممانعت کی ہے۔ چنانچہ علامہ شہر بن آشوب فرماتے ہیں۔ ”انا لا نطلق هذه الصفة الا فیہ تعالیٰ لان ذلك یوهم ہم اس صفت (خالقیت) کا اطلاق صرف ذات باری تعالیٰ پر کرتے ہیں۔ کیونکہ دغیر خدا پر اس کا اطلاق کرنا، غلط معنوں کا وہم پیدا کرتا ہے۔ (تشابہ القرآن ج ۱ ص ۱۸۱) اسی طرح سرکار علامہ مجلسی نے آیت قل اللہ خالق کل شیء کے ذیل میں افادہ فرمایا ہے۔ ”یدل علی عدم جواز نسبة الخلق الی الانبیاء والائمة علیہم السلام یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ خلق پیدا کرنے کی نسبت انبیاء وائمة علیہم السلام کی طرف دینا جائز نہیں ہے۔ (بخاری ج ۳ ص ۳۳) ہل من خالق غیر اللہ؟ اسی طرح اسی باب میں بذیل عنوان ”بطلان تفویض علماء اعلام کے کلام کی روک ٹھنی میں“ حضرت شیخ طوسی اور علامہ طبرسی کا کلام بھی اسی عدم جواز کے سلسلہ میں پیش کیا جا چکا ہے۔ فراجع۔ اور جن آیات میں حضرت جیسے کی طرف خلق کی نسبت دی گئی ہے وہ من باب المجاز ہے جس کی تفصیل باب چہام میں آرہی ہے انش۔ اسی طرح رزق کے اصطلاحی معنی یہ ہیں۔ الرزق ما هو بالانتفاع بہ اولی فاضافة الرزق الی اللہ تعالیٰ واجبة لانه خلق الحیوة والشهوة ومکن من الانتفاع بالقدرۃ والالات وقال ان اللہ هو الرزاق الملتین وقال هل من خالق غیر اللہ یرزقکم من السماء والارض الخ رزق وہ چیز ہے جس سے استفادہ کرنا اولی ہو۔ (جس پر زندگی کی بقا منحصر ہو) اس کی نسبت خدا کی طرف واجب ہے کیونکہ اسی نے زندگی کو خلق فرمایا ہے۔ اور اسی نے کھانے پینے کی خواہش پیدا کی ہے۔ اور طاقت و آلات کے ذریعہ اس سے استفادہ کرنے کی قدرت دی ہے چنانچہ اس کا ارشاد ہے خدا ہی رزق دینے والا ہے اور صاحب قوت و امتانت ہے۔ اس معنی کے اعتبار سے غیر خدا کی طرف رزق دینے کی نسبت جائز نہیں ہے چنانچہ سرکار علامہ مجلسی آیت مبارکہ اللہ الذی خلقکم ثم رزقکم ثم یمیتکم ثم یمیدیکم هل من شرکاء لکم من یفعل من ذلکم من شیء سبحانہ وتعالی عما یشرکون کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں یدل علی عدم جواز نسبة الخلق والرزق والاماتت



والاحیاء الی غیرہ سبحانہ وائے شکر (بمبارجہ، ص ۳۳) یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ غیر خدا کی طرف خلق و رزق اور امانت و احیاء کی نسبت دینا ناجائز اور شرک ہے۔ لیکن رزق کے دوسرے معنی کسی کو کچھ بلا عوض دینا بھی ہے۔ جیسے مہر، ہدیہ اور وصیت، نیز یہ لفظ عطیہ جاریدہ کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے رزق السلطان جندہ یعنی بادشاہ نے اپنے لشکر کو رزق دیا۔ پس معلوم ہوا کہ اس معنی کے اعتبار سے غیر خدا کی طرف اس کی نسبت مجازاً جائز ہے اس کی تائید خود بعض آیات قرآنیہ سے بھی ہوتی ہے۔ واذ احضر القسمة اولو القربی والیتیمی والمساکین فارزقوہم وقلوا المہم قولا معروفا (پس سنا ع ۱۲) اور جب ترکہ کی تقسیم کے وقت (وہ) قرابت دار (جن کا کوئی حصہ نہیں) اور یتیم بچے اور محتاج لوگ آجائیں تو انہیں بھی کچھ اس میں سے دیدو اور ان سے اچھی طرح بات کرو (زرعہ) یہاں اس آیت میں عام لوگوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ تقسیم وراثت کے وقت قرابت داروں یتیموں اور مسکینوں کو کچھ رزق دیں (یعنی ان کو کچھ عطا کریں) مگر بایں ہمہ پھر بھی علی الاطلاق غیر خدا کو رازق کہنا شرعاً روا نہیں ہے۔ کیونکہ اس سے قاسم معنی کا توہم ہوتا، کما تقدم بیانہ۔

علاوہ بریں اس شبہ کا ایک دوسرا جواب یہ بھی دیا جاسکتا ہے کہ آیت "خیر الرازقین و احسن الخالقین" کا مطلب یہ ہے کہ کفار جن کو خالق و رازق سمجھتے تھے ان کے بالمقابل یہ اعلان کیا جا رہا ہے کہ جن کو تم خالق و رازق سمجھتے ہو جب خدا یقیناً خود تمہارے عقیدہ کے مطابق بھی ان سے بہتر خالق و رازق ہے تو پھر افضل کو چھوڑ کر مفضول کے دامن کے ساتھ متمسک ہونا کہاں کی دانشمندی ہے؛ ان آیات کا طرہ و انداز بیان و سیما ہی ہے جیسا حضرت یوسفؑ نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ اختیار کیا تھا۔ کہ "یا صاحبی السجن ارباب متفوتون خیدوا" اللہ الواحد القہار، اے میرے ساتھیو! کیا متفرق رب بہتر ہیں۔ یا ایک قہار خدا کو پروردگار ماننا بہتر ہے؛ کیا کوئی شخص یہ باور کر سکتا ہے کہ حضرت یوسفؑ کی نگاہ میں خدا کے بالمقابل کچھ برحق رب تھے؟ حاشا وکلا۔ اسی طرح بعض ادعیہ میں وارو ہے یا رب الارباب ویا مملک الملوک ویا سید السادات ویا جبار الجبابرة ویا اللہ الالہ۔ صلی علی محمد و آل محمد اے تمام ربوں کے رب، تمام بادشاہوں کے بادشاہ، تمام سرداروں کے سردار، تمام جاہلوں پر جاہل اور تمام معبودوں کے معبود محمد و آل محمدؑ پر رحمت نازل فرما۔ اہل انصاف بتائیں۔ خدا کے علاوہ کوئی اور معبود ہے؟ حاشا وکلا۔ سب اہل اسلام کا اجماع و اتفاق ہے کہ لا الہ الا اللہ یعنی خدا کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ لہذا ماننا چاہیے گا۔ کہ مطلب صرف یہی ہے کہ جن کو کفار معبود و معبود سمجھتے ہیں۔ اور فی الحقیقت معبود نہیں تھے۔ خدا ان کا بھی معبود ہے یہی کیفیت خیر الرازقین اور احسن الخالقین کی ہے کہ کفار و مشرکین کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ جن کو تم خالق و رازق سمجھتے ہو۔ جب خود تمہارے ہی خالق کے مطابق خدا ان سے بہتر خالق و رازق ہے تو پھر اس احسن الخالقین و خیر الرازقین کی بارگاہ کو چھوڑ کر دوسروں کی پرکھٹوں پر جہہ سائی کرنا غفل و دانش پر علم کرنے کے مترادف ہے چنانچہ ایک دوسرے مقام پر خدا نے حکیم کفار و مشرکین کو بھی خبردار فرماتا ہے تدعون



عَلَّامٌ تَدْرُونَ أَحْسَنَ الْخَالِقِينَ كَيْفَ تَمَّ لَوْ كَيْفَ رُبُّهُ، کو پکارتے ہو اور احسن الخالقین کو چھوڑ دیتے ہو، ایسا نہیں کرنا چاہئے۔ بلکہ فابتغوا عند الله الوزن <sup>منفق</sup>؛ خداوند عالم سے طلب کرو۔ کیونکہ اللہ خدائے السموات والارض زمین و آسمان کے خزانے خدا ہی کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ چنانچہ کتاب مفرقات راعب اصفہانی دجو کہ لغات القرآن کی مشہور و مستند کتاب ہے، کے صفحہ ۱۵۱ پر احسن الخالقین کے ایک معنی تو وہی لکھے ہیں جو فقہ کلیات ابو البقا کے حوالہ سے لکھے ہیں۔ اور دوسرے معنی یہ ہیں "ادیکون علی تقدیر ما کانوا یعتقدون ویزعمون ان غیر اللہ مبدع کائناتہ قلیل فاحسب ان ہمنامید عین وخالقین فاللہ احسنہم ایجاداً علی ما یعتقدون الخ" یعنی یا اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ جن کو یہ لوگ خالق سمجھتے ہیں خدا ان سے احسن خالق ہے گویا اس طرح کہا جا رہا ہے کہ فرض کرو یہاں کچھ اور خالق و مبدع موجود ہیں۔ جیسا کہ ان لوگوں کا خیال ہے۔ تب بھی خدا ان سے بہتر خالق ہے۔

**اَشْهُوا شِبْہَ اُرَاسٍ کَا جَوَابِ** | ارشاد قدرت ہے وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوا مَا آتَاهُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَقَالُوا احْسِنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ وَرَسُولُهُ اِنَّا اِلٰی اللّٰهِ رَاغِبُونَ یعنی اور جو کچھ مانگے اور اُس کے رسول نے ان کو اپنے فضل و کرم سے عطا فرمایا ہے اگر یہ اس پر راضی رہتے اور کہتے کہ خدا ہمارے لئے کافی ہے۔ ہمیں اللہ اور اُس کا رسول دونوں اپنے فضل و کرم سے عطا کریں گے۔ ہم یقیناً خدا کی طرف رغبت رکھتے ہیں۔ تو یہ اظہار ان کے لئے ثبوت ایمان کی دلیل ہوتا۔ ارشاد فرمایا۔ وَمَا نَقَمُوا اِلَّا اَنۡ اَخْتَلَعَهُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ اور ان لوگوں نے محض اس وجہ سے مخالفت کی ہے کہ اللہ نے اور اس کے رسول نے اپنے فضل و کرم سے ان کو دولت مند بنا دیا۔ اس آیت میں صاف صاف اعلان ہے کہ خدا نے اور اُس کے رسول نے اپنے فضل و کرم سے ان کو مالدار بنا دیا ہے۔

اس شبہ کے جواب میں ہمیں مزید خامہ فرسائی کی ضرورت نہیں ہے بلکہ سابقہ شبہ کے جواب سے اس کا جواب دیا جواب بھی معلوم ہو جاتا ہے۔ یہاں ایسا و افتخار کی نسبت من باب المجاز بالکل اسی طرح پیغمبر اسلام کی طرف دی گئی ہے جس طرح ہر مالدار کو حکم دیا گیا ہے کہ وَاَقْرَبُهُمْ مَنْ مَالِ اللّٰهِ الَّذِیۡ اَتَاکُمْ (پس تو ج ۱۰) اللہ کے مال سے غریب و مساکین کو اسی طرح عطا کرو جس طرح خدا نے تم کو عطا کیا ہے۔ ان آیات کا تعلق باتفاق تمام مفسرین اسلام ..... مالِ غنیمت سے ہے یعنی اس مال سے منافقین کو عطا کر کے دولت مند کرنا مراد ہے اور یہ امر ہمارے محل نزاع سے خارج ہے اس کا نزاعی مسئلہ کے ساتھ بالکل کوئی ربط نہیں ہے۔

اس امر کا ثبوت کہ یہ آیات مالِ غنیمت و صدقات سے متعلق ہیں اور بعض منافقین کی مذمت میں وارد ہوئی ہیں۔ ان آیات کے سیاق و سباق پر نظر کرنے سے مل جاتا ہے۔ ارشاد قدرت ہے وَمِنْهُمْ مَنْ یَلْمِزُکَ فِی الصَّدَقَاتِ کَانَ اَعْطَا مِنْهَا رِضْوَانًا لَّمْ یُعْطَوْا مِنْهَا اِذَا هُمْ لَیْسَتْخَطُونَ۔ وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوا مَا آتَاهُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ



وقالوا حسبنا الله سيؤتينا الله من فضله ورسوله انا الى الله راغبون (پٹ س توبہ ۷۴) اسے رسول ان میں سے کچھ تو ایسے بھی ہیں جو تمہیں خیرات کی تقسیم میں (خواہ غزوہ) الزام دیتے ہیں پھر اگر ان میں سے انہیں (کچھ مقول نقل) دے دیا گیا تو خوش ہو گئے۔ اور اگر (ان کی مرضی کے موافق) اس میں سے انہیں کچھ نہیں دیا گیا۔ تو میں خود ابھی بگڑ بیٹھے۔ اور جو کچھ خدا نے اور اُس کے رسول نے ان کو عطا فرمایا تھا اگر یہ لوگ اس پر راضی رہتے اور کہتے کہ خدا ہمارے واسطے کافی ہے (اس وقت نہیں تو) عنقریب ہی خدا ہمیں اپنے فضل (دکرم) سے اور اُس کا رسول دے ہی گا۔ ہم تو یقیناً اللہ ہی کی طرف لو لگائے بیٹھے ہیں۔ (تو ان کا کیا کہنا تھا) (ترجمہ فرمان) ان ہر دو آیات مبارکہ کو پڑھنے کے بعد اگرچہ اب یہ حقیقت کسی مزید ثبوت کی محتاج نہیں رہتی۔ مگر اطمینان قلب کے لئے بعض تفاسیر کے حوالہ جات بھی پیش کئے جاتے ہیں علامہ سبکیؒ اپنی تفسیر میں بیان فرماتے ہیں۔ "وَمِنْهُمْ اِمْرٍ مِنْ هَؤُلَاءِ الْمُنَافِقِينَ يَلْتَوِيكَ فِي الصَّدَقَاتِ۔

اَلِیْ یُعِیْبُکَ وَیَطْعَنُ عَلَیْکَ فِیْ اَمْرِ الصَّدَقَاتِ۔ وَلَوْ اَنْهُمْ رَضُوا مَا اَنَاھُمْ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ مَعْنَاهُ وَلَوْ اَنْهُمْ اَلِیْ الْمُنَافِقِیْنَ الَّذِیْنَ طَلَبُوا مِنْکَ الصَّدَقَاتِ وَجَابُوْکَ رَضًا بِمَا اَعْطَاهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ اللّٰهُ یعنی کچھ منافق ایسے بھی ہیں جو صدقات و خیرات کے تقسیم کرنے میں تجھ پر عیب لگاتے ہیں اور طعن و تشنیع کرتے ہیں۔ جو کچھ خدا نے اور اُس کے رسول نے ان کو عطا فرمایا تھا اگر اس پر راضی ہو جاتے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ منافقین جو تم سے اور صدقات کا مطالبہ کر کے تجھ پر الزام لگاتے ہیں۔ اگر اسی مقدار پر راضی ہو جاتے جو خدا اور رسول نے (مناسب سمجھ کر) ان کو دی تھی (تو یہ بات ان کے لئے اچھی تھی) اسی طرح فاضل کا شافیؒ اپنی تفسیر صافیؒ میں لکھتے ہیں۔ "وَلَوْ اَنْهُمْ رَضُوا بِمَا اَعْطَاهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ مَا اَعْطَاهُمُ الرّسول من الغنیمۃ اوالصدقات۔ سیو تینا اللہ من فضلہ صدقہ او غنیمۃ۔ اخری اللہ یعنی اس آیت مبارکہ کہ اگر وہ اس مقدار پر راضی ہو جاتے جو خدا اور اُس کے رسول نے ان کو عطا فرمائی تھی کا مطلب یہ ہے کہ رسول نے ان کو مال غنیمت یا مال صدقہ سے عطا کیا تھا۔ اور کہتے عنقریب ہمیں اپنے فضل سے عطا کرے گا۔ یعنی مال صدقات یا کسی اور مال غنیمت سے عطا فرمائے گا۔"

اسی طرح دوسری کھل آیت اس طرح ہے۔ "وَمِنْهُمْ اِمْرٍ مِنْ هَؤُلَاءِ الْمُنَافِقِينَ یَلْتَوِیْکَ فِیْ الصَّدَقَاتِ۔ اَلِیْ یُعِیْبُکَ وَیَطْعَنُ عَلَیْکَ فِیْ اَمْرِ الصَّدَقَاتِ۔ وَلَوْ اَنْهُمْ رَضُوا بِمَا اَعْطَاهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ مَا اَعْطَاهُمُ الرّسول من الغنیمۃ اوالصدقات۔ سیو تینا اللہ من فضلہ صدقہ او غنیمۃ۔ اخری اللہ یعنی اس آیت مبارکہ کہ اگر وہ اس مقدار پر راضی ہو جاتے جو خدا اور اُس کے رسول نے ان کو عطا فرمائی تھی کا مطلب یہ ہے کہ رسول نے ان کو مال غنیمت یا مال صدقہ سے عطا کیا تھا۔ اور کہتے عنقریب ہمیں اپنے فضل سے عطا کرے گا۔ یعنی مال صدقات یا کسی اور مال غنیمت سے عطا فرمائے گا۔"

دھوا بہا لہم یا لو او ما فقموا الا ان اغناہم اللہ ورسولہ من فضلہ فان یتوبوا ینکحوا اللہم وان یتوبوا یعد بہم اللہ عذابا الیم فی الدنیا والاخرۃ وما لہم فی الامر من دلی ولا نصیر (پٹ س توبہ ۷۴) یہ منافقین خدا کی قسمیں کھاتے ہیں کہ (کوئی بُری بات) نہیں کہی حالانکہ ان لوگوں نے کفر کا کلمہ ضرور کہا۔ اور اپنے ہمارے بعد کا فر ہو گئے۔ اور جس بات پر قابو نہ پا سکے۔ اسے نشان بیٹھے۔ اور ان لوگوں نے (مسلمانوں سے) صرف اس وجہ سے عداوت کی کہ اپنے فضل و کرم سے خدا نے اور اُس کے رسول نے دولت مند بنا دیا ہے۔ تو ان کے لئے اسی میں خیر ہے کہ یہ لوگ اب بھی توبہ کر لیں۔ اور اگر یہ نہ مانیں گے تو خدا ان پر دنیا و آخرت میں دردناک عذاب نازل فرمائے گا۔ اور تمام دنیا میں ان



کوئی عامی ہو گا نہ مددگار۔ (ترجمہ فرمان) اس آیت میں ان منافقین کی ریشہ دوانیوں کا تذکرہ کیا گیا ہے جنہوں نے شبہ عقبہ  
 انصرفت کو شہید کرنے کا ناپاک منصوبہ بنایا تھا۔ اس آیت میں بھی اسی بات کا تذکرہ ہے۔ کہ خدا و رسول نے مالِ غنیمت و  
 صدقات سے ان کو دولت مند بنایا تھا۔ مگر ان بد باطنوں نے احسان کا بدلہ برائی سے دیا چنانچہ تفسیر مجمع البیان ج ۱  
 ص ۱۶ پر لکھا ہے ”وَمَا نَقَمُوا إِلَّا أَنْ أَغْنَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ۔ معناه انهم عملوا بالبخل الواجب  
 فعملوا موضع شكوا النعمة ان نقموا وبيانهم انهم نقموا فيما ليس بموضع للنعمة فانه لم يكن  
 للمسلمين ذنب ينقصونه منهم بل الله تعالى اباح لهم الغنائم واغناهم بذلك فقابلوا النعمة بالكفون  
 وكان من حقهم ان يقابلوها بالشكر الخ۔۔۔۔۔ یعنی آیت و ما نقموا الا ان۔۔۔۔۔ کا مفہوم یہ ہے کہ جو کچھ ان پر  
 افلا قاً واجب تھا انہوں نے اس کا اُلٹے کیا۔ یعنی خدا نے ان کے لئے مالِ غنیمت کو مباح قرار دے کر اس مال سے  
 ان کو دولت مند بنایا تھا۔ انہوں نے اس احسان کا شکر ادا کرنے کی بجائے ان کا کفرانِ نعمت کیا۔“ (کذا فی التفسیر الصافی  
 ص ۱۶) یہ ہے ان لوگوں کے اس مایہ ناز استدلال کی حقیقت جس پر اتراتے ہوئے کہتے ہیں ”کہ اہل حق قیامت تک اس  
 کا جواب نہیں دے سکتے“ ان حقائق کی روشنی میں واضح و آشکار ہو گیا کہ یہ استدلال تار عنکبوت سے بھی زیادہ بودہ  
 و کمزور ہے و ان اوهن البیوت لبیت العنکبوت ایسی آیات مبارکہ کے ساتھ استدلال کر کے یہ لوگ اپنے علم و فضل  
 اور دین و دیانت کا کوئی اچھا مظاہرہ نہیں کرتے۔ ہذا ہم اللہ تعالیٰ صراطِ مستقیم۔

بائیں ہم بعض حضرات کو اصرار ہے کہ جب ”شئی سے شئی بنانا یعنی مادہ موجودہ کی شکل بدل دینا بھی خلق ہے“ اور  
 اسی طرح ”جب لغتِ عرب میں رزق کے معنی عطا کرنا بھی ہیں تو پھر غیر خدا کو خالق و رازق کہنا کیوں درست نہیں ہے“  
 اس کے متعلق جو اباً واضح رہے کہ اگر یہ دھاندلی روا رکھ لی جائے کہ شریعتِ مقدسہ کی اصطلاحات اور اس کے اصولوں  
 سے قطع نظر کر کے صرف لغوی معنوں کا سہارا لے کر اس طرح نامِ تقسیم کرنا شروع کر دینے جائیں تو اس سے دو عظیم خرابیاں  
 لازم آئیں گی۔ ایک یہ کہ ہمارے متعلقہ مسئلہ میں موجودہ مادہ میں کسی قسم کا تغیر کرنے والا خالق کہا جانے لگے گا۔ خواہ وہ بخار  
 ہو یا سرد آدہ حتیٰ کہ حائلک (جو لانا بھی کیوں نہ ہو۔ اور اسی طرح کسی کو کچھ عطا کرنے والا ہر شخص رازق کہلوانا شروع کر دے گا۔  
 کا قائل من کان (جو بھی ہو) اس طرح پھر اہل بیت کی فضیلت ہی کیا رہ جائے گی؟ دوسری یہ کہ اس طرح ہر خبر دینے والا نبی  
 اور ہر پیغام رسان ”رسول“ کہلا سکے گا۔ کیونکہ لغتِ عرب کی رُو سے نبی ”خبر دینے والے اور رسول“ پیغام پہنچانے  
 والے کو ہی کہا جاتا ہے۔ کیا منہدل صاحبان اس دھاندلی کو روا رکھنے کے روادار ہیں؟ قل اللہ اذن لکم ام علی  
 اللہ تغتزون۔ خدا کا شکر یہ ہے کہ جو ابی کتب میں بھی کھل کر اس حقیقت کا اقرار کر لیا گیا ہے کہ حقیقی معنوں کے لحاظ سے  
 خالق و رازق خدا ہی ہے۔ چنانچہ امام زمانہ کی توقیع مبارکہ ”ان اللہ خالق الاجسام و قسم الاذواق لانه لیس بجسم  
 و لا حال فی جسم لیس کمثلہ شئی کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھا ہے ”یعنی خدا ہی وہ ہے کہ جس نے اجسام کو پیدا کیا۔ کیونکہ



وہ جسم نہیں ہے۔ یعنی عدم سے وجود میں لانے والا اجسام کا وہی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ وہ جسم نہیں ہے اور نہ جسم میں حلول کرنے والا ہے۔ کیونکہ جو خود جسم ہو گا وہ جسم کو عدم سے وجود میں لانے والا نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح رزق کو عدم سے وجود میں لانا بھی اُسی کا کام ہے۔ ”سقائیک الوساٹ ص ۱۵۱“ بعد ازیں صرف لغتی نزاع ہی باقی رہ جاتا ہے۔ حقیقی معنی کے الفاظ سے نہ یہ غیر خدا کو خالق و رازق سمجھتے ہیں اور نہ ہم اور لغوی اعتبار سے ہم بھی درست سمجھتے ہیں۔ اور یہ بھی، مگر فرق صرف اس قدر ہے کہ ہم لغت کے ساتھ ساتھ شرعی اصولوں کو بھی پیش نظر رکھتے ہیں۔ اس لئے علی الاطلاق غیر خدا پر لفظ خالق و رازق کا اطلاق جائز نہیں سمجھتے۔ کیونکہ اس سے حقیقی معنوں کا توہم ہوتا ہے۔ مگر یہ حضرات ان اصولوں کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف لغوی معنوں کا سہارا لے کر غیر خدا پر خالق و رازق کا اطلاق کرتے ہیں۔ جو کہ صحیح نہیں ہے حالانکہ یہ بات یعنی یہ کہ حقیقی و ارشادات کے ارشادات اور ان کے مقرر کردہ اصولوں کو نظر انداز کر کے صرف لغوی معنوں کا سہارا لے کر کوئی مطلب ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ یہ ایک ایسی مسلمہ حقیقت ہے کہ استدلال مذکور کرنے والوں نے بھی اس کی صداقت کا اقرار کر لیا ہے چنانچہ ایک اور مقام پر زیر عنوان ”الفاظ قرآن کا مقصد لغت سے حل نہیں ہو سکتا“ لکھتے ہیں ”قرآن مجید میں الفاظ بالتحقیق عربی ہیں۔ اور اسی زبان پر وہ نازل ہوا ہے۔ لیکن ظاہری الفاظ کا رد کرنا اور قرأت کرنا مقصود خدا نہیں ہے۔ بلکہ اس کے معانی و مطالب اور تاویل مراد خدا ہے۔ اور اس کا علم بغیر وحی و الہام نہیں ہو سکتا۔ مثلاً صلوٰۃ، زکوٰۃ، حج یا لفظ نبی و امام، رسول یا لفظ ید، وجہ، ساق، یا لفظ غضب، رحمت، محبت یا لفظ بیت، قریہ، مدینہ، یا لفظ علم قدرت، ارادہ یا لفظ صراط، بسیل، بسیل وغیرہ خدا کی طرف منسوب ہو کر لغوی معنی میں باقی نہیں رہتے۔ اس لئے ان الفاظ کے مقاصد و معانی خداوندی، کتب لغت سے حل نہیں کیا جاسکتے۔ جیسا کہ ہماری اس کتاب کے مطالعہ سے ثابت ہو جائے گا۔ لہذا مراد و مقصد خدا معلوم کرنے کے لئے وحی و الہام کی ضرورت ہے۔ اسی مطلب کو خداوند عالم نے اس آیت دانی بدایہ میں بیان فرمایا ہے وما یعلم قادیلہ الا اللہ والمواستخون فی العلم جب مقصد خدا کا بغیر وحی و الہام علم ممکن نہیں ہے۔ تو ہمارے علوم ناقصہ اور کرائے کا سدہ سے جو کچھ ثابت ہو گا۔ وہ ہمارے ہی عقول کا مخلوق ہو گا۔ اور اس پر عمل اور اعتقاد بے دینی کہلائے گی۔ کیونکہ دین صرف امر و نہی خدا کا نام ہے نہ کہ اپنے طبع زاد آراء کا۔ ”سقائیک الوساٹ ص ۱۵۱“ نقلنا لا یجولہ لحدودہ محمولہ۔ ہم اس بیان کی حرف بحرف تائید کرتے ہیں۔ مؤلف نے یہاں ایسے الفاظ کی حویل فہرست پیش کی ہے جن کا مقصد و معنی بغیر وحی و الہام کے محض لغت کی مدد سے حل نہیں کیا جاسکتا۔ کاش کہ اس میں لفظ خلق و رزق، امانت و احیاء اور شفا کا بھی اضافہ کر دیتے۔ اس طرح مطلب اور واضح ہو جاتا۔ مگر افسوس اس بات کا ہے کہ مؤلف نے اس اصول کی اپنی کتاب میں پابندی نہیں کی۔ بلکہ اس اصول کی دھجیاں بکھیر کر دکھ دی ہیں، یہاں دیکھو لغوی معانی کا سہارا، نیاسات کی ڈھارس، اور ذاتی آراء و خیالات کی پناہ لی ہے جیسا کہ اس کتاب کے ناظرین پر یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے۔ بہر حال ہم اسی زریں اصول کی روشنی میں یہ دریافت



کرتے ہیں کہ کسی کتاب حقیقی اور اساتذہ ۱۲ ص ۱۳ اور ۱۴ وغیرہ پر ائمہ اہل بیت کو خالق و رازق ثابت کرنے کے لئے مؤلف نے صرف لغوی معنوں اور ذاتی قیاس کا سہارا نہیں لیا بلکہ خود تسلیم کرتے ہیں کہ ان الفاظ قرآنی کا مقصد و مطلب بغیر وحی و الہام متعین نہیں کیا جاسکتا تو پھر ہم ہانگہ دہل کہتے ہیں کہ یا ان معاون وحی و تنزیل یعنی سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کا کوئی مستند فرمان پیش کریں جس میں انہوں نے اپنے اور پر حفظ خالق و رازق وغیرہ کا اطلاق کیا ہو یا دوسروں کو اس کی اجازت دی ہو۔ اگر ایسا نہیں کر سکتے تو رتا مملو آفتاب قیامت یقیناً نہیں کر سکتے۔ ولو كان بعضهم لبعض ظهيرا۔ تو پھر صرف لغوی معانی کا سہارا لے کر ائمہ بدئی کو خالق و رازق کہنے کے یہ عقیدہ کے تو بتہ التصویر کریں۔ (لعل الله يقيّل ثوبكم وان كان يظهر من اخبار السادة الاطهار ان توبته الضال المضل لا تقبل الا ان يرد الضال الذي اضل عن ضلالتهم وهو متعسر بل منعذر ولا سيما بعد موته حتى يبلغ الجمل في سبيل الخط و الله الموفق۔

**نواں شبہ اور اس کا جواب** | بحار الانوار جلد ہفتم میں ایک حدیث معرفۃ بالنورانیہ حضرت امیر المومنین اور اس کے ساتھ ملحق جلیبی ایک روایت حضرت امام زین العابدین کی طرف منسوب ہے جس میں خلیق باذنہ و رزق باذنہ کے الفاظ موجود ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام باذنہ الخلیق کرتے اور رزق دیتے ہیں بلکہ متعلق جو اباعرض ہے کہ ہفتم بحار الانوار ص ۱۴ طبع تبریز پر ایک باب موجود ہے جس کا عنوان ہے "باب نادہ فی معرفتہم صلوات اللہ علیہم بالنورانیۃ و ذکر جمل فضائلہم علیہم السلام" اور اس باب میں علامہ مجلسی نے کسی پرانی قسمی کتاب سے (جس کے مؤلف کا نام خود سرکار موصوف کو بھی معلوم نہیں) دو طویل الذیل اور غریب المضامین حدیثیں درج کی ہیں۔ اور ہر حدیث کو درج کرنے کے بعد اپنی علمی شان کے مطابق پوری دیانت داری کے ساتھ ان کے متعلق اپنی رائے گرامی کا اظہار کر دیا ہے یعنی اس کی تصدیق فرمادی ہے چنانچہ حدیث معرفۃ بالنورانیہ لکھنے کے بعد بذیل عنوان "بیان فرماتے ہیں۔ اقول لو صح صدور هذه الخبر عنه لاحتمل ان يكون المراد بـ و بما مثاله ان الانبياء علیہم السلام بالاشتغال بانوارنا دفعت عنهم المكاره والفتن" یعنی اگر اس خبر کا ان جناب سے صادر ہونا تسلیم کر لیا جائے۔ تو پھر (انا الذی حملت فوجاً) میں وہ ہوں جس نے فوج کو کشتی میں سوار کیا، یا اس قسم کے اور جملوں کے متعلق احتمال ہے۔ کہ ان کا مطلب یہ ہو کہ ہمارے انوار تقدس کے ساتھ توسل کرنے کی وجہ سے انبیاء کے مشکلات و مصائب دور

سید الگ ارشاد است محرم کی مدتی میں ان کے لئے خالق و رازق الفاظ کتب دکھائیں گے! مبتدئ ہم بھی یہ دکھا دیتے ہیں کہ معصوم نے ان لوگوں کو کافر قرار دیا جو ان کو باذن اللہ ہی خالق و رازق قرار دیں چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔ من قال نعم الخالقون بما رواه الله فقد كفر" یعنی جو شخص کہے ہمارا خالق ہی خالق کہے وہ کافر ہے (شرح خطبہ طرشتی ص ۳۷ حدیث سلطانیہ ص ۳۷۸) یہاں تصریح العقائد ص ۱۸ میں آجود کی بحار الانوار



ہوتے تھے۔ واللہ زادہ من باب المجاز فی فرماتے ہیں کہ ہم نے ایسا کیا اور ویسا کیا الخ

اسی طرح دوسری روایت (میں میں یقین با ذہن کے الفاظ موجود ہیں) نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ اقول انما افردت  
لہذا الاخبار یا بالعدم صحۃ اسانیدھا وغرابۃ مضامینھا فلا نعلم بصحتھا ولا بطلانھا وفرد  
علمھا علیہم علیہم السلام (بخاری، صفحہ ۳۲) میں کہتا ہوں کہ میں نے ان اخبار کے لئے ایک عیود باب اس لئے  
منعقد کیا ہے کہ ان اخبار کی سندیں صحیح نہیں ہیں۔ علاوہ بریں ان کے مضامین بھی عجیب و غریب ہیں۔ لہذا ہم نے ان  
ان کے صحیح ہونے کا حکم لگا رکھا ہے۔ اور نہ ہی ان کو بالکل غلط قرار دیتے ہیں۔ بلکہ ان کی حقیقت کا علم انہی پر گواہوں  
کے سپرد کرتے ہیں۔

اور باب عقل و انصاف غور فرمائیں کہ آیا اصول عقائد کے مرحلہ میں جہاں صحیح السند اخبار اعلیٰ پر بھی اعتماد کرنا جائز نہیں  
ہے۔ آیا ایسے اخبار غریب پر عقائد کی دیوار استوار کی جاسکتی ہے جن کے ناقل خود ان کو صحیح نہ سمجھتے ہوں۔ یا اہل الکتاب  
لعتلبون الحق بالباطل وتکتون الحق وانتم تعلمون؟

کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ ہماری قوم علمی سطح سے اس قدر گر چکی ہے کہ آج اس کے نام نہاد واعظ و مبلغ اپنے مبلغ  
علم کے مطابق ایسی روایات کو ان کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ ان کے تراجم شائع کرتے ہیں۔ اور بلا تاویل ان کو ان کے  
ظاہری معنوں پر محمول کر کے غوام کے عقائد و اعمال کو خراب و برباد کر رہے ہیں اور اس نام نہاد معرفت پر اتنے یقین  
ہیں۔ اور مزید برآں علماء اعلام کو ان کا مطالعہ کرنے کا مشورہ دیتے ہیں گویا ان کے خیال میں ان روایات پر علماء کی نظر  
نہیں ہے، بلکہ کوئی روکنے ٹوکنے اور غلطی محاسبہ کرنے والا نہیں ہے کیونکہ اہل حق کی گرفت ڈھیلی ہے۔ وما یتبع الکفر  
الا فسادات الذن لا یغنی من الحق شئیاً۔ اور یہ سب صرف اس لئے ہے کہ ائمہ اہل بیت کے حق میں تفصیر نہ ہو جائے  
لیکن انہیں اس کی ہرگز پروا نہیں کہ مبادا کہیں توحید کا دامن باقہ سے نہ چھوٹ جائے اور شرک و غلو کے چاؤ ضلالت  
میں نہ گر جائیں۔ وان الشراک نظم عظیم۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کی زیارت مطلقہ جس کو امام مبعوض صادق  
دسواں شبہ اور اس کا جواب

فی مفاد پیرامورۃ تہبط الیکم وتحدرون من بیوتکم (مفتاح الجنان ص ۲۲) یعنی اے اہل بیت محمد! اللہ تعالیٰ  
کا ارادہ مجاہد امور کی مقدار میں تمہارے ہاں نازل ہوتا ہے اور تمہارے گھر سے صادر ہوتا ہے۔ معلوم ہوا ارادہ  
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لیکن مجاہد امور تقسیم اہل بیت کے ذریعہ ہوتے ہیں۔

اس شبہ کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ یہاں ارادۃ الرب سے بظاہر ارادہ تشریعی مراد ہے۔ یعنی وہ ارادہ  
امور شریعت سے متعلق ہوتا ہے۔ نہ ارادہ تکنوینیہ۔ کیونکہ یہ ارادہ اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر نہیں جاتا ہم جس الفاظ



میں اس پر مکمل تبصرہ کر چکے ہیں۔ کہ ارادہ صفات فعل میں سے ہے اور خدا کا ارادہ بندوں کے مانند بھی نہیں کہ اس کی تکمیل میں کئی مقدمات طے کرنے پڑیں۔ بلکہ الارادة من الله خدا شاء اللہ کے ارادہ کا مطلب یہ ہے کہ ہر کوئی وہی ارادہ ارشاد امام صادق اور حدیث اربعہ مندرجہ بالا، فاردة الله الفعل یعنی خدا کے ارادہ کا مطلب ہے کام کرنا توحید صدوقی مطلب یہ کہ ارادہ ہوا اور مرادو اصل ہو گئی۔ بنا بریں جب اس ارادہ کا کوئی مکان ہی نہیں تو ہرگز اس کے ادھر نیچے آئے جائے گا مطلب کیا ہے؟ لہذا ماننا پڑے گا کہ اس سے مراد شرعی امور کے متعلق ارادہ ہے جس کی نا تنیدہ دالے فقرہ "عنا فضل من احکام العباد" یعنی یہ کہ جو کچھ آپ کے گھروں سے صادر ہوتا ہے وہ بندوں کے احکام کی تفصیل ہیں۔ یہ مطلب بالکل درست ہے کیونکہ حلال و حرام اور دیگر تمام مسائل و احکام شرعیہ کا علم دوسرے لوگوں کو ای فائزہ حضرت دہلہارت کے ذریعہ ہوتا ہے۔

دوسرا جواب۔ اور اگر تسلیم کر لیا جائے کہ اس ارادہ سے مراد ارادہ تکوینیہ ہے تو پھر اس شبہ کا جواب وہی ہے جو تیسرے شبہ کا پیش کیا گیا ہے۔ کہ اس فقرہ کا مطلب سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ لیلۃ القدر میں فرشتے تمام گھروں سے کہ بعض اطلاع و اعلام اور تحیہ و سلام خدمت امام زمانہ میں حاضر ہوتے ہیں۔ اور پھر اپنی ڈیوٹی کی انجام دہی پر سب سے پہلے یہ اس جملہ کا ایسا صاف و صریح مطلب ہے کہ جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے جتنا بڑا عالم ربانی خدا تعالیٰ کے لائے اپنی کتاب الوافی ج ۲ صفحہ ۲۷ پر زبانت مطلقہ کے اسی جملہ کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

"یعنی استعمل الذین یعلمونہا انما شہدوا تصدق من بیوتکم الی سائر الناس فیہ اشارۃ الی ما یفزل الیہم فی لیلۃ القدر من کل امر یمکن فی السنۃ یعنی اسے اہل بیت رسول! تم سب سے پہلے خدا کے ارادہ کو معلوم کرتے ہو۔ پھر آپ کے گھروں سے دوسرے لوگوں کی طرف صادر ہوتا ہے۔ اس میں لیلۃ القدر میں فرشتوں کے سالانہ بھر کے گھومنے کے حاکم ہونے کی طرف اشارہ ہے۔" جس طرح لیلۃ القدر میں فرشتوں کے خدمتہ امام میں حاضر ہونے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ امام علیہ السلام ان کی ڈیوٹیاں تقسیم کرتے ہیں۔ جیسا کہ اس کی تحقیق سابقہ کی جا چکی ہے۔ اسی طرح اس فقرہ سے بھی یہ بات ثابت نہیں ہوتی۔ حدوا التعل بالتع والقدہ بالقدہ۔

حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام خدا کے خلیفے ہیں۔ لہذا علیہم کے موارد

گیارہواں شبہ اور اس کا جواب

استعمال سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تین معنوں میں مشتمل ہے۔ (۱) بیٹا۔ یہاں

یہ معنی درست نہیں۔ کیونکہ خدا کا کوئی بیٹا نہیں ہے۔ دس کسی مرے ہوئے کا وارث ہو۔ یہ معنی بھی یہاں صحیح نہیں ہیں۔

کیونکہ خدا کی لائوت ہے (دس) منظر صفات و آئینہ کمالات۔ یہ معنی درست ہیں۔ یعنی یہ حضرات خدا کے صفات کے مظہر

اور اس کے کمالات کا آئینہ ہیں۔ جو کام وہ کرتا ہے یہ بھی کرتے ہیں۔ غرض کہ یہ خدا کے جانشین ہیں۔ لہذا ان کو خانی د

صدقی سمجھنا درست ہے۔



یہ شبہ بچنے وجہ درجہ اعتبار سے ساقط ہے

اولاً۔ یہاں تک ظاہر و ظہری بحث کا تعلق ہے بطور بالا میں چوتھے شبہ کے جواب میں اس قاسد نظریہ کا قلع قمع کیا جا

چکا ہے وہاں رجوع کیا جائے (فلا تطیل الکلام بالتکوار)

ثانیاً۔ یہ جانشینی والی ایجک بھی یہاں لایینی معلوم ہوتی ہے کیونکہ یہ جانشینی یا مقام میں ہوگی یا مکان میں۔ اور یہاں

یہ دونوں شقیں باطل ہیں۔ پہلی شق اس لئے کہ کوئی مخلوق خالق کے منصب و مقام پر فائز ہو۔ یہ بات عقلاً و شرعاً محال و ناممکن ہے۔ اور دوسری شق اس لئے کہ خدا کا کوئی حیز و مکان نہیں ہے۔ تاکہ کوئی اس کا جانشین بنے وہ لازم و لا مکان ہے۔

ثالثاً۔ اگر بالفرض تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ بزرگوار خدا کے جانشین ہیں تو اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ وہ خدا کی

ہر صفت میں اس کے قائم مقام ہوں۔ مثلاً خدا جسم و جوہر اور مکان و زمان کے حدود و قیود سے منزہ و مبرا ہے تو یہ بھی ان امور

سے منزہ ہوں۔ خدا خالق و رازق ہے۔ تو یہ بھی خالق و رازق ہوں۔ خدا مبدء و مبدء کا مصداق ہے تو یہ بھی بیوی بچوں سے

بے نیاز ہوں و علیٰ ذہن انقیاس۔ لہذا ماننا چاہئے کہ یہ جانشینی اور قائم مقامی صرف بعض مخصوص امور میں ہے اور وہ نظام شریعت

ہے۔ جیسا کہ قبل ازیں بھی باب میں اس کی مکمل وضاحت کی جا چکی ہے۔ اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ خداوند عالم

حضرت داؤد سے فرماتا ہے۔ یا اذنا جعلناک خلیفۃ فی الامرض فاحکم بین الناس۔ اے داؤد! ہم نے تمہیں

خلیفہ بنایا ہے۔ اس لئے تم لوگوں میں (عدل و انصاف کے ساتھ) حکم کرو۔ صاحبان عقل و فکر کے لئے خوف کر یہ ہے کہ احکام

شریعت نافذ کرنا کجا اور خلق و رزق وغیرہ امور بکونسیہ کی انجام دہی اور وہ بھی بطور ذمہ داری و یقینی کیا۔

سابع و حفظ کجا نعمہ رباب کجا ہمیں تفادیت راہ از کجا ست تا کجا

رابعاً۔ انبیاء و اوصیاء کو خلیفہ اللہ محض اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ بزرگوار لوگوں کے نہیں بلکہ خدا کے مقرر کردہ

ہیں۔ نسبت مجازی اور یہ اضافت تشریفی ہے۔ جیسے خانہ کعبہ کو بیت اللہ اور رمضان کو شہر اللہ۔ بغرض تنظیم و تکریم کہا جاتا

ہے۔ ان کو خلیفہ اللہ اس لئے نہیں کہا جاتا کہ وہ خدا کے صفات کے اتار۔ یا نظام عالم چلانے میں اس کے قائم مقام ہیں۔

سبحان اللہ، عما یقول الظالمون علواً کبیراً۔

خاصاً۔ اگر خلیفہ کا وہی مفہوم ہو جو اس شہر میں بیان کیا گیا ہے تو پھر ان آیات کا مفہوم کیا ہوگا؟ هو الذی جعلکم

خلافت فی الارض رب س فاعرج تم خدا وہ ہے جس نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا۔ اسی قوم صالح کو خطاب ہوتا ہے

واذکروا اذ جعلکم خلفاء۔ اس (احسان کو) یاد کرو کہ خدا نے تمہیں خلیفہ بنایا۔ تو کیا یہ تمام لوگ خدا کے جانشین یا

اس کے کمالات و صفات کے منظر ہفتے؟ اگر یہاں یہ کہا جائے کہ وہ گزشتہ امتوں کے جانشین تھے۔ تو پھر یہاں بھی

کہا جاسکتا ہے کہ جناب آدم قوم جنات و انس کے۔ جناب داؤد سابقہ نبیوں کے۔ سرکار خاتم الانبیاء تمام انبیاء و مرسلین

کے اور ائمہ طہرین جناب خاتم النبیین کے قائم مقام و جانشین تھے۔ سر آدم و داؤد کے و اقدم میں ان کے خلیفہ اللہ ہونے کی



تفسیر ہے بلکہ خلیفہ ہونے کا ذکر ہے۔ اور نہ ان آیات میں لوگوں کے خلفاء اللہ ہونے کا ذکر ہے بلکہ صرف خلیفہ ہونے کا بیان ہے۔ ہاں البتہ بوجہ نصب و تقرر خداوندی انبیاء و ائمہ کو من باب المجاز و بغرض تعظیم و تکریم خلیفۃ اللہ کہا جاتا ہے (در سے از ولایت)

**بارہ سوال شبہ اور اس کا جواب** قرآن مجید میں مذکور ہے کہ جب جبریل متنزل بر بشر ہو کر جناب مریم کے پاس پہنچے۔ اور جناب مریم نے گھبرا کر ان سے خدا کی پناہ مانگی۔ تو انہوں نے جواباً کہا انا ما رسول ربک لاہب لك غلاماً ذکیتاً۔ میں تمہارے پروردگار کا ایلی ہوں۔ تاکہ تمہیں پاکیزہ بچہ عطا کروں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جناب جبریل بچہ عطا کر سکتے ہیں تو پھر سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کیوں نہیں دے سکتے؟

اس شبہ کا جواب واضح ہے کہ جناب جبریل کے کلام میں اعطاء الولد کی نسبت ان کی طرف مجازی ہے۔ در نہ اولاد عطا کرنے والا خداوند عالم ہی ہے جبریل تو صرف بشارت دینے آئے تھے چنانچہ اس بات کی تصدیق خود کلام مجید میں مذکور بالا سوال و جواب کے بعد موجود ہے۔ کہ جناب مریم نے بچہ کی بشارت کی خبر سن کر تعجب کے لہجہ میں کہا ائی میكون لی ولد ولم یمسس لبشری بھلا میرے ہاں کیوں کر بچہ ہو سکتا ہے جبکہ کسی انسان نے مجھے چھوا بھی نہیں؟ جناب جبریل نے جواب میں کہا قال کذلک قال ربک هو علیٰ ھیتن تمہارے پروردگار نے فرمایا ہے کہ یہ بات (باپ کے بغیر اولاد دینا) مجھ پر آسان ہے۔ رپٹ۔ س مریم ع ۵۔ اس جواب سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ بچے کا پیدا اور عطا کرنے والا العرض ملک و متصرف خدا ہے جبریل۔ وہ تو صرف مبشر ہیں۔ تفسیر تفتیات الدج ۶ ص ۱۱ پر مرقوم ہے کہ ان النبی فی مریمہ کان من جبریل و المخلوق من اللہ پھونک مارنا جبریل کا کام تھا اور بچہ پیدا کرنا خدا کا کام۔ اسی معمول کی مناسبت کی بنا پر ”ھو ولد“ کی نسبت جبریل کی طرف دے دی گئی ہے در نہ ائمہ لایذ عود انھم یخلقون شیئاً ممّا انفرد بہ بل عباد مکرھون لایستقونہ بالقول وھم یا مرہ یعملون۔ (بخاری ص ۱۱۱) ایسا ہی واقعہ جناب علی خدایاں کے زویر مجتہد کے ساتھ بھی پیش آچکا تھا۔ جب فرشتوں نے ان کو اولاد کی خوش خبری دی۔ تو حضرت نے سن کر کہا۔ اللہ انا عجوز و هذا بعلی شیخاً۔ میں بچہ بنوں گی، حالانکہ میں بڑھیا ہوں اور میرے شوہر بھی بوڑھے ہیں۔ فرشتوں نے کہا۔ اتعجبین من امر اللہ کیا آپ خدا کے امر و قدرت سے تعجب کرتی ہیں وہ قادر مطلق ہو چاہے کر سکتا ہے (رپٹ س ہود ع ۷) معلوم ہوا کہ اولاد عطا کرنا خدا کا فعل ہے اسی لئے کہ جناب ابراہیم خدایاں کا شکر ادا کرتے ہیں۔ الحمد للہ الذی ھو علیٰ الکبر اسماعیل اور انہی خلائق کی بنا پر انبیاء و مرسلین اور عباد اللہ الصالحین ہمیشہ خدا سے ہی اولاد طلب کرتے تھے وہاں ہی من لانت ذریتہ طیبہ انک سمیع الدعاء رپٹ س آل عمران ۱۲)

**تیرھواں شبہ اور اس کا جواب** جب حضرت امیر المومنین بالاتفاق قسیم النار والجنة میں تو اگر دنیوی رزق بھی دی بزرگوں و تقسیم کریں تو اس میں کیا استبعاد ہے؟ اس شبہ کا جواب واضح ہے کہ











بھر کر مولا تقسیم فرماتے ہیں تو یہ بالو عبدان غلط ہے کیونکہ روزی کسب و اکتساب یعنی کماتے اور ہاتھ پیر ملانے سے ملتی ہے (ولیس للانسان الاما سعى) ایسا نہیں ہے کہ چھت کے سوراخ سے رزق نازل کر دیا جاتا ہے۔ بہر حال یہ تقسیم رزق والی بحث بالکل ہی لایعنی اور مہمل ہے۔

وہ مقررین قابلِ داد ہیں جو اس مقام پر دوسرے خلیفہ کے جیونٹی کو ڈربیا میں بند کرنے اور جناب امیر کے اس کے منہ میں دانہ ڈالنے "جیسے بے سرو پا اور بے اصل دے بنا قصص و حکایات سے اس قسم کے اعتقادی مسائل کو ثابت کرنے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں۔ نہ بیان کرنے والوں کو خود معلوم کہ کس گھڑت قصہ کا ثبوت کیا ہے اور نہ سامعین کو یہ توفیق کہ حوالہ دریافت کریں۔ ۵

وزیر سے چنیں شہر یار سے چناں

اگر قوم میں تحقیق جستجو کا یہ جذبہ پیدا ہو گیا تو پھر ایسے بے لگام مقررین دین کو کھلونا نہیں بنا سکیں گے۔ الحمد للہ اب دن بدن قوم خواب گراں سے بیدار ہو رہی ہے اور عوام کو اتو بنانے والوں کا یوم الحساب قریب ہے۔ دعاؤں علی شاہ پھر کتاب نفس الرحمان ۱۶ پر امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک حدیث نقل کی گئی ہے جس کا ترجمہ متدل کے الفاظ میں یہ ہے۔

”جب اللہ کسی امر کو نافذ کرنا چاہتا ہے تو پہلے اس کو رسول اللہ پر پیش کرتا ہے۔ پھر امیر المؤمنین پر۔ پھر یکے بعد دیگرے باقی ائمہ اہل بیت پر بیان تک کہ اس کو امام زمانہ کے پاس پیش کیا جاتا ہے۔ اور پھر دنیا میں نافذ کیا جاتا ہے۔ اور جب فرشتے چاہتے ہیں کہ کسی عمل کو اللہ کے پاس پیش کریں تو پہلے وہ امام زمانہ کے پاس پیش کیا جاتا ہے۔ پھر یکے بعد دیگرے باقی ائمہ کے پاس یہاں تک کہ وہ رسول اللہ کی خدمت میں پیش ہوتا ہے۔ اور پھر خدا کے پاس پیش ہوتا ہے۔ پس جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتا ہے۔ وہ آنحضرت اور ائمہ اہل بیت کے ہاتھوں پر نازل ہوتا ہے۔ اور جو کچھ اللہ کی طرف سے نازل ہوتا ہے وہ آنحضرت اور ائمہ اہل بیت کے ہاتھوں سے جاتا ہے اور وہ چشمِ رزق سی ویرجی اللہ سے مستغنی نہیں ہوتے“

اسی طرح بھارت اور جنت ۲۴ وغیرہ میں امام زین العابدین علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا (ترجمہ) ”اے ابو حمزہ! طلوعِ شمس سے قبل نہ سویا کرو۔ چونکہ اس وقت اللہ تعالیٰ بندوں کے رزق تقسیم کرتا ہے۔ اور ہمارے ہاتھوں پر جاری فرماتا ہے“ ان حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ ”بندوں کے رزق ائمہ معصومین کے دستِ ہائے مبارک سے جاری کئے جاتے ہیں“ یہ ہے بعض مضمراتِ حقیقہ مع الدلیل کا خلاصہ جس پر انہوں نے پڑا نور دیا اور کئی صفحات سیاہ کر کے اسے افراط و تفریط کے امین درمیانی نظریہ قرار دیا ہے نہ معلوم وہ یہ کلمہ کہ تردید کس کی کر رہے ہیں؟ اس پر تو ہمارا بھی ایمان ہے کہ جب بھی کوئی فرشتہ زمین پر آتا ہے تو پہلے ان ذواتِ مقدسہ کی خدمت میں حاضر ہوتا



ہے اور جب واپس جاتا ہے تو ان کی خدمت میں حاضری دے کر جیسا کہ مضمون متعدد احادیث میں وارد ہے۔ بحث طلب  
ہے کہ فرشتوں کی آمد و رفت کس غرض کے تحت ہے؟ آیا خدا کو ان حضرات سے مشورہ لینا مطلوب ہے؟ یا ان  
حضرات کو نظام عالم چلانے میں کچھ دخل ہے؟ یا امور کو نیب کو یہ حضرات نافذ کرتے ہیں؟ یہ استدلال مہم پیش کرنے  
والے نے اپنی کتاب کے صفحہ پر اس پہلی حدیث کا آخری حصہ نقل کرنے کے بعد ان سوالوں کا نفی میں جواب دیتے ہوئے  
لکھا ہے: ”یہ صحیح الاسناد روایت تمام سابقہ روایات (واردہ در تفسیر سورۃ انا انزلنا وناقل) کا مفہوم واضح کر دیتی ہے  
کہ حق تعالیٰ اپنے تمام مقدر امور کے احکام کو پہلے ان ذوات مقدسہ کی خدمت میں پیش کرتا ہے۔ اور پھر کائنات میں  
ملک کے ذریعے نافذ و رائج کرتا ہے جس کا مقصد بعض ان حضرات معصومین کی عظمت و جلالت اور رفعت شان کا اظہار  
ہے نہ یہ کہ ذوات مقدسہ اس کے افعال و اختیارات میں شریک یا مشاور ہیں“ (۴۱) اسرار ص ۵۵) پھر اس مطلب  
کا تاہد میں سرکار علامہ مجلسی کا کلام بجا رہا، ص ۲۶۲ سے پیش کیا ہے، بعینہ یہی مطلب ہم اصول الشریعہ طبع اول کے  
مناظر میں کر چکے ہیں۔ لہذا موصوف نے جو کچھ لکھا ہے وہ ہماری تاہد مزید ہے نہ تردید۔

اس حدیث اور بیان میں بار بار اس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ امور کو مقدر بھی خدا کرتا ہے۔ اور ملک کے ذریعہ  
ناشد بھی خدا کرتا ہے۔ اللہ کی بارگاہ میں فرشتوں کی یہ آمد و رفت بعض ان کی عظمت شان و بلندئی مقام کے اظہار  
کے لئے ہے دیں۔

باقی رہی دوسری حدیث اس کا صحیح مفہوم یہی ہے جو اس کتاب کے ناشر نے اپنے وضاحتی نوٹ میں لکھا ہے کہ  
”بندوں کے رزق کا اللہ ظاہرین کے ہاتھوں پر جاری کرنے سے مراد آپ کے وسیلہ و برکت اور توسط سے جاری کرنا ہے  
جیسا کہ سابق روایت میں ہے۔ کہ خداوند عالم جو چیز اپنے بندوں پر نازل کرتا ہے تو پہلے اس کو فرشتے خدا کے حکم سے  
یکے بعد دیگرے رسالت مآب اور اللہ ہدفی کے علم میں لانے کے لئے ان کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ بعد ازاں بندوں  
پر نازل ہوتی ہے۔ اس امر کا ثبوت مابعد کی روایت میں بالوضاحت ہے: ”ناشر جو اسرار ص ۵۵) حدیث میں تقسیم  
کی نسبت خود خدا نے لم یزل کی طرف ہے معلوم ہوا کہ تقسیم خدا ہی کرتا ہے۔ یاں جو جبریل رزق ہونے کے اللہ ہی کی طرف  
نسبت مجازی ہے۔ و بینہم رزق الوری و بود وجودہم ثبتت شوالحمدہ اللہ علی و صلوٰۃ الخصال و انکشاف الاحمال

پندرھواں شبہ اور اس کا جواب | ایک خطیب جو کہ خطبۃ البیان کے نام سے موسوم ہے حضرت امیر المومنین کی

طرف منسوب ہے اس سے تفویض اور ان حضرات کا فائق و رازق ہونا

ابت ہوم ہے کیونکہ اس خطیب میں وارد ہے: انا ہادی الارضین۔ انا مودق الاشجار۔ انا المصور فی الارحام۔

ناہی و امیت انا خلق و اذوق۔ یعنی زمینوں کا دفرش بچھانے والا، درختوں پر پتے لگانے والا، رحم مادر

بچے کی تصویر کشی کرنے والا میں ہوں۔ میں زندہ کرتا ہوں اور میں مارتا ہوں۔ میں خلق کرتا ہوں اور میں رزق دیتا ہوں۔



اگرچہ ہم نے احسن الفوائد میں (صفحہ ۲۳) سے صفحہ ۲۴ تک طبع اول اس شبہ کا تفصیلی اور قطعی جواب پیش کر دیا ہے اور روایت و درایت اور علمائے اعلام کے کلام حق ترجمان سے ثابت کر دیا ہے کہ یہ جناب امیر المومنین کا کلام بخیر نظام نہیں ہے اس لئے اس کے ساتھ تسک کرنا بالکل غلط ہے۔ اور بغیر من تسلیم اس کا وہ مفہوم نہیں ہے جو قشر میں کہتے ہیں شائقین تفصیل اس کتاب کی طرف رجوع کریں۔ تاہم مزید الیقین اور وضاحت کی خاطر ذیل میں دو چار اور جلیل القدر علماء اعلام کا کلام حقیقت ترجمان پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔ حضرت علامہ زکریا ابوالحسن ترکمانی اپنی کتاب مستطاب قصص العلماء طبع لمبئی ۱۳۵۵ھ پر حضرت امیر علیہ السلام کی طرف منسوب حدیث انا خالق السموات والارض کا جواب دیتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

”کی گونیم کہ ابن خیر مجبول و کذب محض و افتراء است و این خبر در خطبہ البیان محمود علی دہار است۔ کہ از موضوعات است و شیخ رجب برسی صوفی نیز آن را در کتب خود نقل کرده و الا پس علماء عالی مقدار و مشہورین اعصار از علماء اختیار و فضلاء ابرار و نقاد اختیار از اہلبار ماند خواص اخبار علامہ مجلسی جبکہ اللہ جل جلالہ وارضوان صاحب بھار الانوار و سید رضی جامع خطب حیدر کرار صاحب نیج البلاغہ و ثقہ الاسلام شیخ کلینی ۱۳۵۵ھ و خراب ایشان ابن خیر را نقل نہ کرده اند۔ و در ہیچ کتاب معتبرے آن را ندیدیم و تشدیدیم بلکہ بعضی از افاض کامل حکم بوضع تقریرج بر کذب آن فرمودہ اند یعنی ہم کہتے ہیں کہ یہ روایت بالکل جعلی اور من گھڑت ہے۔ یہ خبر محمود علی دہار کے خطبہ البیان میں موجود ہے جو کہ موضوعات (من گھڑت) خطبات میں سے ہے۔ اسے شیخ رجب برسی صوفی نے بھی اپنی کتب میں درج کیا ہے۔ ورنہ دوسرے عالی مقدار تمام زمانوں کے مشہور علمائے اختیار و فضلاء ابرار اور ائمہ اطہار کے اخبار کے ناقدین کبار مثل خواص بھار الانوار سرکار علامہ مجلسی علیہ الرحمہ اور جناب سید رضی جامع خطب حضرت حیدر کرار صاحب نیج البلاغہ و ثقہ الاسلام حضرت کلینی مرحوم یا ان جیسے دیگر علماء ذوی انفخار نے اسے اپنی اپنی کتب میں نقل نہیں کیا۔ اور نہ ہم نے اسے کسی معتبر کتاب میں دیکھا ہے اور نہ سنا ہے بلکہ بعض علماء افاض نے اس کے جعلی و جعلی ہونے کی تصریحات فرمائی ہیں۔ جیسے حضرت علامہ مجلسی درمفہم بھار ۳۶۵ھ بمحقق قمی درجامع اثبات محدث صوفی درنہاج البراءہ ج ۴ ۳۶۵ھ وغیرہم

۲۔ زبدۃ الفضلاء حضرت آقا سید اسماعیل النوری اپنی کتاب کفایۃ الموحدين ج ۱ ص ۲۴۱ طبع ایران میں تحریر فرماتے ہیں۔

”آپ شخص نویدم دریں باب چیز سے یافتیم و چیزے ہم در اخبار ترسیہ ایک نسبت خلق و رزق و امات و احیا ایشان داده شود علی الاطلاق بی در خطبۃ البیان بعضی ازین الفاظ مذکور است۔ لکن این خطبہ را اصحاب



ناقل ننمودہ اندو گشتہ اند کہ اس خطبہ را بعضی از غلاة موضوع نمودند آن را نسبت دادند بحضرت امیر المؤمنین علیہ السلام و اصل تافہیں اس خطبہ ہم نیز بعضی از عامدی باشند و خود جناب شیخ تیز نصیر کج کردہ است بعدم اعتبار او چنانچہ در شرح زیارۃ در مقام نقل بعضی از اخبار رجعت می گوید کہ من در خصوص اس مضمون خاص کہ عدد اصحاب حضرت علیؑ اندخبرم ہر یک از آن با از بلد خاص باشند و تعداد آن با ازین بلدان متفرقہ حدیثہ دریں باب ندیدیم مگر در خطبہ البیان دان اعتبار سے ندارد۔۔۔ (انی ان قال) پس باین سوال چہ حجت و دلیل خواہ شد اس خطبہ برائے احدی؟

یعنی ہم نے جہاں تک تتبع و جستجو کی ہے احادیث میں کوئی ایک دلیل نہیں ملی جس کی بنا پر خلق و رزق اور امات و احیاء کی نسبت ائمہ اہل بیت کی طرف دینا علی الاطلاق جائز ہو۔ ہاں البتہ اس قسم کے بعض الفاظ خطبہ البیان میں مذکور ہیں۔ لیکن اس خطبہ کو ہمارے علماء نے نقل نہیں کیا بلکہ یہ فرمایا ہے کہ اس خطبہ کو بعض غالیوں نے وضع کر کے حضرت امیر علیہ السلام کی طرف اس کی نسبت دیدی ہے۔ اور اس کے ناقل بھی بعض سنی المذہب حضرات ہیں۔ خود شیخ (احمد حسانی تقویٰ) نے بھی اس خطبہ کے ناقابل اعتبار ہونے کی تصریح کی ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی کتاب شرح زیارۃ میں رجعت کا بیان کرتے ہوئے حضرت عجلت علیہ السلام فرجہ کے ہر شہر سے مخصوص اصحاب کے عدد کے بارہ میں لکھا ہے۔ کہ اس سلسلہ میں ہمیں سوائے خطبہ البیان کے اور کوئی حدیث نہیں ملی۔ اور یہ خطبہ ناقابل اعتبار ہے و بعد از اس صاحب کتاب نے اس خطبہ کے اختلاف نسخ و عبارات کو کہ ایک نسخہ کے ساتھ دوسرا نہیں ملتا اس کے بطلان کی دلیل قرار دیتے ہوئے آخر میں لکھا ہے (پس ان حقائق کی روشنی میں یہ خطبہ کیوں کر کسی شخص کے لئے کسی مطلب کے اثبات پر دلیل بن سکتا ہے؟ ہم دریاچہ میں ارشاد موصوفین کی روشنی میں ثابت کر چکے ہیں کہ یہ فرقہ غالبہ اپنے باطل دعووں کے ثبوت میں بے سمجھا حدیثیں گھڑ دیا کرتا تھا۔

(۳) فاضل محترم آقائے عسکری تقویٰ کی رد کرتے ہوئے کہتے ہیں "فما یظہر من بعض الروایات ومنہا خطبۃ البیان من مدخلیۃ الأئمة فی وجود الاشیاء واثبات العلۃ الفاعلیۃ لہم بالنسبۃ الیہا فلا بد من تأویلہ ان صح سندہ والا فطرحہ۔۔۔ متعین کخطبۃ البیان التی لہ توجہ الائی کتب الغلاة فی اذہان عقلۃ العوام حفظنا اللہ من دسواس الشیطان" اور یہ جو بعض روایات سے کہ منجلیہ ان کے ایک خطبہ البیان بھی ہے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ ائمہ اہل بیت کو امتیاز عالم کے وجود میں کچھ دخل ہے۔ اور یہ کہ وہ ان اشیا کی علت فاعلی ہیں۔ تو اگر اس قسم کی روایات کی سند صحیح ہوئی تو ان کی لازماً تائید کی جائے گی۔ ورنہ ان کو نظر انداز کر دیا جائے گا۔ جیسے خطبہ البیان کہ اس کا سوائے غالیوں کی کتابوں کے یا حقیقت حال سے غافل عوام الناس کے ذہنوں کے اور کہیں وجود نہیں ہے۔ خدا ہمیں دوسرے شیطان سے محفوظ رکھے۔ (ضرر الحق ج ۳ ص ۴۳)

(۴) آیتہ اللہ العالیہ جناب علامہ سید حامد حسین (صاحب تحفقات) اپنی کتاب استقصاء الامام ج ۳ ص ۴۶ پر فرماتے



کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے جس نے خطبۃ البیان کے بعض مندرجات کی بنا پر مذہب شیعہ پر ایراد کیا تھا فرماتے ہیں  
 ”الزام وقتے متصور می شد کہ تصریح اہل حق بصحت این خطبہ ثابت میگردد واتی لہذا کہ“ یعنی یہ الزام اس وقت  
 درست ہوتا کہ اہل حق شیعہ نے اس خطبہ کے صحیح ہونے کی کہیں کوئی تصریح کی ہوئی۔ اور مخالف اسے کب ثابت  
 کر سکتا ہے؟

(۱) علامہ سید حسین لکھنوی نے اپنی کتاب حریقہ سلطانیہ ج ۲ ص ۲۱۸ پر اس خطبہ کی بڑے پر زور الفاظ میں رد فرمائی۔ ایک  
 جگہ لکھتے ہیں ”و دیگر عینی نہ باشد کہ خلاۃ شیعہ بسیار دعو یہاںے بلند و سخنان چند با حضرت نسبت دادند بعضے آنحضرت را  
 خدا گفتند چون راوی خطبۃ البیان مجہول است می تواند بود کہ ان خطبہ را یکے از ایشان با حضرت منسوب کردہ باشند۔ الخ یعنی  
 عینی نہ رہے غالی شیعوں نے بہت سے بلند بالا دعوے آنجناب کی طرف منسوب کئے ہیں کہ کسی غالی نے (خود وضع کر کے) اسے  
 جناب امیر علیہ السلام کی طرف منسوب کر دیا ہے۔

چونکہ کوکب دُری کے مؤلف نے اس خطبہ کو خواجہ محمد دہدار کے کسی رسالے سے نقل کیا ہے اب جو مطلب  
**انکشاف حقیقت** بات یہ ہے کہ یہ خواجہ محمد دہدار کون ہیں؟ ان کی شخصیت کیا ہے؟ اور ان کا مذہب کیا ہے؟ اس سلسلہ

میں حمۃ الخاضعہ علی العامہ جناب علامہ حامد حسین اعلیٰ اللہ مقام کی تحقیق بڑی وقیح و قابلِ قدر ہے۔ وہ اپنی مایہ ناز کتاب  
 استقصاء الانعام ج ۲ ص ۲۴۹ طبع لکھنؤ فرماتے ہیں کہ ”محمد بن محمود الملقب بدہدار کا برہمنائے اہل سنت است وحاشیہ  
 اور نفحات جامی مشہور پیش فقیر م حاضر“ یعنی محمد بن محمود ملقب بدہدار کا برہمنائے اہل سنت میں سے ہیں نفحات الانس  
 جامی کو کہ تصوف میں ہے) پر ان کا حاشیہ مشہور اور فقیر مصنف کتاب کے پاس موجود ہے۔ اسی طرح علامہ سید حسین لکھنوی کے  
 حدیقہ سلطانیہ ج ۲ ص ۲۱۸ پر حضرت قاضی نور اللہ شوستری (شہید ثالث) اعلیٰ اللہ مقام کا وہ کلام حق ترجمان نقل کیا ہے  
 جو انہوں نے میر یوسف علی کے بعض سوالات کے جواب میں ارشاد فرمایا جن کا تعلق خطبہ البیان تھا۔

”جواب آنست کہ ثبت العرش ثم انتشخن در اثبات است و اعلامنا غایت نہ اثبات صحت خطبہ الراء  
 بحضرت امیر مومنان خود مدو خطبہ بلکہ مؤلف آن مانند شیخ مرد صوفی مجہول المذہبی بودہ“

یعنی اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے غمتی ثابت کرو۔ پھر اس پر کچھ لکھو۔ کلام میں ہے کہ آیا خطبہ البیان صحیح بھی ہے؟  
 اس خادم شہید ثالث کے نزدیک تنا حال جناب امیر المومنین کی طرف اس کا انتساب ثابت نہیں ہے۔ بلکہ اس خطبہ کا  
 مؤلف شیخ (سعدی) کی طرح ایک مجہول المذہب صوفی ہے۔ ان دو حلیل القدر محقق علماء اعلام کے کلام سے معلوم ہو گیا کہ اس خطبہ کا  
 مجہول کا اصل راوی بلکہ مصنف ایک سنی عقیدہ اور صوفی مسلک شخص ہے اور ہم ارشادات معصومین کی روشنی میں کئی بار ثابت کر چکے ہیں کہ  
 اقرار سے اہل بیت رسول کوئی فضیلت والی روایت بھی اس وقت تک قبول نہیں کیا سکتی جب تک بطریق ائمہ اہلبیت اسکی تائید مزید نہ ہوئی  
 ہو۔ اور یہاں اس خطبہ کی تائید کی بجائے مذہب اہلبیت کے ذمہ دار علماء اعلام بڑی شوق سے اسکی رد فرما رہے ہیں۔ تو بعد ازیں بھی کوئی معمولی  
 عقل و انصاف اور دین و دیانت رکھنے والا انسان اس خطبہ پر اپنے اعتقاد کی بنیاد رکھ سکتا ہے؟ قل یا اہل الکتاب تعالوا لی کلمتہ  
 دینی کہ بعض نے تو انکو خدا بھی کہہ دیا ہے چونکہ اس خطبہ کا راوی مجہول ہے اسلئے صحت ہے

انا سلسلہ  
 انکشاف حقیقت  
 علامہ سید حسین لکھنوی نے اپنی کتاب حریقہ سلطانیہ ج ۲ ص ۲۱۸ پر اس خطبہ کی بڑے پر زور الفاظ میں رد فرمائی۔ ایک جگہ لکھتے ہیں ”و دیگر عینی نہ باشد کہ خلاۃ شیعہ بسیار دعو یہاںے بلند و سخنان چند با حضرت نسبت دادند بعضے آنحضرت را خدا گفتند چون راوی خطبۃ البیان مجہول است می تواند بود کہ ان خطبہ را یکے از ایشان با حضرت منسوب کردہ باشند۔ الخ یعنی عینی نہ رہے غالی شیعوں نے بہت سے بلند بالا دعوے آنجناب کی طرف منسوب کئے ہیں کہ کسی غالی نے (خود وضع کر کے) اسے جناب امیر علیہ السلام کی طرف منسوب کر دیا ہے۔



## چوتھا باب

### انبیاء و ائمہ علیہم السلام استمداد کے جواز و عدم جواز کا بیان

تیسرے باب میں جو حقائق و معارف پیش کئے گئے ہیں اگرچہ ان میں سے اس موضوع (استمداد از انبیاء و ائمہ) کا بھی فیصلہ ہو جاتا ہے یعنی جب مذکورہ بالا باب میں عقلی و نقلی دلائل قاطعہ و براہین سادہ سے ثابت کر دیا گیا کہ خلق و رزق، امانت و اسیار وغیرہ امور کو نبیہ خدا نے انبیاء و ائمہ کے سپرد نہیں فرمائے۔ تو اس سے یہ حقیقت ظہور سے ہو جاتی ہے کہ ان امور میں ان ذوات مقدسہ سے مدد مانگنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مگر چونکہ یہ مسئلہ قدیم الایام سے عمل بخت و تمیص اور معرکہ الآرا بنا ہوا ہے۔ لہذا ضروری سمجھا گیا کہ اس موضوع پر ایک مستقل باب میں جامع تبصرہ کے بلا خوف و تردد لازم تھی و تحقیق کو واضح و آشکار کر دیا جائے۔ الحق من ربك فلا تكونن من الممترین۔

#### امر اول۔ محل نزاع کی تحریر و تنقیح

قبل اس کے کہ اصل موضوع پر خام فرسائی کی جائے۔ مناسب ہے کہ بطور تہیہ پہلے چند امور پر تبصرہ کر دیا جائے جن کا اصل مقصد کے سمجھنے و سمجھانے کے ساتھ گہرا ربط و تعلق ہے۔ سب سے پہلے تو محل نزاع کی تنقیح و تحریر ضروری ہے تاکہ خلط بحث کی وجہ سے یہ بحث بے نتیجہ ہو کر نہ رہ جائے۔ جیسا کہ اس موضوع پر قدم اٹھانے والوں میں اکثر نے خلط بحث سے کام لیا ہے۔ اور باب دانش و نبی پر یہ حقیقت واضح دے گئی ہے کہ خلاق عالم نے انسان کو مدنی الطبع پیدا کیا ہے یعنی کوئی بھی آدمی اپنے تمام امور معاش و معاد کو حق تنہا انجام نہیں دے سکتا۔ بلکہ وہ اپنے اکثر و بیشتر امور میں اپنے بنی نوع انسان کے بھروسہ و تعاقد و تعاون کا محتاج ہے۔ اسی حقیقت کے پیش نظر خلاق حکیم نے مسلمانوں کو امداد باہمی کا بار بار حکم دیا ہے۔ اور وعدہ و وعید، ثواب و عقاب کے ذریعہ اس کی بڑی ترغیب دلائی ہے۔ تعاون و علی البؤ و التقویٰ یعنی ٹکی اور پرسہ گیری کے کاموں میں ایک دوسرے کی امداد کرو اور پیغمبر اسلام نے اس سلسلہ میں اس قدر اہتمام فرمایا ہے کہ اس شخص کو خیر الناس قرار دے دیا ہے جو ”نفع الناس“ کا مصداق ہے۔ (بخیرا للناس من نفع الناس زلزالی الاخبار) اور اللہ کے خدمت خلق کی اس قدر تاکید فرمائی ہے کہ جس شخص کو اسلامی برادری کی حاجت براری اور ان کے دکھ سکھ میں شریک ہونے کا خیال نہ ہو۔



اگر وہ اسلام سے ہی خارج کر دیا رہن اصبح و لیلہ یھتم باہم المسلمین فلیس منہم و بکار ج، اور وہ شخص جو نفع کی بجائے اٹنا مخلوق خدا کو نقصان اور راحت کی بجائے اذیت پہنچائے۔ اسے بدترین خلائق قرار دیا۔ (جامع السعادت) اور بعض فقرہ گو اسلامی شعراء نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ یہ

عبادت بجز خدمتِ خلق نیست تبسّیح و سجّادہ و دلق نیست

کام آخلق خدا کے کہ خدا کے نزدیک اس سے بڑھ کر نہ ہوئی ہے نہ عبادت ہوگی بہر حال دین حق کی نصرت کرنا جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعہ نبی و امام کی مکر مضبوط کر کے اسلام کی نشر و اشاعت کرنا، گمراہ کو راہ راست دکھانا، مظلوم کو ظالم کے نیچے ختم وجود سے بھڑاتا۔ فقیر و مسکین کی خدمت کرنا اور بھوکے کو روٹی کھلانا، ایسی طرح صاحبِ احتیاج کو قرضہ حسنہ دینا اور گرفتار بلا و مصیبت کی اخلاقی و مادی مدد کرنا۔ وغیرہ وغیرہ وہ کارنامے خیر اور وہ بلند اخلاقی امور ہیں۔ جن کی بجا آوری پر تو ایسے حساب بیان کر کے شرعیّتِ مقدسہ میں ترغیب و تکریم دلائی گئی ہے۔ لہذا اس قسم کی باہمی امداد نصرت کے جواز میں تو کوئی سلیم الغفل انسان کلام ہی نہیں کر سکتا۔ ہاں جو کچھ اختلاف ہے وہ انسیب یا اوائل سے ان امور کے بارے میں مدد و نصرت طلب کرنے کے جواز یا عدم جواز میں ہے۔ جو انسانی قدرت و دسترس سے بالا ہیں۔ جیسے پیدا کرنا، مارنا، جلانا، رزق دینا اور بیماروں کو شفا دینا وغیرہ امور تو کوینیہ جن پر تبصرے باب میں پوری بحث و گفتگو کی جا چکی ہے۔ چنانچہ وہ لوگ جنہوں نے اصول مذہب کا گہری نظر سے مطالعہ نہیں کیا۔ ان امور میں براہِ راست ان بزرگوں سے استدلال کو جائز سمجھتے ہیں۔ مگر جنہوں نے مذہب کو من حیث المذہب سمجھا ہے جن کے نزدیک ہر موضوع و مسئلہ میں قرآن کے نصوص محکمہ اور پیشوایانِ دین کے اخبار معتبرہ و منفقہ سے سروموجاؤز کرنا جائز نہیں ہے۔ وہ ان امور کو کوینیہ میں ان دعوائے مقدسہ سے صرف تو تسل و طلب شفاعت کرنے کو جائز سمجھتے ہیں وہیں۔

ان حقائق سے معلوم ہو گیا۔ کہ جن بعض رسائل میں پانچ عدد آیات مبارکہ کو پیش کر کے غلط بحث کرتے ہوئے ان سے جوازِ استدلال پر استدلال کیا گیا ہے جیسے آیت ان تنصر و اللہ ینصرکم، ثم جاء کہ رسول مصدق لما معکم لتؤمنن بہ ولتنصرنہ، فاستغاثہ الذی من شیعته علی الذی من عدوہ الخ فان اللہ مولاه و جبریل و صالح المؤمنین۔ دراصل ان آیات شریفہ کا ہمارے زامی مسئلہ کے ساتھ ہرگز کوئی ربط و تعلق نہیں ہے بلکہ ان میں ان امور کے بارے میں ایک دوسرے کی مدد و نصرت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یا مذکرہ کہا گیا ہے۔ جن کے متعلق ایک دوسرے کی نصرت و اعانت کرنے کے جواز بلکہ انتخاب بلکہ بعض صورتوں میں وجوب میں بھی کوئی کلام نہیں ہے۔

اھروم و عمائمہ و طاہرین زندہ جاوید ہیں | اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ سرکارِ محمد و آلِ محمد علیہم السلام



مابہری موت کا ڈانٹ چاکھ کر دیا سے دارا اٹھت کی طرف منتقل ہو چکے ہیں اور موت کے پوشر عا ظاہری علامت اور دکام میں جیسے نماز جنازہ کا پڑھنا، غسل میت دینا، کفن پہنانا، دفن کرنا اور پھر وراثت کا تقسیم کرنا وغیرہ یہ سب مو عمل میں آچکے ہیں۔ ظاہر ہے کہ زندہ آدمی کے ساتھ ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ زندہ درگور کرنا، بلکہ اس کی نماز جنازہ پڑھنا اور اس کے مال و ترکہ کو بطور وراثت تقسیم کرنا حرام ہے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ حقیقت بھی ناقابل انکار ہے کہ ان بزرگواروں کی اس ظاہری موت سے ان کے تمام آثار حیات کا خاتمہ نہیں ہوتا۔ بلکہ بعض آثار کا سلسلہ اس کے بعد بھی برابر جاری رہتا ہے۔ اگر کمالاتِ نبوت و امامت سے بھی غرض بھر کر لیا جائے جس کے بارے میں حضرت امیر علیہ السلام فرماتے ہیں: "وامتہ بصوت من مات منا ولیس بمیت" کہ ہمارا مرنے والا فی الحقیقت مرنا نہیں ہے (بیچ البلاغہ ج ۱ ص ۱۵۳)۔

تاہم اتنا تو مسلم ہے کہ ان ذواتِ مقدسہ میں سے کوئی بزرگوار بھی اپنی طبعی موت سے دار فانی سے عالمِ جاودانی کی طرف منتقل نہیں ہوا بلکہ ان سب حضرات نے شمشیرِ وفا یا زہرِ حقا کے ذریعہ جامِ شہادت نوش فرمایا ہے جیسا کہ خود ذواتِ قادسہ کا ارشاد ہے "ما منّا الا مقتول او مسموم" یعنی ہم سب کے سب تلوار یا زہر کے شہید ہوتے ہیں (الدرمہ السکبہ - المختار لطیفی وغیرہ)۔

پس جب ان حقایق کی روشنی میں ان حضرات کا شہید ہونا مسلم ہے تو اس سے ان کی حیاتِ جاودانی بھی ثابت ہو جاتی ہے۔ کیونکہ شہداء کے بارے میں قرآن مجید کا فیصلہ یہ ہے کہ لا تقدر لوالعن یقتل فی سبیل اللہ امواتا بل احياء ولکن لا تشعرون (پہلے سورہ البقرہ ص ۲) اور جو لوگ خدا کی راہ میں مارے گئے انہیں کبھی مردہ نہ کہنا بلکہ وہ زندہ ہیں مگر ان کی زندگی کی حقیقت کا کچھ بھی شعور نہیں رکھتے؟ ایک اور مقام پر ارشادِ رب العالی ہے: ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احياء عند ربہم یوزقون (پہلے آل عمران ص ۸۰) اور جو لوگ خدا کی راہ میں شہید کئے گئے ہیں انہیں ہرگز مردہ نہ سمجھنا۔ بلکہ وہ لوگ جیتے (جاگتے موجود) ہیں۔ اپنے پروردگار کے ہاں وہ طرح طرح کی روزی پاتے ہیں" (ترجمہ فرمائی)۔

جس طرح ہم اور بہت سے حقائق کو نہیں سمجھ سکتے۔ اسی طرح اگر اپنے عقول ناقصہ کی تار سائی کی وجہ سے ان کی اس حیاتِ طیبہ کی حقیقت کو نہ سمجھ سکیں تو یہ اور بات ہے۔ لیکن صاحبانِ علم و معرفت جانتے ہیں۔ کہ عدمِ علم کو دلیل عدم قرار نہیں دیا جاسکتا۔ لہذا جب ان حضرات کی حیاتِ باطنیہ بزرگیہ قرآن و حدیث کے نصوص صحیحہ و مرسلہ سے محقق

ہے اگرچہ قرآن اور حضراتِ محمد و آلِ محمد علیہم السلام کے فرمان سے عام اہل ایمان کی حیاتِ برزخیہ بھی ثابت ہے مگر جتنا فرق مراتب عام و تنہیں اور ائمہ ظاہرین علیہم السلام میں ہے۔ اتنا ہی فرق ان ہر دو کی حیاتِ برزخیہ کے درمیان ہے (منہ عفی عنہ)۔



دیر ہن ہے تو پھر ماننا پڑے گا۔ کہ ان کی ظاہری موت سے ان کے تمام آثار و تصرفات حیات منقطع نہیں ہوتے۔ اس طرح یہ بزرگوار آیت قرآنی وما یستوی الاحیاء والاموات (کہ زندہ اور مردہ برابر نہیں ہو سکتے) کے علوم سے مستثنیٰ سمجھے جائیں گے۔ ہاں البتہ اس امر کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ جن ظاہری چیزیں ہیں جن میں ان کو کن کن اختیارات و تصرفات کا حق حاصل تھا؛

**امور تکوینیہ کی انجام دہی ائمہ ظاہرین کے متعلق نہیں ہے** [تیسرے باب میں ناقابل انکار دلائل قاطعہ و براہین ساطعہ سے اس امر کو ثابت کیا جا چکا ہے کہ

امور تکوینیہ (خلق، رزق، امانت، احیاء اور شفاء امراض وغیرہ) میں ان بزرگواروں کا منصب و مقام بارگاہ قدرت میں لوگوں کی شفاعت و سفارش کرنا ہے۔ جہاں تک ان کی انجام دہی کا تعلق ہے اور پھر بھی بلکہ یقیناً وہ قطعاً ان کے متعلق نہیں ہے نہ بطور تفویض نہ بحفاظت و کبیل اور نہ بصورت آلات وغیرہ۔ تو اس سے ارباب عقل سلیم و طبع مستقیم کے لئے یہ معتمدہ دلیل ہو جاتا ہے کہ جب یہ امور خداوند عالم نے ان کے قبضہ و اختیار میں دیئے ہی نہیں۔

دلیل الخلق والاموات تو پھر امور کو ان حضرات سے طلب کرنا اور ان کے متعلق براہ راست ان سے اس طرح مدد مانگنا کہ وہ خود اولاد دیں، یا رزق دیں یا بیمار کو شفا دیں۔ وہی بذالقیاس دوسرے تکوینی امور کو انجام دیں۔ اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ اگر بقرض محال چند نعمات کے لئے تفویض غیر استقلالیٰ کو تسلیم بھی کر لیا جائے۔ کہ

بإذن اللہ ان امور کی انجام دہی ان کے سپرد ہے تاہم ان امور میں ان کی طرف رجوع کرنا ایک بے معنی سی بات ہے۔ کیونکہ

بنابرین کرنا تو پھر بھی یہ سب کام خدا ہی ہے ہاں صرف ان کا اظہار و اجراء ان کے ذریعہ ہوتا ہے۔ مگر یہ حضرات اپنی مہمنی و منشاء سے وہ کچھ بھی نہیں کرتے۔ وہم بامورہ یعملون انہیں حالات ظاہر ہے کہ رجوع اسی ذات قادر و قیوم کی طرف

ہی کیا جائے گا جس کے قبضہ قدرت میں ان تمام امور کی بست و کشاد ہے۔ (مبارک الذی یبدیہ الملك دھو

علی کل شئی قدیر) جیسا کہ ملائکہ جو براہ راست امر میں۔ اور تدبیر عالم میں بمنزلہ آلات خداوندی ہیں۔ یعنی خداوند عالم

روحیں بذریعہ ملک الموت قبض کرتا ہے۔ رزق تبووسط میکائیل تقسیم فرماتا ہے۔ اور حفاظت بواسطہ جبرائیل

کرتا ہے (الی غیب ذلک) تو کیا کبھی کسی شخص نے ان فرشتوں سے مدد طلب کی ہے؟ کہ میری روح قبض نہ کرے یا

میری روزی فراخ کر دو۔ یا میری حفاظت کر۔ کیوں؟ صرف اس لئے کہ ان امور کی انجام دہی میں ان فرشتوں کی ذاتی

مرضی و منشا کو کوئی دخل نہیں ہے۔ نہ یہ کچھ بڑھا سکتے ہیں اور نہ گھٹا سکتے ہیں۔ بل عباد مکوھوں لایس بقولہ

بالقول دھم بامورہ یعملون۔ یہی وجہ ہے کہ باوجودیکہ دینی امور میں تفویض ثابت ہے مگر آج تک کسی مؤمن

نے ائمہ اطہار سے یہ گزارش کرنے کی جرات نہیں کی۔ کہ میرے آقا۔ فلاں چیز کو حلال بنا دو یا فلاں چیز کو حرام قرار دے دو۔ یا فلاں واجب کے ترک کرنے یا فلاں حرام کے بجالانے کی مجھے رخصت دے دو۔ معاذ اللہ کیوں؟ نقطہ اس



ماقتاد ان شاء اللہ کے مصداق ہیں۔ خدا کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام قرار دینے والے ہیں۔ نظامیت میں انہیں کسی قسم کا کچھ تغیر و تبدل کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ لیکن جب تکوینی امور میں سرے سے تعویض نہ ہی نہیں۔ نہ استقلالی اور نہ غیر استقلالی۔ پھر خلق کرنے، رزق دینے اور مارنے و جلانے جیسے امور میں ان سے لگنے کا کیا محل باقی رہ جاتا ہے؟

ہاں چونکہ ان امور میں نزوات مقدسہ کا کام ہماری شفاعت اور سفارش کرنا ہے لہذا ان کے ظاہری حسین حیات روح اب بھی ان کی بارگاہِ عظمیٰ میں یہ استدعا کرنا صحیح ہے کہ وہ بارگاہِ خداوندی سے ہمارے یہ کام انجام دلوادیں بطور وسیلہ و شفاعت ان سے مدد مانگنا درست ہے ظاہر ہے کہ کسی کام کو کسی اور سبقتی سے انجام دلوادیتا بھی قسم کی مدد ہے۔ اس لئے بطور وسیلہ یا عی مدد کہنا اور ان کو حلال مشکلات بلکہ مشکل کشائے عالم سمجھنا یقیناً صحیح ہے۔ کوئی مومن عارف اس کا انکار نہیں کر سکتا۔

ہمارے صحیح طریقہ توسل و طلب شفاعت

مذکورہ بالا بیانات سے ثابت ہو گیا کہ امور تکوینیہ و خلق و رزق اور اماتت و اسما و غیرہ میں ائمہ اطہار کو خطاب کر کے سے بطور وسیلہ و سفارش و طلب کرنا جائز ہے۔ مثلاً یوں کہنا کہ یا علی سفارش کر کے مجھے خدا سے اولاد دو یا میرا رزق وسیع کرادو۔ یا میرے بیمار کو شفا دلوادو۔ یا استدعا کر کے میری فلاں مصیبت دور کرادو۔ یا شفاعت کے غیر گناہ خدا سے بخشوادو۔ وغیرہ وغیرہ صحیح ہے۔ یہ طریقہ دعائے اہل بیت علیہم السلام میں وارد ہوا ہے چنانچہ ائمہ توسل میں وارد ہے یا ساداتی و صوالی اتی تو جہت بکم و توسلت بکم الی اللہ و استشفعت الی اللہ فاشفعوا لی عند اللہ و استنقذنی من ذنوبی عند اللہ الخ اسے میرے آقا یاں! میں آپ کے ذریعہ خدا کی بارگاہ کی طرف منتوج ہوتا ہوں۔ اللہ کی بارگاہ میں آپ کا توسل حاصل کرنا ہوں اور آپ سے شفاعت کرنا ہوں آپ میری شفاعت فرمائیں اور خدا کے ہاں گناہوں سے میری گلو خلاصی کرائیں۔ الخ

مفاتیح الجنان

اسی طرح استغاثہ بنام امام زمان علیہ السلام میں وارد ہے سل اللہ تعالیٰ فی نجح طلبی و اجابۃ حقوقی و کشف کو متنی میرے آقا! آپ بارگاہِ خدا میں سوال کریں۔ کہ وہ میرے حاجات برائے میری دعا قبول فرمائے۔ اور میرے رنج و الم کو دور کرے (مفاتیح الجنان ص ۱۱) زیارت جامعہ میں تمام ائمہ اہل بیت علیہم السلام خطاب کر کے اس طرح ان کی بارگاہ میں درخواست پیش کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ استوہبتہ ذنوبی و شفاعتی آپ میرے گناہ بخشو! میں اور میری شفاعت فرمائیں (مفاتیح ص ۱۱) یہاں اس بحث میں چلنے کی ضرورت نہیں۔ کہ یہ بزرگوار ہماری اس تحریف آواز کو براہِ راست سماعت فرماتے ہیں۔ یا خدا کے کچھ خصوص



فرشتے ان تک ساری یہ عرضداشت پہنچاتے ہیں کیونکہ یہ غیر ضروری بحث ہے۔ اس قدر سہم ہے کہ ان ذواتِ مقدسہ کو ہماری اس داد و فریاد کی اطلاع ضرور پہنچاتی ہے۔ اور بنیتِ ایزدی کا مطالعہ کرنے کے بعد شفاعت بھی فرماتے ہیں۔ ولا یشفعون الا بحسن اذقنی ذلک توکل اور استشفاع کا ایک اور طریقہ ایسا بھی ہے جو مذکورہ بالا طریقہ سے بھی انسب و ادنیٰ ہے اور وہ یہ ہے کہ اہلِ اہلہار کی ذواتِ مقدسہ یا ان کی عزت و عظمت کا واسطہ دے کر براہِ راست خداوندِ عالم کو خطاب کر کے یہ چیزیں خدا سے طلب کی جائیں۔ مثلاً یوں کہا جائے اللہم انی اسئلك بحق یا بچاء یا بحرمات محمد وعلی و فاطمہ والحسن والحسین و نعمة من ذریۃ المحسین اذقنی یا اعطنی ما لا وعلما وولدا۔ یا اشفنی یا اشف فلانا۔ یا احی فلانا یا امت فلانا یہی طریقہ ہمیشہ سے عبادِ ربِّہ اور علما و مجتہدین علیہ السلام و مرسلین کا معمول رہا ہے۔ اور یہ کتب سیر و تواریخ اور تہذیب و عادات و تفاسیر میں اس قسم کے متعدد اخبار و آثار موجود ہیں کہ اور تو اور خود انبیاء و مرسلین نے بھی مشکلات و مصائب کے وقت ہار گام قدرت میں ستیہ ابرار اور ان کی اہلیت اطہار علیہم صلوات اللہ علیہا کے ذواتِ مقدسہ سے توسل حاصل کیا ہے اور ان کے ساتھ توسل کرنے سے ان کی مشکلات حل ہوئی ہیں۔ اس قسم کے بکثرت اخبار بصرائے الدرجات بہتم بحار الانوار مقدسہ فیہ مرآۃ الانوار اور تفسیر ربان وغیرہ کتب میں موجود ہیں۔ ہم یہاں بطور نمونہ دو چار روایات پیش کرتے ہیں۔

بحار الانوار ج ۷ صفحہ ۴۹۹ طبع تبریز پر ایک مستقل باب موجود ہے جس کا عنوان ہے "باب ان دعاء الانبیاء استجیب بالتوسل والاستشفاع بہم صلوات اللہ علیہم اجمعین" یہ باب بحار کے کچھ طویل و عریض صفحات تک پھیلا ہوا ہے جس میں اس دعوے کے ثبوت میں متعدد احادیث پیش کی گئی ہیں۔ پہلی روایت بحار کے کتاب جامع الاخبار و آمالی شیخ صدوقؒ بروایت معمر بن راشد حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے راوی کا بیان ہے کہ سمعت ابا عبد اللہ السلام یقول انی یہودی النبی فقام بین یدیہ بحد النظر الیہ فقال یا یہودی ما حاجتک قال انت افضل ام موسیٰ بن عمران الذی کلمہ اللہ وانزل علیہ التورۃ والعصا وقلق لہ الیہ و اللہ بالغمام؟ فقال النبی انہ یکوہ للعبد ان یرکب نفسہ و لکنی اقول ان ادم لما اصاب الخطیئۃ کانت توبتہ ان قال اللہم انی اسئلك بحق محمد وال محمد لما غفرت لی نغضها اللہ لہ وان لو حالما دکت فی السعینۃ و غات العرق قال اللہم انی اسئلك بحق محمد وال محمد الا انجیلتنی من العرق فنجیاء اللہ منہ و انت ابراہیم لما اتقی فی النار قال اللہم انی اسئلك بحق محمد وال محمد لما انجیلتنی منها فنجیاء اللہ علیہ برداً و سلاماً و ان موسیٰ لما اتقی عصا ارجس فی نفس خیفۃ قال اللہم انی اسئلك بحق محمد وال محمد لما افتقنی فقال جبریل جلالہ لا تخف انا انت الاعلیٰ یا یہودی ان موسیٰ لو ادر کئی ثم لم یؤمن فی و ینبؤ فی ما نفع ایمانہ شیئاً







بحقنا قد نفع الله عنه الغوث ولما التقى ابراهيم في النار دعى الله بحقنا فجعل الله النار  
عليه بردا و سلاما و ان موسى لما ضرب طريقا في البحر دعى الله بحقنا فجعله الله سببا  
وان عيسى لما اراد اليهود قتله دعى الله بحقنا فنجى من القتل فرفعه اليه و كذا في مقدمة  
تفسير مواضع الانوار ص ۳۱۰ یعنی جب حضرت نوح کو غرق ہونے کا اندیشہ دامگیر ہوا۔ تو ہماری عظمت کا واسطہ  
دے کر خدا کو پکارا۔ خدا نے غرق ہونے کے خطرہ کو مٹال دیا۔ جب حضرت ابراہیم کو آگ میں ڈالا گیا۔ تو انہوں نے  
بھی خدا کو ہماری عزت کا واسطہ دے کر پکارا۔ خدا نے ان کے لئے آگ کو سرد اور باعث سلامتی بنا دیا۔ جب  
حضرت موسیٰ نے دریا کو عبور کرنا چاہا تو ہمارے حق کا واسطہ دے کر خدا کو پکارا۔ خدا نے اسے شکاف سے کر دیا اور  
جب یہودیوں نے حضرت عیسیٰ کو قتل کرنا تو انہوں نے ہمارا واسطہ دے کر خدا کو پکارا۔ چنانچہ خدا نے ان کو اپنی  
بارگاہ میں زندہ اٹھا لیا۔ اخبار و آثار سے یہ حقیقت بھی واضح و آشکار ہوتی ہے کہ فرشتے بھی سرکار محمد و آل محمد  
علیہم السلام کے توسل سے خدا کا تقرب حاصل کرتے ہیں۔ چنانچہ مقدمہ تفسیر مرآة الانوار ص ۳۱۰ پر روایت حماد  
حضرت امام جعفر صادق علیہم السلام سے مروی ہے کہ آنجناب سے کثرت ملائکہ کے بارے میں استفسار کیا گیا۔  
تو آپ نے فرمایا۔ والذی نفسی بیدہ لملائکة الله فی السموات اکثر من عدد التواب فی الارض  
و ما فی السماء موضع قدم الا فیہا ملک یسجد و یقصدہ ولا فی الارض شجر ولا مدر الا فیہا ملک  
موکل بہا و ما منہم احد الا یتقرب الی الله کل یوم لولا یتکم و الشاہدان یكون و لا تینا اهل البیت  
و یتغفولہ حبیبنا و یلعن اعدائنا یعنی مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ آسمانوں  
ذائے فرشتے ذرات زمین سے بھی تعداد میں زیادہ ہیں۔ تمام آسمان میں ایک قدم رکھنے کی جگہ بھی ایسی نہیں جہاں کوئی  
نہ کوئی ایسا فرشتہ موجود نہ ہو جو خدا کی تسبیح و تقدیس کرتا ہے۔ اور زمین میں کوئی بھی شجر و حجر ایسا نہیں جس کے ساتھ  
کوئی فرشتہ موکل نہ ہو۔ اور یہ تمام فرشتے ہر روز بارگاہ قدرت میں ہم اہل بیت کی ولایت کے ذریعہ قرب حاصل کرتے ہیں  
اور ہمارے دوستوں کے لئے طلب مغفرت کرتے ہیں اور ہمارے دشمنوں پر لعنت!!

انہی حقائق کی بنا پر علامہ میرزا ابوالحسن الشریف نے مقدمہ تفسیر مرآة الانوار ص ۱۵ پر لکھا ہے۔ ومن لواصفیات  
ایضا انه لا یتجاب دعاء الا بالتوسل بہم علیہم السلام و لم یلدخ احد من الاخیار و لم یستل  
منہ شیئا الا بواسطتہم بل عمدة دعائہم لاء البقا و الشیات علی ولا یتہم یعنی یہ بات و اضمحلات  
میں سے ہے کہ ان ذات مقدسہ کے ساتھ توسل کے بغیر کوئی دعا مستجاب نہیں ہوتی کبھی خدا کے کسی نیک بندے نے  
ان کے ساتھ توسل کے بغیر خدا سے کوئی سوال کیا ہے اور نہ کوئی حاجت طلب کی ہے بلکہ ان نیک لوگوں کی توسل



ارزقنا الثبات علی دلائلہم فی الدنیا والآخرۃ وتوفنا علی ملتہم واحشرنا فی زمیر قہم وارزقنا  
شفاعتہم بحقہم علیک وبحقک علیہم علیہم السلام

علامہ عارضی مرحوم نے اپنی تفسیر بے نظیر لوامع التنزیل ج ۱۵ صفحہ ۱۸۹ سے ۱۹۰ اکتب موالف و مخالف  
سے انبیاء و اولیاء اور دیگر اعلام امت کے ان ذوات مقدسہ کے ساتھ توسل حاصل کرنے کے متعدد واقعات  
درج فرماتے ہیں۔ من شاء التفصیل فی وجع الیہ

علی کا نام مقدس وہ اکبر اعظم ہے کہ جس کسی نے پکارا اسی کے کام آیا

ان احادیث کے حاصل شدہ نتائج | اس امر جہاں میں جو چند اخبار و آثار پیش کئے گئے ہیں۔ ان سے چند  
قطعی نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

(۱) سلف صالحین۔ ملائکہ مقربین اور انبیاء و مرسلین کے عمل و طریقہ کار سے یہ استفادہ ہوتا ہے کہ  
ستارہ و مصائب کے وقت بارگاہ رب العزت میں سرکار محمد و آل محمد کے توسل سے دعا کرنی چاہئے۔ اور  
یہی طریقہ احسن ہے۔

(۲) اس سلسلہ میں تمام کائنات سرکار محمد و آل محمد کی محتاج ہے۔ اور وہ سوائے خدا کے اور کسی کے محتاج  
نہیں ہیں۔ اور یہ اس لئے ہے تاکہ ان کے رحمۃ للعالمین اور حبۃ اللہ علی الخلق اجمعین ہونے  
کا مفہوم واضح ہو جائے۔

(۳) ان کے وسیلہ و شفاعت کے بغیر کوئی دعا قبول نہیں ہوتی۔ یہ اور بات ہے کہ خود داعی کو اس بات کا علم  
ہی نہ ہو۔ اشہد ان چیز سے دیگر ہے۔ قد تجر

(۴) اس سے حضرت امیر علیہ السلام کی طرف منسوب کردہ بعض روایات کا مفہوم بھی واضح و لائح ہو جاتا ہے  
جیسے نصرت الانبیاء، سر آمد نصرت محمد اچھا کہ میں نے تمام انبیاء و مرسلین کی مدد پوشیدہ طور پر کی۔ اور آنحضرت  
کی حکم کھلا طور پر

قطع نظر اس سے کہ یہ روایت یا اس کے ساتھ ملتی جلتی دیگر روایات کتب معتبرہ میں موجود نہیں ہیں۔ اس  
سلسلہ میں حضرت شیخ صدوق اور جناب مقدس اردبیلی کا نام لینا غلط بیانی کی انتہا ہے۔ صاحب طوابع الانوار  
نے اسے کتاب مجمع الروایات سے نقل کیا ہے اور اس کتاب کو شیخ صدوق کی تالیف سمجھا ہے۔ جو ان کا سراسر  
استنباط ہے۔ یہ کتاب شیخ تلمیذ کا ہے جس کی طرف خود موصوف نے اشارہ بھی کیا ہے۔ (صفحہ ۳۳۱) اور اس  
صوف پر حضرت مقدس اردبیلی کا نام تو صرف کتاب مذکور کے شیخ صدوق کی انتساب کے سلسلہ میں ذکر کیا گیا مگر  
بعض حضرات نے آنجناب کا نام بھی اس روایت کے نقل کرنے والوں میں درج کر دیا۔ ان ہذا الشی عجاب۔



اور محدث جزا ٹری نے انوار نعمانیہ میں (مسئلہ پر اسے کسی سنی المذہب شخص کی کتاب کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ فراجہ اور عام کتب بتہ اولہ میں بھی کسی قابل اعتناء سلسلہ نہ کے بغیر محض مسلمان روی میں جس کی وجہ سے ان کے ساتھ استدلال اور وہ بھی عقائد کے معاملہ میں نہیں کیا جاسکتا مکالمہ لایفنی۔ لیکن اگر بالفرض انہیں درست بھی تسلیم کر لیا جائے۔ تو آنجناب کے انبیاء کی مدد کرنے کا صحیح مفہوم وہی ہے جو اوپر درج کردہ روایات معتبرہ سے مستفاد ہوتا ہے۔ کہ ان کے ساتھ توسل کرنے سے انبیاء کے مشکلات و مصائب دور ہوئے ہیں۔ اس لئے من باب مجاز عقلی۔ (نسبت انشی الی السبب) یہ بزرگوار فرما سکتے ہیں۔ کہ میں نے انبیاء کی مدد و نصرت کی۔ اسی طرح آنجناب کی طرف منسوب کردہ بعض خطبات میں جو وارد ہے کہ میں نے تورخ کو کشتی میں سوار کیا۔ اور ان کو غرق ہونے سے بچایا۔ میں نے ابراہیم کو آتش نمرودی سے نجات دی۔ الخ۔ تو بشرط صحت روایت (و دون اثباتہ حوط القناد) اس کا بھی یہی مطلب ہے کہ ہمارے ساتھ توسل و استشفاع کرنے سے ان کو ان شدائد سے نجات ملی چنانچہ سرکار علامہ مجلسی "معروفۃ بالنورانیۃ" والی روایت لکھنے کے بعد (جسے ان کے والد ماجد نے کسی مجہول الاسم والموت کہتہ کتاب میں دیکھا تھا۔ اور اس سے علامہ موصوف نے اسے نقل کیا ہے۔ جس میں اس قسم کے بعض فقرے موجود ہیں بذیل عنوان بیان فرماتے ہیں قولہ انا الذی حملت نوحاً الخ اقول لوصح صدور هذا الخبر عنه لا اختلاف ان یكون المراد به وبامثالہ ان الانبیاء علیہم السلام بالاستشفاع بانوارہ نازعت عنهم المکارہ والمفتن کما دلت علیہ الاخبار الصحیحہ (بحدیث ۳۷۷) یعنی میں کہتا ہوں کہ اگر اس خبر کا اس جناب سے صادر ہوتا صحیح تسلیم کیا جائے۔ تو احتمال ہے کہ اس سے اور اس کے ساتھ ملتی جلتی روایات سے مراد یہ ہو کہ ہمارے انوار مقدسہ کے ساتھ توسل و استشفاع کرنے سے انبیاء کے شدائد و مصائب دور ہوئے ہیں جیسا کہ اس مطلب پر اخبار صحیحہ دالت کرتے ہیں۔

علامہ سید حسین لکھنوی جناب علامہ مجلسی علیہ الرحمہ کی یہ تاویل نقل کرنے کے بعد اس پر بڑی اچھی تعمیری تنقید فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں۔

"ابن تاویل اگرچہ صحیح است لکن از سیاق این عبارات بر اصل دور است و اگر راہ چنین تاویلات مفتوح شود بیچ کلامی بے تاویل نخواہد بود پس چنین تاویلات حسب ضرورت بعد صحت روایات لائق اعتنا است نہ بدون آن واللہ اعلم۔ (صدر نقیہ سلطانیہ ج ۴ ص ۲۲۷)

یعنی یہ تاویل اگرچہ ہے تو درست۔ مگر ان (خلیوں) کی عبارتوں کے سیاق و سباق سے بر اصل دور ہے۔ اگر اس قسم کی (دور از کار) تاویلات کا دروازہ کھول دیا جائے تو پھر کوئی (غلط سے غلط) کلام بھی تاویل کے بغیر نہیں بچے گا۔



اسی طرح اگر بیاض غری والا واقعہ جن وجوہ کتب معتبرہ میں موجود نہیں ہے۔ اور بظاہر ہے بھی خلاف عقل و فطرت کہ جناب امیر علیہ السلام جبکہ بنو زاصلاب آبا و ارحام اہمات میں تھے تو اس حالت میں کس طرح ظاہری عالم آب و گل میں تشریف لائے۔ اور کس طرح بجد غنصری جن کو مار بھگایا، بہر حال اگر اسے تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی اس سے ہمارے دعویٰ کی صداقت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ کیونکہ چونکہ عالم اسباب میں ہر چیز کا ظہور کسی نہ کسی سبب سے ہوتا ہے۔ جب خدا کسی کی نصرت کرتا ہے تو وہ بھی کسی سبب و ذریعہ سے ہی کرتا ہے۔ البتہ وہ کسی خاص سبب و ذریعہ کا پابند نہیں ہے۔ خواہ انبیاء و اولیاء کے ذریعہ سے نصرت کر دے۔ خواہ فرشتوں کے ذریعہ سے مدد فرما دے۔ چنانچہ جنگ بدر و حنین میں خدا نے ہزاروں فرشتے نصرت رسول کے لئے اتارے تھے۔ گو بظاہر یہ فرشتوں کی مدد تھی۔ مگر بنقص قرآن و راصل مدد خدا فرما رہا تھا۔ الیس یفیکم ان یعد کہ ربکم بتلاتۃ الاف من الملائکۃ من ذلین و ہاں اس آیت میں یہ کیا بیانات تمہارے لئے کافی نہیں کہ تمہارے پروردگار نے تین ہزار فرشتے اتار کر تمہاری مدد کی؟ اسی طرح یہ سبب بھی عقلاً نالکھ نہیں ہے کہ خدا کے قادر و قیوم نے کبھی عالم ارواح میں تباہ و برباد کو اپنی قدرت کاملہ سے بھیج کر اپنے کسی برگزیدہ نبی کی امداد فرمادی ہو۔ و ما ذلک علی اللہ بعزیز۔ بہر حال ہمارا کام تو ان فوائد مقدسہ کے توسل سے بارگاہ قدرت میں دعا دیکار کرنا ہے۔ اس پر امر خدا کے حکیم کی مرضی و صوابدید پر منحصر ہے۔ کہ جس ذریعہ سے چاہے ہماری مشکل حل فرما دے۔ اور جس طرح چاہے ہم دغم سے ہماری گلو خلاصی کرادے۔ رضی مولانا زہد اولی۔ و ما یعلم جنود ربک الا ہو۔ و هو علی کل شئی قلدیر و بالاجابۃ جدید۔

**مسئلہ استدلال انبیاء و ائمہ قرآن مجید کی روشنی میں** | اگرچہ مذکورہ بالا تحقیقات کے بعد یہ مسئلہ مزید کسی دلیل و برہان کا محتاج

نہیں رہ جاتا۔ کہ امور تکوینیہ (خلق و رزق، امانت و احیاء وغیرہ) میں خداوند عالم کی ذات کے سوا اور کسی ذات کے استدلال جائز نہیں ہے۔ تاہم اس مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر اختصار کے ساتھ اس موضوع پر ذیل میں قرآن مجید کی حدیثات، سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کی چند روایات اور عالم علماء کے چند بیانات پیش کئے جاسے ہیں۔ تاکہ اصل حقیقت بالکل نکھر کر ہر شخص کو واضح و آشکار ہو جائے فاستمع لما ینبئ علیک

(۱) ارشاد رب العزت ہے ایاک نعبد و ایاک نستعین سورہ فاتحہ میں بطور تعلیم المسئلہ ہمیں یہ ہدایت کی گئی کہ ہم یہ اقرار کریں ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں۔ عبادت کا مفہوم تو واضح ہے البتہ قابل غور یہ امر ہے کہ یہ کون سے امور میں جن میں بجز ذات احدیت اور



کسی سے مدد طلب کرنا جائز نہیں ہے، ان امور سے امور شرعیہ اور عام عادی دنیوی امور تو مراد ملے نہیں جا سکتے۔ کیوں کہ ہم سطور بالا میں ثابت کر آئے ہیں کہ ان امور میں ایک دوسرے کی مدد کرنا اور دست تعاون دینا کرنا نہ صرف جائز بلکہ بعض حالات میں مستحب بلکہ بعض اوقات واجب بھی ہے۔ لہذا ماننا پڑے گا کہ ان امور سے مراد وہی امور ہیں جن پر کوئی انسان بحیثیت انسان ہونے کے قدرت نہیں رکھتا۔ جیسے خلق و رزق اور امانت و اعیان و شفا و مرض وغیرہ) جنہیں امور کو غیر کہا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں دو طویل القدر مفسرین کے بیانات ملاحظہ ہوں (۱) جناب علامہ شیخ محمد جوادی بلاغی اپنی تفسیر الاوارق میں طبع صیدا بنیل عنوان حصہ الاستعانة بالله جل اسمہ رقمطراز ہیں: "قال الله تعالى في سورة المائدة: تعاونا على البر والتقوى اما المعانة في المباحات فهي احسان امور الله به ايضا في كتابه يقول تعالى في سورة النحل: ان الله يامر بالعدل والاحسان وفي سورة البقرة وال عمران: ان الله يحب المحسنين" والمعلوم بالضرورة من سيرة النبي (ص) واصحابه والائمة والمسلمين انهم يستعينون في غالب امورهم بالمباحة بالالات والادابة والخدام والزوجة والصاحب والرسول والاجراء وغيرهم وفي سورة البقرة: "استعينوا بالصبر والصلاة" وفي سورة النساء: "ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاؤوك فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله توابا رحيما" فقد لامهم الله على عدم مجيئهم للاستعانة على المغفرة باستغفار الرسول۔ وهذا يكفي في الحجة والدلالة على ان الاعانة ليست بجميع اقسامها منحصرة بالله وعلى انه لا يلزم ان نقص استعانتنا بقول مطلق على الله تعالى۔ وتفصيل ذلك هو اننا ننظر الى استعانات البشر قولا وعملا فنراها على نحوين (النحو الاول) هو الاستعانة بالوسائل المجعل من الله لتبيل المقصود التي هي وما فيها من التسبب من جعل الله تعالى وتعلقه (النحو الثاني) هو الاستعانة بالالات فما هو المعين بالهيئة وقد رتبته الذاتية المطلقة الفارقة ولا ريب فيه ان النحو الثاني من الاستعانة هو المتيقن في قصرة على الله لان الاستعانة بهذا النحو اذا كانت بغیر الله كانت تاليها لذلك الغير واشراكا بالله ومما ذكرنا من الآيت والسيرة واقتراح آياتك نعبد واياك نستعين في سياق توحيد الله وتمجيده بالمجد الالهى تقوم الحجة وتتضح الدلالة على ان هذا النحو من الاستعانة هو تمام المقصود على الله دون النحو الاول:

یعنی خداوند عالم سورہ مائدہ میں فرماتا ہے۔ نیکی و پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی امداد کرو۔



ہذا ان امور میں ایک دوسرے کی مدد کرنا تو یقیناً جائز ہے) باقی رہے مباح امور ان میں باہمی امداد کرنا بھی نیکی اور احسان ہے جس کا خدا نے سورۃ النحل میں حکم دیا ہے۔ کہ خدا تمہیں عدل اور احسان کرنے کا حکم دیتا ہے اور سورۃ بقرہ وال عمران میں ہے خدا احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے جناب رسول خداؐ ان کے اصحاب باصفائز ائمہ طاہرین اور دیگر مسلمانوں کی سیرتوں سے یہ بات بالبداهت ثابت ہے کہ وہ اپنے اکثر مباح امور میں آلات و اسباب مثل سواری، خادوم، زوجہ، ساتھی، پیامبر اور مزدور وغیرہ سے امداد حاصل کرتے تھے۔ سورۃ بقرہ میں وارد ہے عبید صلوٰۃ سے مدد حاصل کرو۔ سورۃ نساء میں ارشاد خدا ہے جب کہ ان لوگوں نے اپنے نفسوں پر گناہ کر کے ظلم کیا تھا۔ اگر (اے رسولؐ) تیرے پاس آجاتے اور اللہ سے طلب مغفرت کرتے اور رسولؐ بھی ان کے لئے مغفرت طلب کرتا تو یقیناً خدا کو توبہ قبول کرنے والا ہوتا ہے اس آیت میں خدا نے حکیم نے ان لوگوں کی محض اس لئے عطا کی ہے کہ انہوں نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر استغفار رسولؐ سے اپنی بخشش گناہ کے سلسلہ میں اعانت حاصل نہیں کی۔ یہی مقدار اس بات کو واضح کرنے کے لئے کافی ہے کہ ہر قسم کی اعانت و امداد خدا کے ساتھ غنص نہیں ہے اور یہ کہ ہم پر یہ لازم نہیں ہے۔ کہ ہر قسم کی امداد و اعانت کو خدا ہی میں منحصر سمجھیں (پھر آخر وہ کون سی مدد ہے جو خدا کے ساتھ غنص ہے؟) اس کی تفصیل معلوم کرنے کے لئے ہمیں چاہئے کہ ہم انسانوں کی تمام قولی اور عملی استغنائوں پر نگاہ کریں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان کی دو قسمیں ہیں۔

پہلی قسم کی استغانت وہ ہے جو ان ظاہری وسائل و اسباب سے حاصل کی جاتی ہے۔ جن کو مطلب براری کے لئے منفر بھی خدا نے کیا ہے اور ان میں جو سببیت و تاثیر ہے وہ بھی خدا نے ودیعت فرمائی ہے۔ (جیسے اولاد کے لئے زوجہ، روزی کے لئے تجارت وغیرہ۔ بار برداری کے لئے سواری اور بھوک اور پیاس کے لئے روٹی اور پانی وغیرہ)

دوسری قسم کی استغانت وہ ہے جو معبود برحق سے بحیثیت معبود برحق و قادر مطلق ہونے کے طلب کی جاتی ہے۔ (یعنی ان امور میں جن کا تعلق عہدہ ربوبیت سے ہے اور وہ ہیں امور کونیسیں) اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ دوسری قسم کی استغانت وہ ہے جو خدا کے ساتھ ہی غنص ہے۔ کیونکہ اس قسم کی استغانت جب غیر خدا سے حاصل کی جائے۔ تو اس سے اس غیر کا معبود برحق بنانا اور اس کو خدا کے ساتھ شریک کرنا لازم آتا ہے۔ اور پرہیز سیرت نبیؐ و ائمہؑ اور آیت مبارکہ ایاک نعبد و ایاک نستعین کے توحید و تجید خداوندی کے ساتھ مغفرت ہونے کے سلسلہ میں جو کچھ بیان کر دیا ہے۔ اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ کہ یہی دوسری قسم کی استغانت ذات خداوندی کے ساتھ غنص ہے۔ نہ پہلی قسم کی۔

(۷) حضرت مولانا عمار علی صاحب مرحوم اپنی تفسیر عمدة البیان ج ۱ ص ۱۸۰ پر بذیل آیت ایاک نعبد و ایاک نستعین



لکھتے ہیں۔ اس آیت سے ثابت ہوا کہ مدد چاہنی سوائے خدا کے کسی دوسرے سے پیغمبر سویا نام جائز نہیں اسی طرح سے یہ بزرگوں اور بالاستقلال حاجتوں اور مقصودوں لوگوں کی برائیں اس واسطے کہ برلانا حاجتوں کا سوائے خدا کے کسی کی قدرت میں نہیں ہے۔ البتہ ان بزرگوں سے اسی طرح سے سوال کرنا کہ تم میرے واسطے خدا سے دعا کرو اس میں کچھ مضائقہ نہیں یہ مقبولان درگاہ خدا ہیں۔ اور یہاں کہ ان کے واسطے سے خدا سے دعا کرے یہ بھی درست ہے۔ اس صورت میں حصر بھی آیت میں باقی رہتا ہے اور سوائے خدا کے بالاستقلال کسی کی حاجت کو روا کرنے والا جاننا درست نہیں ہے کہ حصر ہو گیا ہے۔ عبادت سوائے خدا کے کسی غیر کو جائز نہیں ہے۔ اسی طرح سوائے خدا کے کسی کو بالاستقلال حاجت کا برلانا والا جان کر مدد چاہنی بھی اس سے جائز نہیں ہے اگر خدا کے غیر سے مدد چاہنی جائز ہو تو چاہتے کہ عبادت بھی اسی کی ہو۔

(۲) جناب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا جاتا ہے قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ (پس انعام ۱۱) کہ دو کہ میں تو یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہیں (ترجمہ فرمان) خزائن کی تفسیر خزائن رحمۃ اللہ یا خزائن مقدرات اللہ یا رزاق العباد کے ساتھ کی گئی ہے (تفسیر مجمع البیان ج ۱ ص ۲۳) مطلب یہ کہ میرے پاس خدا کی رحمت، اس کے مقدرات اور بندوں کے رزق کے خزانے نہیں ہیں۔

(۳، ۴) اسی طرح آنحضرت کو یہ وصاحت کرنے کا حکم دیا جاتا ہے کہ قل انی لا املك لکم ضراً ولا رشداً قل انی لن یجیرنی من اللہ احد ولن اجد من دونہ ملئاً ولا بلغاً من اللہ ورسالتہ (پس جن ۱۱) اے رسول! تم کہہ دو کہ میں تمہارے حق میں نہ برائی کا اختیار رکھتا اور نہ بھلائی کا کہ دو کہ مجھے خدا (کے خواب سے) کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔ اور نہ میں اس کے سوا کہیں سناہ دیکھتا ہوں۔ خدا کی طرف سے (احکام کے پہنچا دینے اور اس کے پیغاموں کے سوا) کچھ نہیں کر سکتا) (ترجمہ فرمان) مختصر قرآن علامہ طبرسی اس آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں۔ انی لا اقدر علی دفع الضرر عنکم ولا ایصال الخیر الیکم وانما القادر علی ذلک هو اللہ تعالیٰ ولکنی رسول لیس علی الا البلاغ والدعا الی الدین والہدایۃ الی الرشاد و هذا اعتراف بالعبودیتہ و اضافۃ الحول والقوۃ الیہ الخ (مجمع البیان ج ۲ ص ۴۴) یعنی میں۔ تم سے ضرر و نقصان کے دور کرنے اور نفع کے پہنچانے پر قدرت نہیں رکھتا۔ ان چیزوں پر خدا ہی قدرت رکھتا ہے۔ میں تو رسول ہوں اور میرا کام صرف (احکام خداوندی کا پہنچانا لوگوں کو) دین کی طرف بلانا اور نیکی کی طرف راہنمائی کرنا ہے۔ یہ ان حضرت کی عبیدت و بندگی کا اعتراف اور ہر قسم کی قوت و طاقت کا خدا کی طرف منتقل ہے۔ (رکذا فی تفسیر البیان ج ۱ ص ۱۰)



مقام تدریس ہے کہ جب یہ قرآن روزی اور نفع و نقصان جناب سید الانس و الجنان کے قبضہ قدرت میں ہے ہی نہیں۔ بلکہ روزی رساں اور نفع و نقصان کا مالک خدا کے جملے ہی ہے تو پھر ان امور میں انحضرتؐ یا ان کی قدرتِ عاظمہ کی طرف رجوع کرتے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

(۵) ارشاد قدرت ہے فلا تدع من دون الله ما لا ينفعك ولا يضرك فان فعلت فانك اذا من الظالمين (پہلے س یونس ع ۱۶) اور خدا کو چھوڑ کر ایسی چیز کو نہ پکارو جو نہ تجھے نفع ہی پہنچا سکتی ہے نہ نقصان ہی پہنچا سکتی ہے تو اگر تم نے (کہیں ایسا) کیا تو اس وقت تم بھی ظالموں میں (شمار) ہو گے، اس آیت مبارکہ سے واضح ہوتا ہے کہ جو شخص ایسی ہستی کو پکارے جو نفع و نقصان پہنچانے پر قادر نہیں وہ ظالم ہے اور سابقہ آیت مبارکہ کی روشنی میں واضح کیا جا چکا ہے کہ نفع و نقصان کا مالک صرف خدا ہے۔

(۶) ان حضرت کو حکم ہوتا ہے کہ اس امر کی تشریح کر دیں قل لا املك لنفسي نفعاً ولا ضراً الا ما شاء الله (پہلے س اعراف ع ۱۱) اے رسول! تم کہہ دو کہ میں خود اپنا آپ تو اختیار رکھتا نہیں نہ نفع نہ ضرر کا مگر وہی جو خدا چاہے۔ اس اعلان سے بھی بظاہر اپنی بندگی کا اظہار کر کے لوگوں کو ذاتِ احدیت کی بارگاہ کی معرفی کرتا مقصود ہے کہ تم لوگ اسی ذات کی طرف رجوع کرو جس کا میں خود محتاج ہوں۔ اور یہی امر تو ان حضرت بلکہ تمام انبیاء کی بعثت کا مقصدِ اقصیٰ تھا۔ کہ لوگ متوجہ الی اللہ ہو کر اس کی عبادت کریں۔ وما ارسلنا من قبلك من رسول الا نوحي اليهم انه لا اله الا انا فاعبدون (پہلے س انبیاء ع ۲) اے رسول! ہم نے تم سے پہلے جب کبھی رسول بھیجا تو اس کے پاس ہم یہی وحی بھیجتے رہے کہ بس ہمارے سوا کوئی معبود قابلِ پرستش نہیں تو میری عبادت کیا کرو۔ (ترجمہ قرآن) اور یہ دعا و پکار بھی عبادتِ خداوندی ہے جیسا کہ صفحہ ذیل آیت میں اسے عبادت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(۷) قال ربکم ادعونی استجب لکم ان الذین یستکون عن عبادتی سید خلون جہنم و اخیرین (پہلے س یونس ع ۱۱) تمہارا پروردگار ارشاد فرماتا ہے کہ تم مجھ سے دعائیں مانگو تمہاری (دعا) قبول کروں گا۔ جو لوگ ہماری عبادت سے اکر رہے ہیں وہ عذقیب ذلیل و خوار ہو کر یقیناً جہنمِ اصل ہوں گے۔ حضرت امام زین العابدینؑ صحیفہ سجادہ کی دعائے وداع شہرِ رمضان میں یہی آیت پیش کرنے کے بعد بارگاہِ قدرت میں یوں عرض کرتے ہیں فتمیت دعائک عبادۃ و نونکہ استکباراً و توعدت علی نونکہ دخول جہنم و اخیرین بار الہا تو نے دعا کو عبادت اور ترک کو تکبر قرار دیا ہے۔ اور ترک دعا پر ذلیل و رسوا کر کے داخل جہنم کرنے کی دھمکی دی ہے۔ (صحیفہ کاملہ ص ۲۲۵ طبع ایران) بلکہ بعض احادیث میں تو اسے افضل العبادۃ قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ مذکور بالا آیت کی تفسیر میں امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ "هو الدعاء افضل العبادۃ الدعاء" یعنی یہاں عبادت



سے مراد دعا ہے اور یہ سب عبادتوں سے افضل عبادت ہے۔ (اصول کافی ص ۵۱) اور بعض روایات میں اسے ”مح العبادۃ“ بتایا گیا ہے۔ (عدة الداعی) انہی حقائق کی بنا پر فاضل ابن فہید علی نے لکھا ہے ان الدعا عبادۃ فی نفسہ تعبد اللہ عبادۃ بہ دعا فی نفسہ عبادت ہے جس کی خدا نے بندوں کو تکلیف دی ہے (عدة الداعی ص ۱ طبع ممبئی) پس جب دعا کرنا نہ صرف عبادت بلکہ افضل العبادت ہے۔ اور عبادت ذات ایزدی کے ساتھ مختص ہے تو دعا و پکار بھی خدا کی ذات سے ہی مختص ہوگی۔ ہاں قبولیت دعا کے منجملہ دیگر شرائط کے ایک عظیم شرط سرکار محمد و آل محمد کے ساتھ توسل موصول کرنا بھی ہے جیسا کہ ارشاد ہے ولوا انہم اذ ظلموا انفسہم جاؤک واستغفروا اللہ واستغفر لہما الرسول لوجہ واللہ تو اباً رحیماً۔

(پس ص ۶) اور (اے رسول) جب ان لوگوں نے تمہارا فراموش کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا اگر تمہارے پاس چھپے آتے اور خدا سے معافی مانگتے اور تم بھی ان کی معفرت چاہتے تو بے شک وہ لوگ خدا کو بڑا تو قبول کرنے والا خبر بان پاتے (زمرہ فرات) اس آیت مبارکہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بخشش گناہ وغیرہ امور میں آنحضرت کا توسل حاصل کرنا ضروری ہے۔ اور یہی وہ صحیح طریقہ ہے جو تعلیمات اہل بیت کے متعاقد ہوتا ہے۔ چنانچہ زائر رسول کو یہ ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ بارگاہ رسالت میں پہنچ کر یوں عرض کرے۔ یا محمد یا رسول اللہ با جی انت داعی یا نبی اللہ یا سید خلق اللہ انی اتوجہ بک الی اللہ ربک و ربی لیغفر ذنوبی و یتقبل منی عملی و یقضی لی حوائجی فکن لی شفیعاً عند ربک و ربی فنعمہ المسؤل المولی ربی و نعمہ الشفیع انت (مفاتیح الجنان ص ۳) یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں یا نبی اللہ! اے مخلوق خدا کے سردار! میں آپ کے ذریعہ اپنے اور آپ کے پروردگار کی بارگاہ میں متوجہ ہوتا ہوں تاکہ وہ میرے گناہ معاف کر دے۔ میرے عمل کو قبول کرے اور میری حاجات بر لائے پس آپ خدا کی بارگاہ میں میری شفاعت کریں۔ کیونکہ بہترین مسؤل خدا اور بہترین شفیع آپ ہیں۔

(۸) خداوند عالم حضرت یعقوب کے کلام کی اس طرح حکایت فرماتا ہے کہ قال یا نبی لا تدخلوا من باب واحد و ادخلوا من ابواب متفرقة و ما اغنی عنکم من اللہ من شیء ان اللہ حکم الا اللہ علیہ توکلتم و علیہ قلینتوکل المتوکلون و لما دخلوا من حیث امرہم ابوہم و ما کان یغنی عنہم من اللہ من شیء الا حاجتہ فی نفس یعقوب قضاہا و انہ لذل و علمہ لما علمناہ و لکن اکثر الناس لا یعلمون (پس ص ۶) اور یعقوب نے نصیحتاً چلتے وقت بیٹوں کے کہا۔ اے فرزندو! (دیکھو خبردار) سب کے سب ایک ہی دروازہ سے نہ داخل ہونا۔ (کہ کہیں نظر نہ لگ جائے) اور متفرق دروازوں سے داخل ہونا اور میں تم سے (اس بلا کو جو) خدا کی طرف سے آئے) کچھ بھی مال نہیں سکتا۔



حکم تو دراصل خدا ہی کے واسطے ہے۔ میں نے اس پر پھر دہرایا ہے اور پھر دہرا کر کے دلوں کو اسی پر پھر دہرا رکھنا چاہئے۔ اور جب یہ سب بھائی جس طرح ان کے والد نے حکم دیا تھا۔ اسی طرح (مصر میں) داخل ہوئے مگر جو حکم خدا کی طرف سے آئے کو تھا۔ اسے یعقوب کچھ بھی ٹال نہیں سکتے تھے۔ مگر رباں، یعقوب کے دل میں ایک تمنّا تھی۔ جسے انہوں نے یوں پورا کر لیا۔ اس میں تو شک نہیں کہ اسے چونکہ ہم نے تعلیم دی تھی۔ صاحبِ علم ضرور تھا۔ مگر بہترے لوگ (اس سے بھی) واقف نہیں (ترجمہ فرمائے) اور بابِ نظر و فکر غور کریں۔ کہ کس احسن طریقہ سے توحیدِ افعالی کو بیان کیا گیا ہے اور امورِ قضا و قدر میں اللہ سبحانہ کی ذاتِ متّجیع جمیع صفات پر اعتقاد کرنے کی تعلیم دی تعلیم دی گئی ہے۔ خداوندِ عالم نے حضرت یعقوب کے اس موقدانہ و متوکّانہ کلام کی وجہ سے ان کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے۔ **انه لذنو علم لعلما علمناہ** اس کی تفسیر صاحبِ مآقی نے یوں کی ہے **لذنو یقین و معرفتہ من اجل تعلیمنا ایاہ ولذا لک قال وما اعنی عنکم من شئی ولہ یغتر مبتدیلیرہ** (تفسیر صافی ص ۲۵) یعنی ہماری تعلیم کی وجہ سے حضرت یعقوب صاحبِ یقین و معرفت تھے۔ اسی لئے انہوں نے یہ کہا تھا۔ کہ میں تم سے (اس بلا کو) جو خدا کی طرف سے (آئے) کچھ بھی ٹال نہیں سکتا۔ اور اپنی تدبیر پر اعتقاد کر کے دھوکہ نہیں کھایا۔

(۹) بانی اسلام کو حکم ہوتا ہے کہ کفار و مشرکین سے صاف صاف کہہ دو۔ **انما انا منذر و ما من اللہ الا اللہ الواحد القہار رب السموات والارض وما بینہما العزیز الغفار** (پہلا ص ۱۴) اسے رسولؐ تم کہہ دو کہ میں تو بس مذابِ خدا سے ڈرانے والا ہوں اور یکتا قہار خدا کے سوا کوئی معبود قابلِ پرستش نہیں۔ سارے آسمان اور زمین کا اور جو چیزیں ان دونوں کے درمیان ہیں۔ سب کا پروردگار غالب بڑا بخشنے والا ہے (ترجمہ فرمائے)

اس آیت مبارکہ میں جو صوبہ دریا بکریاب اندر، کوڑہ میں دریا بکریاب بند کروایا گیا ہے اس آیت میں آنحضرتؐ نے اپنی الوہیت کی نفی کرتے ہوئے اسے ذاتِ احدیت میں منحصر کر کے تمام امور تکوینیہ و مثل خلق و رزق اور امات و اسیاد وغیرہ کو اسی ذاتِ ذوالجلال کے تحت منصوص کر دیا ہے اور یہی کلمہ توحید (لا الہ الا اللہ) کا مفاد ہے۔

**مقام الوہیت کی وضاحت** | اب قابلِ غور و تدبیر یہ بات ہے کہ کون کون سے کام مقام الوہیت سے تعلق رکھتے ہیں۔ بیسیویں پارہ کا پہلا رکوع بغور پڑھنے سے کم از کم پندرہ حد تک کوئی امور کی انجام دہی کا ذاتِ خداوندی سے وابستہ ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔ ان امور کی اجمالی فہرست یہ ہے۔

(۱) خلقتِ زمین و آسمان (۲) بارش برسانا (۳) باغات وغیرہ اگانا (۴) زمین کو قرار گاہ بنانا۔



(۵) زمین میں دریا جاری کرنا (۶) زمین کی روک تھام کے لئے پہاڑوں کا سلسلہ کھڑا کرنا۔ (۷) میٹھے اور کھاری پانی کے درمیان حائل قرار دینا (۸) مضطر کی دعاؤں کا سنتنا (۹) دکھ درد اور مصائب کا دور کرنا۔ (۱۰) زمین پر پھیلنے بتانا۔ (۱۱) خشکی وزی کی ناریکیوں میں رستہ دکھانا (۱۲) ہواؤں کا چلنا (۱۳) پہلے مخلوق کو پیدا کرتا پھر لوٹانا (۱۴) زمین و آسمان سے مقرر رزق پہنچانا۔ (۱۵) عالم الغیب ہونا۔ پس ان حقائق قرآنیہ سے معلوم ہو گیا کہ امور گویہ خداوند عالم کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ اور اللہ وہ ہوتا ہے جو یہ کام انجام دیتا ہے۔ لہذا اس سلسلہ میں اسی ذات واحد و یکتا کی طرف ہی رجوع کرنا واجب ہے۔ ہاں سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام جو کہ خالق و مخلوق کے درمیان وسیلہ ہیں۔ اس لئے ان کے ساتھ تو تسل ضرور حاصل کرنا چاہئے۔

خلاصہ یہ کہ یہ سب کچھ کلمہ توحید و ایمان کے اندر پوشیدہ ہے (لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ عَلَيَّ دَلِيٌّ اللَّهُ وَصَّيَّ رَّسُولُ اللَّهِ وَخَلِيفَتُهُ يَلاَ فَعَلَّ) پس جب خدا کو اللہ مان لیا تو پھر اس سے سب کچھ مان لیا۔ یہ سچوں کو تم لا الہ از جاں نیرسم کہ دائم مشکلات لا الہ را

(۱۶) اللہ الذی جعل لکم الارض قوار و السماء بناء و صودکم فاحسن صودکم و رزقکم من الطیبات ذلکم اللہ ربکم فتبارک اللہ رب العالمین (پچیس سوں ۱۲۷) اللہ تعالیٰ جس نے تمہارے واسطے زمین کو ٹھہرنے کی جگہ اور آسمان کو چھت بنایا اور اس نے تمہاری صورتیں بنائیں تو ابھی صورتیں بنائیں اور اسی نے تمہیں صاف ستھری چیزیں کھانے کو دیں۔ یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے۔ تو خدا بہت ہی متبرک ہے جو سارے جہان کا پالنے والا ہے۔

(۱۷) ہوالحی لا الہ الاھو فادعوہ مخلصین لہ الدین الحمد للہ رب العالمین (پچیس سوں ۱۲۸) وہی ہمیشہ زندہ ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو تیری گھڑی اُس کی عبادت کر کے اس سے دعا مانگو۔ سب تعریف خدا ہی کو سزاوار ہے جو سارے جہان کا پالنے والا ہے۔ (ترجمہ قرآن)

ایک عام مغالطہ ہی کا ازالہ | میدان شرک کے شاہسوار بالعموم اس مقام پر یہ کہہ کر عوام الناس کی آنکھوں میں دھول ڈالنے کی کوشش کیا کرتے ہیں۔ کہ ہم اہل بیت کو

خدا یا خدا جیسا عقوڑا ہی سمجھتے ہیں۔ ہم تو ان کو خدا کا خاص بندہ سمجھ کر ان سے دعا کرتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب خدا کی صفات خاصہ ان میں تسلیم کر لیں اور خدائی کاموں کا مطالبہ ان سے کر لیا۔ اولاد ان سے مانگی۔ دکھ درد دور کرنے کی استدعا ان سے کی۔ ازالہ مرض کا سوال ان سے کیا! مقدمات میں کامیابی حاصل کرنے کی دعائیں ان سے کہیں۔ روزی ان سے طلب کی و علیٰ ہذا القیاس نہ لا لاکہ یہ سب کام خدا کے غرض میں۔ جیسا کہ اوپر ثابت کیا جا چکا ہے۔ تو باقی کیا رہ گیا؟ سبحان اللہ عما یشرکون۔



(۱۸) مَا يَفْتَحُ اللَّهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَمَا يُمْسِكُ فَلَا مُرْسِلَ لَهُ مِنْ بَعْدِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (۲۳) س فاطر ع ۱۲) خدا سب لوگوں کے واسطے اپنی رحمت کے (دور و آسے) کھول دے۔ تو کوئی اُسے روک نہیں سکتا۔ اور جس چیز کو روکے اس کے بعد اسے کوئی جاری نہیں کر سکتا۔ وہی دہر چتر پر غالب اور دانا و بینا حکیم ہے۔ اس آیت مبارکہ سے بھی ظاہر ہے کہ ہر قسم کا نفع و نقصان پہنچانا خدا کے قبضہ قدرت میں ہے لہذا ان امور میں رجوع بھی اسی کی بارگاہِ اقدس کی طرف کرنا لازم ہے۔

(۱۹) قُلْ ادْعِ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُونِهِ فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيلًا (۲۱) س نبی اسرائیل ع ۱۲) اے رسول! تم ان سے کہو کہ خدا کے سوا اور جن لوگوں کو معبود سمجھتے ہو۔ ان کو (وقتِ پڑے) پکار کر دیکھو کہ وہ نہ تو تم سے تمہاری تکلیف ہی دفع کر سکتے ہیں اور نہ اس کو بدل سکتے ہیں۔ (ترجمہ فرمائے) علامہ طبرسی من دو منہ (خدا کے سوا) کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ والمواد یا الذین من دونہ الملائکۃ والمسیح وعزیر الخ (جمع العیون ۱۲) یعنی غیر خدا سے مراد ملائکہ اور حضرت یحییٰ و جناب عزیر ہیں اس سے معلوم ہوا کہ یہ آیت صرف بتوں تک محدود نہیں بلکہ اس کے دامن میں دو منہ میں اس قدر وسعت ہے کہ وہ جن ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام سب کو شامل ہے۔ اسی طرح تفسیر صافی ص ۲۹۸ میں من دونہ کی تفسیر الملائکۃ والمسیح والعزیر کے ساتھ کرنے کے بعد کشف الضر کی تفسیر الممرض والفقير والقحط کے ساتھ کی گئی ہے یعنی بزرگوار تمہارے مرض و فقر اور قحط کو تم سے دور نہیں کر سکتے۔

(۲۰) وَإِنْ يُمْسِكْ اللَّهُ بَضْرًا فَلا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِنْ يُنْزِلْهُ بِضْرًا فَلا رَدَّ لَهُ مُدَبِّرٌ يَنْهَاهُ عَنْ عِبَادِهِ وَهُوَ الْغَفُورُ الْوَحِيدُ (۲۱) س یونس ع ۱۲)

نہیں کوئی برائی چھو بھی گئی تو پھر اس کے سوا کوئی اس کا دفع کرنے والا نہیں ہوگا۔ اور اگر تھارے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرے تو پھر اس کے فضل و کرم کا پٹنے والا بھی کوئی نہیں وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے فائدہ پہنچائے۔ اور وہ توڑا بخشنے والا مہربان ہے۔ علامہ طبرسی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ معناه وان احل الله بك ضرًا من بلاء او شدّة او مرض فلا كاشف له الا هو اي لا يقدر احد على كشف غيره كانه سبحانه لما بين ان غيبه لا ينفع ولا يضر عقبه ببيان كونه قادرًا على الضر والنفع (مجمع البيان ج ۱ ص ۱۵۵)

یعنی اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ اگر خدا تعالیٰ تمہارے اوپر کوئی بلا و سختی اور مرض نازل کرے تو سوائے اس کے اور کوئی اُسے دور کرتے پر قادر نہیں ہے۔ در ربط آیات یہ کہم، گویا جب (سابقہ آیت میں) خدا نے یہ فرمایا کہ غیر خدا نہ نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ ضرر تو اس کے بعد یہ فرمایا کہ خدا ہی نفع و ضرر پہنچانے پر قادر ہے۔



(۲۱) لیس لك من الاموشی اویتوب علیہم اویعدہم فاقہم ظالمون۔ (پس آل عمران ۴۷)

و اے رسول! اس معاملہ میں تمہارا کچھ اختیار نہیں۔ خواہ خدا ان کی توبہ قبول کرے یا ان کو عذاب دے۔ اس لئے کہ وہ ظالم ہیں۔

یہاں "لیس حق نفی اور شئی" مکرر ہے۔ ارباب علم جانتے ہیں۔ کہ جب مکرر تحت نفی واقع ہو تو مفید عموم ہوتا ہے۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ خلاق عالم نے اس آیت میں قسم کے معاملات کی آنحضرت کے قبضہ میں ہونے کی نفی فرمائی ہے۔ چونکہ امور شرعیہ دلائل خارجیہ کی بنا پر اس سے خارج ہیں۔ باقی امور کو منیہ عموم آیت کے تحت رہیں گے۔ وبقی الباقی تحت العموم کہا جاتا ہے کہ یہ آیت صرف جنگ کے بارے میں ہے۔ کہ اس میں آنحضرت کو کوئی اختیار نہ تھا۔ اس سے بھی ہمارے مدعا پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ بلکہ تائید ہوتی ہے۔ کیونکہ جس بزرگوار کو امور جنگ میں کوئی اختیار نہیں وہ پورے عالم امکان کا کیونکر یا اختیار فرما سکتا ہے۔

(۲۲) فذلک انما انت فذلک لست علیہم بمصیطود۔ (پس غاشیہ ۱۳) پس نصیحت کرو تم کو

فقط نصیحت کرنے والے ہو۔ تو ان پر کوئی داروغہ تو نہیں؟ جب آنحضرت کا صرف لوگوں پر بھی تسلط نہیں تو پھر تمام کائنات کس طرح ان کے قبضہ اقتدار میں تسلیم کی جاسکتی ہے؟ جب ایسا نہیں تو پھر ان تمام امور میں ان کی طرف ربوع کرنا کہاں تک قرین عقل ہو سکتا ہے؟

(۲۳) قل لست علیہم بکلیل۔ (پس الانعام ۱۱۴) تم کہہ دو میں تمہارا نگران نہیں ہوں۔

(۲۴) وما جعلناک علیہم حفیظاً و ما انت علیہم بکلیل۔ (پس الانعام ۱۱۵) اور ہم نے تم کو

ان کا نگہبان نہیں بنایا اور نہ تم ان کے ذمہ دار ہو۔

ان آیات سے روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہو جاتا ہے کہ امور کو منیہ میں حفاظت و ذمہ داری اور نگرانی و نگہبانی آنحضرت کے وظائف میں داخل نہیں ہے لہذا بعد ازیں ان امور میں براہ راست ان کی طرف رجوع کرنے کا کوئی عمل باقی نہیں رہتا۔

(۲۵) ولعلیک لہ شریک فی الملک ولعلیک لہ ولی تحت الذل وکبرۃ تکیبوا۔ (پس الاسرار ۷۲)

اور نہ سلطنت میں کوئی اس کا شریک ہے اور نہ وہ عاجز ہے۔ کہ کوئی اس کا حامی ہو۔ اور تم اس کی بڑائی کبریا کا انہماک کرتے رہا کرو۔

اس آیت مبارکہ سے بھی واضح ہوتا ہے کہ اس کا رخا قدرت میں کوئی خدا کا شریک و ہم نہیں ہے۔ وہ ذات و صفات میں یگانہ و یکتا ہے۔ فلا تدعوا مع اللہ احداً

(۲۶) قل انما ادعوا ربی ولا اثنک بہ احداً۔ (پس حج ۱۲) تم کہہ دو میں تو صرف اپنے پروردگار



ہوتے ہوں اور کسی واس کا شریک نہیں بناتا۔

(۲۷) وانما ساجدا لله فلا تدعوا مع الله احد ارجو من جن ع ۱۱ اور ضرور مجھ سے کے مقامات  
جی کے لئے مخصوص ہیں پس تم اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو (ترجمہ قبول)

مشکلات و مصائب میں غیر اللہ کی دعا و پکار کی اس سے بڑھ کر اور کس طرح ممانعت کی جاسکتی ہے۔

(۲۸) ان ينصركم الله فلا غالب لكم وان يجتد لکم ذالک لا یفعلکم من بعد ۴

پس اگر اللہ تم کو نصرت دے گا تو کوئی تم کو نہیں آسکتا اور  
تم کو چھوڑ دے تو کوئی ایسا ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کو کھڑا ہو۔ اور مومنین کو چاہئے کہ خدا ہی پر بھروسہ رکھیں۔  
(۲۹) اولم یروا ان الله یبسط الرزق لمن یشاء یقدر ان فی ذالک لایة لقوم یرون۔

پس ہم نے دیکھا کہ اللہ جو چاہے اس کی روزی چاہتا ہے کسادہ کر دیتا ہے اور جس کی  
چاہتا ہے تنگ کرتا ہے۔ کچھ شک نہیں کہ اس میں ایسا نادر لوگوں کے واسطے (قدرتِ خدا کی) بہت سی نشانیاں  
(ترجمہ فرمان)

ان آیات مبارکہ سے بھر سب انص سہید ہوتا ہے کہ خدا تم میں نصرت کرنا اور رزق کو کم و زیادہ کرنا پروردگار عالم  
بقیہ اختیار میں ہے۔ لہذا ان امور میں رجوع بھی اسی کی طرف کرنا چاہئے۔

(۳۰) الیس الله بکاف عبدا ارجو من ذمر ع ۱۱ اور کیا اللہ اپنے بندوں کے لئے کافی نہیں ہے؟ (ترجمہ قبول)  
کس حسین و جمیل انداز میں خدا اپنے بندوں سے دریاقت کر رہا ہے کہ کیا میں اپنے بندوں کے لئے کافی نہیں؟ اب  
دونوں کو چاہئے کہ سوچ کر جواب دیں کہ آیا وہ کافی ہے یا نہیں؟ اگر جواب نفی میں ہے تو توحیدِ رخصت! اور  
اثبات میں ہے تو پھر اس کی بارگاہ اقدس کو چھوڑ کر دوسروں کے دروازوں پر جبہ سائی براٹے چڑھو؟

صلائے عام ہے یا ران مکتہ داں کے لئے

ل یا اهل الکتاب تعالوا الی کلمۃ مواء بیننا و بینکم الا نعبد الا الله ولا نشرک بہ شیئاً ولا یتخذ  
بعضنا بعضاً ارباباً من دون الله فان تولوا فقولوا ۱۱ شہدوا بانا مسلمون (پس آل عمران ع ۱۵)

وہ آیات جن میں اللہ کے سوا دوسروں کی دعا و پکار کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔  
جن میں سے کئی ایک سطور بالا میں مذکور ہیں۔ اکثر عجیب صاحبان نے توحید

دات ان کو چھوڑا بھی نہیں۔ البتہ ایک صاحب نے خلافِ عادت ان کے جواب سے عہدہ برآ ہونے کی ناکام  
کوشش کی ہے۔ انہوں نے ایک سفسطہ پیش کر کے سادہ لوح عوام کو گمراہ کرنے کی سعیِ لاعاصل کی ہے۔ انہوں  
نے یہ فردقہ قائم کیا ہے کہ سرکارِ محمد و آلِ محمد علیہم السلام ”غیر اللہ“ نہیں ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ہماری



ملکی زبان کے محاورہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ تفسیر بالترائے کی ہے۔ کیونکہ ہمارے محاورہ میں ”خیر“ مخالف اور غیر متعلق کو کہا جاتا ہے۔ فلاں شخص فلاں کا غیر ہے یعنی اس کا مخالف ہے۔ اور اس سے اس کا کوئی ربط و تعلق نہیں ہے۔ حالانکہ ”من دون اللہ“ جس کا ترجمہ ہے ”اللہ کے سوا“ ”خدا کے علاوہ“ ”غیر اللہ“ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو خدا نہیں ہے۔ اگر ان صاحب کی یہ تاویل علیل تسلیم کر لی جائے۔ تو جب کوئی یہ کہے کہ فلاں آدمی غیر سید ہے۔ تو اس کا مطلب ان کے نزدیک یہ ہوگا۔ کہ وہ سادات کے مخالف ہے۔ یا جب یہ کہا جائے کہ فلاں شخص غیر عالم ہے۔ تو اس کا یہ مفہوم ہوگا کہ وہ دشمنِ علماء ہے؛ اسی طرح جب یہ کہا جائے کہ فلاں غیر نبی و امام ہے۔ تو اس کا یہ مفہوم ہوگا۔ کہ وہ نبی و امام کا مخالف و معاند ہے مگر کمال کینت و تہکمون۔ خدا برا ہے ہی لاؤں سے دل برداشتہ ہو کر ڈاکٹر اقبال نے کہا تھا۔

زبا بر صوفی و ملا سلاے  
دے تاویل نشان در حیرت اندازے  
کہ پیغام خدا داد اندازے  
خدا و جبرئیل و مصطفیٰ را

حالانکہ بات بالکل سیدھی سادی ہے کائنات میں جو کچھ ہے یا خدا ہے یا غیر خدا۔ تو اگر اللہ اہل بیت غیر خدا نہیں تو کیا پھر وہ صین خدا ہیں؛ اگر یہی عقیدہ ہے۔ تو پھر کھل کر اس کا اظہار کریں۔ اس لپیٹ پوتی سے کیا حاصل ہے۔ بیفکرن پردہ تا معلوم گردد کہ یارانِ دیکھے را ہی پرستند

اگر بالفرض غیر خدا کا یہی مفہوم ہو جو یہ محقق بیان کر رہے ہیں۔ تو جن علماء و مفسرین و مشعل علماء طبرسی و فاضل کاشانی نے مجمع البیان و سانی میں اقوال معصومین کی روشنی میں ”من دون اللہ“ کے ذیل میں لکھا، عیسیٰ اور عریز کے نام لکھتے ہیں تو کیا وہ ان کو اللہ کا مخالف اور دشمن سمجھتے ہیں؛ معاذ اللہ خدا ان لوگوں کی حالتِ زار پر رحم فرمائے۔ ہاں یہ درست ہے کہ ہر جگہ ”من دون اللہ“ سے مراد یہ ذواتِ مقدسہ نہیں ہیں۔ لیکن غیر اللہ ہونا اور ہائے اور کسی جگہ مراد نہ ہونا اور بات۔ اور جہاں خدا اور اس کے رسولوں میں تفریق کی مذمت وارد ہوئی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ بعض پر ایمان لایا جائے اور بعض کا انکار کیا جائے فقہ تہذیب یعنی خدا کو تو برا نہ نام مانتا جائے اور اس کے رسولوں کا انکار کر دیا جائے جیسا کہ تفاسیر میں مرقوم ہے۔

ہمارے جس محقق کو اپنی اس تحقیق انبیاء پر ڈاناز ہے کہ انہیں ”اہل بیت غیر اللہ“ نہیں ایک فیصلہ کن استفتاء

اولیٰ میں اس کا جواب دیتے ہوئے ایک نئی تحقیق کا دروازہ کھول کر اربابِ علم و فکر کی تسکین فرمائیں گے۔ وہ ہوندا۔ ارشادِ ایزدی ہے و ما اهل بہ لغیر اللہ، دہے س نام و معنی یعنی جس حیوان پر بوقتِ ذبح غیر اللہ کا نام لیا جائے اس کا کھانا حرام ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر کسی حیوان کے ذبح کرتے وقت بوائے بسم اللہ و اللہ کا



کے باسم محمد یا باسم علی یا باسم الحسن یا باسم الحسین یا باسم العباس (و علی بذ القیاس) ان بزرگوں میں سے کسی بزرگ کا نام لیا جائے تو کیا اس حیوان کا کھانا حلال ہے یا حرام؟ بیٹو! توجہ دو۔ آیت وحدیث اور فقہ جعفریہ کی روشنی میں جو الکتاب مع قید صفحہ دس طبع اب دیا جائے

## مسئلہ استمداد تعلیمات معصومین کی روشنی میں

تیسرے باب میں ابطال تفویض کے سلسلہ میں جس قدر احادیث معصومین پیش کی جا چکی ہیں وہ سب یہاں ہمارے دھمنے کی تائید میں پیش کی جا سکتی ہیں۔ کیونکہ ان سے کائنات میں نصف النہار واضح و آشکار ہوتا ہے کہ خلاق عالم نے امور کو تیسرے (خلق و رزق اور امانت و احیاء و شفا کے امراض وغیرہ) کی انجام دہی سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کے سپرد نہیں فرمائی۔ بلکہ ان امور میں ان کا منصب و مقام بارگاہ خداوندی میں مخلوق کی شفاعت و سفارش کرنا ہے۔ بعد ازیں اس سلسلہ میں ان بزرگوں میں سے سوائے استدعائے شفاعت و گذارش سفارش کے اور کیا عرض کیا جا سکتا ہے؟ علاوہ بریں جو کہ بیفادہ مسئلہ ہے کہ ثبوت بذمہ دہی ہوا کرتا ہے۔ لہذا چاہئے تو یہ کہ جو شخص اس امر کا مدعی ہے کہ امور کو نبیہ میں ائمہ اطہار سے براہ راست استمداد و استعانت ہوا ہے وہ اس سلسلہ میں ایسے نفوس قرآنیہ اور صحیح و صریح ارشادات معصومین پیش کرے جن میں خدا یا ائمہ ہدیٰ نے یہ فرمایا ہو۔ کچھ مشکلات مصائب۔ طلبہ اولاد۔ شفا کے امراض اور موت و حیات وغیرہ امور میں محمد و آل محمد علیہم السلام کی طرف رجوع لیا کرو۔ جہاں تک ممکن تھا ہم نے اس سلسلہ میں بہت تحقیق و تفتیش سے کام لیا ہے۔ اور بے شمار کتب کی ورق گردانی کی ہے کہ شاید اس سلسلہ میں کسی معصوم کا کوئی مستند اور صریح فرمان دستیاب ہو جائے لیکن ہم یہ اعتراف کرتے ہیں کوئی عارضہ اس میں نہیں کہ اس سلسلہ میں ہمیں کامیابی حاصل نہیں ہو سکی۔ بلکہ اس کے برعکس اس سلسلہ میں ائمہ اطہار کی ممانعت نظر قاصر سے ضرور گذری ہے۔

۱) چنانچہ ابوالائمہ الطاہرین حضرت امیر المومنین فرماتے ہیں: **فما لله الله ان تشکوا الی من لایحیی شیعہ**۔ **ولا ینقض بوائیم ما قد اجم لکم**۔ (نیج البلاغہ حصہ اول ص ۱۲۷ طبع مصر) اللہ سے ڈرو کہ اپنی شکایتیں ایسے شخص (مام مالی مقام) کی طرف پیش کرو۔ جو تمہاری شکایت کے اضطراب کو دور نہیں کر سکتا۔ اور نہ ہی اپنے رائے سے حکم و مضبوط احکام امور کو توڑ سکتا ہے۔

(۲) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے بارے میں افراد کرنے والے لوگوں کی خدمت اور ان سے اپنی بات ظاہر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: **فوالله ما نحن الا عبيد الله الذي خلقنا واصطفانا ما فقد راعی ضرر ولا نفع**۔۔۔۔۔ **لقد آذوا الله و آذوا رسوله صلی الله علیه و آله فی قبره و امیر المومنین و فاطمہ الحسن و الحسين ابیت علی قواشی خائفوا و جلاً مرعوباً یا منون و افرع الخ** یعنی خدا کی قسم ہم ہی



خدا کے بندے میں جس نے ہمیں پیدا کر کے منتخب فرمایا ہے۔ ہمیں نفع و نقصان پر کوئی اختیار نہیں ہے۔ ان لوگوں نے وہاں سے متعلق غلط نظریات قائم کر کے خدا اور جناب رسول خدا کو ان کی قبرِ اقدس میں اذیت پہنچائی ہے اسی طرح ان لوگوں نے حضرت امیر المومنین حضرت فاطمہ زہرا اور جناب امام حسن و حسین راوردگیر ائمہ اطہر میں کورنج پہنچایا ہے۔ کیا یہ غور نہیں کرتے کہ وہ اس واسطیٰ سے وقت گزار رہے ہیں۔ اور میں خوف و ہراس کے عالم میں رہتے خواب پر رات گزارتا ہوں (رجال کشی ص ۳۶)

۳۳ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام دُعا نے طلب حاجات میں فرماتے ہیں: "فمن حاول سد خلته من عندك ورام صرف الفقير عن نفسه بك فقد طلب حاجته في مظانها راقى طلبه من وجهها ومن توجه بها حتم الى احد من خلقك وجعله سبب نجحها ودرتك فقد تعوض للعوضان واستحق من عندك ذوق الاحسان (صحیفہ کاملہ ترجمہ حضرت حسین ص ۱۵۷) جس نے اپنے افلاس کے رفع کرنے کے لئے تیرا ارادہ کیا۔ اور اپنی احتیاج کے دور کرنے کے لئے تیرا قصد کیا۔ اس نے اپنی حاجت کو اس کے عمل و مقام سے طلب کیا۔ اپنے مقصد تک پہنچنے کا صحیح راستہ اختیار کیا۔ اور جو اپنی حاجات کو لے کر مخلوقات میں سے کسی ایک کی طرف سو تجہزیرایا تیرے علاوہ دوسرے کو اپنی حاجت پر آری کا ذریعہ قرار دیا وہ حرمانِ نصیبی سے دوچار ہوا اور تیرے ہاں سے محرومی کا سزاوار ہوا۔" امام عالی مقام نے مخلوق کو حاجت روا سمجھنے اور مطلب پر آری میں ان پر اعتماد کرنے کی جو ذمت فرمائی ہے اس میں کسی نبی یا امام کا استثناء نہیں فرمایا۔

علامہ سید علی خان اپنی شرح صحیفہ ریاض السالکین ص ۱۷۷ طبع ایران میں ان فقرات کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "واعلم انه لما كان له تعالى خزائن السموات والارض وكان امرها بيده لا معطى ولا مانع الا هو قلنا امر بالدهاء وتكفل بالاحباب فقال ادعوني استجب لكم وحث الخلق على ان يسألوا لا يعطيههم فقال واسئلوا الله من فضله وكانت له القدرة التامة التي لا يعجزها شيء وكان له الجود الذي لا يجئل فيه والغنى الذي لا فقر معه لا ينقصه عطاء ولا يفرض منه لاجرم كان من طالب اصلاح خلته وجبوقاتهم من عندك ورام صرف الفقير عن نفسه به طالباً لحاجته من موصفها الذي يعلم انها فيه وقصد ما طلبه من جهته التي يقصد منها فكان حرياً بالنجح لما سئل وجديراً بالظفر بما طلب ورام من توجب بها حتم الى احد من المخلوقين واتاه مطايا الرجاء والطلب في ساحة فقير عاجز مثله او جعله سبباً لنجاحها والظفر بها متعمداً عليه دون الله تعالى فقد تعدى للتمتع وذوق الاحسان منه تعالى اذ الميقات حاجته من الواجب الذي ينبغي ان يأتيها منه ولم يطلبها من محلها الذي هي فيه ومن التمس الشيء من غير محلته واتاه من غير جهته لم يضر الا بالحرمان ولم يحصل الا على خيبة الطلب الخ



یعنی جانتا یا جانتے کہ چونکہ زمین و آسمان کے تمام خزانوں کی کنجیاں خدا کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ اس کے سوا اور کوئی معطل و مانع نہیں ہے۔ اور اس کریم نے دعا کا حکم دے کر قبولیت کا وعدہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ تم مجھ سے دعا کرو۔ میں قبول کروں گا۔ نیز اس نے لوگوں کو اس بات کی رغبت دلائی ہے کہ وہ اس سے سوال کریں۔ تاکہ وہ انہیں عطا کرے چنانچہ ارشاد فرماتا ہے تم اللہ کے فضل کے چرے میں سہاں کرو۔ اور چونکہ وہ ایسا قادر و قادر ہے جسے کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی۔ اور ایسا سواد مطلق ہے جس میں نخل کا شائبہ تک نہیں۔ اور ایسا نفی ہے جس میں فقر و فاقہ کی آمیزش نہیں۔ نہ عطا و بخشش اس کے خزانہ کا کم کرتا ہے۔ اور نہ روکنا اسے ضرر پہنچاتا ہے۔ بنا بریں جو شخص بھی اپنی حاجت کی اصلاح فقر و فاقہ کی دوری خدا سے طلب کرے گا تو وہ شخص یقیناً اپنی حاجت کو وہاں سے طلب کرے گا۔ جہاں سے طلب کرنی چاہیے۔ لہذا وہ کامیابی و کامرانی کا مستحق ہوگا۔ اور جو شخص اپنی حاجات کو کسی مخلوق سے طلب کرے گا۔ اور جو خدا کے علاوہ اپنی امید و آرزو کا مرکز اپنی جیسی عاجز مخلوق کو بنائے گا۔ یا خدا کو چھوڑ کر اس کی مخلوق پر اعتماد کرتے ہوئے اسے ہی کامیابی کا سبب قرار دے گا۔ وہ خدا کی طرف سے منع و حرام فیصلی کا مستوجب قرار پائے گا۔ کیونکہ اس نے اپنی حاجت وہاں سے طلب نہیں کی جہاں سے طلب کرنی چاہیے تھی۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ جو بھی کسی چیز کو اپنے عمل و تقاضا سے طلب نہ کرے وہ ہمیشہ ناکام و نامراد ہی رہتا ہے۔

۱۵) نیز حضرت امام زہری العابدین دُعائے تفویض الی اللہ میں فرماتے ہیں قانت یا مولائی دون کل مسئلہ موضع مسئلتی و دون کل مطلوب الیہ و لی حاجتی انت المخصوص قبل کل حد و حد عوق لا یشترک احد فی رحائی ولا یتفق احد معک فی دعائی ولا ینظم وایاک ندائی الخ (صحیفہ کاملہ ترجمہ مفتی صاحب ۲۴۵) اسے میرے مالک، تو ہی میرے سوال کا مرجع ہے نہ وہ جس سے سوال کیا جاتا ہے۔ اور تو ہی میرا حاجت روا ہے۔ نہ وہ جس سے حاجت طلب کی جاتی ہے۔ اور ان تمام لوگوں سے پہلے جنہیں پکارا جاتا ہے تو میری دعا کے لئے مخصوص ہے۔ اور میری امید میں تیرا کوئی شریک نہیں ہے اور میری دُعائیں تیرا کوئی ہم پایہ نہیں ہے۔ اور میری دعا تیرے ساتھ کسی اور کو شریک نہیں کرتی۔

۱۶) انہی جناب نے بارگاہ قدرت میں صحیح طریقہ توسل اختیار کرنے کی یوں تعلیم فرمائی ہے۔ دعائے روزِ پنجشنبہ میں فرماتے ہیں۔ اللہم انی بذا منۃ الاسلام اتوسل الیک و بجموۃ القرآن اہتمد الیک و بجمال المعطائی صلی اللہ علیہ و آلہ استشفع لک الیک الخ اے اللہ میں اسلام کے عہد و پیام کے ذریعہ تجھ سے توسل چاہتا ہوں۔ اور قرآن کی عزت کے واسطے سے تجھ پر پھروسہ کرتا ہوں اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے وسیلے سے تیری بارگاہ میں شفاعت کا طلبگار ہوں۔ (صحیفہ مذکور صفحہ ۴)







کرتا۔ اور جو مخلوق میرے دامن کے ساتھ جھمک ہو جائے میں زمین و آسمان کو اس کے رزق کا عمامہ بنا دیتا ہوں پس اگر مجھ سے سوال کرے تو اُسے عطا کرتا ہوں۔ اگر دعا کرے تو اُسے قبول کرتا ہوں۔ اور اگر عجب سے اپنے گناہوں کی معافی مانگے۔ تو اسے معاف کر دیتا ہوں۔

(۸) حضرت امام زین العابدین دعا نے تضرع الی اللہ میں فرماتے ہیں: اللہم انی خصلت یا تقطعی الیک و اقبلت علیک و صرحت و جھضت عنی عیاج الی رفقک و قلبت مسئلتی عن لدیستغفر عن فضلک و رأیت ان طلب المحتاج الی المحتاج سفہ من رأیہ و فضلہ من علقہ الخ (بسمی کا ذکر ۱۵۰)

اے اللہ! میں پورے کے ساتھ دوسروں سے نہ ہوں کہ تجھ سے تو لگائے ہوں اور بہت تیری طرف متوجہ ہوں اور ہر شخص سے جو خود تیری عطا بخش کا مستحق ہے منہ پیر لیا ہوا اور ہر شخص سے جو تیرے فضل و احسان سے بے نیاز نہیں ہے۔ سوال کا رتبہ مبرا لیا ہے اور اس توجہ پر پہنچا ہوں کہ محتاج سے بگم سزا سب کو بھڑکی سبکی اور عقل کی گمراہی ہے۔ (معین کا ذکر صفحہ ۱۲) ترجمہ

علامہ سید علی خاں نے اس کلام حق ترجمان کی شرح میں بعض اعلام کا یہ کلام نقل کیا ہے کہ: "من التوکل ان لا یطلب لنفسک تاصراً غیر اللہ ولا لیرزقک قاصراً غیر اللہ، ولا لعلک شاکلاً غیر اللہ۔"

(ریاض السالکین ص ۳۲۲) "یعنی خدا پر بھروسہ کرنے کی حقیقت میں یہ بات داخل ہے کہ سوائے خدا کے اور کسی سے اپنے لئے نصرت طلب نہ کرو۔ نہ سوائے خدا کے کسی اور کو رزق کا تقسیم کرنے والا سمجھو اور نہ ہی خدا کے سوا کسی کو اپنے عمل پر گواہ قرار دو۔"

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے توکل کی یہ تعریف کی ہے کہ "بان المخلوق لا یضر ولا ینفع ولا یعطی ولا یمنع۔ مخلوق کسی کو نفع و نقصان اور عطا و منع کی مالک نہیں ہے۔" (مدۃ الدامی ص ۳۵ طبع ممبئی)

(۹) حضرت امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں: فاذا اشتد المفزع فالی اللہ المفزع۔ یعنی جب خوف و ہراس سخت ہو جائے تو خدا سے مدد طلب کرو و اصول کافی ص ۱۵ کتاب الدعاء

(۱۰) جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام فرماتے ہیں: ما من یلہ یینزل علی عبد مؤمن فیہ اللہ اللہ عزوجل لدعاء الا کشف ذلک البلاء و شیکاً و ما من یلہ یینزل علی عبد مؤمن فیہ مسک عن الدعاء الا کان ذلک لبلاء حویلاً فاذا نزل البلاء فعلیکم بالدعاء و التضرع الی اللہ عزوجل۔ یعنی جس بندہ مؤمن پر کوئی بلا و مصیبت نازل ہو۔ اور خدا اسے دعا کرنے کا اتفاق دے۔ تو وہ آفت طوں کپٹ جاتی ہے (پھر فرمایا) پس جب بھی تم پر کوئی بلا و مصیبت نازل ہو۔ تو تم پر لازم ہے کہ دعا کرو۔ اور خدا کی بارگاہ میں تضرع و زاری کرو۔ و اصول کافی ص ۱۵ مدۃ الدامی ص ۱۵

(۱۱) جناب امام زین العابدین دعا نے دفع مہات میں فرماتے ہیں: انت المدد و المہات و انت المفزع فی المہات یندفع منها الام و ادفعت و لا ینکشف منها الا ما کشفتم و یخفی منک شکوتی یشجی بکلا عاتاً ہے بیات میں تو ہی جائے پناہ کوئی نصیبت مل نہیں سکتی مگر تجھے تو اللہ سے اور کوئی شکل مل نہیں سکتی مگر تجھے تو حل کر دے؟

تو وہ جو جلد دفع ہو جاتی ہے اور اگر بندہ مؤمن دعا و پناہ میں دیکر کرے



علامہ سید علی خان اس کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”تعریف المسند هنا بلام الجحش لافادة القصر  
تحقیقاً باعتبار تقييده بالظرف اذ ليس غيره تعالى مدعواً للمهمات ولا مفزعاً في المهمات  
وان دعوى غيره لها اوفزع اليه فيها فهو جهل محض او شرك خفي او صريح على ان دعائه سبحانه  
عند نزول المهمات والفزع اليه حين حلول المهمات دون غيره ام فطري كما قال تعالى واذا  
مستمكم الفرض في الجعوض من ندوة الا اياه وقال تعالى قل ادأيتكم ان اترككم عذاب الله و اترككم  
الساعة اغيروه الله تدعون ان كنتم صادقين بل اياه تدعون فيكشف ما تدعون اليه ان شاء  
و نفسون ما تشركون“ (رياض السالكين ص ۳۳) یہاں مسند (مدعو) کو امام تعریف کے ساتھ معرف کر کے اس نے  
لایا گیا ہے کہ اس سے مقصد حصر حقیقی ہے کیونکہ مہمات میں خدا کے سوا اور کوئی ایسا نہیں ہے جسے پکارا جائے  
اور نہ خدا کے سوا کوئی ایسا ہے جس سے شائد میں مدد حاصل کی جائے۔ اور اگر شائد و مہمات میں غیر خدا کو  
پکارا گیا۔ یا اس سے مدد طلب کی گئی تو محض جہالت یا شرک خفی بلکہ جلی ہوگا۔ علاوہ بریں مہمات و مصائب  
کے وقت صرف خدا کی طرف رجوع کرنا اور اس سے اعانت طلب کرنا ایک فطری امر ہے چنانچہ خداوند عالم  
فرماتا ہے۔ جب تم سمندر میں ہوتے ہو اور تمہیں کوئی تکلیف پہنچے تو خدا کے سوا اور سرے وہ لوگ جن کو تم پکارا  
کرتے ہو۔ مجبور جاتے ہو۔ دوسرے مقام پر فرماتا ہے کہ وہ اگر تم پر عذاب نازل ہو۔ یا قیامت آجائے اگر تم  
ہو تو غیر خدا کو بلاؤ تو سہی۔ نہیں بلکہ تم صرف خدا کو ہی پکارتے ہو۔ پس خدا اگر چاہے تو وہ تمہاری تکلیف کو دور  
کر دیتا ہے۔ اس وقت شرک مجبور جاتے ہو۔ اسی دعا کے مبارک کے اخیر میں ہے دانت القادر علی کشف ما یست  
بہ و دفع ما وقعت فیہ۔ جن مہمات میں مبتلا ہوں اس کے دور کرنے اور جس بد میں مبتلا ہوں اسے نکالنے پر تو ہی قادر ہے (میرزا محمد علی صاحب  
اس کی شرح میں علامہ موصوف فرماتے ہیں: ”لا فاداة القصص تحقیقاً ای انت القادر لا غیر علی کشف ما  
ابتلیت بہ (رياض ص ۳۵) یہ (تقدیم مسند) حصر حقیقی کے لئے ہے۔ مطلب یہ کہ۔۔۔ بار الہا صرف تو ہی میری  
مہمات دور کرنے پر قادر ہے اور کوئی قادر نہیں ہے۔

(۱۲) حضرت امیر المؤمنین دعا کے مکمل میں فرماتے ہیں ”اللہی ودی من لی غیوک اسئلہ کشف ضری  
والظروفی اموی الخ (مفتاح ص ۶۷) اے میرے محبوب اور میرے پروردگار! تیرے سوا میرا کون ہے جس سے اپنی  
تکلیف دور کرنے اور اپنے معاملات میں نظر کرنے کی درخواست کروں۔“

(۱۳) دو دعاؤں امام رضا علیہ السلام کی زیارت کے بعد پڑھی جاتی ہے۔ اس میں وارد ہے یا من لا  
یعلم الغیب الا هو یا من لا یصرف السوء الا هو یا من لا یدبّر الامر الا هو یا من لا



یَغْفِرُ الذَّنْبَ الْاَهْوَا مِنْ لَا يَخْلُقُ الْخَلْقَ الْاَهْوَا مِنْ لَا يَنْزِلُ الْغَيْثَ الْاَهْوَا مَغَاتِحٌ مَسْمُومٌ اے وہ خدا جس کے سوا کوئی عیب نہیں جانتا۔ اے وہ معبود جس کے سوا کوئی مصیبت دہ نہیں کرتا۔ اے وہ اللہ جس کے سوا کوئی تدبیر امور نہیں کرتا۔ اے وہ رب جس کے سوا کوئی گناہ معاف نہیں کرتا۔ اے وہ پروردگار جس کے سوا کوئی پیدا نہیں کرتا۔ اے وہ مالک حقیقی جس کے سوا کوئی بارش نہیں برساتا۔

(۱۴) اسی باب میں تہذیبی آیات قرآنیہ یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ اللہ اور اللہ کہتے ہی اسی ذات مستجمع جمیع صفات کو ہیں کہ جب مصائب و شدائد میں ہر طرف سے امیدیں منقطع ہو جائیں تو مخلوق اس کی طرف رجوع کرے چنانچہ اس حدیث صادقہ سے بھی اس مطلب کی طرف تائید مزید ہوتی ہے جو آنجنابؐ نے اس شخص کے جواب میں ارشاد فرمائی تھی جس نے ہستی باری تعالیٰ کے متعلق آپ سے متنع دہل طلب کی تھی۔ امام نے فرمایا۔ تو کبھی کشتی پر سوار ہوا ہے؟ اس نے کہا ہاں! فرمایا کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ مین سجدہ عار میں کشتی ٹوٹ گئی ہو۔ اب نہ تو وہاں کوئی کشتی تھی جو تجھے نجات دے اور نہ ہی تو تیرنا جانتا تھا۔ جو تجھے کنارے لگائے۔ آیا اس وقت تیرے دل میں کسی ایسی قادر مطلق ہستی کا تصور تھا جو ایسی بے سروسامانی کے عالم میں بھی تجھے نجات دے سکتی ہے۔ کہا ہاں امام نے فرمایا فذلک الشیء ہوا اللہ الفادر علی الانجاء حیث لا مضی و علی الاغاثۃ حیث لا مضیث۔ ”جی قادر مطلق خدا ہے جو اس وقت نجات دینے پر قدرت رکھتا ہے جب کوئی نجات دہندہ نہ ہو۔ اور اس وقت فریادیں کرتا ہے۔ جب اور کوئی فریادرس نہ ہو۔“ (تفسیر صافی ص ۱۹)

(۱۵) قطع نظر مذکورہ بالا دلائل قاطعہ کے خود ائمہ اہل ہاد اور ان کے اصحاب اختیار کا عمل و کردار ہی اس بات کی قطع دلیل ہے کہ مشکلات و مصائب اور مہمات و شدائد میں خداوند عالم کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ چنانچہ یہ امر ناقابل انکار حد تک ثابت ہے۔ کہ جب اصحاب ائمہ ان بزرگواروں کی بارگاہ میں التماس دعا کے لئے حاضر ہوتے تو یہ فداستہ مقدمہ ان کو بارگاہ و بوسیت کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیتے۔ کسی کو کوئی مخصوص نماز حاجت پڑھنے کے بعد خدا سے دعا دیکھا کرنے کا حکم دیتے۔ کسی کو کوئی مخصوص دعا تعلیم دیتے چنانچہ دعائے کمیل و دعائے مشلول وغیرہ صدایا دعائیں اور اسی طرح سینکڑوں قسم کی نماز مانگنے حاجت اس کے زندہ ثبوت میں۔ لہذا ہمیں بھی یہی طریقہ اپنانا چاہئے۔

(۱۶) جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ الا اولکم علی سلاح نیجیکم من اعدائکم و یدر اذراقکم قالوا بلی قال تدعون ربکم باللیل والنهار فان سلاح المؤمن الدعاء۔ کیا میں تمہیں ایسا ہتھیار نہ بتاؤں جو تمہیں شر اعداء سے نجات دے اور تمہارے رزقوں کو کشادہ کرے؟ صحابہ نے عرض کیا ہاں (ضرورتاً فرمائیں) فرمایا۔ رات اور دن کے وقت اپنے پروردگار سے دعا دیکھا کرو۔ کیونکہ دعا کرنا



مؤمن کا ہتھیار ہے۔ (اصول کافی ص ۱۷۱)

(۱۷) امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔ علیکم بسلاح الانبیاء۔ فقیل ما سلاح الانبیاء۔ قال الدعاء۔ انبیاء کے ہتھیار کو لازم پکڑو۔ عرض کیا گیا۔ کہ انبیاء کا ہتھیار کیا ہے؟ فرمایا خدا سے دعا کرنا۔ (کافی ص ۱۷۱)

**مشاعرہ مسئلہ میں ائمہ اطہار کے اصحاب اختیار طریقہ کا** ان بادیان کی اسی تعلیم و تلقین کا نتیجہ تھا کہ ان کے اصحاب باصفا ہمیشہ ان امور میں ان بزرگواروں

سے صرف بارگاہ خداوندی میں دعا و سفارش کرنے کی استدعا کیا کرتے تھے۔ یہ کسی استدعا نہیں کی تھی کہ آپ ہمیں اولاد دیں۔ یا روزی فراخ کریں۔ یا ہمارے بیمار کو شفا دیں۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ طریقہ کار تعلیمات قرآن اور پیغمبر کے خلاف ہے۔ ذیل میں ان اصحاب اختیار کے صحیح طریقہ کار کے چند واقعات جلائے ایمانی کی خاطر درج کئے جاتے ہیں۔ مفضل بن قیس بیان کرتے ہیں۔ کہ دخلت علی ابی عبد اللہ فستکوت الیہ بعض حالی و سألتہ الدعاء یعنی میں حضرت صادق آل محمد کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اپنی حالت زار بیان کر کے ان سے دعا کرنے کی استدعا کی۔ ان جناب نے اپنی کنیز کو حکم دیا۔ کہ وہ قبیل لاؤ جو ابو جعفر (مقصود و انقی) نے بھیجی ہے۔ چنانچہ کنیز نے وہ قبیلی پیش کی جس میں چار سو دینار تھے۔ ائمہ نے وہ قبیلی مجھے عطا فرمادی۔ میں نے عرض کیا۔ لا و اللہ جعلت فداک ما اردت هذا و لکن امدت الدعاء علی۔ میں آپ پر قربان ہو جاؤں۔ بھلا میری گزارش کا یہ مطلب نہ تھا۔ بلکہ میرا مقصد تو صرف دعا کرنے کی استدعا کرنا تھا۔ فرمایا۔ ولا ادع الدعاء میں دعا بھی ترک نہیں کروں گا۔ (رجال کشی ص ۱۷۱)

(۱۸) اسی طرح شاذویہ بن الحسین بن داؤد القس کا بیان ہے کہ دخلت علی ابی جعفر و باہلی حبل فقلت جعلت فداک ادع اللہ ان یورثنی و لذا ذکرنا۔ یعنی میں حضرت امام محمد تقی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت میری بیوی حاملہ تھی۔ میں نے عرض کیا میں آپ پر قربان ہوں۔ آپ میرے لئے خدا کی بارگاہ میں دعا کریں کہ وہ مجھے اولاد و زریعہ عطا کرے۔ راوی کہتا ہے خالق حق ملأ فمہ دافعاً رأساً فقال فان اللہ یورثک غلاماً ذکرنا الخ۔ ائمہ کچھ دیر سر جھکانے بیٹھے رہے پھر سر بلند کر کے فرمایا خدا تمہیں سو زائد زریعہ عطا کرے گا۔ (رجال کشی ص ۱۷۱)

(۱۹) عبد الرحمن بن حجاج بیان کرتے ہیں کہ میرے پاس جناب امام موسیٰ کاظم کا بہت سا مال (بنجار خمس) تھا۔ چنانچہ ایک سال میں (دینہ) گیا اور جناب علی بن قیطن نے مجھے آنجناب کے نام ایک مکتوب دیا جس میں جناب سے التماس دعا کیا تھا۔ چنانچہ میں اپنے ذاتی کاروبار اور خدمت امام میں مال پہنچانے سے فارغ ہو چکا تو عرض



کیا۔ میں آپ پر قربان ہو جاؤں سائلنی علی بن یقطین ان تدعوا لہ۔ علی بن یقطین نے عہد سے کہا تھا کہ آپ سے ان کے لئے دعا کروں۔ یہ س کرامت نے فرمایا۔ للاخوة؛ آیا آخرت کے لئے دعا کرنے کا اللہ کرے ان کے لئے عرض کیا۔ نعم (ہاں) عبدالرحمن بیان کرتے ہیں۔ کہ یہ سنتے ہی امام نے اپنا دست مبارک اپنے سینہ پر رکھتے ہوئے فرمایا۔ ضمانت لعلی بن یقطین ان لا تمسہ النار ایداً۔ میں علی بن یقطین کا ضامن ہوں کہ ان کو کبھی آتش جہنم نہیں چھوئے گی۔ (رجال کشی ص ۲۷) ضعیفاً لہ الجنۃ زہبہ نصیب۔ سچ ہے ع۔  
یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

رزقنا اللہ دعائہم وشفاعتہم فی الدنیا والآخرۃ

(۴) علماء اعلام کا بھی ہمیشہ سے اسی طریقہ پر عمل درآمد رہا ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ طوسی اور دیگر بعض علماء اعلام نے نقل کیا ہے کہ حضرت شیخ صدوقؒ کے والد ماجد حضرت شیخ علی بن الحسین اقمی کے ہاں اپنی چچا زاد بیوی سے کوئی اولاد نہ ہوتی تھی۔ انہوں نے جناب ابو القاسم مین بن روحؒ (نائب خاص حضرت حجۃ) کی خدمت میں مکتوب ارسال کیا جس میں ان سے استدعا کی۔ کہ حضرت امام العصرؑ کی بارگاہ میں عرض کریں۔ کہ وہ میرے لئے بارگاہ رب العزت میں اولاد کے لئے دعا فرمائیں۔ چنانچہ جناب ابو القاسمؒ نے جناب شیخؒ کی استدعا امام زمانہؑ تک پہنچائی۔ ناحیہ مقدسہ سے جواب صادر ہوا۔ ہم نے بارگاہ الہی میں دعا کی ہے۔ ان کی موجودہ بیوی کے بطن سے اولاد نہ ہوگی۔ ہاں عنقریب ان کو ایک دہلیہ کنیز ملے گی جس سے ان کو خدا کے عزد و جل و وقیبہ بیٹے عطا فرمائے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور وہ دو بیٹے محمد بن علی (معروف شیخ صدوقؒ) اور ان کے برادرِ عظیم شیخ حسین بن علی متولد ہوئے۔

(فوائد رضویہ ج ۲ ص ۵۶۱ الکلام بآثار الکلام ج ۱ ص ۹۷ وغیرہ)

متعلقہ مسئلہ علماء اعلام بیان کی روشنی میں | اس سلسلہ میں اب تک ہم نے قرآن و حدیث اور اصحاب ائمہ کی روشنی کے ہمارے مسئلہ علماء اعلام بیان کی روشنی میں جو کچھ لکھا ہے۔ ہمارے تمام علمائے اعلام شیخ امامیہ کثر ہم اللہ فی البریۃ کا بھی یہی نظریہ ہے چنانچہ تیسرے باب میں علماء کبار کے جو بیانات پیش کئے گئے ہیں وہ سب ہمارے اس دعویٰ پر شاہ عادل ہیں۔ فلا لطیل الکلام بتکوادر الحوام۔ فواجع وتدبیران کنت من اولی الافہام۔

علامہ بریں کتب اصول عقائد میں اقسام توحید بیان کرتے ہوئے توحید و فعالی کے متعلق ہمارے اعلام نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ بھی ہمارے دعویٰ پر بطور نص صریح دلالت کرتا ہے۔ کہ امور مکتوبہ میں سوائے خداوند عالم کی ذات جامع جمیع صفات کے اور کسی ذات حتیٰ کہ نبی و امام سے بھی براہ راست امتداد جائز نہیں ہے۔ ہاں ان کا توکل اور بارگاہ خداوندی میں دعا کرنے کی استدعا کرنا نہ صرف جائز بلکہ مشن ہے۔



## اقسام توحید

اس امر کی بقدر ضرورت یہاں قدر سے وضاحت کی جاتی ہے۔ سو غنی زر ہے کہ توحید کے چار اقسام ہیں کہ شرک ایسے گناہِ عظیم سے دامن بچانے اور دولتِ ایمان حاصل کرنے کے لئے نہ صرف ان کا جاننا اور ان پر اعتقاد رکھنا ضروری ہے بلکہ ان کے مطابق عمل درآمد کرنا بھی لازم ہے۔ وہ اقسام یہ ہیں (۱) توحید فی الذات و ذاتِ خداوندی میں اس کا کوئی شریک نہیں (۲) توحید فی الصفات (خدا کی صفات حقیقیہ صین ذات ہیں اور سب مخلوق کی صفات زائد بذات ہیں۔ (۳) توحید فی الافعال (امور کو وغیرہ مثل خلق و رزق اور امات و احیاء و شفاء و امراض وغیرہ میں کوئی ہستی خدا کی شریک نہیں ہے) (۴) توحید فی العبادت۔ (عبادت میں خدا کا کوئی شریک نہیں ہے) تفصیل کے لئے ہماری کتاب احسن الفوائد یا ہمارا رسالہ اقسام توحید کی طرف رجوع کیا جائے۔ فان فیہ شفاء لكل علیل۔ دریا لکل غلیل انشاء اللہ العزیز الجلیل اور ہر ان اقسام توحید میں سے کسی قسم کا دامن ہاتھ سے چھوٹا اور ادھر آدمی شرک کے گہرے گڑھے میں گرا۔ اسی وجہ سے شرک جلی کے بڑے اقسام بھی چار ہیں۔ (۱) شرک فی الذات (۲) شرک فی الصفات (۳) شرک فی الافعال اور (۴) شرک فی العبادۃ۔ ایک سچے مسلمان کے لئے ان تمام اقسام شرک سے اجتناب کرنا واجب ہے۔ چنانچہ مولانا سید محمد سیطین سرسوی اپنے رسالہ پیغام توحید میں پر اقسام توحید بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں: "پس حقیقی اور سچا خدا پرست وہ ہے جو ان چاروں قسم کے شرک سے پاک ہو۔ اور چاروں قسم کی توحید میں کامل ہو۔ توحید فی الذات، توحید فی الصفات، توحید فی الطاعۃ، توحید فی العبادۃ۔ کا صحیح عقیدہ رکھتا ہو۔ اور دینِ برحق وہ ہے جس میں تعلیم توحید اس درجہ مکمل ہو کہ کبھی کبھی کا شائبہ تک نہ پایا جائے اور یہی تعلیم اسلام ہے۔"

بنابرین توحید انسانی کے متعلق علمائے اعلام نے جو کچھ لکھا ہے۔ (جس کی ایک مقدمہ مقدار باب التفویض میں نقل کی جا چکی ہے۔ وہ سب بیانات تا شیدہ حایم پیش کئے جا سکتے ہیں۔ یہاں تبرکاً و تمیناً مزید چند اعلام کی فرمائش پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) سید العلماء سید حسین لکھنوی حدیثِ سلطانیہ ج ۱ ص ۱۷۱ میں مباحثِ طویلہ کے بعد بطور نتیجہ لکھتے ہیں و بالجملة حق آن است کہ غیر از افعال عباد کہ منحصر در حرکات و سکونات و ما یترتب علیہا است از غیر خدا از قسم اجسام و جسمانیات متاصلہ صادر نمی شود و حضرات و غیر حضرات از ممکنات نہ بر خلق و نہ بر اجسام نہ ذاتہم قدرت دارند و تفویض و اقدار از جانب جناب احدیت بر خلق و رزق نسبت ایشان از روئے عقل و شرع ثابت می شود۔ الخ۔۔۔ یعنی خلاصہ کلام کہ حق یہ ہے کہ افعال عباد دو کہ (۱) مواضع ہیں، (۲) کے علاوہ جس سے انسانی حرکات و سکونات اور ان کے نتائج مراد ہیں اور کوئی چیز از قسم اجسام متاصلہ (یعنی جو اسر خیر خدا سے صادر نہیں ہو سکتی۔ اور حضرات اللہ اعلیٰ بیٹ اور دیگر مقامات ممکنات نہ بالذات خلق اجسام پر قدرت رکھتے ہیں۔ اور نہ ممکنات و نہ شرعاً ذات احدیت کی طرف سے خلق کرنے و رزق دینے



کی تفویض یا قدرت کا عطا ہونا ثابت ہے۔

(۷) عالم ربانی سرکارِ آیتہ اللہ حضرت شیخ جعفر شوشتری اعلیٰ اللہ مقامہ (مصنف خصائص حسینیہ وغیرہ کتب جلیلہ جن کی علمی جلالت کے سامنے بڑے بڑے علماء و مجتہدین کے سر نیز جھک جاتے ہیں۔) اپنے رسالہ عملیہ منہج الرشاد مطبوعہ بمبئی صفحہ ۱۴ پر مرتدلی و فطری کا تذکرہ اور ان کے الفاظ سے بحث کرتے ہوئے بھی سے ایک مسلمان مرتد ہو جانا ہے بعنوان مثلاً "عزیر فرماتے ہیں" در زبان بعض عوام متعارف است کہ می گویند امام حسینؑ عسرت راز یا دیکند یا حضرت عباسؑ روزی ترا زیاد بکنند یا ترا اولاد بدید یا فلان امام زادہ ترا نکام بہ اراد اگر منظور این است کہ از برکت اینہا بشود یا اینکه ایشان شفیع شوند در خصوص اولاد و زیادتی رزق و طول عمر بسیار خوب است و اگر منظور حقیقت رازقی و معطی و خالق باشد مشکل است۔"

یعنی بعض عوام اناس کے درمیان متعارف ہے کہ وہ ایک دوسرے کو یوں کہتے ہیں کہ حضرت امام حسینؑ تمہاری عمر کو زیادہ کریں یا حضرت عباسؑ تمہاری روزی کو زیادہ کریں یا تمہیں اولاد دیں۔ یا فلان امام زادہ تمہاری حفاظت کریں۔ اگر کہنے والے کا مقصد یہ ہو کہ ان کی برکت سے ایسا ہو یا یہ بزرگوار و بارگاہ قدرت میں (طول عمر و زیادتی رزق اور حصول اولاد کے متعلق سفارش کریں تو یہ درست ہے۔ لیکن اگر مقصد یہ ہو کہ حقیقتاً یہی بزرگوارہ رازق و معطی اور خالق ہیں۔ یعنی براہ راست یہ کام انجام دیتے ہیں) تو پھر اس کا جواز کجہ قائل کا اسلام مشکل ہے۔

(۸ و ۹) مذکورہ بالا رسالہ شریفہ ڈاک جلیل القدر مجتہد حضرات یعنی سرکارِ آیتہ اللہ شریح حبیب اللہ الرشتی و آیتہ اللہ السید اسماعیل الصدر الموسوی اعلیٰ اللہ مقامہا کا مصدقہ ہے اور محل اختلاف میں ان کے عوامی شریفہ سے مزین ہے۔ مگر مذکورہ بالا عبارت پر ان کا کوئی حاشیہ نہیں ہے جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں بزرگوار بھی اس مسئلہ میں حضرت شیخ جعفر شوشتری اعلیٰ اللہ مقامہ سے متفق ہیں۔ کما لا یخفی علی من جال خلال هذه الدیاد۔

(۱۰) علامۃ العصر حضرت الشیخ محمد الخالصی قدس سرہ اپنی کتاب احیاء الشریعہ فی مذہب الشیعہ ص ۵۹ پر رقمطراز ہیں۔ "یکثر علی لسان العامة تردد اللفاظ یتافی ظاہرها التوحید و التثنی عن الغلو مثل قول بعض العوام لبعض اجبرک علی محمد او علی او فاطمۃ الزہرا او علی احد الائمة او قولہم جرزک الحسین و یشتیک العباس و امثال ذلك من الالفاظ و بعضہم یدعو فیطلب الرزق بالشقاء او الولد او دفع المکروہ من النبی و احد الائمة فان کان المتکلم بهذه الالفاظ قاصداً لمعانیہا معتقداً بہا فهو کافر و نال یجری علیہ جمیع احکام الکفر و ان کان عقد قلبہ علی خلاف ظاہرها و کان مرادہ طلب الرزق من اللہ و الشقاء مثلاً من اللہ ببرکۃ النبی لا اعتقاداً انہ ارسل رحمۃ للعالمین و اذن اللہ لہ بالشفاعة و ہکذا عند ذکر الائمة فلیس ذلک بکفر و ان کان ظاہر الالفاظ کفراً لانه لم یرد ظاہرها ولم یعتقد بہ



فَكَانَهَا نَقْلَتْ عَنْ مَعَانِيهَا عَوْفًا إِلَى مَعَانٍ تَوَافِقُ الْأَعْتِقَادَاتِ الصَّحِيحَةَ وَيَجِبُ نَزْلُ هَذِهِ  
الْأَلْفَاظِ وَأَنْ لَمْ يَرِدْ بِهَا ظَاهِرُهَا -

یعنی بعض عوام کی زبان پر کچھ ایسے الفاظ جاری رہتے ہیں جو بظاہر عقیدہ توحید کے متافی ہیں۔ یا جن سے غلو کی پوچھ آتی ہے۔ جیسے ان کا یہ کہنا کہ تمہارا اجر جناب رسول خدا یا حضرت علی مرتضیٰؑ، یا حضرت فاطمہ الزہراءؑ یا دیگر ائمہ ہدیٰ کے ذمہ ہے۔ یا ان کا یہ کلام کہ حضرت امام حسینؑ تمہیں رزق دیں، یا حضرت عباسؑ تمہیں شفا عطا فرمائیں، یا اس قسم کے اور الفاظ جن طرح ہمارے ہاں عوام یہ کہتے ہیں کہ اللہ و پیغمبرؐ تمہیں مال و اولاد دیں۔ یا اللہ و پیغمبرؐ پاک نے ہمیں سب کچھ دے رکھا ہے، یا اللہ و پیغمبرؐ پاک آپ کو آباد و شاداب رکھیں وغیرہ اور بعض لوگ براہ راست جناب رسول خدا یا دیگر بعض ائمہ ہدیٰ سے رزق مانگتے، شفا طلب کرتے، اولاد کا سوال کرتے یا کمالات و شہادت کے دفعیہ کی ان سے دعا میں کرتے ہیں۔ پس اگر تو ان الفاظ سے ان لوگوں کا مقصد ان کے یقینی معنی ہیں اور یہی ان کا اعتقاد ہے کہ یہ بزرگوار یہ کام انجام دیتے ہیں پھر تو یہ کافر ہیں۔ ان پر تمام احکام کفر مترتب ہوں گے۔ لیکن اگر ان کی مراد وہ نہیں جو ظاہری الفاظ سے مترشح ہوتی ہے بلکہ ان کا مقصد جناب رسول خداؐ کی برکت سے خدا سے رزق و شفا طلب کرنا ہے۔ کیونکہ خدا نے ان کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا ہے۔ اور ان کو شفاعت و سفارش دینے کا اذن بھی دیا ہے اور یہی مقصد ائمہ اطہارؑ کے ذکر کے وقت ان سے یہ استیاء طلب کرنے کے لیے ہے تو یہ کفر نہیں۔ اگرچہ ظاہری الفاظ کفر پر ہی دلالت کرتے ہیں۔ مگر چونکہ قائل نے ان کے ظاہری معنی کا قصد نہیں کیا۔ اور نہ ہی وہ اس کا معتقد ہے۔ تو گویا یہ الفاظ اپنے معانی لغویہ سے عرفاً معانی صحیحہ کی طرف منتقل ہو چکے ہیں۔ یہ حال اگرچہ ان الفاظ کے ظاہری معنی کا قصد نہ بھی کیا جائے۔ تاہم ایسے مشتبه الفاظ کا ترک کرنا واجب ہے۔ (۶) فاضل اہل علامہ سید ابوالفضل برقی اپنی کتاب عقل و دین میں ص ۲۶۶ پر توحید عبادتی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

در پایہ فہمید کہ فقط خدا حاضر و ناظر است در مہر جاوید اور خواندہ و پرستش کردہ متناہی قدہ الی از عوام و در ہم جمع می شوند و در زمان ما بنام عباداری۔ امام حسینؑ یا امام دیگر سے راجعاً طلب قرار میدہند و از حوائج می طلبند و مکرر میگویند۔ اے آقا! فدایت شوم۔ خودت فلاں کار مرا یا مشکل مرا رفع کن۔ و حاجات مرا بر آور۔ دیگر نمی دانند حاضر فی کل مکان منحصر بذات پروردگار لامکانست و ہر امام یا رسول یا فرشتہ ای داورے مکان و محدود است الخ

یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہئے۔ کہ صرف خداوند عالم ہی ہر جگہ حاضر و ناظر ہے۔ اس لئے اسے ہی پکارنا اور اس کی ہی پرستش و عبادت کرنی چاہئے۔ مگر افسوس کہ ہمارے زمانہ میں بعض عوام کی حالت یہ ہے کہ وہ



داداری کے نام سے ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں۔ اور جناب امام حسینؑ کو مخاطب کر کے ان سے اپنی حاجات طلب کرتے ہیں۔  
 دربار باد یہ کہتے ہیں۔ میں آپ پر قربان ہو جاؤں۔ آپ خود میرا فلاں کام، انجام دیں۔ میری فلاں مشکل حل کریں۔  
 درمیری حاجات بر لائیں۔ مگر یہ لوگ اتنا نہیں سمجھتے کہ ہر وقت، ہر جگہ حاضر ہونا پروردگار عالم کی ذات سے غرض  
 ہے۔ جو لا مکان ہے۔ باقی امام ہوں یا رسولؐ، فرشتے یہ سب کے سب صاحب مکان ہیں۔ اور محدود ہیں الخ  
 (۱) حضرت شیخ جعفر نجفیؒ کے رسالہ رد ردو بابیہ سے صاحب حدیقہ سلطانیہ نے (۳ ص ۱۸۱) پر بعض  
 اقتباسات کا اس طرح ترجمہ کیا ہے۔

مذہبیں اگر دعوت خیر خدا و استعانت بخلق ازیں راہ باشد کہ اورا فاعل مختار چنان فاعلے کہ  
 منافع و مضار بقبضہ اختیار او باشد۔ بقہد پس این قول کفار است۔ و اگر مرادش اُن باشد کہ دعائے  
 او و استغاثہ باو از برائے شفاعت است اگرچہ تصرف و سامعہ اذ او در عبارت واقع شدہ پس این از  
 اعظم طامعات است و از محافظت علی الادب من کل الجہات ؟

یعنی اگر خیر خدا سے باہر طور فاعل مختار سمجھ کر مدد طلب کی جائے۔ کہ نفع و نقصان اس کے قبضہ اختیار میں ہے۔  
 تو یہ کافروں کا نظریہ ہے۔ اور اگر مدد مانگنے والے کی مراد ان حضرات سے شفاعت و سفارش طلب کرنا ہے۔ تو  
 بہت بڑی اطاعت اور آداب اسلامی کی محافظت ہے۔ اگرچہ ادائے مقصد میں عبارت کے اندر قدرے کوتاہی  
 ہو گئی ہے یہ یعنی وہ الفاظ نہیں لائے گئے جو بالصراحت طلب شفاعت پر دلالت کریں (فسبحان الذی  
 بیدہ ملکوت کل شیء والیہ ترجعون۔

ہمارے عوام اہل ایمان پر لازم ہے کہ ان علماء اعلام کی فرمائشات کو اپنے لئے آویز و گوش بنائیں۔ اور اس  
 قسم کے الفاظ متداولہ و رائجہ سے لازماً پرہیز کریں۔ جن سے شرک خفی یا جلی مترشح ہوتا ہے واللہ یہدی  
 من یشاء الی صراط المستقیم۔

متعلقہ مسئلہ عقل سلیم کی روشنی میں | جب تیسرے باب میں یہ مطلب ناقابل تردید عقلی و سمعی دلائل سے

کے سپرد نہیں فرمائے۔ بلکہ خود اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ تو بعد ازیں عقل سلیم کو یہ فیصلہ کرنے میں ذرہ بھر دقت  
 محسوس نہیں ہوتی ہے۔ کہ چونکہ ناقہ شنی معطی شنی نہیں ہو سکتا۔ اس لئے رجوع اسی خدا کے لم یزل و لایزال کی طرف  
 ہی کرنا چاہیے۔ جس کے قبضہ قدرت میں ان معاملات کی باگ ڈور ہے۔ فادعوا للہ مخلصین لہ الدین

بعض شکوک و اوہام کا ازالہ | اگرچہ مسطور بالا میں اس موضوع پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے جو قلب سلیم و مع  
 مستقیم رکھنے والے انسان کے لئے حقیقت حال سمجھنے اور حق و باطل کے درمیان



تمیز کرنے کے لئے کافی ہے مگر حجت تک یہاں دوسرے فریق کے جملہ شکوک و شبہات کا ازالہ ذکر دیا جائے۔ اس وقت تک یہ باب تشہد تکمیل رہے گا۔ اس لئے حسب سابق اس موضوع کے متعلق دوسرے فریق کے جملہ شکوک و شبہات مع قطعی جوابات ذیل میں ذکر کئے جاتے ہیں۔ واللہ المستعان۔

**پہلا شبہ اور اس کا جواب** | کہا جاتا ہے اور اسے ایک فتعی کا صحیح حل تصور کیا جاتا ہے کہ ذات باری نے معصوم کے قول، ان کے فعل کو اپنا قول اور فعل قرار دیا ہے۔

جیسا کہ آیت و ماد صیت اذ صیت و لکن اللہ وحی کا مفاد ہے۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ ان سے استمداد خود خدا سے مدد و طلب کرنے کے مترادف ہے۔ پیشہ بعض فرقہ خطابت کی پیداوار ہے جسے حقیقت سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اگر یہ قاعدہ علی العموم تسلیم کر لیا جائے تو پھر اس سے یہ بھی لازم آئے گا کہ ائمہ اطہار کی عبادت کرنا بھی جائز ہو۔ کیونکہ بنا بریں ان کی عبادت خدا کی عبادت متصور ہوگی۔ کیا یہ استدلال کرنے والے حضرات اس بات کو قبول کرنے پر آمادہ ہیں؟ جو جواب یہ حضرات ائمہ اطہار کی عبادت کرنے کے عدم جواز کے متعلق دیں گے۔ وہی جواب ہماری طرف سے عدم جواز استمداد کے بارے میں سمجھا جائے۔ یہاں یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ دعا بھی ایک قسم کی عبادت ہے بلکہ افضل العبادت ہے۔ جیسا کہ اوپر اس کی وضاحت کی جا چکی ہے۔ علاوہ بریں یہ آیت مقام اہواز کے متعلق ہے۔ کہ کفار پر کشت کریاں مارنا جناب رسول خدا کا فعل تھا۔ لیکن ان کو سب پر کافر تکسہ پہنچانا اور اس کی وجہ سے ان کی آنکھوں کا چندھیا جانا۔ یہ خدا کا فعل تھا۔ اس آیت کا سیاق و سباق بالکل اس آیت جیسا ہے جو اس آیت سے پہلے موجود ہے۔ جس میں خداوند عالم اصحاب رسول کو خطاب کر کے فرماتا ہے۔ فلم تقتلوہم و لکن اللہ قتل۔ تم نے کفار کو قتل نہیں کیا۔ بلکہ خدا نے قتل کیا ہے۔ کیونکہ گوشت شیر بکف ہو کے لڑنا مسلمانوں کا فعل تھا۔ مگر کفار کے دلوں میں رعب ڈال کر کمزور کرنا اور مسلمانوں کی نظروں میں ان کو فلیل دکھا کر ان کے دلوں کو بڑھانا اور نصرت کے لئے فرشتوں کا اتارنا خدا کا فعل تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ ہمارے موضوع بحث سے بالکل غیر متعلق ہے۔ تفصیل کے لئے تفسیر صافی ص ۱۹۷ و تفسیر برہان ج ۲ ص ۷۷ ملاحظہ ہو۔

**دوسرا شبہ اور اس کا جواب** | بعض رسائل میں مظاہر اسماء اللہ الحسنیٰ کی بحث کر کے اس کے ذریعہ اس مطلب کو ثابت کرنے کی کوشش ناقص کی گئی ہے۔ اس بحث کا

جواب باصواب ہم تیسرے باب میں بذیل شبہ چہارم بالتفصیل پیش کر کے ثابت کر چکے ہیں۔ کہ اس بحث کو باطل موضوع کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اور نہ ہی ائمہ اہل بیت پر اسماء اللہ الحسنیٰ کے اطلاق کا وہ مطلب ہے جو یہ حضرات بیان کرتے ہیں۔ تاریخی شواہد سے ثابت کر دیا ہے کہ یہ نظریہ فلاسفہ و صوفیہ کا کاشتہ و برداشتہ ہے اس مقام کی طرف رجوع کر لیا جائے فلا نطیل الکلام بالتکدر۔



## سیرا شبہ اور اس کا جواب

بعض رسائل میں ایک طویل بحث بعنوان "وسيلة التوحيد" موجود ہے۔

اس ائمہ ظاہریہ کا وسیلہ ہونا ثابت کر کے (جو کہ برہنہ ہے) مگر بموجب کلمہ حق زیادہ بالباطل یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ ائمہ اہل ہار کے وسیلہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ خدا سے جلتے ہیں اور خلق کو دیتے ہیں۔ لہذا ان سے استمداد و طلب مدد جائز ہے۔ یہ شبہ ان قدامتِ مقدسہ کے وسیلہ ہونے کے صحیح مفہوم لیا ہے اسے ہم تیسرے باب میں بذیل جواب شبہ پنجم بالوضاحت بیان کر چکے ہیں۔ تاہم کرام اس مقام کی طرف مراجعہ فرما کر حقیقت الامر معلوم کر سکتے ہیں۔

## چوتھا شبہ اور اس کا جواب

بعض رسائل میں "ولایت مطلقہ" کی بحث چھیڑ کر اس سے بھی حوازا استعانت

کو ثابت کرنے کی سعی لاحاصل کی گئی ہے۔ ہم ولایت مطلقہ کا صحیح مفہوم اور دلی حقیقی کا منصب و مقام اسی کتاب کے تیسرے باب میں بذیل شبہ دوم بیان کر چکے ہیں۔ جسے بغور دیکھنے کے بعد یہ حقیقت بالکل واضح و عیاں ہو جاتی ہے۔ کہ اس بحث کو جس طرح تفویض کے باطل عقیدہ سے کوئی تعلق نہیں ہے اسی طرح استمداد از انبیاء و ائمہ کے موضوع سے بھی اس کا کوئی ربط نہیں ہے۔ خواجہ۔

## پانچواں شبہ اور اس کا جواب

ناد علیا ملکہ العجائب۔ تجددہ عونالک فی المنائب۔ کل

ہم دغم سینجلی۔ بولا یتک یا علی یا علی یا علی۔ ناد علی علاوہ دیگر کتب تحفہ العوام متند و مروجہ میں بھی مندرج ہے اور سرور کائنات کی زبان و سی ترجمان سے اس وقت ادا ہوئی جب آپ زلفہ اعدائیں دین اسلام کو دم توڑتے دیکھ رہے تھے الخ۔

قطع نظر "ناد علیا" کی تاریخی و تحقیقی حیثیت کے جو علماء محققین کو معلوم ہے کہ اس کے سوا کہ لے خود استدلای گفتگان کو بھی سب سے زیادہ مستند کتاب تحفہ العوام ہی ملتی ہے اس کا جواب ظاہر ہے کہ اس کو ہمارے متنازعہ فیہ مسئلہ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ ہماری نزاع تمام امور تکوینیہ (خلق و رزق اور امانت و اعیاد و غیرہ) میں ہے۔ کہ آیا ان میں خدا کے سوا کسی اور ہستی سے براہ راست مدد مانگنا جائز ہے یا نہ۔ لیکن ناد علیا کا شان و درو و جنگ بیانی کیا جاتا ہے۔ کہ آنحضرت نے بحکم خدا شہداء جنگ میں جناب امیر علیہ السلام کو پکارا۔ اور یہ بات ہمارے محل نزاع سے خارج ہے۔ کیونکہ ہم اس باب کی ابتدا میں قرآن و حدیث کی روشنی میں ثابت کر چکے ہیں۔ کہ امور تکوینیہ کے علاوہ دوسرے معاملات میں ایک دوسرے کی نصرت و مدد کرنا بہترین عبادت ہے ظاہر ہے کہ جنگ و جہاد بھی اپنی دوسرے معاملات میں سے ہیں۔ لہذا امور جہاد میں ایک دوسرے سے مدد و طلب کرنا اور مدد کرنا نہ صرف جائز بلکہ بعض اوقات واجب ہوتا ہے۔ خدا اپنے رسولؐ سے فرماتا ہے۔ هو الذی یدک بمصر و بالعمومنین (پس رکوع ۱۷) خدا ہے جس نے اپنی نصرت اور مومنین کے ساتھ تیری تائید کی۔ حضرت عیسیٰؑ فرماتے ہیں من انصارى الى الله (پس کل عروج ۱۳)

لہذا کتب میں اس مقام پر بہت باقاعدہ پیرائے لکھے ہیں مگر کوئی صاحب بھی نہ کوئی حدیث رسولؐ پیش کر سکتے ہیں۔ (باقی صفحہ ۲۹۴ پر)



کوئی ایسا ہے جو خدا کی طرف ہو کر میرا مددگار بنے۔ جب تک کسی قطعی دلیل سے امور کو مبینہ و مثل خلق و رزق اور امانت و احیاء وغیرہ) میں ان ذوات مقدسہ سے استدعا کا جواز ثابت نہ کیا جائے۔ اس وقت تک ان بقول جلیلوں سے مدعا ثابت نہیں ہو سکتا۔ صاحب رسالہ ہدیہ رضویہ نے لکھا ہے

”مراد اعانت فی الشرائع است نہ اعانت فیما یختص باللہ کا تعلق بالرزق والشفاعہ ہیں“

نگوئی یا اللہ یحییٰ علیٰ رزقی ولدا و رزقا و اشغنی الخ در سالہ ہدیہ رضویہ (۷۷)

یعنی ناد علیاً سے مراد شہادت جنگ میں اعانت کرتا ہے۔ نہ کہ ان امور میں جو خدا کے ساتھ مختص ہیں۔ جیسے غنی کرنا و رزق دینا اور شفاء عطا کرنا۔ لہذا ان امور میں ان بزرگوں سے براہ راست مدد مانگنے کی بجائے تم اس طرح کیوں

دقیقہ حاشیہ ۲۹۹، اور نہ ہی کسی امام معصوم کا کوئی ارشاد پیش کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ اور نہ قیامت تک ایسا کر سکتے ہیں۔ ورنہ لو کان بعضهم لبعض ظہیراً۔ ہم نے بفضلہ تعالیٰ جو کچھ لکھا ہے وہ پوری تحقیق و تدقیق اور شرعی ذمہ داری کے ساتھ لکھا ہے۔

کار ہر دینیت خرم کو فستن گاؤ زری خواہد مرد کہن

ہمارا الانوار ۶۲۵ طبع تبریز پر ناد علی کے متعلق صرف اس قدر لکھا ہے۔ اور وہ بھی غزوہ اعد کے ضمن میں نہ خیر میں (۷۷)

کہ عوام الناس بلکہ اکثر خواص بھی اسی غلط فہمی میں مبتلا ہیں (عن شایح الدیوان)

قال یقال ان التبیٰ فودی فی هذا الیوم ناد علیاً مظهر العجاائب الخ... یعنی شایح دیوان سے منقول ہے انہوں نے کہا ہے۔ کہ کیا جاتا ہے۔ کہ اس (اعد والے) روز کا حضرت کو نادادی گئی۔ ناد علیاً مظهر العجاائب الخ اب نامعلوم شمار

دیوان کون صاحب ہیں۔ (کیونکہ وہ متقدم ہیں) ان کا مذہب کیا ہے؟ (کیونکہ شیعہ دینی شایحین نے دیوان منسوب بامیر علی

کی شرمیں لکھی ہیں) ان کا علمی و تحقیقی مقام کیا ہے؟ تیران کی اس روایت کا مددک دیا گیا ہے اور پھر اس کا سلسلہ سند کیا

یہ سب امور ہنوز پردہ غطا میں ہیں۔ ان اقلامات بعضہا فوق بعض۔ یہاں عام طور پر صاحب مدارج النبوة کا نام

دیا جاتا ہے۔ کہ انہوں نے ناد علی کا تذکرہ کیا ہے۔ اور ان کی کتاب کے یہ جملے بھی پیش کئے جاتے ہیں۔ کہ ”ظاہر ائقہ ناد

مظهر العجاائب بہم دریا مولا علی شہادت انوار“ لیکن اس کے متصل بعد انہوں نے اس کی جو تردید کی ہے۔ اسے عمدتاً یا سہواً

کر دیا جاتا ہے۔ لکھتے ہیں ہنوز۔ اگر ان حضرات میں کوئی ملی دم ختم ہے تو ناد علی اور اس کے خواص و آثار کے متعلق از حد

علی تا جناب مہدی دوازده ائمہ اخبار میں سے کسی امام کا کوئی فرمان پیش کریں۔ ہمیں یقین ہے کہ یہ لوگ قیامت تک ایہ

نہیں کر سکتے۔ ورنہ بصورت دیگر اس سلسلہ میں سکوت ہی میں ان کی سلاستی ہے۔ و ما علینا الا البلاغ

روایتی اسقام کے علاوہ اگر چند لمحات کے لئے درایت بھی غور و تدبر کیا جائے تو معلوم ہو سکتا ہے کہ یہاں جناب امیر



نہیں کہتے۔ یا اللہ بحق علی مجھے اولاد اور رزق دے اور مجھے شفا عطا فرما۔“ دہوا الحق (محقق بالاتباع۔ فماذا بعد الحق الا الضلال۔

**چھٹا شبہ اور اس کا جواب** علامہ شیخ عباس قمی نے ایک دُعا کو بحوالہ بلدالایمن اپنی کتاب میں نقل فرمایا ہے اور لکھا ہے یہ دعا حضرت صاحب الامر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک شخص کو تعلیم فرمائی تھی۔ جو کہ قیب میں تھا۔ اور اس کے پڑھنے سے رہا ہوا۔ آفتاب اس کا یہ ہے یا محمد یا علی یا علی یا محمد الکضائی فانکما ناصواہی (مفاتیح الجنان مطبوعہ ایران ۱۱۳۵ھ) اس دعا سے ظاہر ہوتا ہے کہ وقت استغاثہ کس طرف رجوع کرنا چاہئے اور کس طرح استغاثہ کرنا چاہئے۔ تمام اکابر علماء کا عمل اس کتاب کی نسبت دسند کے لئے کافی و روانی ہے۔“

دفعہ چھٹا شبہ (۳) کو خدا دینا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ کیونکہ خدا تو اُسے دہی جاتی ہے۔ جو پہلے موجود نہ ہو۔ تاریخ عالم سے کہ جنگ احد میں دعاء دوسری جنگوں کی طرح جناب امیر المؤمنین از ابتدا تا انتہا موجود تھے۔ حتیٰ کہ شیعہ رسالت کے تمام بہادر پوئلہوں کے رسول کو ترغیب اعداء میں گھرا ہوا چھوڑ کر جاگ جانے کے بعد بھی تنہا جناب امیر ہی تھے جو بنیان موصوف کی طرح ڈٹ کر حرم اسلام اور رسول اسلام کی جان کی حفاظت کا فریضہ انجام دے رہے تھے۔ اور کفار کے دہی دل لشکر کا اس بے جگرگی سے مقابلہ کر رہے تھے۔ اور کفار کو موسیٰ کا جیوں کی طرح کاٹ رہے تھے۔ بالآخر آپ کے ہاتھوں حملوں کی تاب نہ لاکر کفار کو راہ فرار اختیار کرنے میں ہی اپنی سلامتی نظر آئی۔ اور مولائے کائنات کے اپنی عظیم العقول شجاعتی کارناموں کو دیکھ کر فرشتوں نے یہ ترانے پڑھے۔ لافحتی الاعلیٰ لا سیف الاذی والفقار وحیات القلوب ج ۲ ص ۲۵۵ وغیرہ اور جناب امیر علیؑ نے خدمت رسولؐ میں حاضر ہو کر بایں الفاظ تہنیت پیش کی۔ یا رسول اللہ ہذا المواسات۔ یا رسول اللہ ہمہری اس کا نام ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ انہ معنی دانا منہ کیوں ایسا نہ ہو جبکہ علیؑ مجھ سے ہیں۔ اور میں اُن سے ہوں۔ (مدارج النبوة ج ۲ ص ۱۹۵ معارج رکن ہم ص ۱۰ وغیرہ) اور اگر بالفرض اس ناد علیؑ کا نشان نزدل جنگ خیبر میں تسلیم کر لیا جائے تو سب بھی یہی خرابی لازم آتی ہے۔ کیونکہ باتفاق تمام موزعین اس جنگ میں بھی جناب امیر علیہ السلام آنحضرتؐ کے ہمراہ تھے۔ مدینہ میں نہ تھے۔ جیسا کہ عام طور پر مشہور ہے۔ کیونکہ ارباب تاریخ کا اتفاق ہے کہ سوائے غزوہ تبوک کے آنحضرتؐ نے کبھی حضرت امیرؑ کو مدینہ میں نہیں چھوڑا۔ بلکہ وہ ہمیشہ ہر غزوہ میں آنحضرتؐ کے ہمراہ ہوتے تھے۔ لیکن

یہ تھے دو حساب سوئوں پاک ہو گئے

بایں ہمہ برجامے مطلوبیت بطور توسل اس کے توسل اس کے پڑھنے کے مخالف نہیں۔ بلکہ سب کا ترسجھتے ہیں۔ واللہ اعلم

دمنہ علی منہ



اور تکوینیہ میں ائمہ اہلبار سے جو از استدادم پر اس دعا کے ساتھ تسک کرنا بچند وجہ درست نہیں ہے۔

اولاً۔ اس لئے کہ یہ دعا بلند الامین از فاضل کفعمی اور کتاب کنوز النجاة علامہ طبرسی (صاحب تفسیر مجمع البیان)

سے منقول ہے۔ اور اس میں یہ مذکور ہے۔ کہ حضرت صاحب العصر نے عالم خواب میں ایک ایسے شخص کو بمقام نقاب قریش

در بغداد تعلیم دی جو قید بلا میں گرفتار تھا جس کا نام ابو الحسن محمد بن احمد بن ابی المکیث تھا جیسا کہ اس کے والد سے

کتاب **دخیم اثاقب** از محدث نورنی ص ۲۶۲ طبع ایران میں مذکور ہے کہ اس دعا را حضرت صاحب الزمان

صلوات اللہ علیہ تسلیم نموده در خواب بابی الحسن محمد بن احمد الخ۔ یعنی امام صاحب نے یہ دعا خواب میں ابو الحسن محمد

بن احمد کو تعلیم دی تھی۔ بایں یہ کہنا جس قدر بعد از حقیقت ہے کہ کسی کتاب میں یہ نہیں لکھا کہ یہ دعا امام نے

قیدی کو خواب میں تعلیم فرمائی۔ (دقائق العقائد ص ۹۷) اور یہ بات ارباب علم پر پوشیدہ نہیں ہے کہ خواب شریعت

مقرر اسلام میں حجت نہیں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔ ان دین اللہ اعوان یری فی النوم

اللہ کا دین اس سے بلند و بالا ہے کہ خواب میں نظر آئے کہ مصابیح الانوار ج ۲ ص ۲۵۵) یہ درجہ ہر نقباء نظام خوابوں احکام مذکور ثابت

کرنے کا بھی اجازت نہیں دیتے چہ جائیکہ اصول دینیہ میں اس کے ساتھ تسک کیا جائے۔ علامہ مغانی لکھتے ہیں۔ لعل

یثیت حبیہ الدویانی الشیخ "شریعت میں خواب کا حجت ہونا ثابت نہیں ہے" تنقیح المقال ج ۱ ص ۱۸۰

اس مقام پر بعض حضرات نے یہاں کئی حدیث سے امام حسن عسکری کا یہ ارشاد نقل کیا ہے ان کلامنا فی النوم مثل کلامنا

فی الیقظۃ اور پھر اس سے ثابت کرنے کی کلام کو شش کی ہے کہ جسے خواب میں یہ حضرات کچھ بتلا دیں۔ وہ بیدار

والے حکم کی مانند ہوتی ہے اس کے متعلق پہلی قابل غور بات تو یہ ہے کہ ہمارے پاس رجال کشتی طبع ممبئی موجود ہے

اس کے نشان دادہ صفحہ ۱۷۱ کے نزدیک بھی کیسے موجود نہیں ہے۔ اور دوسری بات یہ کہ بنا بر تسلیم اس کا وہ

مطلب نہیں ہوا گیا ہے۔ بلکہ اس کا صاف و صریح مفہوم یہ ہے کہ یہ بزرگوار اگر سوتے ہوئے کچھ فرمادیں۔ تو ان کے

اس کلام اور بیداری والے کلام میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ کیونکہ نیند ان کے حواس پر اثر انداز نہیں ہوتی۔ یہی وجہ

ہے کہ نبیوں کا خواب بھی بمنزلہ وحی ربانی ہوتا ہے جیسا کہ جناب خلیل واسماعیل کے قرآنی نغمہ سے واضح

واضح رہے۔

ثانیاً۔ یہ کہنا کہ تمام اکابر علماء کا عمل اس کتاب کی صحت و سند کے لئے کافی و دافی ہے درست نہیں ہے۔

ابن عبوعی حیثیت سے اس کتاب کے مستند ہونے میں بہن کوئی کلام نہیں۔ مگر فرقہ شیعہ اصولیہ کے نزدیک یہ

خصوصیت صرف قرآن مجید کو ہی حاصل ہے کہ اول سے آخر تک اس کا ہر حرف قطعی الصدور ہے۔ اس کے علاوہ

وہ حیثیت کسی بھی کتاب کو بخشی کہ اپنی کتب اربعہ کو بھی نہیں دیتے۔ تاہم مفتاح الجنان چہ رسد اس میں قابل ابرا

مورد موجود ہے۔ عند المطالبہ جس کی نشاندہی کی جاسکتی ہے۔



ثالثاً۔ یہ کتاب بھی حقیقت کے سراسر خلاف ہے کہ تمام اکابر علماء کا اس پر عمل ہے کیوں کہ عراق و ایران کے انہی اکابر علماء میں سے بعض حضرات اس دُعا کے پڑھنے کو حرام سمجھتے ہیں۔ چنانچہ حضرت علامہ الشیخ محمد خالصیؒ نے اپنی کتاب احیاء الشریعہ ص ۹۹ پر اس کے پڑھنے کو حرام قرار دیا ہے۔ مراجع۔ ممکن ہے سرکار خالصی مدظلہ کے اس فتوے میں شدت ہو۔ مگر اس سے اتنا تو معلوم ہوتا ہے کہ اس دُعا پر تمام اکابر علماء کا اتفاق نہیں ہے۔ اور اصول و مناظرہ کے تحت یہی بات استدلال کنندہ کے دعوائی اتفاق تمام اکابر علماء کے بطلان کے لئے کافی ہے کیونکہ اگر باب معقول جانتے ہیں کہ جو جبہ کلیہ کا کھس سا جھوٹا بھی ہوتا ہے۔ فیکٹر ہے۔

۱۔ جناب موصوف حضرت آیتہ اللہ الشیخ بہدی القاضی الکاملین کے خلیفہ اکبر ہیں۔ اور یہ شیخ بہدی وہی بزرگوار ہیں جن کے متعلق دنیا جانتی ہے۔ کہ انگریزوں نے ان سے انکھار عراق کا ناجائز فتویٰ حاصل کرنے کے لئے ان کے آگے دیرینہ و دنیا کے دھیر لگا دیئے تھے۔ مگر سرکار موصوف نے انہیں اپنے استحقاق سے ٹھکرا دیا تھا۔ مگر غلط فتویٰ صادر کرنا گوارا نہیں فرمایا تھا۔ جناب شیخ موصوف علم و عمل میں اپنے عظیم والد کے خلیفہ رشید ہیں۔ بہت بڑے بلند پایہ عالم، وسیع النظر فاضل اور جامع الفنون مجتہد ہیں۔ ان کی سب سے نمایاں خصوصیت حریت نے القول ہے۔ یعنی وہ جس بات کو صحیح سمجھتے ہیں۔ اس کے اظہار سے انہیں دنیا کی کوئی طاقت روک نہیں سکتی۔ وہ اظہار و مناقب میں منافقت و ممانعت اور غلط رو و رعایت کو بدترین گناہ تصور کرتے ہیں۔ اور تو دور کہ وہ اس سلسلہ میں بڑی بڑی محکومتوں سے بھی ٹکرائے ہیں ذرا ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے۔ یہی وہ مجاہد تھا جس نے سابق شاہ ایران کو ان کی غیر اسلامی پالیسیوں پر ٹوکا۔ اور عبدالکریم تاجم سابق صدر عراق جیسے آمر کو غیر اسلامی آئین نافذ کرنے پر بلکا را۔ اور ڈٹ کر مقابلہ کیا۔

ایہنا سجدہ راست کہ معلوم عوام است

ابھی وہ جوہر سے ان کی زندگی کا کافی حصہ فید و بند کی صورتیں یا نظربندی کی محبتیں چھیلنے میں گذرا ہے۔ مگر ان کی بلند جہت و جذبہ خدمت دین کا یہ عالم ہے کہ وہ اس حصہ زندگی کو اپنی زندگی کا بہترین دور قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ انہیں اسی دور میں قرآن مجید حفظ کرنے اور دوسری بعض علمی کتابیں کیسوی کے ساتھ کھنے کا موقع ملا ہے۔

یہ ذنب بلند ملا جس کو بل گیا ہر مدعی کے واسطے دار درں کہاں

ہمیں ان جناب سے شرف تلمذ حاصل کرنے کا موقع نہیں ملا۔ بلکہ جہاں تک حافظہ کام کرتا ہے ان سے زیارت کاظمین کے موقع پر صرف تین مرتبہ مختصر سی ملاقات کا شرف حاصل ہوا ہے اور وہ بھی بعض اختلافی مسائل میں ان سے بحث و تحقیق کرنے کی نذر ہو گئیں۔ جیسا کہ نجف اشرف کے بعض افاضل طلبہ اس امر کے معنی شہادہ موجود ہیں۔ ہمارے سلسلہ میں پاکستان مراجعت کرنے کے بعد سرکار موصوف ملک فنا سے راہی ملک بقاء ہو گئے رضوان اللہ تعالیٰ علیہ و علیہ و آلہ و سلم مع اللہ الظاہرین۔ مرحوم کی تمام زندگی مذہب و ملت کی بے لوث خدمت کرنے میں گزری ہے۔ (باقی دیکھو ص ۲۶۵ پ)



رابعاً۔ ہم اسی باب میں بعض طریقہ توسل باہو شاست بیان کر چکے ہیں کہ امور مکتوبینہ کے متعلق معصومین کی بارگاہ محلی میں یہ استدعا کرنا کہ وہ بارگاہ جہانگاہی سے ہمارے یہ کام انجام دلوادیں۔ یعنی بطور توسل واستشفاع ان سے استدعا واستعانت صحیح ہے۔ لہذا اس دُعا یا اس کے ساتھ ملتے جلتے ادعیہ واستغاثہ جات میں ہمارا مؤثر اثر ہے۔ کہ ان سے بطور وسیلہ و شفیع مدد حاصل کرنا مراد ہے۔ یعنی یہ کہ یہ بزرگوار ہمارے یہ کام بارگاہ رب العزت سے انجام دلوادیں۔ خاص ہے کہ کسی کام کا انجام دلوانا بھی ایک قسم کی مدد ہی ہے۔ چنانچہ صاحب رسالہ ہدیہ رضویہ نے مشہور فرمایا ہے

”منقول شدہ یا عمر یا علیٰ انصرانی یا مولا یا فاطمہ اغیشنی“ منافاتی باہی ندارد و زیراکہ نصرت و اعانتہ منحصر در ہیئت کہ خود ایشان مباشرت امر مدلولہ بفرمانیدہ معنی توسل واستشفاع پیشا صحیح نباشد۔ و در فقرتین مزبور تین متبادراز انصرانی و اغیشنی ہمیں است کہ نصرت و اعانتہ استغاثہ و عینہ بفرمانیدہ و جانبائید کہ خدا قضاے حاجت با بفرمانیدہ اسینکہ خود شما خالق اولاد و رازق و غیر بشوید۔“

یعنی دعا میں یا عمر یا علیٰ انصرانی یا مولا یا فاطمہ اغیشنی کا ذکر ہونا ہمارے دعا کے ساتھ منافات نہیں رکھتا۔ کیونکہ نصرت و اعانتہ درسی اس بات پر منحصر تو نہیں۔ کہ جس امر کی ان سے استدعا کی جا رہی ہے۔ وہ اسے بعض نفس خود انجام دیں۔ تاکہ ان سے توسل واستشفاع بے معنی ہو جائے۔ مذکورہ بالا پر دو فقروں میں وارد شدہ الفاظ انصرانی و اغیشنی سے یہی معنی متبادر ہوتے ہیں۔ کہ آپ بارگاہ قدرت میں ہماری سفارش و شفاعت کر کے ہماری نصرت و فریادرسی کریں۔ اور دعا فرمائیں۔ کہ خداوند عالم ہماری حاجت بر لائے۔ ان فقروں کا یہ مطلب نہیں۔ کہ آپ خود اولاد کے خالق اور روزی کے رازق ہیں کہ یہ کام انجام دیں۔“

خلاصہً ہمارے اس موقف کی ذکر ان سے مراد طلب شفاعت ہے، خود انتہی استغاثہ جات وغیرہ کی

دقیقہ حاشیہ ص ۲۶۸ ان کے قلم سے لکھے ہوئے کئی شاہکار موجود ہیں۔ جن میں چند نمایاں یہ ہیں۔ احیاء التریب فی مذہب الشیعہ (کئی جلدیں)، ترجمہ حد اور طبیعت مع حواشی (۳) ہذا ہوا اللہ (۴) خواب در اسلام۔ (۵) الاسلام سبیل السعادة و السلام (۶) الشیعہ (۷) رسالہ العلم و الحبۃ و الاسلام وغیرہ رسائل کثیرہ۔ یہ درست ہے کہ ان کے بعض فتاویٰ سے دوسرے بعض اعلام کو اختلاف تھا۔ بلکہ ہمیں بھی ہے، جیسا کہ بعض مجتہدین کو دوسرے مجتہدین سے ہوتا ہے۔ مگر جس طرح بعض حاشیہ بردار مخلوق اللہ یہ جہاں نے وہاں اور بعض صنفی شیخ کے اجارہ دار ضلال نے یہاں ان کے



مع عبارات سے بھی ہوتی ہے (کلام الامام بیتر بعضاً) مثلاً اسی کتاب مفاتیح الجنان کے صفحہ ۱۱۱ (یعنی جس  
 نمبر پر مذکورہ بالا دعا مذکور ہے۔ اس سے صرف ایک صفحہ بعد ایک استغاثہ حضرت قائم آل محمد محل الشہ فرجہ مذکور  
 ہے۔ جس میں وارد ہے کہ دو رکعت نماز پڑھ کر زیر آسمان کھڑے ہو جائیں۔ اور یہ سلام پڑھیں۔ سلام اللہ الکامل النکاح

بقیہ حاشیہ ۱۳۵) خلاف عرفان بدقیضی چایا ہے اور سب دشمن و الزام و اتہام کا جو بازار گرم کیا ہے وہ اہل علم و دیانت  
 دیکھا کسی عام شریف انسان کو بھی زیب نہیں دیتا۔ کہ وہ کسی غیر مسلمان کے ساتھ بھی روادار رکھے۔ چہ جائیکہ بڑے بڑے مدعیان  
 علم و عرفان اپنے ہی ایک جلیل الشان مجتہد جامع الشرائط کے خلاف یہ روش و رفتار اختیار کریں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔  
 کہ یہ لوگ خوف خدا، خوف عشر و نشر، کا دامن بافتہ سے چھوڑ چکے ہیں۔ اور شرم و حیا کا آخری قطرہ بھی ان کے دیدہ  
 سے ڈھلک چکا ہے۔

بہر حال سرکار مروجہ اس وقت خدا کی بارگاہ میں پہنچ چکے ہیں۔ ان پر بلا ثبوت شرعی مختلف قسم کی تہمتیں لگانے والوں نے  
 بی خواہ مخواہ ایک دن بارگاہ خدا میں حاضر ہونا ہے۔ ان کا معاملہ اس حکم المحکمین کے سپرد ہے۔

جو چپ رہے گی زبانِ مخبر ہو پکارے کا آئیں کا

اگر اس انداز تقریر و تحریر سے زبان و دہن گئے ہو تو کوئی ایسی بات نہیں۔ مگر ان حضرات کو کبھی لمحاتِ فرصت میں  
 سوچنا چاہئے کہ

کریں گے کیا؟ اگر اس پر خدائے ذوالمنن کرم

ہم محض قرینۃ الی اللہ اس مظلوم عالم دین کی حمایت میں یہ چند سطور لکھ رہے ہیں تاکہ عامۃ الناس کی غلط فہمیوں کو دور  
 کر کے ان کو اپنے ایک عالم جلیل کے خلاف سب کشتی کے کٹاؤں عظیم سے بچایا جاسکے۔ اس لئے ذیل میں ہم بڑے اختصار کے ساتھ  
 جناب مروجہ کے عقائد حقہ کا ایک شمارہ ان ہی کی کتاب احیاء الشریعہ فی ترتیب الشیعہ مطبوعہ مطبع المعارف بغداد ۱۳۳۵ھ  
 جلد اول طبع اول سے پیش کرتے ہیں۔ امید کافی ہے کہ مروجہ کے عقائد پر بعض حلقوں کی طرف سے جو تبرے پرمے ڈالے گئے  
 ہیں۔ وہ چاک ہو جائیں گے۔ اقترا پر دازی کرنے والے خائب و خاسر ہوں گے۔ اور اہل ایمان کی تمام غلط فہمیاں دور  
 ہو جائیں گی۔ آمین

اصول دین و مذہب پانچ ہیں۔ رجب علی کل مکلف تحصیل العلم باصول الدین ہی التوحید  
 والنبوة۔ والمعاد و یضاف الیہا العدل والامانة و ہما من اصول المذہب (احیاء الشریعہ ص ۱)

(۲) عقیدہ توحید۔ خداوند عالم واحد لا شریک۔ ازل وابدی۔ قائل نعمتار، قادر و عالم اور بے مثل و مثال صانع عالم  
 ہے۔ (تقدیم، ازل، ابدی، سرمدی، غیر محدود۔ واحد و لا شریک لہ، فرد صمد لم یستعن بغيره۔ مختلف و

فی افعالہ بحکم ما یشاء و یفعل ما یرید عن حکمتہ۔ لا یعبث ولا یظلم حی قادر (باقی دیکھو ص ۲۶۹)



آخر میں لکھا ہے کہ امام کی خدمت میں اس طرح عرض کریں۔ یا ابن رسول اللہ حاجتی کذا او کذا ارہائے کذا او کذا حاجات خود را ذکر کند؛ فاشفع لی فی نجاہما سل اللہ تعالیٰ فی نجر طلبتی واجابة دعوتی وکشف کربتی۔ الخ۔ اے فرزند رسول! میری یہ حاجات ہیں رہاں دو حاجات بیان کریں۔ ان کے برائے میں آپ میری سفارش کریں۔ اور بارگاہ ایزدی میں سوال کرتی کہ وہ میری حاجات برائے۔ دعا قبول فرمائے۔ اور رنج و الم دور فرمائے۔

(بقیہ حاشیہ ص ۲۶۹) لا یتغیرو ولا یتبدل لا حرکت له ولا انتقال — ولا زوال — لا یحویہ مکان ولا یخلو منہ مکان ولا یجد لا وقت ولا زمان الخ (ص ۱۵)

(۳) عقیدہ نبوت عامہ۔ خدا پر اسال رسل لطفاً واجب ہے۔ انبیاء کے لئے گناہ سے معصوم۔ سہو و نسیان سے محفوظ۔ مؤید بالمعجزات پر نا ضروری ہے۔ اور مقام اہمازیں وہ مردے بھی زندہ کر سکتے ہیں۔ الغرض وہ تمام صفات بمیلہ میں سرآمد روزگار تھے جو قد استدلل علی وجوب ارسال الرسل بادلۃ عقلیۃ واضحۃ ص ۲۹)۔ (ووجب من یاب اللطف ان یکون الرسل ممتازین فی صفاتہم و اخلاقہم و اعمالہم و هذا ما لیس منونہ العصمة عن المعاصی۔ ص ۲۵)۔ ریحب ان لا یکون ناسیاً ولا ساہیاً غافلاً — و یحب مع ذلک ان یکون النبی مؤیداً بالمعجزات الباحرات الخارقات للعادات معالایطیق علی الاتیان بمثلہ البشر کاحیاء الموتی و ابواء الاکمہ۔ والابرص بدون علاج او دواء الخ۔ ص ۲۵)

(۴) عقیدہ نبوت خاصہ۔ آنحضرت کی نبوت کے دلائل تمام سابقہ انبیاء سے زیادہ ہیں۔ ان کی شریعت بے نظیر، علوم بے مثال، معجزات متواتر۔ سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم اور آپ خاتم الانبیاء والمرسلین میں۔ (اما نبوتہم صلعم) فان دلائلہا قد توفرت فیہ اکثر من غیرہ من الانبیاء۔ انہ ادعی النبوة و اتی بالمعجزات و تحدی بہا البشر فہمزوا عن الاتیان بمثلہا و جاء لبشرائہم و قوانین لم یأت بہا غیرہ من الانبیاء — و کشف المجہولات — و اتی من العلوم بما لم یأت بہ احد قبلہ — و قد تواتر الخبر عن معجزاتہ (صلعم) من تسبیم الحصى فیہ و کلام الطی و الضب معہ و شفاء المریض بدعائہم و لمس یدہ و احیاء الموتی و الکلام معہم و رد الشمس و القمر و الاخبار بالغیب ما یکون الناس فی ضماؤہم — و اکبر معجزاتہ (صلعم) لقراءان الکرم (ص ۲۶) و هذا معنی الخاتمۃ الدلیل علیہا عقلی و نقلی — و التقلی القراءان الکرم اذ یقول فی سورة الاحزاب (و خاتم النبیین) — و السنۃ النبویۃ اذ صبح عنہ — بل تواتر قولہ فی موارد کثیرہ (لانی بعدی ص ۲۵)

۵) عقیدہ امامت۔ امت ریاست عامہ ہے۔ امام کے لئے علم، اشیع، احرص علی العمل۔ اور ع و اتقی، معصوم (بائی و بیجوس)



اسی طرح جو استغاثہ حضرت سید عالم سلام اللہ علیہ کی خدمت میں کیا جاتا ہے۔ اس کا مطلب بھی یہی ہے۔  
 چنانچہ اس کی تائید مزید بھی اسی مفتاح الجنان کی دعائے توسل مندرجہ سے ہوتی ہے جس میں وارد ہے یا فطمة الزہراء  
 یا بنت محمد یا قرة عین الرسول یا سیدتنا و مولانا انا تو جھنا و استشفعنا و توسلنا بک الی اللہ  
 و قد مناک بین یدی حاجاتنا یا رجھتہ عند اللہ اشفعنی لنا عند اللہ الخ۔۔۔۔۔ یا قاطرہ زیر

(فقہ حاشیہ ص ۲۷) سہو و بیان سے مجھ نام خلقی و خلقی محبوب سے محفوظ اور منصوص من اللہ و الرسول غرض کہ  
 تمام صفات جلیلہ میں افضل و اکمل ہونا شرط ہے۔ ان صفات جلیلہ کے حامل اور آنحضرت کے بعد امام برحق بارہ ہیں۔ از  
 حضرت علی تا حضرت مہدی۔ والاماتہ ریاستہ عامۃ و سلطنتہ لحفظ ما جاء بہ النبی۔ لابد ان تتوفر  
 فی الامام شروط الامامۃ و ہی امور۔ الاول ان یکون اعلم الناس۔ الثانی ان یکون احوص الناس  
 علی العمل بشرائع النبی و احکامہ۔ الثالث ان یکون نقیاً طاهر المولد ذکراً غیر مبتلی بعاہۃ  
 او ذماتہ الخ الرابع۔ ان یکون حافظاً غیر ساجد و لانا س۔ وبہذا یتفحصک ان الامام  
 لابد ان یکون منصوصاً علیہ من النبی یا موالدہ تعالیٰ۔ و لیس للامۃ ان تعین الامام  
 و تنتخبہ۔ (۲۷) بعد ما ذکرنا تعرف جلیاً من ہوا الامام بعد نبیاً فان الامۃ لہم  
 تختلف و اتفقت کلماتہا علی ان علیاً اعلم الناس بعد رسول اللہ و اشجعہم و ادرعہم  
 و اقوامہ و اصبرہم و احوصہم علی العمل باحکام الشریعۃ و اقوامہم شکیمہ و اخشنہم فی ذات  
 اللہ و المواعظ لہ و الوصولہ و اسبقہم الی الایمان۔ (۲۸) اسی سلا پر مسلمانوں کے خلفاء سے آنجناب  
 کا مختصر موازنہ کر کے آنجناب کی برتری ثابت فرمائی ہے۔ اور (۲۹) پر اجماع اور خلفاء کے بغض مزموہ فضائل پر زبردست  
 تنقید فرمائی ہے۔ (۳۰) سنی علیاً نفسہ و فی حدیث اخری بمنزلتہ فی جمیع الامور الا النبوۃ۔  
 ومع ہذا کیف یعترض الوب قلب احد فی خلافۃ علی عن النبی و عدم استحقاق من تقدم  
 لہا (۳۱) پھر (۳۲) سے لے کر ص ۱۰۰ تک ائمہ اثنا عشر کے مختلف گروہات و حالات و کوائف زندگی درج فرمائے ہیں، اور  
 بالخصوص ائمہ زمانہ کے حالات اور ان کے متعلق مخالفین کی طرف سے عائد کردہ اعتراضات کے مکمل جوابات  
 پیش کئے ہیں)

(۳۶) ائمہ طاہرین زندہ ہوا وید ہیں۔ ان سے توسل کے جو از پر احادیث متواترہ موجود ہیں۔ قرآن و سنت کی روشنی  
 میں اذن اللہ شفاعت محمد و آل محمد علیہم السلام برحق ہے اور توسل و شفاعت کی غرض سے ان کو پکارنا جائز ہے۔ ان  
 ستائق کا انکار قرآن و سنت مجیدہ کے انکار کے مترادف ہے۔ (قد جرائی من کلام بعض السلفیین ان الانبیاء  
 باقی دیکھو ص ۱۰۱)



اے رسولؐ کی آنکھوں کی ٹھنڈک! اے ہماری سردار! ہم بارگاہِ قدرت میں آپؐ کو شفیع بناتے ہوئے آپؐ کو انی مآبائے  
کے آگے بارگاہِ اقدس میں پیش کرتے ہیں۔ اے اللہ کی بارگاہ میں صاحبِ عزت و عظمت بارگاہِ رب العزت میں ہمارے  
شفاعت فرمادیجئے۔ بعض رسائل میں ائمہ الہباء کی فریادِ رسی کے جو بعض شواہد پیش کئے گئے تھے ان میں غور و تدبر کرنے  
سے بھی یہی واضح ہوتا ہے کہ ان اہل ایمان نے ان ذواتِ مقدسہ سے توسل کیا۔ اور ان کی برکت سے ان کی نصیحت  
دور فرمادی۔ ان حقائق سے یہ امر روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہو جاتا ہے کہ ان ادعیہ و استغاثہ جات سے

دقیقہ حاشیہ ۱۴۱؎ والاویاء اموات فلا یجوز التوسل بہم ودعائہم و هذا رد علی القرآن الکیم  
فانہ یقول فی سورۃ البقرة ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات۔۔۔ ولا تحسبن الذین  
قتلوا فی سبیل اللہ اموات بل احياء۔ فیجوز دعائہم لانہم احياء بعض القرآن (۱۴۲؎)  
والقرآن المکیم اثبت الشفاعة لمن اذن له الرحمن ورضیٰ له قولا۔۔۔ من ذا الذی یشفع عندہ  
الا باذنہ۔۔۔ والایات فی الاذن بالشفاعة للملائکة والانبیاء فی القرآن المکیم کثیرۃ (۱۴۳؎)  
۔۔۔ وناخذ باحادیثہم وناھا متواترۃ فی جواز التوسل بالنبی واهل بیتہ الی اللہ تعالیٰ فی طلب الخیر  
منہ تعالیٰ۔۔۔ وجواز دعائہم یشفعی لہم وھم احياء عند ربہم یوزقون شافعون مشفقون۔ (۱۴۴؎)  
(۱۴۵؎) انبیاء وائمہ کے مزارات پر قبہ و قبور کی تعمیر جائز ہے اس موضوع کو ۱۴۵؎ سے لے کر ۱۴۹؎ تک قرآن و  
کی روشنی میں ثابت کیا ہے۔ ۱۴۶؎ پر حدیث ابو الصیاح جو ہم قبور کے سلسلہ میں پیش کی باقی ہے کا جواب دیتے ہوئے اسے مخالف  
قرآن قرار دیا ہے۔ فان ذلك الحدیث لودل لوجب طرحه لانه لا یقام۔ القرآن العزیز وعمل الصحابہ  
الدال علی الشرعیۃ وسیرۃ المسلمین والاحادیث المتواترۃ الخ  
(۱۴۸؎) انبیاء وائمہ کی قبور مقدسہ کی زیارت نہ صرف جائز بلکہ مستحب (۱) وقد وردت الاحادیث عن اهل  
العصمة متواترۃ باستحباب زیارة النبی واهل بیتہ المعصومین وتعظیم قبورہم (۱۴۹؎)۔  
دفعی استحباب زیارتہم ولا یساوی زیارة المحیین ابن علیؑ سید الشباب اهل الجنة وحی السنۃ الخ (۱۵۰؎)  
(۱۵۱؎) انبیاء وائمہ کی قبور مقدسہ کی تعظیم مستحب اور ان میں محفل اللہ آثار خیر و برکت کا انعقاد صحیح ہے (۱۵۲؎) فقہ  
ان الاناد والبرکۃ فی قبور نبیہم وقبور اهل بیتہ انما کان بتقدیر وجعل من اللہ تعالیٰ (۱۵۳؎) قدرۃ  
الاحادیث عن اهل بیت العصمة متواترۃ باستحباب زیارة النبی واهل بیتہ المعصومین وتعظیم قبورہم  
(۱۵۴؎) امامت و ولایت اہل بیت کے بغیر توحید خدا اکمل نہیں ہو سکتی۔ ان ہؤلاء الائمة الاثنا عشر ہم  
علی خالق بعد رسولہم واصیاء نبیہم ولا یم التوحید الخالص الا بالقول بامامتہم والاعتراف  
(۱۵۵؎) دیکھو



ہمارے وقت کی شریعت تصدیق و تائید ہوتی ہے۔ نزدیک یعنی ان سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ دفع شدائد و رفع مصائب اور طلبِ سوائج میں رجوع بہر حال خداوند عالم کی طرف کرنا چاہئے۔ جو خالق و مالک ہے اور جس کے قبضۂ قدرت میں تمام امور کی باگ ڈور ہے۔ ہاں سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کا توسل ضرور حاصل کرنا چاہئے۔ خلاصہ کلام یہ کہ ان امور کو نیز علیہم و آلہم و سلم کرنا ہے اور سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام بھی مدد کرتے ہیں۔ لیکن ان ہر دو قسم کی مدد میں فرق ضرور ہے خدا کی مدد یہ ہے کہ وہ یہ کام کرتا ہے اور محمد و آل محمد علیہم السلام کی مدد یہ ہے کہ وہ یہ کام بارگاہِ خدا سے کرا دیتے ہیں۔

خود اسی دعائے فرج کے ابتدائی اور آخری جملے اس کے مقام وسیلہ میں وارد ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ ابتداً خدا سے یوں خطاب ہے اللہ عظیم البلاد و بروج الخفا و اقطع الرجاء الخ (در بیان میں) "ففرج عنا بجمعهم" اور آخر میں ختم یوں ہوتا ہے بحق محمد و آلہ الطاہرین و من تابعہم (مثلاً) بنا بریں اس دعائے فرج اور اس سے اوجہات کا برجائے مطہریت پڑھنا علی الاقویٰ جائز ہے۔ واللہ اعلم

دقیقہ شیعہ مکالم بوجہ امام فی کل عصر یکون هو المجمع للعباد لتقوم الحجۃ اللہ علی الناس (مبیہ ۹۹) — (دریشت و وجوب وجود الامام علی هذه الصفة مادام علی الارض بشر و لهذا اثبت امامۃ المہدی و وجودہ اذا لولہ یکن وجود الخات الارض من حجة و لمجا و معیث للعباد و حافظ للدين اللہ و منظم لاه و الامۃ و هذا منافع للطف اللہ جل اسمہ (مبیہ ۱۰۰) فتلا و تلا خلفا بنی امیہ و بنی عباس کے بعض قبائک و شنائع اعمال کا ذکر کرنے کے بعد صلہ پر اللہ اہل بیت کو اول الامر ثابت کرنے پر نے بایں الفاظ ان کا ذکر کیا ہے۔ (ہم ائمة ادعی و مصابیح الدجی و اعلام المتقی الدعاة الی اللہ الادلاء علی ہدئنا اللہ المستوفون فی امر اللہ و التامون فی وجہ اللہ — فہم ولاة الامر و السادة القادة الذین امرنا بطاعتہم فی هذه الایۃ و قوت طاعتہم بطاعة اللہ (مثلاً)

(۱) فرقہ و امامیہ کے عقائد و تحقیق کا رد۔ جناب علامہ خالصی مرحوم نے احیاء الشریعہ کے ۱۱۷ سے ۱۲۹ تک پرے نو صفحات میں و امامیوں کے مخصوص عقائد و نظریات باطلہ کا قرآن کریم و احادیث معصومین اور عقل سلیم کی روشنی میں بطریق احسن ابطال فرمایا ہے۔ تاخیر میں طول کلام کی وجہ یہ کہتی ہے روانا اسہبنا الکلام فی هذه المسئلة —

لما رأینا من اشتباہ کثیر من اخواننا الذین انتموا الی الساف فارادنا التقاہم معهم حرصاً علی اتفاق کلمۃ المسابین و وحدتہم و امتثالاً لامر اللہ تعالیٰ اذ قال فی سورة الانعام و ان هذا صراطی مستقیماً و اتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ ذلکم و صالکم بہ لعلکم تتقون (۱۱۷) — کس قدر تعجب کا مقام ہے کہ جو بزرگوار فرقہ و امامیہ کی غلطیوں کی اصلاح کر کے ان کو مذہب اہل بیت کی طرف دعوت دینے میں اس قدر طول کلام و استہمام سے کام لے رہے ہیں۔



## ایک مضحکہ اطفال استدلال کا ابطال

ہم کہتی بار اس امر کا اظہار کر چکے ہیں کہ مولائے کائنات کے نام کا

نعرہ دیا گیا، لگنا اور بطور وسیلہ یا مدد کہنا (بشرطیکہ اسے اسلامی سلام کی جگہ دی جائے بلکہ اسلامی مقررہ سلام کے بعد کہا جائے) جائز ہے۔ اسی طرح بطور توسل یا علی اور کنی کہنے میں کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح اس امر کی بھی کوئی مرتبہ وضاحت کر چکے ہیں کہ خداوند عالم نے سرکار محمد آل محمد علیہم السلام کو اس قدر علمی و عملی فضائل و کمالات عطا فرمائے ہیں کہ ان کا عدد و احصاء نہیں ہو سکتا۔ اور وہ بزرگوار اس بات کے قطعاً محتاج نہیں کہ ان کی عظمت و شان و رفعت مقام کو اجاگر کرنے کے لئے بے سرو پا واقعات و حکایات کا سہارا لیا جائے اور نادان دوستوں کے روپ میں بجائے فائدہ کے اٹنا عظمت اہل بیت کو نقصان پہنچایا جائے اور دنیا کے دانشوروں کو سنا سنا دیا جائے۔ مگر ہمارے مولوی صاحبان اس غلط روش و رفتار کو برقرار رکھنے پر مصر ہیں اس کی اگرچہ ہیئت سی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ مگر بظاہر اختصار یہاں فقط اس کی ایک مثال پیش کی جاتی ہے یہ حضرات "یا علی اور کنی" یا ابا الغیث اور کنی کہنے کے بعد پھر "میں ثبوت پیش کرتے ہوئے" کہتے ہیں یہ جب جنگ تبوک میں حضرت کا لشکر خستہ ہو گیا۔ اور آپ سے جدا ہو گیا۔ تو جبرئیل تازل ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ! خداوند عالم نے آپ کو محمد درود و سلام کے بعد نصرت و فتح کی بشارت دی ہے۔ اور فرمایا ہے کہ اگر لشکر آپ کو چھوڑ گیا ہے۔ تو آپ اگر جاہل تو علی علیہ السلام کو پکار لیں۔ وہ فوراً پہنچیں گے۔ آنحضرت نے حضرت علی کو پکارنا پسند فرمایا جبرئیل نے عرض کی آپ اپنا رخ مدینہ کی طرف کیجئے۔ اور نادیا ابا الغیث اور کنی یا علی اور کنی۔ اور کنی یا علی "اے ابوالغیث میری مدد کو پہنچو۔ یا علی میری مدد کو پہنچو یا علی، چنانچہ آنحضرت نے پکارا۔ اور حضرت علی فوراً پہنچ گئے۔"

(مقتات الوساظ ۲۲۵ جو اسرار ۱۴۵ اسرار الشریعہ ۳۲۴) حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ بلا اختلاف مذہب ہے بغیر ۲۴۵ قیاداً آج سے یہ مذہب اہل بیت کے بعض نام نہاد مبلغ و دہائی و دہائی کہہ کے بدنام کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اور ہم ان کی غلط فہمیوں کے ازالہ کے لئے یہ سب اہتمام کر رہے ہیں۔ انقلابات میں زمانے کے۔

(۱۲) معاد جسمانی (قیامت) حق ہے اور جنت و جہنم وغیرہ تمام امور جو رسول اسلام لائے تھے برحق ہیں ان میں اصول الدین الاعتقاد بالمعاد الجسمانی و ہر عود الابدان و الارواح بعد الموت کما کانت فی الدنیا لیعاسیوا علی اعمالہم قیام فیجوز فی المحسن بالاحسان و العاصی بالعقاب مصیر الاول الى الجنة و الثاني الى النار و الناس بعد عودہم مختلفون لا یذوقون الموت ولا یقننون و ص ۱۶)۔ (یحییٰ التصدیق بکل ما جاء به النبی علی سبیل الجملة و العموم و ص ۱۶)

تبصرہ۔ یہ ہے حضرت آئینہ اللہ الشیخ محمد الحائمی (کاظمین) کے عقائد کا جامع خلاصہ ہم نے ان کی سب سے زیادہ مستند کتاب اسما و الشریح سے بلا تبصرہ ان کے ضمن الفاظ میں پیش کر دیا ہے۔ اس سے ارباب عقل و انصاف آسانی اس بات کا فیصلہ کر سکتے ہیں کہ یہ تشبیہ امامیہ کے عقائد حق ہیں۔ یا کسی اور فرقہ کے معتقدات ہیں، اور کیا یہ عقائد صحیح رکھنے والے عالم دین کی



وقت تمام اہل سیر و تواریخ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جنگ تبوک لڑی ہی نہیں گئی۔ بات صرف اس قدر تھی کہ آنحضرتؐ کو اطلاع ملی کہ کفار روم وغیرہ کا ایک بہت بڑا لشکر جو آرمینہ پہنچ کر کے اسے تاخت و تاراج کرنے کے لئے روانہ ہو چکا ہے۔ یہ سن کر آنحضرتؐ بڑے شد و کم کے ساتھ لشکر کثیر کے پیشگی مقابلہ کے لئے جناب امیر علیہ السلام کو مدینہ میں اپنا خلیفہ و نائب بنا کر روانہ ہوئے سفر کی بے شمار صعوبتیں اور زحمتیں جھیل کر جب بمقام تبوک پہنچے۔ جو حجر و شام کے درمیان ایک قلعہ کا نام ہے۔ تو معلوم ہوا کہ وہ اطفال غلط اور بے بنیاد تھی۔ کفار روم وغیرہ نے قطعاً کوئی چڑھائی نہیں کی۔ اس لئے کہ آنحضرتؐ نے واپس مدینہ منورہ کی طرف مراجعت فرمائی یہ ہے اس واقعہ کا اجمالی بیان۔ جو عند الکل مسلم ہے۔ تمام کتب سیر و تواریخ موجود ہیں۔ طالبان تحقیق جب چاہیں ان کی ورق گردانی کر کے اطمینان قلب حاصل کر سکتے ہیں۔ دو چار کتابوں کے حوالہ جات پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ

آنجا کہ حیاں است چہ حاجت بیان است

وعلیکم مراجعت کتب السیر و التواریخ لتزدادوا علماً و بصیرۃً، قل یا ایہا الناس قل

جاءکم الحق من ربکم۔

ان متناقض کی روشنی میں اس حضرات کے مضحکہ خیز استدلال کو پڑھنے اور ان کی وسعت عدم فضلی اور کمزور تحقیق و تحقیق کی روشنی سے

اس سادہ لیکن نہ جانے کس قدر

ان ائمہ کہ بندوں کو کون سمجھا سکے کہ آپ اپنے اپنے کام میں مشغول رہیں اور تحقیق کی دوا دی پڑھا میں قدم نہ رکھیں اور اس طرح نہ خود رسوا ہوں۔ نہ مذہب کو بدنام کریں۔

اسے کس طرح سمجھا دے کہ گستاخت

عرض خود میری و زحمت ماسے داری

اس پر یہ کہ بشارت الفاسد علی الفاسد کہتے ہوئے شیعہ بیان حیدر کر کے کوئی شور مچا دیا جاتا ہے کہ اے شیعہ! حیدر کر کے

اسے ہوا بیان اہل بیت اطہار اسنت رسول پر اٹھ کر۔ اور اہل علی اور کئی مکرر، سکر کہہ اور مصیبت و مشکلی میں

کامیابی حاصل کرو۔ (متناقض ۳۲) صرف یہی نہیں بلکہ بیماری قدم میں یہ لوگ اہل بیت کی غلط سمجھ کے اوجاس

خدا و شمس کی اس غلطی پر اتر آئے ہیں کہ صاف صاف کہہ دیا۔ اہل بیت اگر گستاخ معتمدین کے فتویٰ کفر

کے اندیشہ سے بچتے ہیں پاک کے ساتھ اللہ کو بھی شاعری کر لیتے تھے۔ اب وہ چرک لفظ اللہ کو شامل نہ کریں۔ بلکہ صرف

حق پاک سے مدد مانگیں۔ (متناقض ۳۱) ہم اس مقام پر ان کے سامنے اقول ایہا بنی یہ صرف کھڑا سننے کی نہ پڑ سکتے ہیں

ہاں خدا کا کیا شک کہ قرین اپنا چھوڑ کر ہم اپنے کو خدا کا نسب مسلمان ہو گیا

یہ استدلال اور یہاں متنازعہ پر مدد کر دینا کے اہل دانش و بینش ہمارے اور ہمارے مذہب کے متعلق کیا رائے قائم کریں؟



اس کا اندازہ لگانا اور باب فہم و فراست کے لئے مشکل نہیں۔ یہاں اگر یہ غدر لنگ پیش کیا جائے کہ آخروہ روایت بھی تو بعض کتابوں میں موجود ہے جو ان حضرات نے پیش کی ہے۔ تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ دانشمندی کا قول ہے ”فعل را عقل باید“ اور یہ کہ ”یک من علم را ده من عقل باید“ ہر طب و دیاں کو نقل کر دینا اگرچہ تاریخی یا عقلی مسلمات کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ اور پھر یہ غدر پیش کرنا کہ آخر یہ بھی تو بعض کتابوں میں مذکور ہے۔ اہل دانش و بینش اور ادب باب تحقیق کا کام نہیں ہے۔ ہم کتاب کے مقدمہ میں درایت الحدیث پر سیر حاصل تبصرہ کر چکے ہیں۔ اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔

من انہی شرط بلانہ است با تومی کوئم      توخواہ از مخم پسند گیر و خواہ ملال

بعض رسائی پر کی تیر شہاب الدین کی کسی کتاب توضیح الدلائل سے

**ساتواں شبہ اور اس کا جواب** | حضرت امیر المومنین کی طرف منسوب شدہ ایک خطبہ کا بعض حصہ نقل کیا گیا ہے۔ اسی طرح شیخ کمال الدین محمد بن طلحہ اشافعی کی کتاب در منظم اور شیخ سلیمان تندری الحنفی کی نیایع المودۃ سے ایک خطبہ کے بعض اقتباسات پیش کئے گئے ہیں جن میں ایک جملہ انا ملال مشکلات بھی وارد ہے۔ ان خطبوں سے استدلال کرتے ہوئے آخریں لکھا ہے ”ان پر دو خطبات سے واضح ہوتا ہے کہ آنجناب میں وہ تمام صفات موجود ہیں جو مشکل کشائے عالم ہونے کے لئے ضروری ہیں۔ ان خطبات کے ساتھ استدلال کرنا بدو صحیح نہیں ہے۔

اولاً۔ یہ خطبہ ہماری کتب معتبرہ میں موجود نہیں ہیں۔ سرکار علامہ مجلسی فرما چکے ہیں۔ کہ اما خطبۃ البیان و امثالہا فلم توجد الا فی کتب الغلاۃ (بحار ج ۳ ص ۳۵) مقام تعجب ہے کہ ان خطبات کی نقل کرنے والے حضرات ایک طرف تو حضرت امیر المومنین کو آنحضرت کا غیبیہ بلا فضل بھی تسلیم نہیں کرتے۔ اور دوسری طرف خطبہ وہ نقل کرتے ہیں جن سے آنجناب کے خدا ہونے کا شبہ ہوتا ہے۔ ان ہذا الشیء عجیب؟ اور ان سے بھی زیادہ تعجب ہمیں اپنے اُن مدعیان تشیع و ایمان پر ہے۔ کہ جو اصول عقائد کے سلسلہ میں اپنی تفسیر و حدیث کی کتب معتبرہ حتیٰ کہ نہج البلاغہ ایسی مستند و معتبر کتاب جس کا کلام حضرت امیر علیہ السلام ہونا فریقین کے نزدیک مسلم ہے۔ کو پس پشت ڈال کر مخالفین کی وہ کتیب بھی جو ہر طب و دیاں کا مجموعہ ہیں جن پر مخالف علماء و فضلاء بھی اعتماد نہیں کرتے۔ حالانکہ ائمہ اہل بیت نے اصول عقائد بلکہ اپنے مناقب و فضائل بھی مخالفین کی کتابوں سے حاصل کرنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ چنانچہ حضرت امام موسیٰ کاظمؑ فرماتے ہیں لا تاخذون معالم دینک عن غیو شبہتنا فانک ان تعدلہم اخذت دینک عن الخائنین الخ۔۔۔ یعنی اپنے دین کے معارف و معلومات ہمارے شیعوں کے علاوہ اور کسی سے حاصل نہ کرو۔ کیونکہ اگر تم نے ایسا کیا تو پھر اپنے دین کو خیانت کا روں سے حاصل کرو گے۔ (درجہاں کشی ص ۱) و رجال ما تقانی ج ۲ ص ۲۴۷) اسی طرح بحار ج ۳ ص ۳۵ پر علامہ مجلسی نے اس عنوان کا ایک مستقل باب



م کیا ہے۔ ”باب النہی عن اِختلاف فضائلہم من مخالفین“ مخالفین سے فضائل اہل بیت مامول  
نے کی مانفت

ثانیاً۔ اس خطبہ میں وار شدہ فقرہ ”انا حلال المشتکلات“ میں اجمال ہے۔ جن مشکلات کے آپ  
قال میں ان سے دینی مشکلات مراد ہیں یا دنیوی؟ اور اگر دنیوی مراد ہیں تو عام عادی مشکلات مقصود ہیں۔  
مشکلات تکوینی؟ عین ممکن ہے کہ اس سے دینی مشکلات و معضلات کا حل کرنا مراد ہو۔ جیسا کہ اس فقرہ کے  
دوسرے متصل فقرہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ ”ومزيل الشبهات“ کہ میں شکوک و شبہات کا زائل  
کئے والا ہوں۔ جب تک قرینہ قطعیہ کے یہ ثابت نہ ہو جائے کہ اس سے مراد امور تکوینیہ ہیں۔ اس وقت تک  
اس سے شک کرنا درست نہیں۔

الثالثاً۔ اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ اس سے علی الاطلاق پر قسم کی تمام دینی و دنیوی مشکلات مراد ہیں۔ تب بھی ان  
نرات کا مدعا ثابت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ مشکل کشائی کے لئے یہ ضروری نہیں کہ یہ بزرگوں و متفہمین نفسیہ وہ کام  
ام دیں۔ بلکہ شفاعت و سفارش کر کے بارگاہ قاضی الحاجات سے وہ کام کرا دینا بھی اس کے دائرہ میں داخل ہے۔  
یہ بات کئی بار ثابت کی جا چکی ہے کہ یہ بزرگوں و مخلوق خدا کے وسیلہ و شفیع ہیں۔ سفارش کر کے خداوند عالم کی  
بارگاہ سے کام انجام دلاتے ہیں۔ اس معنی کے اعتبار سے وہ یقیناً ”مشکل کشا“ اور ”حلال مشکلات“ ہیں جو کہ انہی ہلال  
مشکلات نہیں جانتا وہ ناقص الایمان ہے۔

نصواں شبہ اور اس کا جواب

حضرت امام حسین علیہ السلام کی وہ زیارت جو حمید القطر اور عبید  
قربان میں پڑھی جاتی ہے اس میں وار ہے۔ یا مولائی ایتنا  
مالقاً قامنی و ایتنا مستغیراً فاجدی و ایتنا فقیہاً فاعننی“ (مفاتیح الجنان ص ۴۴) اسے میرے آقا  
ن آپ کے پاس خوف زدہ ہو کر آیا ہوں مجھے امن دیں۔ میں آپ کے پاس پناہ لینے آیا ہوں۔ مجھے پناہ دیں۔ اور

اس باب کے مندرجات کا خلاصہ یہ ہے کہ انہی معصومین فرماتے ہیں کہ مخالفین نے تین طریقوں سے ہماری مخالفت کی ہے۔  
۱۔ ہم سے بڑھاکر تاکہ ہمارے نام لیا غلو کا شکار ہو جائیں۔ اور اس طرح ان کو ان کے کافر بنانے کا بہانہ مل سکے (۲)  
۲۔ ہم سے گھٹاکر تاکہ لوگ ہمارے متعلق کوتاہی میں مبتلا ہو جائیں۔ (۳) ہمارے نام سے بعض مخصوص لوگوں کے نام بنام  
مناسب و مضامین بیان کر کے تاکہ وہ لوگ ہمارے متعلق بھی ایسا رویہ اختیار کریں۔ اور نام بنام ہمیں اپنے سب و شتم کا نشانہ  
بنائیں۔ لہذا جب تک مخالفین کی بیان کردہ روایات کی تائید احادیث اہل بیت سے نہ ہو جائے۔ اس وقت تک ان پر اعتماد نہیں  
کیا جاسکتا۔ (کذا فی الدعۃ الساکبہ ج ۲ ص ۶۷ دعیون الاخبار ج ۱ ص ۳) (منہ عنی عنہ)



آپ کے پاس فقیر کو کرایا ہوں مجھے غنی بنا دیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ براہ راست ائمہ مروی سے استمداد کی جاسکتی ہے۔  
پیشہ بچند و بوجہ مدفوع ہے۔

اولاً۔ یہ زیارت جس میں یہ فقرے موجود ہیں کسی امام عالی مقام سے مروی نہیں ہے۔ بلکہ بعض علماء کی افشا کردہ معلوم ہوتی ہے۔ ورنہ مسئلہ ہی بتائیں کہ یہ کس امام سے منقول ہے؟ اور اس کی سند کیا ہے؟ ہا تو ابراہیم حکم ادا کنندہ صادقین جس زیارت کی یہ کیفیت ہو۔ اس کی وجہ سے قرآن اور اہل بیت رسولی کے مستند فرمان سے ثابت نہ۔ حقیقت سے دستبرداری اختیار کی جاسکتی ہے؟

ثانیاً۔ میں ممکن ہے کہ یہاں دنیوی خوف و ہراس اور مادی فقر و فاقہ مراد نہ ہو۔ بلکہ مقصد یہ ہو کہ اسے میرے آقا! میں اپنے گناہوں سے غافل ہوں۔ آپ مجھے پناہ دیں۔ یعنی میرے گناہ بارگاہ غفور رحیم سے معاف کرائیں۔ میں نیکیوں سے تہی دامن ہوں شفاعت کر کے میرے دامن کو حسنات سے پُر کرائیں۔ اور بخیر میری مصائب زائر و موزر کے نشان کے لائق ہے۔ زائرین اپنے گناہوں کی بخشش اور خدا کا قرب حاصل کرنے کے لئے ان مقدس بارگاہوں میں حاضر ہوتے ہیں۔ نہ کہ دنیوی مل و دولت حاصل کرنے کے لئے۔ جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے فرماتے ہیں: **لَوْ يَافِئُكَ رَغْبَةً فِي ثَوَابِكَ وَرَجَاءٍ لِمَغْفِرَتِكَ وَحُبِّيلِ احْسَانِكَ وَمُفَاتِحِ مَسْأَلِ الْاُمَمِ فِي تَبَرُّقِ ثَوَابِ مِنْ رَحْمَتِ نَبِيِّكَ شَيْءٌ كُنَّا كِى امِيهِ اَوْ تَبَرُّقِ احْسَانِ جَزِيلِ كُو حَاصِلِ كَرْنِ كِى خَاطِرِ تَبَرُّقِ اُولِيَا كِى زِيَارَتِ كِى لُطْفِ كِى اَيَا كِى مَضْمُونِ كِى بَرِ جَوْشَاہ و گدا پر پوری نظر متبقی ہوتا ہے۔ ورنہ اگر کوئی مرتد احمال اور فاسق البال رشاہ یہ زیارت پڑھے تو وہ بجائے ثواب کے انسا و روش بانی کی وجہ سے ستویب عذاب و عقاب قرار پائے گا۔ کیونکہ وہ نہ خائف ہے نہ پناہ گزین اور نہ ہی فقیر و نادار ہے۔ اور نہ ان امور کا خواہشمند۔ بلکہ یہ شرط عائد کی جائے کہ یہ زیارت صرف خیر و ہی پر ہوگی۔ اسے نہیں پڑھ سکتے۔**

ثالثاً۔ اگر بالفرض اس سے دنیوی فقر و فاقہ اور خوف و ہراس سے پناہ مراد لی جائے۔ تو پھر بھی اس سے اصل مقصد امام سے توسل اور طلب شفاعت کرنا ہے جس کی دوسری زیارات میں تصریح موجود ہے چنانچہ اعمال حرم حسین میں جو دعا و صلوات مذکور ہے۔ اس کے ضمن میں مرقوم ہے: **يَا سَيِّدِي وَوَلِيِّ اِيَادِ خَلْقِي اَدْ خَلْقِي فِي حَزْبِكَ وَزَمْرَتِكَ وَاسْتَوْهَبْنِي مِنْ رَبِّكَ وَرَبِّي فَاَنْ تَكُنْ عِنْدَ اللّٰهِ جَاكَا وَتَقْدِرُ اَوْ تَنْتَزِعُ نَفْسِي مِنْ شَيْعَةِ اَنْ سَلَمْتُ اَعْطَيْتَ اَنْ شَفَعْتَ شَفَعْتَ**۔ اے میرے آقا! مجھے اپنے مخصوص زمرے و گروہ میں داخل فرمائیں۔ اور مجھے اپنے اور میرے پروردگار سے بخشوالیں۔ کیونکہ آپ کو بارگاہ ایزدی میں بہت ہی قدر و منزلت حاصل ہے۔ اگر آپ اس سے سہولت کریں تو آپ کو عطا کیا جائے گا۔ اور اگر مشاوش کریں تو آپ کی شفاعت مقبول ہوگی۔ (مفتاح)۔

اسی طرح امام حسین کی دوسری زیارت جو امام علی نقی سے مروی ہے اس کے آخر میں ہے **جَعَلْتَ مَقْفُورًا**



بِاللَّهِ نُوَدِّعُكَ عِنْدَ رِبِّكَ يَا بَنِي رَسُولِ اللَّهِ! اے فرزند رسول! میں آپ کی بارگاہ میں گناہوں کا اقرار کرتے ہوئے اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ آپ اپنے پروردگار کی بارگاہ میں میری سفارش کریں۔ (مفتاح ص ۳۴)

جناب امام حسین کی زیارت اول رجب میں وارد ہے۔ "فاشفع ابیہا السید العاظم الی ربک فی حطّ لا یتقال عن ظہری وتغضیہ ہا عتی وارحم ذلی وخصوی لک" اے میرے پاک و پاکیزہ سردار! میری ذلت اور رگڑا سب پر رحم فرمائیں۔ یعنی اپنے پروردگار کی بارگاہ میں میری سفارش کریں کہ وہ میری پشت سے (گناہوں) کے بوجھوں کو ہٹا کرے اور انہیں بالکل اتار دے۔۔۔ (مفتاح ص ۳۴)

اسی طرح آنجناب کی زیارت نیمہ رجب میں وارد ہے یا مولائی و ابن مولائی ذوقک مشتاقا فکن لی شفیعاً الی اللہ اے میرے آقا اور میرے آقا کے فرزند! میں نے بہت شوق سے آپ کی زیارت کی ہے۔ پس خدا کی بارگاہ میں میری سفارش فرمائیں۔ (مفتاح ص ۳۴) اور زیارتوں کو چھوڑیے۔ خود اسی زیارت کے اذن دخول میں یہ فقرے موجود ہیں۔ یا مولائی یا ابا عبد اللہ یا بن رسول اللہ عبدک و ابن امّک المذلیل بین یدیک والمصغر فی علوقک والمعترف بحقک جہادک مستغیراً بک قاصداً الی حرمک متوجہاً الی مقامک متوسلاً الی اللہ تعالیٰ بک۔ (مفتاح ص ۳۴) اے میرے آقا! ابا عبد اللہ۔ اے فرزند رسول! آپ کا غلام، آپ کی کنیز کا چچا، آپ کے سنے ذیل، آپ کی بندی مقام کے سامنے صغیر و حقیر اور آپ کے حق کا اقرار کرنے والا آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہے۔ آپ کے ذریعہ سے پناہ لیئے۔ آپ کے حرم اقدس کا قصد کرتے۔ اور آپ کے مقام کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے تاکہ اللہ سبحانہ کی بارگاہ میں آپ کا توسل حاصل کرے۔

غنی نہ رہے کہ بیان عید سے مراد عید عامت یعنی غلام اور اہل امت سے مراد کنیز و ملازمہ ہے۔ الغرض ان الفاظ سے دو رشتہ مراد ہے۔ جو آقا اور غلام کے درمیان قائم ہے۔ نہ وہ تعلق جو معبود و عبد کے درمیان قائم ہوتا ہے۔ جیسا کہ بعض حضرات نے دعا میں بنا زہ اور ان الفاظ میں صرف ظاہری تباہی سے قائمہ اٹھاتے ہوئے ابلغیری سے کام لیا ہے۔ محمد بن زید طبری بیان کرتے ہیں کہ جن دنوں امام رضا علیہ السلام خراسان میں تشریف فرما تھے۔ بن ان کے سر ہانے کھڑا تھا۔ اور بنی ہاشم کی ایک جماعت بھی موجود تھی۔ جن میں اسحاق بن عباس بن موسیٰ بھی شامل تھے۔ امام نے انہی کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا یا اسحاق! بلعنی انکم تقولون ان الناس عبید لنا لا وقرابتی من رسول اللہ صاتۃ لک قوط ولا سمخۃ من احد من ابائی ولا بلعنی من احد منهم ان قالہ لکننا نقول الناس عبید لنا فی الطاعة موال لنا فی الایمان قلبیۃ الشاہد الغائب (بخاری ج ۲ ص ۲۷۲) بوالہ امائی شیخ مفید و والی شیخ موسیٰ و ابنہ اے اسحاق! مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ تم یہ کہتے ہو کہ یہ لوگ ہمارے بندے ہیں۔ اور ہم معبود مجھے قرابت رسول کی قسم ایسا ہرگز نہیں ہے۔ یہ بات



نکبھی میں نے کہی ہے اور نہ اپنے ابا و اجداد سے سنی ہے اور نہ ان سے محبت تک کوئی ایسی روایت پہنچی ہے کہ انہوں نے کبھی یہ بات کہی ہو۔ ان البتہ ہم یہ کہتے ہیں کہ لوگ اطاعت کرنے میں ہمارے غلام اور دین میں ہمارے دوست پر حاضرین کو چاہئے کہ غائبین تک یہ بات پہنچا دیں۔

بنابرین معلوم ہو گیا کہ یہاں عبید اُمت کا وہ معنی مراد ہے جو عبید المحسن اور اُمتہ الفاطمہ میں ہے نہ وہ معنی عبد اللہ اور اُمتہ اللہ میں مراد ہے۔ قرآن مجید میں وارد ہے ”وَاَنْكَحُوا الْاَيَاْمٰی مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِیْنَ مِنْ عِبَادِ كُمْ وَاَمَّا كُمْ اَپْنٰے مِّنْ سَعٰے نَزَحٰے كِی شَادٰے كُرْد۔“ نیز اپنے غلاموں اور کنیزوں کی بھی شادیاں کرو، ”فَلَا تَغْضَلْ۔“ بہر حال ان تفاتی کی روشنی میں کاشمیر فی نصف والنہار یہ تحقیق واضح و آشکار ہو گئی کہ ان عمل الفاء سے مراد دراصل بارگاہ رب العزت میں امام کا توسل حاصل کرنا اور ان سے طلب شفاعت کرنا ہے۔ دوسرے دو الحق لایکرا احد من اہل الحق۔ اسی بیان تحقیق ترجمان سے ان تمام فقرات کا صحیح مفہوم بھی واضح و واضح ہو جاتا ہے۔ جو بعض دوسری زیارات میں وارد ہیں۔ فتیٰ نور المحمدی و آغا علی و صوحا الحق و الحقیقۃ۔

روایات میں وارد ہے کہ جب تم راستہ بھول جاؤ تو یہ پکارو یا ابا صالح  
**نوائے شبہ اور اس کا جواب**  
 یا ابا صالح ارشدنا الی الطریق رحمکم اللہ۔ اے ابو صالح اے ابو صالح  
 خدا تم پر رحم کرے ہمیں صحیح راستہ بتلا دو۔ (علیہ المتقین ص ۲۵۹) میں حضرت امیر علیہ السلام سے مروی ہے کہ  
 یہ ابو صالح ایک بن مومن بھائی ہے۔ جب ایک بن فریادری کر سکتا ہے۔ تو امام کیوں مدد اور فریادری نہیں  
 کر سکتے۔ یہ شبہ بد و وجہ ناقابل التفات ہے۔

اولاً۔ یہ روایت اعتبار احاد میں سے ہے جو اصول اعتقاد میں ناقابل اعتماد ہے۔ جیسا کہ ان امور کی تحقیق کتاب کے دیباچہ میں کی جا چکی ہے۔

ثانیاً۔ یہ ہمارے محل نزاع سے خارج ہے کیونکہ بحث ان امور کو نہیں میں غیر خدا سے استدعا کے بارے میں ہے جو قدر بشر سے خارج ہیں۔ جیسے خلق و رزق و امانت و امیاد وغیرہ مگر اس روایت میں صرف کم گشتہ راہ کو راہ دکھانے کا تذکرہ ہے جو یقیناً ان امور سے خارج ہے بلکہ ان امور میں سے ہے جن میں ایک دوسرے کی امداد کرنا بہترین کار و ثواب ہے جیسا کہ اس باب کی ابتدا میں امر کی مکمل وضاحت کی جا چکی ہے قطع نظر اس سے کہ ابو صالح سے مراد جن ہے جیسا کہ جناب امیر علیہ السلام سے مروی ہے۔ یا اس سے مراد جناب امام العصر ہیں جیسا کہ محدث نور علی کا خیال ہے و نجم ثاقب ص ۲۲۲ بہر حال اسے ہمارے متعلقہ مسئلہ سے کوئی ربط و تعلق نہیں ہے۔

متعدد روایات اہل بیت میں وارد ہے کہ ہم و جد اللہ ہیں۔ حبیب اللہ ہیں۔  
**دسواں شبہ اور اس کا جواب**  
 لسان اللہ ہیں۔ ید اللہ ہیں۔ عین اللہ ہیں۔ خزانہ اللہ ہیں۔ اور باب اللہ ہیں۔



نو پھر اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ خدا سے مانگیں یا ان ذواتِ مقدسہ سے سوال کریں؟

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ اس پر ہمارا بھی ایمان ہے کہ یہ ذواتِ مقدسہ وجہ اللہ، جنب اللہ، ید اللہ وغیرہ ہیں۔ مگر قابلِ غور امر یہ ہے کہ الفاظ کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ کہیں کلمہ حق یہاں الباطل کا مظاہرہ تو نہیں ہو رہا؟ یہ بات تو محتاجِ بیان نہیں کہ ان الفاظ کے حقیقی معانی تو یہاں مراد نہیں لئے جاسکتے۔ ورنہ خدا کا عجبم ہونا لازم آئے گا۔ یا ان بزرگواروں کو خدا کا اوتار مانا پڑے گا۔ اور یہ دونوں باتیں بالبدایت باطل ہیں۔ اور ان کا عقیدہ رکھنا لغوی ہے۔ لہذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ اطلاق من باب المجاز مضائق ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ مجاز کیا ہے؟ اس کا جواب علامہ اعلیٰ علامہ کے کلام کی روشنی میں واضح ہے۔ وہ درجہ چوتھا کسی کی معرفت پہچان کا بہترین ذریعہ ہوتا ہے اور انبیاء و ائمہ علیہم السلام خدا اور اس کے دین حق کی معرفت و پہچان کا بہترین ذریعہ ہیں۔ اس لئے ان کو وجہ اللہ کہا جاتا ہے۔ جیسے کہ امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں: ”وجہ اللہ انبیاءہ و رجبہ الذین بھم یتوجہ الی اللہ الی دینہ و معرفتہ“ (طوایع الانوار ص ۹۹) یعنی خدا کے انبیاء و ائمہ وجہ اللہ ہیں۔ کیونکہ انہی کے ذریعہ خدا اور اس کے دین کی طرف توجہ و اس کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔

اسی طرح جنب (پہلو) چوتھا انسان کے بالکل قریب ہونا ہے اسی طرح یہ ذواتِ مقدسہ قرب روحانی کے طور پر ساری کائنات سے زیادہ خدا کے قریب ہیں۔ اس لئے ان کو جنب اللہ کہہ دیا جاتا ہے۔ چنانچہ امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: ”معنی جنب اللہ انا لیس شیء اقرب الی اللہ عن رسولہ ولا اقرب الی رسولہ من وصیہ“ (طوایع الانوار ص ۹۹) یعنی جنب اللہ کے معنی یہ ہیں کہ رسول خدا سے بڑھ کر اور کوئی زیادہ خدا کے قریب نہیں۔ اور ان کے حقیقی وصی و جانشین سے زیادہ آنحضرت کے کوئی قریب نہیں۔ لہذا قال الطبرسی فی مجمع البیان: بان جنب بمعنی القرب۔ صاحب مرآۃ الانوار ص ۱۱۱ پر لکھتے ہیں: ”و لعل لوجہ فیہ اظہار انہم فی القرب کا جنب یعنی شاید ان کو جنب اللہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ قرب (روحانی) میں بمنزلہ پہلو کے ہیں“۔ حضرت شیخ صدوقؒ نے جنب کے معنی اطاعت کرتے ہوئے ان کے ارشاد انا جنب اللہ (مفہوم یہ بیان کیا ہے) ”اینا الذی ولا یبقی طاعة اللہ عزوجل“ یعنی میں وہ ہوں جس کی ولایت خدا کی اطاعت ہے (کتاب التوسید ص ۱۵۴)۔

لسان (زبان) چوتھا مافی الضمیر کے اظہار کا آکر و ذریعہ ہوتی ہے اور یہ بزرگوار بھی منشاد پروردگار کوئی بات نہیں کرتے۔ بلکہ جب بھی بولتے ہیں۔ تو خدا کے مقصد و منشاد کو ظاہر کرتے ہیں۔ اس لئے ان کو لسان اللہ کہا جاتا ہے۔ نہ غیر متکلم الا بما هو مود اللہ کما ان اللسان لا یتکالم الا بما هو مود المتکلم — فهو بمنزلہ لسانہ تم بیان مواد و مقصد الخ یعنی وہ بغیر خدا کی منشاد کے بات نہیں کرتے جس طرح زبان متکلم کی منشاد کے بغیر



نہیں بولتی۔“ (طوائف الانوار ص ۶۹)

یہ کے کئی معنوں میں سے ایک معنی قدرت و قوت بھی ہیں۔ اور چونکہ یہ ذاتہ مقدسہ خدا کی خاص قدرت کے اشارہ کا علم ہیں۔ اس لئے ان کو یہ لفظ ”کہا جاتا ہے یا یہاں یہ معنی رحمت خداوندی ہے۔ اس کی تائید جناب امیر علیہ السلام کے اس ارشاد سے ہوتی ہے فرماتے ہیں انا ید الله الميسوطة على عباده بالوحدة والمغفرة۔ میں خدا کا وہ ہاتھ ہوں جو اس کے بندوں پر رحمت و مغفرت کے ساتھ کشادہ ہے۔ یعنی میں رحمت خدا ہوں۔ اسی طرح یہ کے ایک معنی نعمت بھی ہیں۔ اور چونکہ یہ ذاتہ قادر خدا کی خاص نعمت ہیں۔ اس لئے ان کو ”ید اللہ“ کہا جاتا ہے۔ امیر الطہار کو یہ لفظ کہنے کی یہ سبب وہ عالم ربانی میرزا ابوالحسن الشریف نے مرآة الانوار کے ص ۳۳ پر من المجازات الشائقة فی کلام العرب کہہ کر ذکر فرمائی ہیں۔ فواجہ

اسی طرح ان کے عین اللہ کا صحیح مفہم یہ ہے۔ کہ وہ خدا کے دین کے محافظ ہیں۔ (یعنی بذل العافض لہ دین اللہ وقد قال الله عز وجل تجری باعیننا ای بحفظنا و کتاب تو میری شیخ صدوق ص ۱۵۵)

یہ درست ہے کہ محمد و آل محمد علیہم السلام خدا کے خزانہ بردار ہیں لیکن کس کے ہا سونے چاندی کے ڈھیروں کے یا خدا کے علم و دین کے؟ احادیث میں اس کی وضاحت موجود ہے۔ کہ وہ علم و دین خدا کے خزانہ دار ہیں نہ سونے اور چاندی وغیرہ اسی اشیاء کے۔ چنانچہ مرآة الانوار ص ۱۲۱ پر کوالہ بصائر الدرجات امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا۔ انا خزائن الله فی ارضہ و سمائہ لا علی ذہب ولا علی فضة الا علی علمہ۔ ہم خدا کی زمین و آسمان میں اُس کے خزانہ بردار ہیں۔ لیکن نہ سونے چاندی بلکہ اس کے علم پر۔ پھر اسی صفحہ پر کوالہ تفسیر عیاشی۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کا یہ ارشاد نقل کیا ہے۔ فرمایا ”نحن خزائن الله علی دینہ“ ہم خدا کے دین کے خزانہ بردار ہیں۔ کئی احادیث میں وارد ہے ”نحن خزنة دحي الله“ ہم دحي خدا کے خزانہ بردار ہیں۔ نتیجہ سب کا ایک ہے۔ کہ خدا کے دین کی صحیح معرفت اور اس کے معارف و تقاضات ہمارے ہی گھر سے مل سکتے ہیں۔ اسی طرح ان بزرگواروں کے باب اللہ (خدا کا دروازہ) ہونے کا مطلب بھی واضح ہے کہ خدا کے سانی اس کی خوشنودی حاصل کرنے اور اس کے دین کے معارف حاصل کرنے کا وسیلہ و ذریعہ ہیں۔ جناب رسول خدا فرماتے ہیں۔ اِنَّ عَلِيًّا بَابُ اللَّهِ الْاَكْبَرِ مَنْ ارَادَ اللَّهُ قَلِيْدَ خُلٍ مِنَ الْبَابِ الْمُحْتَبَرِ عَلَيَّ خَدَا كَا بَرًا وَدَوَا زَهُ جِيں جو خدا کی بارگاہ تک رسائی حاصل کرنا چاہتا ہے وہ اسی دروازہ پر آئے۔ و مرآة الانوار ص ۹۱ نیز آنحضرت کا یہ ارشاد مشہور و متواتر ہے۔ انا مدينة العلم و علی بابها من اراد المدينة فليأتها من بابها۔ میں شہر علم ہوں۔ اور علی اس کا دروازہ۔ شہر میں داخل ہونے والے کو چاہئے۔ کہ دروازہ کی طرف سے داخل ہو۔ (فمن اتاه من غير بابها ستمي سارقاً و نهباً بلاض) ارشادِ نذرت ہے و اتوا للبيوت من ابوابها۔ ان تقاضات



کی روشنی میں ارباب عقل و انصاف فرمائیں کہ اولیاء و صالحان کو ان حضرات کے مقصد باطل کے ساتھ دور کا بھی  
رابطہ و تعلق ہے یا حاشا و کلام

**دوسرا صحیح مفہوم** | ان تمام اطلاعات کا دوسرا مجموعی صحیح مفہوم یہ بھی درست ہے کہ ان ذوات قادرہ کی  
عظمت و جلالت کے انہماک کے لئے ان کے اعضاء و جوارح کو خدا کی طرف نسبت دی  
گئی ہے۔ الغرض ان کو اسی طرح بد اللہ، وجہ اللہ، عین اللہ، لسان اللہ اور جنب اللہ وغیرہ کہا گیا ہے جس طرح  
انہماک و شرف عظمت کے لئے کعبہ کو بیت اللہ، جناب عیسیٰ کو روح اللہ اور ناقہ صالح کو ناقۃ اللہ کہا گیا ہے۔

**تیسرا صحیح مفہوم** | نیز ان اطلاعات کا یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے کہ اگرچہ عام لوگوں کے اعضاء و جوارح بھی ہیں تو  
خدا کی ملکیت مگر مقام عمل میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عامۃ الناس ان اعضاء کو اپنی ذاتی  
ملکیت سمجھتے ہیں۔ مگر ان بزرگواروں کا معاملہ ان لوگوں سے مختلف ہے۔ وہ صحیح معنوں میں اپنے ناقہ پیر، چہرہ و زبان  
اور آنکھ و کان کو خدا کے منان کی مقدس امانت سمجھتے ہیں۔ اس لئے وہ ان اعضاء و جوارح سے وہی کام لیتے ہیں  
جس کے لئے خدا نے عطا کئے ہیں۔ ان کے قدم و ہاتھ اور بڑھیں گے۔ جدھر خدائی مشیت ہوگی۔ ان کی آنکھ اُدھر اٹھیں گی  
جدھر خدا کی مرضی ہوگی۔ ان کے کان اُدھر متوجہ ہوں گے جدھر خدا کی رضا ہوگی۔ دُقس علیٰ ہذا۔ اور یہی مطلب ہے اس

آیت وافی ہدایہ کا۔ وما تشاؤون الا ان یشاء اللہ

**ایک اور ضروری وضاحت** | چونکہ شرعی نقطہ نگاہ سے نہ صرف خدائے عز و جل کے نام پر ہی ہو سکتی ہے اور غیر خدا  
کی تہرک کے عدم جواز و بطلان پر تمام فقہاء و شیعہ کا اتفاق ہے لہذا سرکارِ شہداء و صلوات اللہ علیہ کی نیا زیارت  
براہِ افضل العباد کی حاضری کی صحیح صورت یہ ہے کہ اگر خداوند عالم فلاں امام یا فلاں امام زادہ کے طفیل میرا فلاں کام سرسے قریب  
خدا کے نام پر فلاں کام کروں گا (مثلاً اتنی رکعت نماز پڑھوں گا یا اتنے روزے رکھوں گا یا اتنی شیرینی تقسیم کروں گا یا عیسٰی عز و  
جل کا یا اتنی رقم فقراء و مسکین میں تقسیم کروں گا وغیرہ) اور اس کا یہ شیر کا ثواب اس امام یا امام زادہ کی نصرت میں ہو یہ کر دوں گا  
اور یہی یہ خداوندِ نیا ز درست ہوگی اور اس کا آفتاب ان بزرگواروں کی طرف اسی طرح مجازی ہو گا جس طرح قبیلہ جناب سیدہ اور  
ماز جعفر طیار ہیں۔ فنا من جیدا۔

هذا بصائر للناس وهدى ورحمة لعلهم يوقنون

يا ايها الناس قد جاءكم موعظة من ربكم وشفاء لما فى الصدور وهدى ورحمة للعلمانيين



# پانچواں باب

## حقیقت معجزہ اور اُس کے فعل خدا یا فعل نبی و امامؑ نے کا بیان

یکھ کر کھلا انقلابِ زمان اور نیکی و بر خواتن ہے کہ آج ان مسائل پر بھی خامہ فرسائی کی ضرورت درپیش آرہی ہے جو قرآن اور حضراتِ محمدؐ و آلِ محمدؑ علیہم السلام کے فرمان کی روشنی میں قریباً چودہ سو سال سے علماء اعلام کے درمیان متفق علیہ و مسلم انبوت ہیں۔ جن کو اگر ضروریاتِ دین اسلام سے نہیں تو کم از کم ضروریاتِ مذہب شیعہ خیر البریہ سے تو یقیناً قرار دیا جاسکتا ہے۔ مجملہ ان مسائل و عقائد کے ایک معجزہ کے فعل خدا ہونے کا مسئلہ بھی ہے جسے زمانہ ہائے دراز تک متفق علیہ رہنے کے بعد کچھ مخصوص لوگوں نے کچھ عرصہ سے محل نزاع و محوریہ و قال بتاتے ہوئے اسے نبی و امام کا فعل کہنا شروع کر دیا ہے۔ اس لئے ہم اس باب میں حکاماتِ قرآن کریم، مستند ارشاداتِ معصومینؑ اور بیاناتِ علماء متقدمین و متاخرین کی روشنی میں ثابت کریں گے۔ کہ معجزہ کا حقیقی فاعل خداوند عالم ہے اللہ۔ لیکن اصل مقصد میں وارد ہونے سے پہلے بطور تمہید معجزہ کی حقیقت اس کے شرائط، معجزہ و جادو میں فرق اور محل نزاع کی تفتیح کا بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ واللہ المستعان علیہ السلام

**معجزہ کی تعریف** | اُس خارقِ عادت فعل کا نام ہے۔ جسے وہ اپنے کسی نبی یا اُس کے وصی کی صداقت و حقانیت ظاہر کرنے کے لئے ان کے بقول پر ظاہر ہو (دعا اے نبوت و امامت کے ساتھ بطور حیلینجی۔ مقرران ہو جس کا مثل پیش کرنے سے ساری مخلوق عاجز ہو)۔ لہذا اگر ایسا کوئی فعل نبی یا امام سے اعلانِ نبوت و امامت سے قبل ظاہر ہو تو اُسے اصطلاح میں "ارباب" کہا جاتا ہے اور اگر نبی یا امام کے علاوہ خدا کے کسی نیک بندے سے کوئی خارقِ عادت فعل ظاہر ہو تو اُسے کرامت کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ کما لا تخفى هذه الحقائق علی من راجع کتب الفتن، (سبیل النجاة فی اصول الاعتقادات ص ۱۷۸ وغیرہ)

**معجزہ کے شرائط** | قدرے وضاحت کی جاتی ہے۔

(۱) معجزہ کو ایسا قطعی ہونا چاہئے جس سے منکرین کے انکار کی تمام راہیں بند ہو جائیں۔

(۲) معجزہ کو دعائے نبوت و امامت کے ساتھ مقارن ہونا چاہئے۔



(۳) معجزہ کو دعویٰ کے مطابق ہونا چاہئے یعنی معجزہ مصدقہ ہو نہ معجزہ کذبہ جس میں میل کتابت کے سبب ایک گانے کی آنکھ پر غرض  
(۴) معجزہ کو ایسا ہونا چاہئے کہ صاحب العجاز کے علاوہ باقی تمام لوگ اس کا مثل لانے سے عاجز ہوں۔

(۵) معجزہ کو مقتضائے عادت و نوا میں طبیعت کے خلاف ہونا چاہئے۔ کیونکہ ناممکن عادی کو وجود میں لانے کا نام  
معجزہ ہے نہ کہ ناممکن عقل کو ممکن بنانے کا۔ الغرض معجزہ عالم اسباب اور خیر کے قانون کے خلاف ہوتا ہے جیسے آگ کا سرد  
ہو جانا۔ پانی کے ہاؤ کا رک جانا وغیرہ محال عقل کو اس کے ذریعہ ممکن نہیں بنایا جاسکتا ہے۔ جیسے اجتماع ضدین وغیرہ کیونکہ  
ناممکن عقل میں یہ صلاحیت ہی نہیں ہے کہ قدرت کاملہ کا اس سے تعلق ہو۔

(۶) معجزہ کو ایسا ہونا چاہئے کہ اس کا کوئی ظاہری اور مادی سبب موجود نہ ہو۔ جیسا کہ علم سمیاء، رویا، کیمیا، ہیمیا اور ہیمیا  
یہ ہوتا ہے۔ قدرت۔

(۷) اظہار معجزہ کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ کچھ لوگ اس کی درخواست کریں۔ یا ایسے لوگ موجود ہوں جن کی اعجاز نمائی کی  
وجہ سے ہدایت کی توقع ہو۔

(۸) معجزہ کو فعل خدا ہونا چاہئے۔ اس کی تفصیل ذیل میں آرہی ہے (انشاء) — اَلْی غَیْرِ ذَٰلِكَ مِنَ الشَّرَائِطِ

(شرح تجرید الہکم الطیب وغیرہ)

خداوند عالم جن لوگوں کی طرف سے نبی و امام بھیجتا ہے ان کے طوائف اور عقول و انہماک  
مختلف ہوتے ہیں۔ بعض ایسے بلند طبع اور کامل العقل ہوتے ہیں۔ جو صرف ان

## معجزہ دلیل نبوت امامت

بزرگوں کے علمی و عملی کمالات اور ان کی مقدس تعلیمات کو دیکھ کر ہی معلوم کر لیتے ہیں۔ کہ یہ خدا کے فرستادہ یا وحی پر راہنما  
ہیں۔ مگر عامۃ الناس اس قدر استعداد و لیاقت نہیں رکھتے۔ اور نہ اس قدر شرف و بین زکاۃ کے مالک ہوتے ہیں۔ کہ وہ  
ذائقہ کو سمجھ کر ان کی تصدیق کر سکیں۔ اس لئے عقل فیصلہ کرتی ہے کہ ان ذوات مقدسہ کے پاس کوئی ایسی قطعی علامت  
ہونی لازم ہے جسے دیکھ کر ہر کس و نا کس پر ان کی صداقت و حقانیت روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہو جائے۔ اسی قطعی علامت  
نبوت و امامت کو اہل شرع معجزہ کہتے ہیں۔ مثلاً نبی اکبرؐ کی دعویٰ کرتا ہے کہ میں خدا کی طرف سے آیا ہوں میں اس کا قانون  
لا رہا ہوں میری سر بات حق اور واجب القبول ہے۔ اس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے تم مجھ پر اور  
میری باتوں پر ایمان لے آؤ۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک دعویٰ ہے اور بہت بڑا دعویٰ۔ اور یہ بھی واضح ہے کہ کوئی دعویٰ دلیل  
و برہان کے بغیر قابل قبول نہیں ہوتا۔ لوگوں نے نہ تو اسے نبی مانتے دیکھا ہے۔ اور نہ ہی آنکھوں سے اس پر قانون اُترتے  
دیکھا ہے۔ پڑھے لکھے فاضل اور سمجھ دار لوگ تو یہ دیکھ کر کہ وہ شخص جس نے کسی مدرسہ میں تعلیم حاصل نہیں کی جس نے کسی  
معلم کے سامنے قانونی ادب نہ بنایا۔ وہ دعویٰ نبوت کر کے وہ وہ علوم اور جامع قانون پیش کر رہا  
ہے۔ کہ جس کے سامنے پڑے جسے علما و فضلاء دم بخود میں سمجھ جائیں گے کہ وہ واقعی اپنے دعویٰ میں سچا ہے مگر پھر بھی

شفا پائش یا تقریر اس کو اس کی دوسری آنکھ میں نہ آتی تھی۔



عامۃ الناس کے اطمینان قلب کے لئے کسی اور قطعی ثبوت کی ضرورت ہے۔ جب وہ اپنے دعویٰ کے ثبوت میں ایسی چیز دکھائے گا جس کی نظیر پیش کرنے سے تمام مخلوق عاجز ہو۔ اور وہ کام کر کے دکھائے جس پر صرف خدا ہی قدرت رکھتا ہو اور انسانی دسترس سے بالا ہو۔ تو یقیناً وہ اس بات کی دلیل ہو گا۔ کہ یہ شخص اپنے دعویٰ میں سچا ہے اور فی الواقع وہ فرستادہ خداوندی ہے اور خدا نے یہ خارق عادت امر بطور سند اس کے ہاتھوں پر ظاہر کیا ہے کیونکہ معجزہ در حقیقت خدا کا فعل ہوتا ہے۔ اسی لئے تو لوگ اس کو کسی شخص کے ہاتھ پر ظاہر ہوتے ہوئے دیکھ کر یہ یقین کر لیتے ہیں کہ خدا کا فرستادہ ہے۔ درتہ خدا اس کے ہاتھ پر ایسا فعل ظاہر نہ کرتا۔ یہ معجزات بحسب حالات زمان و مکان و اشخاص مختلف نوعیت کے ہوتے ہیں۔ کسی کے ہاتھ پر نار کو گلزار بنا دیا۔ کسی کے ہاتھ پر عصا کو زندہ بنا دیا۔ کسی کے ہاتھوں پر مردہ کو زندہ کر دیا۔ کسی کو قرآن میا عدیم النسخہ علمی معجزہ خالدہ عطا فرمایا۔ لیکن دلیل نبوت میں سب باہم شریک ہیں۔ اس بیان سے واضح و عیاں ہو گا کہ نبوت ایک دعویٰ ہے اور معجزہ اس کی دلیل جیسے دیکھ کر عقل سلیم و طبع مستقیم رکھنے والے ان پر ایمان لاکر سعادت حاصل کرتے ہیں۔ اور غصب و عناد سے انکار کر کے وائے دین و دنیا میں خائب و خاسر ہوتے ہیں۔

وذلك هو الخسران المبین۔ (روکن الکلام فی ضرورت المعجزۃ للإمام المدعی للقیام بحمل عباد النبوة واداء فرائضها للانام۔ کما لا یخفى علی اولی الافہام)

**معجزہ اور سحر میں فرق**

چونکہ عام طور پر اس مقام پر یہ شبہ پیش کیا جاتا ہے کہ جو کام ایک نبی یا امام اہجاز نمائی کے مقام پر انجام دیتا ہے بظاہر ویسا ہی کام ایک شعبہ دہ باز، جادوگر اور مسمریزم کا اہر شخص بھی انجام دے سکتا ہے۔ بنا بریں معجزہ کو کیونکر دلیل نبوت و امامت قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس ضرورت کے پیش نظر معجزہ اور جادو کے درمیان جو متعدد فرق ہیں۔ ان میں بعض فروق بیان پیش کئے جائیں۔ لیہلک من ہلک عن بینۃ و یحیی من حتی عن بینۃ۔

**فرق اول**

یہ کہ جادو ایک فن اور مخصوص علم ہے جو پڑھتے پڑھاتے سے حاصل ہو سکتا ہے لیکن معجزہ تعلیم و تعلم اور کسب و کتاب سے حاصل نہیں ہو سکتا۔

**فرق دوم**

یہ کہ جادو کا معارضہ و مقابلہ کیا جاسکتا ہے مگر ایک جادوگر اپنے فن کے بل بوتے پر دوسرے ساحر کے کھڑ کو باطل کر کے اس پر غلبہ حاصل کرے۔ مگر معجزہ کا کوئی جڑی سے بڑی طاقت بھی مقابلہ نہیں کر سکتی اور کوئی شخص اسے باطل نہیں کر سکتا۔ معجزہ کے معنی ہی یہ ہیں کہ وہ سب کو عاجز کر دے اگر ایسا نہیں تو وہ معجزہ ہی نہیں ہے۔

**فرق سوم**

یہ کہ جادو مخصوص مادی و طبیعی اسباب و آلات تخیلہ، اوقات مخصوصہ، شرائط مقررہ اور قواعد معینہ کا محتاج ہوتا ہے مگر معجزہ میں کسی طبیعی سبب یا ظاہری آلہ یا کسی زمان و مکان کی کوئی قید نہیں ہوتی۔ حسب ضرورت ہر وقت اور ہر جگہ اہجاز نمائی کی جاسکتی ہے۔ وہ صرف امر الہی کا پابند ہے۔ مذکورہ بالا تیو دیں سے



ی قید سے مقید نہیں ہے۔

**فرق چہم** | معجزہ میں حقیقت و واقعیت ہوتی ہے۔ مگر جادو وغیرہ میں فقط نظریندی ہوتی ہے۔ بالخصوص شعبہ میں تو زیادہ تر افتاد کی صفائی کا فرما ہوتی ہے۔ کسی شے کی حقیقت پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ معجزے میں جو انقلاب و تغیر ظاہر ہوتا ہے۔ وہ فی الحقیقت اصل شے میں رونما بھی ہوتا ہے مثلاً کوئی نبی و رسول یا امام عالی مقام کسی گریزے کو انکورتا ہے۔ تو اس سے پتہ والے خواص سلب ہو جائیں گے اور وہ سنگریزہ فی الحقیقت انکور بن جائے گا۔ کھانے والا اسے فی الحقیقت نہ ہی محسوس کرے گا۔ مگر جادو گر کنکری انکورتا رکھتا تو کھاتا ہے۔ لیکن وہ اسے کھلا نہیں سکتا۔ وہ کنکری کنکری ہی رہے گی۔ حضرت موسیٰ نے جب پتھر سے پانی جاری کیا تھا۔ تو حقیقتاً تمام قوم نے سیر جو کہ پانی پیا تھا۔ جناب ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوتِ ذوالعشرہ میں قحط سے کھانے کو بطور عجاظ جب دعویٰ کے سامنے پیش کیا تھا تو سب نے سیر جو کہ کھایا تھا۔ معلوم ہوا معجزہ ایک زمرہ حقیقت ہے۔ مگر جادو میں ایسا ہونا ممکن نہیں ہے کیونکہ جادو کا اثر فقط نگاہ پر ہوتا ہے اصل حقیقت شے پر نہیں ہوتا۔

**فرق پنجم** | معجزہ ہمیشہ منتجبہ روزگار اختیار و ابرار کے ہاتھوں نظام ہوتا ہے۔ اور وہ بھی مقرون بالذکر ہے۔ مگر اس کے عکس جادو کا ظہور فساق و فجار اور اشرار سے ہوتا ہے۔ وہ بین ہما بدین بعید۔

راہ حسن الفوائد تصنیف ابنِ احقر عفی عنہ

**محل نزاع کی تعین** | اصل مقصد سے قبل محل نزاع کی تفریق ضروری ہے تاکہ یہ بحث محض نزاعِ فغلی بن کر نہ رہ جائے۔ جو کہ علماءِ ملکہ عام عقلاء کی شان سے ہیں بعید ہے۔ سو غلی نہ رہے کہ چونکہ فعلِ معجزہ کا ظہور بظاہر نبی و امام کے دستِ حق پرست پر ہوتا ہے اس لئے فاعلِ مباشر ہونے کی بیشیت سے اس فعل کی ان حضرات کی طرف نسبت دینے کے جواز میں تو کوئی کلام ہی نہیں رہا جو کچھ نزاع ہے تو وہ صرف اس بات میں ہے کہ نبی یا امام کی طرف اس کی یہ نسبت آیا اس باب الحقیقت ہے (یعنی اس کے فاعل حقیقی نبی یا امام ہیں کہ خود اپنے عزم و ارادہ سے جب چاہیں اسے انجام دیتے ہیں) یا یہ من باب المجاز ہے (کہ اس کا حقیقی فاعل تو خداوند عالم ہے جو ان کے ارادہ اور ان کی استدعا کے وقت ان کے ہاتھوں پر جاری کرتا ہے اور یہ بزرگوں کو اثرِ محفلِ ظہور ہونے کی وجہ سے اس کے فاعلِ مجازی ہیں) جو امر قرآنِ کریم، احادیثِ معصومین اور علماءِ متقدمین و متاخرین کے تحقیقات و قرآنِ مبین سے سیرجہ اور پایہ ثبوت تک پہنچا ہے وہ یہ ہے کہ فعلِ معجزہ کا فاعل حقیقی خداوند عالم ہے۔ اور نبی و امام کی طرف اس کی نسبت مجازی ہے۔

اب ذیل میں اس دعویٰ کے ثبوت میں دلائل قاطعہ برائین سامعہ پیش کئے جاتے ہیں۔ فقد بر فیہا ولا تکل من الجاحد



## معجزہ کا فعل خدا ہونا تعلیمات قرآن کی روشنی میں

قرآن مجید میں اس قسم کی متعدد آیات مبارکہ موجود ہیں جن سے یکے از دلائل ثلثہ

(مطابق تفسیری اور التزامی) معلوم ہوتا ہے کہ معجزہ فعل خدا ہے یہاں چند آئیہ وافی ہر ایہ پیش کی جاتی ہیں۔

۱۰۰ وقالوا لن نؤمن بك حتى تفجر لنا من الارض ينبوعا او تكون لك جنة من نخيل وعنب فتفجر الانهار خلا لها تفجيرا او تسقط السماء كما زعمت علينا كسفا. واتأق با لله الملائكة تبديلا او يكون لك بيت من زخرف او ترقى في السماء ولن نؤمن لرؤيتك حتى تنزل علينا كتابا نقرؤا وپ بنی اسرائیل ع ۱۰۰ سے رسول انکار کرنے، تم سے کہا کہ جب تک تم ہمارے واسطے زمین سے چشمہ نہ بہاؤ گالوگے تو ہم تم پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے یا دینے نہیں تو کچھ ریلوں اور انگوروں کا تنہا کوئی باغ ہو۔ اس پر تم بیچ بیچ میں نہیں جاری کر کے رکھلاؤ۔ یا جیسا تم گمان رکھتے تھے ہم پر آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرا دیا خدا اور فرشتوں کو اپنے قول کی تصدیق میں ہمارے سامنے گواہی میں لا کھڑا کر دیا تمہارے رہنے کے لئے ایسے کوئی خلائی محل سراپا یقین آسمان پر چھ مچھا ڈاؤ اور جب تک تم ہم پر خدا کے ہاں سے ایک کتاب نہ نازل کرو گے کہ ہم خود اسے پڑھ سکیں اس وقت تک ہم تمہارے آسمان پر چڑھنے کے بھی قائل نہ ہوں گے۔ پیغمبر اسلام کو مکہ دیا جاتا ہے کہ ان کو اس طرح جواب دو: قل سبحان ربی هل کنت الالبشر سو لا۔ وپ بنی اسرائیل ع ۱۰۰ سے رسول، تم کہہ دو کہ سبحان اللہ میں ایک آدمی (خدا کے) رسول کے سوا اور کیا ہوں؟ (ترجمہ فرمان)

اس آیت مبارکہ سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ معجزات کا دکھانا نبی کا کام نہیں جو کہ بشر و انسان ہے بلکہ اس کے اظہار کا کام تردد اور مدار مصالحت و قدرت پروردگار پر ہے۔ چنانچہ شیخ الطائفہ حضرت شیخ موسیٰ تفسیر تمیان ج ۶ ص ۲۵ پر اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں۔ و انما اجابهم بذلك لان المعنى انکم تقتضون علی الکلیات و لیس امرها الی و انما امرها الی الذی ارسلنی و الذی هو اعلم بالتدبیر معنی و ما ینص علیہ من الدلیل فلا وجہ لطلبکم هذا معنی مع ان هذا صفتی لا فی رسول او دی المیکم ما او حی الی و امرت ان او دیہ المیکم۔ الخ یعنی پیغمبر اسلام نے ان کو جو جواب دیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اسے کفار تم مجھ سے معجزات دکھانے کا مطالبہ کرتے ہو، حالانکہ ان کا معاملہ میرے ہاتھ میں نہیں۔ بلکہ ان کا معاملہ میرے پیچھے والے کے قبضہ قدرت میں ہے وہ اندر دیکھ کر دلیل نبوت یعنی معجزہ معین کرنے کا مجھ سے زیادہ علم رکھتا ہے لہذا مجھ سے یہ تمہارا مطالبہ بلا وجہ ہے کیونکہ میں تو صرف رسول ہوں میرا کام تو فقط یہ ہے کہ خیر چیز کی تجھے دہی کی گئی ہے اور اس کے پہنچانے کا حکم دیا گیا ہے وہ تم تک پہنچاؤں۔

اسی طرح علامہ طبرسی اپنی تفسیر مجمع البیان ج ۲ ص ۲۵ پر رقمطراز ہیں۔ معنا ان هذه الاشياء لیس فی طاقۃ



البشر ان یأتی بها فلا اقلد بنفسی ان اتی بها کما لم یقدر من کان قبلی من الرسل واللہ انما ینظر  
 الایات المعجزات علی حسب الصلحۃ وقد فعل فلا تطالبونی بما لا یطالب بہ البشر یعنی اس  
 جواب کا مطلب یہ ہے کہ ان امور کی انجام دہی (جن کا تم نے مطالبہ کیا ہے) بشری طاقت سے باہر ہے لہذا میں بھی خود  
 بخود انہیں انجام دینے پر قادر نہیں ہوں جیسا کہ تم سے پہلے انبیاء بھی اس پر قادر نہ تھے۔ خداوند عالم ہی معجزات کو اپنی  
 قدرت مصلحت کے مطابق ظاہر کرتا ہے اور وہ ایسا کر چکا ہے۔ (یعنی کئی معجزات میرے ہاتھوں پر ظاہر کر چکے ہیں) اس لئے تم  
 مجھ سے اس کی ایسی بات کا مطالبہ نہ کرو۔ جس کا مطالبہ ایک بشر سے نہیں کیا جاسکتا۔

علامہ محسن فیض مرحوم اپنی تفسیر صافی ص ۲۱۵ پر بشر ارسولاً کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ کسائر الرسل وقد کافوا  
 لایأتون قومہم الا بما ینظہرہ اللہ علیہم من الایات علی ما یلائمہ حال قومہم ولین اموالاً کیا  
 الی اثما ہوالی اللہ وهو العالم بالمصالح فلا وجہ لطلبکم اباہا متقی۔ یعنی میں بھی دوسرے انبیاء کی  
 طرح بشر ہوں اور ان کا دستور یہ تھا۔ کہ وہ اپنی اپنی قوم کے سامنے وہی معجزات پیش کرتے تھے جو خدا ان کے ہاتھوں پر ان  
 کی قوم کے مناسب حال ظاہر کرتا تھا۔ کیونکہ خدا ہی تمام مصالح و حکم کا عالم ہے۔ اس لئے تمہارا مجھ سے یہ مطالبہ کرنا کہ میں معجزات  
 دکھاؤں بالکل بلاوجہ ہے۔

جناب علامہ حاضری مرحوم اپنی تفسیر لوامع التزیل ج ۱ ص ۱۵ پر اسی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔  
 ”یعنی اسے خود معلوم ہو جائے کہ اس اقتراحات کو بوجہ تعجب کہ پاکستان پر دروگاہ من و منترہ است نزدیک  
 برائے حکم کف نہ کیا اذ انکے کہے را قدرت شریک دے سازند و شما آنچه اذ من می طلبید بجز دے کہے  
 برآں قادریت ایماہم من امر و افکار است، یعنی نیست کم کر آدمی فرستادہ شدہ بچوں رسولان و ایشان برآں  
 قوم ظاہر نکردند مگر معجزہ کہ مناسب قوم بود و اخبار آیات و معجزات و البتہ بارادہ و قدرت حق است  
 نہ باختیار و مشیت ایشان“

علامہ مطلب یہ کہ اسے رسول کفار کے اس اقتراح کی مطالبہ کے جواب میں کہو کہ خدا اس سے منترہ ہے کہ اس پر  
 کوئی غلط فرائض کی جائے۔ یا کسی کو اس کی قدرت میں شریک قرار دیا جائے۔ اور تم نے جو مطالبہ کیا ہے اس پر خدا کے سوا  
 کوئی قدرت نہیں رکھتا۔ میں تو دوسرے رسولوں کی طرح صرف اس کا بھیجا ہوا آدمی ہوں اور وہ بھی اپنی اپنی قوم  
 کے مطابق معجزے دکھاتے تھے۔ اور معجزات کا فہم کرنا خدا کے ارادہ اور اس کی قدرت سے وابستہ ہے نہ کہ  
 اس کے ارادہ و قدرت سے۔

۱۲۔ دہ عالم ارشاد فرماتا ہے وما کان لرسول ان یأتی بآیۃ الا باذن اللہ دہ ص ۱۲ اور کسی پیغمبر  
 کی یہ مجال نہ تھی کہ کوئی معجزہ خدا کے اذن بغیر دکھائے۔



صاحب تفسیر صافی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں وما تم له دلہ لیکن فی وسعہ ان یاقی بایۃ یقتصر علیہ  
وحکمہ یلتمس منه الاباذن اللہ فانہ القادر علی ذلک یعنی نہ تو کسی رسول کے لئے یہ صحیح ہے اور نہ ہی اس  
کی قدرت میں ہے کہ وہ اس معجزہ کو پیش کرے جس کا اس سے مطالبہ کیا جاتا ہے مگر اللہ کے اذن و امر سے کیونکہ وہی  
اس کے ظاہر کرنے پر قدرت رکھتا ہے۔

(۳) بنی اسرائیل کے لئے دریا میں بارہ مائتوں کا بن جانا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مشہور معجزہ ہے مگر اس  
کے متعلق خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے واذ فرقنا بکم البحر فانجینکم (پہلے پھر ۶) یا ذکر و اس وقت  
کو جب کہ ہم نے دریا کو شکافتہ کیا۔ اور تمہیں نجا دیا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ راستہ بنانا اور بنی اسرائیل  
کو فرعون کے شر سے نجات دینا خداوند عالم کا فعل تھا نہ کہ جناب موسیٰ کا۔ وہاں مطلوب۔

(۴) آتش فرود دہی کا گلزار ہونا حضرت خلیل الرحمن کا مشہور معجزہ ہے مگر خداوند عالم اس کے متعلق ارشاد فرماتا  
ہے۔ قلنا یا نادر کوئی بردا و سلاما علی ابراہیم (پہلے پھر ۵) ہم نے کہا اے آگ! ہٹھنڈی اور ابراہیم  
کے لئے سلامتی کا باعث بن جا۔ یہ آیت اس بات پر نص صریح ہے کہ یہ کارنامہ خود قدرت کاملہ نے انجام دیا تھا۔ اس میں  
حضرت ابراہیم کی طاقت و قدرت کو کوئی دخل نہیں ہے۔ بل اس کا ظہور آپ پر ہوا۔ علامہ محمد بن علی بن شہر آشوب  
فرماتے ہیں قبل ان اللہ تمحدث فیہا بردا وامن لیلۃ الحارۃ التی فیہا فلم توحودہ وقیل انہ تعالیٰ  
حال بینہا و بین جسمہ فلم تصل الیہ (منتشبات القرآن ۱۵۵) یعنی اس کے متعلق ایک قول یہ  
ہے کہ خدا نے قدریئے آگ میں حور و دگری کی بجائے برودت و سردی پیدا کر دی تھی اس لئے آگ نے انجناب  
کو کوئی اذیت نہ دی اور دوسرا قول یہ ہے کہ خداوند عالم حضرت ابراہیم کے جسم اقدس اور آگ کے درمیان حائل ہو گیا  
تھا۔ اس لئے آگ آپ تک نہ پہنچ سکی۔

(۵) سرکار ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بجد عنصری معراج پر تشریف لے جانا ان حضرت کے معجزات میں  
سے ہے مگر قرآن کی آیت مبارکہ سبحان الذی اسری بعبدہ لیلًا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی  
الذی بادکنہ اولہ.... "پاک ہے وہ خدا جو اپنے عبد خاص کو رات کے ایک سہجہ میں مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ  
تک لے گیا" سے بعبارۃ النص واضح ہوتا ہے کہ درحقیقت یہ فعل خدا تھا۔ نہ فعل رسولؐ؛ آنحضرتؐ جانے والے  
تھے۔ نہ جانے والا خداوند عالم تھا۔

(۶) قرآن مجید سرکار رسالتؐ کا معجزہ خالدہ ہے اور تمام معجزات سے افضل و اشرف ہے ظاہر ہے کہ اس کو  
آپ حضرت کا معجزہ محض اس لئے قرار دیا جاتا ہے کہ اس کا نزول آپ کی ذات بابرکات پر ہوا ہے و نزول بہ الوجہ  
الامین علی قلبک لتکون من المذدین، اور نہ یہ حقیقت عیاں راجحہ بیان کی مصداق ہے کہ یہ خالق کلام کا کلام



مذکور نظام ہے۔ دو ٹائیکرو احد

(۸) پیغمبر اسلامؐ کا یہ فرمان آج بھی قرآن میں موجود ہے۔ جو انہوں نے عذابِ خداوندی کا مطالبہ کرنے، اے کفار کے جواب میں بامرازی و نفرت فرمایا تھا۔ قل لو ان عندی ما تستعجلون بہ لقضی الامر بینکم و بینکم و اللہ اعلم بالنظامین (پس انہ نعام ع ۱۳) ”اور ان لوگوں سے کہو کہ میں (عذاب) کی تم جلدی کرتے ہو۔ اگر وہ میرے اختیار میں، ہوتا تو میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کب کا چیک گیا ہوتا۔ اور خدا تو ظالموں سے خوب واقف ہے“

چونکہ کفار نزولِ عذاب کا مطالبہ کر رہے تھے۔ ان کے جواب میں رسولؐ نے حکمِ ایزدی اعلان کر دیا کہ صاف عندی ما تستعجلون بہ ان الحکم الا للہ، تم جن کی جلدی کرتے ہو (عذاب) وہ کچھ میرے پاس (اختیار میں) تو ہے نہیں حکومت تو بس صرف خدا ہی کے لئے ہے۔ معلوم ہوا یہ امور جو خارقِ عادت ہیں۔ ان کا فاعل حقیقی خداوندِ عالم ہے۔ نبیؐ صرف اس کی استدعا کرتا ہے حضرت نوحؑ بارگاہِ قدرت میں عرض کرتے ہیں۔ ”رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیاؤرا۔ اب خوفان بھیجنا اور تمام منکرین کو نیست و نابود کر دینا خدا کا کام ہے۔

(۹) ان کے اعتراض اور رسولؐ کا جواب اس سلسلہ میں غرضاء کا کام دیتا ہے ”قالوا لو انزل علیہ آیت من سماء قل ان اللہ قادر علی ان ینزل آیت و لکن اکثر الناس لا یشکرون (پس انہ نعام ع ۱۰)“ اور کفار کہتے ہیں کہ اگر خدا اس نبیؐ پر اس کے پروردگار کی طرف سے کوئی معجزہ کیوں نہیں نازل ہوتا؟ تو تم (ان سے) کہہ دو کہ خدا معجزے کے نازل کرنے پر ضرور قادر ہے مگر ان میں سے اکثر لوگ (خدا کی مصلحتوں کو) نہیں جانتے۔ اس آیت مبارکہ سے بھی بشارتِ انصاف ظاہر ہوتا ہے کہ معجزات کا ظاہر کرنا درحقیقت خدا کے قدیر و بصیر کا کام ہے۔ جنہیں وہ چاہتی ہے قدرت کے تحت ظاہر کرتا ہے۔

(۱۰) خداوندِ عالم کفار کے انکار و مجحد کی کیفیت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے و اقسموا یا اللہ جہدا ایما ذلہم لئن جاء تم ایتہ لبؤ من مہا قتل انما الایات عند اللہ و ما یشعروکہ انہا اذا جاءت لا یؤمنون۔ (پس انہ نعام ع ۱۷) ”اور ان لوگوں نے خدا کی سخت سخت قسمیں کھائیں کہ اگر ان کے پاس کوئی معجزہ آئے تو وہ ہرگز اس پر ایمان نہ لائیں گے۔ (اے رسولؐ) تم کہو کہ معجزے تو بس خدا ہی کے پاس ہیں، اور تمہیں کیا معلوم یہ آیت کہ جب معجزہ وہی آئے گا۔ تو بھی یہ ایمان نہ لائیں گے۔ (ترجمہ قرآن) اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں حاشیہ رسولؐ ان فرما علی صاحبہم لکھتے ہیں۔

”ایک دفعہ کفار فرشتوں نے حضرت رسولؐ سے کہا آپ خود کہتے ہیں کہ موسیٰؑ نے پتھر سے پستے نکالے

پتھر سے مردے زندہ کئے۔ صابح نے پہاڑ سے اذنی نکالی۔ بھلا آپ بھی تو کچھ دکھائیے۔ آپ نے پوچھا



تم لوگ کیا چاہتے ہو؟ وہ بولے کہ وہ صفا سونے کا ہو جائے۔ آپ نے پوچھا اگر سو جائے تو ایمان لاؤ گے؟ وہ بولے ضرور۔ اور اس پر سخت سے سخت قسمیں بھی کھائیں۔ یہ سن کر آپ دعا کرنا چاہتے ہی تھے کہ جبرئیل نازل ہوئے اور خدا کا پیغام پہنچایا کہ میں تمہاری دعا سے اس پہاڑ کو سونا بنا دوں گا۔ مگر یہ یاد رہے کہ اگر یہ لوگ اس پر بھی ایمان نہ لائے تو سخت سے سخت عذاب نازل کر کے ان کی سیخ کنی کر دوں گا۔ اب تم جس شق کو چاہو اختیار کرو۔ آپ نے ان کی حالت پر غور کر کے اس سے درگزر کی۔ (حماثل فرمان ص ۲۲۴)

اس کے بعد بھی یہ حقیقت کسی مزید ثبوت کی محتاج رہ جاتی ہے۔ کہ معجزہ خدا کا کام صرف دعا و استدعا کرنا ہوتا ہے۔ معجزہ کا خاہر کرنا خدا نے عزوجل کا کام ہے۔

(۱۰) حضرت عیسیٰ پر اندوہ آسانی کا نازل ہونا ان کا مشہور معجزہ ہے مگر اس کی کیفیت قرآن نے بیان کی ہے وہ اس بات کی قسمی دلیل ہے کہ معجزہ کا حقیقی فاعل خداوند کریم ہی ہے۔ ہاں اہل بیت دعا دیکھا کرتا نبی و امام کا کام ہے اور پھر اس کا ظہور بھی انہی کے مقدس ہاتھوں پر ہوتا ہے۔ بخاری میں حضرت عیسیٰ سے کہتے ہیں هل یستطیع ربک ان یازل علینا مانند ما من السماء الایۃ؟ کیا آپ خدا اس پر قادر ہے کہ ہم پر آسمان سے (نعمت کا) ایک خوان نازل فرمائے (ال ان قال) قال عیسیٰ بن مریم اللہم ربنا انزل علینا مانند ما من السماء الخ مریم کے بیٹے عیسیٰ نے عرض کی۔ خداوند! اے ہمارے پالنے والے! ہم پر آسمان سے ایک خوان نعمت، نازل فرما، الخ

اس کے حاشیہ پر مولانا فرما علی صاحب لکھتے ہیں۔ ”جب حضرت عیسیٰ نے حواریوں کی فرمائش سے خوان کے نازل ہونے کی دعا کی تو خدا نے ایک سفید ابر کے ٹکڑے میں ایک سرخ خوان زمین کی طرف اُٹھارا اور لوگوں کے دیکھتے ہی دیکھتے حواریوں کے پاس آپہنچا۔ الخ (حماثل فرمان ص ۲۲۵)

(۱۱) وقالوا لولا انزل علیہ آیت من ربہ۔ قل انما الایۃ عند اللہ وانما انا نذیر صبیۃ (پاس منکبوست) اور کفار و عرب کہتے ہیں کہ اس (رسول) پر اس کے پروردگار کی طرف سے معجزے کیوں نازل نہیں ہوتے۔ اے رسول! ان سے کہہ دو کہ معجزے تو بس خدا ہی کے پاس ہیں اور میں تو صرف صاف صاف (عذاب خدا سے) ڈراتے والا ہوں۔ اس آیت مبارکہ سے یہی روز روشن کی طرح واضح ہوتا ہے کہ معجزات تو خدا نے قدیر کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ وہی ان کو اپنی قدرت کاملہ و حکمت بالغہ سے نبی و امام کے ہاتھوں پر ظاہر کرتا ہے۔

(۱۲) و انق عصاک فلما راھا تہتز کانتھا جان ولی مدبر اولہ یعقب یموسى لا تخف انی لایحیات لمدتی المرسلون (پاس المنکبوست) اور انا اپنی چھڑی تو (زمین پر) ڈال دو تو جب موسیٰ نے اس کو دیکھا کہ وہ اس گہرا رہی ہے گو یا وہ زندہ اُڑ رہی ہے تو پچھلے پاؤں ہلکا چلے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ (تو ہم نے کہا) اے موسیٰ۔ ڈرو نہیں ہمارے پاس تو پیغمبر لوگ ڈرا نہیں کرتے یہ مطمئن ہو جاتے ہیں (ذکر محمد فرمان) یہ آیت مبارکہ اس مطلب پر نص صریح



باصحیح ہے کہ حضرت موسیٰ کا کام صرف عصا کا پھینکنا تھا۔ اب اسے اتر دھانا اور پھر اسے اپنی اصلی شکل (عصا) میں لوٹانا خدا کا کام تھا۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اگر عصا کا اتر دھانا جناب موسیٰ کا فعل ہوتا تو پھر ان کے اس سے زود اور بے تحاشا پھلے پاؤں دوڑنے کا کیا مطلب؟ بھلا کوئی صانع اپنی مصنوعہ کوئی خالق اپنی مخلوق، اور فاعل اپنے فعل سے بھی خائف و ہراساں ہوتا ہے؟ اس کی تائید مزید اس آیت مبارکہ سے بھی ہوتی ہے جس میں قدرت ہے ”مَنْعَبِدْهَا سَبِيْرَتُهَا الْأُولَىٰ“ ہم اس کو اس کی اسی حالت کی طرف لوٹا دیں گے۔ اس کے آشکار ہے کہ خدا اب اسے اصلی شکل کی طرف لوٹا رہا ہے اسی نے اسے موجودہ حالت میں تبدیل کیا تھا۔ اسی وجہ سے تو جناب نے جادوگر ان فرعون سے کہا تھا۔ مَا جِئْتُمْ بِهِ إِلَّا رِيْنٌ وَاللّٰهُ سَبِيْطٌ خَدَّائِرٌ۔ جادو کو باطل کرے گا (عصا کو اتر دیا۔ یہ نہیں فرمایا کہ میں باطل کروں گا۔ معلوم ہوا کہ معجزہ فعل معلوم ہے وہو المطلوب۔

(۱۳) پہاڑوں اور پرندوں کا سحر ہونا، لوہے کا نرم ہونا وغیرہ قدرتِ خدا کے شہو مجرب میں۔ مگر خداوند عالم ان سے تمام افعال کا فاعل اپنی ذات کو قرار دیتا ہے چنانچہ ارشاد فرماتا ہے اِنَّا تَخَوْنَا الْجِبَالَ مَعْدٍ۔ یا مَیْمَنُ الْاَشْرَاقِ۔ ہم نے پہاڑوں کو اس کا تابع بنایا۔ سرے مقام پر فرماتا ہے وَاللّٰلِہُ الْحَمْدُ۔ یہاں ہم نے لوہے کو ان کے لئے نرم کیا اور ایک جگہ ارشاد فرماتا ہے وَتَخَوْنَا مَعْدَ دَاوُدَ الْجِبَالَ یَسْجُدْنَ وَالطَّیْرُ کُنَّا فَاْعَلِیْنَ دَیْمًا (۶) پہاڑوں کو اور کھوکھروں کا تابع بنا دیا تھا کہ ان کے ساتھ (خدا کی) تسبیح کیا کرتے تھے اور پرندوں کو بھی تابع کر دیا تھا، اور ہم کھوپڑیوں کا بھی کیا۔ اس سے پڑھ کر اس بات کا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے اپنے فاعل ہونے کی تصریح فرمادی ہے۔

(۱۴) خداوند عالم اپنے حبیب کو ارشاد فرماتا ہے وَمَا رَمِیتْ اِذْ رَمِیتْ وَلٰکِنْ اَللّٰهُ رَمٰی۔۔۔۔۔ عالم میں سید بن النوری اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

زیرا کہ حق تعالیٰ نسبت میں راداد ذاتِ مقدس خود علی سبیل الواقع والمحققہ۔ وفرمودہ و لکن اللہ رمی۔

ومعورت فعل و رمی را کہ مجاز است نسبت ۱۵) بجناب اقدس نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ و آلہ بن جہت بود کہ سبب نسبت نیز از بجناب فرمودہ و ما رمیت اذ رمیت و لکن اللہ رمی رکفایتہ المومنین ۱۶) ۲۳۷۔

خداوند عالم نے ”رمی“ (کنکرا مارنے) کی نسبت اپنی ذات کی طرف بطور واقع اور حقیقت کے دی ہے چنانچہ ہے ”و لکن اللہ رمی“۔ ہاں بیظاہر کنکرا مارنے کے فعل کو بطور مجاز جناب رسول خدا کی طرف نسبت دی ہے اور اسی کی وجہ سے اس فعل کی آنحضرت سے نفی بھی فرمادی ہے۔ کہ ما رمیت اذ رمیت و لکن اللہ رمی۔

ان آیات مبارکہ سے یہ حقیقت کا شمس فی نصف النہار واضح و آشکار ہو جاتی ہے کہ معجزہ و حقیقتِ خدا نے قادر و قیوم بنوایا ہے۔ ہاں حسب ظاہر اس کا ظہور ربوزچہ کہ انبیاء و اوصیاء سے ہوتا ہے۔ لہذا مجازاً اس کی نسبت ان کی طرف بھی ہے۔ باقی ہے۔ کہ ذلک سبب اللہ آیاتہ لعلک تمہد و ن۔



معجزہ کا فعل خدا ہونا احادیثِ معصومین کی روشنی میں | بکثرت احادیثِ معصومین سے واضح و آشکارا ہوتا ہے کہ معجزہ کا فاعل حقیقی خداوندِ عالم ہے

ہم ذیل میں چند احادیثِ شریفہ پیش کرتے ہیں۔

۱۱ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ایک طویل حدیثِ مبارکہ میں مشرکینِ عرب پر احتجاج کرتے اور بشریتِ رسول کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "انما بعث الله البشر اواظهور على يد المعجزات التي ليست في طائفة البشر الذين قد علمت طائفة قلوبهم فتعلمون بعجزكم عما جاء ان الله معجزة" (احتجاج طبرسی ص ۵ طبع نجف) یعنی خداوندِ عالم نے اس لئے بشر کو منصبِ رسالت پر فائز کر کے بھیجا اور اس کے ہاتھوں پر ایسے معجزات ظاہر فرمائے جو انسانی طاقت و قدرت سے باہر ہیں۔ جن کی طبعیتوں کو تم جانتے ہو تاکہ جب تم اس (رسول) کے لاکھنے (معجزہ) کا مثل نہ لاسکو۔ تو تم کو یقین ہو جائے کہ وہ (جو کچھ لایا ہے) معجزہ ہے۔  
۱۲ ایک مرتبہ کسی شخص نے جناب امیر المومنین کو خشک نان حویں کا ٹکڑا لکھنے پر رکھ کر توڑتے ہوئے دیکھا تو ازراہ تعجب عرض کیا: یا امیر المومنین کیا یہ وہی کھانا نہیں جس سے آپ نے قلعہ خیبر کو اکھاڑا تھا؟ آن جناب نے فرمایا: لا قوت الا لله لا قوتی۔ یعنی وہ خدا کی قوت تھی۔ اور یہ میری قوت ہے (انوارِ نعمانیہ محدث جزاوی ص ۲۲ طبع ایران) کتاب المہملی، ص ۲۲ پر اسی سلسلہ میں آنجناب سے یوں مروی ہے: قلعت باب خیبر بقوة ربانية لا بقوة جسدانية میں نے قلعہ خیبر کو قوتِ ربانیت سے اکھاڑا ہے نہ قوتِ جسمانی سے۔ کتاب روضۃ الواعظین مینا پوری ج ۱ صفحہ ۱۲۷ پر ارشاد اور بھی قدرے شرح و بسط کے ساتھ مذکور ہے: آنجناب سہیل بن حنیف کے نام ایک مکتوب میں فرماتے ہیں: "والله ما قلعت باب خیبر بقوة جسدانية ولا حركة غذائية لكن ايدت بقوة ملكوتية ونفس بنور ربها مضيئة الخ"

اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ معجزہ خدا کی قوت و طاقت سے ظاہر ہوتا ہے

۱۳ احتجاج طبرسی ص ۲۲ نیز مدنیۃ المعاجز ص ۱ پر ایک طویل حدیث کے ضمن میں مذکور ہے: کہ ایک آدمی نے حضرت امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا: انهم يزعمون ان عليا لما اظهر من نفسه المعجزات التي لا يقدر عليها غير الله دل على انه الله ولما اظهر لهم بصفات المحدثين العاجزين لبس عليهم وامتنع عنهم ليعرفوا وليكون ايمانهم اختيارا من انفسهم يعني یہ غالی لوگ گمان کرتے ہیں کہ جب جناب امیر المومنین نے وہ معجزات دکھائے جن پر سوا خدا کے اور کوئی قدرت نہیں رکھتا۔ تو آپ نے اس سے یہ بتلادیا کہ وہ خدا ہیں۔ اور جب لوگوں کے سامنے حادث و عاجز بندوں والی صفات کے روپ میں ظاہر ہوئے تو اس سے آپ کا مقصد لوگوں کا امتحان لینا تھا۔ تاکہ ان کا ایمان اختیار ہی ہو نہ اضطراری۔ یہ سن کر حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا: لعناهم من الله



اذقہ دل علی ان من هذه صفاته وشارك فيها الضعفاء والمحتاجون لا تكون المعجزات فعله فعلمه بهذا ان الذي اظهره من المعجزات انما كانت فعل القادر الذي لا يشبه المخلوقين لا فعل المحدث المحتاج المشارك للضعفاء في صفات الضعف“ وبلکہ حقیقت حال اس طرح ہے کہ جب حضرت امیر المومنین سے نفروفاقتہ ظاہر ہوا تو اس نے یہ امر واضح کر دیا کہ میں شخص کی یہ صفات ہوں جن میں اس کے ساتھ دیگر ضعیف و محتاج انسان بھی شریک ہیں۔ یہ معجزات اس کا فعل نہیں ہو سکتے۔ لہذا اس سے معلوم ہو گیا کہ جس ذات نے یہ معجزات ظاہر فرمائے ہیں۔ وہ اور ہے، یہ اس قادر مختار حق کا فعل ہے جو کسی بات میں بھی اپنی مخلوق کے ساتھ مشابہت نہیں رکھتا۔ یہ اس حادث مخلوق کا فعل نہیں ہو سکتے جو صفات ضعف و کمزوری میں دوسرے ضعیفوں کے ساتھ شریک ہے (کذا فی البحار ج ۳ ص ۳۲۷ والدعمۃ الساکبہ ص ۵۹ وغیرہ)

ہم نے بغضاً تعالیٰ قرآن و حدیث کی نصوص صریحہ و صحیحہ پیش کر دی ہیں کہ معجزہ کا حقیقی فاعل خدا ہے (وکن فاعلین و انما كانت فعل القادر المختار) اور مزید برآں نبی و امام کے فاعل مجازی ہونے کے ثبوت میں قرآن و حدیث سے ان ذات مقدسہ سے اس (فعل معجزہ) کی نفی بھی ثابت کر دی ہے۔ (مارویت - لا تكون المعجزات فعله) اب نبی و امام کو معجزہ کا فاعل حقیقی سمجھنے والے حضرات کے لئے دو ہی راستے ہیں۔ یا اسی طرح قرآن و حدیث کے نصوص صریحہ و صحیحہ سے ان کے فاعل حقیقی اور خدا کے فاعل مجازی ہونے کی تصریح پیش کریں۔ اور عین قائل کرنے کے ساتھ ساتھ منہ مانجے حق الزحمت (انعام) بھی حاصل کریں۔ اور اگر ایسا نہ کر سکیں اور نہ ہی کہتے ہیں (یہ با زور سے آزمائے ہوئے ہیں) تو پھر دوسرا راستہ یہ ہے کہ اپنے خود ساختہ نعرے سے تائب ہو کر کلمہ کھلاق و حقیقت کا اعتراف کریں۔ اور اپنی بھول بھلیوں سے لوگوں کو گمراہ نہ کریں۔

(۴) جناب امام محمد باقر علیہ السلام نے کعبہ کے خشک درخت سے ناز و کجوریں اصحاب کو کھلائیں۔ وہاں ایک بدو موجود تھا۔ وہ یہ معجزہ دیکھ کر کہنے لگا۔ میں نے آج بچشم خود جادو کر دیکھا ہے۔ امام نے فرمایا۔ لا تکن بن علینا اهل البیت فانه ليس منّا ساحر ولا كاهن ولكن علمنا اسماء من اسماء الله تعالى فسنل بها فتعطي دندعو فنجاب (دعمہ ساکبہ ص ۵۹) ہم اہل بیت پر جھوٹ نہ بولو۔ ہم میں نہ کوئی ساحر ہے۔ اور نہ کاهن۔ بلکہ (حقیقت الامر یہ ہے کہ) ہمیں خدا کے اسماء میں سے کچھ اسم (اعظم) تعلیم دیئے گئے ہیں۔ جب ان کے ذریعہ سے سوال کرتے ہیں۔ تو ہمیں (ہمارا) دعا مل جاتا ہے۔ اگرچہ دعا کرنے میں تو وہ سستجاب ہو جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ معجزہ کا ظہور اسم اعظم کے ذریعہ دعا کرنے کا ثمرہ و نتیجہ ہے۔ چنانچہ ہفتم بجا رہا کہ پر ایک مستقل باب موجود ہے جس کا عنوان ہے ”ان عندہم الاسماء الاعظم و بہ تظہرو عنہم الغرائب“ یعنی ”اہل البیت کے پاس اسم اعظم موجود ہے جس کی وجہ سے ان سے عجائب و غرائب (معجزات) ظاہر ہوتے ہیں۔“



(۸) جناب آصف بن برخیا کچھ ماہ کی مسافت بعیدہ کے چشم زدوں میں تخت بلقیس کو حاضر کرنا قرآن و حدیث میں مذکور ہے۔ اور اس امر کو ان کا معجزہ سمجھا جاتا ہے۔ تفسیر صافی تفسیر البیروتی مازنی اور تفسیر نور الشعلین وغیرہ میں مذکور ہے کہ ایک پاس (اسم اعظم کے تہتر اسمائیں سے) صرف ایک "اسم اعظم تھا۔ جب اس کے ذریعہ دعا کی تو خدا نے چشم زدوں میں تخت بلقیس کو حاضر کر دیا۔ اس کی تائید مزید صحیفہ علویہ کی دعائے روز پانزدہم سے بھی ہوتی ہے۔ جناب امیر علیہ السلام بارگاہ ایزدی میں عرض کرتے ہیں۔ واسئلك باسمك الذي سئلك به عبدك الذي كان عنده علم من المكنث فانتبته العون قبل ان يوتد اليه طرفه فاسئلك به وادعوك اللهم بمجادعك به فاستجبت له فاستجب لي الخ۔ میں تیری بارگاہ میں اس اسم کے ذریعہ سے سوال کرتا ہوں جس کے ذریعے سے تیرے اس بندے نے تجھ سے سوال کیا تھا جس کے پاس حضور ابراہیم علیہ السلام تھا۔ (اور اس کی بدولت) تو نے تخت (بلقیس) کو آنکھ جھپکنے سے پہلے حاضر کر دیا تھا۔ میں اسی کے ذریعہ سے سوال و دعا کرتا ہوں جس کے ذریعہ سے انہوں نے دعا کی تھی۔ اور تو نے اسے مستجاب کیا تھا۔ میری دعا کو بھی مستجاب فرما صحیفہ علویہ میں مگر موجودہ دور کے مدعیان علم و تحقیق کی تحقیق یہ ہے کہ تخت بلقیس خود جناب امیر علیہ السلام نے حاضر کیا تھا۔

بسوخت عقل زجیرت کہیں چوبو العجبی است

کجا قال الذی عنده علم من المکنث کا مصداق اور کہا "من عنده علم المکنث کا مصداق۔ کہا ایک اسم اعظم رکھنے والے کا مقام اور کہا بہتر اسم اعظم رکھنے والے کی شان۔

(۹) ایک طویل حدیث میں جناب امیر علیہ السلام چند مردوں کے زندہ کرنے کا ذکر ہوا میں الفاظ کرتے ہیں فذعوت اللہ تعالیٰ فقاموا من قبورهم ینفخون النواذب من رؤسهم باذن اللہ عزوجل۔ میں نے خدا سے دعا کی۔ پس وہ مرد قبروں سے اس طرح اٹھ کھڑے ہوئے کہ سروں سے مٹی جھاڑ پے تھے باذن اللہ۔ (الدرعۃ الساکبج ج ۱) معلوم ہوا معجزہ فنا کا کام دعا کرنا ہے۔ اس کے بعد ایجاد فعل خدا کا کام ہے۔

(۱۰) جناب سلمان بخاری فرماتے ہیں لو قسم بالوحسن علی اللہ ان یحیی الاولین والاخرین لا حیاءم اگر جناب ابو الحسن (علی) خدا کو قسم دیں کہ وہ اولین و آخرین کو زندہ کر دے۔ تو یقیناً خدا ان سب کو زندہ کر دے گا۔ (الدرعۃ الساکبج ج ۱ ص ۱۲۹) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب سلمان جیسے عارف اہل بیت کا عقیدہ بھی یہی تھا کہ نبی و امام دعا کرتے ہیں۔ اور درحقیقت معجزہ خدا ظاہر کرتا ہے۔

(۱۱) درعۃ ساکبج ج ۱ ص ۱۳ پر جناب امیر علیہ السلام کے کچھ مبروص، نابینا اور زمین گیروں کو تندرست کرنے کے متعدد واقعات مذکور ہیں مگر سب میں کہیں یہ مذکور ہے کہ "فصلی علی اربعاً" کہ آنجناب نے چار رکعت نماز پڑھ کر یہ معجزہ دکھایا۔ کہیں یہ کتب ہے "دعا بدعوات" آپ نے کئی دعائیں پڑھیں۔ کہیں یہ مرقوم ہے "اخرج رجلاً صفراء فقروا علیہم" نہ رنگ کا چمڑا نکالا اور اس میں سے کچھ ٹپچا۔ سب کا نتیجہ ایک ہی ہے کہ معجزہ فنا اسم اعظم



کے ذریعہ خدا سے دعا و استدعا کرتا ہے اور خدا نے قدر فرما کر اس کے اثر کو ظاہر کر کے معجزات ظاہر کر دیتا ہے۔

(۹) جب جناب رسول خدا نے پہاڑ کو اپنی جگہ سے پٹانے کا معجزہ کفار قریش کو دکھایا۔ تو وہاں بجادہ عمر و آلہ الہیتین کہہ کر دعا فرمائی۔ اسی حدیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ انبیاء مرسلین کے مشکلات و مصائب بھی انہی بزرگوں کے ساتھ توسل حاصل کرنے سے فوری ہوئے۔ (استحاج طبری ص ۲۲ طبع بغداد)

(۱۰) جناب امام رضا سے مروی ہے کہ خدا نے جب حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے ہاتھوں پر پرندوں کو زندہ کیا دھن کا تذکرہ قرآن مجید میں موجود ہے) تو پرندوں نے کہا ”یا نبی اللہ! احييتنا احيّاك اللہ۔ آپ نے ہمیں زندہ کیا ہے خدا آپ کو زندہ رکھے۔ جناب خلیل نے جواب میں فرمایا ”بل اللہ یحیی ویمیت وہو علی کل شیء قدیر“ میں نے تمہیں زندہ نہیں کیا بلکہ خدا ہی زندہ کرتا اور مارتا ہے اور وہ ہر شیء پر قادر ہے۔ (استحاج طبری ص ۲۲ تفسیر صافی ص ۱۶۱ الخصال ص ۱۶۱ وغیرہ) اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ ان پرندوں کی طرح عقل و بصیرت سے بے بہرہ ہیں۔ وہ ظاہر پر فریفتہ ہو کر معجزہ کو معجزہ نہ کہتا ہی نقل سمجھتے ہیں۔ لیکن ثررف بین نگاہ رکھنے والے جانتے ہیں کہ یہ سب کچھ درحقیقت قادر مطلق کی قدرت کا لہ کا کرشمہ ہے۔ وہو علی کل شیء قدیر

(۱۱) حبابہ و البیض بیان کرتی ہیں کہ میں امام حسین کی خدمت میں دیہ سے حاضر ہوئی۔ امام نے ”ماخیر کا سبب دریافت فرمایا۔ میں نے اپنے برص کی شکایت کی۔ یہ سن کر آپ نے اپنا دست مبارک مقام ہر دم پر رکھا۔ اور دعا پڑھ کر بیدار ہوئی و رفع یدہ و کشف اللہ، ذلک البوص“ اور دعا کرنا شروع کی حتیٰ کہ جب آپ نے اپنا ہاتھ اٹھایا تو خدا نے برص کی تکلیف دور فرمادی تھی۔ (رجال کشی ص ۱۵۱) برص ان امراض میں داخل ہے کہ جن کے مریضوں کی شفا دینا قرآن میں جناب عیسیٰ کے معجزات میں شمار کیا گیا ہے۔ امام نے بھی یہ معجزہ دکھایا۔ مگر کس طرح؟ دعا امام نے کی شفا خدا نے دی۔ جناب حبابہ نے کس حسین انداز سے اس حقیقت کو بیان کیا ہے کہ معجزہ کا حقیقی فاعل خدا و مد عالم اور مہا زری امام عالی مقام ہے۔ !!

(۱۲) جناب امام رضا علیہ السلام علامات و دلائل امامت کے سلسلہ میں فرماتے ہیں و دلالة فی خصائص فی العلم و استجابة الدعوة الخ امام کی شناخت و باتوں سے ہوتی ہے۔ ایک علم کی کثرت سے کہ الحجۃ من لا یقول لا ادعی، دوسرے دعا کے مستجاب ہونے سے (حمیون اخبار الرضا ج ۱ ص ۲۱۱) یہاں استجابة الدعوة سے مراد معجزہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ معجزہ بھی استجابة دعا کی ایک قسم ہے۔ یہ دعا اگر عام عادی امور کے متعلق ہو تو اس کے دعا کو مستجاب الدعالمہ دیا جاتا ہے۔ اور اگر غارق حادث امور سے متعلق ہو جیسے معجزہ دکھانا جاتا ہے۔ قدر جیداً

(۱۳) ابی خالد کا بی بی بی بن ام الطویل سے نقل کرتے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ ہم حضرت امام حسین کی خدمت میں حاضر تھے۔ کہ اس شان میں ایک نوجوان روتا ہوا آیا۔ آنجناب نے اس سے روئے کا سبب پوچھا۔ اس نے کہا کہ ابھی ابھی



میری والدہ کا انتقال ہوا ہے اور وہ مالدار تھی۔ مگر وہ اس کے متعلق کوئی وصیت نہیں کر گئی اور نہ ہی اس کا کوئی آئندہ پتہ بتا گئی ہے البتہ اس نے مجھے یہ حکم دیا تھا کہ اس کی تجہیز و تکفین سے قبل آپ کو اس کی موت کی اطلاع دیدوں۔۔۔ میں کہ امام علیہ السلام نے فرمایا چلو اس مومنہ کے پاس چلیں۔ چنانچہ جب ہم اُس کے گھر کے دروازے پر پہنچے تو دیکھا کہ وہ عورت مردہ حالت میں کپڑے میں ڈھانپی ہوئی پڑی ہے۔ امام علیہ السلام نے وہیں دروازہ کے پاس کھڑے ہو کر دعا پڑھ لی۔ اسی دعا کی وجہ سے وہ حالت میں کپڑے میں ڈھانپی ہوئی رہی۔ امام نے بارگاہِ احدیت میں دعا کی۔ تاکہ خدا اسے زندہ کرے اور وہ اپنے حسبِ منشاء وصیت کرے۔ امام کی دعا کے نتیجہ میں قادرِ مطلق نے اس کو زندہ کر دیا۔ اور وہ کلمہ شہادت پڑھتی ہوئی اٹھ کر بیٹھ گئی۔

امام علیہ السلام کو دیکھ کر عرض کیا۔ ادخل البیت یا مولائی و صوفی بامولک میرے آقا اندر تشریف لائے۔ اور اپنے حکم سے آگاہ فرمائے۔ چنانچہ امام عالی مقام اندر تشریف لے گئے۔ اور تکیہ پر بیٹھ گئے پھر اس مومنہ سے فرمایا ”وہی ریحک اللہ“ خدا تم پر رحم کرے اپنی وصیت کر۔ اُس نے عرض کیا یا بنِ رسول اللہ! میرے پاس اتنا اتنا مال ہے جو فلاں جگہ رکھا ہے۔ اس کا قیصر و حقدہ تو میں آپ کی نذر کرتی ہوں۔ تاکہ آپ جہاں مناسب سمجھیں اپنے محبوبوں کو صرف فرمائیں اور دو جتنے اپنے اس بیٹے کو دیتی ہوں۔ بشرطیکہ آپ کے نزدیک آپ کے محبوبوں میں شامل ہو۔ ورنہ یہ بھی آپ کا مال ہے۔ فلاحق للمخالفین فی اموال المومنین کیونکہ مخالفین کا اہل ایمان کے مال پر کوئی حق نہیں ہے۔ پھر اس مومنہ نے امام سے التماس کیا کہ اس پر ناز جنازہ پڑھائیں۔ اور اس کی تجہیز و تکفین کا خود انتظام فرمائیں۔ اس کے بعد وہ سابقہ حالت کی طرف لوٹ گئی (یعنی مر گئی)

۴۱ ابوب ابنِ اعین حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام کے زمانہ میں ایک عورت آیام حج میں طواف کر رہی تھی۔ اور اس کے پیچھے ایک مرد بھی طواف میں مشغول تھا۔ اتنا بے طواف میں عورت نے اپنی کلائی بائیں نکالی۔ اور اُس مرد نے اپنا ہاتھ اس کی کلائی پر رکھ دیا۔ خدا نے اس کا ہاتھ وہیں کلائی میں گاڑ دیا۔ طواف منقطع ہو گیا۔ لوگ اس مرد عورت کو پکڑ کر حاکم مکہ کے پاس لے گئے اُس نے فقہاء کی طرف رجوع کیا۔ سب نے یہی فتویٰ دیا۔ کہ اس مرد کا ہاتھ کاٹ دینا چاہیے۔ کیونکہ اس نے خائفہ خدا میں مجرمِ شیع کا ارتکاب کیا ہے۔ حاکم نے پوچھا آیا یہاں اولاد رسول میں سے کوئی بزرگ موجود ہیں۔ لوگوں نے کہا ہاں! گزشتہ شب حضرت امام حسین تشریف لے آئے ہیں۔ اس نے امام عالی مقام سے دربار میں تشریف لانے کی استدعا کی۔ جب آپ تشریف لائے تو اُس نے تمام صورتِ حالات عرض خدمت کی۔ فاستقبل القلیۃ و دفع ید یہ فمکت طویلا یدعو۔ امام علیہ السلام رو بقبلہ دست دعا







حوالہ کرتے ہوئے فرمایا۔ فاذا فاضت دما فاعلمی انی قتلت جب اس سے خون اُبھنے لگے تو سمجھ لینا کہ میں شہید ہو گیا ہوں۔ جناب ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ جب روزِ عاشورہ طبر کے بعد میں نے دونوں شیشیوں کو دیکھا تو اُن سے خون اُبل رہا تھا۔ اُس وقت میں ٹھوٹ کر روئی۔ (نفس المہبوم ص ۷۷ وغیرہ)

۱۱۔ معجزہ روا الشمس میں تمام اربابِ سیر و تواریخ نے یہی لکھا ہے۔ کہ چونکہ جناب رسول خدا کو وحی ہو رہی تھی۔ اور آپ کا سر اقدس حضرت امیر علیہ السلام کے زانو پر تھا جناب امیرؓ فاذنہ پڑھ سکے۔ (بروائے اشارے سے ادا فرمائی) جب سلسلہ وحی ختم ہوا تو سورج غروب ہو چکا تھا۔ جب آپ کو حضرت امیرؓ کی نماز کی حقیقت حال معلوم ہوئی۔ تو بارگاہِ ایزدی میں یوں دعا کی۔ اللہم ان کان علی فی طاعتک و طاعة رسولک فود۔ علیہ الشمس یصلی صلوٰۃ الدامۃ الساکبۃ (۱۳۱) ”پس حضرت دعا کر دے خداوند اعلیٰ در طاعت تو و طاعت رسول تو پود۔ آفتاب را بگردان رخی البیقین علامہ عبّاسیؒ (۳۱) بار الہا! چونکہ علیؓ تیری اور تیرے رسولؐ کی اطاعت میں مشغول تھا۔ اس لئے آفتاب کو پٹا دے۔ چنانچہ آفتاب نفیساتِ عصر کے وقت تک پٹا آیا۔ اس واقعہ سے بھی یہی واضح ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ نے دعا کی اور خدا نے سورج کو پٹایا۔

۱۲۔ اسی طرح معجزہ شق القمر کے وقت آنحضرتؐ کا بارگاہِ ایزدی میں دعا کرنا کتبِ سیر و تواریخ میں مذکور ہے۔ فضئل رسول اللہ، ربہ ان یعطیہ ما قالوا فان شق القمر فلقین ”یعنی آنحضرتؐ نے اپنے پروردگار سے سوال کیا کہ کفار قریش پر سزا لے کر رہے ہیں وہ آپ کو عطا فرمائے۔ چنانچہ فوراً چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے (الدما الساکبۃ ۳۱) اس سے ظاہر ہے کہ دعا آنحضرتؐ نے کی اور چاند کو دو ٹکڑے خدا نے کیا۔ اگر بنظرِ فاعل معجزات رسول خدا و ائمہ ہدی کا جائزہ لیا جائے تو ہر جگہ یہی سلسلہ جاری و ساری نظر آئے گا۔ فکشفنا عنک غطاؤک فیصرک الیوم حدید۔

**ایک ضروری وضاحت** یہ اور بات ہے کہ موقعِ محل کے مناسبت سے بعض اوقات معجزہ نما چتر رکعت نماز پڑھتا ہے۔ بعض اوقات طویل دعا و پکار کے بعد معجزہ دکھاتا ہے۔ بعض اوقات دیکھا کہ کچھ بھی نہیں ہوتا بلکہ براہِ راست کسی چیز کو کوئی حکم دے دیتا ہے اور وہ چیز حسبِ حکم ویسی ہو جاتی ہے جیسے جناب امام موسیٰ کاظمؑ کا شیر قالمین کو عجم شیر بن کر مارون عباسی کے جادوگر کو نکلنے کا حکم دینا اور کافرانہ الفجر حقیقی شیر بن کر اس کو نغمہ بنالینا وغیرہ۔ یہاں بھی درحقیقت اہم اعظم ہی کا کرشمہ کار فرما ہوتا ہے۔ قرآن میں موجود ہے کہ جناب آصف بن برخیا نے آنکھ بھینکنے سے پہلے چھ ماہ کی مسافت سے تختِ بلقیس کو حاضر کر دیا تھا۔ قرآن میں کہیں کچھ پڑھنے پڑ جانے کا کوئی تذکرہ نہیں۔ لیکن ایسی ارشاداتِ معصومہ کی روشنی میں اُپر ثابت کیا جا چکا ہے۔ کہ اُن کے پاس اہم اعظم کا ایک حرف تھا جس کے ذریعہ دعا کی تھی۔ اور خدا نے تختِ حاضر کر دیا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دعا



کے لئے کوئی لیا چوڑا وقت درکار نہیں ہے۔ پس ادھر ارادہ ہوا۔ خدا سے قلبی رابطہ قائم کیا اور ہر راہ راست اس شئی کو علم سے دیا۔ خدا فوراً اس کا اثر ظاہر کر دیتا ہے۔ اب ایک ظاہر میں تو اس کو یقیناً اس معجزہ کا ہی فعل سمجھے گا۔ مگر میں کی نگاہ میں اصل ستائش پر ہوگی۔ وہ یہ کہ گوارہ المہجرات فخل القادر المختار الذی لا یشبہ المخلوقین لا فعل محدث المختار المشارك للضعفاء فی صفات الضعف" ارشاد امام رضاؑ (ج ۲ ص ۲۳۳)

حجرہ کا فعل خدا ہونا علماء متقدمین و متاخرین کی تحقیقات کی روشنی میں | اس سلسلہ میں اس قدر علماء اعلام کے کلام یقینت ترجمان پیش نظر میں کہ سب کے پیش کرنے کے لئے ایک فکر درکار ہے مگر انتصار مانع ہے اس لئے صرف مشاہیر اعظم کے کلمات شافیہ کو کھل البصیرت کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) علامہ ابو الفتح الکراچی دہلیزی رشید حضرت شیخ مفید علیہ الرحمہ اپنی مشہور کتاب کثر الغنائم فی شرح تفسیر فیہما علی اللہ فضائلہ علی خلقہ و جعلہم خلفاء القائمین بحقہ دانہ اظہر علی ایدہم المعجزات تصدیقا بہ فیہما ادعویہ من الانبیا و الاخبار یعنی خداوند عالم نے ائمہ طہرینؑ کو اپنی تمام مخلوق پر فضیلت عطا فرمائی ہے اور ان کو اپنے حقوق کے بحالانے والے خلفاء و پیشوا بنایا ہے۔ اور ان کے ہاتھوں پر معجزات کو ظاہر کیا تاکہ ان کے اخبار و آیات کی تصدیق ہو جائے۔ اسی کتاب مستطاب کے ص ۱۱۱ پر اس مطالب کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے۔

لایات النبی تھم علی ایدہم ہی فعل اللہ دونہم اکو صہم بہا و لا صنع لہم فیہا و انہم بشر حد ثون و عباد مصلحون لا یخلقون ولا یرزقون الخ یعنی وہ آیات و معجزات جو ائمہ اطہارؑ کے ہاتھوں پر برپا ہوتے ہیں وہ خدا کا فعل ہیں۔ ان بزرگواروں کا فعل نہیں۔ خدا نے ان کے ہاتھوں پر انہیں ظاہر کر کے ان کی توقیر و تکریم فرمائی ہے۔ ان حضرات کو ان امور میں کوئی دخل نہیں۔ اور یہ بزرگوار بہتر حادث میں (مذہب) اور خدا کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ انہوں نے یہ نہ پیدا کرتے ہیں اور نہ ہی رزق دیتے ہیں۔

(۲) حضرت شیخ طوسی، شیخ طبرسی اور جناب ملا حسن فیض کاشانی کی اس سلسلہ میں تحقیقات انبیہ اسی باب میں مسئلہ کی پہلی آیت مبارکہ کی تفسیر میں ان کی تفاسیر نبیان، مجمع البیان اور صفاتی سے پیش کی جا چکی ہیں۔ کہ سب حضرات بڑے کوفعل خدا سمجھتے ہیں۔ فراجع۔ مزید برآں آخر الذکر کی کتاب علم الیقین ص ۱۱۱ سے یہاں ایک سوال پیش کیا جاتا ہے اب موصوف ان حضرات کے دلائل نہایت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ قد حق اللہ العادہ علی میدہ صلوات اللہ علیہ والہ غیر صریحہ اذ شق القمر بکلمۃ لہا مسئلۃ القولیش ایۃ اللہ یعنی خداوند عالم نے آنحضرتؐ پر حق پرست پر کسی مرتبہ خارق عادت امور و معجزات کو ظاہر فرمایا جیسے ان کے لئے مگر میں شوق القمر کیا روشنی نے آپؐ سے یہ حجرہ طلب کیا تھا۔



(۵) حضرت علامہ علی علیہ الرحمہ شرح تجرید ص ۱۸ شرائط معجزہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ الثانی ان یکون من قبل اللہ او بامولہ۔ دوسری شرط یہ ہے کہ معجزہ منجانب اللہ یا اس کے امر سے ہو اور اس بارہ کی وضاحت اسی باب کے آخر میں تبدیل ازالہ شکوک و شبہات ملاحظہ ہو!

(۶) سرکار علامہ مجلسی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں من اعتقد ان المعجزات والکرامات من فعل النبیؐ والامام فلیس فی کفولہ ریب ولا متعل جو شخص یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ معجزہ نبوی اور امام کا فعل ہے اس شخص کے کفر میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے (علی ما نقلہ فی کتاب سبیل النجاة فی اصول الاعتقادات ص ۲۷ طبع ایران) اسی طرح تیسرے باب میں تفویض کے متعلق ان کی مرآت العقول ص ۱۹ و جارج ص ۳۷ سے جو مفصل بیان پیش کیا جا چکا ہے اس میں بھی انہوں نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ معجزات کو خدا اپنی قدرت کلام سے ظاہر کرتا ہے فرماتے ہیں۔ ان اللہ تعالیٰ یفعلہا مقارناً لارادتهم کشف القہر و احیاء الموتی و قلب المعصی و حدیثہ و غیر ذلک من المعجزات فان جمیعہا انما تقع بقدرتہ سبحانہ مقارناً لارادتهم لظہور صدقہم یعنی جب یہ بزرگوار کسی (خارق عادت) چیز کا ارادہ کریں تو خدا ان کے ارادہ کے ساتھ ہی وہ کام کر دیتا ہے جیسے چاند کا شگافہ کرنا مردوں کا زندہ کرنا اور عصا کا اثر دیکھانا وغیرہ کیونکہ جس قدر معجزات میں وہ سب کے سب خدا کی قدرت سے ہی واقع ہوئے ہیں۔ مگر ان حضرات کے ارادہ اور خواہش کے ساتھ تاکہ ان کی صداقت و حقانیت ظاہر ہو جائے۔

(۷) حضرت قاضی نور اللہ شوشتری شہید ثالث علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب استحقاق الحق ص ۱۷ طبع مصر پر حضرت علامہ علی کی کتاب کشف الحق و نہج الصدق کی عبارت نقل کی ہے۔ قالت الامامیۃ لا یحسن فی حکمتہ اللہ تعالیٰ ان یظہر المعجزات علی بیہ الکناہین ولا یصدق المبطلین الخ۔ تمام شیعہ امامتہ کہتے ہیں کہ یہ امر خدا کی حکمت کے منافی ہے کہ جھوٹوں کے ہاتھ پر معجزات ظاہر کرے اور باطل پستوں کی تصدیق کرے۔ بلکہ وہ تو صرف کچھ مدعیان نبوت و امامت کے ہاتھوں پر ہی معجزات ظاہر کرنا ہے، اس کلام پر ابن روز بہان سنی نے جو اعتراض کیا ہے حضرت شہید ثالث نے اس کا جواب دیا ہے کہ علامہ کی فرمائش کو صحیح ثابت فرمایا ہے۔ فکوا اللہ سعیم۔

(۸) عالم ربانی جناب سید ہاشم بحرانی قدس سرہ اپنی کتاب دینۃ المعاجز و جو کہ معجزات کی سب سے نفیم کتاب ہے کے مقدمہ ص ۵ طبع ایران پر معجزہ کی تعریف کرنے کے بعد اسے فعل خدا بتاتے ہوئے قیصر از میں۔ واعلم ان المعجزات من الانبیاء والائمة دلیل علی صدقہم علی اللہ سبحانہ فی دعواہم النبوة والامامة لان المعجز الخارق للعادة یتفعلہ تعالیٰ واقدارہ علی ذلک منہ جل جلالہ۔ جانتا چاہئے کہ انبیاء و ائمہ کے معجزات ان کی صداقت و حقانیت کی دلیل ہیں۔ کیونکہ معجزہ خارق عادت خدا کا فعل ہے اور اس کی انجام دہی اسی کی قدرت سے کا طے ہوتی ہے۔ (پھر اپنے اس دعویٰ کے ثبوت میں حضرت امام رضا کا وہ ارشاد نقل کیا ہے جسے ہم سطور بالا میں پیش کر چکے ہیں



قال الرضا لما ظهر من على الفقر والفاقة دل ذلك على ان المعجزات فعل القادح المختار الخ

(۹) حضرت علامہ سید ولد ارعلی مکتوی (غفرانہ) علیہ الرحمہ عماد الاسلام ج ۲ ص ۲۳۳ پر معجزہ اور شعیبہ وغیرہ امور میں فرق کرتے ہوئے لکھتے ہیں واللہ سبحانہ هو المنظر لها تصديقاً للنبي او الوصي وانما ينظر بها على يديه عند عاين ودعواه وهو لم يتكلم في ذلك شيئاً ولا استعان فيه بعلاقة ولا معالجة ولا اداة ولا آلة وانما على الوجه الناقض للعادات والباهر للعقول والقاهر للنفوس الخ یعنی خداوند عالم ہی معجزہ کو نبی و امام کی تصدیق کی خاطر ظاہر کرتا ہے۔ اور وہ اس کا اظہار ان کے دعویٰ (نبوت یا امامت) اور ان کی دعا کے وقت کرتا ہے۔ نبی و امام نہ تو کوئی کلام کرتا ہے (منستر وغیرہ کچھ نہیں پڑھتا) اور نہ ہی کسی مادی چیز سے امداد حاصل کرتا ہے۔ اور نہ ہی کسی اور آگے کو استعمال کرتا ہے اور معجزہ ہوتا بھی ایسا ہی ہے کہ جو خارق عادت اور عقول و نفوس کو مغلوب و مقہور کر دیتا ہے۔

(۱۰) حضرت مولانا سید حسین مکتوی حدیقہ سلطانیہ ج ۱ ص ۱۳۱ پر یہ قسم کی تفویض استغالی وغیرہ استغالی کو باطل کرنے کے بعد فرماتے ہیں

”اگرے در موارده خاصه اظہار المعجزه خداوند عالم پر دست ایشان امور سے چند خارق عادت ظاہری سازد

وازیں جاست کہ معجزہ را فعل خدا می گویند کہ بر دست پیغمبر و امام یا بغیر من تصدیق شان جاری می فرماید“

کما ترجمہ المتکلمون ونص عليه الرضا عليه التحية والثناء فقال مرداً على العجالة لما ظهر من على الفقر والفاقة الخ۔

”ماں البتہ بعض مخصوص مقامات پر بطور اظہار معجزہ خداوند عالم ان بزرگواروں کے دست حق پرست پر چند خارق عادت امور کو جاری کر دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ معجزہ کو فعل خدا کہتے ہیں جسے خدا نبی و امام کے ہاتھوں پر ان کی تصدیق کے لئے جاری کرتا ہے جیسا کہ علماء متکلمین نے اس کی تصریح کر دی ہے۔ اور حضرت امام رضا علیہ التحیۃ والثناء نے بھی غالیوں کی رد فرماتے ہوئے اس بات پر نص فرمائی ہے کہ جب حضرت علیؑ سے فقر و فاقہ ظاہر ہو تو اس سے معلوم ہوا کہ معجزہ ان کا فعل نہیں ہے۔ الخ۔“

(۱۱) مولانا الشیخ محمد تقی الخفئی اپنی کتاب عنایات رضویہ پر معجزہ کو دلیل نبوت و امامت ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں بل المعجزات كلها من فعل الله سبحانه الجباري بايد يهمل فلولهم كواصا دقین کان اجراء المعجزة بايد يهمل قبيحاً مستلزماً للاغراء بالجهل والتباس الحق بالباطل بل هو كذب فعلى من الله تعالى عن ذالك علواً كبيراً ورح فنقول لا ريب ان الرسول ادعى الرسالة والولى ادعى الولاية والرعاية وقد اجرى الله تعالى بايد يهمل المعجزات الباهرات فهم مصلحون



بتصدیق اللہ تعالیٰ ایاہم فالود علیہم رد علی اللہ سبحانہ و تعالیٰ فیقہم۔ تصدیق  
لفعل اللہ سبحانہ الخ۔۔۔

یعنی "یہ تمام معجزات خداوند عالم کا فعل ہیں جو انبیاء و ائمہ کے ہاتھوں پر جاری ہوتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر یہ بزرگوار اپنے دعوئی میں صادق نہ ہوتے تو ان کے ہاتھوں پر معجزات کا ظاہر کرنا قبیح، مآثرہ بالجہل اور حق و باطل کے درمیان التباس کو مستلزم ہوتا۔ بلکہ خدا کا کذب فعلی ہوتا جس سے اس کی شان اعلیٰ دارفع ہے۔ اس تہیہ کے بعد ہم کہتے ہیں کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ نبیؐ نے دعوائے نبوت اور ولیؑ نے دعوائے ولایت و وصایت کیا ہے۔ اور خدا نے ان کے ہاتھوں پر معجزات ظاہر فرمائے ہیں لہذا یہ صدق تصدیق اللہ میں۔ ان کا انکار خدا کا انکار اور ان کی تصدیق خدا کے فعل کی تصدیق ہے۔"

(۱۷) حضرت مولانا السید اسماعیل الطبری النوری کھانیہ الموحدین ج امثالہ پر معجزات کو خداوند عالم کی ہستی کی دلیل قرار دیتے ہوئے اور بعض معجزات مثل احیاء موتی و شق القمر وغیرہ کی طرف اشارہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔  
"وہرہ ما فیہ ظاہر است کہ ہمہ اینہا فوق طاقت بشر است پس از ما خطہ میں معجزات قطعاً و ابد از برائے شخص حاصل شد کہ البتہ خدا نے باشد کہ ہمہ اینہا را از برائے انہا حقیقت ایشان جاری گرداند یعنی ہر عقلمند پر یہ بات واضح ہے کہ یہ تمام معجزات طاقت بشری سے باہر ہیں۔ لہذا یہ معجزات دیکھنے سے آدمی کو یقین حاصل ہو جاتا ہے کہ ایک ایسا خدا ہے قادر و قیوم موجود ہے۔ جو ان بزرگواروں کی تصدیق کے لئے یہ سب معجزات ظاہر کرتا ہے۔"

(۱۸) حضرت مولانا السید حیدر انکاشی نے اپنے رسالہ عقائد میں لکھتے ہیں "طی ما نقلہ فی الذخائر فی حق اللہ یفعل ذلک مقارناً لادواتہم کشف القہر و احیاء الموتی و قلب العصا حینہ و غیر ذلک من المعجزات کان جمیع ذلک انما یحصل بقدر رتبہ تعالیٰ مقارناً لاسرارہم لظہور صدقہم الخ۔ خداوند عالم انبیاء و ائمہ کے ارادہ و خواہش کے مطابق یہ امور ظاہر کرتا ہے۔ جیسے چاہے کہ ان کا شکافہ کرنا مردوں کا زندہ کرنا اور عصا کا سانپ بنانا وغیرہ یہ سب امور خدا کی قدرت و طاقت مگر صاحب الحجاز کے ارادہ و خواہش کے وقت ظاہر ہوتے ہیں۔ تاکہ ان کی صداقت و حقانیت اظہار ہو جائے۔"

(۱۹) فاضل اہل آقا ملا مہدی قزاقی قدس سرہ اپنے رسالہ "انیس الموحدین فی معرفۃ اصول الدین" کے ص ۱۱ اور ص ۱۲ پر لکھتے ہیں۔ "کہ معجزہ کا مراد بشریت ہے۔" معجزہ انسان کا کام نہیں ہے بلکہ خدا کا کام ہے۔

(۲۰) فاضل جلیل حضرت آقا سید حبیب اللہ الموسوی الخوئی اپنی کتاب منہاج البراءۃ شرح نہج البلاغہ ج ۱ ص ۱۱۵ پر مرقع قدیم و جدید ص ۴ ص ۳۶ لکھتے ہیں۔ "وان کان مرادہم ان اللہ یفعل الاشیاء مقارناً لاسرارہم"



كشك القمر و احياء الموتى و قلب العصا حية و غير ذلك من المعجزات بمعنى ان يكون الفاعل حقيقة هو الله سبحانه و يكون هو الخالق و الواثق و المهي و المهيبت و الضار و النافع الا ان ذلك لما كان مقارنا لامر دونه و مقتونا لمشية هم فاطلق ذلك عليهم مجازاً الخ، اگر ان لوگوں (مفوضہ) کی مراد یہ ہے کہ ان بزرگوں اور ان کے ارادہ کے وقت خدا ہی تمام امور کو انعام دیتا ہے جیسے شق القمر کرنا مردوں کا زندہ کرنا۔ اور عصا کا سانپ بنانا وغیرہ بایں معنی کہ ان امور کا حقیقی فاعل خدا ہی ہے اور وہی درحقیقت قائل و رازق بھی و میت اور ضار و نافع ہے مگر چونکہ ان امور کا ظہور ان بزرگوں کی مشیت و خواہش کے وقت کرتا ہے۔ اس لئے مجازاً ان امور کی نسبت ان ذوات مقدسہ کی طرف دے دی جاتی ہے۔ تو یہ اور بات ہے جسے تفویض کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

(۶) فاضل غیبی حضرت آقا سید مہدی الکاشانی القزوینی اپنی کتاب ظہور الحقیقۃ ص ۵ طبع النجف پر لکھتے ہیں۔  
لصیام ضرورتاً الدین المستفادة من نصوص القرآن المبین و متن سید الموسلمین المطلقۃ النتی  
دلت ان هذه النی قد نسبها المنتصر لغير الله سبحانه و هی افعالہ سبحانہ و وحدہ و لیس لغيرہ فیہا  
دخل بوجه من الوجوه الخ و اس بیان کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت آقا سید حیدر کاظمی کا مذکورہ بالا کلام نقل کرنے  
کے بعد صاحب رسالہ اتفاق نے جو کہ شیخی ہے اس پر اعتراض کرتے ہوئے معجزات کو نفس نبوی و امام قرار دینے کی  
ہاکام کو شش کی تھی۔ اس کا جواب دیتے ہوئے اور ان افغان کو فعل خدا ثابت کرتے ہوئے حضرت آقا سید مہدی  
فرماتے ہیں: "یہ امر ضروریات دین میں سے ہے جو کہ نصوص قدس آئید، احادیث متفقہ و نبویہ سے ثابت ہے۔  
کہ یہ افعال جن کو صاحب "استغاثی" نے غیر خدا کی طرف منسوب کیا ہے یہ دراصل خدا کے افعال ہیں۔ غیر خدا کو رخا  
نئی ہو یا امام علیؑ جس پر کہ کسی قسم کا کوئی دخل نہیں ہے۔"

(۷) حضرت آقا سید عبدالحمید طیب اپنی کتاب الکلم الطیب ص ۱۲۴ پر کسی بھی نبی کی نبوت کے اثبات  
کے طریقوں سے بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"اول اترہ معجزہ و آن کار سے دست از کار بے خدا کہ بر عتاد عادت و توابع طبیعی و طری کسی و

تقصیلی باشد۔ مردم از کرد و دل مثل آن عاجز باشند کہ خداوند برائے اثبات صدق پیغمبرش بدست او  
جاری کند"

یعنی سب سے پہلا طریق معجزہ ہے اور معجزہ خدا کے کاموں میں سے وہ کام ہے جو عادت و غیر طبیعی قواعد اور  
کسی و تحصیل طرق کے خلاف ہو اور تمام لوگ اس کا مثل لانے سے عاجز ہوں۔ اسے خداوند عالم اپنے پیغمبر کی صداقت  
کو ثابت کرنے کے لئے اس کے ہاتھوں پر جاری کرتا ہے۔"







(۲۲) فاضل محترم شیخ آقائے محمد آصف محسنی اپنی کتاب صراط الحق ج ۲ ص ۴۴ طبع انجمن پشترت تجرید علامہ حلی (رحمۃ اللہ علیہ) میں ارشاد فرماتے ہیں: "ان کیوں من قبل اللہ، ادباً و مادیاً پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں، لیکن ہندی مستند اہل جہل اعتبار عدم امکان معارضتہا لاحد کما مستحرفہ فالعجز لا تکن الامن قبل اللہ" یعنی میرے نزدیک عقیدہ (اولیاء) زائد ہے کیونکہ جب معجزہ حقیقت میں یہ چیز مستحکم ہے کہ کوئی اس کا معارضہ و مقابلہ نہیں کر سکتا تو بعد ازین بیات واضح ہو جاتی ہے کہ معجزہ خدا کی طرف سے ہی ظاہر ہوتا ہے۔

(۲۳) فاضل عبدالحزاق ناہی اپنے رسالہ "سرمائے ایمان" ص ۱۱ پر لکھتے ہیں:

"دلائل معجزہ ہر صدق صاحب معجزہ بتا رہا ہے کہ چون صدورش بعض ارادۃ الہی است بیواسطہ اسباب

عادیہ پس ہر گاہ مفارن دعویٰ شغفہ شود مرا منتہا صراحتاً از جانب الہی مثل آن باشد کہ الخ

یعنی معجزہ نمائے صداقت پر معجزہ کی دلالت اس طرح ہے کہ چونکہ معجزہ کا صدور اسباب عادیہ کے بغیر محض خدا کے ارادہ سے ہوتا ہے۔

(۲۴) فاضل جمیل میرزا ابوالحسن الشریف نے اپنی کتاب مرآۃ الانوار ص ۶ پر بلا نقاد تبصرہ امام رضا علیہ السلام کا ارشاد نقل کیا ہے کہ "نعلم بهذا ان الذي انهم من المعجزات انما كان فعل القادر الذي لا يشبه المخلوقين لا فعل المحدث المحتاج الى" اس سے معلوم ہوا کہ معجزات اس قادر مطلق کا فعل ہیں جو اپنی مخلوق کے ساتھ کسی قسم کی مشابہت نہیں رکھتا۔ یہ حادث و محتاج مخلوق کا فعل نہیں ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ جناب موصوف معجزہ کو فعل خدا سمجھتے ہیں۔ بلکہ انہوں نے اس مقام پر اس فرمان امام کو پیش ہی اسی لئے کیا ہے کہ کم عقل و جاہل لوگ ایسی معجزات کو دیکھ کر اہل بیت کو خدا سمجھ بیٹھے اگر ان کو علم ہوتا کہ یہ قادر مطلق کا فعل ہیں تو گمراہ نہ ہوتے فرار جع۔

(۲۵) جناب آقائے محمد باقر علی اللہ مقامہ نے اپنی کتاب الدمعة الساکبہ ج ۲ ص ۵۹ پر حضرت امام رضا علیہ السلام کی یہی حدیث شریف نقل کی ہے جس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ارشاد امام کے مطابق ان کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ معجزہ فعل خدا کے قادر مختار ہے۔

(۲۶) علامہ سید ابوالقاسم الرضوی (والد علامہ حائری) اپنی کتاب معارف الملتہ الناجیہ و التاریہ ص ۲۳ فرماتے ہیں: "ما یر معجزہ فعل خدا یا با مر خدا باشد۔ یا تمکین و بدینی و ابرائیاں و ایجاد فعل خارق و آن فعل را خدا فریاد دست نبی بارادہ تصدیق او" یعنی "ہر معجزہ خدا کے فعل یا اس کے امر سے وجود میں آتا ہے۔ یا وہ اپنے کو خارق عادت امر کے ایجاد کی تمکین دیتا ہے یا اس طور کہ خدا اسے نبی کے یا فقہ پر بغیر عن تصدیق اس فعل کو دیکر دیتا ہے۔"

(۲۷) رسالہ حقائق مذہب شیعہ تفسیر اہل بیت کی روشنی میں جو ہمارے ۲۲ عدد کرمفرمان کی کہ وہ کاوش اور فکری



نزاع و کشاکش کا نتیجہ ہے۔ اس کے معنی پر سوال نمبر ۲۸ کہ ”معجزات و کرامات افعال خداوندی ہیں یا افعال انبیاء و مرسلین و ائمہ  
 طاہرین علیہم السلام“ کے جواب میں لکھا جاتا ہے: ”بعض معجزات کا فاعل خدا ہے جن میں نبی و امام کی قوت کا دخل نہیں  
 جیسے حضرت موسیٰ کے لئے دریا یا سمندر میں راستہ، پتھر سے بارہ چشمے، عصا سے اشد باد غیرہ اور بعض معجزات اس معنی  
 کے کہ سید و ان کے مہجور میں آئے کہ تاثیر خدا کی جانب سے عطا ہوتی ہے۔ ان کا فاعل خدا ہے اور اس معنی سے کہ اس  
 امر غیر خدا کی کامیابی یا ناکامی و امام کے ہاتھ پر ہوا۔ ان کا فاعل نبی و امام ہوتا ہے۔“ ایسے بات صاف ہو گئی کہ معجزات  
 کا حقیقی فاعل خدا ہے۔ ہاں اس اعتبار سے کہ ان خارق عادت امور کا ظہور و بروز نبی و امام کے ہاتھ پر ہوتا ہے اس لئے ان  
 کی طرف بھی نسبت دینا درست ہے۔ خلاصہ یہ نکلا۔ کہ معجزات کا اصل حقیقی فاعل خدا اور مجازی فاعل نبی و امام ہوتا ہے۔  
 جہاں تک اس جواب میں قدرے اجمالی یا لغظوں کے بغیر بیان کا تعلق ہے ہم ان حضرات کو ان کی مخصوص مہجوریوں کے  
 پیش نظر مجبور و معذور سمجھتے ہیں۔ ان کا اس قدر اعتراف حق بھی غنیمت ہے امید ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد الفاظ کے ایچ  
 بیچ کا سہارا بھی نہیں لگائے گا۔ بہر حال یہ

الفاظ کے چوں میں اچھے نہیں دانا خواص کو مطلب ہے صدق کہ گہرے

(۲۸) صاحب ”تفاتی الوساظ“ نے اگرچہ ساری کتاب میں بار بار یہ رٹ لگائی ہے کہ ”یہ حضرات فاعل معجزہ ہیں“ (صفحہ ۲۸۵)  
 معجزہ کا حقیقی فاعل خدا کو سمجھنے والوں پر خوف خدا سے بالا ہو کر مجبور و مجبوس ہونے کا کافرانہ فتویٰ بھی عائد کیا ہے (صفحہ ۲۸۵)  
 اور اسے کوردی ایمان کی دلیل قرار دیا ہے۔ معرفت محمد و آل محمد صلا علیہم و آلہم و سلم پر پہنچ کر ہمارے دلائل حق کا وہ گڑبڑ  
 سرگرمی پر مصافحہ طور کی طرح لگا۔ کہ جس سے منہ کے بل زمین پر گر پڑے اور سارا اکبر و پندار خاک میں مل گیا۔ خود اپنے بے  
 و بچپانے ہوئے جال میں چپس گئے۔ کھٹنے ٹیک دیئے۔ اور اپنے فتوؤں کی زد میں خود آکر راجی وادی برہوت ہو گئے۔ انا لا  
 وانا الیہ راجعون۔ لکھتے ہیں ”اور ہم نے مکمل طور پر جناب رسالت کا مناظرہ تحریر کر دیا ہے۔ اس سے ہماری تحقیق نظر مجبور  
 کی پوری تائید ہوتی ہے۔ یعنی یہ امر واضح ہو گیا کہ اصطلاحی معجزہ کا وجود خال خال ہوتا ہے اور وہ مقابل کے مطالبہ کے  
 وقت دکھایا جاتا ہے۔ اور وہ سفارت کی سند کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ اس میں سفیر خدا کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ وہ  
 صرف خدا کا اظہار کرنے پر مامور ہوتا ہے۔ نہ وہ اس کو تبدیل کر سکتا ہے۔ اور نہ وہ مبعوث الہیم جس کی طرف سفیر بنا کر بھیجا  
 گیا ہے، اس کے اعتراضات اور جاننا نہ مطالبات سے متاثر ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنے بھیجنے والے پر کامل ایمان رکھتا ہے اس  
 سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں۔ اس سے بڑھ کر کوئی حکیم نہیں۔ اس سے بڑھ کر کوئی قادر نہیں۔ اس نے جو سند سفارت خود  
 فرمائی اور سفیر کو دے کر بھیجا ہے۔ یہی درست ہے اور ناقابل اعتراض ہے۔ اور اس میں تبدیلی کا خیال بھی ایمان سے خرابی  
 ہے۔ خواہ کوئی قبول کرے یا نہ کرے۔ مگر سفیر رسول کو یہ حق نہیں ہے کہ اپنے مرسل (خدا) کو کوئی مشورہ دے کیونکہ  
 یہ اقدام عہدہ سفارت کے سراسر خلاف ہے“ اسے کہتے ہیں ”جادوہ جو سر چڑھ بولے“ اور یہ ہے حق و حقیقت کا لفظ



معجزہ کونفطوں کے ہر پیر سے ہی تاہم مجبوراً بادل ناخواستہ حقیقت کا اعتراف کر لیا ہے کہ معجزہ کا فاعل حقیقی خدا ہے کیونکہ "اس میں سیر خدا کا کوئی دخل نہیں" "وہ صرف اظہار قدرت پر مامور ہے" "اس کو تبدیل نہیں کر سکتا"۔  
 ہمارے کہ یہاں سیر سے رسول، سفارت سے نبوت و رسالت اور سفارت سے مراد اصطلاحی معجزہ ہے۔ اور باب عدل و انصاف ہمارے معروضات اور ان حضرات کے ان ارشادات کو مکرر بنظر غائر چرچہ کرتائیں کہ اب اختلاف کیا جاتی رہ جاتا ہے۔ آیا ان مخالفی کے بعد کسی معنوی عقل و انصاف رکھنے والے انسان کو بھی اس بات میں ذرہ بھر شک و شبہ باقی رہ جاتا ہے کہ معجزہ کا حقیقی ذاعل خداوند عالم ہے۔

من گویم گر گمیری دامن انصاف را چشم واکن دیگر مسلک اسلاف را

سابقہ تحقیقات کے نتائج | مذکورہ بالا آیات قرآن کریم احادیث معصومین اور تحقیقات شیعہ علماء متقدمین و متاخرین سے پسند امور روز روش کی طرح واضح و آشکار ہو جاتے ہیں۔

۱) معجزات کا فاعل حقیقی خداوند عالم ہے نہ پیغمبر و امام علیہما السلام ہاں محل صدور و ظہور ہونے کی وجہ سے ان حضرات کی طرف ان افعال کی محاز نسبت دینا درست ہے بایں ہمہ اس سلسلہ میں انبیاء و ائمہ علیہم السلام کی مدح و ثنا اس لئے کی جاتی ہے کہ معجزہ کا ظہور ہو کہ ان کی دعا و استدعا چمک میں آتا ہے۔ اس لئے یہ امر یقیناً ان کے لئے انتہائی مدح و ثنا کا باعث ہے۔ کہ وہ اس قدر مقرب الگاہ الہی ہیں کہ جب بھی ایسے خارق عادت امکے اظہار کی اس کی بارگاہ میں درخواست کریں۔ تو وہ ان کی استدعا کو مستجاب کرتے۔ مگر اس کے مطابق فوراً ان کے ہاتھوں پر معجزہ کا اظہار فرما دیتا ہے۔ لہذا اس کے ان ذواتِ قادسہ کا درخت و درختوں مانند ہونا لازم نہیں آتا۔ (معاذ اللہ) جیسا کہ نبی فریب کاری کے بعض اہلین نے یہ الزام عاید کرنے کی مذموم کوشش کی ہے۔

۲) ان مخالفی و اقلیہ سے یہ نفیقت بھی اہم شرح ہو جاتی ہے کہ ہم نے احسن الفوائد میں جو یہ لکھا ہے کہ مقام اعجاز میں جو کچھ کسی نبی یا ولی سے ظہور پذیر ہوتا ہے وہ اس نبی یا ولی کا فعل نہیں ہوتا بلکہ وہ فعل اللہ کا ہوتا ہے (۱) طبع اولیٰ یہ سیرۃ النبی "یا راہِ ہدایت" وغیرہ کتب اہل سنت سے ماخوذ نہیں جیسا کہ بعض نے کہا۔ ان حضرات کا خیال صحیحین کا مبلغ علم مولانا سید محمد سبطین صاحب کی کتب و رسائل با ان جیسی بعض اُردو کتب کے مطالعہ تک محدود ہے سچا ہے۔

باندک مائتہ از علم نتوان رہ بحق بردن چون آب الفتک بیدست و پا ساز و ثنا و را

ہم نے اب تک اس موضوع پر جو کچھ لکھا ہے۔ اس روز روش کی طرح واضح و آشکار ہے کہ قرآن حکیم اور حضرات معصومین کی صحیح تعلیم کی دشمنی میں عہدہ ائمہ سے لے کر آج تک تمام علماء اعلام شیعہ امامیہ کا یہی اعتقاد ہے البتہ اگر یہ حضرات یہ کہتے کہ برادران اہل سنت کے علماء کے یہ نظریات علماء شیعہ کی تحقیقات سے ماخوذ و مستنبط ہیں۔ تو شاید یہ بات کسی حد تک قریب عقل ہوتی۔ مگر انہوں نے جو بے پر کی اڑائی ہے اسے حقیقت سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔



(۱۳) ان بیانات شافیہ سے یہ امر بھی پائیے ثبوت تک پہنچ جاتا ہے کہ اعجازِ زمانی کی کوئی ایسی طاقت و قوت نہیں ہے جو معجزہ نما میں دو بعیت کر دی گئی ہے جس کی بنا پر بالاستقلال یا باذن اللہ وہ ہر وقت معجزہ پیش کرتے رہتے ہیں بلکہ حسب ضرورت معجزہ نما خدا کی بارگاہ میں دعا و استدعا کرتا ہے اور خدا نے قادر و قیوم اپنی قدرت کاملہ سے معجزہ کا اظہار کر دیتا ہے۔ اگرچہ سابقہ تحقیقات کے بعد یہ حقیقت مزید کسی ثبوت کی محتاج تو نہیں رہتی۔ مگر تاہم مزید الطبیان قلب کی خاطر اس سلسلہ میں ایک اور عالم جلیل کی تحریر بھی پیش کی جاتی ہے۔ عالم فیصل و دانشمند جلیل آقا سید عبدالحسین اپنی کتاب الکلم الطیب ص ۱۵۲ طبع تہران پر تحریر فرماتے ہیں۔

”لَا دَمَ نِیْتٍ یَغْیِرُ دَرِزَمَے قَادِرٌ بِرِیْضِیَّةٍ بَاشِیَّةٍ جَوْنِ اَوْنِیْرِیَّةٍ بَشَرٌ عَاجِزٌ اَسْتُ وَّ مَعْجَزُهُ فَعْلُ خَدَا اَسْتُ  
کَرَامَتِی اَشْیَاتٌ صَدَقِی یَغْیِرُ بَیْئَتِی عَنَایَتِی فَرَمَیْدُ وَاَقَامَتِی اَنْ دَرِیْرِزَمَے بَسْتِ بَارَادِیَّةٍ وَ شِیَّتِ اَسْتُ“

یعنی ”یہ ضروری نہیں ہے کہ پیغمبر ہمیشہ معجزہ نما کی قدرت رکھتا ہو۔ کیونکہ پیغمبر بھی (فی حد ذاتہ) بشر اور عاجز ہے۔ اور معجزہ فعلِ خدا ہے۔ جسے خدا پیغمبر کو اس کی نبوت کے ثابت کرنے کے لئے عطا کرتا ہے۔ لہذا معجزہ نما ہی ہمیشہ خدا کے ارادہ اور اس کی مشیت کے ساقط و البستہ ہے۔

(۱۴) ان بیانات اور مزید آنے والی تحقیقات (تذیل روشنیات) سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اس سلسلہ میں صاحبِ اعجاز کا کام صرف دعا کرنا ہے۔ معجزہ کا اظہار خدا نے تبار کرتا ہے۔ بس فی الحقیقت کسی خالقِ عادت امر کی دعا و پکار اور اس کے نتیجہ کے اظہار کا نام معجزہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ معجزہ کے اظہار میں نبی و امام کو اس حد تک تعلق ضرور ہے کہ حسب ارادہ کریں تو خدا سے دعا و استدعا کرتے ہیں۔ اور خدا ان کی استدعا کو رد نہیں فرماتا۔

(۱۵) ان تحقیقات سے یہ بات بھی واضح ہو گئی ہے کہ معجزہ میں تکرار اور تعدد ضروری نہیں ہے پس جب نبی و امام اپنے دعویٰ کے اثبات پر استدلال کے طور پر معجزہ دکھادیں۔ اگرچہ ایک مرتبہ ہی کیوں نہ ہو۔ تو پھر یہ لازم نہیں کہ وہ ہر وقت ہر شخص کی احتجاج و خواہش کے مطابق مختلف معجزات دکھا دکھا کر اپنی بزمِ نبوت و امامت کو منشاء خانہ عجائب و غرائب بنا ڈالیں۔ (الکلم الطیب ص ۲۵) دھوا وضوح من من ان یخفی! — ان فی ذلک لایۃ لکم ان کنتم صادقین!!

بعض شکوک و اویام کا ازالہ | اگرچہ سطور بالا میں جو حقائق بیان کر دیئے گئے ہیں ان سے اربابِ عقل و انصاف کی تسلی ہو جاتی ہے۔ مگر پھر بھی حسب دستور اس مقام پر چاند کردہ بعض شکوک و اویام کا تذکرہ مع ازالہ ضروری ہے تاکہ دیگر مباحث کی طرح یہ موضوع بھی کسی اعتبار سے نشہ نگہمیل نہ رہے۔

پہلا، دوسرا، تیسرا اور چوتھا شبہ | حضرت عیسیٰ فرماتے ہیں انی اخلق لکم کھیتۃ الطیور اس سے معلوم ہوا۔ مٹی سے پرندہ پیدا کرنا حضرت عیسیٰ کا فعل ہے۔ اسی الموقی باذن اللہ



حضرت عیسیٰ فرماتے ہیں کہ مردہ زندہ کرنا میرا کام ہے اذن اللہ تعالیٰ کا ہے۔ مادرزاد اندھا میں ٹھیک کرتا ہوں مہر میں کو میں ٹھیک کرتا ہوں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام معجزات جناب عیسیٰ کا فعل ہیں۔ عصا پھینکنا موسیٰ کا فعل ہے۔ یسوعیا فعل موسیٰ ہے پڑھو الفی عصا۔ نزع یدہ۔ حضرت جبریل جناب مریم کو کہتے ہیں۔ لا ھب لك غلاما ذکيا۔ میں عطا کرتا ہوں آپ کو پاکیزہ لڑکا۔ ملائکہ کا حضرت لوط سے کہنا انا لمنجیہم ہم نجات دیں گے۔ تخت بلقیس کے متعلق آصف بن برخیا حضرت سلیمان سے کہتے ہیں انا اتیک یہ قبل ان یرتد الیک طرفک آنکہ جھپکنے سے پہلے تخت لے آنا فعل آصف ہے یا اللہ تعالیٰ خود اٹھا لایا۔

(مضمون مندرجہ درجہ یکم حوالہ ۱۹۷۶ء)

**ان شبہات کے جوابات** پہلا مشترکہ جواب ہے۔ ان حضرات کا ان آیات کو پیش کرنا اس غلط فہمی پر مبنی معلوم ہوتا ہے کہ اہل حق چونکہ ان افعال کو فعل خدا سمجھتے ہیں۔ لہذا شاید وہ سب سے ان افعال کی نسبت انبیاء و ائمہ کی طرف دینا ناجائز سمجھتے ہوں گے۔ اور ان آیات میں ان کی نسبت چونکہ ان ذوات مقدسہ کی طرف دی گئی ہے۔ لہذا محبت ان حضرات نے بلا غور و فکر ان آیات کو اپنے غلط نظریہ کی تائید میں پیش کر دیا۔ مگر ژرف نگاہی سے کام لینے والے حضرات جانتے ہیں کہ یہ استدلال بنا الفاسد علی الفاسد کا مصداق ہے حقیقت حال اس طرح نہیں ہے۔ ہم اس باب کی ابتدا میں تحریر محل نزاع کے ذیل میں اسی غلط فہمی کے ازالہ کے لئے واضح کر چکے ہیں کہ اس نسبت کے جو ازیادہ ہم از میں نزاع نہیں کیونکہ سب نماز معجزہ میں ان امور کا ظہور و بروز چونکہ انبیاء اور ائمہ سے ہوتا ہے۔ لہذا ان امور کا انتساب ان کی طرف یقیناً درست ہے بلکہ نزاع جو کچھ ہے وہ صرف اس بات میں ہے کہ آیا ان افعال کی نسبت بطور حقیقت ہے یعنی یہی بزرگوار ان افعال کے حقیقی فاعل ہیں۔ یا یہ نسبت بطور مجاز ہے اور فاعل حقیقی خداوند عالم ہے۔ ہم سطور بالا میں قرآن و حدیث اور تحقیقات علماء اعلام کی روشنی میں ثابت کر چکے ہیں کہ ان امور کا فاعل حقیقی خدا ہے۔ اس طرح اس شبہ کی اساس کا قلع قمع ہو جاتا ہے۔ بتا بریں ہم کہتے ہیں کہ اگرچہ خلق احیاء و موتی، شفا و مرضی، عصا کا اثر دینا، یا موسیٰ کو ید بریضا بنانا، حضرت مریم کو بیضا عطا کرنا۔ مومنین کو طاق نجات دینا، تخت بلقیس کا لانا وغیرہ سب افعال خدا میں۔ اور وہی ان کا حقیقی فاعل ہے۔ اسی کے ارادہ اور قدرت کاملہ کے تحت یہ امور وقوع پذیر ہوئے ہیں۔ مگر چونکہ حسب ظاہر ان کا ظہور حضرت عیسیٰ و موسیٰ اور بنیاب جبرئیل یا دیگر ملائکہ یا حضرت آصف برخیا سے ہوا ہے۔ لہذا من باب المجاز ان افعال کی نسبت ان حضرات کی طرف دے دی گئی ہے یہ درست ہے کہ الفا، عصا حضرت موسیٰ کا ہی فعل تھا۔ مگر یہ حقیقت کیوں نظر انداز کر دی جاتی ہے۔ کہ اس



جھکا کو اترنا بنا اس کا فعل تناب (جس میں نزع ہے) قرآن سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ فعل خدا کا واجب عصا نے  
 موسیٰ نے اترنے کی شکل اختیار کی اور جناب موسیٰ نے کچھ خوف محسوس کیا تو ارشاد قدرت ہوا لا تخف سنعبدا  
 سید تھا الا وہی ڈرو نہیں ہم عنقریب اسے اپنی پہلی حالت کی طرف لوٹا دیں گے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ جو خدا  
 قادر و دوسری شکل کو پہلی شکل کی طرف لوٹانے والا ہے وہی پہلی شکل کو تبدیل کرنے والا بھی ہے۔ تعجب ہے کہ خود اس  
 استدلال کے پیش کرتے والے نے شعوری یا لاشعوری طور پر آخر میں حق حقیقت کا انحراف کر دیا ہے۔ چنانچہ  
 استدلال مذکور کے بعد لکھا ہے صحیح عقیدہ یہ ہے کہ قوت و ارادہ اللہ تعالیٰ کا ہوتا ہے اور فیض ہر فعل، انبیاء و ائمہ اور  
 عوام کا ہوتا ہے۔ اخبار و نجف حکیم جولانی سلسلہ اولیٰ فیض کلام یہ کہ ان افعال کی نسبت خدا کی۔ یہ حقیقی ہے جس  
 کے ارادہ اور قوت سے فیض واقع ہوا ہے اور انبیاء و ائمہ کی طرف مجازی ہے جس کے ہاتھوں پر ظاہر ہوتا ہے۔ یہی  
 بات شروع سے کر اخیر تک ہم کہہ رہے ہیں۔ پھر علماء اہل علم کے خلاف یہ سنگا مہارانی و سرزد سرائی کہیں ہے؟  
 حضرت عیسیٰ علی نبیہ وآلہ علیہ السلام کے متعلق جو آیات پیش کی گئی ہیں۔ اس سلسلہ میں حقیقت حال  
 و سر جواب تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی گئی اور علماء مفسرین نے ان آیات کے بارے میں احادیث  
 معصومین کی روشنی میں توضیحات فرمائی ہیں۔ ان کو نظر انداز کر کے محض ظاہری الفاظ کا سہارا لیتے ہوئے اپنے خود ساختہ  
 نظریہ کی تائید حاصل کرنے کی سعی نافرمام کی گئی ہے۔ ہم ان آیات کی تفسیر پیش کرتے ہیں۔ ملاحظہ کریں۔ اور جملائے جان  
 و ایقان حاصل فرمائیں۔

الشیخ الطائفة حضرت شیخ موسیٰ علیہ الرحمہ اپنی تفسیر تبيان ج ۲ ص ۶۷ پر تحریر فرماتے ہیں اتمایا قیلا قوله فیکون  
 طیرا باذن الله ولم یقید قوله "اخلق من الطین کھیتہ الطیر" بذکر اذن الله فینبہ بذکر الاذن  
 انه من فعل الله دون عباده اما التصویر والتلوخ ففعله لانه معایدا دخل تحت مقتد و القدر  
 وليس كذلك انقلاب الجباد حیوانا فانه لا یقدر علی ذلك احد سواہ تعالیٰ وقوله "و  
 واهي الموقی باذن الله" علی وجه المجاز اضافه الی نفسه وحقیقته ادعوا الله باحیاء الموقی  
 فی حیہم الله فیحیون باذنه

یعنی "حضرت جیسے نے (تصویر کے) پرندہ ہونے کو تو "اذن اللہ" کے ساتھ مقید کیا ہے۔ مگر اس کی تصویر کشی  
 کا تذکرہ کرنے وقت (کہ میں مٹی سے پرندہ کی شکل بنانا ہوں) "اذن اللہ" کی قید نہیں لگائی۔ اس انداز بیان سے  
 انہوں نے اس بات پر تنبیہ فرمائی ہے کہ اس تصویر کا پرندہ بنانا خدا کا فعل ہے۔ نہ ان (عیسیٰ) کا۔ ہاں البتہ تصویر بنانا  
 اور اس میں حرکت دینا حضرت عیسیٰ ہی کا فعل ہے کیونکہ یہ طاقت بشری میں داخل ہے لیکن حیا کو حیوان بنانا ایک ایسا  
 کام ہے جس پر مٹے کا مطلق کے اور کوئی قدرت نہیں رکھتا اسی طرح حضرت عیسیٰ نے یہ کہہ کر کہ میں باذن اللہ



مردے زندہ کرتا ہوں۔ یہ نسبت مجازاً اپنی طرف دی ہے۔ ورنہ اس کی اصلیت یہ ہے کہ میں مردوں کے زندہ ہونے کی دعا کرتا ہوں۔ اور خدا ان کو زندہ کر دیتا ہے اس طرح وہ اس کے اذن و طاقت سے زندہ ہو جاتے ہیں۔

(۲) اسی طرح مفسر اسلام علامہ طبرسیؒ اپنی تفسیر مجمع البیان ج ۱ ص ۱۹ پر آیت مبارکہ اِنِّیْ اَخْلَقْتُ لَکُمْ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ مِمَّا تَدْعُوْنَ بِہِ مَعَنَا اِنِّیْ اَقْدِرُ لَکُمْ وَاَصُوْرُ لَکُمْ مِنَ الطِّیْنِ مِثْلَ صُوْرَةِ الطِّیْرِ فَاَنْفَخْ فِیْہِ اِنِّیْ فِی الطِّیْرِ الْمَقْدَرُ مِنَ الطِّیْنِ فِیْکُوْنُ طَیْرًا بِاِذْنِ اللّٰہِ وَقَدْ رَزَقَہٗ وَقِیْلَ بِاَمْرِ اللّٰہِ تَعٰوٰنًا وَصَلَّیْ قَوْلَہٗ بِاِذْنِ اللّٰہِ فَقَوْلَہٗ فِیْکُوْنُ طَیْرًا دُوْنَ مَا قَبْلَہٗ لَا تَصُوْرُ الطِّیْرُ وَالتَّفَخُّرُ فِیْہِ مِمَّا حَضَلَ تَحْتَ مَقْدَرِ الْعِبَادِ نَا مَا جَعَلَ الطِّیْنُ طَیْرًا حَتّٰی یَکُوْنُ لَحْمًا رَدْمًا وَخَلَقَ الْحَیْوۃَ فِیْہِ فَمَعْمَا لَا یَقْدِرُ عَلَیْہِ غَیْرُ اللّٰہِ فَقَالَ بِاِذْنِ اللّٰہِ اِنْ مَّا اَصْطَفَ الْاَحْیَاءُ اِلَیْ نَفْسِہٖ عَلٰی رَجَاہِ الْمَجَاہِزِ وَالتَّوَسُّعِ وَلَا اِنَّ اللّٰہَ تَعٰلٰی کَانَ یُحِبُّ الْمَوْقِیَّ عِنْدَ عَامَہٗ

یعنی اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ میں مٹی سے پرندہ کی تصویر بناتا ہوں اور اس تصویر میں بھونک مارتا ہوں پس وہ خدا کے اذن یعنی اس کی قدرت یا بقولے اس کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے۔ اس جملے میں اس کے پرندہ بننے کے ساتھ اذن اللہ کی قید لگائی ہے مگر اس کی تصویر کشی کے ساتھ یہ قید نہیں لگائی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تصویر بنانا اور اس میں بھونک مارنا بندوں کی قدرت میں داخل ہے لیکن مٹی کا پرندہ بنا دینا یہاں تک کہ اس میں گوشت پوست اور خون پیدا ہو جائے۔ اور پھر اس میں حیات ڈالنا یہ ایسا کام ہے جس پر سوائے خدا کے قادر و قیوم اور کوئی قدرت نہیں رکھتا اس لئے جناب عیسیٰ نے اس کے ساتھ اذن اللہ کی قید لگائی تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ خدا کا فعل ہے۔ نہ عیسیٰ کا۔ نیز اس جملے میں اس کا نام ذی القیامہ الموقی باذن اللہ میں مردہ کو زندہ کرنے کی بونست اپنی طرف دی ہے وہ علی وجہ المجاز ہے۔ اس کی اصل حقیقت یہ تھی کہ وہ دعا کرتے تھے اور خدا ان کی استدعا پر مدد کر دیا کرتا تھا۔

جناب علامہ طبرسیؒ کے بیان حقیقت ترجمان اور اسی طرح اور بعض قطعی شواہد سے "اذن اللہ" کا صحیح مفہوم **اِقَادہ** ہی معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ دعا و استدعائی و امام کرنے میں اور پھر فعل مجزؤ کا ظہور خدا کے قادر و توانا کی قدرت کا ملکہ سے ہوتا ہے چنانچہ اس کی عملی تفسیر جناب عیسیٰ کے مردوں کو زندہ کرنے کی کیفیت سے نظر آتی ہے۔ تفسیر مجمع البیان ج ۱ ص ۱۹ تفسیر صافی ص ۱۵ وغیرہ میں مذکور ہے آنجناب اپنے ایک دوست کی قبر پر تشریف لے گئے جس کو مرے ہوئے تین دن ہو گئے تھے۔ وہاں جا کر یہ دعا پڑھی "اللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ اَنْتَ اَرْسَلْتَنِیْ اِلٰی بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ اَدْعُوْہُمْ اِلَیْ دِیْنِکَ وَ اَخْبِرْہُمْ بِاِنِّیْ اَسْمٰی الْمَوْقِیَّ فَاجِزْ عَازِرٌ" چنانچہ ان کا دوست دعاؤں کو زندہ ہو گیا۔ سطور بالا میں اس موضوع پر احادیث کے ضمن میں متعدد کتب ج ۱ ص ۱۵ کے حوالہ سے ذکر کیا جا چکا ہے۔ کہ حکیم رسولؐ جناب امیر علیہ السلام قبرستان میں تشریف لے گئے اور خدا کی بارگاہ میں دعا کی۔ پس باذن اللہ مردے سروں سے مٹی جھاڑتے ہوئے قبروں سے نکل گئے اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اذن اللہ کا مطلب قدرت اللہ ہے۔ اور اگر بالفرض اسے امر و حکم کے معنی میں بھی لیا جائے۔



تب بھی ہمارا مدعا حاصل ہے کہ وہ امر خدا ہی کرتا ہے جیسے قلنا یا ناد کو فی جودہ او سلاماً۔ در کلام ان اخذ بمعنی اذنیہ  
 قد جبر بصائر والد درجات صلتاً فیج جدید پر امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ جناب عیسیٰ کے پاس اہم اہم کے  
 دو حرف تھے۔ جن کی وجہ سے ان کے ہاتھوں پر یہ عجائب و غرائب ظاہر ہوتے تھے۔ ان تمام متعلق سے یہی ثابت ہوتا  
 ہے کہ وہ صرف دعا کرتے تھے۔ کام خدا اپنی قدرت کاملہ سے کرتا تھا۔ ویزا سوا المقصود۔

(۱۲) اسی طرح جناب علامہ شہر بن آشوب مازندرانی اپنی کتاب مستطاب متشابہات القرآن ج ۱ ص ۲۵ پر آیت  
 مبارکہ واذا خلق من الطین کھیتۃ الطیر فتنفخ فیہا فیکون طائراً باذنی کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔  
 "فاذا نفخ المسیح فیہا الروح قلبہا اللہ الخسار و ما وخلق فیہا الحیوة نصارت طائراً باذن اللہ و  
 ارادۃ لا یفعل المسیح فلذلک قال فیکون طیراً باذنی و تصیری الاکملہ والابرص باذنی معناه  
 انک تدعوی حتی ابویہما واذا نخرج الموقی باذنی ای اذ تدعوی فاسی الموقی عند دعائک واخرجہم  
 من القبر و حتی یشاہد ہذا الناس و انما صلبہ الی عیسیٰ لانہ کائب عامہ" یعنی جب حضرت عیسیٰ اس  
 تصویر میں روح پھونکتے تھے۔ تو خدا اس کو گوشت و خون بنا کر اس میں حیات پیدا کر دیتا تھا۔ اسی طرح وہ خدا کے اذن و  
 ارادہ سے نہ کہ حضرت عیسیٰ کے فعل سے زندہ بن جاتا تھا۔ اسی بنا پر خدا نے فرمایا ہے کہ وہ میرے اذن سے زندہ  
 ہو جاتا تھا۔ اسی طرح خدا کے ارشاد کو دعا کے عیسے تو میرے اذن سے امد سے اور مبروص کو تندرست کرتا تھا۔ کا  
 مطلب یہ ہے کہ تو ان کی شفا یابی کے لئے دعا کرتا تھا۔ اور میں ان کو شفا عطا کر دیتا تھا۔ اسی طرح اس قول خداوندی  
 کہ اے عیسے تو مردوں کو میرے اذن سے (قبروں سے) نکالتا تھا۔ کا مطلب یہ ہے کہ تو ان کے زندہ ہونے کی دعا  
 کرتا تھا اور میں ان کو زندہ کر کے قبروں سے نکالتا تھا۔ یہاں تک کہ لوگ ان کا مشاہدہ کرتے تھے۔ خدا نے مردوں کو زندہ  
 کرنے کی نسبت جناب عیسیٰ کی طرف اس لئے دی ہے کہ یہ فعل ان کی دعا سے انجام پذیر ہوتا تھا۔"

اسی کتاب کے اسی صفحہ ۲۵ پر حضرت عیسیٰ کے قول واسی الموقی باذن اللہ کی تفسیر بیان فرمائی ہے علی وجہ  
 المجاز اضافہ الی نفسہ و حقیقتہ ادعوا اللہ یا حیاء الموقی فی حیون باذنہ یعنی حضرت عیسیٰ نے مردہ زندہ  
 کرنے کی نسبت اپنی طرف بطور مجاز دی ہے ورنہ اس کا حقیقی معنوم یہ ہے کہ میں مردوں کے زندہ ہونے کی دعا کرتا ہوں اور  
 وہ خدا کے اذن و ارادہ سے زندہ ہو جاتے ہیں۔ اور اسی اخلاق لکھ من الطین کھیتۃ الطیر کی تفسیر بیان کرتے  
 ہوئے لکھا ہے۔ لم یفیدہ باذن اللہ لان المداد بہ التقادیر ثم قال فیکون طیراً باذن اللہ  
 لانہ من فعل اللہ و دون عیسے للہ یعنی جناب عیسیٰ نے تصویر کشی کے ساتھ اذن اللہ کی قید نہیں لگائی۔ کیونکہ  
 یہاں خلق کرنے سے مراد تصویر بنانا ہے پھر فرمایا میں وہ خدا کے اذن سے زندہ ہو جاتا ہے۔ یہاں اذن اللہ کی قید  
 مذکور ہے۔ کیونکہ یہ خدا کا فعل ہے نہ عیسیٰ کا۔



(۴) تفسیر تحقیقات الدرر ج ۲ ص ۱۱ پر مذکور ہے فالخلق حقیقۃً لله تعالیٰ ظاہر علی یدہ کما ان النعم  
 وسیعہ کان من جہدہ الخ والمخلوق من اللہ یعنی پرندہ میں روح پیدا کرنا درحقیقت خدا کا فعل ہے۔ البتہ اس  
 وجہ جناب عیسیٰ کے ہاتھ پر ہوا جیسے جناب مریم میں نفع جناب جبریل کا کام تھا۔ مگر عیسیٰ کی خلقت خدا کا  
 پھر باذن اللہ کی توفیق کرتے ہوئے تھا ہے۔ رد کو الاذن فی ہذہ الافاعیل علی معنی اضافۃ حقیقیۃ  
 اللہ، کقولہ وما کان لنفس ان تموت الا باذن اللہ، یعنی الا یخلق اللہ الموت یعنی ان افعال میں  
 ان اللہ کی قید اس مقصد کے لئے لگائی گئی ہے کہ ان افعال کا حقیقی فاعل خدا ہے جیسے آیت مبارکہ وما  
 لنفس ان کوئی نفس اللہ کے اذن کے بغیر نہیں مرتا میں ہے۔ یعنی اس وقت مرنا ہے جب اللہ اسے موت  
 دے گا۔

(۵) منہاج البراہۃ شرح نبج البلاغہ ج ۴ ص ۱۶ طبع جدید میں ہے "کان تسویۃ الطین والنعم من  
 عیسیٰ علیہ السلام والمخلوق من اللہ تعالیٰ یعنی مٹی کا درست کرنا اور اس ڈھانچہ میں پھونک مارنا  
 اب عیسیٰ کا فعل تھا۔ لیکن اس کو پرندہ بنانا خدا کا فعل تھا۔

(۶) فاقول کا شانی تفسیر صافی میں بذیل آیت الی اخلق الایہ لکھتے ہیں "انی اخلق لکم اقداراً وصوراً شیاناً  
 بیئۃ الطیر مثل صورۃ فانظر فیہا فیکون طیراً حیاً طیاراً باذن اللہ تا من نبتہ علی ان احیاء  
 ن اللہ لا منہ" (تفسیر صافی ص ۱۵) خلاصہ مطلب یہ ہے کہ پرندہ کی شکل میں بنانا ہوں۔ مگر اسے پرندہ خدا بنانا ہے  
 باذن اللہ کی قید لگا کر اس بات پر تنبیہ کی ہے کہ اسے زندہ پرندہ بنانا خدا کا فعل ہے نہ ان (عیسیٰ) کا۔

(۷) صاحب جدیدیہ سلطانیہ نے بھی ج ۳ ص ۱۵ پر اس نسبت کو مجازی قرار دیا ہے۔ بات بالکل صاف اور  
 مادہ ہے کہ اگر فی الحقیقت جناب عیسیٰ ہی پرندہ کے خالق ہوتے تو پھر اس قدر طویل کلام کی کیا ضرورت تھی۔ کہ  
 اخلق لکم من الطیر کھیمۃ الطیر فانظر فیہ فیکون طیراً باذن اللہ بلکہ صرف اتنا کہہ دیتے "انی اخلق  
 لکم الطیر" یعنی میں تمہارے لئے پرندہ پیدا کرتا ہوں۔ مگر جب یہ نہیں کہا۔ تو اس سے واضح ہو گیا۔ کہ تصویر کشی جناب  
 عیسیٰ اور اسے پرندہ بنانا خدا کا کام ہے وہو المقصود وقد حصل بعون اللہ الودود۔

ان علماء محققین کی تحقیقات سے واضح ہو گیا کہ معجزہ میں معجزہ کا کام صرف بارگاہِ احدیت میں دعا کرنا ہوتا  
 ہے۔ اس کے بعد اپنی قدرت کاملہ و مشیت مطلقہ کے تحت اس کا اظہار کرنا خداوندِ عالم کا کام ہے۔ لہذا خدا کی  
 رف ان عارف عادت افعال و معجزات کی نسبت میں باب الحقیقت اور انبیاء و ائمہ علیہم السلام کی طرف  
 فی وجہ المجاز ہے۔ یہ ہے ان آیات مبارکہ کا صحیح مفہوم جو دانشانِ علوم قرآن علیہم السلام کے کلام سے ماخوذ ہے۔  
 اس کے علاوہ کوئی شخص آیات کی کوئی تاویل کرے گا۔ تو وہ بوجہ تفسیر بالرائے ہونے کے حرام اور



ناقابل قبول ہوگی۔

**تیسرا جواب** جہاں تک شہر مزی کھسکے انزوہ جتنے دالے معجزہ کا تعلق ہے ہم اسی باب میں ذیل آیت ملاطری وضاحت کے ساتھ بیان کر چکے ہیں۔ کہ یہ خداوند عالم کا فعل تھا۔ اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔

اسی طرح جناب میر نعل کے حضرت مریم کے پاس آکر لاسب ملک غلاما زکیا کہتے دالے شہید کا مکمل جواب تیسرے باب کے دسویں شعبہ کے ضمن میں پیش کیا جا چکا ہے قرآن مجید اور جناب آصف بن برخیا کے تحت بلقیس کو چشم زدن میں حاضر کرنے کے متعلق اسی باب میں بعض حدیث شریف پوری تحقیق کے ساتھ پیش کی جا چکی ہے۔ کہ ان کے پاس اسم اعظم کا ایک حرف تھا جسے انہوں نے پڑھا۔ اور خدا نے تخت بلقیس کو حاضر کر دیا۔ ان چوکھ دہا جناب آصف نے کی تھی۔ اور پھر اس خارق عادت کا ظہور بھی ان ہی کے ہاتھ پر ہوا تھا۔ اس لئے مجازاً انہوں نے اس کی نسبت اپنی طرف دے دی۔

ان حقائق کی روشنی میں یہ حقیقت بالکل الم نشرح ہو گئی کہ ان تمام پیش کردہ آیات و واقعات میں حقیقی فاعل خدا ہی ہے وہو المقصود۔

**پانچواں شعبہ اور اس کا جواب** روایات اہل بیت میں وارد ہے کہ اسم اعظم کے کل ۹۹ حرف ہیں۔ جناب آصف بن برخیا کے پاس صرف ایک حرف تھا۔ کسی نبی کے پاس دو حرف۔ کسی کے پاس چار کسی کے پاس پانچ۔ کسی کے پاس ۵۔ کسی کے پاس کچیس تھے۔ جناب رسول خدا اور ائمہ ہدی کے پاس اس کے ۹۹ حرف موجود ہیں۔ صرف ایک حرف خدا نے اپنے لئے مخصوص رکھا ہے جناب آصف کے پاس صرف ایک حرف تھا۔ تو انہوں نے دو آدمی مسافت سے چشم زدن میں تخت بلقیس کو دربار حضرت سلیمان میں حاضر کر دیا تھا تو پھر ائمہ علیہم السلام کے کمالات کا کون اندازہ کر سکتا ہے جن کے پاس ۹۹ اسم اعظم موجود ہوں۔ اس شعبہ کا جواب بھی ظاہر ہے یہ کس نے دعویٰ کیا ہے کہ وہ ائمہ اہل بیت کے فضائل و کمالات کا احاطہ کر سکتا ہے، مگر اسم اعظم والی روایات سے یہ توہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ کہ معجزہ نمائی کی قوت و قدرت خدا نے معجزہ نمائی کی عظمت میں ولایت فرمادی ہے۔ اور اب وہ اسی قوت و قدرت سے اختیار خود اعجاز نمائی کرتے ہیں۔ بلکہ روایات سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اسم اعظم کے ذریعہ بارگاہ احدیت میں دعا کرتے ہیں۔ اور پھر اس دعا کے نتیجہ میں خداوند عالم ان کے ہاتھوں پر عجائب و غرائب ظاہر کرتا ہے۔ اس سے تو ہمارے موقف کی تائید مزید ہوتی ہے۔ چنانچہ بصائر الدرجات ص ۵۹ طبع قدیم و جدید ص ۲۱ پر ایک پورے باب کا عنوان ہی یہ ہے: ”باب فی الامام علیہ السلام ان عنده اسم الله الاعظم الذي اذا سأل به احبیب یعنی امام کے پاس خدا کا وہ اسم اعظم ہوتا ہے کہ جب اس کے ذریعہ دعا کرتے ہیں تو وہ قبول ہو جاتی ہے“



اسی طرح بحار علیہ السلام پر ایک مستقل باب موجود ہے جس کا عنوان ہے ان عندہما الاسماء الاعظم وہ تظہروا عنہما الغرائب یعنی ائمہ اطہار کے پاس اسم اعظم موجود ہے۔ اور اسی کے ذریعہ ان سے عجائب و غرائب ظاہر ہوتے ہیں۔ ان ابواب میں اس قسم کی متعدد روایات اہلبیت موجود ہیں۔ اسی مطلب کی تائید مزید بحار الانوار کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں مذکور ہے کہ حضرت امام محمد باقر کے معجزات دیکھ کر ایک اعرابی نے کہا۔ ما رأیت ساخراً کا لیم۔ میں نے جیسا یاد کر آج دیکھا ہے۔ ایسا کبھی نہیں دیکھا۔ یہ سن کر امام عالی مقام نے فرمایا یا اعرابی لا تکن من علینا اهل البیت فانه لیس منا ساحر ولا کاهن ولكن علمنا اسماء من اسماء الله تعالیٰ فسلنا بها فتعطیٰ وندعوا فتجاب۔ اسے اعرابی ہم اہل بیت پر جھوٹ نہ بولو کیونکہ ہم میں نہ کوئی جادوگر ہے۔ اور نہ کوئی کاهن! ہمیں خدا تعالیٰ کے اسماء میں سے کچھ ایسے اسماء تعلیم دیئے گئے ہیں کہ جب ان کے ذریعہ ہم جو کچھ دبا گاہ قدرت سے طلب کرتے ہیں۔ تو ہمیں مل جاتا ہے اور جو دعا کرتے ہیں۔ وہ مستجاب ہو جاتی ہے۔ (بخاری ج ۱۱ ص ۵۷)

اسی طرح اصول کافی کی روایت میں وارد ہے کہ جناب اصف کے پاس ایک حرف تھا فتکلم بہ۔ انہوں نے جب اسے پڑھا تو آخر میں امام علیہ السلام اپنے متعلق ہر حرف ثابت کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم۔ اس کی شرح میں علامہ مجلسی مرآۃ العقول ج ۱ ص ۱۸۱ پر لکھتے ہیں "ای وقوع جمیع ہذا الامور بحول الله وقوته لا یفقد رتۃ العباد" یعنی ان امور کا واقع ہونا خدا کی قدرت کاملہ کے تحت ہوتا ہے نہ کہ بندوں کی طاقت سے۔ بصائر الدرجات ص ۵۷ (طبع جدید ص ۱۸۱) پر بروایت ابی بصیر امام جعفر صادق سے مروی ہے فرمایا "کان سلیمان عندہ اسم الله الاکبر اذا سئل اعلیٰ وادعا بہ اجاب ولو کان الیوم لاحتاج الیہا جناب سلیمان کے پاس اسم اعظم تھا۔ اس کے ذریعہ جب خدا سے کچھ طلب کرتے تو وہ ان کو عطا کر دیتا تھا۔ جب کوئی دعا کرتے تو وہ اسے مستجاب فرماتا لیکن آج اگر سلیمان ہوتے تو وہ ہمارے محتاج ہوتے۔"

معلوم ہوا کہ اسم اعظم کے ذریعہ صرف دعا کی جاتی ہے جسے مستجاب ہو کر حال خداوند عالم ہی فرماتا ہے۔ اسی بیان حق ترجمان سے آیت مبارکہ لو ان قوا نامیوت بہ الجبال او قطعت بہ الارض الاینہ کے ساتھ تمسک کا جواب باصواب بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ ورنہ ان علم قرآن جب آیات قرآنیہ کو پڑھ کر دعا کرتے ہیں تو قادر مطلق ان کے حسب تشاؤ تمام امور کو انجام دے دیتا ہے۔ بل اللہ الامور جمیعاً تمام امور کی باگ خدا ہی کے قبضہ قدرت میں ہے بل حیاء مکدمون لا یسبقونہ بالقول وھم بامرہ یعملون۔

چھٹا شبہ اور اس کا جواب اگر تسلیم کر لیا جائے کہ معجزہ منافی کی مستقل قدرت و طاقت خدا نے انبیاء چھٹا شبہ اور اس کا جواب اور ائمہ کو عطا نہیں فرمائی۔ بلکہ صرف بوقت ضرورت ان امور کا اظہار ان



بزرگواروں کے ہاتھوں پر کر دیتا ہے تو پھر اس میں ان کی فضیلت کیا ہے، اس شبہ کے دو جواب دیئے جاسکتے ہیں۔ ایک الزامی کہ باوجودیکہ دین کے معاملہ میں بغیر اسلام اس قدر پابند حکم خدا ہیں۔ کہ جب تک وحی الہی نہ ہو ایک حرف بھی اپنی خواہش سے لپ پر نہیں لاتے۔ دوماً یسوع بن الہدیٰ اور ان کی عترت طاہرہ اس قدر مشیت ایزدی کے تابع ہے کہ اس کی مرضی و منشاء کے بغیر دل میں کوئی ارادہ بھی نہیں کرتے تو جو فضیلت آنحضرت کو اس نبوت و رسالت میں ائمہ اہل بیتؑ کو وصایت و امامت میں ہے وہی ان کے ہاتھوں پر ظہور معجزہ میں ہے۔ اور حلی جواب یہ ہے کہ تمام کائنات کو نظر انداز کر کے خدا نے حکیم و علیم کا اظہار معجزہ کے لئے صرف انبیاء و اوصیاء کو منتخب کرنا ان بزرگواروں کی بڑی عظیم فضیلت ہے آخر اس انتخاب کے لئے بھی تو کوئی مرجع ضروری ہے۔ ورنہ ترجیح بلا مرجع۔ یا ترجیح مرجع پر راجع لازم آئے گی۔ اور یہ عند الغلاء باطل ہے اور وہ ان کے علمی و عملی کمالات میں۔ ورنہ من و منشا کے ہاتھوں پر کیوں ظاہر نہیں ہوتا۔ کیا یہ ان کی تھوڑی عظمت و جلالت ہے کہ جب بھی کسی کام کا ارادہ فرمائیں اور خدا سے دعا کریں۔ تو حسب منشاء فوراً وہ کام انجام پذیر ہو جاتا ہے۔ لا یؤد الله مشیتهم و لکن ما یشاؤن الا ان یشاء الله لان قلوبہم اوعیۃ لمشیۃ الله اذا شاء الله شاء (ارشاد امام زمانہ)

**ساتواں شبہ اور اس کا جواب** اس مقام پر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگر معجزہ میں منکرین کی استدعا اور معجزہ نما کی دعا ضروری ہے۔ تو پھر آنحضرت کی ولادت کے وقت ہجرۃ مابوا کا خشک ہونا تبصر کسری کے گنگرے ٹوٹنے۔ آتش کدہ فارس کے گلی ہونے و امثال ذلک میں کس کی استدعا اور کس کی دعا حق ہے اس شبہ کا جواب بالکل واضح ہے کہ یہ شبہ اصطلاح علماء متکلمین سے عدم واقفیت پر مبنی ہے۔ ورنہ اہل علم حضرات جانتے ہیں کہ اس قسم کے خارق عادت امر بکوسی نبی یا امام سے اعلان نبوت یا امامت سے قبل ظاہر ہوں ان کو اصطلاح میں معجزہ نہیں بلکہ ارباص کہہ جاتا ہے جس میں معجزہ واسطے شرائط کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ اگر کبھی کبھار اس پر معجزہ کا اطلاق ہوا ہے تو وہ من باب المجاز ہے، و ملاحظہ ہو تجرید محقق طوسی و شرح تجرید علامہ حلی قدس سرہ ص ۲۴ اور حق البیقین از علامہ تہذیب اللہ شبرج ص ۱ وغیرہ) علاوہ بریں یہ بھی واضح ہے کہ یہ کام بھی انجام خدا کے رحم ہی دیتا ہے نہ نبی و امام کما لا یجفی علی اولی الانہام۔

**آٹھواں شبہ اور اس کا جواب** یہ بھی کہا جاتا ہے کہ شرح تجرید میں شرائط معجزہ کے سلسلے میں لکھا ہے انذانی ان یکون من قبل الله تعالیٰ او بامرہ یعنی معجزہ کی دوسری شرط یہ ہے کہ وہ منہاج اللہ ہو۔ یا اس کے حکم سے ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ معجزہ نبی و امام کا فعل ہوتا ہے جسے وہ بامر اللہ انجام دیتے ہیں اس شبہ کا جواب بھی واضح ہے کہ دراصل یہ شرح تجرید کی عبارت کے صحیح مفہوم کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے۔ اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ معجزہ ہر حال ہے تو فعل خدا۔ مگر اس کا ظہور دو طرح ہوتا ہے کبھی تو بغیر ظاہری



امر و حکم اس کا ظہور ہوتا ہے جیسے شق القمر و احیاء موتی و البصار اعمی وغیرہ اور کبھی اس کا ظہور و امر و حکم ایزدی کے تحت ہوتا ہے جیسے قلنا یا نار کوئی بدو آدمی نے آتش نمودی کو حکم دیا کہ ٹھنڈی ہو جا، چنانچہ ہدایت الموحیدین ص ۱۸۵ طبع ایران کے فاضل مصنف نے اس عبارت کا یہی مطلب بیان کیا ہے۔ ان کی اصل عبارت یہ ہے ”معجزہ بابر از فعل خدا اقلے باشد مثل احیاء موتی و البصار اعمی وغیرہ آن یا جاری بحیرای فعل باشد مثل اینکه بامر او باشد چنانچہ فرمودہ است قلنا یا نار کوئی بدو آدمی نے اسلما علی ابیہم“ یعنی چاہئے کہ معجزہ یا تو فعل خدا ہو جیسے مردہ کا زندہ کرنا۔ اندھے کو بینا بنانا یا اس کے فعل کے قائم مقام ہو۔ یعنی اس کے امر سے واقع ہو جیسے اس کا یہ ارشاد کہ ہم نے آگ کو حکم دیا کہ حضرت ابراہیمؑ کے لئے سرد اور باعث سلامتی ہو جا۔ اس سے یہ حقیقت واضح و آشکار ہو گئی۔ کہ ہر صورت بمعجزہ فعل خدا ہی ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ ایک معجزہ تو فعل ہے۔ دوسرا قول ”فلا یحی خدا ہے اور ناعمل بھی خدا۔ یہ ہے اس عبارت کا صحیح مفہوم۔ شریح تجرید سے جو مطلب ان حضرات نے اخذ کیا ہے۔ وہ سود فہم کی دلیل ہے سچ ہے کہ ”و کد من عائب قولاً صلیحاً۔ و آفتہ من الفہم السقیم۔ افحکم الجاہلیۃ بیغون ومن احسن من اللہ حکماً المقدم یوقنون؛ حللہ سبیل ادعوالی اللہ علی بصیرہ انا ومن اتبعنی و سبحان اللہ و ما اتانا من المشرق کین سبوح“

**معجزہ کا فعل خدا ہونا عقل سلیم کی روشنی میں** | عقل سلیم میں یہی فیصلہ کرتا ہے کہ معجزہ کا حقیقی خداوند عالم ہی ہر گز ہے۔ اس کی وجہ اس کی ذات میں تو معجزہ کی حقیقت میں یہ بات داخل ہے کہ وہ خدائی حادث اور انسانی طاقت و قدرت سے بالاتر ہو کر بیسیا کر ابتداء میں اس کی تعریف میں یہ بات واضح کی جا چکی ہے نہ ہر گز کہ نبی و امام میں انسان کا دل ہی میں عینیکر پہلے باب میں یہ مطلب دلالتی قاعدے ثابت کیا جا چکا ہے۔ لہذا اگر نبی و امام خدایا انجام دے سکیں تو معجزہ معجزہ ہی نہ رہے گا (دفعہ اول) (۲) معجزہ کی غرض و غایت یہ کہ تصدیق نبوت و امامت ہوتی ہے تاکہ جب لوگ ان کو خدا کا مقرر کردہ نبی و امام تسلیم کریں۔ تو یہ بزرگوار ان کو محبت و توحید دے سکیں۔ اس لئے عقل سلیم کہتی ہے کہ معجزہ کو فعل خدایا ہونا چاہئے ورنہ معجزہ کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا کیونکہ اگر معجزہ نبی و امام دے گا ہی فعل ہو تو پھر اگر معجزہ خدایا کو خالق و رازق مجرک ترک کے گہرے سمندر میں گر جائیں گے اور اس طرح اپنے دین و دنیا کو برباد کر بیٹھیں گے۔

(۳) معجزات کا تعلق بالعموم امر و حکم میں ہے ہر تہا ہے اور تیسرے باب میں ناقابل تردید مطلق و براہین سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ ان امور کی بابت وکے اور ہاگ ڈر قبضہ قدرت میں ہے۔ اس لئے ان کی انجام دہی کسی بھی مخلوق کے سپرد نہیں فرمائی۔ لہذا مانا پڑے گا کہ معجزات اسی کا تعلق کا فعل ہیں جس کے قبضہ قدرت میں ساری کائنات کی بادشاہی ہے۔ تبارک الذی بیدہ الممک و هو علی کل شیء قہر۔



# چھٹا باب

## سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کے ہر وقت ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کی بیان

یہ امر بھی زمانہ کی توفیقی اور کج رفتاری کا ایک تہی ثبوت ہے۔ کہ آج بعض ایسے مسائل پر بھی بحث آرائی و طبع آزمائی کا سلسلہ جاری و ساری ہے۔ جو ابتدائے آفرینش سے لے کر آج تک محالات عقلیہ سے کچھ جاتے تھے جس طرح (شرکیہ باری، اجتماع ضدین) وغیرہ عقلاً محال و متنع ہیں جن کو معجزاتی چٹکی بنا کر معرض وجود میں نہیں لاسکتی، منجند انہی محالات عقلیہ کے ایک یہ بھی ہے کہ ایک جسم ایک آن میں ایک زمانہ جگہ پر موجود ہو، اگرچہ یہ امر ایسا بدیہی اور بین الثبوت ہے کہ کوئی بھی صحیح الدماغ اس کے محال عقل ہونے میں کلام نہیں کر سکتا۔

یہ صرف خداوند عالم کی شان ہے کہ بوجہ جہیم و جسمانیات سے منترہ ہونے کے علمی و احاطی طور پر ہر جگہ حاضر و ناظر ہے۔ ورنہ کوئی بھی مخلوق خواہ لطیف ہو یا کثیف ایک وقت میں ایک ہی جگہ منصور ہو سکتی ہے۔ امام جعفر صادقؑ اس بابی الفاظ کے اس سوال "کہ اگر خدا آسمان میں ہے تو زمین میں کیوں کر ہے۔ اور اگر زمین میں ہے تو آسمان میں کیوں کر ہو سکتا ہے" کے جواب میں فرماتے ہیں "انما وصف المخلوق الذي اذا نقل من مكان اشتغل به مكان و خلا منه مكان الخ" تم نے مخلوق کی صفت بیان کی ہے۔ کیونکہ مخلوق کی یہ صفت ہے کہ جب ایک جگہ منتقل ہو جائے تو ایک جگہ اُس سے خالی ہو جاتی ہے۔ اور دوسری جگہ پر۔ والہ اعظم السکبۃؑ کہ فی فعل الشرائع و منهاج البریۃ وغیرہم لہذا کسی بھی مخلوق کے لئے بیک وقت ایک سے زائد جگہ پر موجود ہونا اور اُسے ٹپ کرنا اس طرح عقلاً محال ہے۔ کہ اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ مگر نیز لکے روزگار و درویش دہر قدر ہمیں توفیق و استعانت و تشریح یہ بیہیات پر مجبور کر رہی ہے۔ اس لئے اس باب میں قرآن کریم، احادیث معصومین، اتفاق علماء کاملین اور عقل سلیم کی روشنی اس موضوع پر تفسیر و تبصرہ کیا جاتا ہے۔ واللہ سبحانہ ولی التوفیق۔

حاضر اور ناظر دو الگ موضوع ہیں | عام طور پر غلط سمجھ سے کام لیا جاتا ہے۔ اور حاضر و ناظر کو ایک موضوع تصور کر کے اور باہم گڈ گڈ کر کے گھٹلو کی جاسکتی ہے جس کی وجہ سے بحث نتیجہ خیز ثابت نہیں ہو سکتی۔ حالانکہ عند التحقیق معلوم ہوتا ہے کہ حاضر اور ناظر دو الگ الگ مستقل موضوع



ہیں۔ پہلے موضوع کا تعلق بدن و جسم کے ساتھ ہے۔ اور دوسرے کا علم و ادراک کے ساتھ۔ اس لئے ہم ان دونوں موضوعات پر علیحدہ علیحدہ تبصرہ کرتے ہیں انشاء

**محل نزاع کی تعیین** | اصل مقصد پر دلائل پیش کرنے سے قبل محل نزاع کی تعیین ضروری ہے اس امر کے متعلق نہ ہرگز اراکین و احد میں جس دور سے دور تر مقام پر حاضر ہونا چاہیں فوراً حاضر ہو سکتے ہیں۔ اگر یہ بات ہے تو ہم کہتے ہیں کہ عام دور مقامات کا کیا ذکر یہ تو وہ ذات مقدسہ ہیں کہ اگر چاہیں تو چشم زدن میں بارہ ہزار عوالم امکانیہ کی سیر کر کے واپس اپنے مقام پر پہنچ سکتے ہیں۔ (بجارج، ص ۳۴۳) مگر اس امر کو محل نزاع سے کوئی تعلق نہیں ہے یہ تو سرعت سیر سے متعلق ہے۔ دھوشنی اخذ اسی طرح اجسام مثالیہ کے ساتھ ان و احد میں امکانہ متعددہ ہیں حاضر ہو سکتے ہیں بھی کوئی اختلاف نہیں۔ ہاں البتہ جو چیز محل بحث ہے وہ یہ ہے کہ آیا یہ بزرگوار اپنے جسم اصلی کے ساتھ ایک ہی وقت میں ایک سے زائد جگہ پر موجود ہو سکتے ہیں۔ مثلاً آنحضرتؐ اپنے اصلی جسم مقدس کے ساتھ جس وقت مکہ میں تشریف رکھتے ہوں۔ اُسی وقت مدینہ میں بھی تشریف فرما ہوں۔ اور بالکل اسی لمحہ عرش پر بھی اور اُسی ساعت فرشتہ پر بھی موجود ہوں۔ بلکہ اُسی آن میں کائنات کی ہر جگہ حاضر ہوں۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ بات اس طرح عقلاً محال و ناممکن ہے۔ کہ عقل انسانی اس کا تصور کرنے سے بھی قاصر ہے۔ اس پر ذیل میں بطور قیہ و غائب غفلت میں سوئے ہوئے لوگوں کو بیدار کرنے کے لئے چند اشارات پیش کئے جاتے ہیں:

**حاضر ہونے کی نفی قرآن کریم کی روشنی میں** | قرآن مجید میں ایسی بکثرت آیات مقدسہ موجود ہیں جن سے آنحضرتؐ کی ہر زمان و ہر مکان میں حاضر و موجود ہونے کی نفی ہوتی ہے۔ بطور نمونہ چند آیات مبارکہ پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) و ما کنت لدیہم اذ یلقون اقلامہم ۱۱۴ یوسف و ما کنت لدیہما ذی ختمون (پہلے سن آل عمران ع ۱۳) (اے رسول! تم تو ان سرپرستان مریمؑ کے پاس موجود نہ تھے۔ جب وہ لوگ اپنا اپنا قلم و دریا میں بطور قرعہ کے ڈال رہے تھے۔ دیکھیں) کون مریمؑ کا کفیل بنتا ہے۔ اور نہ تم اُس وقت اُن کے پاس موجود نہ تھے۔ جب وہ لوگ آپس میں جھگڑ رہے تھے۔

(۲) و ما کنت لدیہم اذ اجبوا امومہم و ہم یحکرون (پہلے یوسف ع ۵) جس وقت یوسفؑ کے بھائی باہم اپنے کام کا مشورہ کر رہے تھے۔ اور (بلاک کی) تذبذبیں کر رہے تھے۔ تم ان کے پاس موجود نہ تھے۔

(۳) و ما کنت بجانب الغوبی اذ تنبیتا الی موسیٰ الامور و ما کنت من الشاہدین (پہلے یوسف ع ۸) اور (اے رسول!) جس وقت ہم نے موسیٰؑ کے پاس اپنا حکم بھیجا تھا۔ تو تم (طور کے) مغربی جانب موجود نہ تھے۔ اور نہ تم



ان واقعات کے بچشم دید کیجئے وہیں سنئے۔

(۴) وما كنت ثاویفاً فی اهل مدینة تتلو علیہم ایاتنا ولکننا موسلین۔ اور نہ تم مدین کے لوگوں میں رہے تھے کہ ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھتے (اور تم کو ان کے حالات معلوم ہوتے) مگر ہم تو (تم کو) پیغمبر بنا کر بھیجنے والے تھے۔

(۵) وما كنت بجانب الطور اذ نادینا ولکن رحمةً من ربك لتنذر قومنا ما اتاهم من نذیر من قبلك لعلهم یتذکرون (پہلے س قصص ع ۸) اور نہ تم طور کی کسی جانب اس وقت موجود تھے۔ جب ہم نے (موسیٰ کو) آواز دی تھی۔ تاکہ تم دیکھتے (مگر یہ تمہارے پروردگار کی مہربانی ہے۔ تاکہ تم ان لوگوں کو جن کے پاس تم سے پہلے کوئی ڈرانے والا آیا ہی نہیں۔ ڈراؤ۔ ترجمہ فرمان)

ان آیات مبارکہ سے بعبارة النص یہ بات روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہو جاتی ہے۔ کہ جب یہ واقعات رونما ہوئے۔ اس وقت جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں حاضر نہ تھے۔ جب سردار اہلبیت کے حاضر ہونے کی نفی کر دی گئی۔ تو پھر ائمہ اہل بیت کے حاضر ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ان آیات مبارکہ سے بعض ہوائی کتب میں یہ کہہ کر خلاصی کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ ان سے وجود کی نفی تبصرہ ہوتی ہے نہ روایت کی۔ اس کے متعلق پہلی گفتنی بات تو یہ ہے کہ یہاں بحث بھی تو جسمانی حضور و وجود کی ہے اور جب تسلیم کر لیا گیا کہ ان آیات سے حضور و وجود کی نفی ہوتی ہے تو پھر بحث ہی ختم ہو گئی۔

دوسری بات یہ ہے کہ جہاں تک نئی روایت کا تعلق ہے گو ہم اس موضوع پر مکمل تبصرہ تو ناظر کی بحث میں کریں گے مگر سردست آتائیں لیں۔ کہ خلاق عالم ارشاد فرماتا ہے تِلْكَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيْهَا اِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا (پہلے س ہود ع ۴۴) یہ غیب کی چند خبریں ہیں جن کو ہم تمہاری طرف وحی کے ذریعہ پہنچاتے ہیں۔ اس کے قبل نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہاری قوم ہی جانتی تھی۔ (ترجمہ فرمان) اب یہ امر محتاج بیان نہیں کہ ہم کی نفی روایت کی نفی کو مستلزم ہے۔

(۶) مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰی ثَلَاثَةٍ اِلَّا هُوَ اَوْ اَبْعَدُ وَلَا خَمِصَةَ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا اَدْنٰی مِنْ ذٰلِكَ وَلَا اَكْثَرُ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَمَا كَانُوْا (پہلے س ہود ع ۴۵) جب تین (آدمیوں) کا مشورہ ہوتا ہے تو وہ (خدا) ان کا ضرور چوتھا ہے۔ اور جب پانچ کا (مشورہ) ہوتا ہے تو وہ ان کا چھٹا ہے۔ اور اس سے کم ہوں یا زیادہ۔ اور جہاں کہیں ہوں۔ وہ ان کے ساتھ ضرور ہوتا ہے۔

(۷) وَفَحْنُ اقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ۔ (پہلے س ق ع ۱۶) اور ہم تو اس کی شرک و حیات سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ (ترجمہ فرمان)



(۸) دکان اللہ علیٰ کل شئی رقیباً (پس احزاب ۲) اور خدا تو ہر چیز کا نگران ہے۔  
 ان آیات وانی ہدایات کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ یہ امر اظہر من الشمس ہو جاتا ہے۔ کہ ہر جگہ (علمی طور پر) حاضر و موجود ہونا  
 خداوند عالم کی ذات سے مخصوص ہے۔ ویسے کہ مشابہ شئی ع

(۹) و انکون فی شأن و ما تملوا منہ من قرآن ولا تعمدون من عمل الا کنا علیکم شہوداً  
 اذ تفتنون فیہ (پس یونس ۱۲) اور (اے رسول) تم چاہے کسی حال میں ہو اور قرآن کی کوئی سی ہی آیت  
 تلاوت کرتے ہو۔ اور (لوگو) تم کوئی سا بھی عمل کر رہے ہو ہم (بہر وقت) جب تم اس کام میں مشغول ہوتے ہو تم کو  
 دیکھتے رہتے ہیں۔

اس قسم کی متعدد و متنوع ادعیہ و احادیث معصومین  
 حاضر ہونے کی نفی احادیث معصومین کی روشنی میں  
 موجود ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر وقت  
 برآں ہر جگہ موجود ہونا خداوند عالم کی ذات کے ساتھ مختص ہے۔ اور کوئی اس صفت میں اس کا شریک نہیں  
 ہے۔ بطور نمونہ چند ادعیہ و احادیث پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) فرماتے ہیں انادیک یا موجوداً فی کل مکان۔ میں تجھے پکارتا ہوں۔ اے وہ خدا جو ہر مکان میں  
 (علمی و احاطی طور پر) موجود ہے۔

(۲) شب عذہ کی دعائیں وار ہے۔ ”اللہم یا شاہد کل بخوی و موضع کل شکوی الخ۔ اے وہ خدا  
 ہر سرگوشی کے مقام پر حاضر اور ہر شکوہ و شکایت کا محل ہے۔“ (مفاتیح ص ۲۵)

(۳) دعائے یتیم میں وارد ہے۔ ”انت یا رب موضع کل شکوی و حاضر کل ملأ و شاہد کل بخوی الخ  
 اے پروردگار تو ہی ہر شکایت کی جگہ، تو ہی ہر گروہ کے پاس حاضر اور تو ہی ہر سرگوشی کے مقام پر موجود ہے۔  
 (مفاتیح ص ۲۹)

(۴) دعائے یوشن کبیر میں وارد ہے۔ یا من هو قریب غیب و بعید یا من هو علیٰ کل شئی شہید الخ۔ اے وہ  
 خدا جو قریب ہے نہ بعید، اے وہ خدا جو ہر چیز پر حاضر ہے۔“ (مفاتیح ص ۲۹)

(۵) حضرت امام زین العابدین علیہ السلام اپنی دعائے تسبیح میں فرماتے ہیں۔ سبحانک انت شاہد کل  
 بخوی سبحانک موضع کل مشکوی سبحانک حاضر کل ملأ۔ (صحیفہ تجاہد ص ۳۱)

(۶) اس مضمون کی متعدد روایات موجود ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ ان اللہ ملائکۃ سیاحین  
 فی الارض یبلغونی عن امتی السلام۔ یعنی خدا کے کچھ ایسے فرشتے ہیں۔ جو ہر وقت زمین میں سیر و سیاحت  
 کرتے رہتے ہیں۔ اور میری امت کا سلام مجھ تک پہنچاتے ہیں۔ کئی روایات میں یہ الفاظ وارد ہیں من



سلم علی فی شئ من الارض وبلغتہ ومن سلم علی عند القبر سمعتہ۔ یعنی جو شخص زمین کے کسی حصہ میں (دوسرے) محمد پر سلام کرے وہ محمد تک (بواسطہ ملائکہ) پہنچایا جاتا ہے۔ اور جو میری قبر کے نزدیک محمد پر سلام کرے اسے میں خود سن لیتا ہوں۔ (وسائل الشیعہ ج ۷ ص ۲۷۹ باب زیارۃ النبی وکون بعید) اگر آنحضرتؐ ہر جگہ موجود ہوتے تو پھر شخص کا سلام خود ہی سماعت فرمالتے۔ اور یہ دور نزدیک کی تفریق نہ ہوتی کہ دور والوں کا سلام فرستتے پہنچاتے ہیں۔ اور نزدیک والوں کا خود سنتے ہیں۔ سو بڑا واضح من ان نفیٰ۔

(۷) جناب امیر علیہ السلام فرماتے ہیں۔ لا تدرك العيون بمشاهدة العیان ولكن تدرك القلوب بحقائق الايمان قریب من الاشياء غیر ملامس بعید منها غیر صامین الخ (نہج البلاغہ ص ۷ ص ۱۷ ترجمہ اردو ص ۶۱) خدا کو یہ آنکھیں آشکارا دیکھ نہیں سکتیں۔ لیکن قلوب بحقائق ایمان کے وسیلے سے اس کا ادراک کر لیتے ہیں۔ وہ ہر چیز کے نزدیک ہے لیکن اسے چھو نہیں جاسکتا وہ ہر چیز سے دور ہے لیکن جدا نہیں ہے۔ (۸) نیز آنجناب ایک خطبہ میں شانِ توحید بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ لا یجل منه مکان فیدارک باینیۃ الخ (کتاب التوحید للشیخ صدوق ص ۱۵) کوئی مکان خدا غائب نہیں ہے تاکہ اس کا ادراک کسی خاص مکان کی ذمہ سے کیا جائے۔

(۹) جناب امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں۔ نائی فی قریبہ وقرب فی نائہ فہو فی یعدۃ قریب وفی قریبہ بعید الخ (کتاب التوحید ص ۲۴) خدا وہ ہے جو باوجود قرب (علمی) کے (جسمانی طور پر) دور ہے اور باوجود (جسمانی) دوری کے (علمی و احاطی طور پر) نزدیک ہے۔

(۱۰) دعائے زیارت امام العظمیٰ (جو کہ نماز صبح کے بعد پڑھی جاتی ہے) میں وارد ہے اللہم صلّ علی صاحب الزمان صلوات اللہ علیہ عن جمیع المؤمنین والمؤمنات فی مشارق الارض ومغاربہا۔ وعن ولدی وولدی وعن من الصلوات الخ۔ بار انا! جناب صاحب الزمانؑ کی خدمت میں میرے والدین اور میری اولاد نیز تمام مشرق و مغرب کے اہل ایمان کی طرف سے سلام پہنچا (مفتاح ص ۵۳) (۱۱) دعائے ندبہ میں وارد ہے۔ فبغۃ منا تحیۃ وسلاماً الخ یا اللہ! میرے امام زمانہؑ تک میرا تحیۃ و سلام پہنچا دے (مفتاح الحجتان ص ۵۳)

ناظرین والانتہیں۔ خود فرمائیں کہ اگر امام العصر علیہ السلام تعالیٰ فرج ہر جگہ حاضر ہیں۔ تو پھر خداوند عالم کی بارگاہ میں یہ درخواست پیش کرنے کی کیا ضرورت ہے کہ وہ ان تک ہمارے سلام پہنچائے؟ معلوم ہوا امام زمانہ حاضر نہیں بلکہ غائب ہیں۔ کس قدر تعجب کا مقام ہے۔ کہ جو بزرگوار اس وقت دلی عصر و زمانہ میں ہے وہ تو غائب ہے (جنہیں کہا ہی امام غائب جاتا ہے) اور اسی لئے ان کے تعین ظہور کی دعائیں کی جاتی ہیں اور



بزرگوار کا ہری موت کا ذائقہ چکھ کر دارفانی سے عالم جاودانی کی طرف انتقال فرما چکے ہیں وہ ہر وقت ہر جگہ حاضر ہیں؛ انھذا الشئ عجیب“

(۱۱۲) ایک مرتبہ ابن ابی العوجاء (زہد نقی) نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں اثباتِ صانع کی درخواست کی۔ امام نے وجودِ باری پر (بطور تہنیت) دلیل پیش فرمائی۔ ابن ابی العوجاء نے کہا۔ اعلیٰ علی غائب“ آپ نے ایک غائب ہستی کا حوالہ دے دیا ہے۔“ امام علیہ السلام نے سن کر فرمایا۔ ”ولیک کیف یكون غائباً من هو مع خلقه شاهد والیہم اقرب من حبل الورد لیسعہ کلامہم ویروئ اشخاصہم ویعلم امرہم انوس ہے تیرے لئے بھلا وہ کیسے غائب ہو سکتا ہے جو اپنی مخلوق کے پاس حاضر ہے۔ اور ان کی شہ رگ حیات سے بھی زیادہ ان کے نزدیک ہے۔ وہ ان کے کلام کو سنتا ہے۔ اجسام کو دیکھتا ہے۔ اور ان کے سر بستہ رازوں کو جانتا ہے۔“ اس پر زہد نقی نے عرض کیا۔ اہد فی کل مکان؛ کیا وہ ہر جگہ حاضر ہے؛ (یہ کیونکر ہو سکتا ہے) جب وہ آسمان میں ہوگا تو زمین میں کس طرح ہو سکتا ہے۔ اور جب زمین میں ہوگا تو پھر اُس وقت آسمان میں کس طرح ہو سکتا ہے؛ امام علیہ السلام نے فرمایا۔ ”انما وصفت المخلوق الذی اذا انتقل عن مکان اشتغل بہ مکان اخر و خلا منہ مکان فلا یدری فی المکان الذی صار الیہ ما یحدث فی المکان الذی کان فیہ فاما اللہ العظیم لسان الملک الذیان فلا یخلو منہ مکان ولا یشغل بہ مکان ولا یمکن الی مکان اقرب منہ الی مکان“ یہ تو نے مخلوق (و ممکن جسم) کی صفت بیان کی ہے۔ کہ جب وہ ایک جگہ سے منتقل ہو جائے تو اس سے دوسری جگہ پڑ ہو جاتی ہے۔ اور پہلی جگہ خالی ہو جاتی ہے۔ اسے دوسری جگہ منتقل ہونے کے بعد کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ اب پہلی جگہ لیا ہو رہا ہے۔ لیکن خدائے عظیم الشان و بادشاہِ دہان (جزاؤ دہندہ) ایسا کچھ اس سے نہ کوئی ٹکے پڑے اور نہ کوئی جگہ خالی ہے۔ (کیونکہ وہ جسم و جسمانیات سے منزہ ہے) اور نہ کوئی جگہ بہ نسبت دوسری جگہ کے اس سے زیادہ نزدیک ہے۔“ (کیونکہ اس کا علم سب کو یکساں طور پر محیط ہے) (اصول کافی ص ۶۱۰ باب الحکۃ والانتقال) اس حدیث شریف سے ہمیں کائنات کی رابعۃ التہار واضح و آشکار ہوتا ہے کہ ہر آن ہر جگہ حاضر و موجود ہوتا صرف خدائے دیان کی شان ہے۔ ولا یشکرک فیہ احد من الخلق۔

عاصر ہونے کی نفی علماء اعلام بانی کی روشنی میں اگرچہ اس سلسلہ میں بہت سے علماء اعلام کا کلام متواتر ہے۔ ترجمان پیش کیا جاسکتا ہے۔ مگر ایک نواں مسئلہ کی جاہت وضاحت دوسرے اختصار کے پیش نظر صرف چند احادیث کے بیانات درج کئے جاتے ہیں۔

۱۔ علامہ جلیل القدر شیخ محمد بن علی بن شہر آشوب مازندرانی اپنی کتاب منتہیات القرآن ج ۱ ص ۱۰۰ پر لکھتے ہیں۔ ”والجسم لا یصح ان یکون فی الاماکن الکثیرۃ فی حالۃ واحدۃ“ ایک جسم کا ایک ہی وقت



میں متعدد مقامات پر حاضر ہونا صحیح نہیں ہے۔

(۲) علامہ نوئی منہاج البراءہ شرح بیچ البلاغ ج ۲ ص ۲۵۹ پر لکھتے ہیں ”یحکم الانسان بان الشئ الواحد لا يتصور ان يكون في مكانين في حالته واحده“ دھنڈا حکم العقل علی کل شخص الخ یعنی انسان (اپنے وجدان سے) فیصلہ کرتا ہے کہ ایک شخص کے ایک وقت میں دو جگہ ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا اور تمام اشخاص کے متعلق عقل کا یہی فیصلہ ہے۔

(۳) ناصر الملت جناب مولانا سیدنا حسین مکتبوی سے مسئلہ دریافت کیا جاتا ہے ”یہ روایت شہور ہے کہ جناب امیر علیہ السلام نے بوقت واحد چالیس جگہ افطار صوم کیا۔ اور جبریلؑ نے بھی جناب رسول خدا سے عرض کیا کہ خداوند عالم فرماتا ہے: ”میں نے عرش پر افطار کیا ہے۔“ صحیح ہے اور پھر عینا اس کا مجاہد میں جائز ہے یا نہیں۔ اس لئے کہ یہ روایت علیؑ کے عرش پر تشریف لے جانے کی مستلزم ہے۔ یہ بجز خدا پر اس سوال کا یہ جواب دیتے ہیں ”یہ روایت کتب معتبرہ میں نظر قاصر سے نہیں گذری۔ البتہ فاضل جزائری نے اجمالاً اس کا ذکر انوار نعمانیہ میں کیا ہے۔ اور امیر المؤمنینؑ کا عرش پر تشریف لے جانا تو کچھ محل اشکال نہیں ہے لیکن کسبم واحد ایک زمانہ میں پائیس مقام پر تشریف لے جانا البتہ محال عقل ہے ہر چند کہ تعدد اجسام مثالیہ وغیرہ سے تاویل اس مضمون روایت کی ہو سکتی ہے۔ مگر چونکہ اصل وجدان اس کا کتب معتبرہ میں ثابت نہیں۔ لہذا تاویل اس کی ضروری نہیں۔ واللہ العالم۔ ناصر حسین عفی عنہ بقلمہ (لاحظہ ہو رسالہ الحوادث ص ۱۷۷ کتب باب المسائل بابت ماہ ذیقعدۃ الحرام ۱۷۷۱ جلد ۱ نمبر ۶)۔

(۴) حضرت علامہ ابوالفضل زرقی اپنے رسالہ ”تشریح“ در سے از ولایت طبع تہران میں فرماتے ہیں ”ہر جسم دو چیز ہے لطیف و چر غیر لطیف محتاج بحیثیت و ملکات و ہر ممکن الوجود سے محدود است رسولؐ و امامؑ نیز ہر دو بشر و در آن روح و بدن و محدود و محتاج بمکان و در آن واحد ممکن نیست در دو مکان باشند چہ رسد بامکنہ بشتری پس ایشان مجرور از مکان و محدود و محتاج بحیثیت“ الخ پس محال است بدن واحد یا روح واحد کہ یک مکان دارد۔ در تمام امکان حاضر باشند در آن واحد الخ یعنی ہر جسم دو ہر خواہ لطیف ہو اور خواہ کثیف وہ مکان کا محتاج ہے نیز ہر ممکن الوجود محدود ہے ظاہر ہے کہ نبی و امام بھی بشر اور صاحب روح و بدن ہیں۔ اور محدود و محتاج مکان میں اس لئے یہ ممکن ہی نہیں۔ کہ وہ آن واحد میں دو مکانوں میں حاضر ہوں تاچہ رسد بامکنہ کثیرہ۔

(۵) جناب مولانا سید محمد سبطین سرسوی موعظہ حسنہ حصہ دوم ص ۳۹ طبع دوم موعظہ چہارم میں لکھتے ہیں۔ ”شاید اگر وقوع واقع پر موجود ہو تو وہ اس واقعہ کی شہادت دے سکتا ہے۔ اور ایک وقت میں چند مواقع پر موجود نہیں ہو سکتا۔“

ہم سر دست ”ناظر کی بحث نہیں کر رہے“ حاضر میں کلام اللہ اگر کوئی ہستی تمام اشیاء پر حاضر ہو تو بحسب ظاہر



اس کی دو ہی صورتیں متصور ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ یہ جملہ اثبات اس کے سامنے حاضر ہوں یہ صورت ناممکن ہے۔ مولانا محمد سبطین کی لفظوں میں نہیں، فرماتے ہیں "صورت اول مشکل بلکہ ناممکن اور خلاف مشاہدہ ہے کیونکہ نہ تو ہر ایک شخص ہر وقت و ہر حال میں پیغمبر و امام کے سامنے جاتا ہے۔ اور اس کے سامنے ہر عمل کرتا ہے۔ اور نہ دوسری چیزیں اس کے پاس جاتی ہیں" دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ وہ ذات ہر ہر شے کے پاس موجود و حاضر ہو۔ یہ بھی ناممکن ہے۔ کیوں! مولانا موصوف کی زبانی سنئے "لیکن یہ بھی ظاہر ہے کہ جسم پیغمبر ایک ہی جگہ ہوتا ہے۔ پھر کس طرح سے وہ تمام اثبات پر حاضر ہوتا ہے؟" دو مواظبت حضرت دوم ص ۲۲۷ موعظہ پنجم، الفرض ع یہ ہی تھے دو حساب سویوں پاک ہو گئے

جب حضور و شہود کی یہ دونوں شقیں باطل ہیں تو۔

حیراں ہوں پھر مشاہدہ کے کس حساب میں

اس کے بعد مولانا مرحوم نے یہ ثبات کرنے کی کوشش فرمائی ہے کہ وہ روح بنو قی و امامت کی وجہ سے حاضر و ناظر ہوتے ہیں۔ اس پر ہم ناظر کے ذیل میں گفتگو کریں گے انشاء۔

حاضر ہونے کی نفی عقل سلیم کی روشنی میں | اہل عقل و خرد جانتے ہیں کہ کسی امر کی اثبات یا نفیاً تصدیق کرنے سے پہلے اس امر کا فی الجملہ تصور ضروری ہوتا ہے۔

اس کے بغیر تصدیق نہیں ہو سکتی۔ مگر ہم جس فاسد نظریہ کے ابطال پر خامہ فرسائی کر رہے ہیں۔ اس کی کیفیت یہ ہے کہ عقل و خرد جس قدر چاہے زود لگا لگائے اور انسانی معدود دانش جس قدر چاہے بلند پروازی کے دام بچائے مگر اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ کہ ایک ہی جسم ایک ہی آن میں ایک سے زائد مقام پر کیونکر حاضر ہو سکتا ہے۔

ظاہر ہے کہ جب تصور ناممکن ہے تو پھر تصدیق کا سوال ہی خارج از بحث ہے، حقیقت یہ ہے کہ ایسے بدیہی اور واضح حقائق کے اثبات پر خامہ فرسائی کرتے ہوئے ندامت و انگیز ہوتی ہے مگر ابتدائے بحث میں غرضاً ہی ردی گئی ہے۔ کہ ہمیں قسمتی سے سابقہ ان لوگوں سے پڑا ہے جو "لا یعرفون الموت من البر ولا یحیون

بین المحال والممكن۔ قالی اللہ المشرق من معشر یعیشون جہلاً لا یموتون ضلاً۔ اس لئے خود مستدانِ عالم سے امید کال ہے کہ بموجب الجبور معذور۔ ہمیں اس توضیح و اضحات پر معذور تصور کریں گے ہر حال ان ذواتِ مقدسہ کو ہر وقت ہر جگہ بحسبِ اصل حاضر سمجھنے والوں کو آخر کچھ تو عقل و ہوش سے کام لینا چاہئے کہ۔

(۱) اگر آنحضرت ہر جگہ موجود تھے۔ تو یہ مکہ و مدینہ والی زندگی کی تفریق کس بنا پر ہے؟

(۲) اگر پہلے ہی ہر جگہ حاضر تھے۔ تو پھر شبِ ہجرت کے واقعہ کی اصلیت کیا ہے؟



(۳) اسی طرح اگر جناب امیر علیہ السلام ہر جگہ موجود تھے تو پھر شب بھرت بستر رسول پر سونے کی حقیقت کیا ہے؟  
 (۴) اگر ہر جگہ موجود تھے تو مدینہ کی سکونت ترک کر کے کوفہ کو اسلامی دار الخلافہ قرار دینے کی مامیت کیا ہے؟  
 (۵) اگر امام حسن مجتبیٰ ہر جگہ حاضر تھے تو امیر شام سے مصالحت کے بعد مدینہ واپس تشریف لانے کے کیا معنی ہیں؟  
 (۶) اگر حضرت امام حسین ہر جگہ حاضر تھے تو پھر ۲۸ رجب ۶۱ھ کو مدینہ سے روانہ ہو کر ۳ شعبان کو مکہ کوتر پہنچنے اور پھر وہاں چند ماہ قیام کرنے کے بعد ذی الحجہ کو عراق کی طرف روانہ ہونے اور ہر منزل پر قیام کرنے کے بعد بالآخر ۲ محرم ۶۱ھ کو کربلا میں وار ہونے کا کیا مطلب ہے؟

دعا اگر زین العابدین ہر جگہ حاضر تھے تو پھر شہادتِ امام کے بعد کربلا سے کوفہ کو نہ سے شام اور پھر زندانِ شام کی صعوبتیں برداشت کرنے کے بعد تباہ حال امیرانِ آل محمد علیہم السلام کے ساتھ واپس مدینہ تشریف لے جانے کا کیا مفہوم ہے؟

(۷) اگر یہ تمام بزرگ ہر جگہ حاضر ہیں تو امام موسیٰ کاظم کو مسجد نبوی سے عین حالتِ ناز میں مامون عباسی کے آدمیوں کا گرفتار کر کے پہلے کچھ عرصہ زندانِ بصرہ میں رکھنے اور پھر وہاں سے زندانِ بغداد میں منتقل کرنے حتیٰ کہ بالآخر امام کے زندانِ بغداد میں ہی زہر حفا سے جامِ شہادت نوش کرنے کی کیا اصلیت ہے؟

(۸) اگر امام ہر جگہ حاضر ہیں تو پھر امام رضا کا مامون عباسی کے شدید اصرار پر مدینہ سے بغداد تشریف لے جانے اور پھر وہاں سے منازلِ سفر طے کرتے ہوئے طوس پہنچ کر جامِ شہادت نوش کرنے کا کیا ماجرا ہے؟

(۹) اگر یہ فداستِ فادسہ ہر جگہ ہر وقت حاضر ہیں تو پھر امام علی نقی کا متوکل عباسی کے اصرار پر مدینہ سے سامرا تشریف لے جانے اور وہاں شقی کے ظلم و ستم کا نشانہ بن کر بالآخر شربتِ شہادت پینے کی کیا حیثیت ہے؟  
 (تک عشرۃ کاملہ سے)

انہ کے غمِ دل تو گھٹم و بھان ترسیدم کہ آذر دہ شوی در زنجیر بسیار است  
 آخر کچھ تو سوچو عقل و ہوش کا کیوں جنازہ نکالتے ہو اور اس سائنسی ترقی کے علمی دور میں غیروں کو مذہب و اہل مذہب کا مذاق اڑانے کا کیوں موقع دیتے ہو۔ ڈرو۔ اُس وقت سے جو آنے والا ہے، بہر کیف ان عقائد کی روشنی میں محقق و مبرہن ہو گیا ہے کہ جناب رسولِ خدا اور ائمہ ہدیٰ علیہم السلام کے ہر وقت ہر جگہ جسمِ اصلی کے ساتھ حاضر ہونے کا نظریہ بالکل خلاف عقل و نقل و فطرت ہے۔ بعد ازیں ان لوگوں کی عقل و خرد اور علم و فضل کی داد دیکھنے جو یہ اعلان کر کے پیوے نہیں سہاتے کہ ہم حضرت امیر کو آن و احد میں امکانِ متعدّدہ میں حاضر و ناظر ہو جانے والا مانتے ہیں۔ اس جگہ میں ۲۲ عدد مدعیانِ علم و فضل کے دستخطوں سے شائع کردہ حقائقِ مذہبِ شیعہ کے سوال نمبر ۲۰ اور اس کے جواب کو دیکھ کر ان حضرات کی ہوشیاری اور رائے عامہ سے مرعوب ہو کر کھٹکتا



قبول حق سے ہزاری پر بیت تعجب ہوتا ہے پہلے صورت سوال توڑ کر یوں پیش کی جاتی ہے کہ کیا اس حضرت اور ائمہ بڑی وقت و امد میں متعدد مقامات پر جسم مثالی سے تشریف لے جاسکتے ہیں۔ یا اس جسم سے نہیں جاسکتے؟ پہلے تو اس سوال میں ہی بڑی چالاک سے کام لیا گیا ہے کیونکہ تمام تر بحث بیک وقت جسم عنصری و اصلی کے ساتھ ممکنہ متعدد میں حاضر ہونے کے متعلق ہے۔ مگر سوال میں جسم مثالی لکھا گیا ہے۔ سو کہ خارج از بحث ہے۔ جیسا کہ اس باب کی ابتداء میں اس کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ بہر حال اس سوال کا متفقہ طور پر جواب اس طرح دیا جاتا ہے: "ایسی مستیوں کے لئے اس سوال کا کیا محل ہے۔ جو شب معراج آن واحد میں عالم امکان کی آخری حد تک جاتے ہیں اور وہیں بھی آجاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ آنحضرت کو جسم مثالی سے نہیں بلکہ اسی جسم سے خدا نے تشریف معراج بخشا تھا۔" (۱) (۲) (۳) (۴) (۵) (۶) (۷) (۸) (۹) (۱۰) (۱۱) (۱۲) (۱۳) (۱۴) (۱۵) (۱۶) (۱۷) (۱۸) (۱۹) (۲۰) (۲۱) (۲۲) (۲۳) (۲۴) (۲۵) (۲۶) (۲۷) (۲۸) (۲۹) (۳۰) (۳۱) (۳۲) (۳۳) (۳۴) (۳۵) (۳۶) (۳۷) (۳۸) (۳۹) (۴۰) (۴۱) (۴۲) (۴۳) (۴۴) (۴۵) (۴۶) (۴۷) (۴۸) (۴۹) (۵۰) (۵۱) (۵۲) (۵۳) (۵۴) (۵۵) (۵۶) (۵۷) (۵۸) (۵۹) (۶۰) (۶۱) (۶۲) (۶۳) (۶۴) (۶۵) (۶۶) (۶۷) (۶۸) (۶۹) (۷۰) (۷۱) (۷۲) (۷۳) (۷۴) (۷۵) (۷۶) (۷۷) (۷۸) (۷۹) (۸۰) (۸۱) (۸۲) (۸۳) (۸۴) (۸۵) (۸۶) (۸۷) (۸۸) (۸۹) (۹۰) (۹۱) (۹۲) (۹۳) (۹۴) (۹۵) (۹۶) (۹۷) (۹۸) (۹۹) (۱۰۰) (۱۰۱) (۱۰۲) (۱۰۳) (۱۰۴) (۱۰۵) (۱۰۶) (۱۰۷) (۱۰۸) (۱۰۹) (۱۱۰) (۱۱۱) (۱۱۲) (۱۱۳) (۱۱۴) (۱۱۵) (۱۱۶) (۱۱۷) (۱۱۸) (۱۱۹) (۱۲۰) (۱۲۱) (۱۲۲) (۱۲۳) (۱۲۴) (۱۲۵) (۱۲۶) (۱۲۷) (۱۲۸) (۱۲۹) (۱۳۰) (۱۳۱) (۱۳۲) (۱۳۳) (۱۳۴) (۱۳۵) (۱۳۶) (۱۳۷) (۱۳۸) (۱۳۹) (۱۴۰) (۱۴۱) (۱۴۲) (۱۴۳) (۱۴۴) (۱۴۵) (۱۴۶) (۱۴۷) (۱۴۸) (۱۴۹) (۱۵۰) (۱۵۱) (۱۵۲) (۱۵۳) (۱۵۴) (۱۵۵) (۱۵۶) (۱۵۷) (۱۵۸) (۱۵۹) (۱۶۰) (۱۶۱) (۱۶۲) (۱۶۳) (۱۶۴) (۱۶۵) (۱۶۶) (۱۶۷) (۱۶۸) (۱۶۹) (۱۷۰) (۱۷۱) (۱۷۲) (۱۷۳) (۱۷۴) (۱۷۵) (۱۷۶) (۱۷۷) (۱۷۸) (۱۷۹) (۱۸۰) (۱۸۱) (۱۸۲) (۱۸۳) (۱۸۴) (۱۸۵) (۱۸۶) (۱۸۷) (۱۸۸) (۱۸۹) (۱۹۰) (۱۹۱) (۱۹۲) (۱۹۳) (۱۹۴) (۱۹۵) (۱۹۶) (۱۹۷) (۱۹۸) (۱۹۹) (۲۰۰) (۲۰۱) (۲۰۲) (۲۰۳) (۲۰۴) (۲۰۵) (۲۰۶) (۲۰۷) (۲۰۸) (۲۰۹) (۲۱۰) (۲۱۱) (۲۱۲) (۲۱۳) (۲۱۴) (۲۱۵) (۲۱۶) (۲۱۷) (۲۱۸) (۲۱۹) (۲۲۰) (۲۲۱) (۲۲۲) (۲۲۳) (۲۲۴) (۲۲۵) (۲۲۶) (۲۲۷) (۲۲۸) (۲۲۹) (۲۳۰) (۲۳۱) (۲۳۲) (۲۳۳) (۲۳۴) (۲۳۵) (۲۳۶) (۲۳۷) (۲۳۸) (۲۳۹) (۲۴۰) (۲۴۱) (۲۴۲) (۲۴۳) (۲۴۴) (۲۴۵) (۲۴۶) (۲۴۷) (۲۴۸) (۲۴۹) (۲۵۰) (۲۵۱) (۲۵۲) (۲۵۳) (۲۵۴) (۲۵۵) (۲۵۶) (۲۵۷) (۲۵۸) (۲۵۹) (۲۶۰) (۲۶۱) (۲۶۲) (۲۶۳) (۲۶۴) (۲۶۵) (۲۶۶) (۲۶۷) (۲۶۸) (۲۶۹) (۲۷۰) (۲۷۱) (۲۷۲) (۲۷۳) (۲۷۴) (۲۷۵) (۲۷۶) (۲۷۷) (۲۷۸) (۲۷۹) (۲۸۰) (۲۸۱) (۲۸۲) (۲۸۳) (۲۸۴) (۲۸۵) (۲۸۶) (۲۸۷) (۲۸۸) (۲۸۹) (۲۹۰) (۲۹۱) (۲۹۲) (۲۹۳) (۲۹۴) (۲۹۵) (۲۹۶) (۲۹۷) (۲۹۸) (۲۹۹) (۳۰۰) (۳۰۱) (۳۰۲) (۳۰۳) (۳۰۴) (۳۰۵) (۳۰۶) (۳۰۷) (۳۰۸) (۳۰۹) (۳۱۰) (۳۱۱) (۳۱۲) (۳۱۳) (۳۱۴) (۳۱۵) (۳۱۶) (۳۱۷) (۳۱۸) (۳۱۹) (۳۲۰) (۳۲۱) (۳۲۲) (۳۲۳) (۳۲۴) (۳۲۵) (۳۲۶) (۳۲۷) (۳۲۸) (۳۲۹) (۳۳۰) (۳۳۱) (۳۳۲) (۳۳۳) (۳۳۴) (۳۳۵) (۳۳۶) (۳۳۷) (۳۳۸) (۳۳۹) (۳۴۰) (۳۴۱) (۳۴۲) (۳۴۳) (۳۴۴) (۳۴۵) (۳۴۶) (۳۴۷) (۳۴۸) (۳۴۹) (۳۵۰) (۳۵۱) (۳۵۲) (۳۵۳) (۳۵۴) (۳۵۵) (۳۵۶) (۳۵۷) (۳۵۸) (۳۵۹) (۳۶۰) (۳۶۱) (۳۶۲) (۳۶۳) (۳۶۴) (۳۶۵) (۳۶۶) (۳۶۷) (۳۶۸) (۳۶۹) (۳۷۰) (۳۷۱) (۳۷۲) (۳۷۳) (۳۷۴) (۳۷۵) (۳۷۶) (۳۷۷) (۳۷۸) (۳۷۹) (۳۸۰) (۳۸۱) (۳۸۲) (۳۸۳) (۳۸۴) (۳۸۵) (۳۸۶) (۳۸۷) (۳۸۸) (۳۸۹) (۳۹۰) (۳۹۱) (۳۹۲) (۳۹۳) (۳۹۴) (۳۹۵) (۳۹۶) (۳۹۷) (۳۹۸) (۳۹۹) (۴۰۰) (۴۰۱) (۴۰۲) (۴۰۳) (۴۰۴) (۴۰۵) (۴۰۶) (۴۰۷) (۴۰۸) (۴۰۹) (۴۱۰) (۴۱۱) (۴۱۲) (۴۱۳) (۴۱۴) (۴۱۵) (۴۱۶) (۴۱۷) (۴۱۸) (۴۱۹) (۴۲۰) (۴۲۱) (۴۲۲) (۴۲۳) (۴۲۴) (۴۲۵) (۴۲۶) (۴۲۷) (۴۲۸) (۴۲۹) (۴۳۰) (۴۳۱) (۴۳۲) (۴۳۳) (۴۳۴) (۴۳۵) (۴۳۶) (۴۳۷) (۴۳۸) (۴۳۹) (۴۴۰) (۴۴۱) (۴۴۲) (۴۴۳) (۴۴۴) (۴۴۵) (۴۴۶) (۴۴۷) (۴۴۸) (۴۴۹) (۴۵۰) (۴۵۱) (۴۵۲) (۴۵۳) (۴۵۴) (۴۵۵) (۴۵۶) (۴۵۷) (۴۵۸) (۴۵۹) (۴۶۰) (۴۶۱) (۴۶۲) (۴۶۳) (۴۶۴) (۴۶۵) (۴۶۶) (۴۶۷) (۴۶۸) (۴۶۹) (۴۷۰) (۴۷۱) (۴۷۲) (۴۷۳) (۴۷۴) (۴۷۵) (۴۷۶) (۴۷۷) (۴۷۸) (۴۷۹) (۴۸۰) (۴۸۱) (۴۸۲) (۴۸۳) (۴۸۴) (۴۸۵) (۴۸۶) (۴۸۷) (۴۸۸) (۴۸۹) (۴۹۰) (۴۹۱) (۴۹۲) (۴۹۳) (۴۹۴) (۴۹۵) (۴۹۶) (۴۹۷) (۴۹۸) (۴۹۹) (۵۰۰) (۵۰۱) (۵۰۲) (۵۰۳) (۵۰۴) (۵۰۵) (۵۰۶) (۵۰۷) (۵۰۸) (۵۰۹) (۵۱۰) (۵۱۱) (۵۱۲) (۵۱۳) (۵۱۴) (۵۱۵) (۵۱۶) (۵۱۷) (۵۱۸) (۵۱۹) (۵۲۰) (۵۲۱) (۵۲۲) (۵۲۳) (۵۲۴) (۵۲۵) (۵۲۶) (۵۲۷) (۵۲۸) (۵۲۹) (۵۳۰) (۵۳۱) (۵۳۲) (۵۳۳) (۵۳۴) (۵۳۵) (۵۳۶) (۵۳۷) (۵۳۸) (۵۳۹) (۵۴۰) (۵۴۱) (۵۴۲) (۵۴۳) (۵۴۴) (۵۴۵) (۵۴۶) (۵۴۷) (۵۴۸) (۵۴۹) (۵۵۰) (۵۵۱) (۵۵۲) (۵۵۳) (۵۵۴) (۵۵۵) (۵۵۶) (۵۵۷) (۵۵۸) (۵۵۹) (۵۶۰) (۵۶۱) (۵۶۲) (۵۶۳) (۵۶۴) (۵۶۵) (۵۶۶) (۵۶۷) (۵۶۸) (۵۶۹) (۵۷۰) (۵۷۱) (۵۷۲) (۵۷۳) (۵۷۴) (۵۷۵) (۵۷۶) (۵۷۷) (۵۷۸) (۵۷۹) (۵۸۰) (۵۸۱) (۵۸۲) (۵۸۳) (۵۸۴) (۵۸۵) (۵۸۶) (۵۸۷) (۵۸۸) (۵۸۹) (۵۹۰) (۵۹۱) (۵۹۲) (۵۹۳) (۵۹۴) (۵۹۵) (۵۹۶) (۵۹۷) (۵۹۸) (۵۹۹) (۶۰۰) (۶۰۱) (۶۰۲) (۶۰۳) (۶۰۴) (۶۰۵) (۶۰۶) (۶۰۷) (۶۰۸) (۶۰۹) (۶۱۰) (۶۱۱) (۶۱۲) (۶۱۳) (۶۱۴) (۶۱۵) (۶۱۶) (۶۱۷) (۶۱۸) (۶۱۹) (۶۲۰) (۶۲۱) (۶۲۲) (۶۲۳) (۶۲۴) (۶۲۵) (۶۲۶) (۶۲۷) (۶۲۸) (۶۲۹) (۶۳۰) (۶۳۱) (۶۳۲) (۶۳۳) (۶۳۴) (۶۳۵) (۶۳۶) (۶۳۷) (۶۳۸) (۶۳۹) (۶۴۰) (۶۴۱) (۶۴۲) (۶۴۳) (۶۴۴) (۶۴۵) (۶۴۶) (۶۴۷) (۶۴۸) (۶۴۹) (۶۵۰) (۶۵۱) (۶۵۲) (۶۵۳) (۶۵۴) (۶۵۵) (۶۵۶) (۶۵۷) (۶۵۸) (۶۵۹) (۶۶۰) (۶۶۱) (۶۶۲) (۶۶۳) (۶۶۴) (۶۶۵) (۶۶۶) (۶۶۷) (۶۶۸) (۶۶۹) (۶۷۰) (۶۷۱) (۶۷۲) (۶۷۳) (۶۷۴) (۶۷۵) (۶۷۶) (۶۷۷) (۶۷۸) (۶۷۹) (۶۸۰) (۶۸۱) (۶۸۲) (۶۸۳) (۶۸۴) (۶۸۵) (۶۸۶) (۶۸۷) (۶۸۸) (۶۸۹) (۶۹۰) (۶۹۱) (۶۹۲) (۶۹۳) (۶۹۴) (۶۹۵) (۶۹۶) (۶۹۷) (۶۹۸) (۶۹۹) (۷۰۰) (۷۰۱) (۷۰۲) (۷۰۳) (۷۰۴) (۷۰۵) (۷۰۶) (۷۰۷) (۷۰۸) (۷۰۹) (۷۱۰) (۷۱۱) (۷۱۲) (۷۱۳) (۷۱۴) (۷۱۵) (۷۱۶) (۷۱۷) (۷۱۸) (۷۱۹) (۷۲۰) (۷۲۱) (۷۲۲) (۷۲۳) (۷۲۴) (۷۲۵) (۷۲۶) (۷۲۷) (۷۲۸) (۷۲۹) (۷۳۰) (۷۳۱) (۷۳۲) (۷۳۳) (۷۳۴) (۷۳۵) (۷۳۶) (۷۳۷) (۷۳۸) (۷۳۹) (۷۴۰) (۷۴۱) (۷۴۲) (۷۴۳) (۷۴۴) (۷۴۵) (۷۴۶) (۷۴۷) (۷۴۸) (۷۴۹) (۷۵۰) (۷۵۱) (۷۵۲) (۷۵۳) (۷۵۴) (۷۵۵) (۷۵۶) (۷۵۷) (۷۵۸) (۷۵۹) (۷۶۰) (۷۶۱) (۷۶۲) (۷۶۳) (۷۶۴) (۷۶۵) (۷۶۶) (۷۶۷) (۷۶۸) (۷۶۹) (۷۷۰) (۷۷۱) (۷۷۲) (۷۷۳) (۷۷۴) (۷۷۵) (۷۷۶) (۷۷۷) (۷۷۸) (۷۷۹) (۷۸۰) (۷۸۱) (۷۸۲) (۷۸۳) (۷۸۴) (۷۸۵) (۷۸۶) (۷۸۷) (۷۸۸) (۷۸۹) (۷۹۰) (۷۹۱) (۷۹۲) (۷۹۳) (۷۹۴) (۷۹۵) (۷۹۶) (۷۹۷) (۷۹۸) (۷۹۹) (۸۰۰) (۸۰۱) (۸۰۲) (۸۰۳) (۸۰۴) (۸۰۵) (۸۰۶) (۸۰۷) (۸۰۸) (۸۰۹) (۸۱۰) (۸۱۱) (۸۱۲) (۸۱۳) (۸۱۴) (۸۱۵) (۸۱۶) (۸۱۷) (۸۱۸) (۸۱۹) (۸۲۰) (۸۲۱) (۸۲۲) (۸۲۳) (۸۲۴) (۸۲۵) (۸۲۶) (۸۲۷) (۸۲۸) (۸۲۹) (۸۳۰) (۸۳۱) (۸۳۲) (۸۳۳) (۸۳۴) (۸۳۵) (۸۳۶) (۸۳۷) (۸۳۸) (۸۳۹) (۸۴۰) (۸۴۱) (۸۴۲) (۸۴۳) (۸۴۴) (۸۴۵) (۸۴۶) (۸۴۷) (۸۴۸) (۸۴۹) (۸۵۰) (۸۵۱) (۸۵۲) (۸۵۳) (۸۵۴) (۸۵۵) (۸۵۶) (۸۵۷) (۸۵۸) (۸۵۹) (۸۶۰) (۸۶۱) (۸۶۲) (۸۶۳) (۸۶۴) (۸۶۵) (۸۶۶) (۸۶۷) (۸۶۸) (۸۶۹) (۸۷۰) (۸۷۱) (۸۷۲) (۸۷۳) (۸۷۴) (۸۷۵) (۸۷۶) (۸۷۷) (۸۷۸) (۸۷۹) (۸۸۰) (۸۸۱) (۸۸۲) (۸۸۳) (۸۸۴) (۸۸۵) (۸۸۶) (۸۸۷) (۸۸۸) (۸۸۹) (۸۹۰) (۸۹۱) (۸۹۲) (۸۹۳) (۸۹۴) (۸۹۵) (۸۹۶) (۸۹۷) (۸۹۸) (۸۹۹) (۹۰۰) (۹۰۱) (۹۰۲) (۹۰۳) (۹۰۴) (۹۰۵) (۹۰۶) (۹۰۷) (۹۰۸) (۹۰۹) (۹۱۰) (۹۱۱) (۹۱۲) (۹۱۳) (۹۱۴) (۹۱۵) (۹۱۶) (۹۱۷) (۹۱۸) (۹۱۹) (۹۲۰) (۹۲۱) (۹۲۲) (۹۲۳) (۹۲۴) (۹۲۵) (۹۲۶) (۹۲۷) (۹۲۸) (۹۲۹) (۹۳۰) (۹۳۱) (۹۳۲) (۹۳۳) (۹۳۴) (۹۳۵) (۹۳۶) (۹۳۷) (۹۳۸) (۹۳۹) (۹۴۰) (۹۴۱) (۹۴۲) (۹۴۳) (۹۴۴) (۹۴۵) (۹۴۶) (۹۴۷) (۹۴۸) (۹۴۹) (۹۵۰) (۹۵۱) (۹۵۲) (۹۵۳) (۹۵۴) (۹۵۵) (۹۵۶) (۹۵۷) (۹۵۸) (۹۵۹) (۹۶۰) (۹۶۱) (۹۶۲) (۹۶۳) (۹۶۴) (۹۶۵) (۹۶۶) (۹۶۷) (۹۶۸) (۹۶۹) (۹۷۰) (۹۷۱) (۹۷۲) (۹۷۳) (۹۷۴) (۹۷۵) (۹۷۶) (۹۷۷) (۹۷۸) (۹۷۹) (۹۸۰) (۹۸۱) (۹۸۲) (۹۸۳) (۹۸۴) (۹۸۵) (۹۸۶) (۹۸۷) (۹۸۸) (۹۸۹) (۹۹۰) (۹۹۱) (۹۹۲) (۹۹۳) (۹۹۴) (۹۹۵) (۹۹۶) (۹۹۷) (۹۹۸) (۹۹۹) (۱۰۰۰)

ہیں لایعجل سوالات مذکورہ بالا مقام عقل دلائل میں پیدا ہوتے ہیں۔ یا اهل العلم تدبروا ولا تكلوا من  
الذين يعلمون ويتبعون الذين لا يعلمون وقد قال الله سبحانه ولا تتبععان سبيل الذين  
لا يعلمون۔ کیونکہ۔ ان تو کلمتم علی اللہ! لا یضرکم کیدہم شیئا۔ انہ پر کفایت  
اگر یہ ثابت ہیں جماعت کی آستینوں میں مجھے ہے حکم اذان لا الہ الا اللہ

ایک تحقیق جاوید اور اس کا جواب | صاحبہ سقائے الوساٹ نے تو (۲۲) پر یہ کہہ کر کہ محمد وال محمد  
کر دیا ہے۔ انا لله وانا اليه راجعون ع قصہ کو تباہ گشت درند در دوسرے بار پوچھ



لیکن اس کے ساتھ ساتھ جب تک ان ذواتِ مقدسہ کو بسم کی قید سے بھی آزاد نہ مانا جائے۔ اس وقت تک بات بنتی ہوئی نظر نہیں آتی۔ کیونکہ ہر جسم کا محتاج مکان ہونا ایک بدیہی امر ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کچھ ایسے ہی قیہ عقل و شریعت آزاد و روضہ غوانوں کی روش و رفتار سے دل سوختہ ہو کر فاضل جلیل مقامہ برقی نے لکھا ہے۔

”عجب است از زمان ماکہ بعضے از مداحان امام را لامکان و عالم بیکل شی میخوانند و این نیست مگر از بدبختی و جہل زیر الامکان و حضور در کل مکان منحصر است بذات پروردگار و گاہے می گویند امام مہمہ جا حاضر و ناظر و از افکار و خیالات مہمہ مطلع است و حوائج مہمہ را انجام میدہد۔ و چنین گفتار با شرک بخدا است و چنین صفات مختص بذات اوست۔ اگر امام یا رسول ازمانی الضمیر کسے را خبر دادہ بتوسط وحی یا الہام حضرت پروردگار بود و پس بانیہیں مداحان مکر او گفت اگر امام مہمہ جا حاضر است شما چرا در دعائے امام زمان می گوئید اللہم بلغ مولاہی صاحب الزمان الخ یعنی خدا یا برساں مولاہی صاحب الزمان صلوات و سلام مارا و در دعائے مذہبی گوئید و بلغہ من اتحیہ و سلاما یعنی سلام و تحیہ مارا یا برساں۔ و اگر امام مہمہ جا حاضر و ناظر بود دیگر ترساں، منی خواست الخ کتاب عقل و دین ج ۱ ص ۲۷۱ یعنی ہمیں اپنے (ابناء) زمانہ سے تعجب ہے۔ کہ آج کل کچھ (غلط) مدح کرنے والے امام کو لامکان اور عالم کل قرار دے رہے ہیں۔ اور یہ صرف بدبختی اور جہالت کا نتیجہ ہے ورنہ ظاہر ہے کہ لامکان اور (علمی طور پر) ہر جگہ حاضر ہونا ذات پروردگار میں منحصر ہے اور کبھی یہ کہتے ہیں کہ امام ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔ اور تمام لوگوں کے افکار و خیالات سے آگاہ ہیں۔ اور تمام لوگوں کی حاجتیں بر لاتے ہیں۔ اس قسم کی باتیں شرک بخدا میں داخل ہیں۔ اگر امام یا رسول کبھی لوگوں کو مانی الضمیر سے خبر دیتے بھی ہیں۔ تو یہ بوجہ وحی یا الہام پروردگار ہوتا ہے۔ ایسے گمراہ نادہین سے کہنا جائز ہے کہ اگر امام ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں تو ہم امام زمانہ کی دعائیں یوں کیوں کہتے ہو۔ اللہم بلغہ مولاہی۔ اے اللہ! ہمارے آقا امام زمانہ کو ہماری طرف سے صلوات و سلام پہنچا۔ اسی طرح دعائے مذہبی میں یہ کیوں کہتے ہو۔ اے اللہ! امام زمانہ کو ہمارا تحیہ و سلام پہنچا۔ اگر امام ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں تو پھر خدا سے یہ درخواست پیش کرنے کی کیا ضرورت ہے کہ ہمارے سلام ان تک پہنچا۔“

اس سلسلہ میں جس حدیث کے ساتھ تمنا کیا گیا ہے۔ اس کی صحیح توضع و تشریح کے لئے مرآۃ الانوار مشکوٰۃ الاسرار کا منہ دیکھیں تاکہ حقیقت حال پر اطلاع و آگاہی حاصل ہو۔ ورنہ لک الاسرار لا علیہا الا العلماء الاخیار و نقاد الاخبار

جو اسرار کے مؤلف نے ہر چند حاضر و ناظر کے اس حال و امکان نظر بنائے صداقت ہی کا زندہ ثبوت کو بعض محفل و مرسل اور غیر متعلق آثار سے ثابت کرنے کے لئے ادھر ادھر بہت



کچھ ہاتھ پیرارے ہیں۔ مگر اس کتاب کے ناشر نے ان کی اس کوشش کو شش ماہ پر یہ کہہ کر پانی پھیر دیا۔ کہ "نحن لا نفعل بالماضی الا المحاضر بالقوة لا بالفعل ولا نفعل انهم موجودون فی کل مکان بلحام عدیداً ولا یخلو منهم مکان حاضر ہونے سے مراد حاضر بالقوة ہے نہ کہ بالفعل چنانچہ ہم ہرگز یہ نہیں کہتے کہ وہ متعدد اجسام کے ذریعہ ہر جگہ موجود ہیں اور ان سے کوئی جگہ خالی نہیں۔ البتہ ایسا ہے کہ اگر یہ ذات مقدسہ کسی جگہ پر جایا ہیں تو ان واحد میں خدا کی قدرت سے حاضر ہو سکتے ہیں۔ خواہ وہ جگہ ہزاروں میں دور ہو یا نزدیک۔۔۔۔۔۔ یہاں اصول الشریعہ کے جسد ثانی کے بیان پر چند سطروں میں غلط تفسیر کرنے کے بعد جو ان کے مطالب کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے لکھا ہے، "اس لئے کہ ایک شیئی کا ایک ہی وقت میں ممکنہ متعدد وجود ہونا عقلاً محال ہے۔" (حاشیہ جواہر الاسرار ص ۱۸) ناشر صاحب نے دوسرے اختلافی مقامات پر بھی اسی طرح کے تائیدی نوٹس لکھے ہیں۔ مگر اس بندہ خدا سے کوئی پوچھے کہ اگر اس طرح ہر موضوع پر وضاحتی نوٹ لکھ کر اصول الشریعہ کے مطالب کی تائید ہی کرنا مسمیٰ۔ تو پھر کس حکیم نے تمہیں کہا تھا۔ کہ اس کی رد میں کتاب شائع کرو۔ ع کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔

**بعض شکوک و ادوایام کا ازالہ** اگرچہ اس موضوع پر توضیح و اضمحان کے طور پر اب تک جو کچھ لکھا گیا ہے وہ جوابی سفات میں سوئی ہوئی دنیا کو بیدار کرنے کے لئے کافی ہے۔ لیکن ممکن ہے اس طرح تنبیہ کرنے سے کوئی گراں خواب اب بھی بیدار نہ ہو اس لئے اسے مزید تھپوڑنے کے لئے ذیل میں بعض شکوک و ادوایام کا ازالہ بھی کیا جاتا ہے تاکہ توضیح مرام میں کوئی کسر باقی نہ رہ جائے۔

**پہلا شبہ اور اس کے جوابات** "آیت مبارکہ و کذلک جعلناکم امة وسطاً لتکونوا شہداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شہیداً" یعنی اسی طرح ہم نے تم کو امت وسط بنایا۔ کہ تم تمام لوگوں پر شہید ہو اور رسول تم پر شہید ہے۔ امت وسط سے مراد امام ہیں۔ پھر شاہد اور شہید کے معنی یہ بیان کئے جاتے ہیں فالشہد علی الشئی من حضور عندا صوراً ذلک الشئی والشہید هو القوة التي یقع بها الشہود والحضور سواء کانت مفارقة اجسامیة یعنی شئی کے لئے شاہد وہ ہے جس کے سامنے اس شئی کی صورت موجود ہو۔ اور شہید وہ قوت ہے جس کے ذریعہ شہود و حضور واقع ہوتا ہے۔ خواہ وہ مجرد ہو یا جسمانی ہو۔ اس شبہ کے کئی جواب باصواب دے جاسکتے ہیں۔

**پہلا جواب** اگر بالفرض غلط شہید کے وہی معنی ہوتے جن کا ان حضرات نے دعویٰ کیا ہے اور اس سے بظاہر برائی و امام علیہم السلام ان دونوں میں سے کسی کا ہر وقت ہر جگہ حاضر ہونا ثابت بھی ہوتا تب بھی عند المتکلمین مسلم قانون کی رو سے اس کی ایسی تاویل کرنا لازم ہوتی کہ محال عقلی کے ساتھ اس کا یہ ظاہری تضاد و اختلاف ختم ہو جائے کیونکہ مسئلہ قاعدہ یہ ہے کہ غیب ایک بات عقل پر مبنی قاطعہ و شرعی دلائل ساطعہ سے ثابت ہو۔ اور پھر کوئی محمل و



متشابه نقلی دلیل بظاہر اس سے متصادم ہو تو اگر وہ نقلی دلیل سندی اعتبار سے ناقابل انکار ہوئی تو پھر اس کی کوئی ایسی تاویل کرنا لازم ہوگی جس سے یہ ظاہری منافات ختم ہو جائے مثلاً خدا کا جسم نہ رکھنا عقلاً مستمم و محقق ہے مگر بعض آیات جیسے خلقت بیدی، وجہ ربناک، السحلمن علی العرش استوی وغیرہ اسے بظاہر اس کی جسمانیت کا توہم ہوتا ہے۔ اس لئے ائمہ طہریں کی مقدس تعلیمات کی روشنی میں علماء مفسرین و متکلمین نے ان کی ایسی جامع تاویلات فرمائی ہیں کہ اس کے بعد یہ عقل و نقل کا ظاہری ایسی تضاد و اختلاف بالکل ختم ہو جاتا ہے۔ تفصیل کے متعلقین ساری کتب حسن الفوائد کی طرف رجوع فرمائیں۔ بنا بریں چونکہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ جسم واحد کا آن واحد میں مختلف متعده میں حاضر ہونا عقلاً محال و ناممکن ہے۔ لہذا اگر بالفرض اس آیت سے بظاہر یہ مطلب مترشح بھی ہوتا تو اس کی مناسب تاویل کرنا واجب تھی۔ تا کہ عقل و شرع کا یہ اختلاف ختم ہو جائے۔ چہ جائیکہ شہید کے دو معنی ہی سرے سے غلط ہیں جن پر ان حضرات نے اپنے مفروضہ کی بنا رکھی ہے۔

**دوسرا جواب** اس آیت وانی ہدایہ کا ان لوگوں کے خود ساختہ نظریے سے کوئی ربط و تعلق نہیں ہے۔ اس کی بقدر ضرورت تفصیل یہ ہے کہ یہاں تک اس امر کا تعلق ہے کہ امت و وسط سے ائمہ اطہار مراد ہیں۔ یہ بالکل درست ہے۔ اس سے تمام امت اسلامیہ کو مراد لینا عقلاً و نقلاً کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے۔ جب کہ عام افراد امت میں مومن و منافق، عادل و فاسق اور صالح و طالح غرضیکہ ہر فاش کے اور ہر قسم کے لوگ موجود ہیں جن میں بعض ایسے بھی ہیں کہ جن کی اس دنیا میں چار پیسے کی چیز پر شرعی نقطہ نظر سے گواہی قبول نہیں کی جاتی۔ ان جہاں کہ فاسق بنیاد فتنہ بنوا تو بروز قیامت سابقہ امتوں بلکہ انبیائے ماسلف کی جوتوں پر ان کی گواہی کیوں کر قبول کی جاسکتی ہے؟ لیکن جہاں تک لفظ شہید کے بل بوتے پر ان بزرگوں کے ہر وقت ہر جگہ حاضر ثابت کرنے کا تعلق ہے یہ امر قرآن سے ثابت ہوتا ہے نہ لغت عرب سے نہ ارشادات معصومین سے اور نہ ہی اقوال علماء محققین سے تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

**لفظ شہید کے لغوی معانی کی تحقیق** | باب علم و فضل پر مخفی نہیں ہے کہ لفظ شہید لغت عرب میں متعدد معانی میں استعمال ہوا ہے۔ لیکن ان میں سے جو معنی یہاں مناسبت رکھتے ہیں۔

وہ دو ہی ہیں :-

**پہلے معنی مناسب** | میں ”گواہ“ عام اس سے کہ وہ گواہ اصل واقع پر موجود و حاضر ہو یا نہ ہو بلکہ اس کو گواہ کے لئے اصل واقع کے متعلق علم و یقین کا ہونا کافی ہے۔ وہ جس طرح بھی حاصل ہو جائے۔ ان پہلے معنی کی مد سے باعتبار لغت عرب شہید و شہیدین کوئی فرق نہیں ہے۔ ہر دو الفاظ کا مصدر ”شہود“ اور اسم مصدر ”شہادۃ“ ہے۔ یہاں مصدر و اسم مصدر نیز ان کے بعض مشتقات کے معانی لغت کی کتب معتبرہ سے درج کئے جاتے ہیں جن سے



شاہد و شہید کا صحیح مفہوم خود بخود واضح ہو جائے گا۔ (۱) تاسوس القعات ج ۱ ص ۲ طبع مصر پر مرقوم ہے الشہادۃ خبر قاطعہ۔ یعنی شہادت، قطعی و یقینی خبر کا نام ہے۔ اسی صفر پر ذرا کے چل کر لکھا ہے۔ الشہید و قد تلکس و شہید الشاہد۔ یعنی شہید جسے بعض اوقات شہین کے زیر کے ساتھ بھی پڑھا جاتا ہے۔ یعنی شاہد ہے (یعنی قطعی خبر دینے والا)۔ اسی طرح المنجد ص ۲ طبع چہارم پر لکھا ہے الشہادۃ خبر قاطعہ۔ الشہید و الشہید الامین فی شہادۃ الشاہد۔ (مطلب ایک ہی ہے) شہد الشیء کے معنی لکھتے ہیں "اطلع علیہ" یعنی اس شئی پر مطلع ہوا۔ شہد علی کذا کے معنی یہ بیان کئے ہیں "اخبریم خبراً قاطعاً" فلاں باب پر شہادت دی۔ یعنی اس کے بارے میں قطعی یقینی خبر دی (۳) لسان العرب ج ۲ ص ۲۳۹ تا طبع بیروت پر لکھا ہے۔ الشہادۃ خبر قاطعہ ص ۲۳۹۔ الشہید الشاہد یعنی شہید جس کا شاہد ہے چند سطور کے بعد لکھا ہے۔ ویقال للشاہد شہید۔ شاہد کو شہید کہا جاتا ہے پھر ص ۲۴۰ پر ہر دو الفاظ کے ہم معنی ہونے پر بعض آیات و روایات سے استشہاد بھی کیا ہے۔ فراجع قرآن مجید میں آنحضرتؐ پر ہر دو لفظوں کے اطلاق سے بھی اس امر کی تائید ہوتی ہے۔ انا ورسلاک شاہداً ورجعنا بک علیٰ ہولاء شہیداً۔

(۴) ریاض السالکین شرح صحیفہ سجادیہ للعلامة السید علی خاں شیرازی ص ۲ پر لکھا ہے کل من عرف حال شخص نہ ان یشہد علیہ فان الشہادۃ خبر قاطعہ یعنی جو شخص بھی کسی شخص کی حالت کی مکمل معرفت رکھتا ہو۔ وہ اس پر شہادت دے سکتا ہے۔ کیونکہ شہادت قطعی خبر کا نام ہے۔ نیز اسی صفر پر لکھا ہے۔ الشہادۃ جمع شہید فاعیل بمعنی فاعل یعنی شہداء شہید کی جمع ہے جو فاعیل بمعنی فاعل یعنی شہید یعنی شاہد ہے۔

(۵) لغات القرآن والحديث کی مشہور کتاب مجمع البحرین ص ۲۲۴ پر لکھا ہے۔ الشہادۃ خبر قاطعہ۔ اس کے پہلے صفر ص ۲۲۳ پر شاہد و شہید کے درمیان معمولی سا معنی اختلاف بیان کرنے کے بعد ان کا ایک دوسرے پر اطلاق ہونا تسلیم کیا ہے۔ (۶) مفردات راجب اصغہانی طبع ایران ص ۲۶۹ پر لکھا ہے والشہادۃ قول صادر عن علم حاصل بمشاهدۃ بصیوۃ اویحیٰ یعنی شہادت اس قول کا نام ہے جو علم و یقین کی بنا پر صادر ہو۔ یہ علم خواہ بصیرت و باطنی کے مشاہدہ پر مبنی ہوں۔ اور خواہ بصارت ظاہری پر۔ پھر لکھا ہے ویقال شاہد و شہید شاہد و شہید کہا جاتا ہے۔ یعنی دونوں لفظ ہم معنی ہیں جو علم و یقین کی بنا پر گواہی دے سکیں۔ دیکھ لیا ابوالقاسم مہر ص ۱۹۶ پر لکھا ہے "الشہید الشاہد" یعنی شہید کے معنی میں شاہد۔

ابن مغفائی لغویہ کے کالشمس فی نصف النہار واضح و آشکار ہو گیا۔ کہ شہادت قطعی و یقینی خبر دینے کا نام ہے۔ خواہ چشم دید حالات پر مبنی ہو اور خواہ معرفت قلبی پر لہذا جس شخص کو کسی واقعہ کا یقین حاصل ہو جائے خواہ کسی طریقہ سے ہوں وہ اس واقعہ کا شاہد و شہید ہو سکتا ہے۔ چنانچہ خداوند عالم اپنے رسولؐ اور ائمہ اہل بیت علیہم السلام



کو بعض مخصوص ذرائع و اسباب سے (جن کی تقدیر ضرورت تفصیل مسئلہ ناظر میں بیان کی جائے گی) منہ کی اطلاع بہم پہنچاتا رہتا ہے۔ اس لئے وہ اعمالِ امت کے گواہ بن سکتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ اس سے ان حضرات کا ہر وقت ہر جگہ حاضر ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔

**کتاب تفسیر و حدیث سے اس مطلب کی تائید مزید** | مذکورہ بالا آیت مبارکہ کی تفسیر میں فریقین کے مفسرین نے جو افادات عالیہ فرمائے ہیں، ان سے بھی ہمارے اس دعویٰ کی حجت تائید ہوتی ہے کہ شہید کے لئے نفس واقع پر حاضر ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ وہ اپنے ذاتی علم و یقین کی بنا پر شہادت دے سکتا ہے چنانچہ علامہ فخر الدین رازی اپنی تفسیر کبیر ج ۱ ص ۱۲۷ طبع مصر پر قیصر ہے۔ ولما کان بین الابصار والعین و بین المعرفة بالقلب مناسبةً شديدةً لاجوم قد تسمى المعرفة التي في القلب مشاهدةً وشهوداً والعارفين للشيء شاهداً ومشاهداً (الحی ان قال) ان کل من عرف حال شئی وکشف عنه کان شاهداً اعلیٰ الخ یعنی چونکہ معنی مشاہدہ اور معرفت قلبی میں شدید مناسبت پائی جاتی ہے۔ اس بنا پر کہیں معرفت قلبی کو مشاہدہ و شہود کہہ دیا جاتا ہے۔ اور کسی چیز کی معرفت رکھنے والے کو اس کا شاہد و مشاہد کہا جاتا ہے لہذا جس شخص کے نزدیک کسی چیز کا حال کا مطلقاً منکشف ہو جائے وہ اس کا شاہد ہو جاتا ہے یہ اسی جگہ کے مفسرین کا عقیدہ ہے کہ ان مثل هذه الاخبار لا تسمى شهادة یعنی کسی امر کی بنا پر گواہی دینا کہ خدا و رسولؐ نے اس کی خبر دی ہے اسے اصطلاح میں شہادت نہیں کہا جاسکتا بلکہ یہ جواب دیا ہے کہ هذا ضعيف لقولهم عليه الصلوة والسلام اذا علمت مثل الشمس فاشهد والشيء الذي اخبر الله تعالى عنه فهو معلوم مثل الشمس فوجب جواز الشهادة عليه یعنی یہ اعتراض بالکل کمزور ہے۔ کیونکہ پیغمبر اسلام علیہ وآلہ السلام کا فرمان ہے کہ جب تمہیں کسی چیز کا وجود آفتاب کی طرح یقیناً کامل ہو۔ تب اس کی گواہی دو۔ غرض ہے کہ جب خداوند عالم کسی امر کی خبر دے۔ تو وہ یقیناً آفتاب کی طرح روشن ہوتی ہے لہذا ایسی شہادت یقیناً جائز ہوگی۔ شیخ الطائفة حضرت شیخ طوسیؒ اپنی تفسیر تمیان ج ۲ ص ۲ پر اور حضرت علامہ طبرسیؒ اپنی تفسیر مجمع البیان ج ۱ ص ۹ پر تکراراً شہد اعلیٰ الناس کے معانی پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں "الثالث يشهدون ولا يتباعدون" معہم الملکذ بین لهم انهم قد بلغوا درجات ذلک لا اعلام التبی ایتام بذلک یعنی اس کے تیسرے معنی یہ ہیں کہ امت و سطرانہ اطہارؑ انبیائے سلف کے حق میں ان کی امتوں کے ان لوگوں کے برخلاف شہادت دین کے جنہوں نے ان انبیاء کو جھٹلایا تھا۔ بایں طور کہ واقعی ان انبیاء نے اپنا فرض تبلیغ ادا کر دیا تھا اور ان کی یہ شہادت اس لئے جائز اور نافذ ہوگی۔ کہ جناب رسول خدا صلی علیہ وسلم نے باعلام اللہ ان کو اس امر کی خبر دی تھی کہ میں معلوم ہوا کہ صرف جناب رسول خدا کے خبر دینے کی بنا پر بھی شہادت دینا درست ہے اسی طرح آنحضرت کے لئے خدا نے علیم و خبیر کے خبر دینے سے شہادت دینا صحیح ہے اگرچہ اصل و اتبع یکسو نہ ہو نہ یہی دیکھا ہو۔ فاضل کاشانی نے اپنی تفسیر صافی ص ۲۹ پر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام



سے ایک روایت نقل کی ہے جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔ ليشهد محمد عليا وليشهد شيعتنا علي الناس۔ جناب رسول خداؐ ہم پر گواہی دیں گے اور ہم اپنے شیعوں پر اور ہمارے خالص شیعہ باقی لوگوں پر، اس کی مزید تائید حدیث جزائری کی نورالانوار شرح صحیفہ کاندھلوی پر امام جعفر صادق علیہ السلام کی حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ بروز قیامت سب انبیاء و کرامؑ سے تبلیغ رسالت کے بارہ میں سوال ہوگا۔ اور ان کے بیان پر ان سے گواہ طلب کئے جائیں گے۔ تو وہ سرکا ختمی مرتبت کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔ اور ان حضرت جناب جعفر طیارؑ اور حضرت حمزہؓ سید الشہداء کو حکم دیں گے۔ ”یا جعفر! یا حمزہ! اذہبا واشہدا لہ بانہ بلغہ“ تم دونوں جا کر گواہی دو کہ انہوں نے تبلیغ نبوت کا فریضہ ادا کر دیا تھا۔ حضرت صادق آل محمدؑ فرماتے ہیں۔ کہ جعفر! وحمزہ! الشاہدان لانا نبیاء وبعما یلقوا۔ اس دن تبلیغ نبوت و رسالت پر انبیاء و سلف کے جناب جعفرؑ و جناب حمزہؓ گواہ ہوں گے۔ ”راوی نے عرض کیا جعلت فداک فعلی علیہ السلام؟ میرے آقا! حضرت امیر علیہ السلام اس وقت کہاں ہوں گے؟ فرمایا ہوا عظیم منزلۃ من ذلک یعنی ان کا مقام اس سے اعلیٰ و ارفع ہے کہ وہ خود جا کر گواہی دیں؟ ظاہر ہے کہ حضرت جعفرؑ و حمزہؓ کی یہ گواہی محض جناب رسول خداؐ کی خبر دہی پر مبنی ہے ورنہ خود تو بالاتفاق ان واقعات کے وقوع پذیر ہونے کے وقت حاضر نہ تھے اس سے یہ امر کا شمس فی رائحہ النہار واضح و آشکار ہو جاتا ہے کہ خیر قطعی کی بنا پر شہادت دینا صحیح ہے۔ شاہد کے لئے نفس واقع پر حاضر ہونا لازمی شرط نہیں ہے۔ اس امر کی تائید مزید برادران اسلامی کی روایات سے بھی ہوتی ہے۔ جن میں وارد ہے کہ جب سابقہ امتیں اپنے انبیاء کی تبلیغ کا انکار کر دیں گی۔ تو انبیاءؑ سے گواہ طلب کئے جائیں گے۔ اس وقت امت مرسوہ کو بطور گواہ پیش کیا جائے گا۔ سابقہ امتیں ان کی گواہی پر اعتراض کرتے ہوئے کہیں گی۔ من ابن عوفتم؟ تمہیں یہ حال آتا کہاں سے معلوم ہوئے ہیں۔ کہ در تہاری گواہی قابل قبول ہو؟ امت مرسوہ جواب دے گی۔ علمنا ذلک باخبار اللہ تعالیٰ فی کتابہ الناطق علی لسان نبیہ الصادقؑ چونکہ خداوند عالم نے اپنی اس کتاب مقدس میں جو اس نے اپنے صادق القول رسولؐ پر اتاری ہے ان امور کی خبر دی ہے۔ اس سے ہمیں ان حالات کا یقین ہوا ہے۔ بعد ازاں آنحضرتؐ ان کی تصدیق فرمائیں گے۔ ”تفسیر کبیر“ ۲/۱۲۱ تفسیر و منشورۃ ۱۳۳۷ معلوم ہوا کہ خبر صادق کے خبر دینے کی وجہ سے جو ہم یقین حاصل ہو اس کی بنا پر گواہی دی جاسکتی ہے اگرچہ گواہ اصل واقعہ پر حاضر نہ ہو۔

دوسرا شبہ اور اس کا جواب | بیان پیش کیا جاتا ہے کہ دنیوی امور میں وہی شہادت شرعاً قابل قبول ہوتی ہے۔ جو روایت میں یعنی چشم دید حالات پر مبنی ہو تو قیامت میں چشم دید واقعات کے علاوہ کیونکر کوئی شہادت قبول ہو سکتی ہے؟ یہ شبہ کچھ درجہ اعتبار سے ساقط ہے اولاً یہ قیاس مع الفارق ہے جو قیاس کو جائز سمجھنے والوں کے نزدیک بھی باطل ہے حالانکہ اہل حق کے نزدیک تو اصل قیاس ہی باطل ہے۔ ارباب بصیرت جانتے ہیں کہ نشأت و وجود عالم کے تبدیل ہونے سے احکام بھی فی الجملہ بدل جاتے ہیں۔ یوم آخرت کی بات ہی اور ہے ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ در دنیا میں



یہی آخرت کے ساتھ تعلق رکھنے والے امور کا حکم اور ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ اگر انہی امور کے متعلق شہادت دینے میں بھی معنی رویت لازم ہو تو پھر ہم بعثت و جہنم اور روزِ آخرت، صراط و میزان وغیرہ امور بلکہ خود خدا کے وجود کی بھی گواہی نہ دے سکیں کیونکہ ہم نے ان حقائق کا ظاہری آنکھوں سے مشاہدہ نہیں کیا بلکہ محض عقل سلیم یا خدا کے رحیم یا رسول کریم اور ائمہ عارین کے قرائین کی بنا پر ان کو تسلیم کرتے ہیں۔ اور شہادت دیتے ہیں۔ اشہدان لا الہ الا اللہ و اشہدان محمدًا عبدہ و رسولہ و اشہدان الائمہ ائمہ ہدی ابرار و ان الموت حق و الجنة حق و النار حق و ان اللہ یبعث من فی القبور۔ اس ارشادِ قدرت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ شہد اللہ انہ لا الہ الا اللہ و الملائکۃ و الرسل و العلم قائمًا بالقسط لا الہ الا اللہ العزیز الحکیم (پتہ س آں عمر ۱۰۷) خلاصہ معنی ایک خدا و ملائکہ اور صاحبانِ علم گواہی دیتے ہیں کہ خدا کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں ہے۔ مفرداتِ راغب اصفہانی ص ۲ پر لکھا ہے و شہادۃ اولی العالم اطلاعہ علی تلک الحکم و اقوالہم بذلک یعنی صاحبانِ علم کی شہادت سے مراد ان اسرار و حکم پر اطلاع حاصل کر کے ان کا اقرار کرنا ہے پس معلوم ہوا کہ ان امور کی شہادت میں رویت معنی معتبر نہیں ہے بلکہ دلائل عقلی یا سمعی سے حاصل شدہ یقین کی بنا پر یہ شہادت دی جاسکتی ہے۔

ثانیاً۔ شہادت کی کیفیت کے متعلق معصوم اور غیر معصوم کو برابر قرار دینا بھی درست نہیں ہے بلکہ یہ بے بصیرت کی دلیل ہے۔ معصوم علیہ السلام رویت معنی کے علاوہ دیگر ذرائع مخصوصہ سے حاصل کردہ علم و یقین کی بنا پر بھی شہادت دے سکتے ہیں۔ چنانچہ مولانا السید محمدی القزوینی کتاب ظہور الحقیقہ ص ۱۶ پر تحریر فرماتے ہیں۔ و باب الشہادۃ فی الفقہ لیس لہ دخل بشہادۃ المعصوم لغیر ذلک حجتیہ شہادۃ المعصوم وحدہ فیما ہو من شأنہ الرؤیۃ بالبصر و فیما ہو من شأنہ الرؤیۃ بالبصر فلا مدخلیۃ لما قالہ ارباب الفقہ بما نحن فیہ و ہل عاقل لیس فی قلبہ مرض یجعل المعصوم مثل غیر المعصوم فی مسئلۃ الشہادت و غیرہا یعنی کتب فقہ میں باب الشہادت کے اندر اس کے جو شرائط وغیرہ مذکور ہیں۔ ان کو امام معصوم کی شہادت و گواہی کے ساتھ کوئی دخل نہیں کیونکہ ہر بات میں خواہ اس کا تعلق چشم بصیرت کے ساتھ ہو یا چشم بشارت کے ساتھ ہر حال اس میں تنہا امام معصوم کی شہادت بالضرورة مقبول ہے لہذا جو کچھ ارباب فقہ نے کہا ہے اسے ہمارے اس موضوع کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ بھلا کوئی بھی عقلمند انسان جس کے دل میں کوئی مرض نہ ہو وہ مسئلہ شہادت وغیرہ میں امام معصوم کو غیر معصوم کے برابر قرار دے سکتا ہے؟ سابقاً تیسرے باب میں بذیل اقسام تفویض یہ امر بیان کیا جا چکا ہے کہ امام معصوم کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ تمام معاملات میں شریعت کے ظاہری قواعد پر عمل کریں یا اپنے ذاتی علم و یقین کے مطابق عمل فرمادیں۔ اس امر کی مزید تائید ہم سابقہ پر آنحضرت کی گواہی دینے سے بھی ہوتی ہے کہ معصومین کے لئے شہادت میں رویت بالبصر ضروری نہیں کیونکہ قرآن شاربہ ہے کہ سابقہ واقعات آنجناب کے چشم دید نہ تھے۔ جیسا کہ اسی باب میں بذیل عنوان حاضر ہونے کی نفی فرمائی کہ ”اس مطلب کی پوری پوری وضاحت کی جا چکی ہے۔“



ثالثاً اگر بالفرض ان لوگوں کی اس تحقیق کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو انہوں نے معافی شہید کے بارے میں کی ہے تو بھی اس سے سرکار محمد قالی محمد کا ہر جگہ حاضر ہونا ثابت نہیں ہوتا جو کہ محل نزاع ہے بلکہ اس سے زیادہ سے زیادہ ان حضرات کا ناظر ہونا مندرج ہوتا ہے جس پر ہم غریب مفصل تبصرہ کریں گے (فتا) لہذا یہ دلیل دعویٰ کے مطابق نہ ہونے کی وجہ سے ناقابل قبول ہے۔  
 رابعاً۔ اس آیت مبارکہ سے آنحضرت کا صرف ائمہ اطہار پر شاہد ہونا ثابت ہوتا ہے نہ ہر چیز پر ورنہ بجائے دیکھوں الرسول علیکم شہیداً کے دیکھوں الرسول علی کل شئی شہیداً" وارد ہوتا۔ اب بات واضح ہے کہ جب پیغمبر خدا جو کہ ائمہ سے افضل ہیں، ہر چیز پر حاضر نہیں تو ائمہ اطہار کس طرح ہر چیز پر حاضر ہو سکتے ہیں۔

خاصاً کئی روایات اہل بیت میں وارد ہے کہ بروز قیامت قرآن اہل ایمان کے حق میں شہادت دے گا۔ اور شفاعت بھی کرے گا۔ (تفسیر صافی ص ۱۱۱ مقدمہ عشرہ) تو کیا پھر قرآن کو بھی ہر جگہ حاضر تسلیم کیا جائے گا؟

یہاں یہ شبہ بھی ہو سکتا ہے کہ بعض کتب لغت میں لفظ شہید کے ایک معنی یہ بھی لکھے ہیں الذی لا یغیب عن علمہ شئی یعنی جس کے علم سے کوئی شئی پوشیدہ نہ ہو۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ شہید

کے یہ معنی اس وقت مراد ہوتے ہیں جب اس لفظ کا اطلاق خداوند عالم پر کیا جائے جیسے آیت مبارکہ ان اللہ علی کل شئی شہید وغیرہ میں ہے چنانچہ مجمع البحرین ص ۲۲ پر لکھا ہے والشفہید من اسماہم وهو الذی لا یغیب عن علمہ شئی یعنی خداوند عالم کے اسمائے مبارکہ میں سے ایک اسم شہید بھی ہے یعنی وہ ذات جس کے علم سے کوئی چیز پوشیدہ نہ ہو، برادران اسلامی کی مشہور لغت المحدث معرّفہ بالانوار للغة (جس میں شیعہ احادیث کی بھی تشریح کی گئی ہے) ص ۳۲ امجدہ ص ۱۱ المطابع کراچی میں لکھا ہے شہید اللہ کا ایک نام ہے یعنی سب چیزیں اس کے سامنے ہیں۔ کوئی چیز اس سے قاضی نہیں ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ لفظ شہید کے یہ معنی اس وقت کے رہتے ہیں جب کہ اس کا اطلاق ذات خداوند پر ہو۔ نہ یہ کہ جہاں بھی لفظ شہید استعمال ہوا اس کے یہی معنی مراد لئے جائیں گے۔ بلکہ ثبوت میں چار گواہ ضروری ہیں اشارہ داری ہے۔ لولایا تو اعلیہ بادبعة شہداء شہداء شہید کی جمع ہے (جس طرح شاہد کی جمع شہود و شہداء و جمع الجمع شہادہ ہے) تو کیا یہاں بھی شہید کے یہی معنی لئے جائیں گے۔ کہ ایسے چار گواہ جن سے کائنات کی کوئی چیز پوشیدہ نہ ہو؟ ماشاء کلہ۔ اصل بات یہ ہے کہ ادب بصیرت جانتے ہیں کہ کسی بھی لفظ کے معنی متعین کرتے وقت اس کے منسوب الیہ کا اعتبار ضروری ہوتا ہے اللہ پر لفظ عالم کا اطلاق ہوتا ہے اسی طرح مخلوق پر بھی اس کا اطلاق کیا جاتا ہے تو کیا ہر دو جگہ علم کا ایک ہی مفہوم مراد لیا جائے گا؟ اسی بنا پر فاضل سیوطی نے اتفاقاً اصلاً طبع مصر لفظ ہدایت کے موقع محل کی مناسب سترہ معانی بیان کئے ہیں۔ من شاء التفصیل فلیرجع الیہ۔

لفظ شہید کے متعلق جو کچھ یہ لوگ ذاتی تحقیق کے نام سے پیش کیا کرتے ہیں۔ دراصل اس تمام تحقیق کا سرچشمہ طیفہ سوا عظم حسنہ ہے لیکن چونکہ یہ تحقیق جدید کسی مستند شرعی ماخذ و مدرک سے ماخوذ نہیں ہے۔ اس لئے اس میں جا بجا



تناقض و تضاد پایا جاتا ہے ناظرین کرام کی ضیافتِ طبع کے لئے اس تضاد بیانی کے یہاں چند نمونے بطور درس عبرت پیش کئے جاتے ہیں جس سے ان حضرات کی دیگر تحقیقات انیقہ کی مناسبت، وزانت کا بھی کاسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے اس وقت ”مواعظ حسنہ“ طبع دوم ہمارے سامنے ہے۔ اس کے صفحہ ۱۴ پر لکھا ہے ”اور شہید کے لئے یہ ضروری نہیں کہ موجود شخصی ہر جگہ موجود ہو۔ علم اعلیٰ شہید کے لئے کافی ہے“ لیکن صفحہ ۲ پر اس کے خلاف لکھا ہے ”کیونکہ شہید حاضر علی الشی کو کہتے ہیں۔ اور شاہد وہ ہے جو از روئے علم و قرینہ شہادت دے خواہ اس کا علم بالمشاہدہ ہو یا بالانخبار“ اسی طرح صفحہ ۲۰ پر لکھا ہے ”اور شہید کے لئے واقع پر ہونا ضروری ہے چنانچہ ثبوتِ زمان میں چار شہداء کی ضرورت ہے نہ شہود کی۔ بلوالعاد علیہ باربعہ شہداء“ مگر صفحہ ۵ پر جو کچھ افادہ فرمایا ہے وہ اس کے بالکل منافی ہے اگر شاہد کے واسطے حضور اور شہید ضروری ہے۔ بلکہ اسی معنی میں تناقض و اختلاف موجود ہے۔ اس کی سطر ۵ پر تو مذکورہ بالا عبارت مذکور ہے جس میں شاہد کے لئے حضور کو ضروری قرار دیا گیا ہے مگر اس کی سطر ۶ پر لکھا ہے ”غرض شاہد کیلئے حضور ضروری نہیں“ پھر صفحہ ۲۵ پر لکھا ہے ”فانما حدیثی من حضر عندہ صدوقہ ذلک الشی یعنی شاہد کسی شے کا وہ ہے جس کے سامنے اس شے کی صورت ہو“ یہ ہے ان حضرات کی ذاتی تحقیق اور اس میں تضاد و تناقض کا نمونہ مشتے از خروار ہے

اند کے غم دل بات کو گفتم و بدل ترسیم  
کہ آرزو شوی ورنہ سخن بسیار است

دایم ہر ہمارے موجودہ دور کے علما ان حضرات کی تحقیقات کو قرآن و حدیث سے بھی مقدم سمجھتے ہیں ان کے اگلے ہونے تو ان کو سپانا اور ان کی جگہ کی کرنا اپنے لئے مایہ صبر و انتظار اور دلیل معرفتِ ائمہ اطہار سمجھتے ہیں جگہ ہے ہر قوم راست را ہے دینے و قبلہ کا ہے

فکر ہر کس بقدر ریختِ اوست

## شہادت کے دوسرے معنائے مناسب

حق و حقیقت کو کھول کر بیان کرنا ہیں بنا بریں شاہد و شہید وہ ہوگا جو علی الناس کا مفہوم یہ ہوگا تا کہ تم دے اہل بیت رسولؐ کو لوگوں کے لئے حق و حقیقت کو بیان کرو“ اس اعتبار سے اس آیت کو ہمارے متنازعہ فیہ مسئلہ کے ساتھ کوئی ربط ہی نہیں رہتا۔ اس معنی کی تائید بھی کتب لغت و تفسیر سے ہوتی ہے۔ چنانچہ لسان العرب ج ۳ ص ۲۴ آیت شہد اللہ انہ لا الہ الاہو کے ضمن میں شہادت کے معنی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے و حقیقۃً علیہ اللہ و بیتی اللہ لان الشاہد هو العالم الذی یمتین علمہ یعنی یہ خدا کی شہادت کا مطلب یہ ہے کہ خدا اس حقیقت کو جانتا ہے اور اسے بیان کرتا ہے کیونکہ شاہد وہ عالم ہوتا ہے جو اپنے علم کو بیان کرتا ہے پھر ابوالعباس المبرد مشہور عالم لغت و ادیب کا یہ قول درج کیا ہے وقال ابو العباس شہد اللہ بیتی اللہ والظہر یعنی شہد اللہ کا مطلب یہ ہے کہ خدا نے بیان و اظہار کیا ہے“ علامہ طبرسی نے مجمع البیان ج ۱ ص ۹ پر اس آیت کے درج



معنی یہی بیان کئے ہیں: "والتأني ان المعنى لتكون حجة على الناس متبينوا لهم الحق والدين ويكون الرسول عليكم شهيداً مؤيداً لدين الميكم وسنن الشاهد شاهداً لانه يبين ولذلك يقال للشهادة بنية" یعنی اس آیت کے دوسرے معنی یہ ہیں تاکہ تم لوگوں پر حجت خدا ہو اور ان کے لئے حق و حقیقت اور دین و شریعت کو بیان کرو۔ اور رسول تم پر شہید ہوں یعنی دین کو تم تک پہنچانے والے ہوں۔ شاید کو شاید اسی بنا پر کہا جاتا ہے کہ وہ ایک ام کو بیان کرتا ہے اور اسی وجہ سے شہادت کو بنیہ کہا جاتا ہے۔ "ایسا ہی افادہ حضرت شیخ طوسی نے اپنی تفسیر البیان ج ۱ ص ۱۶۸ پر فرمایا ہے: "اسی طرح فاضل طریحی نے بھی مجمع البحرین ص ۲۲۲ طبع ایران پر یہی معنی درج کئے ہیں۔ فوا جہ۔ اور فاضل مفسر التبیان جو انعام الرضوی نے تفسیر لوامع التنزیل ج ۲ ص ۱۲۱ پر اس آیت کے معانی بیان کئے ہوئے صاحب مجمع البیان کے ان بیان کردہ معنی کے متعلق لکھا ہے: "وایں اوجہ التفسیر است۔ یعنی یہ معنی تمام معانی و مضامین سے بہتر ہیں۔"

**غیر اشیاء اور اس کا جواب** | بکثرت روایات میں وارد ہے کہ ہر مرنے والے کے پاس حضرات ائمہ طاہرین علیہم السلام تشریف لاتے ہیں اگر مومن موالی ہو تو اسے فائدہ حاصل ہوتا ہے اور شہداء موت میں فائدہ۔ اور اگر غیر مومن اور مخالف ہو تو اس کے شائد و مصائب سکرات میں اضافہ ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ ایک وقت میں متعدد موتیں واقع ہوتی ہیں۔ لہذا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کائنات و احادیث حضرات معصومین اکثرت متعدد میں حاضر ہو سکتے ہیں۔ اسی کا جواب ظاہر اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر مرنے والے شخص کو ان بزرگواروں کی زیارت ہوتی ہے اس سلسلہ میں روایات مستفیضہ موجود ہیں تفصیل کے لئے کتاب المختصر فی شرح حسن دیکھی جاسکتی ہے اور یہ عقیدہ مذہب شیعہ کے ان عقائد مشہورہ میں سے ہے جن کا محض عقلی استبعادات کی بنا پر انکار کرنا کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے۔ لیکن بموجب اینکہ روایت را درایت لازم است۔ ان روایات کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ اس میں غور و فکر کرنا اور اس کا سمجھنا ضروری ہے۔ اگر تو فقیہ تامل مطلب سمجھیں آجائے۔ تو جو المراد در نہ ان معانی پر اجمال ایمان رکھنا چاہئے۔ اور تفصیل ہنی معاد و ہی و تنزیل کے سپرد کرنا چاہئے ہر حال اس سلسلہ میں علماء اعلام کے پانچ نظریے ہیں۔

پہلا نظریہ حضرت شیخ مفید اور ان کے تلمیذ زید جناب سید مرتضیٰ علم الہدیٰ نے اسی محال عقلی کے لزوم کے اندیشہ سے متاثر ہو کر ان روایات کی تاویل فرمائی ہے۔ کہ ہر مرنے والا اپنی موت کے وقت محبت یا عداوت اہل بیت کا ثمرہ و نتیجہ دیکھتا ہے نہ کہ ان ظاہری آنکھوں سے ان کے اجسام مبارکہ کا مشاہدہ کرتا ہے۔ جیسا کہ آیت مبارکہ ومن یعمل مثقال ذرۃ خیراً یدرہ۔ ومن یعمل مثقال ذرۃ شراً یدرہ۔ میں خیر و شر کے دیکھنے سے ان کے ثمرہ و نتیجہ کو چشم حقیقت سے دیکھنا مراد ہے (یہ تاویل حضرت شیخ نے اوائل المقالات ص ۱۵۸ پر اور حضرت سید مرتضیٰ نے اپنی کتاب الدرر الغرمیہ پر فرمائی ہے۔ اور اس کے ساتھ یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ "علیٰ هذا القول بحقوق النظر من الامامیۃ"

دوسرا نظریہ۔ یہ کہ یہ بزرگوار اجساد مثالیہ کے ساتھ تشریف لاتے ہیں۔ یہ ان معصوم کثیرہ سے ثابت ہے کہ عالم برزخ میں



تمام مرنے والے لوگ اجسام مثالیہ میں منعم یا معذب رہتے ہیں جو تفصیل کے لئے ہماری کتاب حسن الفوائد کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ لہذا ائمہ ظاہرین کے غرائب و عجائب حالات کے پیش نظر یہ امر بعید نہیں ہے کہ ان بزرگواروں کے متعدد اجسام مثالیہ ہوں اور وہ اپنے عین حیات میں ہی اجساد مثالیہ میں تصرف بھی کر سکتے ہوں۔ یہ تاویل حضرت علامہ مجلسی نے بحار الانوار ج ۳ ص ۱۲ و علامہ سید عبداللہ شہر نے مصابیح الانوار ص ۱۲ پر تیز اور بہت سے علماء کرام نے فرمائی ہے۔

تیسرا نظریہ قدرت کاملہ سے یہ امر بعید نہیں ہے کہ آفتاب عالم تاب کی طرح گو وہ بزرگوار اپنے مستقر و مرکز تشریف فرما ہوں مگر خدا مرنے والے کی بینائی کو اس قدر تیز کر دے کہ وہ یہ خیال کرے کہ یہ بزرگوار اس کے سامنے تشریف فرما ہیں اور وہ ان سے ہم کلام بھی ہو۔ اس تاویل کو بھی سرکار علامہ مجلسی نے ”لیکن“ کہہ کر ذکر فرمایا ہے۔ اس تاویل کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو تفسیر صافی ص ۴۴ م مجہد بذیل تفسیر آیت ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا الایۃ امام حسین علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا مرنے والے سے ملک الموت کہتا ہے ”دیکھ جب وہ نظر اٹھا کر دیکھتا ہے۔ تو میری مسجد اور علیاً الطہیین من الہما فی اعلیٰ علیین الخ۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا ہے۔ جو اعلیٰ علیین کے مقام پر تشریف فرما ہوتے ہیں۔ مکتشفنا عنک غطاءک فیصوبک الیوم المہدید

چوتھا نظریہ خداوند عالم ان حضرات مقدسہ کی قتال مرنے والے کی آنکھوں کے سامنے پیش کر دیتا ہے اسے محدث جلیل سید نعمت شہر ازری اور دوسرے محقق علماء نے اختیار کیا ہے۔ چنانچہ جزائری مرحوم انوار نعمانیہ ص ۴ پر اپنے استاد جناب علامہ مجلسی کے اجساد مثالیہ میں تشریف لانے والے نظریہ کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں ”واما الذی رجحنا نحن اخذنا من مفاہیم الاخبار فهو القول بالتنزل بان اللہ سبحانه یمثل لمیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و اصبر المومنین علیہ السلام والائمة علیہم السلام کما مثله لاهل السموات حین رآہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم و اجمع السموات واقفا یعلیٰ والملائکة یعلیٰ خلف فقال ہذا اعلیٰ بن ابی طالب علیہ السلام تکرکت فی الارض دھاہو قد سقی الی السماء فقال اللہ عز وجل ہذا شخص مثل علی بن ابی طالب خلقت فی جمیع السموات حتی تنظر الیہ الملائکة فتطمأن الیہ نفوسہم من شدۃ حبہم لعلی بن ابی طالب علیہ السلام ویؤیدہ ما رواہ الطحینی فی روایت سدیر الصیری عن مولانا الصادق علیہ السلام فی قول ملک الموت للمعتز فاتحہ عینیک قال یمثل لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفاطمۃ والحسن والحسین والائمة من ذریتہم علیہم السلام“ ”فیکون یاقی بعض المختصرین بنفس البشرفۃ و صورتہم الاصلیۃ ویاقی الی بعض اخر صورتہ الممثلة المشابہة لتلك الصورة الاصلیۃ“ یعنی انبیا رابل بیت کی روشنی میں جو مطلب ہمارے نزدیک مرتجح ہے وہ یہ ہے کہ خداوند عالم مرنے والے کے سامنے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر ائمہ ظاہرین کی مثال پیش کرتا ہے جس طرح اس نے اہل آسمان کے لئے جناب امیر علیہ السلام کی مثال خلق فرمائی ہے۔ جسے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر اس حالت میں دیکھا کہ وہ مثال نماز



پڑھنے میں مشغول ہے۔ اور ملائکہ اس کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہیں، آنحضرتؐ نے منع فرمایا یہ علیؑ ابن ابی طالبؓ ہیں میں تو ان کو زمین پر چھوڑ کر آیا تھا۔ وہ مجھ سے پہلے یہاں پہنچ گئے، خدا نے فرمایا یہ ایک شخص ہے جو علیؑ کی مثل ہے (یعنی ان کی مثال ہے) میں نے اسے آسمانوں میں اس لئے پیدا کیا ہے کہ ملائکہ کو علیؑ سے پوشیدہ محبت ہے اسے دیکھ کر ان کو اطمینان و سکون حاصل ہو۔ اس مطلب کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جسے ثقہ الاسلام کلینیؒ نے دکانی میں بروایت سید صریفیؒ بناب امام جعفر صادقؑ علیہ السلام سے نقل کیا ہے، ملک الموت کے اس قول کو "اے مرنے والے آنکھیں کھول" کی تشریح میں فرمایا۔ اس وقت جناب رسول خداؐ، حضرت علیؑ رضی اللہ عنہ، جناب فاطمہؑ زہراؑ، امام حسنؑ و حسینؑ اور دوسرے ائمہ ہدیٰ کی مثال مرنے والے کے سامنے پیش کی جاتی ہے۔ پس خلاصہ کلام یہ ہے کہ بعض کامل الایمان مومنین کو کہ کبریتہ احمدیؒ سے بھی کم ہیں، ان کی موت کے وقت خود بنفس نفیس اپنی اصلی صورت میں تشریف لاتے ہیں۔ اور دوسروں کے پاس ان کی مثال آتی ہے جو اصل صورت کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے، اس حدیث میل کے کلام سے دو مطلب ثابت ہو گئے، ایک یہ کہ محضر کے پاس عمرو اول عمر علیہم السلام کی مثال آتی ہے، دوسرا یہ کہ شب معراج جناب امیر علیہ السلام محمدؑ اصلی زمین پر تھے۔ ان کی مثال مبارک آسمانوں پر موجود تھی۔ اس کی مزید تفصیل آٹھویں باب میں آ رہی ہے ان شاء اللہ

تقدیر نشانید بیک ناقہ و محمل میلانے حدیث تو دسلماتے قدم را

بہر تشل وال روایت تفسیر صافی ۵۲۹ ذیل آیت یا ایہا النفس المطمئنة ارجی الخ بھی موجود ہے۔

پانچواں نظریہ۔ ممتاز علماء غلام کا ہمیشہ ایسے خاص اور متشابہ مقامات پر نظر پڑتا ہے کہ وہ ایسے عقائد و عقائد کا مجموعہ عقلی استیلاوات کی بنا پر انکار کرتے ہیں اور نہ ہی ظاہری معنوں پر جو کہ عقائد محال ہوں، اعتقاد رکھتے ہیں بلکہ کیفیت میں غور و غوض کئے بغیر علی ما ہو فی نفس الامر جمال طور پر ایمان رکھتے ہیں چنانچہ غوامس بجا والا نور اسرار علامہ مجلسیؒ سوم بجا والا نور ۲ پر مذکورہ بالا تمام تاویلات نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں: "والاحوط والاولیٰ فی امثال تلك المتشابهات الایمان بها وعدم التعرض لخصوصياتها و احوال علمها الی العالم علیہ السلام كما صری فی الاخبار التي اورونا حافی باب التسليم والله یهدی من یشاء الی صراط مستقیم" یعنی احوط و اولیٰ یہ ہے کہ اس قسم کے متشابہات پر (احمالی) ایمان ضرور رکھا جائے مگر ان کی خصوصیات اور تفصیلات سے بحث نہ کی جائے۔ اور ان کے علم کو امام عالی مقام کی طرف لوٹایا جائے جیسا کہ یہ بات سابقاً اخبار تسلیم کے سلسلہ میں گذر چکی ہے۔ ایسا ہی مولانا نجیب اللہ شبر نے اپنی کتاب مستطاب مصابیح الانوار نے سبب مشکلات الاخبار طبع نجف اشرف ج ۲ پر مذکورہ بالا تاویلات ذکر کرنے کے بعد افادہ فرمایا ہے والاحوط والاولیٰ الایمان بذلک اجمالاً و ایکال العلم التفصیلی الی اللہ و رسولہ و خلفائہ و اللہ العالم بالحقیقة ان شقائق و دقائق کی روشنی میں واضح و لائح ہو جاتا ہے کہ ان احادیث سے حضرات معصومینؑ کے آن و آمد میں اکثرت متعددہ میں حاضر ہونے پر استدلال نہیں کیا جاسکتا، اور نہ ہی ان روایات کے بل بوتے پر ایک محال عقل کو ممکن بنایا جاسکتا ہے۔ یاں اگر یہ بزرگوار چاہیں تو اجساد



شالیہ کے ذریعہ ان واحد میں اکثہ متعددہ میں حاضر ہو سکتے ہیں۔ ولا کلام لنا فیہ واللہ العالم۔

**چوتھا شبہ اور اس کا جواب** | یہاں یہ شبہ بھی کیا جاسکتا ہے (بلکہ کیا بھی گیا ہے) کہ قرآن میں بار بار جناب رسول خدا کو مخاطب کر کے ”الم تر“ کہا گیا ہے جیسے ”الم تر اذ قال العنکبوت انک کذلک کذلک“ اور ”الم تر کا ترجمہ کیا تم نے نہیں دیکھا؟“ کیا جاسکتا ہے جس سے آنحضرتؐ کی رویت بصری ثابت ہوتی ہے۔ اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ علمائے عقیدت کے نزدیک ”الم تر“ کا صحیح مفہوم ”الم تعلم“ (کیا تمہیں معلوم نہیں؟) ہے چنانچہ سرکارِ سید رضی (جامع نبی البلاغہ) اپنی کتاب ”تغیص البیان“ ص ۱۲ پر لکھتے ہیں۔ معنی الرویۃ ہما بمعنی العلم فکانہ تعالیٰ قال الم تعلم الخ رویت کے معنی علم کے ہیں گویا خدا یوں فرماتا ہے کیا تمہیں اس بات کا علم نہیں ہے؟“ اسی طرح حضرت سید مرتضیٰ علم الہدیٰ نے اپنی کتاب الدرر والغرر المعروف بآمالیہ مرتضیٰ ص ۲۵ طبع ایران بذیل آیت مبارکہ ”ان الله یزجج سحابا الخ...“ لکھا ہے اما قوله تعالیٰ الم تر قالوا له تعال من الم تعلم الخ... یعنی ارشاد خداوندی ”الم تر“ کا مفہوم ہے ”الم تعلم“۔ لہذا ایسی آیات سے جناب رسول خداؐ کا عالم ہونا ثابت ہے جو کہ درست ہے (لیکن یہ امر محل نزاع سے خارج ہے) نہ ہر جگہ حاضر ہونا جو کہ محل بحث ہے بنا بریں تحقیق اس شبہ کا بالکل قلع قمع ہو جاتا ہے۔

**پانچواں شبہ اور اس کا جواب** | دنیا میں ہر وقت آن واحد میں ہزاروں لوگ مرتے ہیں اور ملک الموت ان کی رو میں قبض کرتا ہے تو اگر ملک الموت آن واحد میں اکثہ متعددہ میں حاضر ہو سکتا ہے تو امام جن کی حالت و عظمت ملک الموت سے بدرجہا زیادہ ہے وہ کیوں آپؐ میں اکثہ متعددہ میں حاضر نہیں ہو سکتے؟“ یہ شبہ اس خیال پر مبنی ہے کہ ہر مرتے والے کی روح ملک الموت بنفس خود قبض کرتا ہے حالانکہ یہ حقیقت کے خلاف ہے۔ احادیث معصومین سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ملک الموت کے بہت سے اعوان و انصار ہیں۔ بعض خواص کی روحیں خود ملک الموت قبض کرتا ہے اور دوسروں کی اس کے اعوان و مددگار۔

چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں جب یہی سوال پیش کیا گیا کہ قد یموت فی الساعۃ الواحدۃ فی جمیع الاوقات ما لا یحصی الا الله هو وجہ فکیف هذا؟ تمام اطاق و اطراف عالم میں ایک ہی ساعت میں بے شمار موتیں واقع ہوتی ہیں۔ پس ملک الموت کیونکر حاضر ہوتا ہے۔ امام نے جواباً ارشاد فرمایا ان الله تبارک و تعالیٰ جعل لملك الموت اعواناً من الملائکۃ یقبضون الابرار الخ... خداوند عالم نے فرشتوں میں سے بہت سے فرشتے ملک الموت کے مددگار بنائے ہیں۔ جو رو میں قبض کرتے ہیں (منہاج البراءۃ ص ۸) کما فی الامم لا یخیرہ الفقہاء اس سوال و جواب سے لمبی واضح ہوتا ہے کہ سائل اور امام ہر دو جسم واحد کے (خواہ وہ لطیف ہی کیوں نہ ہوں) آن واحد میں اکثہ متعددہ میں حاضر ہو کر محال جانتے ہیں۔ وہو المطلوب۔ ایسا ہی جناب امیر المومنینؑ سے مروی ہے کہ ملک الموت اعوان الخ (استباج طبرسی ص ۱۲) نیز صحیفہ سجادیہ کی تیسری دعا جو فرشتوں پر سلام کے سلسلے میں ہے۔ امام زہن العابدینؑ فرماتے ہیں۔ دہلی ملک الموت و اعوانہ (ص ۳ طبع ایران)



ملک الموت اور اس کے احوال و انصار پر سلام ہو۔ اس کی مزید توضیح و تشریح صحیفہ کاملہ کی شرح نور الانوار جزاوی ص ۹۶ اور ریاض السالکین ص ۹۱ میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ نیز اس مطلب کی تائید مزید قرآنی آیات سے بھی ہوتی ہے کہیں ارشاد ہے میتو فاکم ملک الموت اور کہیں وارد ہے الذین تنتو فاکم الملائک۔ توقفہ و سنا معلوم ہوا کہ روحیں قبض کرنے والا ایک نہیں ہے بلکہ بہت سے ملائکہ اس کام میں بطور آلات اسباب مشغول ہیں۔ فقد منا الی ما عملوا من عمل فجعلناہ ہاء منشوراً

**چھٹا شبہ اور اس کا جواب** شیخ رجب برسی نے (مشارق الانوار) میں نقل کیا ہے کہ مقداد بن اسود کندی روایت کرتے ہیں کہ جناب امیر علیہ السلام جنگ خندق کے دن عمرو بن عبدود کو قتل کرنے کے بعد خندق کے پاس کھڑے ہو کر اپنی تلوار سے خون صاف کر رہے تھے۔ اور اس کو ہوا میں گھما رہے تھے۔ کفار کا شکر سترہ ٹولیاں میں تقسیم ہو گیا تھا میں ہر ایک کے چہچہے حضرت علی کو دیکھ رہا تھا۔ کہ وہ ان کا تعاقب کر رہے تھے اور ان کو تلوار سے کاٹ رہے تھے۔ حالانکہ آپ اپنے منہ پر کھڑے تھے۔ کیونکہ بگڑوں کا تعاقب کرنا آپ کے اخلاق کریمہ کے خلاف تھا۔ وکذا فی شرح الزیادۃ ص ۳۷ و المجلی ملا حسنی اس سے انجناب کا آن واحد میں متعدد مقامات پر موجود ہونا ثابت ہوتا ہے۔

یہ شبہ جس روایت پر مبنی ہے وہ ماحول روایت و روایت کے اعتبار سے ناقابل اعتبار ہے۔

اگر لایہ روایت مشارق الانوار برسی و المجلی ابن ابی جمہور احسانی سے مروی ہے اور ہم کئی بار اس بات کی نگرانی کی ہے کہ یہ دونوں حضرات جس روایت کے نقل کرنے میں متفرد ہوں۔ اس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

**ثانیاً۔** اس روایت کی ابتدا و انتہا میں تضاد ہے ابتدا میں یہ ہے کہ وہ ہر جا گئے وائے گردہ کا تعاقب کر رہے تھے اور آخر میں یہ ہے کہ وہ اپنی جگہ پر کھڑے تھے۔ اور یہ اختلاف و تناقض دلیل بطلان ہے۔

**ثالثاً۔** آخر روایت میں لکھا ہے کہ بگڑے کا تعاقب کرنا ان کے اخلاق کی یاد کے منافی تھا۔ اور یہی امر شاکر کبیرہ سے ثابت ہے۔ تو پھر آپ اپنی عادت کریمہ کی خلاف ورزی کے کس طرح بگڑوں کا تعاقب کر سکتے تھے؟

والبعث۔ بنا بر فرض تسلیم۔ یہ ہمارے محل نزاع سے خارج ہے بحث اصلی جسم کے ساتھ آن واحد میں متعدد مقامات پر حاضر ہونے کے متعلق ہے۔ مگر اس روایت سے یہ مطلب ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ اس سے تو اس نظریہ کا بطلان واضح دیا گیا ہوتا ہے کہ بگڑے میں مذکور ہے کہ انجناب خندق کے کنارے کھڑے ہو کر تلوار سے خون صاف کر رہے تھے۔ اس سے ظاہر ہے کہ انجناب کا اصلی جسد مبارک تو ایک وقت میں ایک ہی جگہ پر موجود تھا۔ تو پھر ہمارا حال انا ہے کہ (دنا بصوت) بگڑوں کا تعاقب اجسام مثالیہ کے ساتھ کر رہے تھے۔ اور یہ چیز مقام اختلاف سے خارج ہے جیسا کہ ابتدا بحث میں اس کی وضاحت کر دی گئی ہے۔

الحق من ربک فلا تکن من المعاترین۔ سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کے ناظر ہونے کی بحث انشراح و تقریط اکثر دوسرے اسلامی دایانی اصول و عقائد کی طرح پیشہ میں افراط و تفریط کا شکار ہو گیا ہے بعض لوگوں نے تقدیر



افراط سے کام لیا۔ کہ انبیاء و ائمہ علیہم السلام کو کائنات حلوی و سفلی کے تمام لواہر و باطن پر کلاً و جزوً بالفعل ناظر اور ان اشیاء کا عالم تسلیم کرنے لگے۔ اور بعض نے اس قدر تعریف کی کہ ان بزرگواروں کو بعض احکام شرعیہ کے موضوعات خارجیہ کے علم سے <sup>وقت</sup> محروم ہونے کا نظریہ قائم کر لیا۔ ہم سب عادت اپنی پوری امکانی کوشش صرف کریں گے۔ کہ افراط تعریف سے دامن بچاتے ہوئے قرآن، محمد و آل محمد علیہم السلام کے فرمان اور علماء اعلام کے بیان متضانی ترجمان کی روشنی میں صحیح ایمانی عقیدہ اپنے قارئین کرام کے سامنے پیش کریں۔

**محل نزاع کی تعیین** | لیکن اصل مقصد میں وارد ہونے سے قبل محل نزاع کی تعیین و تنقیح ضروری ہے کیونکہ اس سلسلہ میں بعض نااہلوں نے بہت ہی دھاندلی چھائی ہے بعض نے حاضر کو بمعنی ناظر اور بعض نے ناظر کو بمعنی حاضر مراد لیا ہے پھر بعض نے حاضر و ناظر سے حاضر بالاقوہ اور بعض نے بالفعل مراد لیا ہے جیسا کہ اس باب کی ابتدا میں اس امر کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے لیکن اگر صحیح غور و تاثر سے کام لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو الگ الگ موضوع ہیں۔ اسی لئے ہم نے ان پر الگ الگ بحث کی ہے حاضر کے موضوع پر کما حقہ تفصیل گفتگو کر کے حق کا استحقاق اور باطل کا ابطال کیا جا چکا ہے اب ناظر کے موضوع پر تبصرہ کیا جاتا ہے سو واضح ہونا چاہئے کہ اگر ان ذوات مقدسہ کے ناظر ہونے سے مراد یہ ہے کہ پورے عالم بلکہ تمام عوالم کا گوشہ گوشہ اور ذرہ ذرہ ہر ہر لمحہ و لمحہ میں اس طرح ان حضرات کے پیش نظر ہے کہ ان کو ارادہ اور التفات کرنے کی بھی ضرورت نہیں پڑتی تو یہ نظریہ بالکل غلط ہے اور خالیوں کا قاسد عقیدہ ہے اور اگر مراد یہ ہے کہ یہ بزرگوار بہت سے علوم کو تو بالفعل جانتے ہیں اور بعض کو بالاقوہ یعنی ان کے معلوم کرنے کی اس طرف استعداد و قریب ان میں موجود ہے کہ از فرشتہ تا عرش و از شر تا تشریٰ غرضیکہ کائنات کی جس چیز کو معلوم کرنے کا ارادہ فرمائے یا علم اللہ معلوم کر سکتے ہیں (والا ما اخوجه الدلیل القطعی) اور تمام الممکانیہ کی جس چیز کو دیکھنا چاہیں اسے یا علم اللہ دیکھ سکتے ہیں اس وقت یہ ظاہری درو دیوار۔ اور اشجار و احجار درمیان میں حائل و حاسب نہیں ہو سکتے (الان شاء اللہ)

لہذا اگر ناظر سے مراد یہ دوسرے معنی میں تو یہ بالکل صحیح ہیں۔ بہر حال پہلے معنی کے اعتبار سے یہ عقیدہ غلط ہے ہم ذیل میں اس کے بطلان پر قرآن، معصومین کے فرمان، علماء اعلام کے بیان اور عقل برہان کی روشنی میں کلام کرتے ہیں۔ واللہ المستعان و الاستعانة فی المبدأ والاختتام والتوسل بالنبی والہ سادة الانس والجان علیہم الصلوٰۃ والسلام۔

**ناظر ہونے کی نفی قرآن کریم کی روشنی میں** | قرآن مجید میں اس مضمون کی متعدد آیات مبارکہ موجود ہیں جن سے بصری انصاف و ذرہ ذرہ پر ہمت بالفعل نظر علمی رکھنا اور ان کا علمی احاطہ کرنا ذات کبریا کے ساتھ مختص ہے۔ کوئی بھی مخلوق اس صفت مجیدہ میں اس کے ساتھ شریک نہیں نہ بالذات اور نہ باعطاء اللہ۔ ذیل میں ہم ایسی آیات نقد سے کا ایک شمار پیش کرتے ہیں۔

(۱) وما یبغض من ربک من مشقال ذرۃ فی الارض ولا فی السماء و ما من شیء الا عنہا (سورہ بقرہ ۲۵۵) اور تمہارے پروردگار کے



ذرہ بھر کوئی چیز غائب نہیں رہ سکتی نہ زمین میں اور نہ آسمان میں۔

(۲) ان الله لا يخفى عليه شيء في الارض ولا في السماء. (پتہ س آں عمران ۷۹) سب سے لٹک خدا سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے (نہ زمین نہ آسمان میں)۔

(۳) الله يعلم ما قبل كل انثى وما تغيض الارحام وما تزداد وكل شيء عنده بمقدار (پتہ س رعد ۸) ہر مادہ جو کچھ پیٹ میں لئے ہوئے ہے اس کو خدا ہی جانتا ہے اور کچھ دانوں کا گھٹنا بڑھنا بھی وہی جانتا ہے اور ہر چیز اس کے نزدیک ایک اقدار سے ہے۔

(۴) وهو الله في السموات وفي الارض يعلم سركم وجهركم ويعلم ما تكسبون (پتہ س انعام ۷۱) اور وہی تو آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی (بھی) خدا وہی تمہارے ظاہر و باطن سے (بھی) خبردار ہے اور وہی جو کچھ بھی تم کرتے ہو جانتا ہے۔

(۵) يعلم ما بين ايديهم وما خلفهم ولا يحيطون بشيء من علمه الا بما شاء (پتہ س بقرہ ۲) اور جو کچھ ان کے سامنے موجود ہے (۶) اور جو کچھ ان کے پیچھے (ہو چکا ہے) (خدا سب کو) جانتا ہے اور لوگ اس کے علم میں سے کسی چیز پر بھی غلط نہیں کر سکتے مگر (جسے) جتنا چاہے (سکا دے)۔

(۷) ومن اهل المدينة مردودا على النفاق لا تعلمهم نحن نعلمهم (پتہ س توبہ ۱۱) اور مدینہ کے رہنے والوں میں سے (بعض منافق ہیں) جو نفاق پر اتر گئے ہیں (اسے رسولؐ) تم ان کو نہیں جانتے مگر ہم ان کو (خوب) جانتے ہیں۔

(۸) يعلم ما يلج في الارض وما يخرج منها وما ينزل من السماء وما يعرج فيها وهو معكم اينما كنتم والله بما تعملون بصير (پتہ س حدید ۷۱) جو چیز زمین میں داخل ہوتی ہے اور جو اس سے نکلتی ہے اور جو چیز آسمان سے تازل ہوتی ہے اور جو اس کی طرف پڑھتی ہے۔ (سب) اس کو معلوم ہے اور تم (چاہے) جہاں کہیں ہو۔ وہ تمہارے ساتھ ہے۔ اور جو کچھ بھی تم کرتے ہو۔ خدا اسے دیکھ رہا ہے۔

(۹) الا انهم يثنون صدورهم ليست خفوا منه الاحيين يستخفون ثيابهم يعلم ما يسرون وما يعلنون انه عليهم بذات الصدور (پتہ س بقرہ ۱۷) اے رسولؐ! دیکھو یہ کفار (تمہاری عداوت میں) اپنے سینوں کو دھوکے ڈالتے ہیں۔ تاکہ خدا سے (اپنی باتوں کو) چھپائیں مگر، دیکھو جب یہ لوگ اپنے کپڑے غیب لپیٹتے ہیں (تب بھی تو) خدا ان کی باتوں کو) جانتا ہے جو چھپا کر کرتے ہیں۔ اور کھلم کھلا کرتے ہیں۔ اور سمجھ رکھو کہ خدا ہر چیز کو ضرور جانتا ہے۔

(۱۰) وان تجهد بالقول فانه يعلم السر واخفى (پتہ س طہ ۱۰) اور اگر تو پکار کر بات کرے (تو بھی) آہستہ کرے تو بھی، وہ یقیناً بھید اور اس سے زیادہ پوشیدہ چیز کو جانتا ہے۔

(۱۱) واعلموا ان الله بكل شيء عليم (پتہ س بقرہ ۱۳) اور سمجھ رکھو کہ خدا ہر چیز کو ضرور جانتا ہے۔



(۱۱) وَانْقُوا لِلّٰهِ وَاَعْلَمُوْا اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (پس بقرہ ۱۲) ”اور خدا سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو۔ خدا ضرور دیکھتا ہے۔“

(۱۲) قُلْ اِنْ تَحْفَوْا مَا فِیْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تَبْدُوْا یَعْلَمُ اللّٰهُ وَیَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَاَللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ (پس آل عمران ۱۱) ”اے رسول! تمہارا دل کو گوسا کہو کہ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے تم خواہ اُسے چھپاؤ۔ یا ظاہر کرو۔ (پھر مال) خدا تو اُسے جانتا ہے اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے وہ (سب کچھ) جانتا ہے۔ اور خدا ہر چیز پر قادر ہے۔“

(۱۳) وَیَعْلَمُ مَا فِی الْبُرُوْجِ وَمَا تَقْطَعُ مِنْ رِّیْقَةِ الْاَیْلَامِ هٰذَا رِیْقٌ اَوْ رِیْقٌ اَوْ رِیْقٌ (پس انعام ۱۳) ”اور جو کچھ نکلی اور تری میں ہے۔ اس کو بھی (وہی) جانتا ہے اور کوئی پتا بھی نہیں کھڑا کہ وہ اسے ضرور جانتا ہے۔“

(۱۴) وَرَبِّكَ یَعْلَمُ مَا تَكْنُ صُدُوْرُهُمْ وَمَا یَعْلَمُوْنَ (پس قصص ۱۰) ”اور اے رسول! یہ لوگ جو باتیں اپنے دلوں میں چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں۔ تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے۔“

(۱۵) اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَ عِلْمِ السَّاعَةِ وَیَنْزِلُ الْغَیْثُ وَیَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْضِ حَامٌ وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَاذَا تَكْنُ غَدًا وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بَاقِیْ اَرْضِ تَمُوْتُ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ (پس لقمان ۱۳) ”بے شک خدا ہی کے پاس قیامت (کے آنے) کا علم ہے اور وہی (جب موقع مناسب دیکھتا ہے) پانی برساتا ہے اور جو کچھ عورتوں کے پیٹ میں زودادہ ہے۔ جانتا ہے اور کوئی شخص اتنا بھی تو نہیں جانتا کہ وہ خود کل کیا کسے گا۔ اور کوئی شخص (یہ بھی نہیں جانتا کہ وہ کس سرزمین پر مرے (گڑے گا) بے شک خدا (سب باتوں) آگاہ و خبردار ہے۔“

(۱۶) یَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعِیْنِ وَمَا تَخْفٰی الصُّدُوْرُ (پس نور ۱۶) ”خدا تو آنکھوں کی دزدیدہ نگاہ کو بھی جانتا ہے۔ اور ان باتوں کو بھی جو (لوگوں کے) سینوں میں پوشیدہ ہیں۔“

(۱۷) عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لَمَ اَذْنْتَ لَهُمْ حَتّٰی یَنْبِیْنَ لَكَ الذِّیْنُ کَذَبُوْا (پس توبہ ۱۳) ”اے رسول! خدا تم سے درگزر فرمائے تم نے انہیں (بچھے رہ جانے کی) اجازت ہی کیوں دی۔ تاکہ تم اگر ایسا نہ کرتے تو تم پر سچ بولنے والے (الگ) ظاہر ہو جاتے اور تم چھوٹوں کو (الگ) معلوم کر بیٹھ۔“

(۱۸) قُلْ مَا كُنْتُ بِدَعَاۤءِ الرُّسُلِ وَمَا اَدْرِیْ مَا یَفْعَلُ بِیْ وَلَا یَكُمُ اِنْ اَتٰیْعَ الْاِمَاۤیِیْحٰی اِلٰی وَمَا اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ (پس انفاس ۱) ”اے رسول! تم کہہ دو کہ میں کوئی نیا رسول آیا نہیں ہوں اور میں کچھ نہیں جانتا کہ آئندہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ اور تمہیکہ تمہارے ساتھ کیا کیا ہائے گا میں تو بس اسی کا پابند ہوں جو میرے پاس وحی آئی ہے اور میں تو بس علانیہ ڈرانے والا ہوں۔“

(۱۹) وَلَا تَقْفُ مَا لِبَیْسٍ لَّكَ بِہٖ عِلْمٌ (پس اسراء ۱۷) ”اور جس چیز کا تمہیں یقین نہ ہو (خواہ مخواہ) اس کے



چھپے نہ پڑا کرو۔

(۲۰) وَلَا تَجْعَلْ بِالْقَوَانِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَقْضَىٰ حَيْدٌ وَقَلْبٌ زِدْ فِي عِلْمِ رِجَالٍ طَرَحَ ۱۵ سَوَاعِدَ رَسُولٍ ۚ قَرَّانِ دَعَا  
پڑھنے میں اس سے پہلے کہ تم پر اس کی وحی پوری کر دی جائے۔ جلدی نہ کیا کرو۔ اور دعا کرو کہ اسے میرے پالنے والے میرے  
علم کو اور زیادہ فرما۔

(۲۱) قُلْ إِنْ أَدْرَىٰ اقْتَرِبَ مَا تَعْدُونَ أَمْ يَجْعَلُ لَكُمْ دَرَجَةً أَمْ لَا ۚ (پہلے اس میں ۱۲) ۱۵ سَوَاعِدَ رَسُولٍ ۚ قَرَّانِ دَعَا  
نہیں جانتا کہ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے قریب ہے یا میرے پروردگار نے اس کی مدت دراز کر دی ہے۔

(۲۲) وَمَا كَانَ لِي مِنْ عِلْمٍ بِالْأَعْلَىٰ إِذْ يَخْتَصِمُونَ ۚ (پہلے اس میں ۱۳) ۱۵ سَوَاعِدَ رَسُولٍ ۚ قَرَّانِ دَعَا  
بالا کے رہنے والے (قرشتے) جب باہم بحث کرتے تھے اس کی مجھے بھی خبر نہ تھی میرے پاس تو بس وحی کی گئی ہے کہ میں  
(خدا کے عذاب سے) صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔ (ترجمہ فرمائے)

ہم نے ان آیات وافی ہدایات کو بلا تبصرہ صرف مولانا سید فرمان علی اعلیٰ اللہ مقامہ کے مطلب خیر ترجمہ کے ساتھ  
پیش کر دیا ہے اسی سے ارباب عقل و انصاف اس بات کا اذعان و یقین حاصل کر سکتے ہیں کہ کائنات ارضی و سماوی کے  
ذره ذرہ عالم امکان کے گوشہ گوشہ اور ہر شخص کے ظاہری و باطنی حالات و کوائف کو ہر وقت بالفعل جانتا اور ان پر ناظر و  
مگر ان ہونا فواید خداوندی کے ساتھ مختص ہے واللہ لکل شیء معیط پورے حوالم امکان میں کوئی سچی بھی اس  
صفت میں اس کی شریک و ہم نہیں نہ بالذات اور نہ بالاعطاء و ہوا المقصود۔

ان تمام ادعیہ و مادیات کے جمیع و احصاء کے لئے تو ایک دفتر  
ناظر ہونے کی نفی احادیث معصومین کی روشنی میں

ذات ایزدی کے ساتھ مختص ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ ہم بطور نمونہ قطرہ از دریا اس بحر ذخار سے چند ادعیہ و احادیث  
شریفہ پیش کرتے ہیں۔ وما توفیق الا باللہ۔

(۱) جناب امام زین العابدین علیہ السلام دعا ہے تسبیح میں فرماتے ہیں: سُبْحَانَكَ سُبْحَانَكَ سُبْحَانَكَ فِي الْمَلَأِ الْأَعْلَى تَسْمَعُ  
وَتَرَى مَا تَحْتَ الثُّنَى سُبْحَانَكَ تَرَى مَا فِي قَعْوِ الْمَاءِ سُبْحَانَكَ تَسْمَعُ أَنْفَاسَ الْحَيَاتَانِ فِي قَعْوِ الْعَبَارِ -  
سُبْحَانَكَ تَعْلَمُ وَزْنَ السَّمَوَاتِ سُبْحَانَكَ تَعْلَمُ وَزْنَ الْأَرْضَيْنِ سُبْحَانَكَ تَعْلَمُ وَزْنَ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ -  
سُبْحَانَكَ تَعْلَمُ وَزْنَ الظُّلْمَةِ وَالنُّورِ سُبْحَانَكَ تَعْلَمُ وَزْنَ الْفَيْءِ وَالْمَوَادِّ سُبْحَانَكَ تَعْلَمُ وَزْنَ الرَّيْحِ

کمہی من مشال ذمۃ صحیفہ کا مد ۳۱ طبع ایران (ترجمہ) یہ پاک ہے نور عالم باو کے رہنے والوں میں تیری تسبیح ہو۔  
امام عالی مقام نے ہر فقرہ کے ساتھ سبحانک کی قید لگا کر ظاہر فرما دیا۔ اس وسعت علمی میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔  
(۲) مسجد کو فرمیں بمقام نوح علیہ السلام جو چار رکعت نماز حاجت پڑھی جاتی ہے۔ اس کے بعد پڑھی جانے والی

پاک ہے تو جو کچھ پانی کی گہرائی میں ہے اسے تو دیکھتا ہے۔ پاک نیری ذات تو سمندوں کی گہرائیوں میں پھیل کر کھنکھاتے ہوئے آواز سناتا ہے۔ پاک ہے تیری







خدا کو اس کی کسی مخلوق کے ساتھ تشبیہ دے وہ مشرک ہے (توحید شیخ صدوقی ص ۵۷ طبع ممبئی)

(۵) جناب امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔ لو وقفنا علی کل شیء خلقه الله تعالى لم نخلقه ولا ق  
شیء انشاء لکننا سادینا فی علمہ وعلما کلما یعلم واستغینا عنہ وکنا وهو فی العلم سواء یعنی اگر ہم میں اس چیز  
کا مکمل علم ہوتا جسے خدا نے پیدا کیا ہے کہ اسے کیوں اور کس لئے پیدا کیا ہے تو اس پر ہم علم میں خدا کے برابر ہو جاتے جو کچھ  
دو جانتا ہے وہ سب ہم بھی جانتے اور اس کے بے نیاز ہو جاتے جو کہ پرہیز بطلان ہے (الدعوات الساکبہ ص ۵۲)

امام علیہ السلام نے کس احسن انداز میں اپنے علم کل کی نفی فرمائی ہے۔ حق ہے دعا یعلم جنود ربک الاھوا

(۶) امام زین العابدینؑ دعا نے صلوات پر ملائکہ میں چند فرشتوں پر نام بنام سلام بھیجنے کے بعد فرماتے ہیں۔ ومن  
اور ہنا کورہ ودرہ علم مکانہ منک وبقا امور کلثہ الخ (صحیفہ مشرق) ہاں اہل ان فرشتوں پر بھی درود و سلام  
بھیج جن کا ہم نے ذکر نہیں کیا۔ اور نہ ہی ان کے متعلق ہمیں یہ معلوم ہے کہ تیرے نزدیک ان کا مرتبہ و مقام کیا ہے اور  
نہ معلوم ہے کہ تو نے ان کو کس امر پر مامور کیا ہے۔ علامہ سید علی خان ان فقرات کی شرح میں لکھتے ہیں۔ فیہ دلالتہ  
علی انہ لا یعلم اصناف الملائکۃ خیر خوا لقا کما قال تعالیٰ وما یعلم جنود ربک الاھو وریاض الساکین (۹)  
یعنی اس کلام میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ فرشتوں کے تمام اصناف و اقسام کو سوائے ان کے خالق کے اور کوئی  
نہیں جانتا۔ جیسا کہ اس کا ارشاد ہے۔ (سے رسول) تیرے پروردگار کے لکھروں کو سوائے اس کے اور کوئی نہیں  
جانتا۔ جب امام علیہ السلام کے اس فرمان کے مطابق ان کو فرشتوں کی تعداد بھی معلوم نہیں تو پھر وہ پورے عالم  
امکان کے ناظر و نگار ان کس طرح ہو سکتے ہیں؟

(۷) ابو بصیرؒ بیان کرتے ہیں کہ میں نے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا۔ کچھ لوگ کہتے  
ہیں۔ فرمایا کیا کہتے ہیں؟ عرض کیا کہتے ہیں کہ۔ انک تعام فطر المعلوم و حد القوم ووقف الثبوت و وزن الماد فی  
الجود و حد الثواب۔ آپ بارش کے قطرے، تاروں کی تعداد، درختوں کے پتے، سمندروں کی مقدار، اور خاک کے  
ذروں کی تعداد جانتے ہیں؟ ابو بصیر کہتے ہیں۔ امام نے یہ کلام سن کر سراقص آسمان کی طرف بلند کر کے دو مرتبہ کہا۔  
سبحان اللہ سبحان اللہ پھر فرمایا لا اولیٰ لا اولیٰ ما یعلم هذا الا اللہ۔ خدا کی قسم۔ یہ چیزیں، نہیں جانتا مگر خدا تعالیٰ۔  
(درجہ کشتی ص ۱۹، بحار ص ۲۵)

جناب امام علیہ السلام ان چیزوں کا علم نہیں رکھتے تو پھر کائنات کے ذرہ ذرہ پر بالفعل ناظر کس طرح ہو سکتے ہیں۔  
(۸) متعدد روایات میں موجود ہے کہ جب ان ذات مقدسہ کے کسی ایسی چیز کے بارے میں سوال کیا جائے جو پہلے ان  
کے علم میں نہ ہو تو فوراً (خدا) روح القدس (کے ذریعہ) ان کی تائید و تسدید کرتا ہے۔ ایسی روایات کا ایک شہر پہلے باب  
میں بیان کیا جا چکا ہے (بصائر الدرجات ہفتم بحار وغیرہ) اس سے واضح ہوتا ہے کہ معصومین کو ہر چیز کا ہر وقت بالفعل



علم نہیں ہوتا۔ ہاں عند الضرورت خدا کسی نہ کسی ذریعہ سے تعلیم فرما دیتا ہے اس لئے وہ کسی سائل کے جواب سے عاجز نہیں ہو سکتے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(۹) اس مضمون کی متعدد روایات کتب حدیث میں موجود ہے کہ شب جمعہ کو اوصیاء کی شان عجیب ہوتی ہے تمام سابقہ انبیاء و اوصیاء کی ارواح مقدسہ اور موجودہ محبت خدا کی کج روایات اقدس کو عرش پر لے جایا جاتا ہے۔ وہاں پہنچ کر وہ عرش الہی کا سات مرتبہ طواف کرتی اور اس کے ہر پائے (ستون) کے پاس دو دو رکعت نماز پڑھتی ہیں۔ جب صبح واپس لوٹتی ہیں تو انبیاء و اوصیاء کے بیٹے سرور و شادمانی سے لبریز ہوتے ہیں۔ اور موجودہ وصی کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ "زید فی علمہ مثل جبریل العزیز" ان کے علم میں بہت ہی اضافہ ہوتا ہے۔ بعض روایات میں یہ الفاظ موجود ہیں "ولا یجمع الا یعلم مستفاد و لولا ذلک لا فدا نا۔ جب وہ (موجودہ محبت خدا) واپس لوٹتے ہیں۔ تو نئے حاصل کردہ علم کے ساتھ۔ اور اگر یہ اضافہ وازدیا و کا سلسلہ برابر جاری نہ رہے تو ہمارا علم ختم ہو جائے۔ (اصول کافی، ہفتم ہمار بصائر وغیرہ)

(۱۰) اس مضمون کی بکثرت احادیث موجود ہیں کہ امام کا اصل باعث عزت و انتقام ظہور ہے جس میں بجانب اللہ پر شب و روز، بلکہ ہر ساعت بساعت بلکہ ہر لحظہ پر لحظہ برابر اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ معصومین کا ارشاد ہے "لولا انما نزلہا و اذ لفقہا ما عندنا۔ اگر اس طرح برابر ہر وقت (بذریعہ الہام و القاد و تقویٰ السمیع و نکت فی القلب وغیرہ مخصوص ذرائع و اسباب سے) ہمارے علم میں اضافہ نہ ہوتا ہے تو ہمارا موجودہ علم ختم ہو جائے (اصول کافی، ہفتم ہمار بصائر) اگر ان بزرگواروں کو پہلے ہی کائنات کی ہر چیز کا علم کلی و تفصیلی فعلی ہوتا ہے تو پھر شب جمعہ بلکہ ہر شب و روز بلکہ ہر لحظہ پر لحظہ اس میں اضافہ وازدیا و کا کیا مطلب ہے؟

(۱۱) بکثرت روایات میں وارد ہے کہ ان ذوات مقدسہ کے پاس انبیاء و مسلمین کے صحف و کتب موجود ہیں بعض اوقات ان کی طرف رجوع کر کے بعض چیزیں معلوم کرتے ہیں (اصول کافی، ہفتم ہمار بصائر وغیرہ)

(۱۲) اس مضمون کی متعدد روایات موجود ہیں کہ ائمہ اطہار کے پاس جعفر و جامعہ و مصحف فاطمہ موجود ہے جن میں تمام احکام شرعیہ اور جمیع مایحتاج الیہ الناس کی تشریح مذکور ہے۔ بوقت ضرورت ان کی طرف بھی رجوع فرمایا کرتے ہیں۔ (اصول کافی، ہفتم ہمار بصائر وغیرہ) ارباب غفل و خرد کو سوچنا چاہئے کہ اگر ان بزرگواروں کے تمام علوم تفصیلی و فعلی ہیں تو پھر صحف انبیاء یا جعفر و جامعہ وغیرہ کی طرف رجوع کرنے کے کیا معنی ہیں؟

(۱۳) کئی اخبار و آثار سے واضح و آشکار ہوتا کہ کرمانا کاتبین کے علاوہ خدا نے کچھ فرشتوں کی یہ ذیوی مقرر کی ہے کہ عالم میں جو جو حادثات و واقعات رونما ہوتے ہیں۔ وہ ان کی اطلاع امام زمانہ کو دیتے ہیں۔ چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام ایک حدیث میں فرماتے ہیں۔ دعا من یوم یاتی علینا و لا یلیل الا انباء اهل الارض عندنا و ما یحدث فیہا و ما من



ملك يموت في المرض ويقوم غيره الاونا تبنا بخبره وكيف جاز سيعينه في الدنيا (دمعہ ساکبہ ص ۴۹)  
وئی دن یارات ایسی نہیں آتی جس میں اہل زمین کی خبریں اور جو کچھ زمین ہوتا ہے۔ یا کوئی بادشاہ مرتا ہے اور دوسرا  
س کی جگہ بیٹھتا ہے جس کی اطلاع فرشتے ہمیں نہ دیتے ہوں۔“

انہی حقائق سے متاثر ہو کر جو اہل الاسرار کے ناشر نے کھلے لفظوں میں حق و حقیقت کا اقرار کر لیا ہے۔

### علان حق

چنانچہ کتاب مذکور کے صفحہ ۱ پر بذیل عنوان نوٹ لکھتے ہیں: ”گزشتہ صفحات میں ہم بیان کر چکے ہیں۔  
لہذا ضرر سے مراد حاضر بالقوۃ ہے اور ناظر سے مراد یہ ہے کہ دنیا و مافیہا میں ہونے والے ہر کام فرشتے امام کی خدمت  
میں پہنچاتے ہیں۔ اور جو امر خداوند عالم کی جانب سے نازل ہوتا ہے اس پر بھی پہلے امام وقت کو ہی مطلع کیا جاتا ہے تاخیر  
(۱۲) اسی طرح یہ امر بھی متعدد اخبار و آثار سے ظاہر ہوتا ہے کہ ائمہ اطہار کے کچھ مؤمن جن خادم ہیں جو ان کی خدمت

میں عالم کے اہم واقعات کی اطلاع پہنچاتے ہیں۔ چنانچہ امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے آپؑ نے اپنے خاص صحابی  
جناب محمد بن مسلم سے فرمایا اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ ہم تمہارے حالات و کوائف پر مطلع نہیں تو یہ تمہارا گمان بہت ہی بُرا  
ہے۔ اگر ہم آپ کے حالات سے واقف نہ ہوں۔ تو پھر ہم کو تم پر فضیلت بنی کیا ہے؟ پھر امامؑ نے موصوف کو  
وہ واقعہ یاد دلایا جو ان کو ان کے ہمراہی کے ساتھ مقام ربذہ میں پیش آیا تھا۔ جناب محمد بن مسلم نے تصدیق کرتے ہوئے  
نعت کے انداز میں دریافت کیا۔ مولانا آپؑ کو یہ کیسے معلوم ہوا فرمایا۔ باطلاع اللہ ما انا بسا حذر ولا کاھن ولا  
بمجنون۔ لکن ما من علم النبوة ونحدث بما یكون! خدا کے اطلاع دینے سے۔ میں نہ جادوگر ہوں، نہ

کاہن، اور نہ دیوانہ۔ بلکہ جو کچھ ہے یہ سب علم نبوت کا فیض ہے (دنیا میں) جو کچھ ہوتا ہے ہمیں اس کی اطلاع کر دی  
جاتی ہے۔ راوی نے عرض کیا ہمارے حالات و کوائف کی آپ کو کون اطلاع دیتا ہے؟ امامؑ نے فرمایا ”احبابنا  
ینکث فی قلوبنا ویوقر فی اسماعنا ومع ذلک فان لنا خدما من الجن مؤمنین وھم لنا اطوع منکم“  
”بعض اوقات تو اس کا ہمارے دلوں میں الفاکر دیا جاتا ہے۔ اور بعض اوقات کانوں میں آواز سنائی دیتی ہے جلد

پر ہیں جنات میں سے کچھ مؤمن جن ہمارے خادم ہیں۔ جو تم سے بھی زیادہ ہمارے مطیع و فرمانبردار ہیں۔ وہ بھی اطلاع  
دیتے ہیں، راوی نے عرض کیا۔ آپ سید المرسلینؐ کے پاس ایک ایسا جن ہوتا ہے فرمایا ”نعم یجنونا بجمیع ما ائتم  
فیہ وعلیہ۔“ ان وہ ہمیں سب حالات سے آگاہ کرتا ہے۔“ (بخاری ج ۱۱ ص ۱۸۷، الدر مع الساکبہ ص ۱۵۱) امام محمد باقر  
علیہ السلام فرماتے ہیں ”یا سدید! ان لنا خدما من الجن فاذا اردنا السریعة بعشناھم“ اسے سید المرسلینؐ

کچھ جن خادم ہیں جب ہمیں کسی معاملہ میں جلدی (کہیں کوئی پیغام وغیرہ پہنچانا) ہو تو ان کو بھیج دیتے ہیں (دمعہ ساکبہ ص ۴۹)  
صاحبان دانش و تیش ذرا غور و فکر سے کام لیں کہ اگر ائمہ ظاہرینؑ براہ راست ہر وقت، ہر لمحہ اور ہر آن پورے  
عالم امکان کے ذرہ ذرہ پر ناظر ہیں۔ تو پھر فرشتوں اور جنوں کے ذریعہ اطلاعات حاصل کرنے کے کیا معنی ہیں؟



نیز ان احادیث سے بعض روایات کا مطلب بھی واضح ہو جاتا ہے جن میں دار ہے کہ "ان لنا مع کل دلی اذنا سامعۃ" دینا ناخوگ۔ کہ ہمارے ہر عجب کے ساتھ گوش شنو نہ اور چشم بیندہ موجود ہے؟ ان حدیثوں سے ہو یا ہے کہ اس سے مراد فرشتوں اور حیثوں کے ذریعہ اطلاع حاصل کرنا ہے، فلا تغفل۔

(۱۵) انبیاء و ائمہ علیہم السلام کی عملی زندگی میں جیسیوں ایسے واقعات ملتے ہیں۔ جن سے ان کے ناظر ہونے کی صریحی نفی ہوتی ہے۔ غزوہ تبوک کے متعلق ارباب تاریخ کا اتفاق ہے کہ آنحضرتؐ بعض لوگوں نے اطلاع دی کہ کفار روم وغیرہ ایک لشکرِ جرار لے کر مدینہ پہنچ گئے۔ ان کی غرض سے روانہ ہو چکے ہیں۔ آنحضرتؐ نے بھی بڑے شہدہ کے ساتھ تیاری فرمائی اور بہت لاؤ لشکر کے ساتھ۔

پیشگی حملہ کو روکنے کی غرض سے سفر کی بے شمار صعوبتیں اور زحماتیں بھیلنے کے بعد جب بقیہ مقام تبوک پہنچے جو حوالی شام میں ایک مقام کا نام ہے تو معلوم ہوا کہ وہ اطلاع غلط تھی۔ کفار نے کوئی چڑھائی نہیں کی۔ اس لئے جناب واپس تشریف لائے (تمام کتب سیر و تواریخ)۔

(۱۶) آنحضرتؐ کی ایک زبردست پرہیزگاری زنا لگائی گئی۔ جناب کو روحانی صدمہ ہوا۔ اس محترمہ پر ناراض ہو گئے۔ جب خداوند عالم نے قرآن نازل کر کے اس کی صفائی پیش فرمائی۔ تب حضورؐ کا غصہ فرو ہوا (پس نور ۲۴) ان واقعات سے آنحضرتؐ کے علمِ نفی و حضوری اور تفصیلی کی نفی روز روشن کی طرح عیاں ہے۔

(۱۷) حضرت امام حسین علیہ السلام اودھر آٹھویں ماہ ذی الحجہ ۶۰ کو عمرہ تمتع کے احرام کو عمرہ مفردہ سے بدل کر مکہ مکرمہ سے عرق روانہ ہوتے ہیں۔ اودھر نو ذی الحجہ کو آپؐ کے سفیر خاص جناب مسلم بن عقیلؓ شہادت نوش فرماتے ہیں امام راستہ میں برابر کووند کی طرف سے آنے والے شخص سے دوکان کی تازہ صورت حال دریافت کرتے ہیں جتنی کہ منزل ثعلبہ پر کووند کی طرف سے آنے والے ایک اسدی آدمی کے ذریعہ جب جناب مسلمؓ کو وہاں کی خبر کی شہادتوں کی اطلاع ملتی ہے تو گریہ دہکا فرماتے ہیں۔ کلا! اشتجاع (واللہ اعلم) پڑھتے ہیں (تمام کتب متعلقہ وغیرہ)۔

اگر اس قسم کے تمام واقعات درج کئے جائیں تو ان کے لئے ایک دفتر درکار ہے کہ جسے عاقلان را اشارتہ کا فیتہ ان حقائق سے کاشمیں فی نصف النہار واضح و آشکار ہو گیا کہ سرکارِ محمد و آلِ محمد علیہم السلام بالفعل کائنات کے درہ ذرہ پر ناظر نہیں ہیں۔ و هو المقصود و قد حصل اللہ بعون اللہ الودود۔

ناظر ہونے کی نفی علماء اعلام کے بیان کی روشنی میں نیز علمِ حضوری کی ترویج اور حصولی کا اثبات

اس سلسلہ میں کثیر التعداد علمائے اعلام کا کلام حقیقتِ ترجمان پیش کیا جاسکتا ہے مگر چونکہ استقرارِ تمام و استقصاء عام کرنا مقصود نہیں۔ اس لئے صرف چند اعظم کا بیان فارغین کرام کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ اور انہی بیانات



کی روشنی میں غصنا ایک اور محرکہ الہامی مستلزم صحیح حل بھی معلوم ہو جائے گا کہ آیا رسول خدا دائم مذہبی کا علم حضوری ہے یا حصولی ہاں یہ واضح رہے کہ اس مقام پر علم حضوری اور حصولی کے وہ معنی مراد نہیں جو فن منطق میں بیان کئے جاتے ہیں بلکہ حضوری سے مراد یہ ہے کہ تمام اشیاء کے متعلق ان حضرات کا علم اس طرح احاطی تفصیلی اور بالفعل ہے کہ انہیں توجہ اور التفات کرنے کی بھی ضرورت درپیش نہیں آتی۔ اور حصولی سے مراد یہ ہے کہ ان کا علم ارادی و تدبیری ہے ان کی ابتداء نے خلقت روحانی و نورانی سے لے کر اس وقت تک برابر اس میں تہانب اللہ مخصوص ذرائع سے اضافہ و ازدیاد کا سلسلہ جاری و ساری ہے جب ارادہ و توجہ فرمائیں فرشتے سے عرش اور ثریا سے شری تک جس چیز کو چاہیں باعلام اللہ معلوم کر لیتے ہیں۔ وھذا ھو الحق الحقیق بالاتباع۔

۱۱، جناب علامہ محمد باقر مجلسی جعفر و جامعہ اور مصنف فاعلمہ والی احادیث کی شرح کہتے ہوئے لکھتے ہیں: "و فی بعض الاحوال یحتاجون الی ذلک لانه لیس لیکن جمیع العلوم حاضرۃ عندہم بل یحتاجون الی مراجعۃ بعض المکتب او الی روح القدس الخ۔ یعنی بعض حالات میں ان بزرگواروں کو اس چیز پر وہ انکار دیکھنے کی ضرورت درپیش آ جاتی ہے کیونکہ تمام علوم ان کے پاس بالفعل حاضر نہیں بلکہ ان کو بعض (جعفر و جامعہ وغیرہ) یا روح القدس کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے (مرآۃ العقول ج ۱ ص ۱۷۱)۔"

۱۲، فاضل میل مولانا سید حسین کفعمیؒ نے حقیقہ سلطانیہ ج ۲ میں متعدد مقامات پر بڑی تفصیل کے ساتھ علم حضوری و فعل کی نفی فرمائی ہے۔ اور یہ بحث منہ سے لے کر ص ۲۷ تک پھیلا ہوا ہے۔ ص ۲۱ پر فرماتے ہیں: "پس دعویٰ فعلیت جمیع علوم کہ منافی ابن اخبار و غیر ان از متواترات بالمعنی است افراط است در مراتب علیہ حضرات ایشان" یعنی تمام علوم کے بالفعل حاصل ہونے کا دعویٰ مذکورہ بالا اور ان کے علاوہ متواتر معنوی تک پہنچے ہوئے اخبار کے منافی ہونے کی وجہ سے ان حضرات کے حق میں حکم کھلا افراط ہے۔"

۱۳، آقا علی الحاج مرزا محمد احمد آبادی اصفہانی اپنی کتاب الشس الطالعہ فی شرح الزیارة الجامعة ص ۱۷ طبع اصفہان پر لکھتے ہیں: "نیز یاد کند آنچہ از اخبار استفادہ می شود آنست کہ علم از حصولی است و غلط است علم حضوری گفتن" یعنی جانتا چاہئے کہ جو کچھ اخبار اہل بیت سے مستفاد ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ائمہ علیہم السلام کا علم حصولی ہے اسے حضوری قرار دینا غلط ہے۔"

۱۴، عالم تحریر سید محمد عبد القوی الکاظمی نے اپنی کتاب ہوار الغالین مطبوعہ بیروت ص ۵۵ تک پورے سترہ صفحات تک علم حضوری کا ابطال اور علم حصولی کا اثبات کیا ہے شائقین تفصیل اس کتاب کی طرف رجوع کریں اس میں مصنف محترم نے تمام فرقہ و محقق کے اجماع کا دعویٰ کیا ہے کہ علم معصوم حصولی ہے نہ حضوری ہے چنانچہ انہوں نے اس مسئلہ کا عنوان ہی یہ قرار دیا ہے: "مسئلۃ من جملة ما خالف به الشیخینۃ للفرقة المحقة مسألة علم المعصوم من حیث کونہ حضوریاً بزمعہم وعند اهل الحق علم حصولی الخ (ص ۳۹) یعنی سنبھلہ ان مسائل کے جن میں فرقہ شیعیہ



(مفوضہ) نے فرقہ محفہ (شیعہ اثنا عشریہ) کی مخالفت کی ہے۔ ایک مسئلہ بھی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ معصوم کا علم حضوری ہے۔ حالانکہ تمام اہل حق کے نزدیک ان کا علم حصولی ہے۔

(۵) عالم جلیل آقائی آقا شیخ جمال الدین صاحب الامرؑ اپنی کتاب سبیل النجاة فی اصول الاعتقادات ص ۱۸ پر بعنوان المباحث الواہبہ فی کیفیت علم الامامؑ یہ لکھنے کے بعد کہ ایک جماعت اس کی قائل ہے کہ علم امام حضوری ہے اور دوسرے لوگ اسے حصولی قرار دیتے ہیں۔ رقمطراز ہیں: "والجماعة الاولى هم الغلاة حيث اتهم قالوا بحضور المملکات عند هم وان علمهم من لوازم ذواتهم الشریفة.... (الی ان قال) بل المستفاد من صریح هذه الاخبار هو كون علمهم حصولياً. الخ۔ پہلی جماعت غالیوں کی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ائمہ کا علم حضوری ہے یعنی تمام کائنات ان کے نزدیک حاضر ہے اور ان کا علم ان کی ذوات مقدسہ کے لوازم میں سے ہے لیکن اخیر معصومین سے جو کچھ مستفاد ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ان کا علم حصولی ہے۔"

(۶) صاحب ضوابط الاصول (ج ۱ ص ۲۵۸) نے تو اس بات پر کہ معصوم کا علم حصولی ہے تمام علماء امامیہ کے اتفاق کا دعویٰ کیا ہے فرماتے ہیں: "اتفاق الامامية علی كون علم المعصوم ارادياً لا فعلياً حضورياً، تمام فرقہ امامیہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ معصوم کا علم ارادی ہے اور فعلی و حضوری نہیں ہے۔"

دعا آیت اللہ المرزا سید محمد حسن الشیرازیؑ (۸) آیت اللہ الشیخ محمد حسین الکافمینیؑ (۹) آیت اللہ الشیخ محمد حسین اردکانیؑ (۱۰) آیت اللہ ابی محمد حسین الشیرستانیؑ علی اللہ مقامہم سے دریافت کیا جاتا ہے: "القول بان امیر المومنین علیہ السلام عالم بما کان وما یکون بالفعل هل هو صحيح ام باطل؟ آیا یہ کہنا کہ حضرت امیر علیہ السلام بالفعل تمام ماکان و مایکون کے عالم ہیں صحیح ہے یا باطل؟ یہ سب حضرات اس کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں بسم اللہ الرحمن الرحیم هذه المقالة باطلة فاسدة" (دور الغالین ص ۳۳ مطبوعہ بیروت) یہ نظریہ بالکل باطل اور فاسد ہے۔

ان اعلام کے کلام حق ترجمان سے یہ حقیقت واضح و عیاں ہو گئی ہے کہ ائمہ اہل بیت علیہم السلام کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ عالم کے ہر ذرہ ذرہ کا بالفعل علم رکھتے ہیں۔ شیعہ عقیدہ نہیں بلکہ یہ غالیوں اور مفوضہ کا عقیدہ ہے اعاذنا اللہ من شرورهم

اس امر کی ذکر ائمہ کا علم حصولی و ارادی ہے تاہم مزید ان احادیث سے بھی ہوتی ہے جن میں وارد متاعید مزید ہے ان الامام اذا اراد ان يعلم شیئاً علم۔ یا اذا اراد الامام ان يعلم شیئاً علمہ اللہ۔ جب امام کسی چیز کے معلوم کرنے کا ارادہ فرمائیں تو بعلامہ اللہ اُسے معلوم کر لیتے ہیں۔ اس مضمون کا اصول کافی میں ص ۱۲۸ پر پورا ایک باب موجود ہے۔

ناظر ہونے کی نفی عقل سلیم کی روشنی میں | چونکہ یہ مسئلہ قانون ہے کہ کلاماً حکم بہ الشیخ حکم بہ العقل



یصلہ شریعت مقدسہ کے عقل سلیم بھی وہی فیصلہ کرتی ہے بنا بریں جب سطور بالا میں سرکار محمد وآل محمد علیہم السلام کے تاخر  
نے کی قرآن، خود انہی بزرگواروں کے فرمان، اور علماء اعلام کے کلام کی روشنی میں نفی کر دی گئی تو بعد ازیں عقل سلیم بھی  
کی حرف بحرف تائید مزید کرتی ہے کہ اس طرح عالم امکان کی ہر شے پر خواہ زمانہ ماضی سے متعلق ہو یا زمانہ حال سے وابستہ  
یا ہنوز مستقبل کے پردہ میں مد پوش ہو۔ بالفعل کلی معاملہ کرنا کسی بھی مخلوق اور ممکن الوجود ہستی کے لئے ممکن نہیں ہے۔  
بھی ممکن الوجود ہے اس کی توجہ ایک وقت میں ایک ہی طرف ہو سکتی ہے مثلاً اگر خالق کی عبادت و مناجات میں منہمک ہے  
بھی مخلوق کی طرف توجہ نہ ہوگی۔ اور اگر امور خلق میں مشغول ہے۔ تو خالق کی طرف توجہ نہ ہوگی۔ الغرض ہر ایک کام کی طرف  
حیوان ہوگا۔ تو دوسرے کام کی طرف توجہ نہ ہوگی۔ یہ خدا کی ہی شان ہے کہ "لا یشغلہ شان عن شان حے ایک کام دوسرے  
ام سے غافل نہیں کر سکتا۔

نیز یہ بات بھی محتاج بیان نہیں کہ خداوند عالم تبار العیوب ہے ریاض منظر الجلیل وستر القیح، اگر خدائے منان کی  
بندہ نوازی نہ ہوتی۔ اور لوگوں کو ایک دوسرے کے چھپے ہوئے عیوب و نقائص کا علم ہو جاتا تو نہ کوئی کسی کو سلام کرتا  
اور نہ کفن و دفن میں شریک ہوتا۔ چنانچہ حدیث میں وارد ہے۔ "لو کنا شفقت لعمائد و فتنم" یعنی اگر ہم میں ایک دوسرے  
کے حالات و کیفیات کا علم ہو جائے تو ہم ایک دوسرے کو دفن کرنا چھوڑ دو و خزیئۃ الجوارہ وغیرہ خدا تو اس قدر رؤف  
پریم ہے کہ بندہ کے بعض مخصوص حالات میں اپنے خاص فرشتوں رکراٹا کا نہیں، کوئی ایک کر دیتا ہے جیسا کہ دعائے کمیل کے  
س فقرۃ والشاہد لما خفی عنہم "اے اللہ! تو میرے ان حالات سے بھی واقف ہے جو رکراٹا کا تئیں پوشیدہ ہیں،  
کی شرح میں معصومین سے اس کی تفصیلات مروی ہیں۔ تو دریں حالات کیا عقل سلیم یہ باور کر سکتی ہے کہ وہی خدائے کریم و  
علیم اپنے انبیاء و ائمہ طہارین صلوات اللہ علیہم اجمعین کو یہ تمکین دیدے (بنا بریں تسلیم امکان عقلی) کہ ہر وقت، ہر لحظہ اور ہر  
آن شخص کی ہر حرکت و سکون پر ناظر ہوں؟ خواہ کوئی اپنی عورت سے مفاربت کر رہا ہو۔ یا زنا کا ارتکاب کر رہا ہو، کسب حلال کر  
رہا ہو یا چوری میں مشغول ہو کسی کا ناحق خون بہا رہا ہو۔ یا کسی کی عزت و ناموس بڑا کہ ڈال رہا ہو۔ لباس میں ملبوس ہو۔ یا عجز و  
عن القیاس ہو غسل خانہ میں نہا رہا ہو یا بیت الخلا میں رفع حاجت کر رہا ہو؟ اللہ اذن لکم ام علی اللہ تفتنون؟  
ما کم کیف تحکمون۔

اس علم میں آخری فیصلہ علم نبی و امام ارادی ہے کہ "لیس علمہم کعلم اللہ تعالیٰ فی تعاقب بکل شی من  
الاشیاء الممکنۃ فی جمیع العوالم فی الازمنۃ الماضیۃ والحالیۃ والمستقبلۃ" یعنی ان ذات مقدسہ کا علم علم  
خداوندی کی طرح ایسا نہیں ہے کہ اس کا تعلق تمام عوالم امکانیہ کے تمام ازمانہ ماضیہ و حالیہ اور مستقبلہ میں تمام شے  
ممکنہ کے ساتھ بالفعل ہو (یہ بات ذات خداوندی کے ساتھ مختص ہے) اس بات پر حضرت شیخ مفید نے فرقہ امامیہ کثریم اللہ



فی البرہین کے اجماع و اتفاق کا دعویٰ کیا ہے۔ (مرآة العقول ج ۱ ص ۸۹) بحوالہ مسائل عکبر (بی) لہذا اب دوسری رستے میں پہلی قسم کی روایات روحانی پر دلالت کرتی ہیں۔ جن کا ایک شمار اوپر بیان ہو چکا ہے۔ یا دوسری قسم کی روایات جن سے اثبات مترشح ہوتا ہے جن کا ایک شمار بعد انہیں از الشکوہ و اوہام کے ضمن میں بیان ہو گا (انش) کو غلط قرار دے کر بالکل نظر انداز کر دیا جائے۔ یا پھر ان کے درمیان جمع و توفیق کی کوئی راہ پیدا کی جائے یا ظاہر ہے کہ پہلے طریقہ ذکر کو اختیار نہیں کیا جاسکتا۔ اور نہ ہی ہمارے کرم فرما سے پسند کریں گے۔ کیونکہ ان کے نزدیک معصومین کی طرف ہر متسوب شدہ روایت قابل قبول ہے اور اس میں شک کرنا کفر (سقا) اوسانط ص ۲۳ وغیرہ) لہذا دوسرا طریقہ ہی درست ہے اور وہ جمع و توفیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ علم شی و امام کو ارادی قرار دیا جائے کہ اگر وہ کسی چیز کے معلوم کرنے کا ارادہ فرمائیں تو انڈر ٹی تاثر یا دوز عشق تشریف پر چن کر کو باعلام اللہ معلوم کر لیتے ہیں (الامانت استثنائے) اگرچہ تہذیب و تہذیب کچھ نتائج کا ایک شمار اور ذکر ہو چکا ہے۔ الغرض ان بزرگواروں پر یہ اشعار پوری طرح منطبق ہوتے ہیں۔

یکے پسید از ان گم کردہ فرزند  
کہ روشن دواں پیر خستہ دست  
زمعش ہونے پیرا ہن شمیدی  
چادر سیاہ کتنا نشندی  
گفت سوال با برقی بہانست  
دے پیدا دے دیگر نہاں است  
گے بطارم اصل نشینیم  
گے برشت پائے خود ز بنسیم

یہی وہ معقول اور صحیح حل ہے جسے بڑے بڑے علماء و محدثین و محققین مثل سرکار ترقی الاسلام کلینی (در اصول کافی) جناب علامہ مجلسی (در بحار) حضرت شیخ حر عاملی (در فصول) حضرت شیخ انصاری (در رسائل) فاضل تنکافی (در شرح رسائل) علامہ سید حسین مکتوبی (در حقیقہ سلطانیہ) فاضل سید مہدی کاظمینی (در بو اراغالین) صاحبہ ضوابط الاصول علامہ بقی در کتاب عقل و دین، صراط الحق فی المعارف الاسلامیہ و الاصول الاقننادیہ طبع نجف کے فاضل مصنف کا مفصل کلام اثبیت ترجمان اس سلسلہ میں یہاں پیش کیا جاتا ہے پنا نچہ وہ اپنی اسی کتاب کی ج ۲ ص ۳۴ پر مباحث طولیہ کے بعد جمیع بین الاخبار کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔ "والذی اراد فی دفعہ ہذا التناقض۔ ہو حل النوع الاول علی تمکنہم من النظور والرویۃ وانہ اذا شاء اذک ولو علی البذل لواء الاعلیٰ الفعلیۃ والواقع فانہا بعیدۃ بل لعلہا غیوہ صیورۃ لہم وکیف یصح لممکن مادتی ان لا یشغلہ شأن عن شأن؟ فلا یمنعہ التوجہ الی عمل عامل فی الشرع عن الالتفات الی حوکہ متحولہ فی العزب اریکون ناظر ا الی جمیعہ ما یصدک من المکلفین وھو یتکلم مع اھلہم او اصحابہ او نائم علی فراشہ او مشغول بالمناجات ربہ ولا دلیل یفی بہذا الحد من الالتفات حتی الروایات الواردۃ فی روح القدس الذی یؤید الامۃ الدالۃ علی انہ لا یملہو ولا یتغیرو ولا یلعب، وبالجملة ان صحۃ ہذا المرتبۃ عقلاً لا دلیل علی اثباتہا لمخارجاً



لا عقلاً ولا نقلاً بل من لا يشغل شأنه هو الله سبحانه وتعالى، یعنی میں سمجھتا ہوں کہ یہ فاعل ہری، اختلاف و تعارض اس طرح دور ہو سکتا ہے کہ پہلی قسم والی آیات و روایات کو جو علوم علم پر دلالت کرتی ہیں، ہمارے ترتیب سے دوسری قسم میں اس کو اس بات پر محمول کیا جائے کہ یہ بزرگوار جب چاہیں تو توجہ رکھ کر ہر چیز کو اگرچہ بغیر تبادلہ و تبدیلی کے ہی معلوم کر لینے پر قدرت رکھتے ہیں۔ اور دوسری قسم کو ہمارے ترتیب سے قسم اول میں لے آئے کہ نفی فعلیت پر محمول کیا جائے کہ ان حضرات کو ذرہ ذرہ کا اس طرح بالفعل علم نہیں ہے کہ ان کو توجہ بھی نہ کرنا پڑے، نہ کہ فعلیت اور وقوع پر کیونکہ یہ بات بہت ہی بعید و از عقل ہے بلکہ ان کے لئے ممکن ہی نہیں ہے۔ بھلا ایک ممکن الوجود مخلوق کے لئے یہ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے کہ اسے ایک کام دوسرے کام سے باز نہ رکھتے؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مشرق میں کام کرنے والے شخص کی طرف توجہ کرنا اسے مغرب میں کسی حرکت کرنے والے شخص کی حرکت کی طرف توجہ کرنے سے نہ روکے؟ یا یہ کیسے باور کیا جاسکتا ہے کہ وہ تمام عالم کے مکلفین کی طرف (بیک وقت) ناظر و متوجہ ہو۔ بادبو دیکہ وہ (بظاہر) اپنے اہل و عیال یا اپنے اصحاب و اصحاب کے ساتھ باتیں کر رہا ہے۔ یا رخت خواب پر سو رہا ہے؟ یا اپنے پروردگار کے ساتھ مناجات کرنے میں مشغول ہے، ہر ماں وہ مشہور واقعہ ذہن نشین رہے کہ حالت نماز میں جناب امیرؑ کے پاس سے تیرکھنچ لیا گیا تھا مگر بوجہ عورت و رعادت ان کو تیز نگ نہ ہوئی، تو کیا میں اسی حالت میں وہ کائنات کی ہر چیز پر ناظر ہو سکتے ہیں؟ ہمارے پاس کوئی ایسی دلیل (عقل یا نقلی) موجود نہیں جو اس حد تک (وسعت و انتفاقات پر دلالت کرے۔ حتیٰ کہ وہ روایات جو اس روح القدس کے متعلق وارد ہیں جو اہل بیتؑ کی تائید و تفسیر کرتا ہے کہ وہ لہو و لعب میں مبتلا نہیں ہوتا اور نہ اس میں کوئی تغیر و تبدل ہوتا ہے خلاصہ کلام آنکہ اگر اس مرتبہ و مقام کو عقلاً و بالفرض تسلیم کر لیا جائے تو جب بھی اس کے وقوع پر کوئی عقلی یا نقلی دلیل موجود نہیں ہے بلکہ وہ ذات جسے ایک کام دوسرے کام کی طرف توجہ کرنے سے باز نہیں رکھ سکتا وہ فقط خدا ہے قدیر و خیر کی ہی ذات ہے، لکن افا وہ

استاذنا آیتہ اللہ العظیم اعلیٰ اللہ مقامہ فی مسمک العروة الوثقی، ص ۱۱۱ الطبعة الاولى (۱۴۱۱ھ)

علامہ سید حسین لکھنوی فرماتے ہیں: پس آنچے بعضے گمان کر رہے ہیں کہ در ہر حال و ہر وقت حضرت راعلم جمیع اشیاء حاصل است خالی از حکم نیست بلکہ مراد یہاں اسنہ کہ گفتیم کہ ایشان ممکن اند از علم جمیع اشیاء الا ما ثبت استثناءہ (در تفسیر سلطانہ ج ۳ ص ۲۱۶) یعنی بعض لوگوں نے جو یہ گمان کیا ہے کہ ان ذات مقدسہ کو ہر وقت اور ہر حالت میں ہر شئی کا بالفعل علم ہے، یہ اسر حکم و سببہ زوری (دعویٰ بلا دلیل ہے) بلکہ مقصد وہی ہے جو ہم نے بیان کیا ہے کہ یہ حضرات حبیب چاہیں تو ہر چیز کے معلوم کرنے پر قدرت رکھتے ہیں۔ سوائے ان چیزوں کے جن کا استثناء ثابت ہے، پھر ص ۳۱ پر لکھا ہے: پس دعویٰ فعلیت جمیع علوم کہ منافی این اخبار و غیر آں از متواترات بالمعنی است افراط است در مراتب علیہ حضرات ایشان، یعنی تمام علوم کی فعلیت کا دعویٰ کرنا نہ کوہ بالا اخبار و غیرہ کا جو توازن معنوی تک پہنچے ہوئے ہیں۔ کے منافی ہے اور ان بزرگواروں کے مراتب میں حکم کلا افراط ہے، ان فی ذلک لبلاغاً للقوم یعقلون۔



**امادہ جہدِ عظیم نبی و امام تدریجی ہے** | مذکورہ بالا اختلافی سے ایک اور علمی مسئلہ بھی خود بخود حل ہو گیا۔ کہ ان ذواتِ مقدسہ کا علم تدریجی ہے یعنی ابتدائے آفرینش سے لے کر اس وقت تک برابر اس میں ازبید و اضافہ ہوتا رہا ہے۔ وہی دفعی نہیں ہے کہ ایک ہی مرتبہ خالق نے سب کچھ دے کر اب ہمیشہ کے لئے فیضانِ علم کا دروازہ بند کر دیا۔ اور ان کے دامنِ مراد پر ہو گئے اور زید اضافہ و ازبید کی گنجائش نہ رہی (معاذ اللہ) مذکورہ بالا اختلافی پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالنے کے بعد مسئلہ قریباً قریباً حیات میں داخل ہو جاتا ہے جس پر زید خامہ فرسائی کی ضرورت نہیں ہے علاوہ مذکورہ بالا دلائل و براہین کے یہاں صرف ایک آیت مبارکہ کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ ارشادِ قدرت ہے قل رب زدنی علماً۔ اے حبیبِ عجب سے انگ اے میرے پروردگار میرے علم کو زیادہ کر۔ یہ ازبید و اضافہ کا سلسلہ تاحال جاری ہے۔ ہدایاتِ اہل بیت میں وارد ہے کہ جب بھی امامِ وقت پر مبادیہ فیض سے علم و فضل کا نازہ افادہ ہوتا ہے تو اس کی ابتداء جنابِ رسولِ خدا سے کی جاتی ہے تاکہ آخر کا علم اول کے علم سے نہ بڑھ جائے۔ (اصول کافی)

جنابِ رسولِ خدا فرماتے ہیں اذا اقی علی یوم لا ازدد فیہ علماً یقریبی الی اللہ فلا یارک اللہ فی طلوع شمس جب کوئی ایسا نیا دن طلوع کرے جس میں میرے علم میں کوئی ایسا مفید اضافہ نہ ہو جو مجھے اللہ کے اور زیادہ قریب کر دے تو خدا اس دن کے طلوع آفتاب میں برکت نہ دے۔ (تفسیر صافی ص ۲۹) ظاہر ہے کہ اگر روزِ اول ہی تمام علوم ممکنہ حاصل ہو جاتے تو پھر روز بروز اور لحظہ بلمحہ اس میں ازبید و اضافہ کے کوئی معنی باقی نہیں رہتے۔ اور نہ ضرورت و حاجت اور یہ چیز عیاں چر بیان کی مصداق ہے۔ بیودہ کسلی ہوئی حقیقت ہے کہ ہمارے خلاف تبلیغ زبان و قلم بے دریغ استعمال کرنے والوں نے بھی اس کا اعتراف کر لیا ہے۔ چنانچہ صاحبِ حقائق النظام (ص ۴۴ پر) لکھتے ہیں "اس کا یہ مطلب نہیں کہ خداوند عالم نے روزِ اول کل علوم انہیں مرحمت فرمادیئے یہ تو اس وقت ممکن ہوتا جب علم خداوندی کی کوئی حد مقرر ہو سکتی معاذ اللہ روزِ اول وہ مخصوص قوت جو ان کے سو کسی کو نہیں بخشی گئی۔ انہیں عطا فرمانے کے بعد سببِ ان فیاض ہمیشہ ان پر فیوض ہوتے رہے اور وہ اخذ فرماتے رہے۔" فخذ ہذا کمن من الشاکومین ولا تقجد فتکون من الخاصمین۔ والحمد للہ رب العالمین۔

**بعض شکوک و اہام کا ازالہ** | اب ہم ذیل میں اہل افراط و تفریط کے مستحکات یا باغواں سب شکوک و شبہات کا ازالہ کرتے ہیں۔ تاکہ یہ مسئلہ من جمیع الجہات مکمل بلکہ اکمل ہو جائے۔

**پہلا شبہ اور اُس کا جواب** | ارشادِ قدرت ہے قل اعملوا فی سبیل اللہ علیکم ورسولہ والمؤمنون۔ (پہ۔ ص ۲۰ ج ۲) اے رسول! تم کہہ دو کہ تم لوگ اپنے اپنے کام کئے جاؤ۔ ابھی تو خدا اور اُس کا رسول اور مومنین تمہارے کاموں کو دیکھیں گے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح ہر وقت خدا ہمارے اعمال و افعال کو دیکھتا ہے اسی طرح جنابِ رسولِ خدا اور کچھ خاص مومنین (ائمہ طاہرین بھی) ہمارے اعمال کو دیکھتے ہیں فرق صرف الذات اور بالقیع کا ہے۔ اس شبہ کا جواب



اخبار و آثار ائمہ اطہار پر گہری نگاہ رکھنے والوں پر واضح و آشکار ہے۔ ان اخبار کا خلاصہ یہ ہے کہ جناب رسول خدا اور ائمہ ہدیٰ کی روایت اعمال و برائیہ کرامات کا تسبیح ہے۔ اس سلسلہ میں اخبار مستفیضہ و ایضاً بیضا فی اصول کافی مشہور ایک پورا باب موجود ہے جس کا عنوان ہے عرض الاعمال علی النبی والائمة علیہم السلام۔ یعنی "جناب رسول خدا و ائمہ ہدیٰ کی بارگاہ میں اعمال کا پیش کیا جانا، اس باب کے ذیل میں چھ احادیث موجود ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ تعرض الاعمال علی رسول اللہ اعمال العباد کل صباح ابوارھا و فجارھا فاحذرھا و هو قول اللہ عزوجل اعملوا فیہی اللہ عملکم و رسولہ یعنی ہر صبح تمام نیک یا بد لوگوں کے اعمال آنحضرت کی خدمت مبارکت میں پیش کئے جاتے ہیں۔ پس ان اعمال سے خود یہی مطلب ہے آیت قل اعملوا فیہی اللہ عملکم الایہ کا (بصار الدراجات طبع جدید از ۱۳۲۵ تا ۱۳۲۷) سطر اول میں تین ابواب کے ضمن میں اس قسم کی پوری انتالیس روایات شریفہ موجود ہیں جن میں سے اکثر و بیشتر روایات میں اسی آیت مبارکہ کے ساتھ شک کرتے ہوئے حضرات معصومین نے اپنی روایت اعمال کو ثابت کیا ہے۔ صرف ایک روایت تبرکات پیش کی جاتی ہے۔

عبداللہ بن ابان زیات بیان کرتا ہے کہ قلت للرضا ع اللہ لی ولاہل بیتی قال اولست اقول واللہ ان اعمالکم لتعرض علی کل یوم و لیلۃ فاستعظمت ذلک فقال اما تقر اکتاب اللہ قل اعملوا فیہی اللہ عملکم و رسولہ و المؤمنون میں نے حضرت امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ میرے اور میرے گھر والوں کے لئے دعائے خیر فرمائیں۔ آنجناب نے فرمایا تمہارا کیا خیال ہے کیا میں اس سے قبل دعا نہیں کیا کرتا؟ بخدا ہر صبح و شام تمہارے اعمال میرے سامنے پیش کئے جاتے ہیں۔ راوی کہتا ہے میں نے اس کو بہت بڑا دعویٰ سمجھا۔ آنجناب نے فرمایا کیا تم نے قرآن مجید نہیں پڑھا جس میں خدا فرماتا ہے تم عمل کرو۔ خدا، اس کا رسول اور کچھ خالص مومنین تمہارے اعمال کو دیکھتے ہیں۔ (۲۹) اسی طرح تفسیر صافی ۲/۱۵۱ پر اس آیت مبارکہ کے ذیل میں اسی مضمون کی نو عدد روایات موجود ہیں۔ اسی طرح تفسیر ربان ۵/۲۵۸ تا ۲۵۹ اس مضمون کی چھتیس عدد روایات شریفہ مذکور ہیں۔ جن میں سے اکثر روایات میں مروی ہے کہ ائمہ اطہار نے عرض اعمال کا واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا و هو قول اللہ عزوجل قل اعملوا فیہی اللہ عملکم و رسولہ یعنی یہ ہے مطلب ارشاد خداوندی قل اعملوا فیہی اللہ عملکم۔ الخ۔ کا۔ ہفتہ ہمارا انوار از ۱۳۲۵ تا ۱۳۲۷ پر بھی اس عنوان کا پورا ایک باب موجود ہے جس میں اس مضمون کی بیسویں روایات مبارکہ مندرج ہیں فراہم حقی لغوف صدق المقال و تنکشف للحال لفتہ اللہ المتعال

پس جس طرح یہ لوگ اس قدر تسلیم کرتے ہیں کہ خدا اور رسول و ائمہ کی روایت میں بالذات و بالتبع کا فرق موجود ہے۔ اسی طرح ان روایات معتبرہ کی روشنی میں ان کو یہ بھی ماننا پڑے گا۔ کہ روایت خداوندی بلا واسطہ ہے اور روایت رسول خدا و ائمہ ہدیٰ بواسطہ ملکہ ہے۔ نیز ان ارشادات معصومین سے یہ حقیقت بھی واضح و آشکار ہو جاتی ہے۔ کہ جو کچھ ہم نے اپنی کتاب احسن الفوائد ۲/۲۹۵ طبع اول پر بعنوان "فرشتوں کا نامہ اعمال کو جناب رسول خدا اور ائمہ ہدیٰ کی خدمت میں لے جانا" اور اس کے تحت شب و روز کے



فرشتوں کا معصومیت کی بارگاہ اقدس میں نام لائے اعمال میں کئے کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ ہے مطلب آیت مبارکہ  
 قل اعملوا فسیبوی اللہ عملکم ورسولہ والمؤمنون کا ”یہ بالکل صحیح اور ارشادات معصومین کا لب لباب ہے۔ ان خفائی کے  
 بعد قارئین کرام خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ بعض رسائل کے مقدمہ نگار کا اسے ہمارا ذاتی اجتہاد قرار دینا اور اس رسالہ کے مؤلف  
 کا اسے تفسیر بالرائے ظاہر کرنا کہاں تک مبنی برحقیقت ہے؟

مذکورہ بالا تفسیر البیت کے پیش نظر اب ناظرین کرام کے لئے یہ فیصلہ کرنا بالکل آسان ہے کہ آیا ہماری بیان کردہ  
 تفسیر تفسیر بالرائے ہے اور اس آیت مبارکہ سے بے ربط ہے یا ان حضرات کی نگارشات ائمہ معصومین کی تعلیمات کے سراسر  
 خلاف اور اعتراضات سواد علمی کے بالکل منافی ہیں مگر

خرد کا نام جیوں رکھ دیا، جیوں کا خسر د  
 بوجہ ہے آپ کا حکم کرشمہ ساز کرے  
 لیکن ایسا کرنے والو یاد رکھو۔

قرب ہے یا دور و ترعشر ایک شے کا حساب دو گے

متعدد روایات میں مختلف عبارات و تعبیرات کے ساتھ مروی ہے کہ فاذا مضی الامام  
 الذی کان قبلہ رفع لہذا مناراً من نور ینظر بہ الی عمل الخلق فاذا  
 قام بہذا الامور رفع اللہ لہ فی کل بلدۃ مناراً ینظر بہ الی اعمال العباد فاذا صار الامر الی اللہ جعل اللہ لہ  
 عموداً من نور یبصر ما یعمل کل اهل بلدۃ بہ (سابقہ بارالآلۃ وبعثتہ الدرجات و اصول کافی تفسیر بیان وغیرہ)  
 ان تمام روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ جب امام مال نظام ظاہری منصب امامت پر فائز المرام ہوتا ہے تو خداوند عالم اس کے  
 لئے ایک عمود نور نورانی ستون قائم کرتا ہے جس کے ذریعہ وہ اعمال خلائق کو دیکھتا ہے ان احادیث سے ائمہ اطہار کا لوگوں  
 کے اعمال پر ناظر ہونا ثابت ہے۔ اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ یہ روایات اس حیثیت سے عمل میں کہ منار نور عمود نور سے  
 کیا مراد ہے بہوجوب قاعدہ ”الاحادیث یفسر بعضها بعضاً“

ان تمام روایات کی صحیح تشریح و توضیح حضرت امام رضا علیہ السلام کی صحیح السنہ حدیث شریف سے ہوتی ہے جو اصول کافی  
 باب موالید الائمہ اور تفسیر بیان ج ۲ ص ۱۵۸ وغیرہ میں مذکور ہے (دھی ھذا) علی بن ابراہیم عن محمد بن  
 عیسیٰ بن عبید قال کنت انا و ابن فضال جلوساً اذا قبل یونس فقال دخلت علی ابی الحسن الرضا علیہ  
 السلام فقلت لہ جعلت فداک قد اکثر الناس فی العمود قال فقال لی یا یونس ما تراءۃ اتراک عموداً من  
 حدید یرفع لصاحبک قال قلت ما ادرہی قال لکنہ ملک مؤکل بكل بلدۃ یرفع اللہ بہ اعمال تلك البلدۃ  
 قال فقام ابن فضال فقبل رأسہ وقال رحمک اللہ ابا محمد لا تزال تجئنی بالحدیث الحق الذی یقو جہ  
 عننا یعنی محمد بن عیسیٰ بن عبید بیان کرتے ہیں کہ میں اور ابن فضال بیٹھے تھے کہ جناب یونس آئے اور یہ واقعہ بیان کیا۔



کریں نے حضرت امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا میں آپ پر قربان ہو جاؤں۔ لوگ عموماً کے متعلق بہت کچھ بیان کرتے ہیں (یعنی اس کے متعلق کچھ وضاحت فرمائیے) آنجناب نے فرمایا اسے یونس! کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ وہ لوہے کا کوئی ستون ہے جو تمہارے صاحب (امام) کے لئے کھڑا کیا جاتا ہے؟ میں نے عرض کیا عجیبے تو اس کا کوئی علم نہیں ہے! امام عالی مقام نے فرمایا یہ (عمود) ایک فرشتہ ہے جسے خدا نے ہر شہر پر موکل کر رکھا ہے اس کے ذریعہ خدا اس شہر والے لوگوں کے اعمال (امام تک) پہنچاتا ہے۔ اس وقت ابن فضالؒ نے اٹھ کر یونس کے سر پر بوسہ دیا اور کہا اے ابو محمد! خدا تم پر رحم کرے تم ہمیشہ ایسی ہی سچی احادیث پیش کرتے ہو جن کی وجہ سے خدا ہماری عقدہ کشائی کر کے حیرانی و سرگردانی کو دور دیتا ہے۔

اس حدیث شریف کی روشنی میں واضح دلائل ہو گیا کہ منار نور

**احادیث عمود کے متعلق بعض اعلام کا تحقیقی بیان**

عمود نور سے مراد بطور استعارہ فرشتہ ہے لوگوں

کے حالات و کوائف بارگاہ معصومین میں پیش کرتا ہے۔ روایت کے ساتھ درایت کی بھی اشد ضرورت ہوتی ہے اسی لئے حضرات معصومین کا ارشاد ہے دوایۃ تدویہ خیر من الف تدویہ اساس الاصول ص ۲۲ بحوالہ معانی الاخبار یعنی ایک روایت کی درایت اور لفظ و معنی کی جانچ پڑتال (بے سوچے سمجھے) بزار روایت نقل کرنے سے بہتر و برتر ہے۔ اس مضمون پر کتاب کے دیباچہ میں سیر حاصل نمبرہ کیا جا چکا ہے کلام امام کی روشنی میں ان احادیث "عمود کا جو مفہوم ہم نے متعین کیا ہے۔ اعلام کے کلام حقیقت ترجمان سے بھی اس کی حرف بحرف تائید مزید ہوتی ہے۔ سر دست یہاں دو بزرگواروں کا کلام پیش کیا جاتا ہے (۱) عالم ربانی مولانا محمد صالح مازندرانیؒ مذکورہ بالا حدیث شریف کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "ظاہر الاف العمود، المملک المولک، مرفوع اعمال العباد و علی هذا یعمل المنار من النور المذکور فی الاخبار السابقة علی الملائکة الموکلمین بہ لان العین یفسر المجمل و قسمینہما عمدۃ من باب الاطلاق احد المتجاورین علی الآخر من باب قسمیۃ السبب باسم السبب لان العمود فی الحقیقۃ نور الاعمال (شرح اصول کافی) ۱/ ۲۷۵

محمد صالح مازندرانی ج ۶ ص ۳۶۵

یعنی اس حدیث سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ عمود سے مراد وہ فرشتہ ہے جو لوگوں کے اعمال پیش کرنے پر موکل ہے بنابر سابقہ روایات میں "منار نور" کے جو الفاظ مذکور ہیں وہ بھی انہی مانگ پر محمول ہوں گے جو اس کام پر موکل ہیں۔ کیونکہ واضح روایات عمل روایات کی تشریح کرتی ہیں۔ باقی رہا فرشتوں پر عمود کا اطلاق کرنا تو بید و مجاوروں میں سے ایک کا نام دوسرے کے ذمہ قسم سبب باہم سبب اطلاق کیا گیا جو کہ مجاز کی ایک قسم ہے (کے لئے) کیونکہ فی الحقیقت جو عمود نور ہے وہ نور الاعمال، جس کے پہنچانے کا سبب فرشتے ہیں اس لئے مجازاً انہیں عمود نور کہہ دیا گیا ہے۔

(۲) اسی طرح خواص بحار اخبار ائمہ المبارکین کا رطلہ مجلسی قدس سرہ اسی حدیث کی شرح میں رقمطراز ہیں: "المحدث السابغ صحیح و ابن فضال هو الحسن بن علی و یونس هو ابن عبد الرحمن و جلوس جمع مجالس استعمال فی الاشتہاد



قد اکثر الناس اى القول او الاختلاف فى معنى العمود المذکور فى الاخبار انه يرفع للامام وتسمية الملك عموداً على الاستعانة كانه عمود نور ينظر فيه الامام اولان اعتقادہ فی کشف الامور علیہ یا ابامحمد کنیت لیونس یفرج الله اى الغم والکرب والحیوة۔ انتہی کلامہ دفع فی الخلد مقامہ (مرآة العقول ج ۱ ص ۲۹۱) یعنی ساتویں حدیث صحیح ہے ابن فضال کا نام حسن بن علی ہے۔ اور یونس سے یونس بن عبد الرحمن مراد ہے جلوس جالس کی جمع ہے۔ جسے یہاں دو فردوں میں استعمال کیا گیا ہے اکثر الناس یعنی لوگ اس عمود کی حقیقت میں بہت اختلاف کرتے ہیں جو امام کے لئے نصب کیا جاتا ہے امام نے جو عمود نور سے فرشتہ مراد لیا ہے تو فرشتہ کا نام عمود بطور استعارہ تجویز کیا گیا ہے گویا کہ وہ فرشتہ نور کا ایک ستون ہے جس میں امام دیکھتا ہے یا وجہ تسمیہ یہ ہے کہ انکشاف امور میں امام علیہ السلام کا اس فرشتہ پر اس طرح اعتماد ہوتا ہے ابومحمد جناب یونس کی کنیت ہے۔ یفرج الله یعنی تہا سے ذریعہ خدا ہماری حیرت و پریشانی دور کر دیتا ہے۔ ان حقائق کی روشنی میں واضح ہو گیا کہ احادیث عمود سے امام کے ہر وقت ہر چیز پر ناظر ہونے پر استدلال کرنا کسی طرح بھی درست نہیں ہے۔

**تیسرا شبہ اور اس کا جواب** | روح القدس کے اوصاف میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں۔ ان میں سے بعض میں واروے بخود روح القدس ثابت یسوی بہ فی شوق الارض وغربھا ومبھاد بھوا الخ (بصائر الدرجات وغیرھا) روح القدس ثابت رہتی ہے جس کے ذریعہ نبی و امام شرق و مغرب اور خشکی و تری کی چیزیں دیکھتے ہیں۔ نیز واروے بخود روح القدس علموا جمیع الاشیاء الخ اور اسی روح القدس کے ذریعہ وہ تمام چیزوں کو جان لیتے ہیں۔

ان روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبی و امام ہر وقت تمام چیزوں پر ناظر ہوتے ہیں۔ اس شبہ کا جواب باصواب ہماری کتاب کے ناظرین کے ہم پر چھوڑ دیتے ہیں۔ ہم پہلے باب میں متعدد دلائل و براہین سے یہ حقیقت واضح و آشکار کر چکے ہیں کہ روح القدس فرشتوں میں سے ایک عظیم المرتبت فرشتہ ہے لہذا اس سے ہمارے مؤقف کی تائید مزید ہوتی ہے۔ گزیر گوار اس عالم عل و اسباب میں ملائکہ کی وساطت سے بھی بعض اوقات اشیائے عالم کا علم حاصل کرتے ہیں۔ اور یہ بھی مفہان شبہ ان کے لئے حصول علم کا ایک ذریعہ ہے لہذا اس سے ان ذوات مقدسہ کا براہ راست تمام اشیاء پر ناظر ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ نیز روح القدس کے ذریعہ تمام اشیاء کے جاننے کا مطلب بھی وہی ہے جو سطور بالا میں بیان ہوا ہے کہ یہ بزرگوار جب بھی کسی چیز کو معلوم کرنا چاہیں۔ تو با علم اللہ معلوم کر سکتے ہیں۔ یا پھر اشیاء سے وہ اشیاء مراد ہیں جو منصب نبوت و امامت کے ساتھ وابستہ ہیں۔ والادل اولیٰ۔

**چوتھا شبہ اور اس کا جواب** | ہفتم بجا وغیرہ میں بعض ایسی روایات موجود ہیں جن میں واروے کہ تمام زمین امام کی نظر میں ایک انورٹ کی طرح ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام علیہ السلام تمام اشیاء



پر ناظر ہیں اسی طرح یہی بعض روایات میں وارد ہے کہ درخت اور درو دیوار نظر امام کے آگے حائل نہیں ہو سکتے۔ ایسا ہو تو پھر امام اور غیر امام میں فرق ہی کیا رہ جائے اسی طرح بعض اہل برہمنی وار ہے ان لنا مع کل دلی اذا ناسا معنا ناطقۃ۔ ہمارے ہر دوست کے ساتھ ہمارے سننے والے کان اور دیکھنے والی آنکھیں موجود ہیں۔ اس طرح بعض آثار میں وارد ہے کہ تمام دنیا امام کے سامنے بمنزلہ دسترخوان کے ہے جہاں سے جو چیز چاہیں اٹھا سکتے اور دیکھ سکتے ہیں۔ یہ شیعہ بھی بچہ و بزرگ و عجم و عرب اختیار سے ساقط ہے۔ اولاً۔ اس لئے کہ اس قسم کی روایات، اعتبار احاد اور وہ بھی شاذ اور غیر مستند ہونے کی وجہ سے اس قابل نہیں۔ کہ اس ہم اصول مسئلہ میں ان کے ساتھ تنک کیا جائے۔ جیسا کہ کتاب ہذا کے دیباچہ میں اس امر کی وضاحت کی جا چکی ہے۔ ثانیاً بنا تسلیم ان روایات کا وہ مطلب نہیں جو یہ حضرات لیتے ہیں۔ (جس کا عقلی و نقلی و لائل قاطع سے سابقہ اوراق میں مکمل ابطال کر کے اس کا محال ہونا ثابت کیا جا چکا ہے) بلکہ ان کا مفہوم یہ معلوم ہوتا ہے کہ مقام اعجاز میں ایسا ہوتا ہے۔ ہمارے اس مفہوم کی اس امر سے بھی مزید تقویت ہوتی ہے کہ ایسی روایات بذریعہ المعاجز وغیرہ کتب میں معجزات کے ضمن میں مذکور ہیں۔

ثالثاً۔ چونکہ یہ ایک مسئلہ کلیہ ہے کہ متشابہ کی حکم اور محمل کی مفصل و مبہن روایات تفسیر و تشریح کرتی ہیں لہذا ان توضیحی روایات کے پیش نظر جو سابقہ اوراق میں بیان ہو چکی ہیں۔ کہ ان الامام اذا اراد شئنا اطلب الله۔ کہ امام جب کسی چیز کو معلوم کرنا چاہیں تو خدا انہیں بتلا دیتا ہے۔ ان روایات کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ جب امام کسی چیز کے معلوم کرنا ارادہ فرمائیں تو اس وقت وہ اسی طرح باسانی اسے معلوم کر لیتے ہیں کہ گویا تمام دنیا ان کی نظر اقدس میں ایک اخروٹ کی مانند ہے یہ ایک استعارہ و کنایہ ہے کہ یہ بزرگوار از فرشتہ تا عرش و از ثریا تا خری و از مشرق تا مغرب و از جنوب تا شمال غرضیکہ کائنات عالم کی جس چیز کے معلوم کرنے کا ارادہ فرمائیں۔ تو اسے باعلام اللہ معلوم کر لیتے ہیں۔ (والجہ من لا یقول لا ادعی) اس سے فرہم کرو اور ائمہ اہل بیت علیہم السلام کی علمی عظمت و جلالت کا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے یہ اس سے ان بزرگوں کے علم پر کوئی حیرت و ایراد بھی عاید نہیں ہوتا کیونکہ کسی چیز کے عالم کے لئے ضروری نہیں ہے کہ وہ اس چیز کا بافضل عالم ہو اور اس کی تمام جزئیات اس کے ذہن میں مستحضر ہوں بلکہ اس میں اس طرح کے علم و استعداد ہونا کافی ہے کہ جب توجہ کرے تو معلوم کرے چنانچہ معالم الاصول ص ۱۰ پر ایک سوال کے جواب میں مرقوم ہے المراد بالعلم بالجمیع التہیولہ و ہون یکون حذوہ ما یکون فی استعلامہ من الماخذ و الشرائط و اطلاق العلم علی مثل هذا التہیولہ و شائع فی العرف فانہ یقال فی العرف فلان یعلم النحوشلا ولا یزاد ان مسائلہ حاضرة عندہ علی التعمیل الخ یعنی سب اشیاء کے علم سے مراد یہ ہے کہ ان کے معلوم کرنا اس کے اندر ایسا ہو کہ وہ جب ان کے ماخذ و شرائط کے ساتھ معلوم کرنا چاہے تو معلوم کرے اس قسم کی استعداد و آواہی علم کا اطلاق کرنا عرف عام میں شائع ہے مثلاً جب یہ کہا جاتا ہے کہ فلان شخص کو کا عالم ہے تو اس سے مراد نہیں ہوتی کہ اس کے تمام مسائل بافضل اس کے ذہن میں حاضر ہیں۔ بلکہ اس سے مراد یہی ہوتی ہے کہ اس میں ان مسائل کے معلوم کرنے کا ایسا علم موجود ہے کہ جب توجہ کرے تو معلوم کر سکتا ہے ہر کذا فی سبیل التفافہذا بیان لنا سہدای و موعظۃ للمعتقین۔



# ساتواں باب

## (انبیاء و ائمہ علیہم السلام کے عالم الغیب پر نیا نہ ہونے کا بیان)

یہ مسئلہ کہ آیا انبیاء و ائمہ علیہم السلام عالم الغیب میں یا نہ، قدیم الایام سے بعض فرقہ ہائے اسلام کے درمیان معرکہ الالہ اور علی نقض و ابرام رہا ہے اور ہے، طرفین سے اس کے متعلق اب تک بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، لکھا جا رہا ہے، اور اسی طرح لکھا جاتا رہے گا۔  
(ولایزالون مختلفین)

**صرف نزاع لفظی ہے** | ہم نے جہاں تک اس موضوع کے تمام پہلوؤں پر پٹنڈے سے دل و دماغ کے ساتھ غور و خوض کیا ہے اور فریقین کے دلائل و براہین کا پوری دیانتداری اور غیر جانبداری سنجی جائزہ لیا ہے تو ہم تو ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ یہ تمام باوجود ریکٹ و تحمیل صرف نزاع لفظی ہے یعنی فقط الفاظ کا ہیر پھیر اور تحریر و تعبیر کا چکر ہے۔ ورنہ حقیقت میں کوئی باہمی اختلاف و افتراق نہیں ہے۔

**اصل نزاع کی تعیین** | غالباً اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ مجرذات خداوندی اور کسی بھی مخلوق کو خواہ نبی ہو یا وصی، تمام مغیبات کا کلیئہ و جزئیہ انزل و ایداع علم نہیں ہے۔ نہ بالذات اور نہ بتعلیم اللہ تعالیٰ۔ اسکی طرح اس پر بھی قریباً سب کا اتفاق ہے کہ بعض خاصان خدا بتعلیم اللہ بہت سے مغیبات پر اطلاع رکھتے ہیں۔ اور یہ کہ یہ بزرگوار فی الجملہ ماکان و مایکون کے عالم میں۔ بعد ازیں اختلاف صرف یہ ہے کہ جب بالاتفاق وہ مغیبات کثیرہ پر اطلاع رکھتے ہیں تو کیا ان کو عالم الغیب کہا جا سکتا ہے یا نہ؟ جو لوگ علمی اصطلاحات سے ناواقف ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ جب یہ بزرگوار بتعلیم اللہ بہت سے مغیبات پر اطلاع رکھتے ہیں تو پھر ان کو "عالم الغیب" کیوں نہ کہا جائے؟ اس لئے وہ ان پر لفظ "عالم الغیب" کا اطلاق کرتے ہیں۔ مگر جو علماء علمی اصطلاحات اور دیگر عقائد پر متیقن نگاہ رکھتے ہیں۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ عالم الغیب صرف اسی ذات کو کہا جا سکتا ہے جس کا علم اپنا ذاتی ہو۔ اس لئے وہ ان بزرگواروں کو "عالم الغیب" نہیں کہتے۔ ورنہ جو پہلی صورت منفی ہے اس پر بھی سب کا اتفاق ہے۔ اور جو (دوسری) صورت مثبت ہے اس پر بھی اتفاق ہے۔

**عالم غیب کی تعریف** | اصل مقصد میں وارد ہونے اور اس پر دلائل و براہین پیش کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں علم غیب کی تعریف بیان کر دی جائے تاکہ اصل مقصد کے سمجھنے میں سہولت و آسانی ہو جو بعض محققین نے عالم غیب کی تعریف میں شدید اختلاف ہے۔

پہلی تعریف۔ بعض علماء اعلام نے غیب کی یہ تعریف کی ہے "کل ما لا یتداولہ الخواص من الامور الکائنۃ



فی الحال او الماضی او المستقبل (شرح اصول کافی از عالم ربانی ملا محمد صالح حاضری ج ۲ ص ۲۸۱) یعنی وہ امور جو زمانہ حال یا ماضی یا زمانہ استقبال میں ہوں۔ مگر انسانی ظاہری حواس کی دسترس سے بالاتر ہوں۔ جناب آقا کے شعرانی شارح علیہ الرحمہ کے قول "لا یقینا ولہا الحواس" کے حاشیہ پر لکھتے ہیں۔ قوله ما لا یقینا ولہ الحواس والعصیان یزاد قیلا احو وھو ان لا یكون طریق الیہ للعقل ضروری ان العلم باللہ وملائکتم لا یعد من علم الغیب المبحوث عنہ فی ہذا الباب۔ الخ۔ یعنی یہاں ایک اور قید کا اضافہ کرنا بھی ضروری ہے وہ یہ ہے کہ علاوہ اس کے کہ اسے ظاہری حواس درک نہ کر سکیں عقل کی دسترس سے بھی بالاتر ہو کیونکہ ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ اور ملائکہ (اگرچہ ظاہری حواس کی دسترس سے تو بالاتر ہیں) مگر چونکہ عقل کی حد اور رک سے باہر نہیں ہیں۔ اس لئے ان کی معرفت اس علم غیب میں شامل نہیں ہو کر رکوت ہے اسی طرح فقیر فیضی نے غیب کی درج ذیل تعریف کی ہے جسے علامہ مجلسی نے مرآۃ العقول ج ۲ ص ۲۸۱ نقل کیا ہے جس سے ان کی اس پر پسندیدگی ظاہر ہوتی ہے کما لا یخفی۔ الموادب الخفی الذی لا تقتضیہ بدیہۃ العقل وھو قسمان قسم الاول علیہ وھو المعنی بقولہ تعالیٰ وعندہ ومفاتیح الغیب لا یعلمھا الا ھو۔ وقسم ثانی علیہ دلیل کالصانع وصفاتہ والیوم الآخر وحوالہ وھو المراد فی قولہ سبحانہ یؤمنون بالغیب۔ یعنی غیب اس پوشیدہ امر کو کہا جاتا ہے جسے نہ تو حواس درک کر سکیں اور نہ ہی ہدایت عقل اس کا اقتضا کرے نہ سمجھ سکے، اس (غیب) کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جس کے معلوم کرنے پر کوئی دلیل نہیں ہے یہی قسم مراد ہے۔ خدا کے اس ارشاد سے کہ غیب کی کنجیاں میں خدا ہی کے پاس ہیں۔ اس کے سوا انہیں کوئی نہیں جانتا۔ اور دوسری قسم وہ ہے جس پر دلیل قائم ہے۔ جیسے خالق عالم کی ہستی، اس کے صفات یوم آخرت اور اس کے حالات یہی قسم مراد ہے خدا کے اس ارشاد سے کہ مومن وہ ہوتے ہیں جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں۔ بنا بریں تعریف ظاہر ہے کہ کسی بھی مخلوق کے علم کو سرے سے علم غیب کہا ہی نہیں جاسکتا۔ اس لئے اس کا عالم الغیب ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کما لا یخفی۔

**دوسری تعریف** یہ کہ گئی ہے۔ الغیب ما غاب عن الشخص اما باعتبار زمان وقوعہ کالاشیاء الماضیۃ والذاتیۃ او باعتبار مکان وقوعہ کالاشیاء الغائیۃ عن حواسنا فی وقتنا واما باعتبار خفاءہ فی نفسہ کالقواعد التي لیست ضروریات ولا مستنبطۃ منها بالافکار الخ (مرآۃ العقول شرح اصول کافی للعلامة المجلسی ج ۱ ص ۲۸۱) یعنی غیب وہ ہے جو پوشیدہ ہو اعتبار زمانہ وقوع جیسے گزری ہوئی یا آنے والی چیزیں یا باعتبار مکان وقوع جیسے وہ اشیاء جو اس وقت (بوجہ بُعد مکانی یا بسبب وجود حائلی) ہمارے حواس سے پوشیدہ ہیں یا باعتبار اپنی ذاتی خفاء پوشیدگی کے جیسے وہ قواعد جو نہ تو ضروری و بدیہی ہیں۔ اور نہ ہی نظر و فکر کے ذریعہ حاصل ہو سکتے ہیں۔

لکن فی جمیع البیان انما یقتصر بالانحصار اما الغیب فھو کل ما غاب عنک ولم تمشہدہ۔

اس تعریف کی بنا پر اگرچہ امکان و نامیون کا علم رکھنے والی قوت مقدسہ کو بظاہر عالم الغیب کہا جاسکتا ہے گو کمال



اور وجہ جو بعد از ہی ذکر کئے جائیں گے اس طلاق کی مانعیت پر دلالت کرتے ہیں۔

**علم غیب آیات قرآن کریم کی روشنی میں** | قرآن مجید میں اس قسم کی بکثرت آیات وافی ہدایات موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ علم غیب کا خداوند عالم کی ذات عالیہ ستیجہ میں صفات کمالیہ کے ساتھ محض ہے ذیل میں بعض آیات پر مش کی جاتی ہیں۔

(۱) وعندہ مفا تہا الغیب لا یعلمہا الاہو ویعلم ما فی البر والبحر وما تسقط من ورقۃ الا یعلمہا (پس الانعام ۱۳) اور اس کے پاس غیب کی کتبیاں ہیں جن کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور جو کچھ خشکی اور زری میں اس کو بھی وہی جانتا ہے اور کوئی پتا بھی نہیں کھڑکتا مگر وہ اسے ضرور جانتا ہے۔ اس آیت مبارکہ کی علم غیب کے ذات خداوندی کے ساتھ محض ہونے جو واضح دلالت ہے وہ محتاج بیان نہیں جب غیب کے خزانہ کی کتبیاں ہی خدا کے پاس ہیں۔ تو وہی جس قدر چاہے اپنے بعض برگزیدگان کو اس میں سے عطا کر دے۔ (ولایعیطون بشئی من علمہ الا بما شاء)

(۲) عالم الغیب والشہادۃ وہو الحکیم الخبیر (پس الانعام ۵۵) وہی غائب و حاضر و سب کا جاننے والا ہے اور وہی دانا و واقف کار ہے۔ علامہ طبرسی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں "ای یعلمہا لا یشاہد الخلق وما یشاہد وہ لا یعلم الخلق وما یعلمونہ لا یخفی علیہ شئی من ذلک وہو الحکیم فی افعالہ الخبیر بعبادہ و افعالہم و محبہایہا و کرمہا (۱۳) یعنی خداوند عالم ان باتوں کو جانتا ہے جن کا مخلوق مشاہدہ نہیں کرتی۔ یا جن کا مشاہدہ کرتی ہے۔ اور ان چیزوں کو بھی جانتا ہے۔ جن کو مخلوق نہیں جانتی یا جانتی ہے وہ اپنے افعال میں صاحب حکمت اور اپنے بندوں اور ان کے افعال سے باخبر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ "عالم الغیب" خدا نے لم یزل "کا صفاتی نام ہے۔

(۳) اللہ غیب السموات والارض والیہ مرجع الامر کلہم لله فاعبدہ و توکل علیہ وما یرک بعاقل عما یفعلون (پس یوسف ۱۰) اور سارے آسمان و زمین کی پوشیدہ باتوں کا علم خاص خدا ہی کو ہے۔ اور اسی کی طرف ہر کام ہر پھر کر لوں گا ہے تم اس کی عبادت کرو اور اسی پر پھر دوسرے کھو۔ اور جو کچھ تم لوگ کرتے ہو اس سے خدا بے خبر نہیں۔ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں علامہ طبرسی لکھتے ہیں "معناہ واللہ علم ما غاب فی السموات والارض لا یخفی علیہ شئی منہ و وجہدت بعض المشائخ ممن یتسم بالحد وان والتشیع قد ظلم الشیعۃ الإمامیۃ فی ہذا الموضع من تفسیرہ فقال ہذا یدل علی ان اللہ سبحانہ یختص بعلم الغیب خلا فالما تقول الرافضۃ ان الائمۃ یعلمون الغیب ولا مثل اللہ عنی بذلک من یقول بما ہذا الا شاعشر ویدین باذہم افضل الانام بعد النبی فان ہذا ادایہ و دیدنہ فیہم فیشتم فی مواضع کثیرۃ من کتابہ علیہم وینسب الفعائع والقبائح الیہم ولا تعلم احدا منہم خبار الوصف بعلم الغیب لاحد من الخلق فانما یستحق الوصف بذلک من یعلم جمیع المعلومات لا یعلم مستفاد و ہذا صفۃ القدیم سبحانہ العالم بذلک لا یشرک فیہ احد من المخلوقین ومن اعتقل ان



غیر اللہ سبحانہ بیکثر کہ فی ہذہ الصفۃ فهو خارج عن ملة الاسلام (الی ان قلل) الی غیر ذلک معارضی  
 عنہم ہذا الاخبار المشہورۃ الی انہ یعتقدونہم عالمین للغیب وھل ہذا الاسب صریح وتقلیل لہم تکلیف  
 لا یرتضی من ہذا المذہب خبیر واللہ یحکم بینہم وبنہم والیہ المصیر (مجمع البیان ۵: ۱۷۵) میں نے بعض  
 شایخ کو دیکھا ہے جو کہ ظلم و زیادتی اور طعن و تشنیع کرنے کے عادی ہیں انہوں نے اس مقام پر بھی شیعہ امامیہ پر ظلم کرتے  
 ہوئے لکھا ہے کہ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ علم غیب خدا کے ساتھ مختص ہے اور اس سے رافضیوں کے نظریہ  
 کی تردید ہو جاتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ائمہ علم غیب کچھ ہیں ظاہر ہے کہ اس (ظالم) کی رافضیوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو  
 ائمہ اثنا عشر کی امامت کے قائل ہیں اور ان کو ان حضرات کے بعد تمام لوگوں سے افضل جانتے ہیں۔ کیونکہ اس شخص کا رویہ یہی  
 ہے کہ اپنی کتاب میں اکثر مقامات پر ان کو اسی لب و لہجہ کے ساتھ یاد کر کے ان پر طعن و تشنیع کرتا ہے اور تمام شائع و قبلہ کو ان  
 کی طرف منسوب کرتا ہے حالانکہ ہمیں کوئی ایک شیعہ بھی ایسا معلوم نہیں جس نے کسی مخلوق کو عالم الغیب کہنے کی اجازت دی  
 ہو۔ کیونکہ اس (وصف عالم الغیب) کا مستحق وہ ہوتا ہے جو تمام معلومات کو اپنے ذاتی علم کے ذریعہ جانتا ہو۔ نہ علم مستفاد کے ساتھ  
 اور یہ خدا کے قدیم کی صفت ہے جس کا علم بالذات ہے۔ اس وصف میں اس کی کوئی بھی مخلوق اس کی شریک نہیں ہے جو شخص یہ  
 اعتقاد رکھے کہ کوئی مخلوق اس وصف میں خدا کے ساتھ شریک ہے تو وہ ملت اسلام سے خارج ہے جن اہل علم نے ائمہ کے بعض  
 اخبار بالغیب نقل کئے ہیں یہ سب جناب رسول خدا سے حاصل کردہ ہیں۔ جن پر خداوند عالم ان کو مطلع کرتا تھا لہذا یہ کہنا بالکل  
 بے معنی ہے کہ جن علماء نے یہ واقعات درج کئے ہیں وہ ائمہ کو عالم الغیب سمجھتے ہیں۔ یہ تو ان کو ایک کھلی ہوئی گالی دینا  
 ہے۔ اور ان کو گمراہ قرار دینا بلکہ ان کی تکفیر کرنا ہے جسے کوئی بھی مذہب سے واقف شخص پسند نہیں کر سکتا۔ خدا اس نسبت  
 دینے والے اور ان علماء کے درمیان فیصلہ کرے گا۔

(۴) قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ وما یشعرون ایتان یمبعثون (پہلے سورہ نمل ۷۰)  
 اسے رسول ان سے کہہ دو کہ جتنے لوگ آسمان و زمین میں ہیں ان میں سے کوئی بھی غیب کی بات خدا کے سوا نہیں جانتا۔  
 اور وہ یہ بھی تو نہیں سمجھے کہ قبر سے دوبارہ کب زندہ اٹھا کھڑے کئے جائیں گے۔ علامہ طبرسی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں  
 "قل یا محمد! لا یعلم من فی السموات والارض من الملائکۃ والانس والجن الغیب وھو ما غاب علمہ عن  
 الخلق مما یمکن فی المستقبل الا اللہ وحدہ اذ من اعلمہ (مجمع البیان ۲۵: ۲۳) اسے محمد! (ان لوگوں سے) کہہ دو کہ  
 سوائے خدا یا اُس کے جسے خدا (جو مقدار) بتا دے اور کوئی بھی آسمان و زمین والی مخلوق غیب نہیں جانتی۔ تو وہ ملائکہ ہوں  
 یا انسان یا جن۔ اور غیب سے مراد زمانہ استقبال میں واقع ہونے والے وہ امور ہیں جن کا علم مخلوق سے پوشیدہ ہے۔"  
 عالم ربانی ملا علی نقی کاٹھ فی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ "فی نوح البیان (ج ۲ ص ۱۷۵ طبع مصر) ان امیہ المؤمنین  
 اخبر یوما ببعض الامور التي لم یأت بعد فقیل لقد اعطیت علم الغیب فضحك وقال لیس ہو بعلم غیب وانما



هو تعلم من ذی علم وانما علم الغیب علم الساعة وما عدا ذلك الله سبحانه يقول ان الله عند علم الساعة  
 الاية فاعلم سبحانه ما فی الارحام من ذکروا نسی وقبیر ورجیل وسخی وخیل وشیق و سعید ومن یکون  
 للمنا حطباً اذ فی الجنان للنبیین وما یفتأ فهو علم الغیب الذی لا یعلم الا الله وما سوى ذلك فعلم علم  
 نبیہ نعمتہ ودعای ان یرحمہ مدبری وقضیم علیہ جوائعی (تفسیر صافی ص ۳۷) یعنی ایک دن جناب امیر  
 علیہ السلام نے فرمایا بعض ان امور کی خبر دی جو ابھی واقع نہیں ہوئے تھے۔ آپ کے بعض اصحاب نے عرض کیا۔  
 آپ کو تو علم غیب عطا کیا گیا ہے۔ آنجناب نے فرمایا یہ علم غیب نہیں ہے بلکہ یہ تو صاحب علم سے حاصل  
 کی ہوئی باتیں ہیں علم غیب تو دراصل قیامت اور ان (پانچ) چیزوں کا علم ہے جن کو خدا نے عزوجل نے اس کسبت  
 میں شمار کیا ہے ان الله عنده علم الساعة (پہلے صفحہ ۱۲) خدا ہی کے پاس وقت قیامت کا علم ہے پس خدا کا  
 قلام ہی جانتا ہے کہ ہم مادر میں کیا ہے؛ روکا ہے یا لڑکی۔ خوبصورت ہے یا بد صورت، سخی ہے، یا خجل شقی ہے یا عیض  
 آیا کون آتش جہنم کا ایندھن بنے گا۔ اور کون جنت میں انبیاء کا رفیق ہوگا۔ یہ ہے وہ علم غیب جسے خدا کے سوا اور  
 کوئی نہیں جانتا۔ اس کے سوا جو ہے وہ خدا نے اپنے نبی (آخر الزمان) کو بتا دیا ہے اور آنحضرت نے مجھے اس کی  
 تعلیم دے دی ہے اور میرے لئے دعا فرمائی ہے کہ میرا سینہ اسے یاد رکھے۔ اور میرے پہلو اس پر منضم و محیط رہیں۔  
 حضرت امیر المومنین کے اس کلام معجز نظام سے جہاں علم غیب کی تفصیل معلوم ہو گئی۔ وہاں یہ حقیقت بھی روشن ہو گئی کہ  
 ”علم مستفاد (جو کسی اور سے (خواہ خدا سے ہی سہی) حاصل کیا جائے) اسے ”علم غیب“ کہا ہی نہیں جاسکتا۔ اور یہی ہمارا  
 دعویٰ ہے جو ان حقائق سے کما حقہ ثابت ہو جاتا ہے۔

(۵) وقال الذین کفروا لاتاتینا الساعة قل بلی ودری لتاتیکم عالم الغیب لا یغتر ب عنہ من قال  
 ذرۃ فی السموات وما فی الارض۔ (پہلے صفحہ ۷) اور کفار کہنے لگے کہ ہم پر تو قیامت آئے ہی گی نہیں۔ (اے رسول)  
 تم کہو۔ ہاں ہاں) عجب کو اپنے اس عالم الغیب پروردگار کی قسم ہے جس سے ذرہ برابر (کوئی چیز) نہ آسمان میں چھپی ہے۔  
 اور نہ زمین میں قیامت ضرور آئے گی۔ علامہ طبرسی فرماتے ہیں ”مدح الله نفسه بانہ یعلم ما غاب عن العباد  
 علمہ مما هو کائن و لم یوجد بعد“ (جمع البیان ج ۲ ص ۳۷) یعنی خداوند عالم نے اپنی ذات کی مدح  
 و ثنا فرمائی ہے۔ کہ وہ ان ہونے والے واقعات و حالات کو جانتا ہے جن کا علم بندوں سے پوشیدہ ہے۔ یہ ظاہر ہے  
 کہ یہ مدح و ثنا اسی صورت میں صحیح ہو سکتی ہے۔ کہ پوری کائنات میں اس عظمت میں اس کا کوئی شریک نہ ہو۔

(۶) ان الله عالم غیب السموات والارض انه علیم بذات الصدور ودری س فاطمہ، ان بے شک خدا  
 سارے آسمان و زمین کی پوشیدہ باتوں سے خوب واقف ہے۔ وہ یقینی دلوں کے پوشیدہ راز سے باخبر ہے۔ مفسر  
 طبرسی لکھتے ہیں ”فلا یغنی علیہ شیء مما یغیب عن الخلق علمہ انه علیم بذات الصدور ای فلا یغنی“



فی انفسکم ما یکرمہ سبحانہ فائدہ: عالم بلہ وجمع البیان ج ۷ ص ۲۷۷ کذا فی التفسیر العاصی بالانتصار ص ۳۳) جن چیزوں کا علم مخلوق سے پوشیدہ ہے خدا پر کچھ بھی مخفی نہیں ہے چونکہ وہ دلوں کے راز سے واقف ہے اس لئے تم دل میں بھی کوئی ایسی بات پوشیدہ نہ رکھو جسے خدا ناپسند سمجھتا ہو کیونکہ اس سے ہاتھ بڑھے۔

(۲) قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ ولا اعلم الغیب ولا اقول انی ملک ان اتبع الا ما یوحی الی وہی من افلاک ع ۱۱ (اے رسول!) ان کے کہہ دو میں تو یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہیں۔ (کہ ایمان لانے پر ویوں کا) اور نہ میں غیب کے کل حالات جانتا ہوں۔ اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتے ہوں تو بس جو خدا کی طرف سے) میرے پاس وحی کی جاتی ہے اسی کا پابند ہوں (ترجمہ قرآن) مفسر جلیل طبرسی مجمع البیان ج ۱ ص ۳۷۷ پر ولا اعلم الغیب کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "الذی یمتص اللہ بعلمہ وانما اعلمہ قد رعا لعلی معنی اللہ من اموالبعث والنشور والجنة والنار وغیرہ"۔ "ذات الخ" یعنی میں وہ علم غیب نہیں جانتا جس کا جاننا خدا کے ساتھ مختص ہے۔ ہاں میں تو اتنی مقدار جانتا ہوں جتنی خدا مجھے بتاتا ہے۔ جیسے بعث و نشور اور رحمت و عہد وغیرہ کے حالات (کذا فی العاصی ص ۱۵۵) آیا اس اعلان رسول کو سن کر بھی کسی کلمہ کو گمبختی پہنچتا ہے کہ وہ نفی غیب کی بجائے اثبات غیب کا اعتقاد رکھتے بہ صادق رسول نے کس وضاحت سے بیان کر دیا ہے۔ کہ میں غیب نہیں جانتا۔

(۸) نیز آں حضرت کی زبانی قرآن میں مذکور ہے۔ "لو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر وما صنی السوء ان انا الا نذیر و لشیء لقوم فی منون رہ" (س اعراف ع ۱۰) اور اگر بغیر خدا کے بتائے غیب کو جانتا ہوتا تو یقیناً میں اپنا بہت سا فائدہ کر لیتا اور مجھے کبھی کوئی تکلیف نہ پہنچتی۔ میں تو صرف ایسا نذر لوگوں کو (عذاب سے) ڈرانے والا اور بہشت کی خوشخبری دینے والا ہوں۔

علامہ طبرسی مجمع البیان ج ۱ ص ۳۷۷ پر اس کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں: "ولا اعلم الغیب الا ما شاء اللہ ان یعلمنیہ ولو کنت اعلم الغیب لاحصوت من السنة المخصبة للسنة المجدبلہ ولا شتریت وقت الذخیر لوقت الغلاء وما صنی السوء ای ما اصابنی الضر والفقر وقیل وما صنی سوءاً من جهة الاعلاء کذا کنت اعلم ذلك فانتخرف منه" یعنی میں علم غیب نہ جانتا مگر اسی قدر جتنا خدا مجھے تعلیم دیتا ہے۔ اگر میں حبیب دان ہوتا تو خوشحال سال میں بعد حال سال کے لئے ذخیرہ اکٹھا کر لیتا اور بوقت ارزانی وقت کرانی کے لئے ضروری زندگی خرید کر رکھ لیتا۔ اور مجھے کبھی فقر و فاقہ اور کوئی دوسری تکلیف نہ پہنچتی۔ اس سوء کی تفسیر میں یہ بھی کہا گیا ہے۔ کہ مجھے کبھی کسی دشمن کی طرف سے کبھی کوئی کمزوری نہ پہنچتی تھی کیونکہ میں حبیب دان ہونے کی صورت میں اس سے اجتناب کر لیتا، لیکن ما ادری ما یفعل فی دلائکم" مجھے معلوم نہیں کہ آئندہ مجھے کیا کیا امور پیش آنے والے ہیں اور تمہیں کیا کیا"۔ اس سے بڑھ کر اور کئی واضح و آشکار الفاظ سے اس حقیقت کا اظہار کیا جاسکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم علم غیب نہیں



جانتے۔ اگرچہ سردار انبیاء سے اس کی نفی سے دوسرے تمام مفضول انبیاء و اوصیاء سے بطریق اولیٰ اسکی نفی ہو جاتی ہے مگر مزید اطمینان کے لئے ذیل میں دوسرے چند انبیاء علیہم السلام کا صراحتہ تذکرہ کیا جاتا ہے۔

(۱۰) ولا اقول لكم عندى خزائن الله ولا اعلم الغيب (پطس ہود ۳۷) خداوند عالم نے جناب نوحؑ کا یہ قول قرآن مجید میں نقل کیا ہے کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا، ”اور میں تو قسم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس خدائی خزانے ہیں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں غیب دان ہوں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔“ جب آنحضرتؐ خود اپنے عالم غیب ہونے کی نفی فرما رہے ہیں تو کیا کوئی کلمہ گو آپ کی تکذیب کرنے کی جرات کر سکتا ہے؟

(۱۱) ولقد جاءت رسلنا ابراهيم بالبشرى قالوا سلاما. قال سلام فما لبث ان جاء بعجل حنيذ. فلما را ايد يهدى لاقبل اليه نكروهم وادجس منهم خيفة. قالوا لا تخف انا رسلنا الى قوم لوط. (پطس ہود ۷۷) اور ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) ابراہیمؑ کے پاس خوشخبری لے کر آئے۔ اور انہوں نے نیکو ابراہیمؑ کو سلام کیا اور (ابراہیمؑ نے) سلام کا جواب دیا۔ پھر ابراہیمؑ بلا توقف ایک بچہ کے ساتھ ہوا (گوشت) لے آئے (اور ساتھ کھانے بیٹھے) پھر جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ اس کی طرف نہیں بڑھتے تو ان کی طرف سے بدگمان ہوئے اور جی ہی جی میں ان سے ڈر گئے (اس کو وہ فرستے گئے) اور کہنے لگے آپ ڈریے نہیں۔ ہم تو قوم لوط کی طرف (ان کی سزا کے لئے) بھیجے گئے ہیں۔ اس سرانی واقعہ سے بعبارۃ النثر ثابت ہوتا ہے کہ جناب ابراہیمؑ غیب نہیں جانتے تھے۔ ورنہ فرشتوں کے پہچاننے میں اشتباہ نظر نہ ہوتا۔ نہ بچہ پر اذبح کر کے ٹھوننا ہوا گوشت لانے کا تردد کرتے۔ اور پھر ان کے ہاتھوں کو اس کی طرف نہ بڑھتا ہوا دیکھ کر وہ اس وقت کے دستور کے مطابق بڑے ارادہ اور عداوت کی علامت سمجھ جاتی تھی، خوف و ہراس محسوس کرتے جب فرشتوں نے خود حقیقت حال سے ان کو آگاہ کیا۔ تب پتہ چلا۔

(۱۲) ولما جاءت رسلنا لوطا سبي بهم وضاقت بهم ذمما وقال هذا يوم مصيب (پطس ہود ۷۸)۔ اور ”جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے (لوگوں کی صورت میں) لوط کے پاس آئے تو ان کے خیال سے رنجیدہ ہوئے۔ اور ان کے آنے سے تنگ دل ہو گئے اور یہ کہنے لگے کہ یہ آج کا دن سخت مصیبت کا دن ہے۔“ اس سے اگلی آیات میں اس واقعہ کی تفصیلات مذکور ہیں کہ جب ان کی کسینت قوم کو ان کی آمد کا علم ہوا۔ تو وہ خلاف فطرت برے فعل کے ارادہ سے چڑھ دوڑے۔ جناب لوطؑ نے اپنے معتمد مہمانوں کی عزت و اکبر بچانے کے لئے ان کو بہت کچھ دیا دی بہت سراسیمہ ہوئے تب ان کے واسطے بیٹا ہر مہمانوں نے یہ کہہ کر ان کی گھبراہٹ دور کی۔ قالوا يلو ط انا رسل ربك لن يصلوا اليك۔ وہ فرشتے بولے۔ اے لوط! ہم پرورگار کے بھیجے ہوئے (فرشتے) ہیں دتم گھبراؤ نہیں۔ یہ لوگ تم تک ہرگز دسترس نہیں پاسکتے۔“ اس قرآنی قصہ سے روز روشن کی طرح واضح ہے کہ جناب لوطؑ غیب دان نہ تھے۔

(۱۳) حضرت سلیمانؑ اپنے لشکر میں بڑبڑ کو نہیں پاتے تو گھبرا کر فرماتے ہیں مالی لا اری الہدھام کان من



الغائبین۔ کیا بات ہے کہ میں بُد کو یہاں نہیں دیکھتا (یا واقعہ میں) وہ کہیں غائب ہے۔ پھر بدہر اگر یہ کہتا ہے جس کی خدا نے تعالیٰ اور جناب سلیمان نے تکذیب نہیں فرمائی۔ احمطت بمالہ غطیہ وجنتک من سائبنا فقین۔ (پاس منہ ۱۷) تو اس نے عرض کی مجھے وہ بات معلوم ہوئی جواب تک حضور کو بھی معلوم نہیں ہے اور میں آپ کے پاس شہر سب سے ایک تحقیقی خبر لے کر آیا ہوں۔ چنانچہ جناب سلیمان بُدہ کے قول کی صداقت معلوم کرنے کے لئے اپنا ایک وفد بھیجتے ہیں۔ (سنن خط وصدقہ ام کنت من الکذبان) (عرض سلیمان نے کہا کہ ہم ابھی دیکھتے ہیں کہ تو نے سچ کچھ کہا یا تو جھوٹا ہے۔) اس کی صداقت ظاہر ہونے کے بعد پھر اسی بُدہ سے پیغام رسانی کا کام لیتے ہیں۔ الی آخر القصة جو سورہ النمل پارہ ۱۴ اور رکوع ۷ میں بالتفصیل مذکور ہے اس قرآنی واقعہ صادقہ سے صاف ظاہر ہے کہ جناب سلیمان غیب نہیں جانتے تھے۔

(۱۳) تلك من ابناء الغيب نوحيا اليك ما كنت تعلمها انت ولا قومك من قبل هذا فاصبروا لعاقبه للمتقين۔ (پاس ہود ج ۴) ۱۷۱ (رسول) یہ غیب کی چند خبریں ہیں۔ جن کو ہم تمہاری طرف وحی کے ذریعہ پہنچاتے ہیں اس کے قبل زتم جانتے تھے۔ اور نہ تمہاری قوم ہی (جانتی تھی) تو تم صبر کرو۔ اس میں شک نہیں کہ آخرت (کی غوریاں) پر پھر کارواں ہی کے واسطے ہیں۔ یہ آیت مبارکہ جس طرح مہرِ رحمت سے ہمارے دعوئی کی صداقت پر دلالت کرتی ہے۔ وہ کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے۔

(۱۴) عالم الغيب فلا يظہر علی غيبه احدا۔ الامن ارتضى من رسول الایۃ (پاس جن ج ۱۷) (رسول) غیب دان ہے اور اپنی غیب کی بات ظاہر نہیں کرتا۔ مگر جس پیغمبر کو پسند فرمائے (و ترجمہ فرمان) جناب امی الاسلام طہریؑ مجمع البیان ج ۲ ص ۵۳ پر اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ فلا یظہر علی غيبه احدا ای لا یطلع علی الغيب احدا من عبادہ ثم امتثنی فقال الامن ارتضى من رسول یعنی الرسل فانه یستدل علی نبوتہم بان یخبروا بالغیب لتکون ایتۃ معجزۃ لہم ومعنا ان من ارتضاه واختاره للنبوة فانه یطلع علی ما شاء من غيبه علی حسب ما یراد من المصلحة یعنی خدا اپنے نبیوں پر اپنے بندوں میں سے کسی کو مطلع نہیں کرتا۔ پھر استنا کرتے ہوئے فرمایا ان مگر رسولوں میں سے جسے منتخب کرے۔ تاکہ ان کی ضمنی خبر دینے سے ان کی نبوتوں پر استدلال کیا جاسکے اور یہ خبر دی ان کے لئے معجزہ قرار پائے۔ مخاطب یہ ہے کہ جسے خدا نبوت کے لئے منتخب کرتا ہے۔ اُسے حسب مصلحت غیب کی بعض باتوں پر مطلع کر دیتا ہے۔

جناب شیخ الطائفہ تفسیر تبیان ج ۱۰ ص ۵۵ پر اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ الامن رسول فانه ربما اطلعہ علی ما غاب عن غیورہ من الخلائق بان یوحی الیہم بما شاء من الغیب یعنی خدا عالم الغیب ہے وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا مگر اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے کیونکہ ان کو ایسا اوقات بذریعہ وحی بعض ایسے امور پر مطلع کر دیتا



ہے جو دوسری مخلوق سے پوشیدہ ہوتے ہیں۔

تفسیر صافیؒ پر اس آیت مبارکہ کی تفسیر بحوالہ کتاب الخراج والخراج حضرت امام رضاؑ سے یوں مروی ہے فرمایا  
 رسول اللہ ﷺ مؤتلفی ونحن ورثتہ ذلک الموصول الذی الخ لعلہ اللہ علی ما یشاء من غیبہ فخطبنا ما کان وما یکون الی  
 یوم القیامۃ پس جناب رسول خدا من جانب اللہ ترضی و مقرب ہیں اور ہم اس رسول کے وارث ہیں جس کو خدا نے حسب  
 مشیت اپنے بعض غیب پر مطلع کیا ہے اس لئے ہم ما کان وما یکون الی یوم القیامۃ کا علم رکھتے ہیں۔  
 ان متقائق کی روشنی میں ثابت ہو گیا کہ انبیاء و ائمہ علیہم السلام باعلام اللہ تعالیٰ بعض غیب پر مطلع ضرور ہوتے ہیں مگر  
 پھر بھی اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان کے عالم الغیب کتنا صحیح ہے اسکی بعض وجوہ ذکر ہو چکی ہیں اور بعض بعد میں بیان کی  
 جائیں گی۔

”ان مفسرین کرام ایسا ہی افادہ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں فرمایا ہے۔ وصال اللہ لیطالعکم علی الغیب و لکن اللہ  
 یمتی من دسلہ من یشاء و پس اس آیت میں ہے اور خدا ایسا بھی نہیں ہے کہ تمہیں غیب کی باتیں بتا دے۔ مگر وہاں خدا اپنے  
 رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے غیب بتانے کے واسطے چن لیتا ہے۔ و ملا خطہ ہو تفسیر تبیان ج ۴ ص ۲۷۷ بحین البیان ج ۲  
 صافی مشرق ان دونوں آیات مبارکہ سے ایک مخصوص اسلامی فرقہ دو تالیف کے خیال کا بھی ابطال ہو جاتا ہے۔ جو یہ کہتا  
 ہے کہ کوئی بھی مخلوق خواہ نبی ہو یا امام قطعاً علم غیب پر مطلع نہیں۔ نہ بالذات اور بتعلیم اللہ۔ ان آیات مبارکہ کو  
 پیش نظر رکھتے ہوئے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ یہ نظریہ سراسر تفریط پر مبنی ہے۔ اور صرف بعض آیات پر نگاہ کرنے  
 کا نتیجہ ہے لیکن کسی بھی مسئلہ میں صحیح نتیجہ تک پہنچنے کے لئے اس کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لینا ضروری ہوتا ہے۔ چنانچہ اس  
 کلیہ کے تحت جب اس مسئلہ کے تمام اطراف پر نظر غائر کی جائے تو معلوم ہوتا ہے انبیاء و ائمہ علیہم السلام بتعلیم  
 اللہ وہی ولہ فی طور پر بہت سے غیب پر مطلع ہیں لیکن اس سہ ان پر لفظ ”عالم الغیب“ کا اطلاق نہ کرنا جائز ہے۔  
 دیگر است۔ فقدر۔

عالم غیب ارشادات معصومین کی روشنی میں

ہے اور شرعی ضرورت۔ اس لئے چند روایات شریفہ پیش کی جاتی ہیں۔ فاستمع دعا بیسی علیہ  
 (۱) اس سلسلہ میں سب سے پہلے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے جو سابقہ آیات کے سلسلہ میں نمبر ۱۱  
 پر گزشتہ تھا ہے۔ اس قول کی صحت میں کیا کلام ہو سکتا ہے جس کا قائل خاتم الانبیاء اور راوی خود خدا ہو؟

(۲) جناب امیر علیہ السلام کا اس سلسلہ میں ایک ارشاد نبوی البلاغہ ۲۵ ص ۱۵۷ طبع مصر کے حوالہ سے ملاحظہ فرمائیے







(۶) امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا جاتا ہے "الامام یعلم الغیب" کیا امام غیب جانتا ہے؟  
 آپ جواب میں ارشاد فرماتے ہیں "لا" نہیں۔ پھر فرمایا۔ "ولکن اذا اراد ان یعلم الشئ اعلمہ اللہ تعالیٰ ذلک  
 لیکن جب وہ کسی چیز کے معلوم کرنے کا ارادہ کریں تو فوراً خدا انہیں بتا دیتا ہے۔ (اصول کافی ص ۱۲۸) امام کے اس فرمان  
 سے واضح و عیان ہو گیا۔ کہ امام کا علم توجہ و ارادہ کا محتاج ہے۔ جیسا کہ چھٹے باب میں اس امر کی مکمل وضاحت کی جا چکی  
 ہے۔ اگر تو ہم فرمائیں تو یہ فرماتے ہیں "افی لا علم ما فی السموات وما فی الارض واعلم ما فی الجنة واعلم ما  
 فی النار واعلم ما کان واعلم ما یکون" (ارشاد امام جعفر صادق) میں وہ جانتا ہوں جو آسمانوں میں ہے میں وہ بھی جانتا  
 ہوں جو زمین میں ہے۔ میں وہ بھی جانتا ہوں جو جنت میں ہے۔ میں وہ بھی جانتا ہوں جو جہنم میں ہے۔ میں وہ بھی جانتا  
 ہوں جو گذر چکا ہے۔ میں وہ بھی جانتا ہوں جو آنے والا ہے۔

اور جب توجہ نہ فرمائیں تو یہی امام فرماتے ہیں۔ میں نے اپنی کنیز کو مارنا چاہا مگر وہ بھاگ کر گھر کے کسی حصے میں چھپ  
 گئی۔ اب معلوم نہیں وہ کس کونہ میں ہے۔ (اصول کافی ص ۱۲۸) چک ہے۔ ۵

گہے رب عالم اعلیٰ نشینیم گہے ریشٹ پائے خود نشینیم

(۷) مذکورہ بالا واقعہ کی تائید اس واقعے سے بھی ہوتی ہے جس میں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ حضرت امیر علیہ السلام  
 خطبہ دے رہے تھے کہ حسب معمول دعویٰ سلونی فرمایا۔ تو حاضرین مجلس میں سے ایک شخص نے اٹھ کر عرض کیا یا امیر المؤمنین  
 ابن جبرئیل فی هذا الوقت۔ اس وقت جبرئیل کہاں ہیں؟ امام نے فرمایا۔ "دعنی انظر" مجھے اتنی مہلت دو کہ دیکھ لوں  
 راویان اخبار کا بیان ہے کہ بعد ازاں آنجناب نے یہ کیا کہ "فتطواری فوق والی الارض یمینہ و یسارہ" "اوپر  
 نیچے دائیں اور بائیں دیکھا۔ اس کے بعد فرمایا۔ "انت جبرئیل" تو ہی جبرئیل ہے۔ یہ سنتے ہی جبرئیل  
 اپنے پروں سے سقف مسجد کو شکافت کرتے ہوئے آسمان کی طرف پرواز کر گئے۔ لوگوں نے یہ سہرا دیکھ کر غرور و تکبر بڑھادیا۔  
 اور آنجناب کی خدمت عرض کیا کہ مولا! آپ کو کس طرح معلوم ہوا کہ یہ جبرئیل ہیں؟ فرمایا۔ "انی لحما نظرت  
 الی السماء بلغة نظری الی ما فوق العرش والمحب ولما نظرت الی الارض عرفت بعض طبقات الارض  
 الی الثری۔ ولما نظرت یمینہ و یسارہ رايت ما خلق اللہ ولما راجع جبرئیل فی هذه المخلوقات فعلمت انه  
 هو" میں نے جب آسمان کی جانب نگاہ بند کی تو وہ عرش و حجاب ہائے قدرت سے مجھ پر ہو گئی۔ جب زمین کی طرف نظر کی۔  
 تو وہ زمین کے طبقوں کو چیرتی ہوئی تڑی تک پہنچ گئی۔ اور جب دائیں بائیں نگاہ کی تو تمام مخلوق خدا کو دیکھ لیا۔ اور  
 جب اس پوری کائنات میں کہیں بھی جبرئیل کو نہ دیکھا۔ تو یقین ہو گیا کہ یہی (رسالی) جبرئیل ہیں (انوار نعمانیہ ص ۱۳۱) اس سے  
 جہاں ہمارے دعویٰ کی طرف بحرف تائید ہوتی ہے کہ امام کا علم توجہ اور التفات کا محتاج ہوتا ہے و مان ان لوگوں کے اس  
 گمان کا بطلان بھی واضح و عیان ہو جاتا ہے کہ پورے عالم امکان کا ذرہ ذرہ ہر وقت امام کے سامنے اس طرح حاضر ہے



جس طرح ہاتھ کی پتیلی۔ یا جیسے ہاتھ پر اخروٹ، یا جیسے آنکھوں کے سامنے دسترخوان۔ بنا بر ثبوت جن روایات میں یہ وارد ہے ان کا مطلب یہی ہے کہ جب کسی شے کے معلوم کرنے کی طرف توجہ اور ارادہ کر لیں تو باعلام اللہ اس طرح باسانی اسے معلوم کر لیتے ہیں۔ جیسے کوئی شخص اپنے ہاتھ کی پتیلی کی طرف نگاہ کرتا ہے اس مطلب کی کما حقہ وضاحت چھٹے باب میں کی جا چکی ہے وہاں رجوع کیا جائے۔

(۸) رجال کشی میں اس قسم کی متعدد روایات موجود ہیں۔ مثلاً اس کے مشابہ طبع بمبئی پر لکھا ہے۔ کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے عتبہ بن مصعب سے دریافت کیا کہ تم نے ابو الخطاب (غالی) سے کیا کچھ سنا ہے؟ عتبہ نے عرض کیا وہ یہ کہتا ہے کہ "انک تعلم الغیب" آپ علم غیب جانتے ہیں۔ الخ۔۔۔ انجناث نے اس کی یہ لغویاتیں سن کر ان کی رد کرتے ہوئے یہ فرمایا۔ اما قوله انک تعلم الغیب فواللہ الذی لا الہ الا هو ما اعلم الغیب ولا آجوز فی اللہ فی اموات ولا بارک فی احياء ان کنت قلت له الخ۔۔۔ اس (ابو الخطاب) کا یہ کہنا کہ میں علم غیب جانتا ہوں۔ مجھے اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے میں علم غیب نہیں جانتا۔ خدا مجھے اپنے مرنے والوں کا اجودہ دے اور زندہوں میں برکت دے اگر میں نے اس سے یہ بات کہی ہو کہ میں غیب جانتا ہوں، (کذا فی تنقیح المقال لما تعلق ج ۲ ص ۱۹)

(۹) سرکار علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ نے مفہم بحار ص ۲۴ سطر اخیر طبع تبریز ایک مستقل باب قائم کیا ہے جس کا عنوان ہے "والنہم علیہم السلام لا یعلمون الغیب ومعناہ" الخ اس باب میں انہوں نے سچے عدد روایات شریفہ درج فرمائی ہیں جن کا حاصل یہی ہے کہ ائمہ اطہار علم غیب نہیں جانتے صرف یہاں ایک روایت درج کی جاتی ہے بحیثی بن عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا جعلت فداک انک حمید عمون انک تعلم الغیب میں آپ پر قربان ہوں کچھ لوگ یہ گمان کہتے ہیں کہ آپ غیب جانتے ہیں؟ فقال سبحان اللہ وضع یدک علی رأسی فواللہ ما بقیت شعرة فیہ ولا فی جسدی الا قامت ثم قال لا واللہ ما ہی الا وراثة عن رسول اللہ (بخاری ص ۲۴۸) کذا فی امالی الشیخ المفید ص ۲۸ طبع النجف ورجال کشی ص ۲۸ ومنہا جہ المباحثہ ج ۸ ص ۲۱ وغیرہ) فرمایا سبحان اللہ۔ فرمایا میرے سر پر ہاتھ تو رکھو۔ خدا کی قسم میرے سر اور جسم پر کوئی ایسا بال نہیں باقی رہا جو رہ بات سن کر کھڑا نہ ہو گیا ہو۔ پھر فرمایا نہ بخدا (ہم غیب نہیں جانتے) یہ جو کچھ ہے۔ صرف جناب رسول خدا کی وراثت اور نقل روایت ہے۔ اس حدیث شریفہ سے مستفاد ہوتا ہے کہ علم ذاتی نہ ہو۔ بلکہ کسی اور ذات سے حاصل کیا ہوا ہو۔ وہ فی الحقیقت علم غیب ہے ہی نہیں۔ علم غیب صرف وہی ہے جو عالم کائنات ہو۔ اس لئے کسی مخلوق کو عالم الغیب نہیں کہا جاسکتا۔ بظاہر اس وجہ سے ائمہ اطہار نے بڑے شد و تہ کے ساتھ اپنی فیضیہ اس کی نفی فرمائی ہے۔ کیونکہ اس کے اثبات سے علم ذاتی کا اثبات اور علیہ پر درگاہ کا انکار لازم آتا ہے۔



(۱۰) ابواسامہ بیان کرتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے بیان فرمایا کہ قال لی ابی الاخبرک بخساسة لم یطلع الله علیها احداً من خلقکم قلت بلی قال ان الله عندہ علم الساعة وینزل الغیث ویعلم ما فی الارحام وما تدری نفس ما ذاتکسب غداً وما تدری نفس بانی ارض ثم قال الله علیم بحسبہ محمد سے میرے والد ماجد نے فرمایا کیا تمہیں ان پانچ چیزوں کے متعلق خبر نہ دوں جن پر خدا نے اپنی کسی بھی مخلوق کو مطلع نہیں فرمایا۔ میں نے عرض کیا۔ ضرور فرمایا ان الله عندہ اعلم (پے سے تقاضا ۱۳ والی آیت مبارکہ پڑھ دی) جس کا ترجمہ یہ ہے۔ بے شک خدا ہی کے پاس قیامت (کے آنے) کا علم ہے وہی (جب موقع مناسب دیکھتا ہے) پانی برساتا ہے۔ اور جو کچھ عورتوں کے پیٹ میں (فرمودہ) ہے جانتا ہے۔ اور کوئی شخص اتنا بھی تو نہیں جانتا کہ وہ خود کل کیا کرے گا۔ اور کوئی شخص یہ بھی نہیں جانتا کہ وہ کس سرزمین پر مرے گا (کڑھے) گا۔ بے شک خدا سب باتوں سے آگاہ خبردار ہے (ترجمہ فرمایا)

(۱۱) نیز آنجناب سے اس آیت مبارکہ کے متعلق مروی ہے (بخاری ج ۱ ص ۱۷۱) کتاب الفضائل ص ۱۷۱ فرمایا "هذه الخمسة الاشياء لم یطلع علیها ملک مقرب ولا نبی مرسل وهی من صفات الله" یعنی یہ پانچ چیزیں

وہ ہیں جن پر تفصیل و تحقیق کے ساتھ خدا نے نہ کسی ملک مقرب کو مطلع کیا ہے اور نہ کسی نبی مرسل کو (تفسیر حاشیہ ص ۳۹۵)  
(۱۲) احتیاج طبرستان ص ۲۲۵ طبع نجف اشرف پر حضرت امام العصر و الزمان کی ایک توثیق شریف موجود ہے جس میں آپ فرماتے ہیں یا محمد بن علی تعالیٰ الله عزوجل عما یصفون سبحانه وجماله لیس نحن شرکاء فی علمہ ولا فی قدرته بل لا یعلم الغیب غیروہ کما قال فی محکمہ کتابہ تبارکت اسمائہ قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا الله وانا وجميع ابائی من الاولین آدم و نوح و ابراهیم و موسیٰ و غیرہم من النبیین ومن الاخرین محمد رسول الله و علی ابن ابی طالب و غیرہم ممن مضی من الامم صلوات الله علیہم اجمعین الی مبلغ ایا ی ومنتہی عمری عبید الله عزوجل یقول الله عزوجل من اعرض عن ذکری فان له معیشتة ضنکاً الابیة یا محمد بن علی قد اذا ناجہ لاهل الشیعة وحمقائہم ومن دینہ جناح البعوضة ارجح منه فاشهد الله الذی لا اله الا هو وکفی به شہیداً ورسوله محمد اُصلی الله علیہ وَاٰلِہٖ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ وانبیائہ واولیائہ علیہم السلام واشہدک واشہد کل من سمع کتابی هذا انی برئی الی الله والی رسولہ ممن یقول انا تعلم الغیب انشاکہ فی ملککم او یحلتا محلاً سوی المحل الذی رضیہ الله لا وخلقنا له او ینعدي بنا عما فسرناہ لک وبنیتہ لک فی ظہر کتابی واشہدکم ان کل من نبأ منہ فان الله یدبر اُممہ و ملائکتہ ورسلم واولیائہم و جعلت هذا التوقیع الذی فی هذا الکتاب امانة فی عنقک و عنق من سمعہ ان لا یکتمہ من احد من موالی وشیعتی حتی یظهر علی



هَذَا التَّوَجُّعُ الْكُلُّ مِنْ مَرَالِي لَعَلَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ يَتْلَا فَاھُمْ فَيَرْجِعُونَ اِلَى دِيْنِ اللَّهِ الْحَقِّ دِيْنِ تَنْتَهَوْنَ  
عَمَالًا يَعْلَمُونَ مُنْتَهَى اَمْرِهِ وَلَا يَبْلُغُ مُنْتَهَاهُ فَكُلُّ مَنْ فَهَمَ كِتَابِي وَلَا يَرْجِعْ اِلَى مَا قَدْ اَمَرْتُ وَفِيهِ تَنْقَدُ  
حَلَّتْ عَلَيْهِ اللَّعْنَةُ مِنَ اللَّهِ وَمَنْ ذَكَرْتُ مِنْ عِبَادِهِ الصَّالِحِينَ

”اے محمد بن علی (سمری) ابلاغی لوگ جو کچھ اللہ کی وصف کرتے ہیں۔ وہ اس سے بلند و برتر ہے۔ چنانچہ اس کے علم میں اس کے شریک ہیں اور نہ قدرت میں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس کے سوا اور کوئی علم غیب نہیں جانتا۔ جیسا کہ وہ اپنے کلام پاک میں ارشاد فرماتا ہے (اے رسول) کہہ دو۔ سوائے خدا کے زمین و آسمان والی کوئی مخلوق غیب نہیں جانتی۔ میں اور میرے تمام اباء اولین جیسے حضرت آدم و نوح و ابراہیم و موسیٰ و غیرہ من النبیین اور آباء آخرین جیسے جناب رسول خدا و علی مرتضیٰ اور دیگر ائمہ بدی صلوات اللہ علیہم اجمعین جو میرے وقت تک ہوتے ہیں سب کے سب خدا کے عہد و صل کے بندے ہیں۔ خدا کا ارشاد ہے جو شخص بھی میرے ذکر سے روگردانی کرے گا۔ اس کے لئے سنگ زدگی ہے۔ اے محمد بن علی (سمری) ہمیں سابل، احمق اور ایسے نام نہاد شیعوں نے جن کے دین و اعتقاد سے محض کار پر بھی زیادہ وزنی ہے، بہت اذیت پہنچائی ہے میں اس خدا کو گواہ کرتا ہوں۔ جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، اس کے رسول، اس کے تمام انبیاء و اولیاء علیہم السلام تجھے اور ہر ائمہ شخص کو جو میرے اس مکتوب کو دیکھے گا، کہہ کر کہتا ہوں کہ میں خدا و رسول کی بارگاہ میں ان لوگوں سے بیزاری ظاہر کرتا ہوں۔ جو یہ کہتے ہیں کہ ہم عالم الغیب ہیں۔ یا خدا کے ملک میں اس کے شریک ہیں۔ اسی طرح میں اس سے بھی بیزار ہوں۔ جو ہمیں اس عمل و مقام کے علاوہ جو خدا نے ہمارے لئے منتخب کیا ہے اور اس کے لئے ہمیں پیدا کیا ہے کسی اور محل و مقام پر فائز سمجھتا ہے یا جو کچھ میں نے تمہارے سامنے (اپنے متعلق) بیان کر دیا ہے۔ اس سے تجاوز کرتا ہے اور میں تمہیں گواہ کر کے کہتا ہوں۔ کہ جس شخص سے ہم بیزار ہو جائیں۔ اس سے خدا اس کے ملائکہ اور اس کے رسول و اولیاء بھی بیزار ہو جاتے ہیں۔ میں اپنی اس توفیق کو تمہاری اور ہر اس آدمی کی گردن میں امانت قرار دیتا ہوں جو اسے سنے کہ وہ اسے ہمارے کسی شیعہ سے بھی پوشیدہ نہ کرے تاکہ میرے تمام نام لیا اس پر مطلع ہو سکیں۔ شاید اس طرح خدا ان کی تلافی کر دے۔ اور وہ دین حق کی طرف پلٹ آئیں اور اس بات سے باز آجائیں جس کے انجام کو نہیں جانتے۔ جو شخص بھی میری اس توفیق کو سن سکے کہ بھی اس عقیدہ پر کاربند نہ ہو جس کا میں نے حکم دیا ہے اور اس بد عقیدہ سے باز نہ آئے۔ جس سے میں نے رد کیا ہے تو اس پر خدا اور اس کے نام بردہ تمام برگزیدہ نیک بندوں کی لعنت نازل ہوگی، ہم سمجھتے ہیں کہ اس کے بعد اس سلسلہ میں مزید کسی حدیث کے پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ان فی ذلک لآیات لقوم یعقلون

اس مقام پر ایسے بکثرت علمائے اعلام کا کلام حقیقت ترجمان علم غیب تحقیقات علماء اعلام کی روشنی میں پیش کیا جاسکتا ہے جنہوں نے نبی و امام سے علم غیب کی نفی فرمائی ہے۔ مگر اختصار کے پیش نظر ذیل میں صرف چند اعظم کے بیانات پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جاتی ہے۔



۱۔ شیخ الفرقۃ المحقة حضرت شیخ مفید علیہ الرحمۃ اوائل المقالات ص ۷ طبع ایران پر تحریر فرماتے ہیں: "نا ما اطلاق القول علیہم بانہم یعلمون الغیب فهو منکوبین الفساد لان الوصف بذلک انما یتحقق من علم الاشیاء بنفسہم لا یعلم مستفاد وهذا لا یكون الا الله عز وجل وعلى قولی هذا جماعۃ اهل الامامة الآمن شذعنہم من المفوضۃ وانتہی الیہم من الغلاۃ" یعنی یہ کہنا کہ ائمہ علیہم السلام عالم الغیب ہیں۔ بالکل فاسد و باطل قول ہے۔ کیونکہ اس وصف (عالم الغیب ہونے) کا حقدار صرف وہی (عالم) ہو سکتا ہے جو بالذات اشیاء کا علم رکھتا ہے اور اس کا علم کسی اور ذات سے مستفاد نہیں ہے اور یہ شان صرف خدا کے علم کی ہے۔ میرے اسی بیان کردہ مسلک پر شیخ امامیہ کا اتفاق ہے۔ ان مغوضہ اور غالی لوگ اس کے قائل نہیں۔ (یعنی وہ ائمہ کو عالم الغیب جانتے ہیں) علامہ علیسی نے بھی ان کی یہ فرمائش ہضم بخار الانوار ص ۴۱ پر نقل کی ہے۔ اور پھر اس پر کوئی رد و قدرح نہیں فرمائی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک بھی حضرت شیخ مفید کی تحقیق انیق صحیح ہے!

۲۔ حضرت سید مرتضیٰ علم الہدیٰ قدس سرہ اپنی کتاب الشافی ص ۷ طبع ایران پر قاضی عبد الجبار کا جواب دیتے ہوئے رقمطراز ہیں۔ فقد اصاب فی ان ما لعلقل لہ بما یقوم بہ الامام لا یجب ان یعلیہ الا انہ ظن علینا اننا نوجب هذا الجنس من العلوم فاهذا اتبع کلامہ بالحکایۃ منا ایجاب کو نہ عالما بما جوی مجوی الغیب ومعادہ الله ان نوجب لہ من العلوم الاما یقتضیہ ولایینہ و یوجب ما ولیہ واستند من الاحکام الشرعیۃ و ہلما الغیب خارج عن هذا۔ الخ یعنی قاضی نے یہ بات تو صحیح کہی ہے کہ جن چیزوں کا تعلق منصب امامت کے ساتھ نہ ہو ان کا جاننا امام کے لئے ضروری نہیں ہے لیکن ان (قاضی) کا یہ گمان ہمارے متعلق (غلط ہے کہ) ہم امام کے لئے اس قسم کے علوم کا جاننا ضروری سمجھتے ہیں۔ جو علم غیب کی طرح ہیں۔ پناہ بخدا ہم سوائے ان علوم کے جن کا مقام و منصب امام کے ساتھ تعلق جیسے احکام شرعیہ اور کسی قسم کے علوم کے جاننے کو ضروری سمجھیں اور علم غیب بھی اسی قسم سے ہے۔ (جن کا جاننا امام کے لئے ضروری نہیں ہے)۔

۳۔ علامہ ابو الفتح کراچی نے اپنی کتاب کثر القوائد طبع ایران ص ۱۰۹ تا ص ۱۱۰ پر اعتقادات ایمانیہ میں اپنا ایک مختصر رسالہ مسمومہ "البیان عن جبل اعتقاد اہل الایمان" درج کیا ہے اس کے ص ۱۱ پر متعلقہ مسئلہ میں تحریر فرماتے ہیں لا یعلمون الغیب الا ما اعلیہم اللہ الخلق "یعنی ائمہ اہل بیت غیب نہیں جانتے مگر جس قدر خالق خلق انہیں بتلا دے۔"

۴۔ فاضل جلیل جناب ابن قیہ (جو کہ جلیل القدر علمائے متقدمین میں سے ہیں) فرماتے ہیں ان علم الغیب لا یدعیہ فی الائمۃ الا مشرک "یعنی ائمہ اہل بیت کی غیب دانی کا وہ ہی شخص دعویٰ کرتا ہے جو مشرک ہو۔ (علی ما نقلہ علی حاشی شرح الاصول من الکافی لمرآۃ المعتمد المازندرانی ج ۵ ص ۴۱)

۵۔ عالم ربانی بظہر بن علی بن شہر آشوب مازندرانی اپنی کتاب متشابہات القرآن و مختلفہ ج ۱ ص ۲ پر بذیل آیت مبارکہ



ولا اعلم الغیب تحریر فرماتے ہیں النبی والامام یجب ان یعلموا علوم الدین والشریعة ولا یجب ان یعلموا الغیب وما کان وما ینکون لان ذلك یؤدی الی انهما مشارکان للقدیم تعالیٰ فی جمیع معلوماتہ ومعلوماتہ لا یتناہی وانما یجب ان ینکون عالمین لانفسہما وقد ثبت انهما عالمان بعلوم محدث والعلم لا یتعلق علی التفعیل الای معلوم واحد ولو علمسا ما لا یتناہی لوجب ان یعلموا وجود ما لا یتناہی من المعلومات وذلک محال وینجز ان یعلموا الغایات والکائنات الماضیة والمستقبلات باعلام الله تعالیٰ لہم شئیاً منہا الخ یعنی شئی و امام علیہما السلام کے لئے (عقلاً و شرعاً) یہ واجب ہے کہ وہ تمام علوم دین و شریعت کے عالم ہوں لیکن ان کے لئے یہ لازم نہیں کہ علم غیب اور ما کان وما ینکون کا علم بھی رکھتے ہوں۔ کیونکہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ وہ تمام معلوماتیں خدا کے ساتھ شریک ہوں۔ حالانکہ خدا کے علوم غیر متناہی ہیں۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے ذات کا کما حقہ علم رکھتے ہوں۔ نیز یہ بھی ثابت شدہ حقیقت ہے کہ ان کا علم حادث ہے۔ (مذہب قیوم) جس کے ذریعہ سے وہ جانتے ہیں اور علم (حادث) کا تفصیلی تعلق (ایک وقت) ایک ہی معلوم کے ساتھ ہوتا ہے۔ اگر ان کو (خدا کے) غیر متناہی علوم کا عالم تسلیم کیا جائے تو اس سے یہ لازم آئے گا۔ کہ وہ غیر متناہی اور غیر محدود علوم کے عالم ہوں۔ اور یہ (عقلاً) محال ہے۔ ہاں البتہ یہ جائز ہے کہ خدا کے بتانے سے بعض گزرے ہوئے اور آنے والے امور کا علم رکھتے ہوں۔

(۷) امین الاسلام الشیخ ابو جلی فضل بن الحسن الطبرسی کا مکمل کلام حق ترجمان اسی باب میں آیت ۱۱ کے ذیل میں درج کیا جا چکا ہے اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔

(۸) مجاہد کبیر علامہ السید محسن الامین الحسینی العارفی قدس سرہ (صاحب احیاء الشیعہ) اپنی کتاب مستطاب معاون الجواب فی علوم الاولیٰ والاخریٰ ص ۲۲ پر امام علیہ السلام کے متعلق علامہ راہ شیخ مفید، علامہ سید مرتضیٰ اور علامہ علی رضوان اللہ علیہم کا کلام حق ترجمان نقل کرنے کے بعد خود افادہ فرماتے ہیں۔ "بقول المؤلف عنی اللہ تعالیٰ عنہ امام اذکرہ المفید اعلیٰ اللہ مقاماً من ان الامام علیہ السلام لا یعلم جمیع ما ینکون الا فی الاحکام فہو الحق الذی لا مشبہۃ فیہ وکذا الذی النبی علیہ السلام اذ لم یدل علی ذلک دلیل عقل ولا نقل وانما قام الدلیل علی عدم جواز جعل النبی والامام تنبیاً من الاحکام عند حاجۃ العباد الیہ ولا یجب ان یعلم النبی الاحکام کما قبل وقت الحاجۃ الیہا وقد کانت الاحکام تنزل علی النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم عند حاجۃ الیہا بحسب الحاجۃ بل الدلیل من النقل علی عدم علم الامام بل والنبی ببعض ما یحدث فی غیر الاحکام موجود بل لعلہ متواتر کما انہ لا شک فی انہم کانوا یعلمون بعض ما یحدث بتعلیم من اللہ عز وجل ومادل من الانوار علی انہم یعلمون علم ما کان وما یات فی محمول علی انہما اذا ارادوا ان یعلموا علموا باقدار من اللہ تعالیٰ اولیٰ الیٰ ملک ینقل الیہما کما یدل علیہ بعض الاخبار جمعاً بین ذلک و بین مادل علی عدم علمہم ببعض ما ینکون ولشہد لہذا الجمع



بعض الاخبار اور انہم یعلومون جملہ من الوقائع المهمة لاجمیع مایکون، یعنی حضرت شیخ مفید علیہ السلام نے جو کچھ بیان فرمایا ہے کہ امام سوائے احکام کے اور تمام مایکون کے عالم نہیں ہوتے۔ یہ برقی ہے جس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہے اور یہی حال نبی کا ہے کیونکہ اس تمام مایکون کے عالم ہونے پر کوئی عمل و نقلی میں جو نہیں ہے البتہ اس امر پر دلیل قائم ہے کہ نبی و امام لوگوں کی ضرورت کے وقت کسی حکم شرعی سے ناواقف نہیں ہو سکتے۔ یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ نبی لوگوں کی احتیاج سے قبل تمام احکام کے عالم ہوں، یہ بات واضح ہے کہ تمام احکام شرعیہ یا حضرت پر حسب حاجت تدریجاً نازل ہوتے رہتے تھے، بلکہ اس امر پر دلیل شرعی قائم ہے کہ امام بلکہ نبی کو بھی احکام کے علاوہ دوسرے دُعا ہونے والے بعض واقعات کا (بالفعل) علم نہیں ہوتا۔ شاید یہ دلیل حد تو اتنا تک پہنچی ہوئی ہو جس طرح کہ یہ بھی مسلم ہے کہ وہ بعض ہونے والے واقعات کو تعلیم اللہ ضرور جانتے ہیں جن روایات میں یہ وارد ہے کہ یہ بزرگوار ماکان و مایکون کا علم رکھتے ہیں۔ ان روایات کے چند صحیح مضبوط ہو سکتے ہیں۔ (۱) یہ کہ ان سے مراد یہ ہے کہ جب ماکان و مایکون (گذری ہوئی یا کئے والی) کسی بات کے معلوم کرنے کا ارادہ کریں۔ تو اسے بالعلم اللہ معلوم کر لیتے ہیں (۲) یہ کہ اس فرشتہ کی طرف رجوع کر لیتے ہیں۔ جسے ملک مسدود کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ اس پر بعض اخبار دلالت کرتے ہیں۔ (۳) یہ کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ ایسے بعض واقعات جمیع کا علم رکھتے ہیں۔

(۸) فاضل اجل مولانا الشیخ محمد بن القزوينی الکافری نے اپنی کتاب تہذیب طبع نجف اشرف کے صفحہ ۱۹۸ سے لے کر صفحہ ۲۱۴ تک ائمہ اہل بیت کے عالم الغیب اور صاحب علم حضوری ہونے کی نفی پر علمی بحث فرمائی ہے۔ شائقین تفصیل اس کتاب طویل کی طرف رجوع کر کے اپنی تحقیق تکمیل فرما سکتے ہیں۔

(۹) حضرت الفاضل الشیخ محمد رضا المظفر النجفی اپنے رسالہ عقائد الشیعہ صفحہ ۴۵ طبع نجف پر علم امام کے بارے میں قیصرانہ میں اس علم قہر متعلق المعارف والاحکام الالہیہ و جمیع المعلومات من طریق النبی و اکامام من قبلہ و اذا استجدت شئ لا بد ان یعلمہ من طریق الالہام بالقوۃ القدسیۃ الی و دعھا اللہ فیہ فان توجه الی شئ و شاء ان یعلمہ علمہ علی وجہہ الحقیقی لا یخطأ فیہ ولا یشبہ ولا یتحدی فی ذلک الی البراہین العقلیۃ و لا الی تلقینات المعلمین وان کان علمہ قابلاً للزیادۃ و الاشداد و لذلک اقال فی دعائہ رب زدنی علماً، یعنی جہاں تک علم امام کا تعلق ہے۔ وہ معارف دینیہ و احکام الہیہ اور دیگر تمام معلومات کو جناب رسول خدا اور سابق امام کے ذریعہ سے جانتے ہیں اور جب کوئی نئی صورت حال دُعا ہو تو اسے اس قوت قدسیہ کے ساتھ الہام کے ذریعہ معلوم کر لیتے ہیں۔ جو خدا نے آپ میں ودیعت فرمائی ہے۔ پس جب امام علیہ السلام کسی چیز کی طرف توجہ فرمائیں اور اُسے معلوم کرنا چاہیں۔ تو اسے اس طرح حقیقی طور پر معلوم کر لیتے ہیں۔ کہ نہ اس میں خطا ہوتی ہے اور نہ اشتباہ اور امام اس سلسلہ میں ذرا بین عقیدہ کے محتاج ہوتے ہیں۔ اور نہ ہی معلمین کی تعلیم و تلقین کے۔ اگرچہ ان کا علم اشتداد و ازدیاد کے قابل ہوتا ہے۔ اسی لئے جناب پیغمبر اسلام اپنی دعائیں کہا کرتے تھے۔ پروردگار! میرے علم میں اضافہ فرما۔



۱۱) مولانا محقق ابن شیخ محمد اعجاز حسن دہلوی سابقہ <sup>مفتی اعظم پاکستان</sup> نے اپنے رسالہ شمس الاختصاص ص ۵۷ طبع سرفراز پریس لکھنؤ پر علم نبی و امام کے بارے میں لکھتے ہیں ”خدا نے بے واسطہ مخلوق اپنے حبیب کو تعلیم عطا فرمائی۔ اور اب بھی سلسلہ فیض جاری ہے اور آئندہ بھی جاری رہے گا۔ خدا اپنے حبیب کو اس وقت سے تعلیم دے رہا ہے کہ جب سے عالم نور میں آپ کا ظہور ہوا ہے۔ خدا نے اپنے رسولؐ اور ائمہ اہل بیتؑ کو بقدر ضرورت و مشیت تعلیم دی۔ کبھی اجمالی اور کبھی تفصیلی تاکہ نقص کے عیب سے دامن عصمت محفوظ رہے علوم الہیہ نامتناہی اور غیر محدود ہیں۔ جو زمانہ محدود میں کسی کو حاصل نہیں ہو سکتے غیر متناہی چیز کی تعلیم کے لئے زمانہ بھی غیر متناہی درکار ہے۔ پس جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ خدا نے پورا علم وہی طور سے رسولؐ اور ائمہ معصومینؑ کو عطا فرمایا تھا کوئی بات پوشیدہ نہیں رکھی تھی یہ کچھ فہمی ہے یہ ذوات قدسیہ مخلوق الہی ہیں۔ حادث ہیں۔ قدیم و ازل نہیں ہیں۔ پھر ان کو قدیم و ازل خدا کا غیر متناہی علم اور وہ بھی پورا پورا کیونکر حاصل ہو سکتا تھا؟

بعض لوگ علم تفصیلی کو حضرات معصومین کے لئے کمال بتاتے ہیں۔ یہ ان کی غلط فہمی ہے۔ ورنہ اگر علم مذکور کو باعث کمال مانا جائے گا۔ تو کسی وقت میں یہ حضرات باکمال تصور نہ ہوں گے۔ اس لئے کہ علم تفصیلی کی تعلیم کسی وقت میں ختم نہیں ہوتی اور نہ آئندہ ختم ہوگی۔ وجہ اس کی وہی ہے کہ علوم الہیہ غیر متناہی ہیں پس جب تک تعلیم ختم نہ ہو کمال حاصل نہیں ہو سکتا۔ یاں اجمالی تعلیم موجب کمال ہے جو بقدر ضرورت و مصلحت ہر زمانہ میں جاری رہی۔ جس کا خلاصہ قرآن مجید کی ایک آیت میں بیان ہوا ہے۔ جیٰ علیک ما لم تکن تعلمہ و کان فضل اللہ علیک عظیما۔ اے رسولؐ تم کو اللہ نے وہ چیزیں سکھا دیں جو تم نہیں جانتے تھے اور خدا کا فضل تم پر عظیم ہے۔“

وہ صراحت ۱۔ محقق نے رہے کہ اس رسالہ شریعت پر لکھنؤ وغیرہ کے متعدد علماء اعلام کے تصدیقی و تائیدی دستخط ثبت ہیں۔ جیسے (۱) سرکار نجم العلماء مولانا سید نجم الحسن صاحب (۱۲) بکھر ذرا مولانا سید محمد باقر صاحب (۱۳) حضرت مولانا السید آقا حسن صاحب (۱۴) جناب مولانا عمر بادی صاحب رضوی (۱۵) حضرت مولانا سید ابو الحسن صاحب رضوی (۱۶) حضرت مولانا سید ابو الحسن صاحب حقوی (۱۷) حضرت مفتی محمد علی صاحب (۱۸) حضرت مفتی احمد علی صاحب (۱۹) حضرت مولانا سید سبط نبی صاحب نوگاد (۲۰) حضرت مولانا رفعتی حسین صاحب امروہوی (۲۱) حضرت مولانا سید ابی حسن صاحب اعلیٰ اللہ مقامہم فی فواد الیہ الجنان ہما والہ والہ سادۃ الاحسن والجان۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نظریہ صرف جناب شیخ اعجاز الحسن صاحب کا ہی نہیں۔ کہ متحدہ ہندوستان کے ان تمام علماء اعلام کا یہ عقیدہ ہے اولئک الذین ہداهم اللہ فبہداهم اقتدا۔

علم عقیل سلیم کی روشنی میں | اس کتاب کے چھٹے باب میں زیر عنوان ”ناظر ہونے کی نفی عقل سلیم کی روشنی میں“ جو کچھ لکھا گیا ہے وہ بلا کم و کاست یہاں بھی پیش کیا جاسکتا ہے ظاہر ہے کہ انبیاء و علیہم السلام ممکن الوجود مخلوق ہیں عقل سلیم حاکم ہے۔ کہ کوئی بھی مخلوق ایک وقت میں ایک ہی طرف توجہ کر سکتی ہے۔ نہ آسمان و زمین کے تمام پوشیدہ رازوں کا بالفعل جاننا اس کے لئے ممکن نہیں ہے۔



خدا کے علوم غیر متناہی اور غیر محدود ہیں۔ مگر یہ بزرگوار پوجہ مخلوق کے متناہی و محدود ہیں۔ لہذا عقل کسی طرح بھی یہ باور نہیں کر سکتی کہ ایک متناہی و محدود مخلوق غیر متناہی علوم کی بالفعل حامل ہو۔ نیز یہ حقیقت بھی اپنے مقام پر ثابت کی جا چکی ہے کہ علم خدا کی صفت ذاتی (صین ذات) ہے لہذا اس کے من و عن کسی مخلوق کی طرف منتقل ہونے کا سوال ہی خارج از بحث ہے۔ اگر تمام و کمال علم خدا کسی اور کی طرف منتقل ہو سکے۔ تو یہ انتقال انتقال ذات توحید کے مترادف ہو گا۔ جو کہ عقلاً و شرعاً محال و ناممکن ہے۔ تعالیٰ اللہ حمایقون علو اکبراً۔ اس لئے عقل سلیم کی روشنی میں تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ یہ بزرگوار علم کی اتنی مقدار ہی جانتے ہیں۔ جتنی علیم بالذات ان کو بتاتا ہے۔ ہم اپنے عقل ناقص سے اس کی حد بندی نہیں کر سکتے۔ نہ دینے والے مبداء فیض میں کمی ہے۔ اور نقل ہے اور نہ لینے والے حضرات کے داعی طلب میں تنگی۔ بلکہ اس میں وسعت و پیمائی ہے۔ اس لئے دینے والا برابر دے رہا ہے۔ اور لینے والے رب زدتی علماء کہتے ہوئے دامن مراد پڑھا کر اس میں جو اہر علم جمع کر رہے ہیں۔ ان حضرات کی روحانی خلقت سے یہ سلسلہ برابر جاری ہے اور خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کب تک جاری و ساری رہے گا۔ اگرچہ عام مخلوق خدا کی نسبت ان کا علم کلی اور اس قدر زیادہ ہے کہ ان کے درمیان کوئی نسبت ہی قائم نہیں کی جا سکتی ہے۔ لیکن حقیقت کے مقابلہ میں ان کا علم نہ صرف یہ کہ جزئی ہے بلکہ لقطۃ فجب سبعة البحر قلم ایں جا رسید و سریشکست۔

### جمع بین الروایات اور اس موضوع پر قول فیصل

کا شمس فی نصف النہر حقیقت واضح و آشکار ہو جاتی ہے۔ کہ انبیاء و عظام ہوں یا ائمہ علیہم السلام یہ غیب دان نہیں مگر انہی آیات و روایات اور تحقیقات کے ضمن میں بعض ایسی آیات و روایات اور تحقیقات بھی قارئین کرام کی نظر سے گذری ہو گی۔ جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بزرگوار خدا کی تعلیم دینے سے بہت سے مغیبات پر اطلاع رکھتے ہیں۔ لہذا اب ان دونوں قسم کی آیات و روایات میں اس طرح یکسانی جمع و توفیق ہو سکتی ہے۔ کہ جہاں جہاں نفی کی گئی ہے۔ اس سے مراد ذاتی علم کی نفی ہے اور جہاں جہاں اثبات کیا گیا ہے اس سے علم وہی و لدنی مراد ہے۔ چنانچہ غرض بجا رہتا رہا ائمہ اطہار حضرت علامہ مجلسی مرآۃ العقول ج ۱ ص ۱۸۵ ہفتم مجلد ۴۱ پر اس موضوع پر مباحثہ طویلہ اور ہر قسم کی آیات و اخبار درج کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ "والحاصل ان مقتضى الجمع بین الایات والاخبار حملها علی ان نفی الغیب عنهم معناه انهم لا یعلمون ذلك من انفسهم بغیر تعلیمہ تعالیٰ بوحی او الہام والافظاھن عمدۃ معجزات الانبیاء والاوصیاء علیہم السلام من هذا القبیل واحد وجہ اعمار القرآن ایضاً الاخبار بالغابیات ونحن ایضاً نعلم کثیراً من المغیبات باخبار اللہ ورسولہ وائمة الہدی علیہم السلام کالقبیۃ وحوالہا والجنة والنار والوجعة وقیام القائم وتزول عیسیٰ وخیر ذلک من اشراط الساعة والعرش



کی روشنی میں ارباب عقل و انصاف فرمائیں کہ ارباب نادمانی کو ان حضرات کے مقصد باطل کے ساتھ دور کا بھی  
رابطہ و تعلق ہے یا عاقلانہ

**دوسرا صحیح مفہوم** | ان تمام اطلاعات کا دوسرا مجموعی صحیح مفہوم یہ بھی درست ہے کہ ان ذوات قادرہ کی

عقلمند و حلالہ کے انتہا کے لئے ان کے اعضاء و جوارح کو خدا کی طرف نسبت دی  
گئی ہے۔ الغرض ان کو اسی طرح بد اللہ، وجہ اللہ، عین اللہ، لسان اللہ اور جناب اللہ وغیرہ کہا گیا ہے جس طرح  
انتہا شرف عظمت کے لئے کعبہ کو بیت اللہ، جناب عیسیٰ کو روح اللہ اور ناقہ صالح کو ناقۃ اللہ کہا گیا ہے۔

**تیسرا صحیح مفہوم** | نیز ان اطلاعات کا یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے کہ اگرچہ عام لوگوں کے اعضاء و جوارح بھی ہیں تو

خدا کی ملکیت مگر مقام عمل میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عامۃ الناس ان اعضاء کو اپنی ذاتی  
ملکیت سمجھتے ہیں۔ مگر ان بزرگواروں کا معاملہ ان لوگوں سے مختلف ہے۔ وہ صحیح معنوں میں اپنے باقدیر چہرہ و زبان

اور آنکھ و کان کو خدا نے منان کی مقدس امانت سمجھتے ہیں۔ اس لئے وہ ان اعضاء و جوارح سے وہی کام لیتے ہیں  
جس کے لئے خدا نے عطائے عطا کئے ہیں۔ ان کے قدم و ہاتھ ادھر رہیں گے۔ جدھر خدا کی شیئت ہوگی۔ ان کی آنکھ ادھر ٹھیک

جدھر خدا کی مرضی ہوگی۔ ان کے کان ادھر متوجہ ہوں گے۔ جدھر خدا کی رضا ہوگی۔ دقس علیٰ ہذا۔ اور یہی مطلب ہے اس  
آیت وافی ہایہ کا۔ وما تشاؤون الا ان یشاء اللہ

**ایک اور ضروری وضاحت** | چونکہ شرعی نقطہ نگاہ سے نہ صرف خدا کے عز و جل کے نام پر ہی ہو سکتی ہے اور غیر خدا

کی نذر کے عدم جواز و بطلان پر تمام فقہاء و شیعہ کا اتفاق ہے لہذا سرکارِ شہداء علیہ السلام کی نیا نیا حضرت

ابراہیم علیہ السلام کی حاضری کی صحیح صورت یہ ہے کہ اگر خداوند عالم فلاں امام یا فلاں امام زادہ کے طفیل میرا فلاں کام ہو رہا ہے تو میں

خدا کے نام پر فلاں کام کروں گا (خدا تعالیٰ رکعت نماز پڑھوں گا یا اتنے روزے رکھوں گا یا اتنی شیرینی تقسیم کروں گا یا مجھے عزا  
لراؤں گا یا اتنی رقم فقراء و مسکین میں تقسیم کروں گا وغیرہ) اور اس کا برعکس کا ثواب اس امام یا امام زادہ کی خدمت میں ہدیہ کروں گا

اور بریں یہ قدر و نیا ز درست ہوگی اور اس کا انتساب ان بزرگواروں کی طرف اسی طرح مجازی ہوگا جس طرح قبیلہ جناب سیدہ اور  
مازحہر طیار ہیں۔ فنا من جیدا۔

هذا بصائر للناس وهدى ورحمة لقوم يوقنون

يا ايها الناس قد جاءكم موعظة من ربكم وشفاء لما فى الصدور وهدى ورحمة للمؤمنين



مازندراتی ان روایات کی توجیہ کرتے ہوئے جن میں ائمہ اہل بیت کے عالم الغیب ہونے کی نفی فرمائی گئی ہے لکھتے ہیں  
 اشاره الى ان علم الغیب هو العلم الذی لایکون مستفاداً عن سبب یقید و ذلک انما یصدق فی حقیقتہ  
 اذا اکل علم الذی علم سوا فہو مستفاد من بسط و جودہ اما ما یلتزم و لایکون علم غیب بل الملاحظات  
 علی امور غیبیہ (شرح اصول کافی ج ۶ ص ۲۵ طبع تہران) یعنی یہ اس طرف اشارہ ہے کہ علم غیب وہ ہے جو کسی سبب سے  
 حاصل نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ بات صرف خداوند عالم کے حق میں ہی صادق آتی ہے کیونکہ اس کے علاوہ جس قدر بھی مخلوق  
 اس کی ہے۔ اس کا علم بالواسطہ یا بلا واسطہ اسی حکیم و حکیم کے فیض و کرم کا نتیجہ ہے لہذا ان کا علم علم غیب نہیں۔ ہاں  
 امور غیبیہ پر اطلاع ضرور ہے۔ اسی جلد کے ص ۳۲ پر اصول کافی کی اس روایت سالت ابا عبد اللہ عن الامام بعلم  
 الغیب قال لا۔ میں نے حضرت صادق سے امام کے بارے میں دریافت کیا کہ آیا وہ غیب جانتا ہے؟ فرمایا نہیں۔ کی  
 شرح کرتے ہوئے لکھا ہے "دل علی ان علم الغیب علم غیر مستفاد کعلم اللہ" و علم الامام لما کان مستفاداً منہ  
 لایکون علم بالغیب حقیقۃً و قد یسئ علم بالغیب نظراً الى تعلقه بالامور الغائبۃ و بل یجمع بین  
 الاخبار الخ۔ یعنی یہ روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ علم غیب وہ ہوتا ہے جو کسی اور ذات سے مستفاد نہ ہو بلکہ  
 بالذات ہو جیسے خدا تعالیٰ کا علم۔ لیکن امام علیہ السلام کو علم پر خداوند عالم سے مستفاد ہوتا ہے۔ لہذا وہ درحقیقت علم  
 غیب ہی نہیں ہے ہاں بعض اس اعتبار سے کہ اس کا تعلق امور غائبہ سے ہوتا ہے کبھی مجازاً اسے علم الغیب بھی کہہ  
 دیا جاتا ہے۔ اس تحقیق کے جمع بین الاخبار بھی ہو جاتی ہے۔ "کہ جہاں نفی دار ہے اس سے حقیقی اور ذاتی علم غیب کی نفی  
 مراد ہے۔ اور جہاں اثبات ہے وہاں علم غیب مجازی ظاہری دومنی کا اثبات مقصود ہے) اس مطلب کی تائید جناب  
 امیر علیہ السلام کے اس فرمان سے بھی ہوتی ہے جس میں آپؑ نے بعض آئے والے امور کی پیش گوئی کو علم غیب کی بجائے  
 "علم من ذی علم" قرار دیا ہے (نہج البلاغہ ص ۱۵۱) اسی طرح امام موسیٰ کاظمؑ نے اسی بعض اخبار کو وراثت رسالت  
 سے تعبیر فرمایا ہے (کنز الدجّ ص ۱۴۱) تبصری وجہ الیقین علی کل قول و ترجمان کی تائید کرتے ہیں کہ ان سے مراد علم غیب ہی نہیں  
 و لا تعلم احداً منہم استخبار الوصف بعلم الغیب لاحد من المخلوقین و اما یستحق الوصف بذلک من یعلم  
 جميع المعلومات لا یعلم مستفاد و هذا صفتہ القديم سبحانه العالم بذاتہ لا یشترکہ فیہ احد من المخلوقین و ان اعتقد  
 ان غیر اللہ سبحانه یشترکہ فی هذه الصفتہ فہو خارج عن حلة الاسلام۔ ہمیں کوئی ایسا شیعہ عالم معلوم ہے جس نے کسی بھی  
 مخلوق کو عالم الغیب کہنے کی اجازت دی ہو کیونکہ اس وصف و غیب دان ہونے کا حق صرف وہی ہو سکتا ہے جو تمام معلومات  
 کا علم رکھتا ہو۔ اور وہ بھی اپنے ذاتی علم کے ساتھ۔ نہ کسی سے حاصل کردہ علم کے ساتھ۔ ظاہر ہے کہ یہ صرف خدا کے قدیم ہی کی ذات  
 ہے۔ کوئی بھی مخلوق اس صفت جلیلیہ میں اس کی شریک نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص ایسا افتخار رکھتا ہے۔ تو وہ تست اسلام سے  
 خارج ہے۔ ہر مجمع البیان ص ۱۵۱) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عالم الغیب کہلانے کی مقدار وہ ذات ہے جس کا علم ذاتی ہونے کے ساتھ  
 کل میں ہر یعنی ہر تمام معلومات کا علم ہونا ہر ہے کہ اس اعتبار سے بھی صرف خداوند عالم کو ہی عالم الغیب کہا جاسکتا ہے۔



**پہنچتی وجہ** | ائمہ اہلبار کے اخبار اور متکلمین ابراہار کے کلام سے واضح و آشکار ہوتا ہے کہ خداوند عالم کے اسما و صفات تو فیقی ہیں یعنی حبیب تک شریعت مقدسہ کی طرف سے اجازت و اذن ہوا اس وقت تک اپنی طرف سے اس پر کسی نام و صفت کا اطلاق کیا جاسکتا ہے اور نہ اس کے اسما و صفات میں سے کسی اسم یا صفت کا دوسروں پر اطلاق ہوا ہے۔ اصول کافی ص ۴۲ پر اس عنوان کا پورا ایک باب موجود ہے: **باب النہی عن الصفة یغیر ما وصف بہ نفسہ**۔ **جل تبارک و تعالیٰ** اس میں اس مضمون کی بارہ عدد روایات درج ہیں۔ حضرت امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں: **وان الخالق لا یوصف الا بما وصف بہ نفسہ** وانی یوصف الذی تعجز الحواس ان تدركه والالوهام ان تتألف یعنی خالق کی سوائے ان اوصاف کے جس کے ساتھ خود اس نے اپنی توصیف بیان کی ہے۔ اور کسی طرح و صفت بیان نہیں کیا جاسکتا۔ اور بھلا اس ذات کی توصیف کیونکر کی جاسکتی ہے جس کے ادراک سے جو اس عاجز اور پائے سے اوہام قاصر ہوں۔ (بخاری ج ۴ ص ۲۹) نیز انجنا ب سے مروی ہے فرمایا: **قلیسیں نک ان تسمیہ بما لدیسم بہ نفسہ** اور تمہارے لئے یہ جائز نہیں کہ تم اسے اس نام سے یاد کرو۔ جو اس نے خود اپنا مقبر نہیں کیا۔ (توحید صدوق ص ۱) یہی وجہ ہے کہ خدا کو باوجود منبع فضل و کمال ہونے کے یا۔ فاضل، مرکز و معدن تعلیم ہونے کے یا۔ معلم، نہیں کہا جاسکتا۔ حضرت شیخ مفید علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: **لا یجوز تسمیۃ الباری الیما سمی بہ نفسہ** وکذلك اقول فی الصفات وبعثنا الخباہن ال محمد صلی اللہ علیہ و آلہ و ہو مذهب جماعۃ من الامامیۃ یعنی خدا کو سوائے اس کے مقرر کردہ اسما و صفات کے اور کسی نام و صفت سے موسوم و موصوف نہیں کیا جاسکتا۔ اور اس پر آل رسول کے اخبار موافق ہیں۔ اور یہی علماء امامیہ کی ایک جماعت کا نظر ہے: (ادائل المقالات ص ۱۹)

فاضل جلیل سید اسماعیل طبرسی نے کفایت الموعودین ج ۱ ص ۳۲۹ و ۳۳۰ پر اور حضرت محدث نورانی نے مخم ثاقب ص ۴۲ پر تمام علمائے شیعہ کے اجماع و اتفاق کا دعویٰ کیا ہے۔ بنابر یہی ہم کہتے ہیں۔ کہ آیات و روایات سے حقیقت ثابت ہے کہ مجملہ خدا تعالیٰ کے اسما و کثیرہ کے ایک صفاتی نام "عالم الغیب" بھی ہے۔ لہذا حبیب تک شریعت مقدسہ کی طرف سے (اختصاصاً معنی ہی سہی) غیر خدا پر اس کے اطلاق کرنے کا جواز ثابت نہ ہو جیسے علیم، سمیع و بصیر اور رؤف و رحیم کا جواز ثابت ہے، اس وقت تک غیر خدا کو "عالم الغیب" کہنا منوع سمجھا جائے گا (جیسے لفظ اللہ اور الرحمن وغیرہ کا اطلاق غیر اللہ پر منوع ہے) و ہو المقصود و قد حصل بعون اللہ الودود۔

**بعض شکوک و اوہام کا ازالہ** | اگرچہ اس موضوع پر اب تک جو کچھ قلمبند کیا گیا ہے۔ وہ ایک سمجھ دار اور منصف بعض شکوک و اوہام کا ازالہ کرے گا۔ آج آدمی کے لئے حقیقتہً حال سمجھنے کے لئے کافی ہے مگر یہ سمجھتے تشنہ تنہیم رہے گا۔ اگر حسب دستور یہاں ان بعض شکوک و اوہام کا مکمل طور پر قلع قمع نہ کر دیا جائے۔ جو اس مقام پر بالعموم پیش کئے جاتے ہیں۔ تاکہ اہل انصاف کے لئے ہر قسم کی قال و قیل کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو جائے۔ البتہ لا ینتم "رد مانوں" کہنے والوں کا کسی



کے پاس کوئی علاج نہیں ہے۔

ارشادِ قدرت ہے۔ وحل فشی احمدینا کافی امام حسین (ؑ) پر تسلیم ہے۔  
**پہلا شبہ اور اس کا جواب**  
 ہرگز کا امام حسین میں اوصافِ کرد و پاک ہے اور امام حسین سے مراد حضرت امیر المومنین ہیں اس سے معلوم ہوا کہ امام ہرشی کو جانتا ہے۔ اس مسئلہ کا جواب بخیر و بدوایا جاسکتا ہے۔

اولاً۔ امام حسین کے مصداق میں خود شیعہ مفسرین کے درمیان شدید اختلاف ہے۔ چنانچہ بعض مفسرین نے اس سے لوحِ محفوظ، بعض نے قرآن مجید، بعض نے تاجہائے اعمالی اور بعض نے حضرت امیر المومنین کو مراد لیا ہے (ملاحظہ ہو تفسیر صافی ص ۳۷۰ تفسیر مجمع البیان ج ۷ ص ۳۲۳ اور تفسیر الوافتون وافی ج ۸ ص ۳۷۰) لہذا اس دلیل آیت کے ساتھ استدلال کرنا درست نہیں ہے۔

ثانیاً۔ بنا پر تسلیم اینکه اس سے مراد حضرت امیر المومنین ہیں۔ اور یہی مبارک ایمان ہے جیسا کہ کتابِ معانی الاخبار (ص ۱۳۳) رئیس الحدیث شیخ صدوقؒ کہہ آیت سے ظاہر ہے جسے تفسیر برغان اور صافی میں بھی نقل کیا گیا ہے تو کثیر غرر مطلب امر یہ ہے کہ اس کل شئی سے مراد کیا ہے؟ اور اس کے اوصافِ کرد و پاک کا مفہوم کیا ہے؟ جو اس آیت کا ظاہری مفہوم ہے۔ اسے مراد لینا تو عقلاً محال ہے۔ کیونکہ ہرشی وہیں میں چرند و پرند، شجر و حجر وغیرہ سب داخل ہیں۔ ان کا امام حسین کے وجودِ معینہ میں اوصافِ کرد و پاک ناممکن ہے۔ لہذا اوصاف سے مراد مجازاً علم لینا پڑے گا۔ اس کل شئی کی دو قسمیں ہیں۔ ایک کل منطقی ہے اور ایک ظاہر عموم میں سے ہے جس میں عالم امکان کی ہر شے داخل ہے دہا، کل عرفی ہے جس سے وہ چیزیں جو منصبِ امامت اور لوگوں کی ضروریات سے متعلق ہیں۔ مندرجہ بالا میں علماءِ اعلام کی تحقیقات کی مدد سے یہ امر ثابت کیا جاسکتا ہے کہ ان اختیارات کا جانا امام کے لئے ضروری نہیں ہے جو کا تعلق منصبِ امامت کے ساتھ نہیں ہے۔

علاوہ بری قرینہ مقام کا اقتضا ایسی ہی ہے کہ اس سے مراد یہی کل عرفی ہے۔ اگر کوئی ردِ افروغ رہے کہ میرے دو اخوان میں ہرشی موجود ہے۔ اس کا مقصد قرینہ مقام سے یہی ہو گا۔ کہ ہرشی از قسم دو۔ ایک واجب کوئی پوئل والایہ کہے کہ یہاں ہرشی موجود ہے۔ تو مطلب یہ ہو گا کہ ہرشی از قسم خود شئی یا کوئی منزلِ مشور والایہ کہے کہ یہاں ہرشی موجود ہے تو مطلب یہ ہو گا کہ ہرشی از قسم ضروریاتِ زندگی۔ تو بلاشبہ یہ بیان ہی امام کہ اندر ہر شیخ کا علم و ولایت کرنے سے مراد ہرشی ہوگی۔ جو منصبِ امامت اور رعایا کی ضروریات سے متعلق ہے۔ بنا پر یہی مطلب یہ ہو گا۔ دو لفظ العالم (کہ وہ کل اشیاء میں کی طرف لوگوں کو اختیارات ہوتی ہے) امام اس سب کا عالم ہوتا ہے۔ والہجۃ من لا یقول لا ادری لہذا اس سے تمام کائنات کے ذرہ ذرہ کا اور وہ بھی بالفعل عالم ہوتا ثابت نہیں ہوتا۔

وجہ ثالثاً۔ اگر یہی تسلیم کر لیا جائے کہ کل شئی سے مراد کل منطقی ہے اور اس میں کائناتِ عالم کی ہر شے شامل ہے۔

تہا یہی اس سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ ان کو ہر شیخ کا علم اس طرح بالفعل ہو کہ توجہ اور انتظامات کرتے ہیں اس میں مزید اضافہ و ازدیاد



کی گنجائش ہی نہ ہو بلکہ اس کا صحیح مفہوم یہ ہو گا۔ کہ وہ جب بھی کسی چیز کے معلوم کرنے کا ارادہ کریں تو اسے باعلام اللہ معلوم کر لیتے ہیں۔ اس بنا پر یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ وہ سب اشیاء کو جانتے ہیں۔ یعنی بالقوة القریبہ ہم چھٹے باب میں یہ ثابت کر گئے ہیں کہ نبی یا امام جب توجہ فرمائیں تو از عرش تا عرش و از شرقی تا غربی یا جس چیز کو معلوم کرنا چاہیں۔ باعلام اللہ معلوم کر لیتے ہیں۔ "ذٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ"

ترجمہ: (۱) ائمہ معصومین کی روایات مستفیضہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے علم کے متعدد طرق و ذرائع ہیں۔ (۲) مکت فی القلوب (۷) نقوی الاسماع (۳) اضافہ در شہادۃ (۴) زیادتی در ریلۃ القدر (۵) الہام (۶) رجوع بوسلے مصحف فاطمہ (۷) رجوع بطریق کتاب جعفر و ما بعدہ و بعض اہمال عباد (۸) رجوع بکتاب صحف انبیاء و مرسلین (۹) بذریعہ روح القدس (۱۰) خدمت جبری کا خیرین لانا (۱۱) عمود نور میں نظر کرنا (۱۲) تفسیریکہ اسے حقیقی عمود تسلیم کیا جائے۔ ورنہ اس کے فرشتہ ہونے کی صورت میں کہا ہوا لینی ہرگز نہیں پہنچا۔ مراد ہو چکا ہو۔ ان کا محدث ہونا (بغیر صورت دیکھے فرشتوں کا ان سے باتیں کرنا) (۱۳) ہر وقت لحظہ لحظہ علم و عرفان میں زیادہ اضافہ کا ہونا الی غیر ذلک من الجہات المتعدّدۃ فی الطریق المتکثّرات۔ بعض ابن مسلم نے تو امام کے طرق و ذرائع علم کو پچاس تک شمار کیا ہے۔ (شرح زیارت جامعہ لاحسانی) (۱۴) ہمارے کہ اگر امام کو ہر چیز کا علم بالفعل ہو تو پھر یہ تمام طرق و احوال محبت و حبے کار ہو کر رہ جائیں گے۔ معاذ اللہ، لہذا ماننا پڑے گا۔ کہ اصل مقصد یہی ہے کہ اذہاد الامام ان یعلم شیا علیہم اللہ (اماموں کا یہی معنی ہے) (۱۵) اس حدیث کا ابتدائی حصہ یوں ہے عن عمار السیاطی قال سئل ایا عبد اللہ عن الاحام یعلم الغیب قال لا ولكن اذا اراد الخ میں نے حضرت امام جعفر صادق سے دریافت کیا کہ آیا امام علم غیب سے تائب ہے یا نہیں۔ لیکن وہ کسی چیز کے معلوم کرنے کا ارادہ کرے تو خدا اسے اطلاع کر دیتا ہے۔ "وہ جمعہ بین الروایات والحدیث کما سلف"

**دوسرا شبہ اور اس کا جواب**  
قرآن مجید کے متعلق ارشاد و قدرت ہے "ما من ما تبث فی السماء والارض الا فی کتاب مبین رپس السورۃ (۲) زمین و آسمان کی کوئی ایسی پوشیدہ چیز نہیں جو کتاب میں موجود نہ ہو۔ ولا اکبر الا فی کتب مبین (رپس یونس ع ۲) زمین و آسمان کی کوئی پوشیدہ چیز نہ ہو۔ اور کوئی چھوٹی یا بڑی چیز نہیں جو کتاب میں موجود نہ ہو۔ نیز وارد ہے ولا جہۃ فی ظلمات الارض ولا طب ولا یابس الا فی کتب مبین (رپس انعام ع ۱۲) کوئی خشک و تر چیز ایسی نہیں جس کا تذکرہ کتاب میں موجود نہ ہو۔ اور چونکہ ائمہ انبیاء نہیں آتے مبارکہ نہ اور فضا الکتاب الذین اصطفینا من عبادنا و ارشاد ان علم قرآن میں۔ لہذا ان کو ہر چیز کا بشمول غیب عالم اتنا صحیح ہے۔ اس شبہ کے کئی جوابات پیش کئے جا سکتے ہیں۔

**پہلا جواب**  
یہ ہے کہ کتاب میں اختلاف ہے کہ اس کے کیا مراد ہے؟ ہمارے بہت کتر جمہین و مفسرین نے اس سے لوح محفوظ مراد لی ہے۔ چنانچہ مولانا فرمان علی صاحب نے ذکر وہ بالا آیات کا ترجمہ یوں فرمایا ہے



پہلی آیت کا ترجمہ اور آسمان و زمین کی کوئی ایسی بات پوشیدہ نہیں جو واضح و روشن کتاب (لوح محفوظ) میں لکھی موجود نہ ہو۔ اس کے حاشیہ پر لکھتے ہیں "اور مدارات میں کتاب میں کا پورا ترجمہ کسی ایک دو لفظ میں بہت دشوار ہے۔ میں نے اگرچہ واضح و روشنی اس کا ترجمہ کیا ہے۔ مگر اس کا دوسرا مطلب بھی ہو سکتا ہے۔ یعنی موٹے جلی حروف میں لکھی ہوئی کتاب۔ حالانکہ کتاب میں سے وہ کتاب مراد ہے جس میں تمام واقعات جزئی و کلی نہایت تفصیل و شرح و بسط سے لکھے ہوئے ہوں۔ اور اس سے لوح محفوظ مراد ہے خواہ اسے علم الہی سمجھو۔ یا وہ تختی مانو جس میں تمام واقعات مندرج ہیں۔ اور محفوظ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس میں کوئی تصرف نہیں کر سکتا۔ (ترجمہ فرمان ۶۶)

اس آیت کی تفسیر میں علامہ طبرسی لکھتے ہیں "الافی کتاب مبین فی اللوح المحفوظ" یعنی زمین و آسمان کی ہر پوشیدہ بات لوح محفوظ میں واضح طور پر مندرج ہے۔ (مجمع البیان ج ۲۴۹) اور علامہ ابو الفتوح رازی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں "وہی خصلت و حادثہ غائب نباشد در آسمان و زمین الا ان در کتاب ہے است روشن یعنی لوح محفوظ" (ج ۲۵۷ طبع جدید ایران)

دوسری آیت کا ترجمہ "اور نہ کوئی چیز قدرے سے چھوٹی ہے۔ اور نہ بڑی چیز مگر روشن کتاب (لوح محفوظ) میں ضرور ہے (ترجمہ فرمان) مفسر قرآن علامہ طبرسی لکھتے ہیں "۱۱۱" افی کتاب بقیہ اللہ فیہ قبل ان خلقہ و هو اللوح المحفوظ الخ" یعنی ہر چیز کا واضح بیان اس کی خلقت سے بھی پہلے ایک کتاب میں موجود ہے اور اس سے مراد لوح محفوظ ہے۔ (مجمع البیان ج ۵۴۷) فاضل مفسر شیخ ابو الفتوح رازی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں "نہ کبر از ان و نہ نیز ہتر از ان الا ان در نوشتہ ثبت کردہ اند و نہ نوشتہ اند و ان لوح محفوظ است" (ج ۳۳۵)

تیسری آیت کا ترجمہ "اور نہ زمین و آسمان کی تاریکیوں میں کوئی دانہ اور نہ کوئی ہری اور کوئی خشک چیز ہے مگر یہ کہ وہ نورانی کتاب (لوح محفوظ) میں موجود ہے۔ (ترجمہ فرمان) امین الاسلام طبرسی اس آیت وانی ہر اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں "الافی کتاب معنہ و هو مکتوب۔ فی کتاب مبین افی اللوح المحفوظ الخ یعنی ہر خشک و تر کے لوح محفوظ میں لکھے کا مطلب یہ ہے کہ ہر خشک و تر چیز لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے۔ (مجمع البیان ج ۳۸۸) بعد ازاں اس کتاب کا فلسفہ بیان فرمایا ہے۔

علامہ ابو الفتوح رازی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں "و مراد بکتاب لوح محفوظ است نیز دیک بیشتر مفسران و بعضے دیگر گفتند کتاب است از علم خدا تعالیٰ" (ج ۴۲۹) لہذا جب کتاب میں سے مراد لوح محفوظ ہے تو پھر ظاہر ہے کہ ان آیات مبارکہ کا ہمارے موضوع بحث سے کوئی ربط و تعلق ہی نہیں رہتا۔

بنابر تسلیم آنگہ اس سے مراد قرآن مجید ہے جیسا کہ بعض مفسرین نے بیان کیا۔ اور بعض آثار میں اس کی دوسرا جواب فی الجملہ تائید ہوتی ہے۔ تو اس صورت میں قابل غور بات یہ ہے کہ قرآن مجید میں صرف تو اہل کلیہ اور



اصول و اشارات میں یا کائنات کے ذرہ ذرہ کی تمام تفصیلات بالیداہتہ معلوم ہے۔ کہ اس میں تمام چیزوں کا تفصیلی تذکرہ موجود نہیں ہے۔ "ان ذکر الاشیاء تفصیلاً فی القوان غیر موجود بالضرورتاً یعنی بالیداہتہ تمام اشیا کا تفصیلی تذکرہ قرآن میں موجود نہیں ہے (صراط الحی ج ۳ ص ۲۵۴) اور اجمال و اشارہ مفید مطلب نہیں "اجمالاً غیر کاف لما نحن بصدده اور اجمالی بیان اثبات دعا کے لئے کافی نہیں ہے (دعائہ مذکور)

**تفسیر اس جواب** اگر مذکورہ بالا حقائق سے بھی غص بصر کر لیا جائے۔ تو تب بھی اس استدلال سے مدعی کا دعویٰ ثابت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ آیات و روایات سے یہ بات ہرگز ثابت نہیں ہوتی۔ کہ تمام موضوعات خارجہ بیان تک کو کسی درخت کے پتے کے کھڑکنے، بارش کا قطرہ کسی جگہ گرنے، کسی آدمی کے اپنے ہاتھ کو حرکت دینے اور آنکھ اٹھا کر کسی طرف دیکھنے وغیرہ وغیرہ قرآن میں بالتفصیل مذکور ہیں۔ اور جب تک یہ بات ثابت نہ ہو۔ اس وقت تک دعویٰ ثابت نہیں ہو سکتا۔ (صراط الحی ج ۳ ص ۲۵۴) دون اشبات مخطوط القناد۔

**چوتھا جواب** تفسیر اہل بیت سے مستفاد ہوتا ہے کہ اس ہر شئی "سے شرعی حدود و قیود و احکام حلال و حرام اور بصفات امام علیہ السلام میں ارشاد فرماتے ہیں "ان اللہ عزوجل یقفن نبیہ حتی اکمل لہ الدین و انزل علیہ القوان فیہ تبیان کل شئی فیہ الحلال و المحرام و المحدود و الاحکام و جمیع ما یحتاج الیہ الناس کمالاً فقال اللہ عزوجل ما فرطنا فی الکتاب من شئی" یعنی خداوند عالم نے اپنے نبی (کی روح مبارک) کو اس وقت تک قبض نہیں کیا جب تک ان کے لئے دین کو کامل نہیں کر دیا۔ اور جب تک ان پر وہ کتاب نہیں اتار دی جس میں ہر شئی کا بیان ہے یعنی اس میں خدا نے حلال و حرام و حدود و احکام اور تمام وہ باتیں ہیں۔ جن کی طرف لوگ محتاج ہیں۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے۔ ہم نے کتاب میں کسی چیز کے متعلق کئی نہیں کی۔ "جناب علامہ مجلسی اس کی شرح میں فرماتے ہیں۔ "امارة علی قوله تعلق فی سورة النحل و نزلنا علیک الکتاب تبیاناً لکل شئی ثم هو ذلک بقولہ تبیان فیہ الحلال و المحرام و المحدود و جمیع ما یحتاج الیہ الناس کمالاً" (مرآة العقول ج ۱ ص ۱۵۸) یعنی امام علیہ السلام کے اس کلام میں سورۃ نحل کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے جس میں خدا فرماتا ہے (اے رسول) ہم نے تم پر وہ کتاب نازل کی ہے جس میں ہر شئی کا بیان ہے۔ پھر امام نے اس ہر شئی کی اپنے اس ارشاد میں یہ وضاحت کی ہے کہ اس میں حلال و حرام و حدود و شرعیہ اور وہ سب باتیں ہیں جن کی طرف لوگ محتاج ہیں۔ خدا نے اس میں بیان کر دی ہیں۔ "مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں تفسیر صافی ص ۲۸ پر صادق علیہ السلام سے مروی ایک روایت میں مذکور ہے فرمایا "واللہ ماتوا شئیاً یحتاج الیہ العباد حتی لا یتطیع عبد یقول لو کان هذا انزل فی القوان الا انزلہ اللہ" خدا کی قسم۔ خدا نے ایسی کوئی چیز جس کی طرف بندے محتاج ہیں نہیں بھیجی۔ مگر یہ کہ اسے قرآن میں بیان کر دیا ہے۔



مٹی کہ اب کوئی آدمی یہ نہیں کہہ سکتا کہ کاش (ضرورت) فلاں شئی کا اس میں بیان ہوتا۔ مگر یہ کہ خدا نے اسے پہلے ہی قرآن میں بیان کر دیا ہے۔ حقیقت الامر بھی یہی ہے کہ تعصبِ نبوت و امامت کے لئے ضرورت بھی اسی مقدار کی ہے کہ جہاں تک ان کی نبوت یا امامت کے حدود کا تعلق ہے ان تمام کی ضروریات سے کما حقہ واقف ہوں۔ اگر خدا عظیم اس سے دائر علم نبی و امام کو عطا فرماتا ہے تو یہ اس کا تفصل ہے۔ حضرت امام رضا علیہ السلام آیتہ مسبار کہ **الْوَحْنُ**۔ علم المقادیر خلق الانسان کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ بیان "الانسان" سے مراد امیر المومنین ہیں۔ راوی نے پوچھا۔ علمہ البیان کا کیا مطلب ہے فرمایا علمہ البیان کل شئی یتحتاج الناصر الیہ (مرآة العقول ج ۱ ص ۱۸۱) ہر وہ چیز جس کی بندوں کو ضرورت ہے اس کے بیان کرنے کا آئینہ کو علم عنایت فرمایا۔ ان ہذا لغرضین۔ مذکورہ بالا شبہ اولی کے جواب سوم و چہارم سے اس شبہ کا جواب واضح و عیاں ہے۔ لہذا انکار کی ضرورت نہیں۔ فرامیج۔

**تیسرا شبہ اور اس کا جواب** بروایت طارق بن شہاب فضائلِ امام میں جو خطبہ حضرت امیر المومنین سے مروی ہے اس کے ضمن میں مجدد دوسری صفاتِ امام کے ایک صفت یہ بھی مذکور ہے کہ **"المطلع علی النیوب"** امام خیب پر مطلع ہوتا ہے، (مستدرک بحار الانوار ص ۳۲) اس شبہ کا بچند وجوہ جواب دیا جاسکتا ہے۔ اولاً۔ تو یہ خطبہ رجبِ رسی کی کتاب مشارق الانوار سے منقول ہے اور علماء تحقیقین کے نزدیک مؤلف اور مؤلف ہر دو محروم و مفقود میں علامہ شکاربانی نے قصص العلماء ص ۳۲ طبع بیروت پر موصوف کا بایں الفاظ تذکرہ کیا ہے۔ "و شیخ رجب صوفی رسی۔ نیز ان را در کتب خود نقل کرده" تفصیل کے لئے روشنائی الحیات فی تراجم العلماء و السادات کی طرف رجوع کیا جائے۔ ان کی کتاب مشارق الانوار علماء اعلام کی نگاہ میں غالباً مضامین پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ناقابلِ اعتبار ہے چنانچہ علامہ شیخ محمد بن الحسن بن علی بن محمد البحر العالی (صاحب کتاب وسائل الشیعہ) اپنی کتاب اہل الاعمال ص ۳ طبع ایران پر اس کے متعلق تحریر فرماتے ہیں "وفی کتابہ افراط و بجا نسب الی الخلو" یعنی ان کی کتاب مشارق الانوار میں افراط (حد سے تجاوز) ہے اور بجا اوقات اسے غلو کی طرف نسبت دی جاتی ہے۔ بلکہ خود سرکار علامہ مجلسی نے مقدمہ بحار الانوار ص ۶ پر اس کتاب کے متعلق لکھا ہے "کتاب مشارق الانوار لم یلفظ رجب البوسی ولا اعتقد علی ما یتفرد بنقلہ لا اشتغال کتابہ علی ما یریدہ الخلط والخط" الخ یعنی کتاب مشارق الانوار حافظ رجب رسی کی تصانیف سے نیز سرکار موصوف اپنے رسالہ بیضاء اعتقاد میں تحریر فرماتے ہیں "ولا عذر بجا واداء البوسی وغیرہ من الاخبار الضعیفۃ" (مشطبوعہ بر حاشیہ عقائد الصادق) یعنی رسی وغیرہ نے جو ضعیف اخبار نقل کئے ہیں ان کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ لہذا جس کتاب کا علمی مقام علماء اعلام کی نظر میں یہ ہو۔ اس کی روایات پر (اور وہ بھی مقام اعتقاد میں) کیونکر اعتقاد کیا جاسکتا ہے؟



**ثانیاً۔** یہ استدلال ہمارے محل نزاع سے خارج ہے کیونکہ ہم سفور بالائیں کئی بار اس امر کی وضاحت کر چکے ہیں۔ کہ اس امر میں قطعاً کوئی اختلاف نہیں ہے۔ کہ نبی و امام علیہما السلام حسب مصلحت ازیدی بتعلیم اللہ اس قدر امور غیبیہ پر اطلاع رکھتے ہیں۔ کہ ہم اس کی مقدار معین نہیں کر سکتے مگر نام تو نزاع اس بات میں ہے کہ اس اطلاع علی الغیب کی وجہ سے ان کو عالم الغیب کہا جاسکتا ہے یا نہ؟ اس کا سوا اس خطبہ سے ثابت نہیں ہوتا۔ اطلاع علی الغیب اور ہے۔ اور عالم الغیب ہونا اور ۵

ہزار نکستہ باریک ترزموں میں جامعیت نہ ہو کہ سر بتر استہ فلسفہ ری واند

اگر ان رمیوں میں کچھ بھی علمی نیاقت و جرأت ہے تو کوئی ایک ہی ایسی مستند روایت پیش کر دیں۔ جس میں نبی علیہ و آلہ السلام یا ائمہ عالی مقام پر "عالم الغیب" ہونے کا اطلاق کیا گیا ہو تاکہ ہمیشہ کے لئے یہ قیل و قال اور کثرت و جدال ختم ہو جائے۔ مگر ۵

لایا قوت ب و لو کان بعضهم لبعض ظہیرا ۵

نہ تخریضے گا نہ تموار اُن سے یہ بانو مرے آوازے ہوئے ہیں

نوٹ۔ اسی خطبہ طاری بن شہاب میں بھی وارد ہے کہ "ادفعوا عنا حفظ البشریۃ فانما مہر ذلک عبدنا یحوز علیہ" یعنی ہم سے ان نقائص بشریہ کو دور کرو جو تمہارے لئے روا ہیں۔ کیونکہ ہمارا دامن ان سے جبر ہے۔ اس سے بعض قشر میں یہ ثابت کرنے کی سعی لا حاصل کیا کرتے ہیں۔ کہ ائمہ کی نوع علیہم ۵ ہے حالانکہ ان کا یہ خیال سراسر غلط اور مہمل ہے کیونکہ قطع نظر اس منظر کی علمی حیثیت کے جس میں یہ جملہ وارد ہے دو جو کہ اوپر واضح کی جا چکی ہے، اس فقرہ کا یہ مطلب نہیں ہے بلکہ اس کا صحیح مستہکم یہ ہے کہ امام ان تمام نقائص و عیوب سے منزہ ہوتا ہے جو عام انسانوں میں پائے جاتے ہیں۔ اور یہ امر بالکل حق و صدق ہے۔ لاشک فیہ ولا ریب۔

کئی روایات میں وارد ہے کہ امام علیہ السلام علم ماکان و مایکون و گذشتہ اور آئندہ امور) **چوتھا شبہ اور اُس کا جواب** کا عالم ہوتا ہے کیا اس سے ان کا عالم الغیب ہونا ظاہر نہیں ہوتا؟ اس شبہ کا جواب بھی ظاہر ہے۔ یہ ہمارا ایمان ہے کہ ائمہ عالی مقام ماکان و مایکون کا عالم ہوتا ہے۔ مگر ہم کئی بار اس امر کی طرف قارئین کرام کی توجہ مبذول کرا چکے ہیں۔ کہ روایت کے ساتھ روایت یہی ضروری ہوتی ہے۔ لہذا قابلِ غور امر یہ ہے کہ اس علم ماکان و مایکون سے مراد کیا ہے؟ اس میں علماء و اعلام کے افکارِ عالیہ مختلف ہیں۔ ہم اسی باب میں حضرت شیخ مفیدؒ اور مولانا العالم السید

۵ حدیث میں وارد ہے: انفقوا نواستہ المؤمن فانه بینظرونہ اللہ۔ ہم نے طبعِ اول میں جو دعویٰ کیا تھا۔ باوجود جو کثیرہ لکھے جانے کے وہی صاحبِ مہمتا اس دعویٰ کو غلط ثابت نہیں کر سکے۔ اور نہ ہی ائمہ کبھی ایسا کر سکیں گے (اللہ و الحمد للہ علی احسانہ العظیم علیہ عند)



محسن الامین الحسینی العالی قدس سرہا کا کلام حق ترجمان نقل کر چکے ہیں جس میں انہوں نے اس کے متعلق چند احتمالات ذکر کئے ہیں۔ (۱) ممکن ہے کہ اس سے مراد شرعی احکام ہوں نہ دیگر موجودات (۲) ممکن ہے اس سے بعض اہم واقعات کا علم مراد ہو نہ تمام جزئی جزئی حالات کا (۳) ممکن ہے اس سے ملک مسدود روح القدس کی طرف رجوع کر کے معلوم کرنا مراد ہو (۴) ممکن ہے اس سے مراد یہ ہو کہ جب توجہ فرمائیں تو ماکان و مایکون واقعات و حالات معلوم کر لیتے ہیں۔ (۵) علاوہ یہیں بعض آثار سے یہ بھی آشکار ہوتا ہے کہ ان کو حتمی و غیر حتمی اور قابل ناقابل بد امر امور کا علم ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ یقینی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتے۔ چنانچہ جناب امیر المؤمنینؑ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا۔ لولا آیت فی کتاب اللہ لا خدو تکہ بجا کات وما ھو کائن الی یوم القیۃ وھی ھذہ الایۃ یمحو اللہ ما یشاء ویثبت وعندہ ام الکتاب وامتھاج طبریؒ ص ۳۳۷ (طبع نجف) اگر قرآن میں ایک آیت نہ ہوتی تو میں تم کو گزشتہ اور قیامت تک ہونے والے تمام امور کی خبر دے دیتا۔ اور وہ آیت یہ ہے خدا جسے چاہتا ہے مٹ کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ثابت کر دیتا ہے اس کے پاس ام الکتاب (لوح محفوظ) ہے۔ ان تاویلات پنجگانہ میں سے ہماری نظر قاصر میں چوتھی تاویل اقویٰ و اظہر ہے۔ دیگر مفصل و مبسٹ روایات شریفہ سے اس تاویل کی تائید مزید ہوتی ہے۔ بنا بریں روایات ماکان و مایکون کا صحیح مفہوم وہی ہے۔ جس کی ہم کئی بار وضاحت کر چکے ہیں۔ کہ علم امام ارادی ہے جب توجہ فرمائیں تو کائنات عالم کی ہر چیز کو علام اللہ معلوم کر لیتے ہیں خواہ وہ عالم علوی سے متعلق ہو یا عالم سفلی سے ماکان سے متعلق رکھتی ہوں یا مایکون سے۔

### دلناں فیما یعشون مذ اھب

اکثر علماء و محققین نے بھی ان روایات کا یہی مفہوم بیان کیا ہے چنانچہ فاضل جلیل مولانا سید حسین مکنوی قدس سرہ علم امام کے متعلق مفصل بحث کرتے ہوئے امام جعفر صادق علیہ السلام کی یہ حدیث کہ "اذا اراد الہام ان یعلم شیئاً اھل اللہ ذلک" جب امام کسی چیز کے معلوم کرنے کا ارادہ فرمائیں۔ خدا بتا دیتا ہے۔ درج کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ اقول و بیجمع بین الاخبار احسن جمع و علیہ یحمل احادیث علم ماکان و مایکون و ماورد فی دعاء الذنبہ المعرفہ یعنی میں کہتا ہوں کہ اسی حدیث شریف کے ذریعہ سے مختلف حدیثوں میں بہترین جمع ہو جاتی ہے اور اسی معنی پر علم ماکان و مایکون والی احادیث اور دعائے مذکورہ والی عبارت کو محمول کیا جائے گا۔ (حدائق سلطانیہ ج ۳ ص ۲۱) نیز اسی کتاب کے ص ۳ پر لکھا ہے "مکن منافات این حدیث بعلم ماکان و مایکون متبنی است براینکہ مراد فعلیت جمیع علوم باشد۔ و آن ممنوع است بلکہ مراد قوت قریب من الفعل است لہذا دجھات علومہم و تکلمہم من علم ما شاؤا" یعنی اس روایت کی گمشدگی کا علم ماکان و مایکون والی روایات کے ساتھ متعارض ہونا اس پر مبنی ہے کہ ان روایات سے تمام علوم پر بالفعل ان ذوات مقدسہ کا مطلع ہونا ثابت ہو حالانکہ یہ بات ممنوع ہے بلکہ اس سے مراد وہ قوت ہے جو قریب بالفعل ہے یعنی بزرگوار جب اور جو چیز معلوم کرنا چاہیں کر سکتے ہیں۔ اسی طرح علامہ سید علی حاشیہ قوانین الاصول ص ۲۲ پر لکھتے ہیں۔



”مع كون مرادهم من علم ما كان وما يكون العلم الارادى على معنى انهم اذا نشا ان يعلموا شيئا مما جهلوا به اهلهم  
الله كما يشهد به اخبار مستفيضه الخ“ یعنی علم ما كان وما يكون والی احادیث سے مراد یہ ہے کہ یہ بزرگوار جب کسی نامعلوم  
چیز کے معلوم کرنے کا ارادہ فرمائیں تو خدا انہیں بتا دیتا ہے، ”هذه هذو كن من الشاكين (كذا) افاده الفاضل الحنفی  
فی صراط الحق ص ۳۵۳

**پانچواں شبہ اور اس کا جواب** | بعض صاحب التلیل قسم کے مؤقفین نے صرف کتاب کا حجم بڑھانے کے لئے  
ایک طویل فہرست ان لوگوں کی دی ہے جنہوں نے جناب امیر علیہ السلام کے  
اطلاع دینے اور ان کے بوجہ تعلیم نبوی مطلع ہونے اور نبی کے باعلام اللہ اکبر ہونے کی وجہ سے بعض آنے والے  
واقعات کی قبیل از وقت سیگونی کی ہے (جیسے جناب میثم تمار اور جناب رشید پھری کے واقعات) اور اس سے یہ ثابت  
کرنے کی ناکام کوشش کی ہے کہ یہ علم غیب تو آل محمد کے غلاموں کو بھی حاصل تھا عنون یہ قائم کئے ہیں۔ فلاں کا علم  
غیب اور فلاں کا علم غیب۔ اس مؤلف کی طرح کئی اور لوگ بھی اسی غلط فہمی میں مبتلا ہیں وہ یہی سمجھتے ہیں کہ جو شخص کسی  
کسی گذشتہ یا آئندہ واقعہ کی خبر دے بس وہ عالم الغیب کہلا سکتا ہے۔

اس شبہ کا جواب ظاہر ہے ہم اسی باب میں دلائل قاطعہ سے ثابت کر چکے ہیں کہ جس شخص کا علم اپنا ذاتی نہ ہو بلکہ مستفاد  
من الغیر ہو۔ نیز جس کا علم کلی نہ ہو بلکہ جزئی ہو۔ اس کے عالم کو اصطلاح متکلمین اسلام میں عالم الغیب کہنا درست نہیں ہے۔  
ورنہ اگر عالم الغیب ہونے کا معیار اسی بات کو قرار دے دیا جائے کہ جو شخص بھی بعض آنے والے واقعات کو کسی کے بتانے  
سے ہی سہی جانتا ہو وہ عالم الغیب ہے پھر اسی طرح صرف انہی چند افراد (مثل جناب سلمان و رشید پھری و میثم تمار و قنبر و غیر ہم  
رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) پر ہی کیا منحصر ہے۔ بلکہ اس طرح تو ہم سب عالم الغیب قرار پائیں گے۔ کیونکہ خدا و رسول اور ائمہ  
برائی کے بتائے گئے بھی بہت سی آنے والی باتوں کا علم ہے۔ مثلاً ہمیں یقین ہے کہ قیامت سے پہلے جناب عیسیٰ بن مریم  
آسمان سے نزول اجلال فرمائیں گے۔ حضرت جہدی دوران ظہور انور السور فرمائیں گے۔ سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام  
کی رجعت ہوگی۔ موت یقیناً آئے گی اور مرنے کے بعد قبر میں سوال و جواب ہوگا۔ قیامت ضرور آئے گی۔ مومن جنت  
میں اور باقی لوگ جہنم میں داخل کئے جائیں گے۔ اسی طرح ہم جنت و جہنم، عرش و کرسی اور ملائکہ کے وجود اور حشر و  
نشر کا علم اور ان حقائق پر کامل ایمان رکھتے ہیں۔ اگر ایک آئندہ ہونے والی بات کی خبر دیتے والا عالم الغیب  
ہو سکتا ہے تو پھر ہم اس قدر غیبات کثیرہ پر اطلاع رکھنے کے باوجود کیوں عالم الغیب نہیں ہو سکتے؟ لیکن اگر ہمیں  
عالم الغیب کہنا درست نہیں اور یقیناً نہیں۔ تو پھر ماننا پڑیگا۔ کہ جس کا علم جزئی اور مستفاد من الغیر ہو۔ اس  
کے عالم کو عالم الغیب نہیں کہا جاسکتا۔ وہو المطلوب وقد حصل بعون اللہ الودود۔

چھٹا شبہ اور اس کا جواب۔ اخبار و آثار سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرات ائمہ اہلبار لوگوں کے افی الضمیر جانتے تھے اور



ان کو خبر دے دیتے تھے۔ یہ علم غیب نہیں تو اور کیا ہے؟ اس شبہ کا جواب کئی طرح دیا جاسکتا ہے۔

اولاً۔ یہ درست ہے کہ اثر اظہار تو جو فرماتے سے بعض بندوں کے مافی الضمیر کو معلوم کر لیتے تھے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ عالم الغیب ہوں۔ کیونکہ ممکن ہے یہ علم بوجہ قرابت الیائی ہو۔ (ان فتاویٰ خواستہ المؤمن فائزہ بینکونہ و اللہ) جیسا کہ عیون الاخبار وغیرہ کی بعض روایت سے واضح ہوتا ہے ممکن ہے بوجہ شرف علقہ و عبادہ نفس ہو وہاں مجرؤ شجر و باہین) اور ممکن ہے بوجہ الہام ربانی ہو۔ اسے عالم الغیب نہیں کہا جاسکتا۔ عالم الغیب کہلانے کا متحق صرف وہ ہو سکتا ہے جس کا علم ذاتی ہو۔ اور وہ بھی کلی و احاطی جیسا کہ حضرت شیخ مفید علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔ "لان الوصف بذلک انما یستحق من علم الاشیاء بقیہ لا بعلم مستفاد ولا یكون هذا الغیر اللہ سبحانہ یعنی اس وصف (عالم الغیب) کا حقدار صرف وہی ہو سکتا ہے جو بالذات چیزوں کا عالم ہو۔ نہ کہ علم مستفاد کے ذریعہ سے۔ اور یہ صرف خدا کے رحمان کی شان ہے۔" (ادائل المقالات ص ۷۷)

ثانیاً۔ ہمارا طریقہ کار جیسا کہ ہمارے ناظرین کرام سے مخفی و مستور نہیں ہے۔ کہ جس موضوع پر معصومین کا معتبر فرمان مل جائے۔ اور وہ دیگر نصوص قطعیہ عقلیہ و شرعیہ کے معارض و مخالف بھی نہ ہو۔ ہم اس کے تسلیم کرنے کو لازمہ ایمان و فریضہ اسلام سمجھتے ہیں۔ بنا بریں چونکہ اس موضوع پر متعدد اخبار و آثار موجود ہیں۔ اس لئے انکار کی کوئی وجہ نہیں۔ لیکن اگر بالفرض کوئی شخص اس (کشف ضمائر) کا انکار بھی کر دے تو وہ دائرہ مذہب شیعہ سے نکل نہیں جاتا۔ کیونکہ علماء اعلام کی تصریحات موجود ہیں کہ "عالم الضمائر" ہونا نہ شرائط امامت میں داخل ہے اور نہ ائمہ کو عالم الضمائر تسلیم کرنا مذہب شیعہ کے لوازم میں شامل ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ مفید فرماتے ہیں "اقول ان الائمہ من ال محمد قد كانوا یعرفون ضمائر بعض العباد و یعرفون ما یكون قبل کونہ و لیس ذلک بواجب فی صفاتہم ولا ہون شرط فی امامتہم وانما اگر وہم اللہ تعالیٰ بہ و اعلمہم ایاء اللطف فی طاعتہم و التمسک بامامتہم" (ادائل المقالات ص ۷۷) یعنی میں کہتا ہوں کہ ائمہ علیہ السلام بعض بندوں کے ضمیروں کو اور واقعہ کو ماضی سے قبل سمجھتے تھے لیکن یہ بات نہ تو ان کی صفات میں لازم ہے اور نہ ہی شرط امامت ہے۔ ہاں خدا تعالیٰ نے صرف تفضلاً ان کو اس علم سے نوازا تھا۔ تاکہ (بندوں کے لئے) ان کی اطاعت کرنے اور ان کی امامت کے ساتھ تمسک کرنے میں بطور لطف مدد و معاون ہو۔ "واللطف هو المقرب الی الطاعة والمعبود عن المعصية" اسی طرح آقائے سیدہ شرم معروف اپنی کتاب عقیدۃ الشیعۃ الامامیہ ص ۲ پر اس علم الضمائر کی مختلف اور مناسب توجیہات ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔ "دلی جمیعہ اتقاد بقریبیس ذلک من شروط التشیع ولا من شروط القول بامامتہم" یعنی تمام اختلافات کے باوجود یہ بات نہ شیعہ ہونے کے شرائط میں داخل ہے اور نہ ہی امامت اہل بیت کے لوازم میں سے ہے۔ بنا بریں ایسی بات سے تمسک کر کے ان ذرات مقدسہ کو عالم الغیب ثابت کرنا کہاں تک درست ہے؟ اس کا اندازہ لگانا باب بصیرت کے لئے چنداں مشکل نہیں ہے۔ حضرت شہید ثالث علیہ الرحمہ (جن کے

یہ "ادائل المقالات" میں لکھا ہے کہ اس کا علم ہر انسان کو ہے اور نہ صرف ائمہ کو ہے۔



مومن شخص جو بنے میں کلام نہیں کیا جاسکتا، ایک سائل کے جواب میں فرماتے ہیں: ”دور اصول عقائد دینیہ یک کس این دعویٰ  
نکرده کہ انبیاء رضائے بشر در جمیع احوال اطلاع داشتند علی ما نقلہ فی الحدیث ج ۲ ص ۳۹۵“

ثالثاً۔ ہم سابقہ اوراق میں متعدد مقامات پر ثابت کر چکے ہیں کہ ائمہ اطہار کا علم ارادی و محتاج تو ہے۔ جب بھی  
کسی چیز کے معلوم کرنے کا ارادہ فرمائیں۔ دس میں مافی الضمیر کا معلوم کرنا بھی شامل ہے۔ (تو باعلام اللہ اسے معلوم کر لیتے  
ہیں اور یہ علم غیب نہیں بلکہ عطیہ پروردگار ہے۔ علم غیب وہ ہوتا ہے جو ذاتی اور کلی ہو۔ وہی وجہی علم کو علم غیب نہیں  
کہا جاسکتا۔ چنانچہ اس کے عالم کو عالم الغیب کہا جائے۔ فتدبر: قد فصلنا الایات بقوم یذاکرون۔

## آٹھواں باب

{ پیغمبر اسلام کے ہمراہ معراج حضرت امیر الیہ السلام کے تشریف لی جانے  
یا نہ لے جانے کا بیان }

جناب پیغمبر اسلام علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کا بجد عنصری عالم امکان کی آخری سرحد میں معراج پر تشریف لے جانا ناممکن  
تبع کے ان مسلم الثبوت عقائد ایمانیہ میں سے ایک عقیدہ ہے کہ جن کا منکر دائرۂ مذہب سے خارج تصور ہوتا ہے جیسا کہ سرکار  
صادق آل محمد علیہ السلام کا ارشاد ہے۔ من انکو ثلاثہ اشیاء فلیس منا المعراج۔ والمسائلۃ فی القبر والشفاعۃ  
جو شخص ان تین چیزوں کا انکار کرے وہ ہمارے شیعوں میں سے نہیں۔ معراج۔ قبر میں سوال و جواب اور شفاعت بحق ائقیں  
خصال۔ اثنا عشریہ ثنائت ہمارے غیر ثنائی اس وقت یہاں نہ کیفیت معراج کا بیان کرنا مقصود ہے اور نہ ہی فلسفہ معراج  
سے بحث کرنا مطلوب۔ بلکہ یہاں صرف اس کا اظہار کرنا نظر ہے کہ جس طرح دیگر اکثر اسلامی دایمانی اصول و عقائد افراط  
و تفریط کی زد سے محفوظ نہیں رہے۔ اسی طرح یہ عقیدہ بھی تہال و ضلال کی دستبرد و دخل اندازی سے نہیں بچ سکا۔  
چنانچہ بعض لوگ تو اس قدر دشت تفریط میں سرگردان ہوئے کہ بعض وہی شکوک اور عقلی استبعادات کی بنا پر حضرت کے  
جسمانی معراج کا ہی انکار کر دیا۔ اور اگر تسلیم ہی کیا۔ تو محض روحانی طور پر۔ اس گروہ کے بالمقابل بعض لوگ بحرا فراط میں اس  
قدر پہ گئے۔ کہ بلا دلیل و برہان حضرت امیر المومنین کو بھی اس سفر میں شریک رسول قرار دے دیا۔ یا کم از کم بمقام قاب  
قوسین آنحضرت کے ساتھ۔ ان کے ظہور جسمانی کا نظریہ قائم کر لیا۔ چنانچہ کچھ دنوں سے دیگر بعض مسائل و عقائد کی طرح اس



موضوع پر بھی بڑے شدد کے ساتھ غلط انداز میں بحث و تحویص کا سلسلہ جاری ہے اور کچھ مفاد پرست لوگ اسے غلط رنگ میں پیش کر کے عوام اہل ایمان کو علماء اعلام سے بدظن کرنے کی سعی نافرجام کر رہے ہیں۔ اس لئے ہم نے مناسب سمجھا کہ اس باب میں دلائل و براہین سے حق و حقیقت کا انہار کر کے غلط نظریات کا تار و پود بکھیر دیا جائے ہمیں ان مشکلات و مصائب کا پورا پورا احساس ہے۔ جو ایک محقق کو ایسے مقامات پر درپیش آتے ہیں۔ فضائل اہل بیت علیہم السلام کے سلسلہ میں جذبات کی رو میں بہہ کر ہمارے عوام بلکہ بعض نام نہاد خواص بھی صحیح و مستقیم میں بالکل تیز نہیں کرتے اور اگر کوئی تحقیق پسند شخص کسی فرضی فضیلت کو اس بنا پر تسلیم نہ کرے کہ اس پر کوئی دلیل و برہان قائم نہیں ہے تو اس پر فوراً ”مست کف ضائل“ ہونے کا فتویٰ لگا دیا جاتا ہے۔ اور اس طرح ایک مخصوص طبقہ کو اس کے خلاف فضا کو کندہ کرنے کا اچھا موقع مل جاتا ہے ہمارا ایمان ہے کہ ان ذوات مقدسہ کے فضائل و مناقب کا انکار نہ صرف عدم ایمان کا باعث ہے بلکہ ہم اسے موجب کفر سمجھتے ہیں۔ لیکن ان فضائل کا انکار جو قرآن و حدیث کی رو سے مسلم الثبوت ہوں۔ جیسا کہ علامہ علیسی وغیرہ علماء اعلام نے فرمایا ہے۔ نہ ان فضائل کا انکار جو بعض طبعزاد اور من گھڑت ہوں۔ اس مقام پر تید العلماء سید حسین کی یہ فرمائش آویزہ گوش بندنے کے قابل ہے۔ کہ ”از طرف خود امری تراشیدن و بے دلیل و برہان صفت حضرات قرار دادن روانیت“ (حدیثہ سلطانہ) یعنی اپنی طرف سے کوئی امر تراش کر کے بے دلیل و برہان ان ذوات مقدسہ کی صفت قرار دے دینا جائز نہیں ہے۔ اس موضوع پر ہم کتاب کے دیباچہ میں بڑی وضاحت سے انہار غیالی کر چکے ہیں، افسوس کا مقام ہے کہ اہل علم اپنا حقیقی مقام حاکمیت چھوڑ کر مقام محکومیت پر اتر آئے ہیں۔ یعنی بکائے اس کے کہ وہ حاکم بن کر عوام الناس کے غلط نظریات کی اصلاح کرتے اور ان کو راہ راست پر گامزن کرنے کی سعی جمیل کرتے۔ لیکن اب اس کے برعکس حالت یہ ہے کہ نظریہ عوام قائم کرتے ہیں اور نام نہاد علماء کا کام صرف ان کی تائید کرنا ہے اگرچہ اس مسئلہ میں اپنے دین و دمانت سے دستبردار ہونا پڑے اور قرآن و حدیث پر کندہ پھری پھیرنا پڑے۔ آہ

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں

بہر حال ہم اگر دو پیش کے حالات سے متاثر ہو کر کلمہ حق کے انہار سے دست بردار نہیں ہو سکتے کیونکہ

وہ مرد نہیں جو ڈر جائے ماحول کے خویش منظر سے اس حال میں جینا لازم ہے جس حال میں جینا مشکل ہے۔

اصل موضوع پر ادلہ و براہین قائم کرنے سے پیشتر محل اختلاف کی تعیین ضروری ہے واضح

محل نزاع کی تعیین

رہے کہ بحث اس امر میں نہیں کہ جناب امیر علیہ السلام معراج پر تشریف لے جاسکتے ہیں یا نہیں؟ (جیسا کہ اسے پیش کیا جا رہا ہے) زندگی میں ایک بار تو کیا اگر آپ چاہیں تو یا قدر الہی دن میں سو سو بار تشریف لے جاسکتے ہیں اور پھر واپس تشریف لاسکتے ہیں۔ لیکن ہر ممکن واقعہ تو نہیں ہوتا۔ کسی چیز کا امکان اور ہے۔ اور اس کا وقوع پذیر ہونا اور اس سے بڑھ کر زمانہ کی تباہ کاری و کج رفتاری کی اور کیا دلیل ہوگی۔ کہ آج ہمیں ایسے لوگوں سے



سابقہ پڑ رہا ہے اور وہ لوگ ہم سے اُلجھ رہے ہیں جو کسی چیز کے امکان اور اس کے وقوع میں فرق نہیں کر سکتے ہم کتاب کے دیباچہ میں یہ امر ثابت کر آئے ہیں۔ کہ عقائد کے درجہ میں آیاتِ حکمت یا روایات متواترات کا رآمد ہوتی ہیں نہ صرف مکلف عقلی۔ بنا بریں تمام تر بحث اس امر میں ہے اور یہی غور طلب ہے کہ آیا حضرت علی علیہ السلام کا معراج پر تشریف لے جانا قرآن کریم و احادیث معصومہ سے ثابت ہے یا نہ؟ ہم نے جہاں تک اس سلسلہ میں کتب کی ورنہ گردانی کی ہے ہم یہ اعتراف کرنے میں کوئی خجالت محسوس نہیں کرتے۔ کہ ہمیں بطریق ائمہ طاہرین کوئی ایک مستند حدیث بھی دستیاب نہیں ہو سکی جس سے یہ مطلب ثابت ہوتا ہو تاہم آیاتِ محکمہ یا روایات متواترہ چہ رسد۔ بلکہ اس تتبع اور جستجو کے دوران کثرت ایسے اخبار و آثار نظرِ فاسر سے گذرے ہیں۔ جن سے اس نظریہ کی واشگاف الفاظ میں پُر زور تردید ہوتی ہے۔ اسی طرح خواہ قرآن سے بھی اس خیال کا ابطال ہوتا ہے۔ اگرچہ قاعدہ و قانون کی رو سے چونکہ ثبوتِ بدمذہبی ہوتا ہے۔ اس لئے اس موضوع پر کسی ثبوت کا نہ ہونا ہی اس کے عدم ثبوت کے لئے کافی ہے اور گو ہم پر جو اس کے قائل نہیں ہیں، اس کی نفی پر دلائل قائم کرنے کی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ (ویسے بھی نفی محتاج دلیل نہیں ہوتی) تاہم حسن تبرؤ اللہ منہ و ستور سابق قرآن کریم، احادیث صحیحین، اتفاق علماء کاملین اور عقل سلیم کی روشنی میں اس کے عدم وقوع پر دلائل و براہین قائم کرتے ہیں۔ و باللہ التوفیق و سہجی و نعم الوکیل۔

**متعلقہ مسئلہ قرآن کریم کی روشنی میں** قرآن مجید میں دو سورتوں میں جناب پیغمبر اسلام کے معراج کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ایک سورہ اسراء میں اور دوسرے سورہ النجم میں۔

اور ہر جگہ معراج پر جانے والے بزرگوار کے متعلق واحد کے صیغے اور واحد کی ضمیر استعمال کی گئی ہیں۔ جیسے ارشادِ قدرت ہے (۱) سبحان الذی اسمری بعبدہ لیلۃ الایۃ (۱) (پاس بنی اسرائیل ع) وہ خدا (بر عیب سے) پاک و پاکیزہ ہے جس نے اپنے بندہ کو راتوں رات مسجد حرام (خانہ کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (آسمانی) تک کی سیر کرائی۔ یہ سیر کیوں کرائی؟ (۲) لنویہ من الیتنا (ایضاً) تاکہ ہم ان کو اپنی قدرت کی نشانیاں دکھائیں (ترجمہ فرمائے) (۳) وھو بالافق الاعلیٰ قثمہ فی قنڈاقی (۴) فكان قاب قوسین اوداقی (۵) فادخی الی عبدہ ما ادخی (۶) ما کذب الفواد ما دای (۷) افتقدونہ علی ما یری (۸) ما ذاع البصر و ما طغی (۹) لقد دأی من آیات ربہ الکبریٰ و الذی اسنم ع ۱۰ اور جس حال میں کہ وہ اونچے سے اونچے افق کے قریب تھا۔ پھر وہ اور قریب ہوا۔ پھر متعلق ہو گیا۔ پھر دو کمان کا فاصلہ رہا یا کچھ کم۔ پھر (خدا نے تعالیٰ نے) اپنے بندے کی طرف وحی فرمائی۔ (اس رسول نے) جو کچھ بھی دیکھا (ان کے) دل نے اس میں کچھ جھوٹ نہیں بلایا۔ آیاتِ (لوگ) اس (رسول سے) اس کے متعلق بحث کرتے ہو۔ جو کچھ کہ وہ دیکھتے ہیں۔ بے شک انہوں نے پروردگار کی نشانیوں میں سے جڑی نشانیوں کو دیکھا (ترجمہ مقبول)

ان آیات مبارکہ سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہو جاتی ہے کہ جس بزرگوار کو خداوند قدیر و خبیر نے



شرفِ معراج سے ممتاز و مفتخر فرمایا وہ ایک ہی تھا اور وہ تھا پیغمبر اسلام علیہ وآلہ افضل التقیہ والسلام۔ ظاہر ہے اگر کے ہمراہ جناب امیر علیہ السلام بھی ہوتے تو پھر خدا نے حکیم و احد کے صبیخے اور واحد کی ضمیریں استعمال نہ کرتا۔ بلکہ ان کے بھائے ثنیہ یا جمیع کے صبیخے اور ضمیریں لائی جاتیں۔ کمال الہی فی علی من لہ ادنی الامام باسالیب الکلام قرآن میں تو ان چیزوں کا کہیں نام و نشان تک نہیں ملتا۔ پھر یہ بات کیونکر ہمارے جاسکتی ہے کہ اس سفر مبارک میں جناب امیر بھی شریک رسول تھے؟

**متعلقہ مسئلہ حدیثِ معصومین کی روشنی میں** | اس سلسلہ میں حضرات معصومین کے ایسے بکثرت فرامین موجود ہیں جن سے صراحتاً یا کنایتاً یہ حقیقت بالکل بے نقاب ہوجاتی ہے کہ شبِ معراج حضرت امیر علیہ السلام آنحضرت کے عالم ہالاک طرف تشریف لے جانے کے بعد بطور محبت خدا زمین میں تشریف فرما تھے۔ ذیل میں لکھنا حدیث شریفہ کا ایک شہ پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) حیاتِ اقلوب ۲۵ ص ۱۱۳ طبع نو کشور بکھنور پرنس معتبر ایک روایت درج ہے جس میں معراج کی بات سدرۃ امتحان سے آگے آنحضرت کا پروردگار عالم سے مناہات کرنا اور رب العزت کا جناب امیر علیہ السلام کے بعض فضائل مخصوصہ بیان کرنے کا تذکرہ موجود ہے۔ اور آنحضرت کو یہ حکم بھی دیا گیا ہے کہ جب زمین پر جائیں تو جناب امیر کو ان فضائل کی بشارت دیں چنانچہ روایت میں وارد ہے کہ ”چوں حضرت بز میں آمد علی را بشارت دادہ با نچہ حق تعالیٰ در حق او فرمودہ بود“ یعنی جب آنحضرت واپس زمین پر تشریف لائے تو ان باتوں کی حضرت علی کو بشارت دی۔ جو خدا نے عرضِ صل نے ان کے حق میں فرمائی تھیں۔ ظاہر ہے کہ اگر جناب امیر آنحضرت کے ہمراہ ہوتے تو پھر خدا کا رسول کو پیغام پہنچا اور ان کا زمین پر تشریف لانے کے بعد جناب امیر تک وہ پیغام پہنچانا سب بے حقیقت بات ہو کر رہ جاتی ہے (معاذ اللہ)

(۲) حیاتِ اقلوب ۲۵ ص ۱۱۳ پر ایک روایت بند معتبر امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے جس میں یہ ارشاد و قدرت مروی ہے کہ ”از من با و ہر سال کہ او نشان شاہ راہ ہدایت است و پیشوائے دوستان است“ یا رسول اللہ علی کو میرا طرف سے پیغام پہنچا دینا کہ وہ شاہراہِ ہدایت کا نشان اور میرے دوستوں کا پیشوا ہے۔ آخر ظاہر ہے کہ اگر جناب امیر اس سفر میں پیغمبر اسلام کے ہمراہ ہوتے تو پھر ان کے نام زمین پر پیغام بھجوانے کی کیا ضرورت تھی؟

(۳) حیاتِ اقلوب ۲۵ ص ۱۱۳ پر بحوالہ شیخ طوسی بند معتبر روایت ابن عباس آنحضرت کی ایک طویل حدیث مروی جس میں مذکور ہے کہ ”آنحضرت فرماتے ہیں۔ خدا نے مجھے پانچ فضیلتیں عطا فرمائیں اور علی کو بھی پانچ فضیلتیں مرحمت فرمائیں۔ جن میں پانچویں فضیلت یہ مذکور ہے فرماتے ہیں ”مرا آسمان پر و در آسمان را و جہا ہا بر او کشود کہ او بسوئے من نظری کہ در من بسوئے او نظری کہ در من۔ نظر کہ در من بسوئے او دیدم کہ جہا ہا کشود و در آسمان کشود و آسمان کشود۔ علی را دیدم کہ سر بسوئے آسمان بلند کردہ بسوئے من نظری کہ در من علی با من سخن گفت و من با و سخن گفتم پروردگار“







۱۵) کتاب مذکور کے مشہور پرانے نسخے سے ایک طویل الذیل روایت مروی ہے جس میں ساتوں آسمانوں کے فرشتوں کا آنحضرت کی خدمت میں شوق زیارت علیؑ کا ذکر کرنا اور وہیں زمین پر پہنچ کر ان کی طرف سے آنجناب کی خدمت میں ان کے سلام شوق پہنچانے کی استدعا کرنا مذکور ہے (قالوا اذا رجعت الى الارض فاتوا عليا دني السلام) اس روایت سے بھی ظاہر ہے کہ ان جناب شب معراج بطور بخت خدا زمین میں موجود تھے۔

۱۶) محدث جزائری نے اپنی کتاب انوار نعمانیہ ص ۴۲ پر آنحضرت سے کیفیت معراج کے متعلق ایک حدیث بیان کی ہے جس میں مذکور ہے کہ آنحضرت نے آسمانوں میں دیکھا کہ حضرت امیر کھڑے ہو کر نماز پڑھا رہے ہیں اور فرشتے ان کی اقتداء میں نماز ادا کر رہے ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر آنحضرت نے بارگاہ ایزدی میں عرض کیا۔ ہذا علی بن ابی طالب علیہ السلام تو کنت فی الارض وھاھو قد سبقنی الی السماء؟ یہ علی بن ابی طالب ہیں؟ جس کو میں زمین پر چھوڑ کر آ رہا ہوں۔ کیا وہ مجھ سے بھی پہلے یہاں پہنچ گئے ہیں؟ ارشاد قدرت ہوا۔ ہذا شخص مثل علی بن ابی طالب خلقت فی جمیع السموات حتی تنظر الیہ الملائکۃ فتطمأن الیہ نفوسہم من شدۃ حبہم لعلی بن ابی طالب علیہ السلام یہ ایک شخص (فرشتہ) چھوڑ دھرت میں علی بن ابی طالب کے مانند ہے۔ جسے میں نے تمام آسمانوں میں پیدا کیا ہے۔ تاکہ فرشتوں کو حضرت علیؑ سے بوشدید محبت ہے اس کی طرف دیکھ کر ان کے نفوس کی تسکین ہو سکے۔ اس روایت شریفہ سے بھی واضح ہے کہ شب معراج جناب امیر علیہ السلام اپنے جسد عنصری کے ساتھ زمین پر تشریف فرما تھے

(۱۷) ابن بابویہ بسند معتبر از ابن عباس روایت کردہ است کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ با حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام گفت کہ یا علی! پوں مرا آسمان ہفتم بردند و از انجا بسدرۃ المنتہی و از ان جا بجا بہائے نور پروردگار میں مرا گرامی داشت۔ بمناجات خود در میان آہنگ گفت یا محمد! گفت لبیک امیر پروردگار من و سعیدک بندہ تو ام و در خدمت تو ایستادم توئی باریک و بلند و تیر پس فرمود کہ یا محمد علی! امام و پیشوائے دوستان من است و نوریت برائے ہر کہ اطاعت من کند و است کلام کہ لازم متقیان گردانیدہ ام ہر کہ اور اطاعت کند مرا اطاعت کردہ است و ہر کہ اور انا فرمانی کند مرا انا فرمانی کردہ است پس اور ابشارت دہ باین بچوں حضرت بزمین آمد علی را بشارت داد کہ آنچه حق تعالیٰ در حق او فرمودہ بود امیر امیر المؤمنین گفت یا رسول اللہ آیا قدر من بر تیر رسیدہ است کہ در چہیں مکانے مرا یاد کنند حضرت فرمود بے یا علی شکر کن پروردگار خود را پس آنحضرت بسجود افتاد و رائے شکر نعمت پروردگار خود و حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ فرمود کہ سر بردار یا علی! کہ حق تعالیٰ تو مہمات کردہ باللائکہ خود (حقیقۃ سلطانیرج ۲ ص ۲۹) اس عبارت کا مطلب واضح و عیاں ہے۔ قارئین کرام غور فرمائیں کہ شب معراج سدرۃ المنتہی سے آگے بوقت مناجات رب جلیل نے رسالہ کتاب سے حضرت امیر کے چند فضائل مخصوصہ بیان فرمائے اور جب آنحضرت زمین پر واپس تشریف لائے اور آنجناب کو اس امر کی اطلاع دی۔ تو آنجناب صرف اس نعمت پروردگار کے شکر میں سجدہ شکر کیا کرتے ہیں کہ اس بزم لاسوت میں ان کا ذکر خیر ہوا ہے۔ اگر وہ بذات خود وہاں تشریف فرما ہوتے تو پھر اس سلام و پیغام اور جناب امیر کے سجدہ شکر بخالائے کے کیا معنی ہیں؟



عالم بالا میں جناب امیر علیہ السلام کی تمثال مبارک کا موجود ہونا کتب تفسیر و حدیث میں اس قسم کی کمزورت  
روایات معتبرہ موجود ہیں جن سے واضح ہوتا  
ہے کہ آنحضرتؐ نے شب معراج عالم بالا میں متعدد مقامات پر جناب امیر علیہ السلام کی تمثال مبارک کو دیکھا خود آپؐ کے جبریل مفری  
کو دیکھا کسی معتبر حدیث میں مذکور نہیں ہے۔ تمثال کا وجود بھی اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ آنجنابؑ بنفس نفیس دہان تشریف لے  
نہ گئے۔ اس مسئلہ کی چند روایات ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

(۱) حضرت صادق آل محمد علیہ السلام فرماتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: در شب معراج چوں بآسمان پہنچم رسیدم صورت علی  
بن ابی طالب علیہ السلام را در آنجا مشاہدہ کروم۔ پس گفتم اے حبیب من جبریل! میں چہ صورت است؟ جبریل گفت یا محمدؐ ملائکہ  
خواہش کردند کہ از مشاہدہ جمال علیؑ بہرہ مند گردند۔ گفتم پروردگار! فرزندان آدم در دنیا بہرہ مند شدند کہ باہر داد و پسین مشاہدہ  
خورشید جمال علی بن ابی طالب علیہ السلام! جب میں پانچویں آسمان پر پہنچا تو وہاں جناب امیر علیہ السلام کی صورت اقدس  
دیکھی۔ میں نے جبریل سے کہا اے میرے حبیب جبریل! یہ کیسی صورت ہے؟ جبریل نے عرض کیا کہ فرشتوں نے چاہا کہ حضرت علیؑ  
کے جمالِ باکمال کے مشاہدہ سے بہرہ مند ہوں۔ لہذا بارگاہِ رب العباد میں استدعا کی۔ پروردگار! بنی آدم تو ہر صبح و شام حضرت  
امیر المؤمنینؑ کے چہرہ انور کی زیارت سے مشرف ہوتے ہیں مگر ہم اس سعادت سے محروم ہیں۔ خدا نے ان کی استدعا کو  
شرف قبولیت بخشا اور اپنے خالص نور اقدس سے ان جنابؑ کی ایک صورت بنائی جس کی زیارت سے فرشتے شب و روز  
مشرف ہوتے ہیں۔ الخ (حیات القلوب ج ۲ ص ۲۴۳ کذافی ساوین البہار ص ۸۳)

(۲) بلند معتبر حضرت امام حسینؑ روایت کر رہے ہیں کہ فرمود کہ از جہدم رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ گفتم  
در شب معراج مکے را دیدم کہ در دستش شمشیر از نور بود و ہاں بازی می کرد۔ چنانچہ حضرت امیر المؤمنینؑ بذوالفقار  
بازی می کرد۔ در جنگ و ملائکہ ہر گاہ مشتاق لقائے امیر المؤمنینؑ علیہ السلام می شدند بروئے آن ملک نظری کردند۔ گفتم  
پروردگار! ایں برادر سپہر عم من علی بن ابی طالب است حق تعالیٰ ندا کرد کہ یا محمدؐ ایں مکے است کہ بر صورت علیؑ افریدہ ام کہ  
در میان عرش مرا عبادت می کند و ثواب حسنات و تقدیس او برائے علی بن ابی طالب است تا روز قیامت یا یعنی حضرت امام حسینؑ  
بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے بنیاد پر جناب رسول خداؐ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے شب معراج ایک ایسے فرشتے  
کو دیکھا جس کے ہاتھ میں نورانی تلوار تھی اور وہ اس کے ساتھ اسی طرح کھیل رہا تھا۔ جس طرح حضرت امیرؑ جنگ میں  
ذوالفقار کے ساتھ کھیل کر رہے تھے۔ جب بھی فرشتے حضرت امیرؑ کی زیارت کے مشتاق ہوتے تو اس فرشتے کے چہرہ پر  
نظر کر لیتے۔ میں نے عرض کیا۔ یا اہلنا! یہ میرا بھائی علی بن ابی طالب ہے۔ خدائے تعالیٰ نے آواز دی کہ یہ ایک فرشتہ  
ہے جسے میں نے حضرت علیؑ کی شکل و صورت پر خلق کیا ہے۔ جو عرش میں میری عبادت کرتا ہے اور اس کی تسبیح  
و تقدیس کا ثواب حضرت امیرؑ کے نامہ اعمال میں لکھا جاتا ہے اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا (حیات القلوب



ج ۲ ص ۳۲ بحارج ۶ ص ۲۹۹ جواہر سنۃ ص ۱۹۷

(۳) شیخ طوسی بسند معتبر از حضرت صادق علیہ السلام روایت کر لاء است کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ با حضرت امیر المؤمنین ع صلوات اللہ علیہ گفت۔ یا علی! بد رستیکہ حق تعالیٰ ترا حاضر گردایند بامن در ہفت موطن تا انس یا نعم تو۔ اول در شبے کہ مرا با سماء بردند۔ جبرئیل گفت یا محمد! کجا ست براور تو علی گفتم اور اور زمین گذاشتم گفت دعا کن تا خدا اورا بیاورد از برائے تو چون دعا کردم شال ترا با خود دیدم۔ مرتب دوم مرا بر عرش بردند جبرئیل گفت یا محمد! برادر تو کجا ست گفتم در زمین گذاشتم۔ گفت خدا را انجان کہ تا اورا بنزد تو آورد دعا کردم شال ترا نزد خود دیدم۔ پنجم در حق تعالی در مقام اعلیٰ مناجات کردم شال تر بامن بودے۔ ششم چون بیت المعمور کا طواف کردم شال تر بامن بود و چون پیغمبران بامن نماز کردند شال تو عقب من برد (حیات القلوب ج ۲ ص ۲۱ کذافی تفسیر البرکان ج ۲ ص ۲۴ د تفسیر الصافی ص ۴۸ و سادس البہار ص ۱۱۱) عربی عبارت اس طرح ہے (فقال لی جبرئیل این اخوکم نقلت خلفتہ ورائی قال ادع اللہ فلیاتک فذ عوت اللہ فاذا امشلت معی۔ الخ) یعنی جبکہ شیخ طوسی بسند معتبر جناب صادق آل محمد علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت امیر علیہ السلام سے فرمایا۔ یا علی! خدا نے تجھے سات مقامات پر میرے پاس حاضر کیا تاکہ میں آپ سے مانوس ہوں۔

اول۔ جس شب مجھے آسمان پر لے جایا گیا تو جبرئیل نے مجھ سے کہا یا محمد! آپ کے بھائی علی کہاں ہیں۔ میں نے کہا۔ میں ان کو زمین میں چھوڑ کر آیا ہوں۔ جبرئیل نے کہا۔ دعا کیجیے تاکہ خدا ان کو لائے۔ پس جب میں نے دعا کی۔ تو تمہاری شال میرے پاس موجود تھی۔

دوم۔ جب مجھے عرش پر لے گئے تو وہاں پہرہ سی سوال و جواب ہوا۔ میں نے دعا کی تو میں نے تمہاری شال کو اپنے پاس دیکھا۔

پنجم۔ جب ملا اعلیٰ میں خدا کے سامعہ مناجات ہوئی۔ تو اس وقت بھی تمہاری شال میرے ہمراہ تھی۔ ششم۔ جب میں نے بیت المعمور کا طواف کیا تو تمہاری شال میرے سامعہ تھی اور جب پیغمبروں نے مسیہی اقتداء میں نماز پڑھی تو اس وقت بھی تمہاری شال میرے پیچھے موجود تھی! (تلمک عشرہ کاملہ) اس سے بڑھ کر اس امر کی کس طرح وضاحت کی جاسکتی ہے کہ شب حراج حضرت امیر علیہ السلام بنفس نفیس معراج پر تشریف نہیں لے گئے بلکہ صرف ان کی شال عالم بالا میں موجود تھی اور خود آپ بطور حجت خدا زمین پر جلوہ افروز تھے۔ دھواں مقصود و قتل حصل بعون اللہ الودود۔

انتباہ و ازالہ اشتباہ | معلوم ہوا ہے کہ بعض نام نہاد مبلغین ان شال والی روایات کا تسخر اڑاتے ہوئے کہتے پھرتے ہیں کہ کیا خدا نے وہاں تصویر کشی کا کام شروع کر رکھا تھا یا اس نے ٹیلڈ ریڈن لگا رکھا تھا



کہ اس حضرت جناب امیر کی مثال و تشبیہ دیکھتے رہے

اولاً۔ تو اس قسم کے خیالات فاسدہ کا اظہار و حقیقت آئمہ اظہار کے ساتھ تسخروا اشتہراد ہے جن کے مستند ارشادات کی روشنی میں یہ امر ثابت ہے کہ بن بریں یہ طریقہ مکمل سراسر باعث کفر یا کم از کم موجب سلب ایمان یا کاشف از عدم ایمان ہے۔ اعاذنا اللہ و جمیع اہل الایمان من مثل هذا الھن بیان۔

ثانیاً۔ ان حضرات کو معلوم ہونا چاہیے کہ ذی روح کی تصویر جن علمائے کرام کے نزدیک حرام ہے۔ ان کے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ اس طرح خالق کائنات کے ساتھ خلق کرنے میں مشابہت لازم آتی ہے لہذا مخلوق کے لیے ایسا کرنا جائز نہیں ہے لیکن اگر خالق خود اپنی کسوفی روح مخلوق کی تشبیہ بنا ڈالے تو اس میں ہرگز کوئی عقلی یا شرعی ایراد وارد نہیں ہو سکتا۔ لایسئل عما یفعل و ھم یسئلون۔

پس جب ایسا ہونا عقلاً ممکن ہے اور مغربین صاف دیکھ گئے (جیسا کہ ان کے اخبار معتبرہ سے واضح ہوتا ہے) اس کے واقع ہونے کی خبر دی ہے تو پھر ایک متدین اور فہیم انسان کو اس کے تسلیم کرنے میں کیا امر مانع ہو سکتا ہے؟

اب ہم ذیل میں حسب دستور بعض علماء اعلام کے تحقیقات عالیہ متعلقہ مسئلہ اتفاق علماء کالمین کی روشنی میں پیش کرتے ہیں تاکہ من گلی الوجہ یہ مسئلہ منقطع اور حقیقت

واضح ہو جائے کہ جناب امیر علیہ السلام کے مجدد عفری معراج پر تشریف نہ لے جانے پر تمام علمائے شیعہ کا اتفاق ہے اور یہ کہ واقعہ معراج جناب رسول خدا کے خصائص میں سے ہے جس میں اور کوئی اُن کے ساتھ شریک نہیں ہے۔ مخفی نہ رہے کہ وہ علماء اعلام جن سے ہم اس سلسلہ میں تائید حاصل کر سکتے ہیں۔ ان میں سے بعض کی تائید مہنومی و سکوتی ہے اور بعض کی "منطوقی" یعنی بعض کے کلام سے اس طرح تائید ہوتی ہے کہ انہوں نے واقعہ معراج کو بالتمام اپنی اپنی کتب تفاسیر و احادیث میں درج کیا ہے مگر اس میں حضرت امیر علیہ السلام کے معراج پر تشریف لے جانے کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے نزدیک اس قصہ کی کوئی اصلیت نہیں ہے اور بعض نے بالتقریب اس بے سرو پا قلعہ کا ذکر کر کے اس کی تردید کر دی ہے۔ قسم اول میں بھی بہت سے علمائے اعلام آجاتے ہیں۔ جیسے حضرت شیخ مفید، حضرت شیخ طوسی، حضرت شیخ طبرسی، حضرت سید مرتضیٰ علم الہدے و اشاہم رضوان اللہ علیہم اجمعین اور دوسری قسم کے اعلام کی ہرست بھی خاصی طویل ہے۔ ہم یہاں صرف بعض حضرات کے اسمائے گرامی مع اُن کے کلام حقیقت ترجمان کے پیش کرتے ہیں۔

۱۔ علامہ شیخ ابوالفتح کراچکیؒ اپنی کتاب کنز العوائد ص ۲۵۵ طبع ایران پر لکھتے ہیں۔ لان امیرالمومنین علیہ السلام کان فی ذلک الوقت بمکة فی الادمن ولم یدع قط ولا ادعی له احد انہ صعد الی السماء۔ "یعنی بجا امیر المومنین اس (معراج کے) وقت مکہ میں تشریف فرما تھے۔ نہ خود آنجناب نے اور نہ ہی کسی اور شخص نے اُن کے متعلق یہ دعویٰ کیا ہے۔ کہ وہ آسمان پر تشریف لے گئے تھے" اس عالم خیر کے کلام حقیقت ترجمان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُن کے دور تک یہ مسئلہ



اتفاق تھا۔ یہ اختلاف بعد کے خاص حالات کی پیداوار ہے۔ پھر ص ۲۵۹ پر یہ لکھا ہے و قد جاء في الحديث ان رسول الله ﷺ راى في السماء ساجداً جبهه ملوكا على صورة امير المؤمنين صلوات الله عليه وسلامه وهذا اخبر قد اتفق اصحاب الحديث على نقله یعنی حدیث شریف میں وارد ہے کہ آنحضرتؐ نے شبِ معراج ایک فرشتے کو حضرت امیر المؤمنینؑ کی صورت میں دیکھا۔ اس روایت کے نقل کرنے پر تمام اربابِ حدیث متفق ہیں۔

(۲) جناب ابن ابی جہر احسانی اپنی کتاب المجلی ص ۱۴ طبع ایران پر حضرت امیر المؤمنینؑ کے کمالاتِ صوری و معنوی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "واما الارتقاء الى العلويات فمعلوم مما ذكرناه فانه عليه السلام صاحب المعراج المعنوی کہا کان رسول الله صلى الله عليه وآله صاحب المعراج الصوري ولهذا قال رسول الله صلى الله عليه وآله ما بلغت شيئاً ليلة المعراج ولا رايته الا بلغت على بن ابی طالب دراءاً وهو في الارض لان الله فتح قلبه وبصره ابواب خلائق سمواته وارضه" یعنی جناب امیر علیہ السلام کا ملکوتِ علویہ کی طرف بلند ہونا ہمارے مذکورہ بالا بیان سے ظاہر ہے کیونکہ اُن جناب صاحبِ معراج معنوی ہیں۔ جیسا کہ آنحضرتؐ صاحبِ معراج صوری تھے۔ اسی لیے آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ شبِ معراج مجھے جو کچھ احکام وغیرہ پہنچائے گئے اور میں نے جو کچھ دیا دیکھا وہی کچھ حضرت علی علیہ السلام نے بھی دیکھا۔ حالانکہ وہ اس وقت زمین پر موجود تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ خدا نے اُن جناب کے قلب و بصر کے سامنے اپنے زمین و آسمان کے خزانوں کے دروازے کھول دیئے تھے۔ نیز جناب موصوف نے اسی صغیر پر مذکورہ بالا عبارت سے قبل عالمِ بالا میں ایک فرشتے کے بشکل امیر المؤمنینؑ موجود ہونے والی روایت درج کی ہے۔ فراجع

(۳) عالم ربانی مولانا مآثر محسن فیض کاشانی نے اپنی کتاب علم الیقین فی اصول الدین کے ص ۱۱۰ پر اصول کافی کے حوالہ سے ایک طویل الذیل روایت حضرت امام جعفر صادقؑ سے نقل فرمائی ہے جس میں مذکور ہے کہ جب آنحضرتؐ آسمانِ اقل پر پہنچے تو اجتمع الملائكة فسلمت علی النبیؐ انواجاً وقالت یا حمداً کیف اخرجک۔ اذا نزلت فامراک السلام قال النبیؐ انتعز فوضه قالوا کیف لا لغرفه وقد اخذ میثاقله و میثاقله منا الا۔ یعنی ملائکہ نے جمع ہو کر گروہ درگروہ اُن حضرت پر سلام کیا اور عرض کیا یا حمداً! آپ کے بھائی (حضرت علیؑ) کیسے تھے؟ جب آپ واپس تشریف لے جائیں تو ان کو ہمارے سلام پہنچا دیں۔ حضرت رسولؐ خدا سے فرمایا کیا تم انہیں پہچانتے ہو؟ فرشتوں نے عرض کی بھلا ہم کیونکر انہیں نہ پہچانیں۔ حالانکہ ہم سے آپ (کی نبوت) اور ان (کی ولایت) کا عہد و پیمان لیا گیا ہے۔ آنحضرتؐ فرماتے ہیں کہ جب میں دوسرے آسمان پر پہنچا تو آسمانِ دوم کے فرشتوں نے مجھے ہو کر مجھ پر سلام کیا دسواں فی عن اخی فقلت هو فی الارض انتعز فوضه قالوا کیف الخ اور میرے بھائی کے متعلق دریافت کیا۔ میں نے کہا سب وہ زمین میں ہیں۔ کیا تم ان کو پہچانتے ہو؟ فرشتوں نے کہا بھلا کیونکر ہم ان کو نہ پہچانیں۔ الخ اسی کتاب کے ص ۱۱۱ پر



سیدہ مواعظ میں آنجناب کی مثال کے حاضر ہونے والی روایت درج کی ہے اور آخر میں ص ۱۱۱ سطر اول پر اس سے نتیجہ یہ اخذ کیا ہے و هذا الحديث كما ترى يدل على ان الاسراء كان موتين موافقا لما ذكره بعض العامة وان مثال مولانا ابي المومنين كان معه في جميع الوقائع۔ یعنی اس حدیث سے متضاد ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ دوسرے معراج پر تشریف لے گئے اور یہ کہ ان تمام واقعات میں حضرت امیرؑ کی مثال مبارک آپ کے ہمراہ تھی۔

(۴) سرکار علامہ مجلس علیہ الرحمہ کی حیاۃ القلوب جلد دوم اور بحار الانوار جلد ششم سے متعدد احادیث مطور بالا میں نقل کی جا چکی ہیں۔ انہوں نے چونکہ متعدد روایات معتبرہ ایسی درج کی ہیں جن سے حضرت امیرؑ کے معراج پر تشریف لے جانے کی کھلم کھلا تردید ہوتی ہے اور پھر اس بزرگوار نے ان روایات کی تردید کی ہے اور ان کے خلاف کوئی معتبر روایت نقل کی ہے۔ اس سے روز بروز روشن کی طرح واضح و آشکار ہے کہ ان کا نظریہ وہی ہے جو ان روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ لا یغنی۔ اس سے معنی واضح ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے معراج ۶ ص ۶ پر معراج کو آنحضرتؐ کے خصائص خاصہ سے شمار کیا ہے۔ (۵) محدث جلیل مولانا سید نعمت اللہ جزائری نے اپنی کتاب انوار النعمانیہ ص ۱۲ پر وہ حدیث شریف درج کرنے کے بعد جسے ہم نے مطور بالا میں ص ۳ پر درج کیا ہے تحریر فرماتے ہیں۔ "اقول هذا الحديث يدل على ان عليا تعدج الى هلكوت السماء وهو جالس في بيتي" یعنی یہ کہتا ہوں کہ یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت علیؑ کو گھر بیٹھے ہوئے (معنوی) معراج ہوئی تھی۔

(۶) سید العلماء سید حمین ابن سرکار غفر انساب لکھنؤی اپنی کتاب حلیۃ سلطانیہ حصہ ثانیہ ص ۲۹۲ طبع لکھنؤ رقمطراز ہیں۔ ہمیں استحال روایات کہ درمیانہ عوام مشہور است و دلالت بر معراج حضرت امیر علیہ السلام و وجود آنحضرتؐ در آسمان قبل وصول جناب رسالت مآب باں و برد و دستے از پردہ غیب کہ دست آن حضرتؐ بود از گنیم غیب حجب و ماسک کل ذلک مما يدل على الغلو والتشبيه پس ہر خارج است از طریقہ اقتصاد و تنزیہ الخ یعنی یہی کیفیت ہے ان تمام روایات کی جو عوام الناس میں مشہور ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت امیر علیہ السلام بھی معراج پر تشریف لے گئے تھے اور پردہ غیب سے آپ کا دست مبارک نکلا تھا۔ اس قسم کی سب روایات جو غلو یا تشبیہ پر دلالت کرتی ہیں درمیانہ روی اور تنزیہ باری تعالیٰ کے طریقہ سے خارج ہیں۔ (لہذا ناقابل قبول ہیں) ص ۲۹۲ پر مثال مبارک والی بعض روایات درج کی ہیں۔ فراہج

(۷) عالم مجاہد جناب السید محمد مہدی القزوینی اپنی کتاب ہدی النصفین ج ۱ ص ۲۹۱ طبع نجف اشرف پر کلمہ شریفی کے اس نظریہ کی کہ حضرت علیؑ معراج پر پیغمبر اسلام کے ہمراہ تھے۔ تردید کرتے ہوئے اس پر تمام فرقہ شیعہ کے اجماع کا دعویٰ فرماتے ہیں۔ ان کی اصل عبارت یہ ہے "ہفتم گفتن این مرد بانیگہ در ہر مقامی کہ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم در حدیث عروج رسید علی علیہ السلام در آن مقام بود۔ قبل ازاں سرور در غیبت بے شبہ و مخالف است با مجمع علیہ



میان شیعہ اثنا عشریہ چونکہ ہمہ متفقند برائیکہ حضرت خاتم عروج فرمود و حضرت امیر عروج نہ فرمود بسوئے آسمانہا و اخبار  
صیر اہل بیت علیہم السلام و لیکن برائیں مطلب از انہا خبر ایست در ششم ہمار نقل شدہ از عیدون و سندش صحیح است از حضرت  
صادق علیہ السلام یعنی اس مرد (سید کاظم رشتی) کا یہ کہنا کہ شب معراج جہاں بھی حضرت رسول خدا تشریف لے گئے۔ وہاں ان  
سے پہلے حضرت امیر موجود تھے۔ بلاشبہ یہ دروغ بے فروغ اور فرقہ شیعہ امامیت کے اجمالی نظریہ کے مخالف ہے کیونکہ ان  
کا اتفاق ہے کہ معراج صرف خاتم الانبیاء کو ہوئی ہے نہ خاتم الادھیاء کو اور اس دعویٰ پر اہل بیت علیہم السلام کی اخبار  
مسمیہ دلیل ہیں۔ منجند ان کے ایک وہ صحیح السند روایت ہے جو ششم ہمار ۴۹۹ میں بحوالہ عیدون الاخبار حضرت صادق  
علیہ السلام سے مروی ہے (بعد ازاں وہی روایت درج کی ہے جس کا ہم بقدر ضرورت ایک شہ ابھی اوپر مرحوم تلامذہ فیض کی  
علم الیقین سے نقل کر چکے ہیں۔ فراجع) اس عالم جلیل کی فرمائش سے واضح و آشکار ہے کہ تمام شیعہ کا اس عقیدہ پر اتفاق ہے۔  
ان البتہ فرقہ شیعہ جو کہ "مفرضہ" ہیں وہ مخالف ہیں۔ (ولاکن لایعبأ باختلافہم لانہم لیسوا من الشیعۃ کما لا  
یمغنی علی احد من البریۃ) عن شاعر فلیؤ من و من شاعر فلیکفر۔

(۱۸) جناب علامہ سید علی الحائری اپنی تفسیر فی تفسیر لوامع التنزیل ج ۵ ص ۳۶ پر چند نظریات فاسدہ جیسے حضرت علی کا  
معراج پر تشریف لے جانا، پردہ غیب سے ہاتھ کا نمودار ہونا، آنحضرت کے راستے میں شیر کا سدرا ہونا اور آنحضرت کا  
اسے اپنی انگشتری عطا کرنا اور پس پردہ حضرت علی کا موجود ہونا وغیرہ وغیرہ ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔  
"چنین اعتقادات وداشتن کفر و باطل است حضرات آئمہ اطہار از چنین حکایات مومنہ تبرا جبہ انداصل آلت  
کہ ایں ہمہ مغتریات فرقہ غالبہ و مفرضہ است و بعضی جہال شعراء در مجالس بیان می کنند۔ خواندن و شنیدن و بدان اعتقاد  
داشتن گفراست چہ ایں ہمہ واقعات در اصل بے اصل اند" یعنی اس قسم کا اعتقاد رکھنا کفر و باطل ہے۔ آئمہ اہل بیت  
علیہم السلام نے ایسی مومنہ و مکذوب حکایات سے اپنی بیزار ہی ظاہر فرمائی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اس قسم کی حکایات تمام تر  
فرقہ غالبہ و مفرضہ کی افزا پر وازیں کا نتیجہ ہیں۔ جنہیں بعض جاہل شعراء بھی مجالس میں پڑھ دیتے ہیں۔ ایسے واقعات کا پڑھنا اور  
سننا کفر ہے کیونکہ دراصل یہ تمام واقعات بالکل بے اصل ہیں۔ نیز اسی جلد کے صفحہ ۳۲ پر فرماتے ہیں۔ "اجماع اہل بیت عصمت  
و طہارت علیہم السلام حاصل است و اتفاق ملاقات شیعہ قائم است برائیکہ ہرچہ امامی را در بیچ وقتے بیکہ احدے از انبیاء  
را ہرچہ پیغمبر آخر الزمان مسلم معراج حاصل نہ شد۔ الخ" یعنی اس امر پر اہل بیت عصمت و طہارت کا اجماع اور تمام علماء شیعہ  
کا اتفاق ہے کہ آئمہ اطہار میں سے کسی بھی امام کو کسی وقت بیکہ سوائے ختمی مرتبت کے کسی دوسرے نبی کو بھی آنحضرت کی طرح  
کبھی معراج حاصل نہیں ہوئی۔ "چند سطور کے بعد پھر لکھتے ہیں۔ "زیرا کہ احدے معراج رفتن جناب امیر المؤمنین را ذکر نہ فرمودہ  
است در قرآن و حدیث ایما کردہ نہ شدہ است۔" یعنی جناب امیر المؤمنین کے معراج پر تشریف لے جانے کا کسی (عالم دین)  
نے تذکرہ نہیں کیا اور قرآن و حدیث میں اس کی طرف کوئی اشارہ ہمک نہیں ملتا۔ تاہم تفریح چہ رسد۔ اس کے بعد نورانی مثال



والی بعض روایات درج کرنے کے بعد اسی جلد کے حصہ ۲ پر آخر میں بطور نتیجہ کلام تحریر فرماتے ہیں "اقول نیست حقیقت واقعہ صمیم کہ رسول اتقلین معلوم شبہ نور علی را بر آسمان معائنہ فرمود ورنہ علی بن ابی طالب در آن شب معراج تا مراجعت جناب نبوی معلوم حجت برودے زمین بود چہ ممکن نیست کہ زمین یک لمحہ بے حجت باقی بماند ورنہ بالہش غرق و ہلاک گردد" یعنی صحیح ضرورت حال یہ ہے کہ آنحضرت نے شب معراج امیر کی شبیہ مبارک دیکھی تھی ورنہ خود حضرت علیؑ تو آنحضرت کی مراجعت تک زمین پر حجت خدا تھے کیونکہ یہ ممکن ہی نہیں کہ زمین حجت خدا کے بغیر ایک لمحہ باقی رہ سکے۔ اگر ایسا ہو تو زمین اپنے اہل سمیت غرق ہو جائے۔"

(۹) اردو کے مشہور مفسر قرآن جناب مولانا غلام علی اپنی تفسیر عمدۃ البیان ج ۲ ص ۲۵۵ میں یسعی دہلی پر لکھتے ہیں۔  
 "اور یہ جو بعض روایت میں آیا ہے کہ حضرت علیؑ بھی معراج میں شریک تھے اور اہل بیت پر دے سے باہر نکالا اور کھیر کھائی۔ اور شریک منہ میں رسول خداؐ نے اپنی انگشتی دی اور زمین پر آئے تو وہ انگشتی علیؑ کے پاس دیکھی اور یہ سب غیر معتبر ہے اور اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے لیکن جو کچھ رسول خداؐ نے آسمانوں پر دیکھا وہ حضرت علیؑ نے زمین پر دیکھا کہ جناب مابین سے اٹھ گیا تھا۔ چنانچہ امامی میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ فرمایا میں نے رسول خداؐ سے سنا ہے۔ فرماتے تھے کہ خدا نے پانچ چیزیں مجھ کو دی ہیں اور پانچ چیزیں علیؑ کو بخشی ہیں۔ الخ"

(۱۰) جناب آقا شیخ عباس علی خراسانی اپنی کتاب ضیاء العین فی التوصل باقلیہ کے حصہ ۲ ص ۵۵ تک مفصل واقعہ معراج لکھنے کے بعد خلاصہ بحث ان الفاظ میں درج کرتے ہیں: "مؤلف گویا کہ معلوم شد از احادیث معراج و مفصل قبل کہ سچ منقول ہے یا بر بساط قرب قاب توسین غیر از اشرف کائنات و خلاصہ موجودات و باعث زندگی ہر ذی حیات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ و آلہٖ و سلم" الخ  
 "یعنی معراج کی احادیث نیز سابقہ فصول سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ آنحضرت کے سوا اور کسی بھی مخلوق نے قاب توسین کے مقام پر قدم نہیں رکھا۔"

(۱۱) جناب مولانا الشیخ اعجاز الحسن بدایونی اپنے رسالہ شمس الاعتقاد (ص ۲۱۲) میں تحریر فرماتے ہیں: "نبوت خاتمہ کا ساتراں کمال حضور سید عالم کی معراج جسمانی ہے۔ جس کا پایہ اتنا بلند ہے کہ آنحضرت کے سوا وہاں تک کسی مخلوق کی رسائی نہیں ہوئی اور نہ آئندہ ہوگی۔ معراج مع اس کے لوازم و خصائص کے صرف جناب ختمی مرتبت کو خدا نے عطا فرمائی تھی۔ یہ رتبہ معصومہ درگاہ الہی سے آن جناب کے سوا کسی کو حاصل ہوا اور نہ آئندہ ہوگا۔ رسول اللہ کو جس حسن کی اور جس مدد ملک لعل جمالی ہوئی تھی۔ اس کا آنحضرت سے معصوم ہونا اسلام میں بدیہی ہے جس کا شکر اسلام سے خارج ہے۔ حضرات ائمہ معصومین کے لیے ایسی معراج کا معتقد ہونا بے دینی ہے لہذا کمالات ختم نبوت سے ان حضرات کا اعتقاد بے معنی ہے۔"

(۱۲) قاضی محترم مولانا محمد آصف حسنی صراط الحق ص ۱۵ ج ۲ پر آنحضرت کے خصائص لکھتے ہوئے خاصہ ۱۱ پر لکھتے ہیں "محل جہ بتلک الخصوصیات" یعنی منجملہ آپ کے خصائص کے ایک معراج بھی ہے۔"



ان حقائق و دقائق کے پیش نظر یہ حقیقت بالکل روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہو گئی ہے کہ حضرت امیر المومنین کے معراج پر تشریف لے جانے والا نظریہ بالکل غلط اور بے دلیل ہے بلکہ ایک انسان سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا اور جہاں یہ واقعہ قرآن و حدیث سے ثابت نہیں۔ وہاں اتفاق شیعہ خیر البرہ کے بھی خلاف ہے۔ ہاں البتہ یہ مفسرین قرآن و غالیہ و مغضوبہ میں سے ہے۔ اعاذنا اللہ وجميع المومنین من شرورهم۔

**متعلقہ مسئلہ عقل سلیم کی روشنی میں** | ارباب علم و بصیرت جانتے ہیں کہ خلاق عالم نے موجودہ عالم کو ایسے خاص نظام و پہنچ پر بنایا ہے کہ اس کی ہر ہر چیز عقل و اسباب کی آہنی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہے۔ ہاں یہ ادب بات ہے کہ بعض اوقات یہ سلسلہ علل و اسباب تمام امور مادیہ پر مشتمل ہوتا ہے۔ اور بعض اوقات اس کی بعض کڑیاں غیر مادی ہوتی ہیں۔ اسی قانون کے تحت خدائے حکیم نے اس عالم کی بقا اور بالخصوص نظام ارضی کے دوام کو اپنی حجت (نبی و امام) کے وجود کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے جو کہ علت غائی ممکنات ہیں۔ اگر ایک لمحہ کے لیے بھی حجت خدا سے زمین خالی ہو جائے تو تمام نظام درہم برہم ہو کر رہ جائے اور دنیا و مافیہا ہلاک و برباد ہو جائے۔ اصول کافی میں ایک کمال باب اس عنوان کا ہے۔ "الارض لا تخلو من حجة الله۔ یعنی کبھی زمین حجت خدا سے خالی نہیں رہتی اور اس باب میں اس مضمون کی متعدد روایات موجود ہیں کہ لولا الامام لساخت الارض باھلہا۔ اگر حجت خدا موجود نہ ہو تو زمین اپنے اہل سمیت پانی میں محض جائے (از حسن الفاظ بالا اختصار ص ۴۴)

بنابرین شب معراج جناب امیر المومنین کا زمین پر موجود رہنا ضروری ہے۔ تاکہ زمین حجت خدا سے خالی نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ اس وقت حجت خدا یا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم یا حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کیونکہ حسین شریفین کی تو بہنو ز ولادت ہی نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے کہ معراج بالا اتفاق قبل از ہجرت واقع ہوئی ہے۔ چنانچہ سرکار علامہ مجلسی فرماتے ہیں۔ "بدانکہ اتفاق است کہ معراج پیش از ہجرت واقع شدہ" (حیات القلوب ج ۲ ص ۲۸۷) اور شہزادگان کربلا کی ولادت چند سال بعد از ہجرت ہوئی ہیں۔ لہذا ضروری تھا کہ جب ایک حجت خدا اکرمہ ارضی سے باہر تشریف لے جائے تو دوسری حجت خدا عظیمہ ارضی میں موجود ہو نیز جب سابقہ بیانات میں یہ حقیقت واضح کی جا چکی ہے کہ معراج جناب رسول خدا کے خصائص میں سے ہے۔ تو عقلی مسئلہ ہے کہ خاصۃ الشیء مایہ وجد نیہ۔ ولا یوجد فی غیریہ۔ یعنی کسی چیز کا خاصہ وہ ہوتا ہے جو اس چیز کے علاوہ جس کا خاصہ ہے کسی اور میں نہ پایا جائے۔

بنابرین عقلاً لازم ہے کہ آنحضرت کے علاوہ کسی اور ذات کی معراج کا عندیہ قائم نہ کیا جائے ورنہ یہ آنحضرت کا خاصہ نہیں رہے گا۔ و ہذا خلف ؟

**شب معراج عبد و معبود میں جو گفتگو ہوئی وہ حضرت امیر کے لہجہ میں تھی** | فریقین کے بعض احادیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ



شب معراج عبد و معبود کے درمیان جو خاص گفتگو ہوئی وہ حضرت امیر المومنینؑ کے لب و لہجہ میں تھی۔ چنانچہ بحار الانوار، ج ۴، بحوالہ مناقب خوارزمی عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ ان حضرت سے دریافت کیا گیا۔ ہای بلغۃ مخاطبتک و یک لبیلۃ المعراج؟ شب معراج خداوند عالم نے کس لہجہ میں آپ سے خطاب فرمایا؟ قال بلغۃ علی بن ابی طالبؑ فرمایا حضرت علی بن ابی طالب کے لہجہ میں۔ اور اس کی وجہ اس حدیث میں یہ بیان کی گئی ہے کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا اطلعت علی سر ائمتہ فقلت فلما جد الی قلبک احب من علی بن ابی طالبؑ فمخاطبتک بلسانہ کیما یطمئن قلبک۔ اے حبیب! میں نے تیرے دل کی گہرائیوں پر نظر کی۔ اور جب حضرت علیؑ سے بڑھ کر کسی اور کو تیرا محبوب نہ پایا۔ تو میں نے ان کے لہجہ میں تجھ سے خطاب کیا۔ تاکہ تیرا دل مطمئن رہے۔ (کذا فی علم الیقین ص ۱۸۸ نقلاً عن کشف الغمہ۔ وکذا فی التفسیر الصافی ص ۲۵۵)

**بعض شکوک و اہام کا ازالہ** | حسب سابق اس بحث کے آخر میں بھی دوسرے فریق کے جملہ شکوک و شبہات کا ازالہ کیا جاتا ہے تاکہ اس موضوع کا کوئی بھی پہلو تشویش تکمیل نہ رہ جائے۔ اور پوری طرح حق و حقیقت واضح و آشکار ہو جائے۔

**پہلا شبہ اور اس کا جواب** | بعض روایات میں وارد ہے۔ (جیسا کہ اوپر ذکر ہے) کہ شب معراج حبیب و محبوب کے درمیان جو گفتگو ہوئی وہ حضرت امیر علیہ السلام کے لہجہ میں ہوئی۔ اس نے ثابت ہوتا ہے کہ خود ان جناب بھی وہاں ضرور تشریف فرما ہوں گے کیونکہ کلام کے لئے منہ کی ضرورت ہے۔ اور منہ کے لئے سر اور سر کے لئے دھڑ علیٰ ہذا القیاس۔ اور چونکہ خدا تو جسم رکھتا نہیں لہذا جناب امیر علیہ السلام کا وہاں وجود ماننا چاہیے گا۔ بعض خطابت ہے۔ جسے حقیقت سے دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں۔ اور فی الحقیقت یہ خیال باطل و زعم فاسد خدا کے مشکلم ہونے کے صحیح مفہوم کے نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ ورنہ معمولی نقل و خود اور ادنیٰ دینی بصیرت رکھنے والے افراد بھی جانتے ہیں۔ کہ خدا کے مشکلم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ جس چیز میں چاہے حروف اور آواز (جن سے کلام بنتی ہے) پیدا کر دیتا ہے اور اسے یہ بھی اختیار ہے کہ اس کلام میں جو لہجہ چاہے خلق فرما دے۔ اندہ علیٰ کلی شئی قدیر۔

علاوہ بریں یہ بات بھی محتاج بیان نہیں کہ لب و لہجہ کی نقل و حکایت سے یہ کسی طرح لگتی نہیں آتا ہے کہ وہ اصل شخص بھی وہاں موجود ہو۔ کسی کے لہجہ کی نقل اتارنا اور ہے۔ اور اس شخص کا وہاں جو چیزیں دیکھیں۔ ان کے درمیان کوئی باہمی ربط ہی نہیں۔

**دوسرا شبہ اور اس کا جواب** | انس بن مالک دالی روایت ہے الشیخی امام اللہ قال اخبرنا ابو الفکر ہلال بن محمد بن جعفر الحفاری قال ابنا لہجہ ابی قال حدثنا ابو عثمان سعد بن عبد اللہ بن عجب الانباری قال حدثنا خلف بن دہرست قال حدثنا ابو القاسم بن ہارون



قال حدثنا سهل بن سفيان عن همام عن قتادة عن انس قال قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم لما عرج بي الى السماء ورفعت من ربي عز وجل حتى كان بعني وبينه قاب قوسين او ادنى فقال يا محمد من تحتك من الخلق قلت يا رب عليا قال التقت يا محمد فالتفت عن يساري فاذا علي بن ابي طالب عليه السلام يرتقي ربه ان شاء الله كذا في البحار ج ۱ صفحہ ۱۷۱ یعنی جناب شیخ طوسی مذکورہ بالا سند کے ساتھ اپنی امالی میں انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا جب میں معراج پر گیا۔ تو اپنے پروردگار کے دروازہ کے دروازہ کے پاس پہنچا کہ وہاں اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔ اس وقت خدا نے ارشاد فرمایا۔ یا محمد! تم کس سے محبت کرتے ہو؟ عرض کیا علیؑ سے۔ ارشاد فرمایا یا محمد! مرکز دیکھو جو نبی میں نے اپنے بائیں طرف مرکز دیکھا تو ناگاہ حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ موجود تھے۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مقام قاب قوسین پر حضرت امیرؑ موجود تھے۔ اس روایت کے ساتھ تسک کرنا بچند وجہ صحیح نہیں ہے

وجہ اول۔ یہ خبر واحد ہے اور ہم اسی کتاب کے دیباچہ میں ثابت کر آئے ہیں کہ عقائد کے سلسلہ میں اخبار اعداد پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

وجہ دوم۔ سبب اصول عقائد میں صحیح السند خبر واحد بھی حجت نہیں ہے تو پھر ضعیف روایت تو بطریق اولیٰ ناقابل اعتبار ہوگی جیسا کہ یہ روایت ہے۔ کیونکہ اس کے سلسلہ سند کے کچھ راوی غیر امامی کچھ مجهول الحال ہیں اور کچھ بالکل نامصوب ہیں۔ جیسے اس سلسلہ کی انوی کڑی (انس) جس نے جو تھے مرتبہ پچھلی کی حدیث نہیں کہتی۔ نیز بروایت مشاہدہ حضرت علیؑ کے مطالبہ کے باوجود حدیث غدیر کی شہادت دینے سے انکار کر دیا تھا۔ اور جناب امیرؑ کی دعائے بدر کے سبب دوس ہو گیا تھا۔ (شرح ابی النور - ح ۱) لہذا ایسی روایت تو فردی دین میں بھی شرعی حجت نہیں۔ چہ جائیکہ اصول عقائد میں اس پر اعتماد کیا جائے۔

وجہ سوم۔ بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ جب مخالف اہل بیتؑ اس فضیلت کا اعتراف کر رہے ہیں تو پھر کیوں نہ اس روایت کو قبول کیا جائے؟ یہ خیال بالکل غلط ہے۔ معصومینؑ نے مخالفین سے ایسی روایت فضائل قبول کرنے کی بھی مانگت فرمائی ہے جن کی تائید احادیث اہل بیتؑ سے نہ ہوتی ہو۔ ملاحظہ ہو بحار الانوار جلد ۱۱ صفحہ ۱۷۱ باب النہی عن اخذ فضائلہم عن صحابہ الفیہ۔ و رہا کشتی حنیہ وغیرہ۔ ہم سطور بالا میں یہ ثابت کر چکے ہیں کہ اخبار اہل بیتؑ اس واقعہ کی نفی پر دلالت کرتے ہیں۔ بعد ازیں کیوں کر اس بے سرو پا روایت کو قبول کیا جاسکتا ہے۔ اگر اس نظریہ فاسد کے قائلین میں جرأت ہے تو ائمہ دو زندہ گانہ میں سے کسی ایک امام عالی مقام کا مستند اور مزین الدلائل فرمان پیش کریں۔ اور منہ مانگا انعام حاصل کریں۔ اور ہمیں اپنا ہم خیال بھی بنائیں۔

وجہ چہارم۔ مذکورہ بالا امور سے قطع نظر کہتے ہوئے اگر بالضرر اس روایت کو مذکورہ بالا روایات ائمہ کے ساتھ بالکل متعارض بھی سمجھ لیا جائے تو بنا بر اصول تعداد و ترجیح انہی روایات کو مقدم سمجھا جائے گا کہ کیونکہ سند شہرت روایتی کے اعتبار سے وہ زیادہ مشہور و مستند اور تعداد کے لحاظ سے کثیر التعداد ہیں۔ اور ہمارے اصول مسئلہ میں سے ہے جو کہ ائمہ اہل بیتؑ سے ماخوذ ہیں کہ عند التعارض ترجیح انہی روایات کو دی جاتی ہے۔ جو سند زیادہ مشہور۔ اور عدد زیادہ ہوں۔ (در مسائل و قوانین اور کفایہ



وغیرہ کتب اصولی ملاحظہ ہوں۔) بتائیں اس روایت کو قابل استناد قرار نہیں دیا جاسکتا۔

وجہ پنجم۔ اصل بات یہ ہے کہ حضرت امیرؓ اس وقت زمین پر تشریف فرما تھے۔ مگر خدا نے اپنی قدرت کاملہ سے آنحضرتؐ کو عیسوس کرایا۔ کہ گویا ان کو بالکل اپنے پہلو میں کھڑا پا رہے ہیں چنانچہ محدث جلیل حضرت شیخ محمد بن الحسن المحرر العالی نے اپنی کتاب الجوہر السید فی الاحادیث القدسیہ ص ۲۲ پر اسی حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے: "اقول یعنی ما نہ را کا فی الارض فان الله کشف الغطاء بینہما حتی تعاذا کما ورد فی غیرہ من الاحادیث الخ یعنی میں کہتا ہوں کہ آنحضرتؐ نے جناب امیر علیہ السلام کو زمین پر دیکھا بائیں طور کہ خدا نے درمیان سے پردے اٹھا دیئے۔ یہاں تک دونوں حضرات نے باہم گفتگو بھی فرمائی۔ جیسا کہ دوسری روایات میں وارد ہے۔

وجہ ششم۔ اگر ان تمام امور سے جی چشم پوشی کر لی جائے۔ تو بھی اس روایت پر اس عقیدہ کی دیوار استوار نہیں کی جاسکتی کیونکہ یہ دلالت کے اعتبار سے مجمل ہے۔ اور افادہ مطلب میں نفس مرتب نہیں ہے کیونکہ اس میں یہ احتمال برابر جاری رہتا ہے کہ عین ممکن ہے اس وقت جناب امیرؓ کی مثال وہاں حاضر کی گئی ہو جیسے آں حضرتؐ نے ہادی النظر میں خود حضرت علیؓ کی مثال سمجھا ہو۔ جیسا کہ دوسری روایات بعبارت النفس اس امر پر دلالت کرتی ہیں جن کا ایک شمرہ اور نقل کیا جا چکا ہے۔ اور بعض روایات میں اس امر کی صراحت موجود ہے کہ کئی بار آنحضرتؐ نے اس شبیہ کو مبین حقیقت ثبالی فرمایا ہے۔ چنانچہ کتاب المہمل ص ۱۳ پر ایک طویل حدیث کے ضمن میں مذکور ہے۔ کہ آنحضرتؐ نے روڈامعرات بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ لما انتهیت الی السماء الرابعة رأیت شخصاً جالساً علی کرسی قائلًا فاذا هو علی بن ابی طالب فقلت یا اخی جبرئیل هذا اخی علی بن ابی طالب قد سبقنی الی هذا المكان فقال جبرئیل هذا ملک علی صرۃ علی بن ابی طالب الخ۔ جب میں چوتھے آسمان پہنچا تو میں نے ایک شخص کو کرسی پر بیٹھے ہوئے دیکھا۔ تاہل کیا تو علی بن ابی طالب تھے۔ میں نے کہا بھائی جبرئیل! کیا علیؓ مجھ سے پہلے اس جگہ پہنچ گئے ہیں؟ جبرئیل نے عرض کیا یہ تو ایک فرشتہ ہے جسے خدا نے حضرت علیؓ کی شکل و صورت پر پیدا کیا ہے۔ اسی طرح کتاب الاربعین علامہ مجلسیؒ ص ۱۷ پر ایک ایسی ہی حدیث کے ضمن میں آں حضرتؐ بیان کرتے ہیں۔ فلما صعدت تحت العرش فظننت فاذا انا علی بن ابی طالب واقفاً تحت عرش ربی فقلت یا علی سبقتنی فقال جبرئیل یا محمد من یکلّمک قلت هذا اخی علی ابن ابی طالب قال یا محمد لیس هذا علیاً بلکنہ ملک من ملائکة الرحمن خلقہ اللہ علی صرۃ علی بن ابی طالب الخ۔

یعنی جب میں عرش کے نیچے پہنچا تو دیکھا وہاں علیؓ کھڑے ہیں! میں نے کہا یا علیؓ! کیا آپؐ مجھ سے پہلے یہاں پہنچ گئے ہیں؟ جبرئیل نے کہا کون آپؐ سے کلام کر رہا ہے؟ میں نے کہا یہ میرے بھائی علیؓ ہیں جبرئیل نے کہا یہ علیؓ نہیں بلکہ ایک فرشتہ ہے جسے خدا نے حضرت علیؓ کی صورت پر خلق فرمایا ہے جس طرح ان واقعات سے واضح ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ نے جناب امیر علیہ السلام کی شبیہ کو حقیقت تصور کیا ہے یہی احتمال یہاں بھی موجود ہے بلکہ بنا تسلیم روایت اس کا صحیح مفہوم ہی



یہی ہے جیسا کہ اس کے الفاظ اور سیاق سے ظاہر ہے۔

نوٹ:- بعض حضرات نے مجمع البحرین ص ۸۸ کے حوالہ شب معراج تیسرے آسمان پر نورانی آثار پر جناب امیر علیہ السلام کے تشریف لائے کا واقعہ لکھا ہے۔ ہمیں تو تلاش بسیار کے باوجود یہ قلعہ اس کتاب میں نہیں ہے بنا برکت اس سے مراد بھی یہی ہے کہ آنجناب کی تشبیہ ہوگی نہ کہ اصل ذات باریکات۔

علامہ مجلسی نے کتاب المحقق کے حوالہ سے روایت عمار بن یاسر آنحضرت کی یہ حدیث تفسیراً شبہ اور اس کا جواب نقل کی ہے فرمایا قلما اسری فی الی السماء وصوت کفاب قوسین اودنی ادنی

اللہ عزوجل یا محمد! من احب خلقی ایلک قلت یا رب انت اعلم فقال عزوجل انی ان التفت فالتفت فاذا ابلی بن ابی طالب واقف معی وقد خرقت حجت السموات وعلی واقف رافع رأسه یمسح ما یقول فخررت للہ تعالیٰ واقفاً (بخاری، ص ۳۴۴) جب مجھے آسمان پر لے جایا گیا۔ اور قاب قوسین اودنی کی منزل پر پہنچا تو خدا نے مجھے یہ وحی فرمائی۔ کہ یا محمد! تمہیں میری مخلوق میں سے زیادہ کون محبوب ہے؟ میں نے عرض کیا۔ اسے میرے پروردگار تو خود بہتر جانتا ہے۔ فرمایا مگر دیکھو۔ جب میں نے مرکز دیکھا، تو علی بن ابی طالب کو اپنے پاس کھڑا ہوا پایا۔ آسمانوں کے محاب پھٹ چکے تھے۔ علی سر بلند کر کے کھڑے تھے اور خداوند عالم کو کچھ فرما رہا تھا۔ وہ سُن رہے تھے۔ میں یہ ماجرا دیکھ کر (وہیں کھڑے کھڑے سجدۂ قدام میں جھک گیا۔ اس روایت کا راوی بھی جناب عمار جیسا مؤمن ہے۔ اس سے بھی ظہور علی ثابت ہے۔ اس روایت سے بھی بچند وجہ یہ مدعا حاصل نہیں ہو سکتا۔

وجہ اول:- یہ روایت مرسل ہے کیونکہ صاحب مختصر نے اسے کتاب نوادر الحکماء سے یکسر نقل کیا ہے کہ من نوادر الحکماء میرقعہ الی عمار بن یاسر، لہذا جناب عمار کے علاوہ جب تک اس روایت کے سلسلہ کی دوسری کڑیاں دوسرے راوی معلوم نہ ہوں۔ کہ وہ کون اور کیسے ہیں۔ صرف جناب عمار کے نام سے دھوکہ نہیں کھایا جاسکتا۔ اس لئے اس کے ساتھ شک کرنے والوں کا فرض ہے کہ پہلے اس کے راویوں کو معلوم کر کے ان کے نام منظر عام پر لائیں۔ تاکہ علم رجال کی کسوٹی پر جانچ کر اس کی صحت و سقم کو معلوم کیا جاسکے جب تک ایسا نہ کیا گیا۔ اس وقت تک اس کے ساتھ اعتدال نہیں کیا جاسکتا۔

وجہ دوم:- جس طرح سابقہ روایت میں حضرت شیخ حر عاملی کی تحقیق کی روشنی میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ آنحضرت نے جناب امیر علیہ السلام کو زمین پر کھڑے ہوئے دیکھا تھا۔ یہی مطلب اس حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ بلکہ یہاں تو صاف غفلتوں میں اس امر کی طرف کھلم کھلے اشارے موجود ہیں۔ محاب بٹ گئے۔ علی سر بلند کر کے کھڑے ہیں۔ کان لگا کر خدا کا ارشاد سُن رہے ہیں۔ یہ سب اس بات کے قرائن و اعلیہ ہیں۔ کہ محاب پھٹ جانے کی وجہ سے جناب امیرؑ زمین پر کھڑے تھے اور آنحضرتؐ آسمان سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ مگر یوں محسوس ہو رہا تھا۔ کہ گویا آپ کے پاس کھڑے ہیں۔ اس باب میں سابقہ جو احادیث پیش کی گئی ہیں۔ ان میں بالضرورت یہ امر مذکور ہے کہ محاب ہائے آسمانی پھٹ جانے کی وجہ سے جناب امیر علیہ السلام



نے زمین میں رو کر وہ سب مناظر بخیر خود دیکھے جو آنحضرتؐ نے آسمانوں پر دیکھے تھے۔ لہذا اس حدیث کا بھی یہی مطلب ہے۔  
وجہ سیوم۔ اگر اس سے بھی صرف نظر کر لیا جائے تو پھر سابقہ حدیث کی طرح یہاں بھی یہی مفہوم مراد لیا جائے گا۔ کہ خدا نے  
جناب امیر علیہ السلام کی مثال و تشبیہ وہاں خلق کر کے حاضر کی۔ جسے بوجہ شدت مشابہت آنحضرتؐ نے اصل خیالی فرمایا جیسا کہ اس  
کی مکمل وضاحت سابقہ حدیث کے جواب میں کی جا چکی ہے۔

**چوتھا شبہ اور اس کا جواب** | قرآن مجید میں آنحضرتؐ کے معراج کی غرض و غایت آیات کبریٰ دکھانا بتائی گئی ہے۔  
وَلَذِيْهِ مِنَ اٰیٰتِنَا الْكُبْرٰی، اور جناب امیر المومنینؑ فرماتے ہیں کہ میں خدا کی آیت  
کبریٰ ہوں (اصول کافی، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ نے آسمانوں میں حضرت امیر المومنینؑ کو ہی دیکھا تھا۔  
اس شبہ کا کئی طرح جواب دیا جاسکتا ہے۔

**پہلا جواب** | یہ درست ہے کہ معراج نبویؐ کی غرض و غایت قرآن میں آیات کبریٰ کا دکھانا قرار دی گئی ہے مگر اس قدر اہتمام تو  
اس چیز کے دکھانے کے لئے کیا جاتا ہے جو پہلے دیکھی ہوئی نہ ہو تو کیا جناب امیر علیہ السلام سرکار رسالت کے لئے  
پہلے اُن دیکھے تھے کہ جو اس قدر انتظام و اہتمام کر کے انہیں دکھانے کے لئے خدا نے حکیم نے اپنے آخری نبی اعظم کو عالم امکان کی  
آخری سرحد پر بلایا، حالانکہ یہ حقیقت عیاں و اچھ بیان کی مصداق ہے کہ خلقت انوار و ارواح سے لے کر اس ظاہری و جسمانی  
خلقت تک ان دونوں بزرگواروں کا ہمیشہ چلنے و دوامن و احیم و روح والا گہرا تعلق رہا۔ لہذا ماننا چاہئے گا کہ معراج سے جناب امیرؑ  
کا دکھانا مقصود نہ تھا۔

**دوسرا جواب** | یہ درست ہے کہ جناب امیر المومنینؑ ہوں یا دوسرے ائمہ ظاہرینؑ یہ سب آیات اللہ الکبریٰ ہیں (دھم آیتہ  
دوہم کل آیتہ)۔ مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جہاں بھی یہ لفظ استعمال ہو تو اس سے مراد جناب امیر علیہ السلام  
ہی ہوں مثلاً خداوند عالم قرآن مجید کی سورہ تازعات ۴۲ پارہ ۳۰ میں فرماتا ہے کہ "فَارَاہُ الْاٰیۃَ الْکُبْرٰی" کہ جناب موسیٰؑ  
نے فرعون کو آیت کبریٰ (بہت بڑی نشانی) دکھائی تو کیا کوئی شخص یہاں یہ کہہ سکتا ہے کہ جناب موسیٰؑ نے فرعون کو حضرت  
امیر علیہ السلام کی زیارت کرائی تھی؟ حالانکہ اٹل بالاتفاق اس سے مراد یہ بیٹھا "اور عصا کا اثر دیکھا جاتا ہے۔"

**تیسرا جواب** | مذہب شیعہ کے مستات میں سے ہے کہ قرآن کی وہی تفسیر صحیح ہوتی ہے جو معاون وحی و منزل یعنی حضرات  
عہد و اکی محمد علیہم سے مروی ہو۔ دوسری کوئی بھی تفسیر بوجہ تفسیر بالرائے ہونے کے ناجائز اور ناقابل  
قبول ہوتی ہے۔ بنا بریں ہم بیانگاہ دہل کہتے ہیں کہ اس شبہ میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے۔ یہ تفسیر بالرائے ہے اگر مدعیوں میں  
کچھ علمی سکت ہے تو پھر کسی امام کا فرمان اس کی تفسیر میں پیش کریں۔ حال تو اب وہاں تک مان کنتہ صادقینؑ کی کچھ تفسیر  
دیکھنے کے لئے تفسیر صافی، برہان، مجمع البیان وغیرہ تفاسیر کی طرف رجوع کیا جائے۔

(كَذٰلِكَ يَبۡیِّنُ اللّٰهُ لَکُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ)۔



# نواں باب

## بعض علماء اسلام کشرہم اللہ فی الاسلام اتہام و ہابیت کے ازالہ کا بیان

یہ امر بھی عجائبات روزگار و غرائب دہر فدا میں سے ہے۔ کہ بعض اوقات انسان کو بعض ایسے امور کی رو میں بھی زبان قلم کو حرکت دینا پڑتی ہے جن کا بطلان اظہر من الشمس و ابین من اللہس ہوتا ہے چنانچہ کفار کا حضرت نوح کو "سفیہ" کہنا اور آنجناب کا اس کی رد کرنا (قرآن کریم) مشرکین مکہ کا حضرت پیغمبر اسلام کو "مجنون" کہنا اور آنحضرت کا اس نفی پر دلائل قائم کرنا واضح و بظاہر اور مردوانیوں کا حضرت امیر المومنین رقیل عثمان کا الزام لگانا اور اس جناب کا بار بار اس سے اپنی برأت ظاہر فرمانا (بیچ البلاغہ) وغیرہ وغیرہ اسی بات کے مختلف مظاہر چلتے ہیں۔ بلا تشبیہ آج بعض ملعونوں کی طرف سے حقیقی علماء شیعہ کشرہم اللہ فی البریہ کو "وہابی" کہنے کی عہم جاری ہے۔ اور وہ صرف اظہار حقیقت اور سادہ لوح مومنین کے تحفظ ایمان کی خاطر اس اتہام نافرجام کے ازالہ پر مجبور ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب والانیۃ اسوۃ حسنۃ) اس اجمال کی بقدر ضرورت تفصیل یہ ہے کہ ہم اسی کتاب کے مقدمہ میں یہ امر واضح کر چکے ہیں کہ اخبار و آثار سے آشکار ہوتا ہے کہ اہل اغراض فاسدہ کا ہمیشہ سے شیوہ و شعار رہا ہے کہ وہ اپنی آرا کا سدھ کی تردید کرنے میں کوئی حقیقت ہار رکھنے اور ان کو اہل حق سے متفق کرنے کے لئے ان پر بڑے شدت سے بعض بے بنیاد الزامات و اتہامات لگاتے رہے چنانچہ ان کو ساحر، کذاب، مفسدی، سفیہ، ضال، شاعر اور مجنون وغیرہ القاب قبیحہ سے ملقب کرنا اس رسوائے زمانہ تحریک کی مختلف کڑیاں ہیں۔ بلا تشبیہ آج کچھ پیشہ و مقرر و خطیب اپنے ذاتی اقتدار کے تحفظ اور اپنے مخصوص اغراض باطلہ کے حصول کی خاطر خدا اور حشر و نشر کے خوف سے بے خوف و خطر ہو کر بے لوث خدمت گاران دین مبین دین یعنی حقیقی علماء عالمین اور دانشوران و مرد جان مذہب ائمہ طہرین کو "وہابی" کہہ کر ان کو اپنے فنکارانہ مسدود رقابت کا نشانہ بنانے کا اظہار عامہ سے ان کو گراٹنے، ان کے تبلیغی نقوش کو مٹانے، ان کے اس طرح ان کو بدنام کر کے عوام اہل ایمان کو حق و اہل حق سے دور رکھنے کے لئے تقریر و تحریر کے ذریعہ شب و روز اس سعی نافرجام میں مشغول اور ہر جگہ فتنہ و فساد کی آگ روشن کرنے میں منہمک ہیں۔

جہاں پر بھی جاتے ہیں یہ فتنہ پرور وہیں جا کے چنگاریاں ڈالتے ہیں۔

مگر وہ اس حقیقت سے غافل ہیں کہ اللہ العزت و لدوسولہ و لدومنین و لدکن المنافقین لا یعلمون نیز وہ اپنی اس غوغہ آرائی و ہرزہ سرائی سے یہ بھی چاہتے ہیں کہ وہ ان مدارس دینیہ کو جو اس کٹے گزرے دور میں بھی سرکار محمد و آل محمد



علیہم السلام کے علوم کی نشر و اشاعت کی شمع فروزاں کئے ہوئے ہیں اور قیام آل محمد کی جسمانی و روحانی تربیت کا بیڑا اٹھائے ہوئے ہیں ختم کر دیں۔ کیونکہ یہ لوگ ان مدارس دینیہ کو اپنے مقاصد شومہ کی تکمیل کے راستہ میں سنگ گراں سمجھتے ہیں اور ان کو راستہ سے ہٹانا اپنا فریضہ مگر وہ اس حقیقت ابدیہ سے ناواقف ہیں کہ اللہ متعہ فوریہ کو کوہ المسترکون پر اٹھے را کہ ایزد بر فروزد اگر کس پف کند شیش بسوزد

چنانچہ بموجب من حفرید الاخیہ وقع فیہ یعنی چاہ کن را چاہد در پیش مشاہدہ شاہد ہے کہ ایسے لوگ خود ہر جگہ ذلیل و خوار ہو رہے ہیں۔ لیکن بے شعوری سے مزید رسوائی دارین کے اسباب جمع کر رہے ہیں۔ مگر یحییٰ الحق یعلو ولا یعلیٰ علیہ حق و حقیقت کا ہر جگہ بول بالا ہو رہا ہے۔

میری رسوائی جو چاہی خود وہ رسوا ہو گئے

بہر حال ایسے لوگوں کو یہ حقیقت نظر انداز نہیں کرنی چاہئے کہ

تو مشو مغرور بسلیم خدا دیر گیر و سخت گیر و مرزا

وسیعہ الذین ظلموا ای منقلب بنقلبہون ہر کیف ان حالات و حاضروہ کے پیش نظر اس امر کی سخت ضرورت تھی کہ ان علماء اعلام سے اس بے اصل الزام و اتہام کا ازالہ کر دیا جائے اگرچہ اس کتاب میں اب تک جو غنائی پیش کئے گئے ہیں وہ اس اتہام کے بے بنیاد و ناقض ثابت کرنے کے لئے کافی دوائی ہیں۔ کیونکہ بن بعض مسائل و عقائد کی آڑ سے کہ پیشہ در اہل منبر ان علماء کرام کو دہائی کہتے ہیں۔ ہم نے قرآن کریم، احادیث معصومہ، تحقیقات علماء متقدمین و متاخرین اور بے شمار عقلی و سمعی دلائل و براہین کی روشنی میں ان کا صحیح اور شیعی معتقدات سے ہونا ثابت کر دیا ہے لہذا اگر اسی کا نام دہائیت ہے تو پھر اس کی زد سے نہ خدا محفوظ ہے نہ رسول۔ نہ ائمہ طاہرین اور نہ علماء متقدمین۔

مرے راز داں اب یہاں اور بھی ہیں

مذہب دہائی کا بانی عبد الوہاب یا محمد بن عبد الوہاب نجدی تو کیا اس کا دادا بلکہ اس کے آبا و اجداد اعلیٰ بھی سنوز پردہ عدم سے نکل کر عرصہ وجود میں نہیں آئے تھے کیونکہ عبد الوہاب یا محمد بن عبد الوہاب بارہویں صدی ہجری کے اواخر اور تیرہویں صدی کے اوائل میں گذرے ہیں۔ اور مذہب دہابیہ کا ظہور و شیوع سنہ ۱۲۶۰ھ میں ہوا ہے امکانی کشف القناع ۱۲۶۰ھ اگر علماء اسلام کے قریباً چودہ سو سال سے قرآن و حدیث کی روشنی میں یہی عقائد و نظریات تھے، جو اس کتاب اور احسن الفتاویٰ وغیرہ میں پیش کئے گئے ہیں۔

تاہم مزید وضاحت کی خاطر اگرچہ بظاہر ہر وضاحت اظہار و اضحات کی قسم سے ہے کیونکہ دہائی شیعہ کی من گھڑت اصطلاح بالکل مہمل دے معنی ہے۔ ”شیعت“ اور ”دہائیت“ تاہم دو ضد ہیں والضدات لا یجتمعان اور دو ضد ہیں ہرگز یکجا جمع نہیں ہو سکتیں۔ ذیل میں بعض مفارقات الشیعہ والوہابیہ ذکر کئے جاتے ہیں۔



”ماکہ بعد از یہ بھی اگر کوئی شقی ازلی ان علماء شیعہ خیر البریہ پر یہ تہمت لگائے تو اس چجبت خدا تمام ہو جائے اور وہ فردائے  
قیامت کوئی مذہب پریش نہ کر سکے۔ لیکن من هلك عن بینة و یحیی من حی عن بینة“۔

من انہو شر بلاغ است با تو میگویم تو خواہ از منہم پند بگیر و خواہ ملال

مقارقات الشیعہ والوہابیہ | اگرچہ یہ مقارقات بکثرت ہیں مگر ہم معمولی فردعی مقارقات کو نظر انداز کرتے ہوئے فقط مختصاً

۱۔ حوادث بروزگار

مصدقہ طائرین خوش الحان : پڑھتے ہیں کلی من علیہا فان سجہ کر لکل شیء ما نعوذ و لعلہ موافق۔

سلسلہ بیان و کلام بیان تک پہنچا تھا کہ ہمیں یکے بعد دیگرے دو عظیم حادثوں سے دوچار ہونا پڑا۔ جن کی وجہ  
مسئل کئی دن تک یہ سلسلہ معرض التوا میں چڑ گیا۔ پہلا حادثہ کبریٰ بتاریخ ۲۶ جمادی الثانی ۱۳۸۶ھ بمطابق ۱۲ اکتوبر ۱۹۶۶ء  
بروز چہار شنبہ جناب والدہ ماجدہ ایک ناگہانی حادثہ (بس کے ایکسڈنٹ) کا شکار ہو کر ہمیں دائمی داغ مفارقت دیتے ہوئے دار  
فانی سے دارعابدانی کی طرف انتقال فرما گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اسی صبح جو شفقت پوری سے پہلے ہی صغریٰ میں عروم ہو چکے  
تھے۔ اب مادر گرامی کے مرام و الطاف اور مشفقانہ ادھیہ جات بھی ہمیشہ کے لئے عروم ہو گئے۔ اذکار

اب دعائے نیم شب میں کس کو یاد آؤں گا میں

دعا ہے کہ خداوند عالم جناب والدہ مرحومہ کو حضرت سیدہ عالمہ سلام اللہ علیہا کے جوار پر انوار میں یکجا عطا فرمائے اور ہمیں اس مدد و بانگاہ  
پر صبر جمیل و اجر جزیل عطا فرمائے۔ آمین بجاہ النبی و آلہ الطاہرین۔ قارئین کرام سے مرحومہ کے ایصالِ ثواب کے لئے سورہ حمد تو ہمیشہ پڑھنے  
کی سنت مالک جاتی ہے۔ دوسرا سا نوحہ عظمیٰ ہم ابھی پہلے حادثہ کبریٰ سے پوری طرح سچکے بھی نہ پائے تھے۔ اور نہ ہی ہنوز سلسلہ تحریر  
شروع کیا تھا۔ کہ بارہویں دن بتاریخ ۲۷ جمادی الثانی ۱۳۸۶ھ بمطابق ۱۳ اکتوبر ۱۹۶۶ء بروز یک شنبہ دوسرا نوحہ عظمیٰ درپیش آیا۔ یعنی  
قدرة الساکین، زبدۃ الصالحین سرکار پیرتہ فضل شاہ صاحب قبلہ پوری ثمت جعفریہ کو یتیم کرتے ہوئے دارفانی کو خیر یاد کہتے ہوئے  
عالم بقا کی طرف سہار گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس طرح پوری قوم بالعموم اور ہم بالخصوص ان کے ظاہری فیہ عروم و فیہوض  
برکات سے ہمیشہ کے لئے عروم ہو گئے۔ وصال کا فضل ھلک ھلک واحد۔ ولکنہ بینان قوم تھلا ما آج پوری ثمت جعفریہ  
ان کے غم میں سو گوار اور شکبار ہے کیونکہ ہم میں سر اہل الارض تم کی سی۔ مکی بیعون سرنا و قلوب۔ دعا ہے کہ خداوند عالم بظیفیل سرکار محمد و  
آل محمد علیہم السلام سرکار مروجہ کو اعلیٰ علیین میں بلند مقام عطا فرمائے اور قوم کو اس سانحہ عظمیٰ پر صبر جمیل و اجر جزیل عطا فرمائے۔ اور سرکار مروجہ  
کے نقوش قدم پر چلنے اور ان کے زہری مواعظ و نصائح پر عمل پیرا ہونے کی توفیق دے آمین بحق النبی و آلہ المعصومین صلوات اللہ علیہم اجمعین۔  
جملہ اہل ایمان سے سرکار موصوف اعلیٰ اللہ تعالیٰ کے ایصالِ ثواب کی خاطر سورہ حمد تو ہمیشہ پڑھنے کی اپیل کی جاتی ہے۔

آسمان تیری لحد پر نیم افشائی کہے : سبز نور سے اس گھر کی نگہبانی کہے : مقام شکر ہے کہ ہر دو مروجین کی آغوشِ خدات انجام دینے کی سعادت  
ہمیں حاصل ہوئی ہے۔ ابن سعادت بروز بروزیت : ”ما نہ بخشد خدا بے بخشدہ (غزوہ) استقلال داری محمد صلی علیہ وسلم ۱۲ جمادی الثانی ۱۳۸۶ھ  
۱۳ اکتوبر ۱۹۶۶ء



ذیل میں صرف بنیادی اور اہم صرف چودہ عدد مفارقات کا اور وہ بھی اجمالی طور پر تذکرہ کرتے ہیں۔ تاکہ قارئین کرام پر چارہ معصومین کے ماننے اور نہ ماننے والوں کے درمیان جو نمایاں فرق ہیں وہ واضح دھجیاں ہو جائیں۔

**پہلا فرق عقیدہ توحید** | ارباب بصیرت جانتے ہیں۔ کہ دین کا شگ بنیاد عقیدہ توحید ہے کہ قال رسول اللہ

اول الدین معرفۃ الجبار (اول بجا والا نور) ہم خداوند عالم کو جسم و سمائیات، مکان و سکائیات سے منزہ و متبرک اذات و صفات میں وحدہ لا شریک اور بے مثل و بے نظیر تسلیم کرتے ہیں۔ اور مخلوق والی نام صفات نقص و عیب سے اس کے دامن ربوبیت کو پاک و صاف سمجھتے ہیں۔ مگر مابعد کی توحید سمجھ اور ہی قسم کی ہے۔ یہ حضرات خدا کو عرش کے اوپر بتلاتے ہیں۔ چنانچہ شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی کی کتاب التوحید مطبوعہ حجاز ص ۱۲ پر لکھا ہے۔ "ان الله فوق العرش" خدا عرش کے اوپر ہے۔ ان کا یہ فاسد عقیدہ ان کی ان بعض مجعول روایات پر مبنی ہے۔ جن میں دار ہے کہ ان الله فوق عرشہ و عرشہ فوق معلوۃ و ارضہ مثل القبة و انه لیطیب به الطیۃ الرحل بالراکب یعنی خدا عرش پر ہے اور عرش آسمانوں کے اوپر ہے۔ اور زمین مثل گنبد کے معلوم ہوتی ہے۔ عرش خدا کے (مجھے) سے یوں چرچا تا ہے۔ جیسے (نئی) زین سوار کے بیٹھنے سے چرچا تی ہے (کنز العمال ج ۱ ص ۱۵) مگر حیدر آبادی کی یہ حضرات خدا کے لئے لائق پاؤں وغیرہ اعضاء و جوارح بھی ثابت کرتے ہیں۔ چنانچہ محمد بن عبد الوہاب نے اپنی کتاب التوحید میں اس سلسلہ کی بعض روایات نقل کرنے کے بعد ان سے جو تانچہ اندکے ہیں۔ ان میں سے پانچواں امر یہ لکھا ہے الخامسة التصريح بذكر البدين وان السموات في البدين والارضين في البدين الاخرى يعني ان هؤلاء امرين وان روایات میں اس بات کی تصریح موجود ہے کہ خدا کے دونوں ہاتھ ہیں۔ آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں ہے اور زمین بائیں ہاتھ میں۔ نیز یہ حضرات اس کے لئے چلنا پھرنا، چڑھنا، اترنا اور ہنسنا وغیرہ بھی تجویز کرتے ہیں۔ چنانچہ اس فرقہ کے عالم عظیم الشان جناب مولوی وحید الزمان منہج ص ۱۱۱ پر اپنی کتاب انوار اللغۃ طبع بمکرمہ میں رقمطراز ہیں "اس کا مکان عرش معلیٰ پر ہے۔ اور اس کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے۔ وہ جہت فوق میں ہے جہاں چاہے وہاں جا سکتا ہے ہے۔ اوپر چڑھتا ہے اور نیچے اترتا ہے۔ کلام کرتا ہے۔ ہنستا ہے تعجب کرتا ہے" (ص ۱۵) ۱۵-۲۰-۲۵-۳۰-۳۵-۴۰-۴۵-۵۰-۵۵-۶۰-۶۵-۷۰-۷۵-۸۰-۸۵-۹۰-۹۵-۱۰۰-۱۰۵-۱۱۰-۱۱۵-۱۲۰-۱۲۵-۱۳۰-۱۳۵-۱۴۰-۱۴۵-۱۵۰-۱۵۵-۱۶۰-۱۶۵-۱۷۰-۱۷۵-۱۸۰-۱۸۵-۱۹۰-۱۹۵-۲۰۰-۲۰۵-۲۱۰-۲۱۵-۲۲۰-۲۲۵-۲۳۰-۲۳۵-۲۴۰-۲۴۵-۲۵۰-۲۵۵-۲۶۰-۲۶۵-۲۷۰-۲۷۵-۲۸۰-۲۸۵-۲۹۰-۲۹۵-۳۰۰-۳۰۵-۳۱۰-۳۱۵-۳۲۰-۳۲۵-۳۳۰-۳۳۵-۳۴۰-۳۴۵-۳۵۰-۳۵۵-۳۶۰-۳۶۵-۳۷۰-۳۷۵-۳۸۰-۳۸۵-۳۹۰-۳۹۵-۴۰۰-۴۰۵-۴۱۰-۴۱۵-۴۲۰-۴۲۵-۴۳۰-۴۳۵-۴۴۰-۴۴۵-۴۵۰-۴۵۵-۴۶۰-۴۶۵-۴۷۰-۴۷۵-۴۸۰-۴۸۵-۴۹۰-۴۹۵-۵۰۰-۵۰۵-۵۱۰-۵۱۵-۵۲۰-۵۲۵-۵۳۰-۵۳۵-۵۴۰-۵۴۵-۵۵۰-۵۵۵-۵۶۰-۵۶۵-۵۷۰-۵۷۵-۵۸۰-۵۸۵-۵۹۰-۵۹۵-۶۰۰-۶۰۵-۶۱۰-۶۱۵-۶۲۰-۶۲۵-۶۳۰-۶۳۵-۶۴۰-۶۴۵-۶۵۰-۶۵۵-۶۶۰-۶۶۵-۶۷۰-۶۷۵-۶۸۰-۶۸۵-۶۹۰-۶۹۵-۷۰۰-۷۰۵-۷۱۰-۷۱۵-۷۲۰-۷۲۵-۷۳۰-۷۳۵-۷۴۰-۷۴۵-۷۵۰-۷۵۵-۷۶۰-۷۶۵-۷۷۰-۷۷۵-۷۸۰-۷۸۵-۷۹۰-۷۹۵-۸۰۰-۸۰۵-۸۱۰-۸۱۵-۸۲۰-۸۲۵-۸۳۰-۸۳۵-۸۴۰-۸۴۵-۸۵۰-۸۵۵-۸۶۰-۸۶۵-۸۷۰-۸۷۵-۸۸۰-۸۸۵-۸۹۰-۸۹۵-۹۰۰-۹۰۵-۹۱۰-۹۱۵-۹۲۰-۹۲۵-۹۳۰-۹۳۵-۹۴۰-۹۴۵-۹۵۰-۹۵۵-۹۶۰-۹۶۵-۹۷۰-۹۷۵-۹۸۰-۹۸۵-۹۹۰-۹۹۵-۱۰۰۰-۱۰۰۵-۱۰۱۰-۱۰۱۵-۱۰۲۰-۱۰۲۵-۱۰۳۰-۱۰۳۵-۱۰۴۰-۱۰۴۵-۱۰۵۰-۱۰۵۵-۱۰۶۰-۱۰۶۵-۱۰۷۰-۱۰۷۵-۱۰۸۰-۱۰۸۵-۱۰۹۰-۱۰۹۵-۱۱۰۰-۱۱۰۵-۱۱۱۰-۱۱۱۵-۱۱۲۰-۱۱۲۵-۱۱۳۰-۱۱۳۵-۱۱۴۰-۱۱۴۵-۱۱۵۰-۱۱۵۵-۱۱۶۰-۱۱۶۵-۱۱۷۰-۱۱۷۵-۱۱۸۰-۱۱۸۵-۱۱۹۰-۱۱۹۵-۱۲۰۰-۱۲۰۵-۱۲۱۰-۱۲۱۵-۱۲۲۰-۱۲۲۵-۱۲۳۰-۱۲۳۵-۱۲۴۰-۱۲۴۵-۱۲۵۰-۱۲۵۵-۱۲۶۰-۱۲۶۵-۱۲۷۰-۱۲۷۵-۱۲۸۰-۱۲۸۵-۱۲۹۰-۱۲۹۵-۱۳۰۰-۱۳۰۵-۱۳۱۰-۱۳۱۵-۱۳۲۰-۱۳۲۵-۱۳۳۰-۱۳۳۵-۱۳۴۰-۱۳۴۵-۱۳۵۰-۱۳۵۵-۱۳۶۰-۱۳۶۵-۱۳۷۰-۱۳۷۵-۱۳۸۰-۱۳۸۵-۱۳۹۰-۱۳۹۵-۱۴۰۰-۱۴۰۵-۱۴۱۰-۱۴۱۵-۱۴۲۰-۱۴۲۵-۱۴۳۰-۱۴۳۵-۱۴۴۰-۱۴۴۵-۱۴۵۰-۱۴۵۵-۱۴۶۰-۱۴۶۵-۱۴۷۰-۱۴۷۵-۱۴۸۰-۱۴۸۵-۱۴۹۰-۱۴۹۵-۱۵۰۰-۱۵۰۵-۱۵۱۰-۱۵۱۵-۱۵۲۰-۱۵۲۵-۱۵۳۰-۱۵۳۵-۱۵۴۰-۱۵۴۵-۱۵۵۰-۱۵۵۵-۱۵۶۰-۱۵۶۵-۱۵۷۰-۱۵۷۵-۱۵۸۰-۱۵۸۵-۱۵۹۰-۱۵۹۵-۱۶۰۰-۱۶۰۵-۱۶۱۰-۱۶۱۵-۱۶۲۰-۱۶۲۵-۱۶۳۰-۱۶۳۵-۱۶۴۰-۱۶۴۵-۱۶۵۰-۱۶۵۵-۱۶۶۰-۱۶۶۵-۱۶۷۰-۱۶۷۵-۱۶۸۰-۱۶۸۵-۱۶۹۰-۱۶۹۵-۱۷۰۰-۱۷۰۵-۱۷۱۰-۱۷۱۵-۱۷۲۰-۱۷۲۵-۱۷۳۰-۱۷۳۵-۱۷۴۰-۱۷۴۵-۱۷۵۰-۱۷۵۵-۱۷۶۰-۱۷۶۵-۱۷۷۰-۱۷۷۵-۱۷۸۰-۱۷۸۵-۱۷۹۰-۱۷۹۵-۱۸۰۰-۱۸۰۵-۱۸۱۰-۱۸۱۵-۱۸۲۰-۱۸۲۵-۱۸۳۰-۱۸۳۵-۱۸۴۰-۱۸۴۵-۱۸۵۰-۱۸۵۵-۱۸۶۰-۱۸۶۵-۱۸۷۰-۱۸۷۵-۱۸۸۰-۱۸۸۵-۱۸۹۰-۱۸۹۵-۱۹۰۰-۱۹۰۵-۱۹۱۰-۱۹۱۵-۱۹۲۰-۱۹۲۵-۱۹۳۰-۱۹۳۵-۱۹۴۰-۱۹۴۵-۱۹۵۰-۱۹۵۵-۱۹۶۰-۱۹۶۵-۱۹۷۰-۱۹۷۵-۱۹۸۰-۱۹۸۵-۱۹۹۰-۱۹۹۵-۲۰۰۰-۲۰۰۵-۲۰۱۰-۲۰۱۵-۲۰۲۰-۲۰۲۵-۲۰۳۰-۲۰۳۵-۲۰۴۰-۲۰۴۵-۲۰۵۰-۲۰۵۵-۲۰۶۰-۲۰۶۵-۲۰۷۰-۲۰۷۵-۲۰۸۰-۲۰۸۵-۲۰۹۰-۲۰۹۵-۲۱۰۰-۲۱۰۵-۲۱۱۰-۲۱۱۵-۲۱۲۰-۲۱۲۵-۲۱۳۰-۲۱۳۵-۲۱۴۰-۲۱۴۵-۲۱۵۰-۲۱۵۵-۲۱۶۰-۲۱۶۵-۲۱۷۰-۲۱۷۵-۲۱۸۰-۲۱۸۵-۲۱۹۰-۲۱۹۵-۲۲۰۰-۲۲۰۵-۲۲۱۰-۲۲۱۵-۲۲۲۰-۲۲۲۵-۲۲۳۰-۲۲۳۵-۲۲۴۰-۲۲۴۵-۲۲۵۰-۲۲۵۵-۲۲۶۰-۲۲۶۵-۲۲۷۰-۲۲۷۵-۲۲۸۰-۲۲۸۵-۲۲۹۰-۲۲۹۵-۲۳۰۰-۲۳۰۵-۲۳۱۰-۲۳۱۵-۲۳۲۰-۲۳۲۵-۲۳۳۰-۲۳۳۵-۲۳۴۰-۲۳۴۵-۲۳۵۰-۲۳۵۵-۲۳۶۰-۲۳۶۵-۲۳۷۰-۲۳۷۵-۲۳۸۰-۲۳۸۵-۲۳۹۰-۲۳۹۵-۲۴۰۰-۲۴۰۵-۲۴۱۰-۲۴۱۵-۲۴۲۰-۲۴۲۵-۲۴۳۰-۲۴۳۵-۲۴۴۰-۲۴۴۵-۲۴۵۰-۲۴۵۵-۲۴۶۰-۲۴۶۵-۲۴۷۰-۲۴۷۵-۲۴۸۰-۲۴۸۵-۲۴۹۰-۲۴۹۵-۲۵۰۰-۲۵۰۵-۲۵۱۰-۲۵۱۵-۲۵۲۰-۲۵۲۵-۲۵۳۰-۲۵۳۵-۲۵۴۰-۲۵۴۵-۲۵۵۰-۲۵۵۵-۲۵۶۰-۲۵۶۵-۲۵۷۰-۲۵۷۵-۲۵۸۰-۲۵۸۵-۲۵۹۰-۲۵۹۵-۲۶۰۰-۲۶۰۵-۲۶۱۰-۲۶۱۵-۲۶۲۰-۲۶۲۵-۲۶۳۰-۲۶۳۵-۲۶۴۰-۲۶۴۵-۲۶۵۰-۲۶۵۵-۲۶۶۰-۲۶۶۵-۲۶۷۰-۲۶۷۵-۲۶۸۰-۲۶۸۵-۲۶۹۰-۲۶۹۵-۲۷۰۰-۲۷۰۵-۲۷۱۰-۲۷۱۵-۲۷۲۰-۲۷۲۵-۲۷۳۰-۲۷۳۵-۲۷۴۰-۲۷۴۵-۲۷۵۰-۲۷۵۵-۲۷۶۰-۲۷۶۵-۲۷۷۰-۲۷۷۵-۲۷۸۰-۲۷۸۵-۲۷۹۰-۲۷۹۵-۲۸۰۰-۲۸۰۵-۲۸۱۰-۲۸۱۵-۲۸۲۰-۲۸۲۵-۲۸۳۰-۲۸۳۵-۲۸۴۰-۲۸۴۵-۲۸۵۰-۲۸۵۵-۲۸۶۰-۲۸۶۵-۲۸۷۰-۲۸۷۵-۲۸۸۰-۲۸۸۵-۲۸۹۰-۲۸۹۵-۲۹۰۰-۲۹۰۵-۲۹۱۰-۲۹۱۵-۲۹۲۰-۲۹۲۵-۲۹۳۰-۲۹۳۵-۲۹۴۰-۲۹۴۵-۲۹۵۰-۲۹۵۵-۲۹۶۰-۲۹۶۵-۲۹۷۰-۲۹۷۵-۲۹۸۰-۲۹۸۵-۲۹۹۰-۲۹۹۵-۳۰۰۰-۳۰۰۵-۳۰۱۰-۳۰۱۵-۳۰۲۰-۳۰۲۵-۳۰۳۰-۳۰۳۵-۳۰۴۰-۳۰۴۵-۳۰۵۰-۳۰۵۵-۳۰۶۰-۳۰۶۵-۳۰۷۰-۳۰۷۵-۳۰۸۰-۳۰۸۵-۳۰۹۰-۳۰۹۵-۳۱۰۰-۳۱۰۵-۳۱۱۰-۳۱۱۵-۳۱۲۰-۳۱۲۵-۳۱۳۰-۳۱۳۵-۳۱۴۰-۳۱۴۵-۳۱۵۰-۳۱۵۵-۳۱۶۰-۳۱۶۵-۳۱۷۰-۳۱۷۵-۳۱۸۰-۳۱۸۵-۳۱۹۰-۳۱۹۵-۳۲۰۰-۳۲۰۵-۳۲۱۰-۳۲۱۵-۳۲۲۰-۳۲۲۵-۳۲۳۰-۳۲۳۵-۳۲۴۰-۳۲۴۵-۳۲۵۰-۳۲۵۵-۳۲۶۰-۳۲۶۵-۳۲۷۰-۳۲۷۵-۳۲۸۰-۳۲۸۵-۳۲۹۰-۳۲۹۵-۳۳۰۰-۳۳۰۵-۳۳۱۰-۳۳۱۵-۳۳۲۰-۳۳۲۵-۳۳۳۰-۳۳۳۵-۳۳۴۰-۳۳۴۵-۳۳۵۰-۳۳۵۵-۳۳۶۰-۳۳۶۵-۳۳۷۰-۳۳۷۵-۳۳۸۰-۳۳۸۵-۳۳۹۰-۳۳۹۵-۳۴۰۰-۳۴۰۵-۳۴۱۰-۳۴۱۵-۳۴۲۰-۳۴۲۵-۳۴۳۰-۳۴۳۵-۳۴۴۰-۳۴۴۵-۳۴۵۰-۳۴۵۵-۳۴۶۰-۳۴۶۵-۳۴۷۰-۳۴۷۵-۳۴۸۰-۳۴۸۵-۳۴۹۰-۳۴۹۵-۳۵۰۰-۳۵۰۵-۳۵۱۰-۳۵۱۵-۳۵۲۰-۳۵۲۵-۳۵۳۰-۳۵۳۵-۳۵۴۰-۳۵۴۵-۳۵۵۰-۳۵۵۵-۳۵۶۰-۳۵۶۵-۳۵۷۰-۳۵۷۵-۳۵۸۰-۳۵۸۵-۳۵۹۰-۳۵۹۵-۳۶۰۰-۳۶۰۵-۳۶۱۰-۳۶۱۵-۳۶۲۰-۳۶۲۵-۳۶۳۰-۳۶۳۵-۳۶۴۰-۳۶۴۵-۳۶۵۰-۳۶۵۵-۳۶۶۰-۳۶۶۵-۳۶۷۰-۳۶۷۵-۳۶۸۰-۳۶۸۵-۳۶۹۰-۳۶۹۵-۳۷۰۰-۳۷۰۵-۳۷۱۰-۳۷۱۵-۳۷۲۰-۳۷۲۵-۳۷۳۰-۳۷۳۵-۳۷۴۰-۳۷۴۵-۳۷۵۰-۳۷۵۵-۳۷۶۰-۳۷۶۵-۳۷۷۰-۳۷۷۵-۳۷۸۰-۳۷۸۵-۳۷۹۰-۳۷۹۵-۳۸۰۰-۳۸۰۵-۳۸۱۰-۳۸۱۵-۳۸۲۰-۳۸۲۵-۳۸۳۰-۳۸۳۵-۳۸۴۰-۳۸۴۵-۳۸۵۰-۳۸۵۵-۳۸۶۰-۳۸۶۵-۳۸۷۰-۳۸۷۵-۳۸۸۰-۳۸۸۵-۳۸۹۰-۳۸۹۵-۳۹۰۰-۳۹۰۵-۳۹۱۰-۳۹۱۵-۳۹۲۰-۳۹۲۵-۳۹۳۰-۳۹۳۵-۳۹۴۰-۳۹۴۵-۳۹۵۰-۳۹۵۵-۳۹۶۰-۳۹۶۵-۳۹۷۰-۳۹۷۵-۳۹۸۰-۳۹۸۵-۳۹۹۰-۳۹۹۵-۴۰۰۰-۴۰۰۵-۴۰۱۰-۴۰۱۵-۴۰۲۰-۴۰۲۵-۴۰۳۰-۴۰۳۵-۴۰۴۰-۴۰۴۵-۴۰۵۰-۴۰۵۵-۴۰۶۰-۴۰۶۵-۴۰۷۰-۴۰۷۵-۴۰۸۰-۴۰۸۵-۴۰۹۰-۴۰۹۵-۴۱۰۰-۴۱۰۵-۴۱۱۰-۴۱۱۵-۴۱۲۰-۴۱۲۵-۴۱۳۰-۴۱۳۵-۴۱۴۰-۴۱۴۵-۴۱۵۰-۴۱۵۵-۴۱۶۰-۴۱۶۵-۴۱۷۰-۴۱۷۵-۴۱۸۰-۴۱۸۵-۴۱۹۰-۴۱۹۵-۴۲۰۰-۴۲۰۵-۴۲۱۰-۴۲۱۵-۴۲۲۰-۴۲۲۵-۴۲۳۰-۴۲۳۵-۴۲۴۰-۴۲۴۵-۴۲۵۰-۴۲۵۵-۴۲۶۰-۴۲۶۵-۴۲۷۰-۴۲۷۵-۴۲۸۰-۴۲۸۵-۴۲۹۰-۴۲۹۵-۴۳۰۰-۴۳۰۵-۴۳۱۰-۴۳۱۵-۴۳۲۰-۴۳۲۵-۴۳۳۰-۴۳۳۵-۴۳۴۰-۴۳۴۵-۴۳۵۰-۴۳۵۵-۴۳۶۰-۴۳۶۵-۴۳۷۰-۴۳۷۵-۴۳۸۰-۴۳۸۵-۴۳۹۰-۴۳۹۵-۴۴۰۰-۴۴۰۵-۴۴۱۰-۴۴۱۵-۴۴۲۰-۴۴۲۵-۴۴۳۰-۴۴۳۵-۴۴۴۰-۴۴۴۵-۴۴۵۰-۴۴۵۵-۴۴۶۰-۴۴۶۵-۴۴۷۰-۴۴۷۵-۴۴۸۰-۴۴۸۵-۴۴۹۰-۴۴۹۵-۴۵۰۰-۴۵۰۵-۴۵۱۰-۴۵۱۵-۴۵۲۰-۴۵۲۵-۴۵۳۰-۴۵۳۵-۴۵۴۰-۴۵۴۵-۴۵۵۰-۴۵۵۵-۴۵۶۰-۴۵۶۵-۴۵۷۰-۴۵۷۵-۴۵۸۰-۴۵۸۵-۴۵۹۰-۴۵۹۵-۴۶۰۰-۴۶۰۵-۴۶۱۰-۴۶۱۵-۴۶۲۰-۴۶۲۵-۴۶۳۰-۴۶۳۵-۴۶۴۰-۴۶۴۵-۴۶۵۰-۴۶۵۵-۴۶۶۰-۴۶۶۵-۴۶۷۰-۴۶۷۵-۴۶۸۰-۴۶۸۵-۴۶۹۰-۴۶۹۵-۴۷۰۰-۴۷۰۵-۴۷۱۰-۴۷۱۵-۴۷۲۰-۴۷۲۵-۴۷۳۰-۴۷۳۵-۴۷۴۰-۴۷۴۵-۴۷۵۰-۴۷۵۵-۴۷۶۰-۴۷۶۵-۴۷۷۰-۴۷۷۵-۴۷۸۰-۴۷۸۵-۴۷۹۰-۴۷۹۵-۴۸۰۰-۴۸۰۵-۴۸۱۰-۴۸۱۵-۴۸۲۰-۴۸۲۵-۴۸۳۰-۴۸۳۵-۴۸۴۰-۴۸۴۵-۴۸۵۰-۴۸۵۵-۴۸۶۰-۴۸۶۵-۴۸۷۰-۴۸۷۵-۴۸۸۰-۴۸۸۵-۴۸۹۰-۴۸۹۵-۴۹۰۰-۴۹۰۵-۴۹۱۰-۴۹۱۵-۴۹۲۰-۴۹۲۵-۴۹۳۰-۴۹۳۵-۴۹۴۰-۴۹۴۵-۴۹۵۰-۴۹۵۵-۴۹۶۰-۴۹۶۵-۴۹۷۰-۴۹۷۵-۴۹۸۰-۴۹۸۵-۴۹۹۰-۴۹۹۵-۵۰۰۰-۵۰۰۵-۵۰۱۰-۵۰۱۵-۵۰۲۰-۵۰۲۵-۵۰۳۰-۵۰۳۵-۵۰۴۰-۵۰۴۵-۵۰۵۰-۵۰۵۵-۵۰۶۰-۵۰۶۵-۵۰۷۰-۵۰۷۵-۵۰۸۰-۵۰۸۵-۵۰۹۰-۵۰۹۵-۵۱۰۰-۵۱۰۵-۵۱۱۰-۵۱۱۵-۵۱۲۰-۵۱۲۵-۵۱۳۰-۵۱۳۵-۵۱۴۰-۵۱۴۵-۵۱۵۰-۵۱۵۵-۵۱۶۰-۵۱۶۵-۵۱۷۰-۵۱۷۵-۵۱۸۰-۵۱۸۵-۵۱۹۰-۵۱۹۵-۵۲۰۰-۵۲۰۵-۵۲۱۰-۵۲۱۵-۵۲۲۰-۵۲۲۵-۵۲۳۰-۵۲۳۵-۵۲۴۰-۵۲۴۵-۵۲۵۰-۵۲۵۵-۵۲۶۰-۵۲۶۵-۵۲۷۰-۵۲۷۵-۵۲۸۰-۵۲۸۵-۵۲۹۰-۵۲۹۵-۵۳۰۰-۵۳۰۵-۵۳۱۰-۵۳۱۵-۵۳۲۰-۵۳۲۵-۵۳۳۰-۵۳۳۵-۵۳۴۰-۵۳۴۵-۵۳۵۰-۵۳۵۵-۵۳۶۰-۵۳۶۵-۵۳۷۰-۵۳۷۵-۵۳۸۰-۵۳۸۵-۵۳۹۰-۵۳۹۵-۵۴۰۰-۵۴۰۵-۵۴۱۰-۵۴۱۵-۵۴۲۰-۵۴۲۵-۵۴۳۰-۵۴۳۵-۵۴۴۰-۵۴۴۵-۵۴۵۰-۵۴۵۵-۵۴۶۰-۵۴۶۵-۵۴۷۰-۵۴۷۵-۵۴۸۰-۵۴۸۵-۵۴۹۰-۵۴۹۵-۵۵۰۰-۵۵۰۵-۵۵۱۰-۵۵۱۵-۵۵۲۰-۵۵۲۵-۵۵۳۰-۵۵۳۵-۵۵۴۰-۵۵۴۵-۵۵۵۰-۵۵۵۵-۵۵۶۰-۵۵۶۵-۵۵۷۰-۵۵۷۵-۵۵۸۰-۵۵۸۵-۵۵۹۰-۵۵۹۵-۵۶۰۰-۵۶۰۵-۵۶۱۰-۵۶۱۵-۵۶۲۰-۵۶۲۵-۵۶۳۰-۵۶۳۵-۵۶۴۰-۵۶۴۵-۵۶۵۰-۵۶۵۵-۵۶۶۰-۵۶۶۵-۵۶۷۰-۵۶۷۵-۵۶۸۰-۵۶۸۵-۵۶۹۰-۵۶۹۵-۵۷۰۰-۵۷۰۵-۵۷۱۰-۵۷۱۵-۵۷۲۰-۵۷۲۵-۵۷۳۰-۵۷۳۵-۵۷۴۰-۵۷۴۵-۵۷۵۰-۵۷۵۵-۵۷۶۰-۵۷۶۵-۵۷۷۰-۵۷۷۵-۵۷۸۰-۵۷۸۵-۵۷۹۰-۵۷۹۵-۵۸۰۰-۵۸۰۵-۵۸۱۰-۵۸۱۵-۵۸۲۰-۵۸۲۵-۵۸۳۰-۵۸۳۵-۵۸۴۰-۵۸۴۵-۵۸۵۰-۵۸۵۵-۵۸۶۰-۵۸۶۵-۵۸۷۰-۵۸۷۵-۵۸۸۰-۵۸۸۵-۵۸۹۰-۵۸۹۵-۵۹۰۰-۵۹۰۵-۵۹۱۰-۵۹۱۵-۵۹۲۰-۵۹۲۵-۵۹۳۰-۵۹۳۵-۵۹۴۰-۵۹۴۵-۵۹۵۰-۵۹۵۵-۵۹۶۰-۵۹۶۵-۵۹۷۰-۵۹۷۵-۵۹۸۰-۵۹۸۵-۵۹۹۰-۵۹۹۵-۶۰۰۰-۶۰۰۵-۶۰۱۰-۶۰۱۵-۶۰۲۰-۶۰۲۵-۶۰۳۰-۶۰۳۵-۶۰۴۰-۶۰۴۵-۶۰۵۰-۶۰۵۵-۶۰۶۰-۶۰۶۵-۶۰۷۰-۶۰۷۵-۶۰۸۰-۶۰۸۵-۶۰۹۰-۶۰۹۵-۶۱۰۰-۶۱۰۵-۶۱۱۰-۶۱۱۵-۶۱۲۰-۶۱۲۵-۶۱۳۰-۶۱۳۵-۶۱۴۰-۶۱۴۵-۶۱۵۰-۶۱۵۵-۶۱۶۰-۶۱۶۵-۶۱۷۰-۶۱۷۵-۶۱۸۰-۶۱۸۵-۶۱۹۰-۶۱۹۵-۶۲۰۰-۶۲۰۵-۶۲۱۰-۶۲۱۵-۶۲۲۰-۶۲۲۵-۶۲۳۰-۶۲۳۵-۶۲۴۰-۶۲۴۵-۶۲۵۰-۶۲۵۵-۶۲۶۰-۶۲۶۵-۶۲۷۰-۶۲۷۵-۶۲۸۰-۶۲۸۵-۶۲۹۰-۶۲۹۵-۶۳۰۰-۶۳۰۵-۶۳۱۰-۶۳۱۵-۶۳۲۰-۶۳۲۵-۶۳۳۰-۶۳۳۵-۶۳۴۰-۶۳۴۵-۶۳۵۰-۶۳۵۵-۶۳۶۰-۶۳۶۵-۶۳۷۰-۶۳۷۵-۶۳۸۰-۶۳۸۵-۶۳۹۰-۶۳۹۵-۶۴۰۰-۶۴۰۵-۶۴۱۰-۶۴۱۵-۶۴۲۰-۶۴۲۵-۶۴۳۰-۶۴۳۵-۶۴۴۰-۶۴۴۵-۶۴۵۰-۶۴۵۵-۶۴۶۰-۶۴۶۵-۶۴۷۰-۶۴۷۵-۶۴۸۰-۶۴۸۵-۶۴۹۰-۶۴۹۵-۶۵۰۰-۶۵۰۵-۶۵۱۰-۶۵۱۵-۶۵۲۰-۶۵۲۵-۶۵۳۰-۶۵۳۵-۶۵۴۰-۶۵۴۵-۶۵۵۰-۶۵۵۵-۶۵۶۰-۶۵۶۵-۶۵۷۰-۶۵۷۵-۶۵۸۰-۶۵۸۵-۶۵۹۰-۶۵۹۵-۶۶۰۰-۶



**دوسرا فرق عقیدہ رسالت** عقیدہ توحید کے بعد عقیدہ نبوت کی اہمیت کا کلام ہے ظاہر ہے کہ ہم انبیاء علیہم السلام کو تمام مخلوق خدا سے افضل و اشرف اور ہر وہ صفت کمال جو کسی مخلوق میں پائی جاسکتی ہے۔ اس سے ان کو متصف اور ہر انسانی نقص و عیب سے ان کے دامن عصمت و طہارت کو پاک مانتے ہیں۔ نیز از مہذبنا محمدان کو ہر گناہ صغیرہ و کبیرہ سے عمدۂ سہواً علماً جبلاً او خطاً غرضیکہ ہر اعتبار سے ان کی رواد عصمت کو ہر گناہ صغیرہ و کبیرہ کے داغ سے منزہ و مبرا جانتے ہیں۔ اور ان کی تعظیم و تکریم کو واجب اور عین ایمان اور امن کی ادنیٰ توہین و تذلیل کو موجب کفر و شرک تسلیم کرتے ہیں۔ نیز ہم تمام انبیاء کے اس مقدس سلسلہ میں سے سرکارِ ختمی مرتبت کو سید الانبیاء والمرسلین اور خاتم المرسلین سمجھتے ہیں۔ الغرض ہم آنحضرت کو یہ بعد از خدا بزرگ تو فی قصہ مختصر

کا مصداق جانتے ہیں۔ مگر یہ لوگ آنحضرت کے مقام و شان کے متعلق کیا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اس کے بارے میں صرف اس قدر کہ دینا کافی ہے کہ رسوائے عالم نام نہاد کتاب ”تذکیر رسول“ کا مواد انہی کی کتابوں سے ماخوذ ہے۔ باقی رہا مسئلہ تعظیم۔ تواریخ عقل و انصاف اس کا اندازہ ذیل کے بعض فروق سے باسانی لگا سکتے ہیں کہ ان کے دلوں میں اس مقدس گروہ کا کس قدر احترام ہے۔

**تیسرا فرق تعمیر مشاہد** ہم انبیاء و مرسلین اور ائمہ ظاہرین کے مزارات مقدسہ پر قبہ و قبور کی تعمیر کو نہ صرف جائز بلکہ کارِ ثواب سمجھتے ہیں اور ان کی تعظیم و تجلیل کو جزو ایمان مگر یہ فرقہ قبر رسول اکرم کے دم (اگر لے) کو بھی واجب جانتا ہے چنانچہ مولوی وحید الزمان صاحب اپنی کتاب ہدیۃ المہدی ص ۱۲ پر محمد بن عبد الوہاب نجدی کا یہ فتویٰ نقل کرتے ہیں۔ قال اذا شئع الناس فی تقبیل قبور من قبہ الانبیاء والصلحاء اوصن او طواف حوله نہ حکمہ حاکم الوثن یجب ہدم و حضرة و اہانتہ یعنی جب لوگ کسی نبی یا عبد صالح کی قبر کو بوسہ دینا یا بطور تبرک مس کرنا یا اس کے ارد گرد طواف کرنا شروع کر دیں تو اس کا حکم ایک بت کا سا ہو جاتا ہے۔ لہذا اس کا گرانا، کھودنا اور اس کی توہین کرنا واجب ہے۔ اسی بنا پر تو نجدی حکومت آنحضرت کی قبر اقدس کو ”صنم اکبر“ کہا کرتی ہے۔ اور اگر تمام عالم اسلام کے بگڑنے کا اور اس کی وجہ سے اپنے مخصوص مفادات پر زور ڈھونے کا اندیشہ و امن گیر ہو تو یہ لوگ حیت البقیع کے مزارات مقدسہ کی طرح دھندہ رسول کو بھی فوراً مسار کے زمین کے چھوڑ کر دیں۔

محمد بن عبد الوہاب نجدی کی کتاب التوحید کی شرح قرۃ المؤمنین ص ۱ پر لکھا ہے والذی خاف الخلیل علیہ السلام علی نفسه و بنیہ و قریبہ اکثر الامة بعد القرون المفضلة فبنیت المساجد و المشاہد علی القبور و صرفت لها العبادات بانواعها و اتخذت ذلک دینا دہی و انما اصنام کاصنام قوم نوح و الالہات و العزیز و منات و اصنام العرب۔ الخ۔۔۔



یعنی جس چیز کا حضرت خلیفۃ المسیح کو اپنے اور اپنی اولاد کے متعلق اندیشہ تھا۔ (بتوں کی پرستش) قرونِ فاضلہ (اولیٰ) کے بعد اسی امر میں اکثر امت مبتلا ہو گئی۔ چنانچہ قبور پر مساجد و مشاہد بنا دیئے گئے ان میں مختلف قسم کی عبادت ہونے لگیں اور اس امر کو دین سمجھ لیا گیا۔ یہ مشاہد مساجد قومِ نوح کے بتوں اور لات و منات اور دوسرے اصنام عرب کی طرح بنت ہیں۔ (معاذ اللہ) حالانکہ دیگر علماء اہل سنت بھی تعمیرِ مشاہد اور ان کے انقباض کو جائز سمجھتے ہیں۔ چنانچہ یہی مولوی وحید الزمان صاحب اپنی کتاب اتوار اللغۃ ص ۳۱ ص ۳۲ پر لکھتے ہیں: "بعض علماء سلف نے اکابر علماء اور اولیاء کی قبروں پر گنبد وغیرہ بنانا درست رکھا ہے تاکہ لوگ ان کی زیارت کریں۔ وہاں آرام پائیں۔" اور آگوستی بعد اوی نے اپنی تفسیر روح المعانی ج ۳ ص ۱۵۱ پر بذیل آیت مبارکہ انما یعلم صلیحہ اللہ الایۃ لکھا ہے۔ قد اباح السلف البنا علی قبور المشائخ والعلما والمشاہد لیؤدھم الناس ولیتویحوا یعنی علمائے سلف نے مشائخ اور مشہور علماء دین کے قبور پر گنبد وغیرہ تعمیر کرنے کو مباح قرار دیا ہے تاکہ لوگ ان کی زیارت کریں۔ اور اسراحت حاصل کریں۔ (کذا فی شرح مشکوٰۃ المصابی الفاری و مجمع بحال الانوار لمحمد طاہر الفتنی) نیز اسی جلد کے ص ۲۵۱ پر مزید لکھا ہے۔ فبناء القباب علی قبور العلماء والاولیاء والصلحاء و وضع السائر والصابغہ و الثیاب علی قبورھم امر جائز اذا کان المقصد بذلک التعلیم فی اعین العامة حتی لا یحتقر و اصحاب ہذا القبور یعنی علماء اولیاء اور صلحاء کی قبروں پر گنبد بنانا اور عمارتیں اور دیگر کپڑے رکھنا ایک مباح امر ہے جب کہ مقصد نظر عام میں صاحبانِ قبور کی تعظیم کرنا ہو تاکہ وہ انہیں حقیر نہ سمجھیں۔

**پہلے تھا فرق زیارتِ قبور** ہم انبیاء و ائمہ دین بلکہ عام مومنین کی قبور کی زیارت کو صرف جائز ہی نہیں بلکہ مستحب جانتے ہیں۔ بالخصوص جناب رسول خداؐ اور ائمہ ہدیٰ کے قبور و مقابر کی زیارت کو بہترین عبادت سمجھتے ہیں۔ اور ہمارا عمل اس کا شاہد ہے۔ کہ نفس و نفیس صرف کر کے بھی مشاہدہ نقد سے کی زیارت کرنے سے دریغ نہیں کرتے مگر یہ فرقہ اس قصد سے سفر کرنے کو جائز ہی نہیں سمجھا۔ اور اس فعلِ جمیل کو بڑھم خود بدعت خیال کرتا ہے اور اپنی تائید میں ایک ضعیف روایت کا سہارا لیتا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا لا تشاء السجالات الا الی ثلاث الخ۔

حالانکہ اس امر کا جواز اس قدر واضح ہے کہ بموجب الحق یعلو ولا یعلل علیہ اسی فرقہ کے ایک جمیل القدر عالم نے بھی دسے لفظوں میں اس کا اعتراف کر لیا ہے چنانچہ علامہ وحید الزمان اپنی کتاب اتوار اللغۃ ص ۳۴ پر لکھتے ہیں۔ "حضراتِ صوفیہ اور ایک جماعتِ کثیرہ علمائے دین نے اس پر اتفاق کیا ہے۔ کہ انبیاء اللہ اور اولیاء اللہ کے قبور کے زائرین کو طرح طرح کے فیوض و برکات حاصل ہوتے ہیں۔"

**پانچواں فرق وسیلہ و شفاعت** ہم تھنائے حاجات، عضوئیات، دفعِ بلیات اور دیگر تمام دینی و دنیوی مصائب و مشکلات میں تمام انبیاء و مرسلین و عباد اللہ الصالحین کے ساتھ توسل اور ان سے طلبِ شفاعت کرنے کو بالعموم اور سرکارِ محمد و آلِ محمد علیہم السلام کے ساتھ توسل حاصل کرنے کو بالخصوص صرف جائز ہی



نہیں بلکہ ضروری جانتے ہیں۔ اسی کتاب کے پانچویں باب میں اس امر کی مکمل وضاحت کی جا چکی ہے۔ مگر فرقہ واریہ ہر گاہ قدرت میں ہر قسم کے واسطہ وسیلہ پسین کرنے اور استشفاع کو ناجائز قرار دیتا ہے۔ چنانچہ محمد بن عبد الوہاب کا غیرہ الشیخ عبد الرحمن اپنی کتاب التوحید کی ذیلی شرح میں صفحہ ۲ پر لکھتا ہے۔

”واما بعد ذلک فلا يجوز الاستشفاع به كما تقدم تقریر فی باب الشفاعة وما قبله والله  
فهی عن اتخاذ الشفعاء فی مواضع كثيرة من القرآن یعنی آنحضرت کی وفات کے بعد ان سے شفاعت  
حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ اس کی تقریر سابقاً باب الشفاعة اور اس سے پہلے گزر چکی ہے اور خدا نے قرآن میں کئی  
مقامات پر شفیع بنانے کی ممانعت کی ہے۔“ اسی کتاب کے صفحہ ۲ پر لکھا ہے حرم الله اتخاذ الشفعاء وانكره  
على من نعل ذلك اشد الانكار لكونه ينافي الاخلاص الذي هو اقبال القلب والوجه على الله في  
كل ما يخافه العبد ويرجوّه ويتقرب به ويدين به ومن المعلوم انه اذا التفت للشفيع يناله  
فقد اعرض لوجهه وقلبه عن الله تعالى وذلك ينافي الاخلاص الا خدا صمد مطلب ہے کہ کسی کو شیخ نہیں  
بنانا چاہئے۔ اور ہر خوف درجہ میں براہ راست خدا کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ شفیع کی طرف متوجہ ہونا اخلاص کے  
متنافی ہے۔ اور مولوی وصید الزمان صاحب نے ہدیۃ المہدی ص ۲۹ پر نجدی کا یہ منہ دار قول بھی نقل کیا ہے کہ انتقال من  
اعتقد التبی او غیرہ ولیہ وشفیعہم قہود الویجہل فی الشارک سوا یعنی ”جو شخص نبی یا کسی اور شخص کو اپنا ولی و شفیع  
تصور کرے۔ وہ کفر و شرک میں الویجہل کے برابر ہے۔“ (خاک بدیں قاضی) حالانکہ ہر گاہ قدرت میں بعض مقربین خدا کا وسیلہ بنانا  
اور ان کو واسطہ قرار دینا خود قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔

ارشاد رب العزت ہے۔ یا ایہا الذین امنوا اتقوا الله وابتغوا الیہ الوسیلة (پس مائید ع ۱۰) اے ایماندارو  
خدا سے ڈرتے رہو اور اس کے تقرب کے واسطہ کی جستجو میں رہو۔

تیز ارشاد رب العباد ہے۔ ولوا تمہ اذ ظلموا انفسہم۔ جاؤک واستغفروا الله واستغفرلہم  
الرسول لوجہ الله تو ایسا رحیم (پس النساء ۶) اور اے رسول! جب ان لوگوں نے نافرمانی کر کے اپنی جانوں پر  
ظلم کیا تھا۔ اگر تمہارے پاس چلے آتے اور خدا سے معافی مانگتے۔ اور اے رسول! تم بھی ان کی مغفرت چاہتے تو بے شک وہ  
لوگ خدا کو بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان پاتے۔ (ترجمہ قرآن)

اس آیت سے بھی روزِ روشن کی طرح واضح و آشکار ہوتا ہے کہ گنہگاروں کی بخشش گناہ و دفتروں کے ساتھ مشروط ہے۔  
ایک ان کی ذاتی توبہ و استغفار۔ دوسری سرکارِ رحمتہ للعالمین کی سفارش و پکار۔

کتب سیر و تواریخ میں آنحضرت کے ساتھ توسل کرنے کے کئی واقعات مذکور ہیں۔ ہم یہاں بطور نمونہ صرف  
ایک واقعہ درج کرتے ہیں۔



آپ کی خدمت میں ایک اندھا حاضر ہوا۔ اپنی تکلیفیں بیان کیں۔ آپ نے فرمایا اگر چاہو تو دعا کروں اور اگر چاہو تو صبر کرو۔ اور یہ تہارے لئے اچھا ہے۔ عرض کی دعا کیجئے۔ فرمایا اچھی طرح وضو کر کے یہ دعا مانگو کہ خداوند! اپنی رحمت والے پیغمبر کے وسیلہ سے میری حاجت پوری کر دے۔ تندی اور حاکم کی ایک روایت میں اسی قدر ہے۔ مگر ابن جنبل اور حاکم کی دوسری روایت میں اس کے بعد لکھا ہے کہ اس نے ایسا کیا تو فوراً اچھا ہو گیا۔ الحدیث البیہ مولانا شبلی نعمانی رتید سلیمان ندوی ج ۲ صفحہ ۲۴۲ کہ انی سنن ابن ماجہ منترم وصیدی ج ۱ صفحہ ۳۶۶ وکنز العمال ج ۳ صفحہ ۲۹۹

**چھٹا فرق حیات انبیاء وائمہ** اگرچہ جلد اول ایمان حیات پر زخیہ رکھتے ہیں۔ مگر جس طرح انبیاء وائمہ دیگر صفات کمالیہ میں دوسرے لوگوں سے ممتاز ہیں۔ اسی طرح ان کی حیات پر زخیہ بھی دوسرے لوگوں سے بدرجہا اتم و اکمل ہے۔ اور اس عالم میں بھی ان کی شفاعت و سفارش کا وہ سلسلہ جو ان کی ظاہری حیات میں تھا۔ برابر جاری و ساری ہے۔ لیکن فرقہ و بابیہ اس بات کا منکر ہے۔ حالانکہ کتب اہل سنت میں بھی روایت اس میں مالک آنحضرت کی یہ حدیث مروی ہے کہ "ان الانبیاء الاحیاء یصلون فی قبورہم" یعنی انبیاء زندہ ہیں۔ اور اپنی قبروں میں نمازیں پڑھتے ہیں" (سیرت ابن ہشام ج ۱ صفحہ ۳۵۵)

**ساتواں فرق یا رسول اللہ اور یا علی کہنا** جو کہ ہم حیات انبیاء و اوصیاء کے قائل ہیں (جیسا کہ ابھی اوپر بیان کر چکے ہیں) اسلئے ہم نعرہ رسالت دیا رسول اللہ اور نعرہ حبسیدری یا علی کو جائز سمجھتے ہیں۔ لیکن جو فرقہ و بابی فرقہ ان حضرات کی حیات کا قائل نہیں ہے۔ اس لئے وہ یا رسول اللہ اور یا علی کہنے کو جائز نہیں سمجھتا۔ چنانچہ مولوی وحید الزمان اپنی کتاب بیۃ المہدی ص ۱۷ پر شرک خفی کی مثالیں پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ اردعا غیبا اللہ تعالیٰ بطلۃ الحب والاستغراق دعاء لغویا بمعنی النداء وتنزیل المقاب منزلۃ المحاضو مثل قوله یا رسول اللہ، او یا علی او یا حیدر الکوار اللہ، یعنی "قلوبہ عبت واستغرق فی غیر اللہ کو حرف ندا کے درمیان پکارنا یعنی غائب کو منزلہ حاضر کے تصور کر کے آواز دینا جیسے یا رسول اللہ یا علی یا حیدر کرنا کہنا یہ سب شرک خفی ہے۔" حالانکہ یا رسول اللہ یا علی کہنے کے ناجائز ہونے پر کوئی حقیقی یا نقلی دلیل قائم نہیں ہے۔ باقی رہا ان کا یہ خیال کہ حرف "یا" مخاطب حاضر پر بولا جاتا ہے۔ یہ بالکل بے فائدہ بات ہے علم خود کے مبتدی طلبہ بھی جانتے ہیں کہ حرف "یا" قریب و بعید ہر دو کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ دلائلہ ہونگنی ج ۲ صفحہ ۲۷ طبع مصر لہذا نحوی طور پر بھی اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

**آٹھواں فرق عقیدہ امامت** یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ ہم پیغمبر اسلام کے بعد ان کی سند کا صحیح وارث خلیفہ و جانشین اور اپنا مادی دنیا و دین حضرت امیر المومنین اور ان کی اولاد ائمہ دین سے گیارہ ائمہ ظاہری کو جانتے ہیں۔ اور بوجہ عصمت ان کی اطاعت مطلقہ کو واجب اور باعث نجات



دارین اور مخالفت کو موجب ملاکت کو نہیں جانتے ہیں۔ اور ان سے مقابلین کو اس منصب جلیل کا تانا بول اور مقام اہمیت کا غاصب سمجھتے ہیں۔ مگر یہ فرق دیگر تمام غیر اثنا عشری فرقوں کی طرح ائمہ طاہرین کی خلافت و امامت کا منکر ہے۔ وہ ان معصوم و مقدس ہستیوں سے روحانی رشتہ توڑ کر آل رسول کے مخالفین سے اپنا رشتہ جوڑتا ہے۔ اور اپنی لوگوں کو اپنا دینی و دنیوی ہادی و راہنما اور اس حضرت کے خلفاء اور خلی کے پیشوا مانتا ہے۔ اور یہ امر عیاں را چہ بیان کا مصداق ہے مسئلہ امامت کے تمام مباحث کو بالتفصیل دیکھنے کے خواہشمند ہمارے کتاب اثبات امامت کی طرف رجوع فرمائیں۔

### نواں فرق عقیدہ افضلیت

ہم نہ صرف یہ کہ ائمہ اہل بیت کو تمام اُمت محمدیہ سے اشرف و افضل جانتے ہیں بلکہ سرکار خاتم الانبیاء کے سوا باقی عام مخلوق تو درکنار دوسرے انبیاء و مرسلین اور ملائکہ مقربین نے بھی ان ذوات مقدسہ کو افضل و اعلیٰ سمجھتے ہیں۔ اس مطلب کے ثبوت کے لئے ہمارے کتاب احسن الفوائد کے اوراق شاہد ہیں۔ مگر فرقہ دہابیہ دیگر جمہور اہل سنت کی طرح اپنے شیخین کو ائمہ طاہرین سے افضل سمجھتا ہے اور اس نظریہ کے مخالف کو نہ صرف خطا کار بلکہ شرعی تعزیر کا سزاوار قرار دیتا ہے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ دہلوی اپنی کتاب ازالۃ الخفاء ص ۱۱ مقصد اول میں لکھتے ہیں: ہر کہ مرتضیٰ را تفصیل و بدترتیب میندع است و مستحق تعزیر یعنی جو شخص حضرت مرتضیٰ (علیہ السلام) کو شیخین و ابوبکر و عمر پر فضیلت دیتا ہے وہ یہ ممتی ہے اور تعزیر کا مستحق ہے۔ مگر بایں ہمہ ہمارے کرم فرماؤں کی نظر میں شاہ ولی اللہ مسلمان عالم دین اور ان کے معتقدین داخل زمرہ مسلمین مگر ائمہ طاہرین کو بوجہ ختمی مرتبت و دیگر تمام کائنات سے افضل ماننے والے قابلِ گردن زدنی اور بے دین ہیں۔ دلی اللہ اعلمتی و هو خیر المحاکمین۔

### دسواں فرق کلمہ ولایت

یہ بات بھی محتاج بیان نہیں ہے کہ ہمارے کلمہ شہادت و توحید و رسالت اور شہادت و ولایت سے مرکب ہے (یعنی لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ عَلِيُّ وَرِثِي) مگر اس فرقہ کا کلمہ دیگر عام اسلامی فرقوں کی طرح صرف شہادت و توحید و رسالت پر مشتمل ہے۔ (یعنی لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ) وہ شہادت و ولایت کو جائز و حرام کلمہ نہیں سمجھتے بلکہ ہم کلمہ لیبیہ کے اس حصہ کو اسلام کا جزو مکمل و متمم جانتے ہیں۔ جیسا کہ آیت لکمال دین (الیوم اکملت لکم دینکم و لایتکم) کے شان نزول سے واضح و عیاں ہے۔ (شیعی کلمہ کے ثبوت کے لئے کتاب مودۃ القرنی ص ۱۴۳ مودۃ ششم ملاحظہ ہو)

### گیارہواں فرق تقلید شخصی

ہم فرد دین میں صحت و قبولیت اعمال کے لئے تین باتوں میں سے کسی ایک پر: (۱) خود مجتہد ہو (۲) کسی جامع الشرائط مجتہد کو مکلف کے لئے ضروری سمجھتے ہیں۔ (۳) یا پھر محتاط ہو اور موارد و مواقع احتیاط کو سمجھ کر اس پر عمل درآمد کرے۔ مگر فرقہ دہابیہ تقلید شخصی کے سخت مخالف ہے اسی لئے اسے غیر فہم گروہ کہا جاتا ہے۔ اور اس نے تقلید شخصی کی رد میں بڑی بڑی ضخیم کتب تالیف کی ہیں بطور مثال شاہ نیر حسین محدث دہلوی کی کتاب معیار الحق و یہی جاسکتی ہے۔



## بارہواں فرق بعض اسماء کا حجاز

ہم ایسے اسماء کو نہ صرف جائز بلکہ مستحسن سمجھتے ہیں جن سے انبیاء و ائمہ صلیہم السلام سے نسبت غلامی مترشح ہوتی ہے۔ جیسے غلام عمد، غلام علی یا عبدالحسین (یہاں عمد یعنی غلام ہی ہے) وغیرہ۔ مگر یہ فرقہ ایسے اسماء کو ناجائز اور موجب شرک قرار دیتا ہے چنانچہ اس مذہب کے بہت بڑے مروج مولوی وحید الزمان کتاب ہدیۃ المہدی ص ۱ پر لکھتے ہیں: "وہناك شكوك اصغر دہی عبادۃ عن افعال شریکۃ كالخلف بغیر اللہ عادۃً اور تسمیۃ الاولاد عبدالحسین اور غلام علی اور عبدالباقی الخ یعنی شرک اکبر کے علاوہ، ایک شرک اصغر بھی ہے۔ اور اس سے مراد ایسے افعال ہیں جن سے شرک لازم آتا ہے جیسے عام عادت کے مطابق غیر اللہ کے نام کی قسم کھانا یا اولاد کا نام عبدالحسین، غلام علی، اور عبدالباقی رکھنا۔" حالانکہ اس طرح نام رکھنے میں ہرگز کسی قسم کا شرک لازم نہیں آتا۔ اسلامی نقطہ نظر سے خود بندوں میں آقا و خلائے مائیکہ و کینز کا سلسلہ جائز ہے۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے اپنے نیک بندوں یعنی غلاموں کی شادیاں کرو۔ "وانکھوالایہی متکم والصالحین من عبادکم واما تمکم (پس نذر ۱) اور اپنی رائیوں کے نکاح کرو۔ اور اپنے غلاموں اور لونڈیوں میں سے بھی ان کے بونیک بخت ہوں۔" ترجمہ ڈپٹی نذیر احمد مرحوم، ہر حال غلامی مصطفیٰ کو شرک کہہ کر برا اور راست غلام اللہ کہلانے والوں کو یہ حقیقت نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔ کہ

خلاف پیڑ کسے راگزید  
کہ ہرگز بمنزل خواہر رسید (معدی)

ایسے حضرات کو ہم مخلصانہ مشورہ دیتے ہیں کہ  
بمصطفیٰ رساں کر دین مجھ دوست  
اگر باد نریدی تمام بومہی است (اقبال)

## تیرھواں فرق عزاداری سید الشہداء

یہ امر عیاں را سچ بیان کا مصداق ہے کہ ہم عزاداری سرکار سید الشہداء علیہ افضل التقدیر والثناء کو بہترین عبادت اور حیاتِ ملی و قومی کے لئے بمنزلہ نشہ رگ حیات تصور کرتے ہیں۔ اور صحیح محاسن عزاکو احیاء دین سید المرسلین و نشہ و اشاعت تعلیمات ائمہ طاہرین کا بہترین ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اور اس کے تحفظ و بقا کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دینا عین ایمان جانتے ہیں۔ اور مصائب و مصائب پر رونے اور رلانے کو باعثِ نجات دارین مانتے ہیں۔ مگر فرقہ دنا بیہ مقام محاسن و مراسم عزاکو بدعتِ محرمہ سمجھتا ہے۔ اور ان کے انسداد کو عین عبادت تصور کرتا ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ جلیلہ کے اندر اس کے بارے میں اس کی مساعی نامشورہ کوئی ڈھکی بھپی نہیں ہیں۔ ہر جگہ اور ہمیشہ بالعموم اور بایام محرم الحرام میں بالخصوص فقہ سامانی اور خراسانی اس فرقہ کا طرد امتیاز ہے۔ ہدایہم اللہ تعالیٰ علی ہر اراط مستقیم۔

آخراً کلام میں ایک ایسے فرق کا تذکرہ کیا جاتا ہے جو فروع دین میں سے ایک اہم خود ہواں فرق بسط البیدین



رہا تھ کھٹے رکھنے، کو واجب اور قبیح البین رہا تھ بانہ حصے، کو بد تقصیر حرام اور مہمل نماز سمجھتے ہیں۔ مگر فرقہ دہابیر کا تقابلاً  
 کہ (اور وہ بھی سب پر نماز پڑھنے کو نہ درمی سمجھتا ہے۔ اور سینہ پر ہاتھ رکھ کر نماز پڑھنا اس کا نہ بھی شیعوہ و شعراء اور اس  
 کی پہچان کی ایک نہایت واضح و آشکار علامت ہے۔ کما لا یخفی علی اولی الابصار۔ حالانکہ جناب۔ سوان خدا اصلی اللہ  
 علیہ و آلہ وسلم کا کھٹے ہاتھوں نماز پڑھنا خود کتب اہل سنت میں موجود ہے۔ ملاحظہ ہو معارف المعارف لشمسہ بیہ  
 سہروردی مطبوع بر ہامش احیاء العلوم قرانی ج ۲ ص ۲ طبع مصر۔

پچار وہ معصومین علیہم السلام کے ماننے والوں کے لئے یہ چودہ فروق کافی ودانی ہیں۔ ان واضح و روشن پرے  
 چودہ عہد فروق کے باوجود اگر کوئی شخص پھر بھی اپنی شقاوت و بد بختی کا مظاہرہ کرتے ہوئے حق بین۔ حق گو اور  
 حق پرست علماء شیعہ خیر البریہ کو "دہابی" کہتا ہے تو ہم اس کا معاملہ خدا کے سپرد کرتے ہیں۔ وہو اسرع المحاسبین  
 قریب ہے یا دور و زحمت ہے کاشتوں کا خون کیونکر  
 جو پیپ رہے گی زبان خیر ہو پکارے گا آستیں کا  
 اللہم اھد قومی انھم لا یعلمون

"قل یا ایہا الناس ان کنتم فی شک من دینی فلا تعبدوا الذین تعبدون من دون اللہ ولکن اعبدوا اللہ الذی  
 یتوفاکم و امرت ان اکون من المؤمنین"

## دسوال باب

### موجودہ دور کے اکثر دعویٰ شیعہ کے مفوضہ اور شیخی العقیدہ ہونے کا بیان

جب ہم بفضلہ تعالیٰ اوپر نویں باب میں شیعہ علماء اعلام سے وہابیت کے اتہام نافرعام کا دلیل و برہان سے  
 بطلان واضح و عیان کر کے یہ حقیقت ثابت کر چکے کہ یہ علماء شیعہ پر سراسر افتراء و بہتان ہے (و اضما بفتویٰ الکذب الذین  
 لا یؤمنون) اور مبرہن کر چکے کہ "شیعیہ" اور وہابیت ایسی دو ضد ہیں۔ جن کا اجتماع ناممکن ہے۔ تو اب مناسب  
 معلوم ہوتا ہے کہ اس آخری باب میں ایک تلخ اور پریشیدہ حقیقت کا انکشاف کر دیں۔ اور وہ یہ ہے کہ شیعہ  
 علماء محققین کو "مقتدر" اور "دہابی" کہنے والے پیشہ در مقتدرین اور ان کے دام تزدیر میں پھنسے ہوئے (بقاہر) مومنین کی  
 کہیں مفوضہ اور شیعہ کے باطل عقاید کی حامل و مروج ہے یعنی وہ جن عقائد و نظریات کو آج مذہب شیعہ کے عقاید  
 سمجھ کر اپنا رہی ہے۔ وہ مذہب اہل بیت کے عقائد نہیں۔ بلکہ فرقہ مفوضہ کے عقائد ہیں جس کا سرخیل شیخ احمد احسانی



ہے۔ ان عقائد کے لوگ سابقہ زمانہ میں موقوفہ "کیلا تے تھے۔ اور اب عراق و ایران میں شیعیہ کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔ جن کے بارہ میں اعلام شیعہ کی میراث ہے کہ "المذلسون النفسہم فی الشیعۃ ولیسوا متہم۔ یعنی قریب کاری و عیاری سے انہوں نے اپنے تئیں شیعوں میں داخل کر رکھا ہے۔ مگر وہ فی الحقیقت شیعہ نہیں ہیں بلکہ متعدد جید علماء شیعہ تو ان کے کفر کا فتویٰ صادر فرما چکے ہیں۔ چنانچہ جناب فاضل محمد صالح برغانی صاحب مجلس المتقین شیخ الفقہاء شیخ جعفر کبیر صاحب کشف الغطاء، استاذ الفقہاء شیخ محمد حسن صاحب جوہر الکلام نقیبہ علیہ آقائے سید مہدی، جناب شریف العلماء، حضرت آقائے دربندی وغیرہم نے شیخ احمد مذکور کی تکفیر فرمائی ہے تفصیلات دیکھنے کے خواہش مند حضرات رسالہ "الشیعۃ والبابیۃ" طبع بغداد اور قصص العلماء مشکائی کی طرف رجوع کریں۔

یہ عقائد فاسدہ ہمارے ملک میں کیونکر پہنچے اور ہمارے سادہ لوح عوام کیونکر ان سے متاثر ہوئے؟ اور کن لطائف الحمیل سے عوام بلکہ بعض خواص کو حق و حقیقت سے دُور کیا گیا یہ ایک المناک اور طویل داستان ہے جس کے سلسلہ کی اکثر کڑیاں ناگفتنی ہیں۔ و لیس کلامی علم یقال! اجمالاً اس قدر اشارہ کیا جاتا ہے کہ آج سے قریب پچاس ساٹھ سال قبل بعض مشہور خطباء و داعیوں نے ان عقائد کی منبروں پر ترویج کی۔ اگرچہ اس وقت لاہور و مکنوں کے بعض مشہور ذمہ دار علماء اعلام ان عقائد کی حقیقت اور ان کی حوائق و نتائج کو اپنے نور بصیرت سے جانپ گئے تھے۔ اور انہوں نے اپنے امکانی ملک میں اس سادہ لوح عوام کو اس پیش آمدہ خطرہ سے آگاہ کیا۔ تاہم ان کے استدلال کی کوشش بھی کی مگر اکثر غیر پرست عوام نے ان اعلام کی اس بروقت آواز حق کو درخور اعتناء نہ سمجھا۔ بلکہ اپنی روش و رفتار سے اسے غیر مؤثر بنا دیا۔ پھر ان کے سینہ حیات اور بعد از وفات ان کے بعض افاضل تلامذہ عرصہ دراز تک تقریر و تحریر کے ذریعہ اپنی نظریات کی مسلسل نشر و اشاعت کرتے رہے۔ اسی رنگ میں رنگی ہوئی بعض بڑی بڑی کتابیں بھی لکھیں۔ جنہیں داعیوں و آکرین نے اور سادہ لوح عوام نے نامعلوم ہاتھ لیا۔ اور داسے، درہمے، نخنے ان کی ترویج و ترقی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ بلکہ عوام ارجحان دیکر اکثر نام نہاد داعیوں نے اس تصویر میں مزید رنگ بھرا۔ اس طرح رفتہ رفتہ یہی عقائد و نظریات سمجھے جانے لگے۔ اور مذہب شیعہ کے بواصل عقائد و نظریات تھے وہ انظار عامہ سے اوجھل ہو گئے۔ اور اب ۛ

جب اٹھ گئے بازار سے گاہک تو ہم آئے

نوبت بایں حار سیدہ کہ بالکل نظریاتی انقلاب مودنا ہو چکا ہے حقیقت کو مجاز اور مجاز کو حقیقت سمجھ دیا گیا ہے۔ یعنی کو باطل اور باطل کو حق کا نام دے دیا گیا ہے۔ ۛ

بدلتا ہے رنگ آسمان کیسے کیسے

اس سلسلہ میں اس سے زیادہ کچھ کہنے کی حالات و ظروف اجازت نہیں دیتے ۛ۔ کردم اشارتے و کمر نمی کنم

یہ عقائد سابقہ زمانہ میں موقوفہ



انہی حقائق کی بنا پر معصومین نے فرمایا ہے۔ کہ جب سرکار قائم آل محمد تشریف لائیں گے۔ تو اس قدر زہنی انقلاب  
اچکا ہوگا۔ کہ عام لوگ یہ سمجھیں گے کہ امام زمانہ کوئی نیا دین لائے ہیں۔ ”بحار الانوار ج ۱۳ وغیرہ“ آہ  
مقاوم تا غوب بتدریک وہی غوب ہوا بدل ہی جاتے ہیں غلامی میں قوموں کے ضمیر

فرقہ شیخیہ کے بعض عقائد فاسد کا بیان | اب ہم ذیل میں موجودہ دور کے بعض چیدہ چیدہ عقائد کا ثبوت  
سے پیش کرتے ہیں۔ تاکہ دعویٰ کے ساتھ دلیل بھی سامنے آجائے۔ کیونکہ جو جب ارشاد رب العباد تھا تو اُنہا تک  
ان کسٹم صدقین۔ ”ہم عقلاً میں صرف وہی دعوے قابلِ پزیرائی و شنوائی ہوتا ہے جس کے ساتھ دلیل  
و برہان موجود ہو۔“

شیخ احمد احسانی اپنی کتاب شرح الزیارات ۲۵۵ پر لکھتے ہیں وکذا اللہ النوع  
فانہم یدخلون فی النوع عاھداً و الاھنّ الحقیقۃ ہم خلق اخو  
فوق بنی آدم الخ۔ یعنی اسی طرح اللہ اہلبیت حسب ظاہر نوع انسانی میں داخل ہیں۔ ورنہ درحقیقت وہ بنی نور  
انسان سے بالائیک علیحدہ مخلوق ہیں۔ (کنزانی ۲۵۵) نیز اسی صفحہ پر لکھا ہے کہ ”ولباسہم صورۃ کثیفۃ صحت  
العناصرا الاربعۃ“ یعنی ان قواست مقدسہ کا لباس ان کی وہ صورت کثیفہ سے جو عناصر اربعہ سے مرکب ہے۔ اسی  
ہرح احسانی کے تمیز کریم خاں کرمانی اپنی کتاب فطرت سلیمہ ۲۸۸ پر لکھتے ہیں۔ ولعمری هذا المقام لیس لھم  
الاکتوب لبسوا للضرورة و خلعوا اذا دفعت الحاجة عن وھا و الی ما کان لھا۔ یعنی مجھے اپنی زندگی  
کی قسم یہ مقام (انسانیت) ان کے لئے بمنزلہ لباس کے ہے کہ انہوں نے خاص ضرورت کے لئے اسے پہن لیا تھا۔ اور  
جب ضرورت ختم ہو گئی۔ تو اُسے اتار پھینکا اور اپنی اصل حالت کی طرف عود کر گئے۔ (دنیا سے سدھار گئے) اسی طرح  
۲۸۹ پر لکھا ہے۔ فان هذا اللباس لبس الاکعباء لبسوها و خلعوها۔ یعنی یہ لباس (بشریت) ان کے لئے  
بمنزلہ ایک عبا کے ہے جسے وہ اکعبیٰ پہنتے ہیں اور دکعبیٰ اتار دیتے ہیں۔ ہم اس نظر پر فاسدہ کا تار و پود پہلے باب  
میں دلائل و براہین کے ساتھ فتنائے عجیبہ میں بکھیر چکے ہیں۔ اس لئے یہاں اعادہ و تکرار کی ضرورت نہیں۔ یہاں تو صرف یہ  
دکھانا مقصود ہے۔ کہ یہ عقائد سخیہ فرقہ شیخیہ کی ذہنی اختراع اور پیداوار ہیں و بس۔ اور آج انہی عقائد کو جزو جان  
اور مدار ایمان سمجھا جا رہا ہے۔

فرقہ شیخیہ کے نزدیک تفویض ثابت ہے۔ چنانچہ شیخ احمد احسانی اور اس کے  
شیخیہ اور تفویض والا عقیدہ | اتباع نے جا بجا اپنی کتب میں اس عقیدہ فاسدہ کو بڑے غم خود ثابت کیا ہے۔  
اور تفویض ممنوع سے اس تفویض استقلال کو مراد لیا ہے۔ جس سے خدا کا معطل محض ہونا لازم آتا ہے۔ چنانچہ



شیخ موصوف نے شرح زیارت جامعہ کے ص ۲۹۳ سے لے کر ص ۲۹۹ تک اس مطلب کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور سرکار  
 ملا مجلس علیہ الرحمہ کے غلو و تفویض کے متعلق مفصل کلام حقیقت ترجمان پر شرح الزبارة کے ص ۱۳ پر نقد و تبصرہ کرتے ہوئے  
 تفویض کو ثابت کرنے اور ائمہ کے خالی و رازق ہونے کو غلو و تفویض قرار نہ دینے کی سعی ناشکو کرتے ہوئے لکھا ہے "ولا تكون  
 غالباً اذ لا تری لاحد نعلاً بل دون الله ولا تشركاً اذ لا تری انهم فاعلون مع الله ولا كافواً لک اذ لا تری  
 انهم فاعلون بدون الله ولا مفوضاً اذ لا تری انهم يتبعون الله فاعلون على الاستقلال كما يفعل  
 الوكيل عن موكله الخ یعنی اس عقیدہ سے نہ تو تم خالی جتنے ہو کیونکہ تمہارا یہ اعتقاد نہیں ہے کہ کوئی شخص یہ کام اللہ  
 کے بغیر کرتا ہے اور نہ ہی تم مشرک ہو کیونکہ تمہارا یہ نظریہ نہیں ہے کہ وہ اللہ کے ساقط عمل کر فاعل ہیں۔ اور نہ ہی کافر ہو۔  
 کیونکہ تم ان کو خدا کے سوا فاعل نہیں سمجھتے۔ اور نہ ہی تم تفویض ممنوع کے قائل ہو۔ کیونکہ تمہارا یہ اعتقاد نہیں ہے۔  
 کہ وہ اللہ کے احسان سے علی الاستقلال فاعل ہیں پھر ص ۳۸ پر ازراہ تعقیب لکھتے ہیں یہ وكيف ينكر هذا  
 امثاله ويقبل ما هو اعظم في حق الملائكة الذين هم من سائخدا امهم وينحوا ما تجوز في الملائكة  
 الذين فيهم موكل بالسحاب وتصريف الرياح ونقد بيا الموت والحياة والرزق والخلق وغير ذلك  
 تجوز فيهم بالطريق الاولى الخ "بجلا ائمہ کے خالق و رازق وغیرہ ہونے کا کہہ کر انکار کیا جاتا ہے یہ حال ان کے ایسی  
 باتیں ملائکہ کے متعلق قبول کر لی جاتی ہیں۔ جو کہ ائمہ کے خادم ہیں۔ جب تم ملائکہ کے متعلق یہ جائز سمجھتے ہو۔ کہ ان میں  
 سے کچھ بادل و سوا چلاتے ہیں۔ اور کچھ موت و حیات مقدر کرتے اور کچھ خلق و رزق کے کام کرتے ہیں۔ تو پھر بطریق  
 اولی ائمہ کے حق میں کیوں ان امور کو جائز نہیں سمجھتے؟" اسی طرح شیخ موسیٰ شینی نے کتاب استحقاق الحق کے ص ۲۹۲  
 پر تفویض کو ثابت کرتے ہوئے لکھا ہے۔ "ان التفویض المذی وردا لنهی عنه فی الاخبار وحکم بکفر  
 قائمہ العلماء الاخیار هو التفویض علی طریق الاستقلال لا ما ذکرنا من التفویض الصحیح  
 وهو تصرفهم فی ملک الله سبحانه ومملکتہ باذنہ وحشیہ واسرا دتہ والمصرح فی الایات  
 ایضاً هو فی الخلق والرزق والاحیاء والاماتۃ عن غیر الله عز وجل المدعی للالوہدیۃ  
 او الاستقلال او الشراکۃ لا مطلقاً حتی یشمل ما ذکرنا الخ یعنی "وہ تفویض جس کے متعلق احادیث  
 میں ممانعت وارد ہوئی ہے۔ اور جس کے قائل کو علماء انبیاء نے کافر قرار دیا ہے۔ اس سے مراد تفویض استقلال  
 ہے۔ نہ وہ تفویض جس کا تذکرہ ہم نے کیا ہے۔ یعنی یہ کہ یہ بزرگوار خدا کی مملکت میں اُسی کے اذن و ارادہ سے  
 ہو جاتے ہیں تصرف کرتے ہیں۔ اسی طرح آیات میں بھی غیر خدا سے خلق و رزق اور اماتت و اسماء کی جو نفی کی  
 گئی ہے۔ تو اس سے مقصود بھی ان امور کی اس ذات سے نفی کرنا ہے۔ جس کے متعلق اُلُوہیت یا استقلال  
 یا خدا کا شریک ہونے کا دعویٰ کیا جائے۔ مطلقاً ان افعال کا غیر خدا سے نفی نہیں کی گئی۔ تاکہ ہماری جائز



تفویض کو شامل ہو سکے۔ ہم تیسرے باب میں ان تمام خرافات کے تحقیقی و تفصیلی جوابات پیش کر چکے ہیں۔ خلا فظیل الکلام بالکودار۔ وہاں رجوع کیا جائے۔

(۳) شیخینہ اور منطابہ اسماء اللہ والا عقیدہ

شرح الزیارتہ ص ۲۸۹ پر آیت مبارکہ اللہ اسماء المحسنی فادعوه بہا کے ذیل میں لکھتے ہیں، "فتقول یا کریم یا رحیم یا جواد یا غفور وھکذا الی سائر اسمائہ وھم علیہم السلام الخ یعنی تم جو کہتے ہو یا کریم، یا رحیم، یا جواد، یا غفور تم آخرا اسماء خدا تو اس سے مقصود حضرت آل محمد ہیں۔ نیز ص ۳۸۲ پر یہی بحث کرتے ہوئے آخر میں لکھا ہے، "وھم معانی افعالہ" یعنی ائمہ اہل بیت خدا کے افعال کے معانی میں۔ (یعنی خدا کے افعال کا ظہور ان سے ہوتا ہے) اس امر کی مزید وضاحت اسی کتاب کے ص ۲۹۲ پر موجود ہے۔ وہاں لکھا ہے، "واما ھذا السرفقہ قلنا اولاً انہ کوئمہ معانیہ سبحانہ ای معانی اسمائہ و افعالہ کما تقدم و کوئمہ ابوابہ التي منها یورق و منها یمنع و یعطى و یفقر و یغنی و یضحک و یبکی و یقتبض و یبسط و یحیی و یاموت و ینھى الی غیر ذلک من افعالہ الخ" یعنی یہ راز، آری ان میں بیان کر چکے ہیں۔ کہ ائمہ اہل بیت خدا کے اسماء و افعال کے معانی ہیں۔ اور یہ خدا کے وہ دروازے ہیں۔ کہ انہی کے ذریعہ خدا تک رسائی حاصل ہوتی ہے۔ اور انہی کے ذریعہ سے خدا کو کتاب ہے۔ اور عطا کرتا ہے۔ اور انہی کے توسط سے فقیر اور امیر بناتا ہے۔ انہی سے منساتا اور روٹاتا ہے۔ ان ہی کے ذریعہ سے تنگی اور وسعت عطا کرتا ہے۔ اور انہی کے ذریعہ سے مارتا و جلاتا اور انہی کے توسط سے امر و نہی وغیرہ افعال کا اظہار کرتا ہے۔ شیخ احسانی کے مشہور تلمیذ سید کاظم رشتی اپنی کتاب شرح القیوہ ص ۲۸ پر ظاہر و منظر کی بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ولما کانت الولاية لا بد لها من مظهر حامل وجب ان یکون حاملہا و مظهرہا اشرف المخلوقات والموجودات الخ یعنی "چونکہ ولایت کے لئے ایک حامل اور منظر کا ہونا لازمی ہے تو واجب ہے کہ اس ولایت کا حامل اور اس کا منظر اشرف المخلوقات ہو۔"

اسی طرح سید کاظم موصوف کے شاگرد شیخ کریم خاں اپنی کتاب فطرت سلیمہ کے ص ۱۵۲ پر لکھتے ہیں "ولما کان ھو صلی اللہ علیہ وآلہ منظر ھو اسم اللہ الحی ویم حیوۃ کل شیء وھو عقل کل المدبر لجمیع ما سواہ الخ یعنی "چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے اسم "الحی" کے منظر ہیں اور انہی کے ذریعہ ہر زندہ کو زندگی حاصل ہے اور وہ عقل کل ہیں۔ اور تمام ماسوائے اللہ کے ناظم و مدبر ہیں الخ ہم ان تمام لغویات کے مکمل جوابات تیسرے باب کے ذیل میں پیش کر چکے ہیں۔ وہاں رجوع کیا جائے۔



(۴) **شیخ احمد احسانی نے عابجا اپنی کتب میں ائمہ اہل بیت کے عالم الغیب ہونے کے عقیدہ کا ذکر بھی کیا ہے** ہاں البتہ وہ ان کو بالذات نہیں بلکہ تعلیم اللہ عالم الغیب جانتے میں چنانچہ شرح الزیارة ص ۱۲ پر لکھتے ہیں "فاذا قيل لا يعلمون الغيب منعق من ذاتهم فهو حق (الحی ان قال) واذا قيل علمهم الله فهو حق. الخ۔ یعنی جب یہ کہا جائے کہ یہ بزرگوار بالذات علم غیب نہیں جانتے۔ تو یہی حق ہے۔ اور جب یہ کہا جائے کہ خدا نے ان کو اس کی تعلیم دی ہے۔ تو یہ برحق ہے۔ (کذا افاد الشیخ موسیٰ فی الاحقاق ص ۳۲۹) علم غیب کے متعلق ہم ساتویں باب میں مکمل بحث کر چکے ہیں۔ قارئین کرام اس مقام کی طرف رجوع فرمائیں۔

(۵) **شیخ احمد احسانی نے اہل بیت کا علل رابعہ ہونے کا عقیدہ** و آل محمد علیہم السلام علت غائی ممکنات ہیں یعنی خداوند عالم نے کائنات ان بزرگواروں کے طفیل پیدا کی ہے۔ اگر خلاق عالم ان کو پیدا نہ کرتا تو پھر عالم کی کسی بھی چیز کو خلقت و وجود عطا نہ کرتا۔ اس مطلب کو ہم اس کتاب میں کئی جگہ واضح کر چکے ہیں۔ مگر فرقہ شیخیہ یہاں بھی ایک عجیب شیخی بکھارتا ہے وہ اس بات کا قائل ہے کہ یہ بزرگوار کائنات کے علل اور بعد ہیں۔ یعنی عالم کی علت مادی۔ علت صورنی، علت فاعل اور علت غائی یہی حضرات ہیں۔ تمام مشایخ کا مادہ اور صورت بھی انہی سے اخذ ہے اور یہی ان کے فاعل و جاعل ہیں۔ اور یہی سبب خلق و ایجاد ہیں۔ ملائکہ ہر شرح الزیارة احسانی ص ۲۸۵ و فطرت سلیمہ ص ۳۷۹ کریم خاں کرمانی "فهم سلام الله عليهم الذين هم الخالق الاول كما هو هو العلة المادية والصورية والغائية والفاعلية" یعنی یہی بزرگوار علیہم السلام مخلوق اول اور یہی عالم کی علت مادی و صوری اور علت غائی و فاعل ہیں۔ اس امر کا بطلان محتاج بیان نہیں ہے۔ مزید وضاحت کے لئے تیسرے باب کی طرف رجوع کیا جائے۔

(۶) **شیخیہ اور حاضرناظر والا عقیدہ** ائمہ علیہم السلام کا ہر وقت ہر جگہ بحمد غنصری حاضر ہونے والا خلاف عقل و نقل عقیدہ بھی شیخیہ کی کتب سے مترشح ہوتا ہے چنانچہ شیخ احمد احسانی نے اپنی کتاب شرح الزیارة کے ص ۳۲ پر ایک بے سرو پا دعوت درج کی ہے کہ جنگ خندق میں جب عمرو بن عبدود و اصل منہم ہو گئے تو کفار میں کھلبلی مچ گئی۔ اور وہ سترہ گروہوں میں بٹ گئے۔ ہر گروہ نے میدان جنگ سے قرار کرنا شروع کیا۔ راوی کہتا ہے کہ میں ہر گروہ کے پیچھے حضرت علیؑ کو اس کا نقاب کرتے ہوئے دیکھا۔ حالانکہ آنجناب اپنی جگہ پر کھڑے تھے۔ کیونکہ کسی جگہ ٹھسے کا پیچھا کرنا آپ کے کرائم اخلاق کے خلاف تھا۔ اسی طرح سید کاظم رشتی نے اپنی کتاب شرح الخطبة ص ۳۲ پر لکھا ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام ہر شب میں بیک وقت پالیس جگہ پر



موجود ہوتے تھے۔

علامہ سید مہدی قزوینی اپنی کتاب ہدی المذہبین ج ۲ ص ۱۶۳ طبع نجف اشرف پر اس نظریہ کی رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”وایں حرف مانند حرف استناد و محال است چونکہ بغیر وقت دین و عقل معلوم شدہ است کہ حضرت

امیر پہل حق و چہل نفسیت جگہ یک نفر است و یک نفر در یک دہان یک با محتاج است پس اگر

از ان جارفہ در زمان دیگر در جائے دیگر حاصل ے شود و ہمچنین دایں سکہ ضروری ہر جیسے از

اجسام است الخ

یعنی سید کاظم رشتی کا یہ کلام ان کے استاد و شیخ احسانی کے کلام کی طرح عقلاً محال ہے کیونکہ دین تویم و عقل سلیم کی رو سے بالبداهت یہ امر ثابت ہے کہ حضرت امیر ایک ہی آدمی تھے نہ چالیس، اور ظاہر ہے کہ ایک جسم ایک وقت میں ایک ہی جگہ میں ہو سکتا ہے جب وہاں سے منتقل ہوگا۔ تو پھر دوسری جگہ جائے گا۔ علیٰ ہذا القیاس اور یہ امر مجسم کے لئے بالبداهت ثابت ہے۔

بہر حال یہ عقیدہ شیعہ کی کتب میں باجماعت ہے کہ قعام الاشیاء فی جمیع احوالہا من الماضی و الحال و الاستقبال حافضہ لدیہم و بمعہم و منظرہم یشاہد و نہا حین وجودہا و صدقہ من مبدئہا و المستقبل عنہم عین الماضی و هو عین الحال۔ الخ (کتاب اتفاق ملت) یعنی تمام اشیاء ماضی، حال اور استقبال وغیرہ حالات میں ان کے روبرو حاضر ہیں۔ اور وہ ہر حال میں ان کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ ان کے نزدیک مستقبل عین ماضی اور ماضی عین حال ہے۔ اس امر کی تحقیق کے لئے پچھٹے باب کی طرف رجوع کیا جائے۔

۱۔ شیخ الحدیث علامہ حضوری والاعقیدہ | آج کل شاہ و شہید کی بحث پر بھی بہت زور دیا جاتا ہے نیز ائمہ علیہم السلام کا علم حضوری بتایا جاتا ہے۔ اس فاسد عقیدہ کا حشر چشمہ بھی شیخی تعلیمات ہیں۔ چنانچہ شیخ موسیٰ شینی نے اتفاق الحق میں شہید و شہادت کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔ ”وہذا الشہادۃ لا تکلون الاعضیاء جمیع الاشیاء کلیہا و جزئہا سرہا و علائقہا غیبہا و شہودہا لدیہم و عندہم و عدم غفلتہم عنہا آنا و احداً ابل و لا لحنۃ و احدۃ فظہروا علیہم بکل الاشیاء بلحاظ انہم شہداء علیہا عن قبل اللہ سبحانہ علم حضوری عیافی لا حصولی و التفاق الخ (ص ۳۷) یعنی یہ شہادت (گوئی) اسی وقت ممکن ہو سکتی ہے۔ کہ تمام کلی و جزئی اور ظاہری و باطنی اشیاء ان کے نزدیک اس طرح حاضر و موجود ہوں کہ ایک آن و لمحہ کے لئے بھی یہ ان سے غافل نہ ہوں۔



پس اس سے معلوم ہوا کہ اس اعتبار سے کہ وہ شہداء و خلق ہیں۔ ان کا علم من جانب اللہ حضوری ہے نہ حصول و  
التفاتی الخ۔

ہم ساتویں باب میں ثابت کر چکے ہیں کہ ائمہ علیہم السلام کے علم کو علم حضوری قرار دینا غالبیہ اور مقصودہ کا  
فاسد عقیدہ ہے جو عند الحقیقین کفر ہے۔ صحیح عقیدہ یہ ہے کہ ان کا علم حصولی و التفاتی ہے۔ تفصیل کے لئے مقام  
مذکور کی طرف رجوع کیا جائے۔

(۸) شیخیہ اور استمداد والا عقیدہ | شیخ احمد احسانی نے اپنی کتاب شرح الزیارة ص ۴۷ پر بعض  
تاریخ عنکیوت سے بھی زیادہ کمزور آثار کی بنا پر یہ ثابت کرنے کی  
کوشش کی ہے کہ سابقہ انبیاء علیہم السلام نے جناب امیر علیہ السلام سے استمداد کیا۔ اور انہوں نے ان کو  
مشکلات و مہلکات سے نجات دی۔ کیونکہ یہی مدبر امور دنیا ہیں۔ ہم چوتھے باب میں ثابت کر چکے ہیں کہ صحیح  
شیعی عقیدہ یہ ہے کہ امور تکوینیہ میں خداوند عالم کی طرف رجوع کرنا واجب ہے۔ ہاں سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام  
سے توسل حاصل کرنا چاہئے یہی طریقہ انبیاء و مرسلین اور عباد اللہ الصالحین ہے۔

(۹) شیخیہ اور معجزہ کے فعل نبی و امام ہونے والا عقیدہ | فرقہ شیخیہ نہ صرف یہ کہ وہ معجزہ کو فعل  
امام سمجھتا ہے بلکہ شیخ احمد احسانی نے  
تو شرح الزیارة ص ۳۹ میں یہاں تک لکھ دیا ہے۔ کہ دوسرے تمام انبیائے سلف کے معجزات بھی درحقیقت  
ائمہ اہل بیت علیہم السلام کے معجزات ہیں۔ (یعنی ان کے فاعل یہی بزرگوار ہیں) ”ما ظہرت علی الانبیاء  
والوسل و اتوا بہ من المعجزات کاحیاء الموق و نطق الجمادات و الحیوانات العجم و قلب  
الجمادات حیوانات کعصا موسیٰ و قیو ذلک فانما ایاتہم و امثالہم“ ہم پانچویں باب  
میں ناقابل انکار دلائل و براہین سے ثابت کر آئے ہیں۔ کہ اس سلسلہ میں صحیح شیعی عقیدہ یہ ہے کہ معجزہ کا حقیقی  
فاعل خداوند عالم ہے۔ ہاں من باب المجاز نبی و امام کی طرف اس کی نسبت درست ہے۔

(۱۰) شیخیہ اور فرشتوں کے حرکت و سکون کے بدست اہل بیت ہونے کا عقیدہ | شیخ احمد احسانی  
نے اپنی کتب  
بالخصوص شرح الزیارة میں متعدد مقامات پر لکھا ہے۔ کہ ملائکہ مدبرات کی حرکت اور ان کا سکون حکم اہل بیت  
کے تابع ہے۔ ہم احسن الفوائد اور اس کتاب کے تیسرے باب میں ثابت کر چکے ہیں کہ صحیح شیعی عقیدہ یہ ہے۔  
کہ فرشتوں کی بست و کشاد اور ان کی حرکت و سکون امر الہی کے تابع ہے۔ دہم بامورہ یعملون۔  
تلك عشرة كاملة



اگر طوالت کا خوف اور بعض دیگر موانع داخل نہ ہوتے تو ہم اپنے ملک کے بعض مشہور اہل علم و قلم رجسٹروں نے اس ملک میں ان عقائد کی تقریر و تحریر کے ذریعہ سلسلہ نشر و اشاعت کی ہے کی کتب و رسائل سے حرف بحرف ان عقائد و نظریات میں ان کی موافقت و مطابقت ثابت کرتے گئے

افسوس بے شمار سخنپائے گفتنی

خوفِ نسا و خلق سے ناگفتہ رہ گئے

اصول الشریعہ کے خلاف جن حضرات نے قلم اٹھایا ہے۔ ان کی کتب میں انہی عقائد باطلہ کا اثبات دیکھا جاسکتا ہے۔

نسکو فی بیان عندہا و کلام

قد جاء کم بضاؤ من ربکم من البصر فلتنصبن و من عینی فعلیہا و ما انا علیکم بکلیل  
واخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

SIBTAIN.COM



# اس کتاب کے مصنف علام کے دیگر قلمی شاہکار

واقعی حال پر حقیقت غمی ہو ستر نہیں ہے کہ کہ آیت اللہ العظمیٰ قدس سرہ فی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان خوش قسمت بھائیوں کو کہ جنہوں میں سے میں بھی ایک ہوں۔  
مہذّب فیض کی طرح بڑی فیاضی کا گہی ہے چنانچہ وہ جہاں ہم مشرق کے خنجر نامہ لکھیں وہیں وہاں علام شعلہ نوا اور شمع نیاں جلیجے پھرتی ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ  
شائستگی و کلفت اور لکھنے کے ایک خاص الطرب کا لکھنا کہ ہمیں رکھتے ہیں۔ ایسا کہ ان کا ذاتی شرافت جیسی نہایت بلند و بڑی خوش الطاق، تعلیم و فہم واری، مشرقی تہذیب  
اور اسلامی ثقافت کی پابندی و پاسداری اس پر مشتمل ہے۔ علامہ کی موت کے بعد ہی وہ خصوصیات میں سے جو ان کے ہونے کی کہ معترب زبان، محمود الاقوال بناوٹ ہے مگر وہ مگر ہمیشہ کے  
جساعہ و لاسع سے ظہر باہر کرتے ہیں۔ ہمارے وہ طاقت و وسوسہ اور طاقت و شرم کی انہم وہی میں جو ان شغولی و بھگت میں گویا وہ زبان حال ہے پکار رہے ہیں۔  
ہوا ہے کہ تفسیر و تفسیر میں پورا اپنا جگہ رکھے وہ مرد درویشان جس کو کونے سے نہیں ہوا انداز خسر و اند  
پشتانچہ زینت ذیل کتب جلیلا ہی کے علم و تسلیم کے شاہکار اور استاد ہیں جو علم اسلام کے ساتھ ساتھ علم و انصاف سے  
خارج خنجر مبین و آفرین مثال کر رہے ہیں۔

ذات فضل، اللہ تبارک و تعالیٰ من یشام

نہایت الفریقین حول حدیث الثقلین  
کو اکب مضبیہ در احادیث قدسیہ  
خلاصۃ الاحکام  
احل علم کے تسلیم سے منظر کا نظر پر آتا ہے  
داشملہ اللہ

سعادة الدارين فی مقتل الحسين  
شان و شوکت کے ساتھ قوم کے مشتاق ہاتھوں تک پہنچ رہی ہے۔ انشاء اللہ

حسن الفوائد فی شرح العقائد  
اس مشہور عالم اور محققانہ کتاب کا چوتھا ایڈیشن  
بڑی آب و تاب کے ساتھ ترقی کر رہا ہے۔ انشاء اللہ

اصول الشریعہ فی عقائد الشیعہ  
جو موجودہ دور کے تمام اختلافی مسائل و عقائد  
پر عرب آخر ہے اور اپنی علمی و تحقیقی شہرت کی بنا پر  
بہت سی تعارضات کی محنت راج نہیں ہے۔ عرصہ دہائے  
ختم تھی۔ اب بڑی شان و شوکت کے ساتھ اس کا چوتھا ایڈیشن عترب تحقیق پسند لوگوں  
تک پہنچ رہا ہے۔ انشاء اللہ

منیجر مکتبہ السبطين

المعلن